بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاویٰ دار العلوم زکریا

جلدِ ہشتم (۸)

" بقية أبواب من كتاب الحظر والإباحة ،

ومتفرقات الحظر والإباحة ، وكتاب الفرائض"

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتممِ دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت

معین دار الافتاء دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دار العلوم زکریا جلدِ ہشتم (۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ عنوانات

کتاب الفرائض ۷۶۰

باب (۱) ۷۶۱

وصیت سے متعلق احکام کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ

جو شخص کسی چیز کو بناتا ہے وہی اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی چیز کس طرح استعمال کی جائے، اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے کون سا طریقہ مفید ہے اور کون سا طریقہ نقصان دہ؟ جیسے انسان جب کسی مشین کا استعمال کرتا ہے تو اس کو بنانے والی کمپنی کی ہدایات پر عمل کرنے کا اہتمام کرتا ہے، ڈاکٹر جب دوا تجویز کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ دواساز کمپنی نے اس کے بارے میں کیا رہنمائی کی ہے؟ اگر غور کی نظر سے دیکھیے اور چشمِ عبرت کو وا کیجیے تو اس کائنات میں جتنی مخلوقات ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ ایک عظیم الشان مشین ہیں اور ایسے حیرت انگیز نظام پر مبنی ہیں کہ انسان اپنی چشم بصیرت کھول کر دیکھے تو ایمان لائے بغیر نہ رہے، خود انسان کا وجود بھی اپنی ظاہری اور باطنی کیفیات کے اعتبار سے قدرت کے دستِ اعجاز کی نیرنگیوں اور عقل کو دنگ کر دینے والے عجائب کا مظہر ہے، تو کیا انسان کو کائنات سے فائدہ اٹھانے اور زندگی گزارنے کے لیے اس کو پیدا کرنے والے کی رہنمائی مطلوب نہیں ہوگی؟ ہوگی اور ضرور ہوگی؛ کیونکہ وہی ہم سب کا خالق و مالک ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی خالق بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اس لائق بھی ہیں کہ ان کے احکام جاری ہوں اور وہ انسانیت کے بارے میں فیصلہ کریں کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے؟ **ألا لـه الخلق والأمر** (اعراف:۵۴) ایک اور موقع پر ارشاد ہوا: **إن الحكم إلا لله** (یوسف:۴۰)۔

اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے لیے اپنا ہدایت نامہ دو شکلوں میں انسان کے پاس بھیجا ہے، ایک کتاب اللہ جس کی تکمیل قرآن مجید پر ہو چکی، اور اب اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہیں ہو سکتی، دوسرے رجال اللہ، جن میں پہلا درجہ انبیا کا ہے، حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے نبی بھی، نبوت کا یہ زریں سلسلہ

جاری رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر ختم نبوت کا تاج گہربار رکھ دیا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا: **ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين** (احزاب:۴۰)۔

البتہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہدایت ربانی میں تسلسل قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو خصوصی انتظام فرمائے گئے، ایک یہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف محفوظ ہوگیا، جس سے قیامت تک ایک نقطہ کی بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی حفاظت کی بھی منجانب اللہ ایسی صورت ہوئی کہ آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا ریکارڈ محفوظ ہوگیا، خلوت ہو یا جلوت، عبادت ہو یا معاشرت، معاملات ہوں یا اخلاق، مسلمانوں کے باہمی روابط ہوں یا مسلم وغیر مسلم تعلقات، عدالت کی کرسی ہو یا تخت اقتدار، اور فاتح ہو یا مفتوح، ہر حال کے لیے آپ کا اسوہ اور نمونہ موجود ہے۔

ہدایتِ ربانی کے ان بنیادی سرچشموں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے رجال اللہ کا تسلسل بھی برقرار رکھا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی تو نہیں آسکتا؛ لیکن وارثین انبیا ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے؛ چنانچہ ارشاد ہے: **العلماء ورثة الأنبياء** (ترمذی:۲۶۸۲) مختلف علما نے انبیا کے حق میراث کو الگ الگ جہتوں میں ادا کیا، کسی نے دعوت وارشاد کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، کسی نے علومِ اسلامی کی تدریس کی محفل سجائی، کسی نے تزکیہ واحسان کی چٹائی بچھائی، کسی نے میدانِ جہاد میں سپہ سالاری کی اور کسی نے مناظرات ومباحثات کے ذریعہ فرق باطلہ کا رد کیا، غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مختلف اہلِ علم سے مختلف میدانوں میں کام لیا؛ لیکن دین کی تشریح وتوضیح اور اسلام کی فکری سرحدوں کی حفاظت کا کام سب سے زیادہ دو گروہوں سے لیا گیا: محدثین اور فقہاء، محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ومعمولات کو جمع کرنے اور رواۃ کے حالات کے اعتبار سے معتبر اور نا معتبر کو علاحدہ کرنے پر توجہ دی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ تحریف لفظی سے دین کی حفاظت ہوگئی، قرآن تو منجاب اللہ محفوظ تھا ہی، اور حدیث کی حفاظت محدثین کے ذریعہ انجام پائی؛ لیکن الفاظ کی حفاظت کے بعد بھی اہل ہوی اور ہوس کی طرف سے تحریف معنوی کی گنجائش باقی رہتی ہے اور پچھلی امتوں نے تحریف وتصحیف کی ان دونوں شکلوں سے دین حق کی تعلیمات اور الہی ہدایات کو نقصان پہنچایا ہے۔

فقہا نے تحریفِ معنوی کے راستے کو بھی بند کردیا اور وہ اس طور پر کہ ایک تو انہوں نے اجتہاد واستنباط کے

اصول وضع کیے اور اس طرح قرآن وحدیث کی من چاہی تعبیر پر روک لگا دی، دوسرے: قرآن وحدیث سے جو احکام مستنبط ہوتے تھے ان تمام احکامات کو ایک جامع نظام حیات کی شکل میں مرتب کردیا؛ تاکہ اسلامی تعلیمات اس طرح واضح ہوجائیں کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری تشریح قابلِ توجہ باقی نہ رہے؛ اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہاو محدثین کا امت پر ایسا عظیم احسان ہے کہ امت کبھی اس سے سبک بار نہیں ہوسکتی۔

فقہا کا امت پر ایک اور احسان یہ ہے کہ انہوں نے امت کے عام مسلمانوں کے لیے دین پر چلنا آسان کردیا، مثلاً نماز ہی کو لے لیجیے، نماز سے متعلق دو چار ہی احکام قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہیں، بقیہ تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں، جو بکھری ہوئی ہیں، اب اگر کوئی شخص براہ راست قرآن وحدیث سے طریقہ نماز کو سمجھنا چاہے تو اگر وہ عربی زبان سے واقف ہو تب بھی اسے سینکڑوں حدیثیں تلاش کرنی ہوں گی، پھر ان کے راویوں کے حالات معلوم کرنے ہوں گے، پھر جو احادیث متعارض ہوں، ان میں تطبیق پیدا کرنی ہوں گی، تطبیق ممکن نہ ہو تو ناسخ منسوخ تلاش کرنا ہوگا؛ ورنہ ترجیح دینی ہوگی، عجب نہیں کہ ان مراحل کو طے کرنے میں اس کو دس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ لگ جائے، تب جاکر وہ چار رکعات نماز ادا کرسکے گا، فقہا نے آیات سے احکام کا استنباط کیا، احادیث کے ذخیرہ کو کھنگالا، ترجیحات قائم کیں، اور نماز کے احکام کو اس طرح مرتب کردیا کہ اگر کوئی شخص کتاب الصلاۃ میں سے صرف باب صفۃ الصلاۃ کو دیکھ جائے جو دو ڈھائی صفحات میں ہوتا ہے تو اس کو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک تمام ضروری مسائل معلوم ہوجائیں گے۔

پھر مسلمانوں کی سہولت اور ان کی رہنمائی کے لیے افتاء کا نظام قائم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی خاص مسئلہ دریافت کرنا ہو تو وہ کتب فقہ کی ورق گردانی کرنے کے بجائے خاص اس واقعہ کے بارے میں مفتی سے دریافت کرلے، مفتی شرعی نقطہ نظر سے اس کا جواب دے دیتا ہے، شرعی رہنمائی کا یہ سلسلہ خود رسول کریم ﷺ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، آپ ﷺ امت کے سب سے پہلے مفتی تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ کے فتاوی کو بعض اہل علم نے فتاوی النبی ﷺ کے نام سے جمع بھی کیا ہے، پھر عہد صحابہ میں کار افتاء کا تسلسل رہا، ان میں چند حضرات تو وہ ہیں جنہوں نے بڑی تعداد میں فتاویٰ دیے ہیں، جن کو مکثرین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد سات ہے، دوسرے وہ ہیں جن سے نہ بہت زیادہ فتاویٰ منقول ہیں نہ بہت کم، ان کی تعداد بیس ذکر کی گئی ہے، تیسرے مقلین ہیں جن سے بہت کم

فتاویٰ منقول ہیں، بہرحال جن صحابہ سے فتویٰ دینا منقول ہے علامہ ابن القیمؒ کے بہ قول بحیثیت مجموعی ان کی تعداد ۱۳۰ سے زیادہ ہے، صحابہ کے بعد فقہائے تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین نے وسیع سطح پر یہ خدمت انجام دی ہے، امام ابوحنیفہؒ کو اس باب میں ایسی امتیازی شان حاصل تھی کہ امام شافعیؒ جیسے فقیہ ومحدث نے آپ کے بارے میں کہا تھا کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

پھر ائمہ اربعہ کے متبعین میں بھی بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے اور ہمیشہ ایسے لوگوں نے اس فریضہ کو انجام دیا جو بیک وقت علم وتفقہ اور ورع وتقوی کے اوج کمال پر تھے؛ کیونکہ فتوی دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے، امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے:

لو لا الخوف من اللّٰہ تعالی أن یضیع العلم ما أفتیت فیکون لھم الھناء وعلي الوزر (مقدمہ شرح عقود رسم المفتی ۶)۔

اگر اللہ تعالی کی جانب سے علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کبھی بھی فتویٰ نہ دیتا، کہ پوچھنے والے تو مزے ماریں اور ہم پر وبال ہو۔

امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مجلس میں ان سے پچاس سوالات کیے گئے، انہوں نے ہر ایک کے جواب میں کہا مجھے نہیں معلوم، ایک اور موقع پر ان سے اڑتالیس مسائل پوچھے گئے، انہوں نے بتیس کے جواب میں کہا **لا أدری** مجھے نہیں معلوم۔ (مقدمہ شرح عقود رسم المفتی عن شرح المھذب للنووی ۵)۔اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ وہ ہے جسے علامہ خطیب بغدادیؒ نے عمر بن سعید سے نقل کیا ہے:

انہوں نے علقمہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، علقمہ نے ان سے کہا کہ **ائت عبیدة فسئله**، عبیدہ سے جا کر پوچھو، میں عبیدہ کے پاس گیا، انہوں نے کہا **ائت علقمة** علقمہ سے جا کر پوچھ لو، میں نے کہا کہ **علقمة أرسلني إلیک**، علقمہ ہی نے آپ کے پاس بھیجا ہے، تب عبیدہ نے کہا کہ **ائت مسروق فسئله** مسروق سے دریافت کرلو، میں نے حضرت مسروق کے پاس جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا علقمہ سے دریافت کرلو، میں نے عرض کیا کہ علقمہ ہی نے عبیدہ کے پاس بھیجا اور پھر عبیدہ نے آپ کے پاس، تب مسروق نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کے پاس جاؤ، میں نے ان کے پاس جا کر سوال کیا تو انہوں نے میرے پوچھنے کو پسند نہیں فرمایا، میں

نے علقمہ کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا تو انہوں نے فرمایا: **أجرؤ القوم علی الفتیا أدناهم علماً.** (الفقیہ المتفقہ ۱۳/۲)۔فتویٰ دینے میں زیادہ جری وہی ہوتا ہے جو لوگوں میں سب سے کم علم ہوا کرتا ہے۔

اسی احتیاط کی بنیاد پر اہل علم نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کسی عالم سے جو بھی سوال کیا جائے خواہ اس کے بارے میں اس کو تحقیق نہ ہو پھر بھی وہ جواب دیتا چلا جائے؛ چناچہ امام نوویؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے وہ مجنون ہے۔**من أفتی عن کل ما یسئل فهو مجنون** (شرح المہذب ۴۱/۱)۔ اس لیے اس خدمت کو ہمیشہ اہل علم نے بڑی ذمہ داری سے انجام دیا ہے۔

بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ جیسے عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں فتاویٰ کی خدمات انجام دی جارہی ہیں، برصغیر کا بھی اس میں نمایاں حصہ ہے، اور اس خطہ کے اہل علم جہاں کہیں بھی گئے وہ علم کی یہ سوغات اپنے ساتھ لے کر گئے اور جہاں انہوں نے علوم اسلامی کی تدریس کے لیے مسند بچھائی، دعوت وتبلیغ کی جدوجہد کو بڑھایا اور تزکیہ واحسان کے ذریعے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرم کیا، وہیں فتاویٰ کے ذریعہ دینی رہنمائی کا سلسلہ بھی جاری کیا اور جس نے جہاں اپنی چادر بچھائی، وہ وہاں تشنہ کاموں کا ملجا وماوی بن گیا۔

برصغیر کے علما نے جن علاقوں کو اپنے علم کے فیض سے آراستہ کیا، ان میں ایک اہم خطہ جنوبی افریقہ ہے، جہاں بحمد اللہ کئی نسلوں سے گجرات کے باحمیت مسلمان آباد ہیں، گجرات کے مسلمانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جہاں بھی پہنچے، سب سے پہلے مدرسہ ومسجد کی بنیاد رکھی، اور بچوں کی تعلیم کے لیے مکاتب اور بڑوں کی اصلاح وتربیت کے لیے تحریک دعوت وتبلیغ کا نظام قائم کیا، جنوبی افریقہ بھی اس کی بہترین مثال ہے، ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی بے حیائی اور بداخلاقی کے ماحول میں وہاں کے مسلمان بہت سی لہو ولعب سے محفوظ ہیں، اور انہوں نے اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھا ہے۔

جنوبی افریقہ کا ایک ممتاز دینی ادارہ دار العلوم زکریا ہے، جس کی بنیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کی تمنا پر رکھی گئی، آپ ہی کی بابرکت نسبت سے یہ ادارہ موسوم ہے، ۱۹۸۳ء میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، حضرت قاری عبد المجید صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب کی باہمی رفاقت کے ساتھ

یہ کارواں آگے بڑھا، اور ۱۹۸۵ء تک قاری عبد الحمید صاحب اس ادارے کے مہتمم رہے، پھر جب انہوں نے جنوبی افریقہ چھوڑا تو اہتمام کی ذمہ داری حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی دامت برکاتہم سے متعلق ہوئی، اور اس وقت سے تا حال حضرت مولانا سالوجی صاحب کی قیادت میں علم وفکر کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، بحمد اللہ جامعہ ہذا میں پچاس سے زیادہ ملکوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، اور نہ صرف تعلیم وتربیت کے مختلف شعبے کام کررہے ہیں؛ بلکہ ۱۹۸۷ء سے مستحکم بنیادوں پر دار الافتاء کا نظام بھی قائم ہے۔

مولانا سالوجی جوہر بھی ہیں اور جوہر شناس بھی، خود مرد کار ہیں اور مردان کار کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے لانے اور اپنے گلشن کو گلہائے رنگارنگ سے سنوارنے کا ذوق بے بہا اور جذبہ بے کراں رکھتے ہیں؛ چنانچہ ان کی نگاہ مردم شناس نے صاحبِ فتاویٰ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم کو ڈھونڈ نکالا، اور نظر وفکر کا جو گلستاں انہوں نے لگایا تھا، اس کے ایک شجر سایہ دار وسدابہار کی حیثیت سے وہ آپ کو پاکستان سے لے کر آگئے، حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۷۰ء میں جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک سے فراغت پائی، ۷۳،۱۹۷۲ء میں جامعہ بنوری ٹاؤن میں تخصص کیا اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسے قد آور محدث، فقیہ اور ادیب کے دامن تربیت سے وابستہ رہے، مفتی صاحب اب سالہا سال سے جامعہ زکریا میں بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں، فقہ، تصوف، حدیث، قواعد صرف، فرائض اور شعر وادب وغیرہ پر ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں، آپ نے حضرت مولانا بنوریؒ کے زیر نگرانی اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر اپنا تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا تھا، جو طبع ہو چکا ہے، بحمد اللہ آپ کے تلامذہ ومستفیدین کے دلوں میں آپ کی غیر معمولی محبت ہے اور طلبہ کے دلوں استاذ کی محبت علم وفضل اور اخلاق وکردار کی بلندی کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، آپ نے اپنے زمانے کے ممتاز فقیہ اور اپنے بزرگوں اور خوردوں دونوں کے محبوب استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، اور احسان وسلوک میں ان کے مجاز بھی ہوئے۔

فتاویٰ دار العلوم زکریا آپ ہی کے گراں قدر فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جن کی ۷ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، اس مجموعے کے زیادہ تر فتاویٰ خود مفتی صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، مشاغل کی کثرت اور بالخصوص آنکھوں کی بیماری کی وجہ سے جب جامعہ میں شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء قائم ہوا تو مدرسہ کی عام روایت کے مطابق سوالات طلبہ

کے حوالہ کردیے جاتے، وہ آپ کے مشورہ سے جوابات لکھتے، پھر آپ کی نظرِ ثانی کے بعد طباعت ہوتی؛ اس لیے بجا طور پر اس کو مفتی صاحب کے افادات کی حیثیت سے اس مجموعہ میں شامل رکھا گیا ہے، مفتی صاحب کے دامن فیض سے وابستہ ان کے لائق تلمیذ مولانا محمد الیاس شیخ صاحب نے بڑی محنت، حسن ذوق اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کتاب کی ترتیب وتہذیب کا فریضہ انجام دیا ہے۔ نیز مفتی عبدالباری صاحب پہلی جلد میں ان کے ساتھ شریکِ کار رہے۔

اس حقیر کو فتاویٰ کے اس مجموعہ کی جو خصوصیات نظر آئیں، یہاں ان کا تذکرہ مناسب ہوگا:

❁ جنوبی افریقہ اور اس کے مضافات میں جو ممالک ہیں، وہ مختلف رنگ ونسل، مذاہب اور زبانوں کا مجموعہ ہیں، اور بڑی حد تک یہ خطہ مشرقی ومغربی تہذیب کا سنگم ہے؛ چونکہ یہ ممالک طویل عرصہ سے غلامی کی حالت میں تھے؛ اس لیے شخصی آزادی کے معاملہ میں یہاں بہت غلو بھی پایا جاتا ہے، نہ پاکستان وبنگلہ دیش کی طرح مسلم ملک ہے، اور نہ ہندوستان کی طرح وہاں مسلمانوں کے لیے قانونِ شریعت کو تسلیم کیا گیا ہے؛ اس لیے وہاں کے ماحول میں بمقابلہ برصغیر کے نئے مسائل زیادہ پیش آتے ہیں، غالباً اسی لیے ان فتاوی میں جدید مسائل کی اچھی خاصی تعداد آ گئی ہے۔

❁ عام طور پر اکابر کے یہاں حوالہ جات کا اہتمام کم ہوا کرتا تھا، حوالہ جات دیے جاتے تو کہیں صرف کتاب کا نام لکھ دیا جاتا، کہیں عبارت کا چھوٹا سا ٹکڑا؛ کیونکہ عوام کو حوالے کی ضرورت نہیں ہے، اور علماء کا علمی اشتغال اس درجہ تھا کہ یہ اشارہ بھی کافی ہوجاتا تھا؛ لیکن اب صورت حال یہ نہیں رہی، اگر مکمل حوالہ ہو اور حوالہ کی عبارت درج ہو تو تشفی کا باعث ہوتا ہے، اور بالخصوص اہل علم کے لیے اصل ماخذ تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے، اس مجموعہ میں اس کی پوری رعایت کی گئی ہے، حوالہ ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور عبادتیں بھی پوری پوری نقل کی گئی ہیں؛ اس لیے امید ہے کہ یہ خواص اور اہل علم کے لیے بھی تشفی کا سامان ہوگا۔

❁ مفتی صاحب نے صرف فقہی عبارتوں کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے؛ بلکہ کتاب وسنت کی نصوص بھی ذکر فرمائی ہیں اور خاص کر جہاں کسی حدیث کی تحقیق کی ضرورت تھی، وہاں اس پر شرح وبسط اور تحقیق کے ساتھ گفتگو کی ہے۔

❁ مفتی صاحب کے فتاویٰ کی ایک اہم خصوصیت فقہی مسائل میں ان کا اعتدال ہے، انہوں نے کتاب وسنت کی نصوص کے ظاہری مفاہیم کے ساتھ ساتھ عرف وتعامل، مصالح اور موجودہ حالات کو بھی پیش نظر رکھا ہے، اور افراط وتفریط سے دامن بچا کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے۔

❁ مفتی صاحب نے تفسیر وحدیث کی اہم کتب اور متقدمین ومتأخرین کے اجتہادات سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے معاصر اہل علم سے استفادہ کرنے میں بھی تکلف سے کام نہیں لیا ہے، اور جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے، پوری دیانت کے ساتھ ان کے حوالہ جات ذکر کئے ہیں۔

❁ تقریباً ہر جلد میں ان مسائل کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے، جن پر مفتی صاحب نے تفصیل سے قلم اٹھایا ہے، ان مسائل کا تعلق حدیث سے بھی ہے اور فقہ سے بھی۔

غرض کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو زبان میں فتاویٰ کے جو مجموعے آئے ہیں، ان میں یہ ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

...دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو امت کے لیے نافع بنائے، علماء اور عام مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے،...اور ملتِ اسلامیہ پر تادیر صاحبِ فتاویٰ کا سایۂ عاطفت قائم رہے۔ واللّٰہ المستعان.

(حضرت مولانا مفتی) خالد سیف اللہ رحمانی خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۱۴/ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ ، ۱۷/ اگست ۲۰۱۶ء

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ، فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ، علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے، اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔ اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے، بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے، اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے، کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہو جائے۔ (ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ''البینات'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرکے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کردیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انھون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرِ علمی سے ایک بڑے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کردیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کرکے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہوکر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ''بینات'' رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب مدظلہ کا تبصرہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا، بندہ بھی اللہ تعالی کے فضل وکرم سے خیریت سے رہ کر بارگاہ ایزدی میں جناب والا کی خیر وعافیت کا طالب ہے۔غرض تحریر اینکہ حضرت والا کے فتاویٰ کا عظیم الشان مجموعہ ''فتاوی دار العلوم زکریا'' ج۴رو ج:۶ر کے مکمل مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی ، بقیہ جلدوں کا بھی عنقریب مطالعہ کروں گا ، انشاء اللہ تعالی۔حضرت بلا مبالغہ فتاوی کا یہ مجموعہ ہمارے اکابر کے مطبوعہ فتاوی میں نہ صرف ایک قیمتی اضافہ بلکہ کئی فتاوی سے زیادہ ظاہری وباطنی حسن کا حامل ہے۔بہترین طباعت' صاف ستھری تحریر' عمدہ کاغذ' مضبوط اور خوبصورت جلد سے مزین حسن ظاہری میں تو اپنی مثال آپ ہے، مگر بہترین جوابات' علمی ٹھوس استدلال' قرآن کریم کی آیات' احادیث مبارکہ اور فقہاء امت کے فقہی ذخائر سے غیر معمولی اہمیت سے معمور فقہی عبارتوں سے مالا مال لاجواب مسائل کا بے انتہا مفید سے مفید تر مجموعہ ہیں، جزاکم اللہ تعالی احسن الجزاء فی الدارین خیرا۔دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی اس مجموعہ کو امت کے لئے نافع اور آپ ومرتب مدظلہما کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

یہ مجموعہ نہ صرف عوام بلکہ حضرات علماء کے لئے بھی قابل قدر ہیں، بلکہ ارباب افتاء کے لئے اس میں بہت کچھ کام کی باتیں اور مفید ہدایات آگئی ہیں۔بعض مسائل پر اس قدر سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ دوسرے فتاوی ان سے خالی ہے۔فتاوی کا یہ عمدہ ترین مجموعہ آپ کی فقہی بصیرت کا شاہد ہے۔دوران مطالعہ محسوس ہوا کہ حضرت والا میں نہ بعض متشدد ارباب افتاء والا جمود ہے اور نہ زمانہ کے بعض متساہل طبیعت والے مفتی والا تساہل، نہ ہر طرح کی آزادی اور نہ ضرورت کے وقت فقہاء امت کی دی ہوئی سہولت سے تنگی۔یقیناً اس میں ارباب افتاء کے لئے ایک قیمتی سبق ہے۔اللہ تعالی حضرات ارباب افتاء کو ان فتاوی سے مفید اسباق لینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مرتب مدظلہ کی محنت بھی یقیناً قابل مبارک باد ہے کہ موصوف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ان فتاوی کو مرتب کیا، اللہ تعالی ان کی اس محنت کو بھی ذریعۂ نجات ودارین میں فوز ودرجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے، آمین۔دوران مطالعہ بعض امور ذہن میں آئے ان کو عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں، امید کہ حضرت والا کی

طبیعت پر گرانی کا باعث نہ ہوں گے۔

(۱):……آپ کی وسعت کے لئے صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں، حضرت والا نے دم بریدہ جانور کی قربانی کی جو تفصیل تحریر فرمائی ہے کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اکثر عصر حاضر کے ارباب افتاء عدم جواز کے قائل ہیں، بعض حضرات نے جواز کا فتوی دیا ہے، حضرت والا نے دونوں طرف کے دلائل کے بعد جواز کی طرف رجحان ظاہر فرمایا، یہ وسعت نہ شرعی حدود سے باہر ہے اور نہ اس میں امت کے لئے تنگی ہے۔ اس فتویٰ کو حضرت والا نے جس قدر تفصیل سے باحوالہ اور مدلل تحریر فرمایا ہے، یہ واقعی وقت کی ضرورت اور حضرت کی فقہی بصیرت کی دلیل ہے۔ (ص ۳۷۰ ج ۶) اس کی ایک وجہ یہ بھی آپ جس ملک میں قیام فرما ہیں، ہمارے ایشیا کے اکثر ارباب افتاء اس ملک کے حالات سے پوری طرح واقف نہیں، سوائے ان چند حضرات کے جنہوں نے اس ملک کا سفر فرمایا ہے۔ واقعی ملک کے حالات کے پیش نظر بھی ملک میں مقیم حضرات مفتیان کرام کو خصوصی توجہ کرنی چاہئے۔

(۲):……محاسبی رحمہ اللہ کے اس جملہ نے ''**یتداوی المتوکل اقتداء بسید المتوکلین**'' یعنی ''متوکل شخص سید المتوکلین کی اقتدا میں علاج کرائے'' دوران مطالعہ بے اختیار ماشاء اللہ کی آواز زبان پر جاری کردی۔

(۳):……بندوق سے شکار کے جواز پر مشتمل رسالہ'' **ابراز الدقائق فی حکم صید البنادق** '' بھی ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہے، آپ نے اپنے موقف کو جس قوت اور حسن دلائل سے مزین فرمایا ہے، پڑھ کر بہت فائدہ ہوا۔ (۱۹۵ ج ۶)

(۴):……قربانی کے بعض مسائل سے بہت ہی فائدہ ہوا، اس لئے کہ ان مسائل کا تعلق اہل برطانیہ سے بھی ہے۔ ہندو و پاک کے فتاویٰ میں وہ مسائل نہیں آئے جو اللہ تعالی نے ان فتاویٰ میں جمع کروادیئے۔

(۵):……جلد چہارمؔ میں حضرت والا نے عورت کے دوا وعلاج کا خرچ شوہر کے ذمہ وجوب کا جو قول اختیار فرمایا اور اپنی رائے کا ان الفاظ میں:

''راقم کی رائے یہ ہے کہ دوا علاج وغیرہ خاص طور پر اس زمانے میں انسان کی اس سے کم بنیادی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ تیل، کنگھی اور صابن وغیرہ ہے۔ جب عورت کے جسم کی صحت وصفائی کے لئے ان چیزوں کے

فراہم کرنے کو فقہاء نے واجب لکھا ہے تو پھر دوا علاج کیوں نہ واجب ہو؟ پھر فقہاء لکھتے ہیں کہ بالغ لڑکوں کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بالغ لڑکا بیمار پڑ جائے تو اس کا نان نفقہ باپ پر ضروری ہو جاتا ہے، اور پھر یہ تو لڑکا ہے۔ فقہاء نے مضارب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو علاج کا خرچ بھی ملے گا، کیونکہ بغیر اس کے مضارب کا کام وہ نہیں کرسکتا، تو عورت سے جو فوائد متعلق ہیں ان کا لحاظ کر کے اس کے دوا علاج کا خرچ مرد پر ضروری کیوں نہ قرار دیا جائے''۔ (ص ۳۶۸ ج ۴)

میں جو اظہار فرمایا ہے وہ واقعی قابل قدر اور زمانے کے حالات کے عین مطابق ہے۔

(۶):...... فراغت کے بعد عالم دین کا ایک سال کے لئے جماعت میں جانے پر آپ کا فتویٰ بھی ماشاء اللہ لائق تحسین ہے، فتنہ کے اندیشہ کے ابطال پر جو آپ نے نظیر پیش فرمائی ہے:

''علاوہ ازیں اس کی نظیر فقہاء کی عبارت سے ہم پیش کر سکتے ہیں کہ عنین کی زوجہ کو فقہاء ایک سال کی مہلت دیتے ہیں، اور مفقود کی زوجہ کو چار سال کی، حالانکہ اس طویل مدت میں بھی تو فتنہ کا اندیشہ ہوسکتا ہے''۔ (ص ۴۳۹ ج ۴) بہت قابل غور اور قابل صد تحسین نظر ہے۔

(۷):...... حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ راقم کے بھی استاذ ہیں، حضرت والا نے بعض جگہوں پر ان کی رائے نقل فرمائی ہے، کاش یہ پہلے مطالعہ میں آجاتی تو میں ان کے حالات میں جو میں نے مختصر طور پر لکھے ہیں، شامل کر لیتا، آئندہ طباعت میں انشاء اللہ اسے شامل اشاعت کرلوں گا۔ اور واقعی حضرت رحمہ اللہ کی رائے بھی ان کی فقہی بصیرت اور حالات زمانے سے واقفیت کی بین دلیل ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں: حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے سامنے جب شوہر کے طلاق ثلاثہ کے انکار اور عورت کے طلاق ثلاثہ کے دعوے کا مسئلہ آتا اور حضرت کو حکم بنایا جاتا تو عورت سے گواہ طلب کرتے، اور جب عورت کے پاس گواہ نہ ہوتے تو شوہر سے قسم لیتے، اور جب شوہر قسم کھاتا کہ میں نے تین طلاقیں نہیں دیں تو بیوی سے فرماتے تم شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہو اگر شوہر جھوٹا ہوگا تو گناہ شوہر پر ہوگا''۔ (ص ۱۱۳ ج ۴)

پھر حضرت والا نے اپنا رجحان بھی ان الفاظ میں: ''اس میں آسانی ہے اسی کی طرف بندہ کا میلان ہے'' اسی کی طرف ظاہر فرمایا ہے۔ واقعی بعض اوقات عورت کی مجبوری میں یہی رائے قابل اتباع ہونی چاہئے۔ جبکہ ''بزازیہ'' اور ''خلاصۃ الفتاوی'' کی عبارت بھی اس رائے کی موید ہے: ''ان لم یکن بینة ترفع الی القاضی و

تحلفه فان حلف فلاإثم عليه ''۔(خلاصۃ الفتاوی:۲/۱۲۰،المکتبۃ الرشیدیہ) فان حلف ولا بينة لها فلاإثم عليه ۔ (فتاوی شامی۳/۲۵۱،باب الرجعۃ،سعید)۔

(۸):...... زوجہ کی موجودگی میں تحریری طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت والا نے بڑی تفصیل اور دلائل سے فتوی تحریر فرما کر اس بات کو ثابت فرمایا کہ تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے بیوی حاضر ہو یا غائب بہر صورت طلاق واقع ہوجاتی ہے، ہاں اگر کسی پر اکراہ کیا جائے تو مکرہ کی تحریر معتبر نہ ہوگی اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے جزئیہ'' وظاهره ان المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر '' سے جو اشکال واقع ہوتا ہے اس کا جواب بھی خوب لکھا، نیز علامہ رافعی نے علامہ شامی کے ظاہر کہنے پر اشکال بھی فرمایا ہے، وغیرہ امور کو خوب صراحت سے مدلل فرما کر مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو بحسن وخوبی واضح فرمادیا، پھر نطق کو مؤثر اور کتابت کو غیر مؤثر مان لینے سے جن مسائل پر اثر پڑتا ہے ان نظائر کو بڑے دلچسپ انداز سے تحریر فرمایا۔حضرت والا کی یہ اور اس طرح کی دوسری تحریروں کے مطالعہ سے بندہ بہت متأثر ہوا۔

(۹):...... تعلیق طلاق میں شافعی قاضی سے فیصلہ کرانے کا حکم کیا ہے؟ اس پر آپ نے جو فتویٰ تحریر فرمایا اور اس کے اثبات میں جو نظائر پیش فرمائے ہیں، واقعۃً بڑے قابل غور اور سائل کو منوا کر مطمئن کئے بغیر نہیں رہتے۔اللہ تعالی آپ کو اس محنت شاقہ کا دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔

(۱۰):...... صفحہ نمبر:۳۱۹/ پر دوران عدت گھر سے باہر نکلنے کے سلسلہ میں نمبر:۷/ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:''عورت عدالت میں جاسکتی ہے''

اس کو اگر حضرت والا مناسب سمجھیں اور تھوڑی سی تبدیلی فرمادیں مثلا: اگر آسانی سے تاریخ مؤخر کی جاسکتی ہو تو تاریخ مؤخر کرانی چاہئے، ہاں اگر تاریخ کی تبدیلی ممکن نہیں اور مؤخر اکرانے میں واقعی مشقت ہو تو پھر جاسکتی ہے۔ هذا ما ظهر لی ، یہ ایک طفل مکتب کی رائے ہے حضرت والا جبال علم ہیں'' رأی العليل عليل ''۔

فقط طالب دعا: مرغوب احمد لاجپوری،

۲/ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق: ۱۸/اگست 2015ء، منگل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً اور مولانا شبیر احمد صاحب اوران کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک قاری عبدالحمید صاحبؒ مہتمم رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحبؒ کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء .**

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۱۷، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۴ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۴۴۲ ہے، مقامی ان میں سے ۳۲ فیصد، اور دیگر ۵۷ ممالک کے ۶۸ فیصد طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام ومنتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحبؒ۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت

مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحبؒ۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھیؒ۔ حضرت مولانا یونس صاحب پوناؒ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحبؒ۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔ والشیخ محمد عوامہ ونجلہ الشیخ الدکتور محی الدین حفظہما اللہ تعالیٰ ورعاہما۔

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ گھلا، سورت عفی عنہ

معینِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق: ۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿فلما ألقوا قال موسی ماجئتم به السحر إن اللّٰه سيبطله ، إن اللّٰه لايصلح عمل المفسدين .
ويحق اللّٰه الحق بكلماته ولو كره المجرمون﴾ [یونس: ۸۲]

وقال تعالیٰ : ﴿ومن شر النفاثات فی العقد﴾ [الفلق: ۴]

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت:

”كان النبي صلی اللّٰه عليه وسلم يقول فی الرقية : تربة أرضنا وريقة بعضنا يشفی سقيمنا بإذن ربنا“ (رواہ البخاری)

باب......﴿۱۰﴾

عملیات اور سحر سے متعلق احکام کا بیان

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت:

كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا اوی إلی فراشه نفث في كفيه بقل هو اللّٰه أحد و بالمعوذتين جميعاً ثم يمسح بهما وجهه وما بلغت يداه من جسده، قالت عائشةؓ :

فلما اشتكی كان يامرني أن أفعل ذلك به .

(رواہ البخاری)

باب ۱۰

عملیات اور سحر سے متعلق احکام کا بیان

تعویذ کو خون یا پیشاب سے لکھنے کا حکم:

سوال: تعویذ کو خون یا پیشاب سے لکھنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر خون وغیرہ سے تعویذ لکھتے ہیں تو نفع یقینی ہے تو کیا خون یا پیشاب سے تعویذ لکھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ خون یا پیشاب سے تعویذ لکھنا جائز نہیں، اور جن فقہی عبارات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ مرجوح اور ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا سال الدم من أنف إنسان يكتب بفاتحة الكتاب بالدم على جبهته وأنفه ونحو ذلك للاستشفاء والمعالجة و لو كتب بالبول إن علم أن فيه شفاء لا بأس به لكن لم يفعل .

(الفتاوى السراجية، ص ۳۳۱، ط: زم زم پبلشرز).

البحر الرائق میں ہے:

وكذا اختار صاحب الهداية فى التجنيس فقال: إذا سال الدم من أنف إنسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وأنفه يجوز ذلك للاستشفاء والمعالجة ولو كتب بالبول إن علم أن فيه شفاء لا بأس بذلك لكن لم ينقل . (البحر الرائق: ۱/۱۱۶، کوئٹہ).

وفى الحاوى القدسى: وإن سال الدم من أنف إنسان ، ولم ينقطع حتى خشي على موته ، وقد علم بالتجربة أنه لو كتب فاتحة الكتاب والإخلاص بذلك الدم على جبهته ،

ينقطع ، لا يرخص له فيه .

وقيل : يرخص كما رخص في شرب الخمر للعطشان ، وأكل الميتة في المخمصة ، وهو الفتوى. (الحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی، باب فی انواع متفرقة : ۳۲۰/۲،ط:دارالنوادر).

(وكذا في فتاوى الشامي: ۲۱۰/۱، سعيد، والمحيط البرهاني، الفصل الرابع من كتاب الاستحسان: ج٦، وحاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۳۶۴/۴).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان فقہی عبارات سے متعلق فرماتے ہیں:

یہ حکم جواز مرجوح ہے اور اس حکم کا مبنی ضرورتِ علاج ہے جیسے کہ دوسری دوا میسر نہ ہوسکے اور علاج سے مایوسی ہوجانے اور شفا شراب میں بقولِ طبیبِ حاذق منحصر ہوجانے کی صورت میں شربِ شراب جائز ہے، مگر یہ واضح رہے کہ حکمِ جوازِ کتابت مرجوح اور ضعیف ہے۔ (کفایت المفتی :۶۷/۹، دارالاشاعت)۔

امدادالفتاویٰ میں ہے: معاذ اللہ قرآنِ مجید کا نجاست سے لکھنا اگر بدونِ اکراہ واضطرار کے قصد واختیار سے ہوتو کفر ہے۔ (امدادالفتاویٰ:۳۶/۴)۔

حضرت مفتی تقی صاحب ماہنامہ البلاغ میں لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ البحرالرائق میں سورۂ فاتحہ لکھنے کا جو عمل بیان کیا گیا ہے وہ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے فتوے کے مطابق ہرگز درست نہیں ہے اس لیے کہ نجاست سے قرآنِ کریم کی کوئی آیت لکھنا نہ صرف قرآنِ کریم کی اہانت ہے بلکہ عام طور سے سفلی عمل کرنے والوں کا کام ہوتا ہے جو بذاتِ خود حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خون، پیشاب یا کسی بھی نجاست سے قرآنِ کریم کی آیات لکھنا خواہ علاج کے لیے ہو مطلقاً حرام ہے۔ (البلاغ، رجب المرجب ۱۴۲۵ھ/ستمبر ۲۰۰۴ء)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امدادالفتاویٰ:۳۶/۴۔۳۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعویذ اور رقیہ میں فرق اور دونوں کا حکم:

سوال: اردو میں دم کرنے اور جھاڑ پھونک کرنے کو رقیہ کہتے ہیں، اور جو لکھ کر جسم کے کسی حصہ پر باندھا یا لٹکایا جاتا ہے اس کو تعویذ کہتے ہیں، عربی کا رقیہ جو شریعت کے موافق ہو اس کی اجازت ہے تو کیا رقیہ تعویذ کو لغۃً اور شرعاً شامل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث، شروحات اور کتبِ لغت کی عبارات سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ رقیہ کی اصل یہ ہے کہ قرآنی آیات اور مسنون وماثور ادعیہ پڑھ کر دم کیا جائے، البتہ ثانوی درجہ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ رقیہ تعویذ کو بھی شامل ہوسکتا ہے خصوصاً جب کوئی شخص پڑھنا نہ جانتا ہو۔

احادیث سے چند دلائل ملاحظہ کیجئے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في الرقية: تربة أرضنا و ريقة بعضنا يشفى سقيمنا بإذن ربنا. (رواه البخارى: ۸۵۵/۲، ط: فيصل).

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا اٰوى إلى فراشه نفث في كفيه بقل هو اللّٰه أحد و بالمعوذتين جميعاً ثم يمسح بهما وجهه وما بلغت يداه من جسده قالت عائشةؓ: فلما اشتكى كان يأمرني أن أفعل ذلك به. (رواه البخارى: ۸۵۵/۲، ط: فيصل).

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا فزع أحدكم في نومه فليقل: أعوذ بكلمات اللّٰه التامات من غضبه وسوء عقابه، ومن شر عباده، ومن شر الشياطين وما يحضرون، فكان عبد اللّٰه يعلمها ولده من أدرك منهم، ومن لم يدرك، كتبها وعلقها عليه. (اخرجه ابن ابى شيبة فى مصنفه: ۲۴۰۱۳/۷۵/۱۲، من رخص فى تعليق التعاويذ).

قال الشيخ محمد عوامة في تعليقاته عليه: وإسناد المصنف حسن، وفيه عنعنة ابن إسحاق، ومع ذلك حسنه الحافظ في نتائج الأفكار، وقد رواه الطبراني فى الدعاء (١٠٨٦) **من طريق المصنف، بلفظ تلك الرواية، ورواه أبوداود** (٣٨٨٩)، **والترمذى** (٣٥٢٨) **وقال: حسن غريب، والنسائى** (١٠٦٠١، ١٠٦٠٢)، **وأحمد** ٢: ١٨١، **والحاكم** ١: ٥٤٨ **وصححه، جميعهم من طريق محمد بن إسحاق به.**

کتبِ لغات کی چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال فى المغرب: رقاه الراقى رقية ورقياً عوذه ونفث فى عوذته...أرق على رأسى من الصداع أى عوذني، إنما عداه بعلى كأنه ضمنه معنى اقرأ وانفث. (٣٤٣/١).

قال في تاج العروس : العوذة التي يرقى بها صاحب الآفة كالحمى و الصرع و غيرهما . (تاج العروس : ۱۰/ ۵۵۱). (و كذا فى المعجم الوسيط ، ص ۶۳۸، والنهاية : ۲/ ۲۵۴،العلمية).

اس تعریف میں لفظ ''یرقی بھا'' موجود ہے اوراس کا معنی لغت میں یوں مذکور ہے:

رقى الراقى رقية إذا عوذ و نفث في عوذته . (تاج العروس : ۱۰/ ۵۵۱، وكذا فى لسان العرب : ۱۴/ ۳۳۲،ط:دار الفكر).

اس تعریف میں خاص طور پر '' **نفث**'' کا لفظ ہے۔لیکن بعض دوسری لغت کی کتابوں میں '' **نفث**'' کا لفظ موجودنہیں ہے۔چنانچہ ملاحظہ کیجئے: (مقاييس اللغة : ۲/ ۴۲۶،دار الفكر، والمصباح المنير : ۱/ ۲۳۶،العلمية، ومختار الصحاح ،ص ۱۲۷،العصرية).

علامہ کشمیری فرماتے ہیں: **باب الرقى، وترجمته فيما وافقت الشرع (دم) وفيما خالفته (منتر).** (فيض البارى: ۴/ ۳۶۹).

حافظ ابن حجرؒ نے رقیہ کے معنی یوں لکھے ہیں: **قوله باب الرقى... جمع رقية... وهو بمعنى التعويذ .** (۱۰/ ۱۹۵).

اس عبارت سے رقیہ دم اورمرقوم دونوں کوشامل ہے۔نیز کتبِ فقہ کی ایک عبارت سے بھی رقیہ مرقوم تعویذ کوشامل ہے؛ **قال: ولو كان رقية في غلاف متجاف عنه لم يكره دخول الخلاء به والاحتراز عن مثله أفضل .** (تبيين الحقائق: ۱/ ۵۸،ط: امداديه). (وكذا فى البحر الرائق: ۱/ ۲۱۳، والدر المختار: ۱/ ۱۷۸، سعيد، وفتح القدير: ۱/ ۱۶۹،ط:دار الفكر).

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

حدیث سے تعویذوں کی جوحالت معلوم ہوتی ہے اس پر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت دلالت کرتی ہے، جوحصن حصین میں مذکور ہے کہ وہ اپنے بچوں کوایک دعا اعوذ بکلمات اللہ... پڑھاتے تھے اور جو سیانے نہ تھے(یعنی چھوٹے) بچے تھے ان کو برکت پہونچانے کا یہ طریقہ تھا کہ دعا لکھ کر گلے میں ڈال دیتے تھے یہ حدیث تعویذ کا ماخذ ہے۔اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اصل مقصود پڑھانا تھا مگر جوسیانے نہ تھے ان کو برکت پہنچانے کا یہ طریقہ تھا کہ دعا لکھ کر گلے میں ڈال دیتے تھے تو تعویذ باندھنے کا دوسرا درجہ ہے مگر حقیقت سے ناواقفی کی وجہ سے اس کا الٹا ہوگیا کہ تعویذ کا اثر زیادہ سمجھنے لگے اور پڑھنے کا کم ۔...(عملیات وتعویذات کے شرعی احکام،ص ۸۹،

۹۰، ادارۂ تالیفات اشرفیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ رقیہ کے اصل معنی پڑھ کر دم کرنے کے ہیں ہاں ثانوی درجہ میں تعویذ لکھ کر معلق کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، نیز اس پر یہ اشکال نہ ہو کہ حدیث شریف میں تمائم کی ممانعت وارد ہوئی ہے، کیونکہ تمیمہ غیر شرعی منتر کو کہتے ہیں یا ممانعت اُس صورت میں ہے جبکہ تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے۔ ملاحظہ ہو: (النہایۃ فی غریب الحدیث: ۱/ ۱۹۷، ومرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۳۵۹، ط: امدادیہ)۔

تعویذات سے متعلق مزید تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۱/ ۴۴۷۔۴۵۷) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حدیثِ حرزِ ابی دُجانہ کی سند کی تحقیق:

سوال: حرز ابی دُجانہ کیا چیز ہے؟ لوگ اس کو حفاظت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ابودجانہ صحابی کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ابودُجانہ والی حدیث موضوع ہے، اس کی سند مقطوع ہے اور اس کے اکثر رجال مجہول ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن الجوزی اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں فرماتے ہیں:

باب حرز أبي دُجانة: أنبأنا هبة الله بن أحمد الجريرى أنبأنا إبراهيم بن عمر البرمكي أنبأنا أبوبكر محمد بن عبد الله بن خلف بن بخيت حدثنا أبويعلى حمزة بن محمد بن شهاب العكبري حدثنا أبي حدثنا إبراهيم بن مهدى الأيلى حدثني عبد الله بن عبد الوهاب أبومحمد الخوارزمي حدثني محمد بن بكر البصرى حدثنا محمد بن أدهم القرشي عن إبراهيم بن موسى الأنصاري عن أبيه قال: شكا أبو دجانة الأنصاري إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله بينا أنا البارحة نائم إذ فتحت عيني فإذا عند رأسي شيطان، فجعل يعلو ويطول، فضربت بيدى إليه، فإذا جلده كجلد القنفذ. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ومثلک يؤذى يا أبا دجانة عامر دارک عامر سوء ورب الكعبة، ادع لي علي بن أبي طالب ﵁، فدعاه، فقال: يا أبا الحسن اكتب لأبي دجانة الأنصاري كتاباً لا شيء من بعده. فقال: وما اكتب؟ قال: اكتب: بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب من محمد النبى العربى الأمى التهامى الأبطحى المكى المدنى القرشى الهاشمى

صاحب التاج والهراوة والقضيب والناقة والقرآن والقبلة ، صاحب قول لا إله إلا الله ، إلى من طرق الدار من الرواد والعمار ، إلا طارقاً يطرق بخير .

أما بعد : فإن لنا ولكم فى الحق سعة ، فإن يكن عاشقاً مولعاً ، أو مؤذياً مقتحماً ، أو فاجراً مجتهراً ، أو مدعى حق مبطلاً ، فهذا كتاب الله ينطق علينا وعليكم بالحق ، ورسله لدينا يكتبون ما تمكرون ، اتركوا حملة القرآن وانطلقوا إلى عبدة الأوثان ، إلى من اتخذ مع الله إلٰهاً آخر ، لا إلٰه إلا هو رب العرش العظيم ، يرسل عليكما شواظ من نار فلا تنتصران، فإذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان ، فيومئذ لا يسأل عن ذنبه إنس ولا جان . قال: ثم طوى الكتاب فقال: ضعه عند رأسک .

قال: فوضعه ، فإذا هم ينادون: النار ، النار ، أحرقنا بالنار ، والله ما أردناک ولا طلبنا أذاک ولكن زائراً زارنا فطرق ، فارفع عنا الكتاب . فقال: والذى نفس محمد بيده لا أرفعه عنكم حتى استأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم . فلما أصبح أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبره ، فقال: ارفع عنهم فإن عادوا بالسيئة فعد عليهم بالعذاب ، فوالذى نفس محمد بيده ما دخلت هذه الأسماء داراً ولا موضعاً ولا منزلاً إلا هرب إبليس وذريته وجنوده والغاوون . هذا حديث موضوع بلا شک وإسناده مقطوع ، وليس فى الصحابة من اسمه موسى أصلاً ، وأكثر رجاله مجاهيل لا يعرفون . (كتاب الموضوعات:۳/۱۶۸).

درجِ ذیل کتابوں میں بھی موضوع کہا ہے: (اللآلى المصنوعة : ۲/۲۹۲،ط:دارالكتب العلمية ، وتذكرة الموضوعات للفتنى،ص ۲۱۲ ، وسير أعلام النبلاء : ۱/۲۴۵ مع التعليقات الشيخ شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة ، وموضوعات الصغانى، ص ۲۹).

قال الحافظ الذهبى فى الميزان(۹۷۱۲/۱۰۳/۶): يزيد بن صالح الذى روى عنه غلام خليل حرز أبي دجانة ، وهو حرز مكذوب ، كأنه من صنعة غلام خليل ، يرويه عنه شعبة بقلة حياء بسند الصحيح .

وقال ابن عراق الكناني في تنزيه الشريعة المرفوعة (۳۲٤/۲): تعقب بأن البيهقي أخرجه فى الدلائل (قلت) يعني من طريق آخر بمخالفة لهذا بالزيادة والنقص ثم قال

البیهقي وقد روى في حرز أبي دجانة حديث طويل وهو موضوع لا تحل روايته انتهى، ونقل القرطبي فى المفهم عن ابن عبد البر أنه قال حديث أبي دجانة فى الحرز المنسوب إليه فيه ضعف وكأنه يعني رواية البيهقي ، والله تعالىٰ أعلم . قال محشيه: بل رواية البيهقى موضوعة قطعاً .

خلاصہ یہ ہے کہ امام قرطبی نے حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ حرز ابی دجانہ والی حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں اور ابن عراق فرماتے ہیں یہ بیہقی والی سند مراد ہے ورنہ ابن جوزی کی روایت موضوع ہے۔

بیہقی کی سند ملاحظہ فرمائیے:

أخبرنا أبوسهل محمد بن نصرويه المروزي، قال: حدثنا أبو أحمد على بن محمد بن عبد الله الحبيبى المروزى، قال: أخبرنا أبودجانة ، محمد بن أحمد بن سلمة بن يحيى بن سلمة بن عبد الله بن زيد بن خالد بن أبي دجانة ، واسم أبي دجانة " سماك بن أوس بن خرشة بن لوزان الأنصارى" أملاه علينا بمكة في مسجد الحرام بباب الصفا سنة خمس وسبعين ومائتين وكان مخضوب اللحية ، قال: حدثني أبي أحمد بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن يحيى، قال: حدثنا أبي يحيى بن سلمة ، قال: حدثنا أبي سلمة بن عبد الله، قال: حدثنا أبي عبد الله بن زيد بن خالد قال: حدثنا أبي زيد بن خالد قال: حدثنا أبي خالد بن أبي دجانة قال: سمعت أبي أبا دجانة يقول: شكوت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ... الحديث. وقال في آخره: تابعه أبوبكر الإسماعيلي، عن أبي بكر محمد بن عمير الرازى الحافظ عن أبي دجانة محمد بن أحمد هذا .

وقد روى في حرز أبي دجانة حديث طويل، وهو موضوع لا تحل روايته . (دلائل النبوة للامام البيهقى : ۱۱۸/۷ ،باب مايذكرمن حرزابى دجانة).

بیہقی کی سند کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

أبوسهل محمد بن نصرويه المروزى لم أعثر عليه لكن تابعه أبوبكر الإسماعيلي و هو شيخ كبير ، شيخ الشافعية، صاحب التصانيف . راجع: (السير للذهبى:۲۹۲/۱۶).

وأبو أحمد على بن محمد بن عبد الله الحبيبى المروزى ، كذبه أبوعبد الله الحاكم.

راجع؛ (الميزان: ۷۵/۴، واللسان: ۲۲/۲، والسير للذهبي: ۴۸/۱۶، والجامع في الجرح والتعديل: ۲۴۱/۲، ترجمة: ۳۰۵۰،ط؛ عالم الكتب).

وأولاد أبي دجانة لم أعثرعليهم سوى خالد بن أبي دجانة ذكره أبونعيم الأصبهاني في معرفة الصحابة في تسمية من شهد مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۲۰۲/۲، ترجمة: ۸۲۵).

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''**الاستيعاب في معرفة الأصحاب**'' میں اس روایت کو ضعیف فرمایا ہے۔**قال: وإسناد حديثه في الحرز المنسوب إليه ضعيف**. (۶۵۲/۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سحر کے ذریعہ گم شدہ چیز کی معلومات حاصل کرنے کا حکم:

سوال: ساحر، نجومی یا تعویذات والے کے پاس جا کر اس سے کسی گمشدہ چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ جائز اور درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن بعض أزواج النبي صلى الله عليه و سلم قال: من أتى عرافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلاة أربعين ليلة. (رواه مسلم: ۲۳۳/۲، قديمى كتب خانه).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: من أتى كاهناً أو عرافاً وتيقن بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم. رواه الطبراني في الكبير و الأوسط إلا أنه قال: فصدقه و كذلك رواية البزار و رجال الكبير والبزار ثقات. (مجمع الزوائد: ۱۱۸/۵).

شرح مسلم میں ہے: **قال الخطابي: والفرق بين العراف والكاهن أن الكاهن إنما يتعاطى الأخبار عن الكوائن في المستقبل ويدعي معرفة الأسرار والعراف يتعاطى معرفة الشيء المسروق ومكان الضالة ونحوهما.** (شرح مسلم للنووي: ۲۰۳/۱).و (تكملة فتح الملهم: ۵۳۲/۱).

قال الإمام النوويؒ: وأما عدم قبول صلاته: فمعناه أنه لا ثواب له فيها وإن كانت مجزئة في سقوط الفرض عنه. (شرح مسلم: ۲۳۳/۲، قديمى كتب خانه).

مرقاۃ میں ہے: (فقد كفر بما أنزل على محمد) أي إن اعتقد حله وإنما لم يفصله ليكون أبلغ في الوعيد وأدعى إلى الزجر والتهديد. قال ابن الملك: يؤول هذا الحديث بالمستحل والمصدق وإلا فيكون فاسقاً فمعنى الكفر حينئذ كفران نعمة الله أو إطلاق اسم الكفر عليه لكونه من أفعال الكفرة الذين عادتهم عصيان الله تعالىٰ... وقال ابن حجر المكي:...الكفر...محمول على اعتقاد أنه عالم الغيب...(فصدقه)أي الكاهن (بما يقول فقد كفر)... فيخرج من أتاه ليظهر كذبه أو للاستهزاء بما هو عليه . (مرقاة المفاتيح: ٢/٤٩٥).

علامہ شامیؒ نے بھی اس کے کفر کے لیے تصدیق کی شرط لگائی ہے:

والحاصل أن الكاهن من يدعى معرفة الغيب بأسباب وهي مختلفة فلذا انقسم إلى أنواع متعددة كالعراف و الرمال و المنجم ... والكل مذموم شرعاً محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر، وفي البزازية: يكفر بادعاء علم الغيب وبإتيان الكاهن وتصديقه وفي التاتارخانية: يكفر بقوله: أناْ أعلم المسروقات أو أناْ أخبر عن أخبار الجن إياي. (فتاوى الشامي: ٤/٢٤٢، سعيد). (وكذا في البحرالرائق: ٥/١٣٠،ط: بيروت، ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ٢/٥٠٥،ط : دارالكتب العلمية).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فيض القدير للمناوى : ٦/ ٢٣،و مجموعة فتاوى شيخ الإسلام: ١٩/ ٦٢).

خلاصہ: (١) عراف کے پاس جا کر اس اعتقاد کے ساتھ اس کی تصدیق کرنا کہ اس کے پاس علمِ غیب ہے یہ کفر ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

(٢) اگر عراف کے پاس سو فیصد اس یقین کے ساتھ جائے کہ جنات نے ملائکہ سے سن کر اس کو بتلایا ہے تو اس کو ہم کافر نہیں کہیں گے، لیکن یہ بھی جائز نہیں ہے اور ایسے شخص کے لئے وعید ہے کہ چالیس دن تک اسکی نماز قبول نہیں ہوگی۔

(٣) اگر عراف کے جھوٹ کو لوگوں پر واضح کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے پوچھتا ہے تو یہ جائز ہے۔

(٤) حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک امتحان لینے کی غرض سے پوچھنا بھی جائز ہے کہ کتنا سچ بولتا ہے اور کتنا

جھوٹ بولتا ہے جبکہ وہ خود کھرے کھوٹے کو پرکھنے کی تمیز رکھتا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ کا حال معلوم نہ ہوا تو انہوں نے ایک جن سے پوچھا اور اس نے سچ بتایا۔ حاصل یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک جن وغیرہ سے خبر پوچھنا مطلقاً حرام اور کفر نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

وأما سوال الجن وسوال من يسألهم فهذا إن كان على وجه التصديق لهم في كل ما يخبرون به والتعظيم للمسئول فهو حرام ... وأما إن كان يسأل المسئول ليمتحن حاله ويختبر باطن أمره وعنده ما يميز به صدقه من كذبه فهذا جائز، كما ثبت فى الصحيحين ... وكذلك إذا كان يسمع ما يقولونه ويخبرون به عن الجن، كما يسمع المسلمون ما يقول الكفار والفجار ليعرفوا ما عندهم فيعتبروا به، وكما يسمع خبر الفاسق ويتبين و يتثبت فلا يجزم بصدقه ولا كذبه إلا ببينة ... وقد روى عن أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه أنه أبطأ عليه خبر عمر رضي الله عنه وكان هناك امرأة لها قرين من الجن، فسأله عنه فأخبره أنه ترك عمر رضي الله عنه يسم إبل الصدقة. وفي خبر آخر أن عمر رضي الله عنه أرسل جيشاً فقدم شخص إلى المدينة فأخبر أنهم انتصروا على عدوهم، وشاع الخبر، فسأل عمر رضي الله عنه عن ذلك فذكر له، فقال: هذا أبو الهيثم بريد المسلمين من الجن! وسيأتي بريد الإنس بعد ذلك! فجاء بعد ذلك بعدة أيام. (مجموع فتاوى شيخ الاسلام ابن تيميه: ۱۹/ ۶۲-۶۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موذی شخص کو سحر سے نقصان پہنچانے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص انتہائی موذی اور مضر ہے تو سحر کے ذریعہ اس کو نقصان پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسے شخص کو سحر کے ذریعہ نقصان پہنچانا تو جائز نہیں ہے، البتہ جائز عملیات کے ذریعہ اس کے شر سے بچنے کی تدبیر کرنا جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

والسحر في نفسه حق أمر كائن إلا أنه لايصلح إلا للشر والضرر بالخلق والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموماً. (فتاوى الشامى: ۴/ ۲۴۱، سعيد).

فتاوى الشامى میں ہے:

قوله (التميمة المكروهة) أقول الذى رأيته فى المجتبى: التميمة المكروهة ما كان

بغير القرآن، وقيل: هي الخرزة التي تعلقها الجاهلية ...وبعضهم يتوهم أن المعاذات هي التمائم وليس كذلک إنما التميمة : الخرزة، ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء اللّٰه تعالى...قالوا: وإنما تكره العوذة إذا كانت لغير لسان العرب ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أوغير ذلک وأما ما كان من القرآن أوشيء من الدعوات فلا بأس به. (فتاوى الشامي: ۶/۳۶۳، سعيد).

قال الشيخ علي بن نايف الشحود في" المفصل في شرح حديث من بدل دينه فاقتلوه ": وأما الأضرار التي تترتب على السحر الذى يكون بالوسائل الصحيحة كالأسماء الإلٰهية والأعمال الخالية من سب الدين أو إهانته ، فإنها توجب تأثيم فاعلها إثماً كبيراً إن ترتب عليه ضرر، الخ. (۲/۴۸۶).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جنات وشیاطین کے شر سے تحفظ کے لیے جائز عملیات کرنا درست ہے، ان کے ذریعہ دوسروں کو ضرر پہونچانے کے لیے عملیات کرنا درست نہیں ،اس میں خطرات بھی ہیں ،عملیات سے کسی کو مسخر کرنا و ماؤف کرنا درست نہیں ۔اگر اعداء اللہ کے شر سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوتو جائز عملیات کے ذریعہ بقصدِ تحفظ انتظام کرنا درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۰/۷۵،ط: جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سحر کرنے یا کرانے کا حکم:

سوال: سحر کرنے یا کرانے والا کافر ہے یا مجرم؟

الجواب: سحر کی تمام نا جائز صورتیں جن کا تعلق کفر کے ساتھ نہ ہوان میں سحر کرنے والا اور سحر کرانے والا دونوں مجرم ومرتکب حرام ضرور ہوں گے، ہاں جن صورتوں کا تعلق کفر یہ الفاظ کہنے اور کفر یہ عمل کرنے یا ساحر کا معتقد الکفر بننے کے ساتھ ہوتو ان میں ساحر کافر ہو جائیگا۔ ملاحظہ ہو مقدمہ شامی میں ہے:

و للسحر فصول كثيرة في كتبهم ، فليس كل ما يسمى سحراً كفراً ، إذ ليس التكفير به لما يترتب عليه من الضرر بل لما يقع به مما هو كفر كاعتقاد انفراد الكواكب بالربوبية أو إهانة قرآن أو كلام مكفر ونحو ذلک ، ملخصاً . وهذا موافق لكلام إمام

الهدى أبي منصور الماتريدى، ثم إنه لا يلزم من عدم كفره مطلقاً عدم قتله، لأن قتله بسبب سعيه بالفساد كما مر، فإذا ثبت إضراره بسحره ولو بغير مكفر يقتل دفعاً لشره كالخناق وقطاع الطريق . (مقدمة الشامى: ۱/۴۵، مطلب السحر انواع ، سعيد).

سل الحسام الہندی میں ہے:

(والحاصل) أن نفس السحر ليس كفراً عند الحنفية كالشافعيه بل لا يكفر صاحبه به ما لم يقترن بمكفر ولذا نقل فى تبيين المحارم عن إمام الهدى أبي منصور الماتريدى أن القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطا ويجب البحث عن حقيقته فإن كان في ذلک رد ما لزم فى شرط الإيمان فهو كفر وإلا فلا . انتهى. (رسائل ابن عابدين: ۳۰۲/۴).

(والسحر) قال فى المدارک: إن كان فى قول الساحر أو فعله رد ما لزم فى شرط الإيمان فهو كفر وإلا فلا . (مرقاة المفاتيح : ۱/ ۱۲۳ ، مكتبه امداديه ، ملتان).

انوار البروق فى انواع الفروق میں ہے:

فالذى يستقيم فى هذه المسألة ما حكاه الطرطوشى عن قدماء أصحابنا انا لا نكفره حتى يثبت أنه من السحر الذى كفر الله به أو يكون سحراً مشتملاً على كفر كما قاله الشافعى... الخ. (۲۹۷/٤، دارالكتب العلمية بيروت).

احکام القرآن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

والحق الحقيق بالقبول الذى لا يجوز الحيد عنه والعدول، وإليه يرجع كلام الأئمة الفحول هو ما قاله الإمام أبو منصور: إن القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ بل يجب البحث عن حقيقته، فإن كان في ذلک رد ما لزم من شرط الإيمان فهو كفر وإلا فلا . ذكره فى الروح ورد المحتار. (احكام القران : ۱/ ۴۱،ط : ادارة القرآن).

معارف القران میں ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ واستمداد یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا وغیرہ تو یہ سحر باجماع کفر ہے اور جس میں یہ افعالِ کفر نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ (معارف القرآن:۱/۲۷۹)۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سحر کی مختلف اقسام ہیں بعض تو کفر محض ہیں اور بعض نہیں جو اقسام کفر ہیں ان کا استعمال کرنا یا سیکھنا سکھانا ہر حال میں حرام قطعی ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۳،ط:دارالاشاعت)۔

سحر کرانے والا اگر ساحر کی تصدیق نہ کرے تو بھی سحر کی ناجائز صورتوں میں مجرم و مرتکب کبیرہ ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۲۰/۶۱،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سحر اور معجزہ کے مابین فرق:

سوال: سحر اور معجزہ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: سحر اور معجزہ کے درمیان بہت سارے فروق ہیں، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱)سحر اسباب کے تحت ہوتا ہے جبکہ معجزہ اسباب کے بغیر وجود میں آتا ہے۔

(۲)سحر شریر لوگوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ صرف انبیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہوسکتا ہے۔

(۳)سحر کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن معجزہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۴)اگر کوئی سحر کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کرے تو اسکا سحر نہیں چلے گا جبکہ معجزہ انبیاء ہی سے صادر ہوتا ہے۔

(۵)سحر کی وجہ سے اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی جبکہ معجزہ میں حقیقت بدل جاتی ہے۔

(۶)ساحر کا سحر حالتِ نوم میں نہیں چلتا جبکہ معجزہ نیند کی حالت میں بھی صادر ہوجاتا ہے۔

ملاحظہ ہو احکام القرآن میں مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

الفرق بين السحر والمعجزة بوجوه : أما الأول فإن السحر لا يظهر إلا على يد خبيث شرير النفس، سيء الأعمال، المواظب على النجاسة ، البعيد عن الطهارة... وهو مع ذلك لا يتقى الله ...

والمعجزة لا تظهر إلا على يد نبي طاهر مطهر صادق مصدق لم يجرب عليه كذب قط وهو مع ذلك مواظب على أحسن الأعمال ...

وأما الثاني: فإن معجزات الأنبياء عليهم السلام هي على حقائقها وبواطنها

كظواهرها كلما تأملتها ازددت بصيرة في لكونها من الله ولو جهد الخلق كلهم على مضاهاتها ومقابلتها بأمثالها ظهر عجزهم عنها لكونها مما لا مدخل للكسب والتعليم والتعلم فيها ومخاريق السحرة مبناها على أعمال مخصوصة ...

وأما الثالث: فإن الساحر متى ادعى النبوة لنفسه بطل سحره فلا يظهر منه شيء فلا يجتمع السحر مع دعوى النبوة قط ...(احکام القرآن: ۱/ ۳۹۔۴۰،ادارة القرآن).

معارف القرآن میں ہے:

سو یہ فرق ایک تو اصل حقیقت کے اعتبار سے ہے اور ایک ظاہری آثار کے اعتبار سے، حقیقت کا فرق تو یہ ہے کہ سحر اور جادو سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں یہ دائرۂ اسباب سے الگ کوئی چیز نہیں، فرق صرف اسباب کے ظہور وخفا کا ہے...

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ فعل حق تعالیٰ کا ہوتا ہے، اس میں اسبابِ طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا،...

مگر یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ عوام الناس اس فرق کو کیسے پہچانیں، کیونکہ ظاہری صورت دونوں کی ایک سی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کے پہچاننے کے لیے بھی حق تعالیٰ نے کئی فرق ظاہر کردیے ہیں:

اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے، جن کا تقویٰ، طہارت و پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں، اسکے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے، ناپاک، اللہ کے نام سے اور اسکی عبادت سے دور رہتے ہیں...

دوسرے یہ کہ عادة اللہ یہ بھی جاری ہے کہ جو شخص معجزے اور نبوت کا دعویٰ کر کے کوئی جادو کرنا چاہے اسکا جادو نہیں چلتا، ہاں نبوت کے دعوے کے بغیر کرے تو چل جاتا ہے۔(معارف القرآن:۱/ ۲۷۷)۔

سل الحسام الهندی میں ہے:

قال في شرح المقاصد : السحر أمر خارق للعادة من نفس شريرة خبيثة بمباشرة أعمال مخصوصة يجرى فيها التعلم والتلمذ وبهٰذين الاعتبارين تفارق المعجزة والكرامة وبأنه لايكون بحسب اقتراح المعترضين وبأنه يختص بالأزمنة أوالأمكنة أو الشرائط وبأنه يتصدى لمعارضته ويبذل الجهد فى الاتيان بمثله وبأن صاحبه ربما يتعلق بالفسق ويتصف بالرجس فى الظاهر والباطن والخزي فى الدنيا والآخرة إلى غير ذلک من وجوه مفارقة.

(رسائل ابن عابدين: ۲/ ۳۰۱، مکتبہ محمودیہ).

أنوار البروق في أنواع الفروق میں ہے:

الفرق الأول منهما أن السحر وما يجري مجراه يختص بمن عمل له حتى أن أهل هذه الحرف إذا استدعاهم الملوك والأكابر ليبينوا لهم هذه الأمور على سبيل التفرج يطلبون منهم أن تكتب أسماء كل من يحضر ذلك المجلس فيصنعون صنعهم لمن يسمىٰ لهم فإن حضر غيرهم لا يرى شيئاً مما راه الذين سموا أولاً . قال العلماء: وإليه الإشارة بقوله تعالىٰ: ﴿ونزع يده فإذا هي بيضاء للناظرين﴾ ينظر إليها على الإطلاق ففارقت بذلك السحر والسيمياء هذا فرق عظيم يظهر للعالم والجاهل.

الفرق الثاني من الفرقين الظاهر من قرائن الأحوال المفيدة للعلم القطعي الضرورى المحتفة بالأنبياء عليهم السلام المفقودة في حق غيرهم فنجد النبى عليه الصلاة والسلام أفضل الناس نشأةً ومولداً و مزيةً و خَلقاً و خُلقاً و صدقاً و أدباً و أمانةً ... وأما الساحر فعلى العكس من ذلك كله لا تجده في موضع إلا ممقوتاً حقيراً بين الناس... الخ.

(انوار البروق فی انواع الفروق: ۴/ ۳۰۴، ۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت).

أحكام القرآن للجصاص میں ہے:

والفرق بين معجزات الأنبياء وبين ما ذكرنا من وجوه التخييلات: أن معجزات الأنبياء عليهم السلام هي على حقائقها وبواطنها كظواهرها وكلما تأملتها ازددت بصيرة في صحتها... ومخاريق السحرة وتخييلاتهم إنما هي ضرب من الحيلة والتلطف لإظهار أمور لا حقيقة لها وما يظهر منها على غير حقيقتها يعرف ذلك بالتأمل والبحث ومتى شاءَ شاءٍ أن يتعلم ذلك بلغ فيه مبلغ غيره ويأتى بمثل ما أظهره سواه. (احکام القرآن: ۱/ ۴۹).

فيض البارى میں مرقوم ہے:

(يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى) فلم تنقلب الحبال إلى الحيات ولكن خيل إليه أنها انقلبت وهذا ما نسب إلى أبى حنيفة أن فى السحر تخييلاً فقط ، لا يريد به نفى التأثير مطلقاً فإنه معلوم مشهود، بل يريد به نفى التأثير في حق قلب الماهيات ولا ريب أن ليس له

فيه تأثير غير التخييل ومن هنا ظهر الفرق بين المعجزة والسحر، فإن المعجزة خالية عن التخييل فهي على الحقيقة البحتة ونفس الأمر الصرف ولذا قال تعالى (فإذا هى تلقف ما صنعوا) اى جعلت تفعل فعل الافعوان من بلع الحيات وأكلها ولو كان تخييلاً فقط لم تفعل ذلك فنبه على تحقيقها وحقق تخييل السحر . فافهم . (فيض البارى على صحيح البخارى: ۳/ ۴۷۷-۴۷۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سحر سے تبدیل عین کا حکم:

سوال: سحر سے عین اور شئی کی حقیقت بدل جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے اکابر میں سے بہت سارے حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ سحر اور جادو سے شئی کی حقیقت تبدیل ہوجاتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے۔احکام القرآن میں ہے: " **وأفاد شيخنا حكيم الأمة أنه لم يقم دليل عقلي ولا سمعي على امتناع انقلاب الأعيان أو حدوثها بالسحر حقيقة**". اور حضرت کی اتباع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ اور حضرت مفتی تقی صاحب نے بھی یہی رائے پسند فرمائی ہے۔ملاحظہ فرمایئے: (احکام القرآن:۱/ ۳۸،ومعارف القرآن:۱/ ۲۷۶،وتکملہ فتح الملہم:۴/ ۳۰۱)۔

لیکن ان اکابر کی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ سحر اور معجزہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ معجزہ میں حقیقت بدل جاتی ہے اور سحر میں حقیقت نہیں بدلتی بلکہ تبدیلی نظر آتی ہے وہ تخیل اور نظر بندی ہوتی ہے۔جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر میں حقیقت میں چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے لیکن اگر کوئی ساحر یہ دکھادے تو اس کو نظر بندی کہیں گے۔معجزہ شق القمر سے متعلق صحیح بخاری میں روایت ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرقتين فرقة فوق الجبل وفرقة دونه . (رواه البخارى : ۲/ ۷۲۱، رقم: ۴۸۶۴).

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ سحر کی حقیقت نہیں جبکہ معجزہ کی حقیقت ہوتی ہے:

أن معجزات الأنبياء عليهم السلام هي على حقائقها وبواطنها كظواهرها...ومخاريق السحرة وتخييلاتهم إنما هي ضرب من الحيلة والتلطف لإظهار أمور لا حقيقة لها ...الخ .

(احکام القرآن: ١/ ٤٩).

نیز ملاعلی قاریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور محدثِ عصر علامہ انورشاہ کشمیریؒ وغیرہ حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ سحر تبدیلِ ماہیت میں مؤثر نہیں ہے۔عبارات ملاحظہ کیجئے: (مرقاۃ المفاتیح:٥/ ٢٣٧۔٢٣٨،واوجز المسالک:١٧/ ٦٨،وفیض الباری:٣/ ٤٧٨)۔

فتاویٰ علماء البلد الحرام میں مرقوم ہے: س: هل للسحر حقيقة ؟

ج : للسحر حقيقة ولا شك وهو مؤثر حقيقة ، لكن كونه يقلب الشيء أو يحرك الساكن أو يسكن المتحرك هذا خيال وليس حقيقة ؛ انظر إلى قول الله تعالىٰ في قصة السحرة من آل فرعون ، يقول الله تعالىٰ: ﴿سحروا أعين الناس ...﴾

سحروا أعين الناس حين صار الناس ينظرون إلى حبال السحرة وعصيهم كأنها ثعابين تمشي ،كما قال الله تعالىٰ : ﴿ يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى ﴾ [طه:٦٦].

فالسحر في قلب الأشياء ، وتحريك الساكن ، أو تسكين المتحرك ليس له أثر، لكن في كونه يسحر أو يؤثر على المسحور حتى يرى الساكن متحركاً والمتحرك ساكناً أثره ظاهر جداً ، إذن فله حقيقة ويؤثر على بدن المسحور وحواسه وربما يهلكه . (فتاوى علماء البلد الحرام ، الفصل الثالث : السحر والسحرة، ٩٢٢).

اور عجیب بات یہ ہے کہ جو حضرات تبدیلِ ماہیت میں سحر کو مؤثر سمجھتے ہیں وہ کعبِ احبار کی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں علماء کی آراء حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال المحقق ابن كثيرؒ: إن معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنه قال لكعب الأحبار: أنت تقول : إن ذا القرنين كان يربط خيله بالثريا؟ فقال له كعب : إن كنت قلت ذلك ، فإن الله تعالىٰ قال : ﴿ وآتيناه من كل شيء سبباً ﴾. وهذا الذى أنكره معاوية رضى الله تعالىٰ عنه على كعب الأحبار هو الصواب ، والحق مع معاوية رضي الله عنه فى الإنكار؛ فإن معاوية رضي الله عنه كان يقول عن كعب : إن كنا لنبلو عليه الكذب ، يعنى فيما ينقله ، لا أنه كان يتعمد نقل ما ليس فى صحيفته ، ولكن الشأن في صحيفته أنها من الإسرائيليات التي غالبها مبدل مصحف محرف مختلق ولا حاجة لنا مع خبر الله و رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى شيء منها

بالكلية ، فإنه دخل منها على الناس شر كثير وفساد عريض، وتأويل كعب قول الله ... واستشهاده في ذلك على ما يجده في صحيفته من أنه كان يربط خيله بالثريا غير صحيح ولا مطابق ؛ فإنه لا سبيل للبشر إلى شيء من ذلك ، ولا إلى الترقي في أسباب السموات . (تفسير ابن كثير : ۱۱۳/۳).

قال الحافظ الذهبي في السير : كعب بن ماتع الحميرى اليمانى العلامة الحبر ، الذى كان يهودياً فأسلم بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم، وقدم المدينة من اليمن في أيام عمر رضي الله تعالىٰ عنها ، فجالس أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ، فكان يحدثهم عن الكتب الإسرائيلية ويحفظ عجائب...قال الشيخ شعيب في تعليقاته :... وما يحكيه كعب عن الكتب القديمة فليس بحجة عند أحد من أهل العلم ، وهذا عمر رضي الله عنه يقول له فيما أخرجه أبوزرعة الدمشقي في تاريخه (۱/۵٤٤): لتتركن الأحاديث ، أو لألحقنك بأرض القردة ، وليس كل ما نسب إليه فى الكتب بثابت عنه ، فإن الكذابين من بعده ، قد نسبوا إليه أشياء كثيرة لم يقلها . (سير اعلام النبلاء مع التعليقات : ۴۸۹/۳. ۴۹۰،ط:مؤسسة الرسالة).

قال العلامة العينيؒ: لنبلو أى لنختبر عليه الكذب يعنى يقع بعض مايخبرنا عنه بخلاف ما يخبرنا به وقال ابن حبان في كتاب الثقات : أراد معاوية أنه يخطئ أحياناً فيما يخبربه ولم يرد أنه كان كذاباً . (عمدة القارى:۵۲۶/۱۶). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جادو کے دفعیہ کے لیے ساحر کے پاس جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی پر بہت سخت قسم کا جادو ہو اور کوئی راستہ نہ ہو تو اس کو ختم کرنے اور توڑنے کے لیے ساحر کے پاس جانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ساحر کفریہ کلمات استعمال نہیں کرتا اور نہ کوئی ایسا منتر وغیرہ استعمال کرتا ہے بلکہ جائز ذرائع سے جادو توڑنا جانتا ہے تو علاج کی غرض سے جانا درست ہے۔ ورنہ جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ایسے کاموں سے ممانعت وارد ہوئی ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: من أتى ساحراً أو كاهناً أو عرافاً فصدقه بما يقول

فقد کفر بما أنزل علی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم . (السنن الکبری للامام البیهقی: ۱۶۹۳۹/۱۳۶/۸).

قال فی المرقاة : قال ابن الملک: یؤول هذا الحدیث بالمستحل والمصدق وإلا فیکون فاسقاً فمعنی الکفر حینئذٍ کفران نعمة اللّٰہ أو إطلاق اسم الکفر علیه لکونه من أفعال الکفرة الذین عادتهم عصیان اللّٰہ تعالیٰ . (مرقاة المفاتیح: ۴۸۹/۲).

قال الطیبي: تغلیظ شدید و وعید هائل ...وقال المظهر : المراد أن من فعل هذه المذکورات واستحلها فقد کفر ومن لم یستحلها فهو کافر النعمة علی ما مرغیر مرة ، ولیس المراد حقیقة الکفر. (فیض القدیر: ۸۲۸۸/۳۱/۶).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس مسلمان بیمار کو اگر معلوم ہے کہ اوجھا (ساحر) اپنے عمل میں کوئی ناجائز کام کرتا ہے اور جو منتر پڑھتا ہے وہ بھی شرک وکفر کے مضمون کا ہوتا ہے تو یہ بھی گنہگار رہوا، اس کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ (کفایت المفتی: ۷۸/۹)۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس ضرورت کی حالت میں اس سے علاج کرنا درست ہے، مگر اس طرح کہ جو کچھ کرنا ہو وہ خود کرے، کھانا، پینا، باندھنا، پڑھنا کوئی کام مسحور کو نہ کرنا پڑے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳/۲۰، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

جادو کرنا اور کرانا حرام ہے، اگر اس میں کوئی شئی عقیدۂ اسلام کے خلاف ہو تو کفر ہے۔ اور ہنود سے منتر اور گنڈا تعویذ وغیرہ نہیں لینا چاہئے کہ اس میں بسا اوقات شرک کی باتیں ہوتی ہیں، اس کی تعظیم اور اس پر اعتقاد کفر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱/۲۰، ط: جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تعویذات میں ’’یابدوح‘‘ لکھنے کا حکم:

سوال: بعض عاملین تعویذات میں ’’یابدوح‘‘ لکھتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ’’بدوح‘‘ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض علماء نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے، لیکن یہ بات یقینی نہیں، اور

اگر عربی نام ہو تو اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی سماعی ہیں اس لیے اس نام کے لکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عثمانی میں ہے: یابدوح، قرآن میں تو یہ نام نہیں ہے مگر بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۱۲)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس کے وظیفہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

بدوح یہ لفظ عام طور پر بضم باء وتشدید دال مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں، صحیح لفظ بدوح ہے بفتح باء وتخفیف دال، تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں (هكذا أفاده شيخنا العلامة مولانا محمد أنور شاه الكشميرى قدس سره) بلکہ عبرانی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اگر عربی قرار دیا جائے تو اس کے معنی عاجز کرنے والے کے ہیں۔

بہر حال خدا کا نام ہونا ثابت ہے تو ''یابدوح'' کا وظیفہ بے تامل جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ دوم، ص ۲۱۵، دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چہل کاف کو بطورِ وظیفہ پڑھنے کا حکم:

سوال: چہل کاف کیا ہے؟ اس کا موجد کون ہے؟ اور اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا اس کے معنی شریعت کے موافق ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر عملیات میں چہل کاف کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے، لیکن تتبع کثیر کے باوجود اس کی سند کہیں دستیاب نہیں ہو سکی، اور بعض حضرات اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن یہ روایت بھی سینہ بہ سینہ کے درجہ میں ہے۔

چہل کاف کے الفاظ درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

بعض حضرات سے چہل کاف میں دوسرے الفاظ منقول ہیں جو اِن الفاظ کے قریب ہیں۔

كَفَاكَ رَبُّكَ كَم يَكفِيكَ وَاكِفَة ۞ كِفكَافُهَا كَكَمِينٍ كانَ مِن لُكَك

تَكِرُّ كَرّاً كَكَرِّ الكَرِّ فِي كَبِد ۞ تَحكِي مُشَكشِكَةً كَلُكلُكٍ لُكَك

كَفَاكَ مَابِى كَفَاكَ الكَاف كُربَتَه ۞ يَا كَوكَباً كَانَ يَحكِى كَوكَبَ الفَلَك

مفہوم خیز ترجمہ ملاحظہ کیجئے: تمہارا رب تمہارے لیے کافی ہے، وہ تمہاری خوب کفالت کرے گا، ہر آنے والی ان مصیبتوں میں جو مصیبتیں آنے کے لیے ایسی منتظر رہتی ہیں جیسے کہ لشکر دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے گھات

میں بیٹھا رہتا ہے، اور وہ مصیبتیں بار بار آتی ہیں کہ جسکا رفع کرنا مشکل ہے جیسے کہ بٹی ہوئی رسی کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے میں ایسے ملے ہیں کہ ان کا کھولنا دشوار ہے، اور وہ مصیبتیں سختی اور دشواری اور نقصان پہنچانے میں مسلح لشکر اور اونٹنی کے سخت ترین گوشت کے مشابہ ہیں، اے میرے پروردگار تمام مصائب اور شدائد کے مقابلہ کے لیے آپ کافی ہیں، اے وہ ستارے (دل) جو آسمان کے ستارے کی طرح ہے چمک دمک میں۔

مشکل الفاظ کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل درج ہے:

☆ **واکفة ؛ وکَف ، یکِف ، وکفاً ، سال وقطر**، اس کے معنی ہیں پانی وغیرہ کا تھوڑا تھوڑا ٹپکنا۔ (المعجم الوسیط، ۱۰۵۴، والقاموس الوحید: ۲/۱۸۹۳)۔ **واکفة** سے مراد آنے والی مصیبتیں ہیں۔ یعنی جو بارش کے قطروں کی طرح مسلسل آتی رہتی ہیں۔

☆ **کفکافها: کفکف** سے ہے اس کے معنی ''پھرنے'' کے ہیں اور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ **کففته عنه؛ دفعته وصرفته کفکفته خلف ، هو لازم ومتعد** . (القاموس المحیط : ۱/۱۰۹۸).

☆ **الکمین : کمن** سے ہے، اس کے معنی ہیں گھات میں بیٹھنا۔ **کمن فی المکان ، کموناً : تواری ، الکمین : القوم یکمنون فی الحرب حیلة** . (المعجم الوسیط، ۷۹۹).

☆ **لکک: لکاک** کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: **الزحام**، بھیڑ، ہجوم۔ (القاموس المحیط: ۱/۱۲۲۹، والمعجم الوسیط، ۸۳۷)۔ اور ایک روایت میں **کلک** ہے۔

☆ **تکر: کر** سے ہے اور اس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ (لسان العرب: ۵/۱۳۵)۔

☆ **الکر : خلاف الفر** ، کھجور کے درخت پر چڑھنے کی کھجور کے پتوں کی رسی، کشتی کے بادبان کی رسی ج: **کرور** . (القاموس الوحید: ۲/۱۳۹۷)۔

☆ **الکبد : الشدة والمشقة** . (تاج العروس : ۹/۹۲).

☆ **مشکشکة : الشکشکة** سے ہے اس کے معنی تیز دھار دار اسلحہ کے ہیں، یہ صفت ہے اور اس کا موصوف **جماعة ذات السلاح** ، ہے جو محذوف ہے۔ **الشکشکة : السلاح الحاد** . (المحیط : ۱/۱۲۲۰، والمعجم الوسیط، ۴۹۰).

☆ **اللکلک: کهدهد ، القصیر والضخم من الإبل** . (المحیط : ۱/۱۲۲۹).

لکک سے یہاں اونٹنی کا سخت گوشت مراد ہے۔

آخر میں دل کو ستارہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح ستارہ روشنی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اسی طرح دل بھی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح ستارہ بلندی پر ہے اسی طرح دل بھی عالی ہمت ہے کہ مصائب وشدائد سے گھبرائے نہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چہل کاف کے الفاظ ومعانی شریعت سے متصادم نہیں ہیں بلکہ موافق شرع ہیں البتہ اس کی سند دستیاب نہیں ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ کا رسالہ ''چہل کاف'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: چہل کاف کے بارے میں مختلف روایات ہیں ہم نے فقط ایک کو اختیار کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دم کیے ہوئے پانی سے استنجا کا حکم:

سوال: دم کیے پانی سے غسل میں استنجا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کلام اللہ یا ادعیہ واذکار پڑھ کر پانی پر دم کرنے سے وہ پانی متبرک ہوجاتا ہے اور متبرک پانی سے استنجا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ناف سے گھٹنوں تک استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

قال الحافظ ابن تيميةؒ: ويجوز أن يكتب للمصاب وغيره من المرضى شيئاً من كتاب الله وذكره بالمداد المباح، ويغسل ويسقى كما نص على ذلك أحمد وغيره قال عبد الله بن أحمد: قرأت على أبي ثنا يعلى بن عبيد؛ ثنا سفيان؛ عن محمد بن أبي ليلى عن الحكم؛ عن سعيد بن جبير؛ عن ابن عباس رضي الله عنه قال: إذا عسر على المرأة ولادتها فليكتب: بسم الله لا إله إلا الله الحليم الكريم سبحان الله رب العرش العظيم الحمد لله رب العٰلمين ﴿كأنهم يوم يرونها لم يلبثوا إلا عشية أو ضحاها﴾ ﴿كأنهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا إلا ساعة من نهار بلاغ فهل يهلك إلا القوم الفاسقون﴾، قال أبي: ثنا أسود بن عامر بإسناده بمعناه وقال: يكتب في إناء نظيف فيسقى قال أبي: وزاد فيه وكيع فتسقى وينضح مادون سرتها، قال عبد الله: رأيت أبي يكتب للمرأة في جام أو شيء نظيف ...

الخ . (فتاویٰ ابن تیمیة: ۱۹/ ۶۴).

وروى أحمد أن يونس بن حباب كان يكتب هذا من حمى الربع ، قا ل أحمد في رواية منها فى الرجل يكتب القرآن في إناء ثم يسقيه للمريض قال: لا بأس قال منها قلت له: فيغتسل به قال ما سمعت فيه بشيء . قال الخلال : إنما كره الغسل به لأن العادة أن ماء الغسل يجري فى البلاليع والحشوش فوجب أن ينزه ماء القرآن من ذلک ولا يكره شربه لما فيه من الاستشفاء . وقال صالح : ربما اعتللت فيأخذ أبي قدحاً فيه ماء فيقرأ عليه ويقول لي اشرب منه واغسل وجهک ويديک . ونقل عبد الله أنه رأى أباه يعوذ فى الماء ويقرأ عليه ويشربه ويصب على نفسه منه قال عبد الله : ورأيته قد أخذ قصعة النبي صلى الله عليه وسلم فغسلها في جب الماء ثم شرب فيها ورأيته غير مرة يشرب ماء زمزم فيستشفى به ويمسح به يديه ووجهه . وقال يوسف بن موسى إن أبا عبد الله كان يوتى بالكوز ونحن بالمسجد فيقرأ عليه ويعوذ . قال أحمد : يكتب للمرأة إذا عسر عليها ولدها في جام أبيض أو شيء نظيف بسم الله الرحمن الرحيم لا إله إلا الله ...الخ. ثم تسقى منه وينضح ما بقي على صدرها . (الآداب الشرعية للشيخ ابن مفلح: ۳/ ۹۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طبیب سے مستغنی کرنے والی دوا والی حدیث کی تحقیق:

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے مجھے ایسی دوا بتائی ہے جو طبیب یا دوسری دواؤں سے مستغنی کر دیتی ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا: وہ کونسی دوا ہے؟ ہمیں اس کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑا سا بارش کا پانی لے لو اور اس پر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس اور آیۃ الکرسی ہر ایک کو ستر (۷۰) مرتبہ پڑھ کر دم کرو، پھر اس پانی کو روزانہ صبح وشام سات دن تک پی لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی بنا کر حق کے ساتھ بھیجا ہے، جبریل نے مجھے بتایا کہ جو شخص اس پانی کو پیے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدن سے ہر بیماری کو ختم کر دیگا، اور ہر درد ومرض سے اس کی حفاظت کرے گا، اور جو شخص اپنی بیوی کو پلائے گا پھر اس سے ہم بستر ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ حاملہ ہوگی، یہ آنکھوں کے لیے شفا ہے، جادو کو توڑنے

والا ہے، سینے اور دانتوں کے درد کو ختم کرتا ہے پیشاب کی رکاوٹ سے نجات دیتا ہے، وغیرہ، وغیرہ۔

الجواب: تتبع کثیر کے باوجود یہ حدیث کسی معتبر کتاب سے دریافت نہ ہوسکی، البتہ اس معنی کے قریب ایک حدیث دستیاب ہوئی لیکن وہ بھی صحیح نہیں نیز اس کی سند بھی موجود نہیں۔ ملاحظہ ہو:

أورده ابن الأثير الجزري(۵۴۴-۶۰۶ھ) في جامع الأصول في أحاديث الرسول (۵۳۰/۷، رقم:۵۶۵۵) : عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن جبريل علمني دواءً يشفي من كل داء، وقال لي: نسخته في اللوح المحفوظ: تأخذ من ماء مطر لم يمش في سقف، في إناء نظيف، فتقرأ عليه فاتحة الكتاب سبعين مرة، وآية الكرسي مثله، وسورة الإخلاص مثله، وقل أعوذ برب الفلق مثله، وقل أعوذ برب الناس مثله، ولا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت، وهو حي لايموت، بيده الخير، وهو على كل شيء قدير، ثم تصوم سبعة أيام، وتفطر كل ليلة بذلك الماء. أخرجه ...

قال الشيخ عبد القادر الأرنؤوط: كذا في الأصل بياض بعد قوله: أخرجه، وفي المطبوع أخرجه رزين، ولم نقف له على سند، وعلامات الضعف أو الوضع عليه لائحة.

(التعليقات على جامع الأصول في احاديث الرسول:۵۳۰/۷،رقم:۵۶۵۵،ط: دار الفكر). واللہ ﷻ اعلم۔

کامیابی اور خوشحالی کا وظیفہ:

سوال: برائے کرم مجھے کوئی دعا یا وظیفہ بتا دیجیے، جس سے کامیابی وخوشحالی مل سکے، اور ہر طرح کی کامیابی اور دولت نصیب ہوجائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کامیابی اور خوشحالی کے لیے درجِ ذیل چند وظائف کا ورد مفید ہے:

☆ **یا مغنی** (گیارہ سو مرتبہ) پڑھو۔ (انوار شمسیہ:۸۹)۔

☆ سورۂ قریش (۱۱ مرتبہ) پڑھنا وسعتِ رزق کے لیے، **الذی أطعمهم من جوع** پڑھتے وقت وسعتِ رزق کا تصور کرنا۔ (انوار شمسیہ:۹۲)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

جسمانی قوت وطاقت کے لیے وظیفہ:

سوال: کیا آپ مجھے کوئی وظیفہ یا دعا بتلا سکتے ہیں جس سے میں جسمانی طور پر قوی و مضبوط ہو جاؤں۔

الجواب: جسمانی طاقت وقوت کے لیے درجِ ذیل وظیفہ کا ورد مفید ہے۔

☆ **یا اللّٰہ . یا سلام . یا قوی .** (۳۱۳ مرتبہ) پڑھ لو۔ (انوارِ شمسیہ، ص۸۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سر کے بال گرنے سے روکنے کا وظیفہ:

سوال: کچھ عرصے سے میرے بال کثرت سے گر رہے ہیں، میں ابھی تک جوان ہوں اور سر کے آدھے بال گر گئے، برائے کرم مجھے کچھ دعا یا وظیفہ دیجیے جس سے گرے ہوئے بال دوبارہ نکل آئیں اور جو باقی ہیں وہ برقرار رہیں؟

الجواب: مندرجہ ذیل دعا کا ورد صبح وشام تین مرتبہ کر لیا کیجیے۔ دعا یہ ہے:

”**بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيم**“. (انوارِ شمسیہ، ص۸۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حوادثات سے امن کا وظیفہ:

سوال: اکسیڈنٹ اور حادثات سے بچنے کیلئے گھر سے کیا پڑھ کر نکلنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایکسیڈنٹ اور حادثات سے بچنے کیلئے یہ دعا پڑھے:

(۱) جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے: **بِسْمِ اللَّهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.**

(۲) **بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم** . (ابوداود، رقم: ۵۰۸۸، وابن ماجة، رقم: ۳۸۶۹، و الترمذی، رقم: ۳۳۸۸، وقال: حديث حسن صحيح).

حضرت ابان بن عثمان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ... جو شخص روزانہ صبح اور شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھے گا اس کو کوئی چیز تکلیف نہیں پہونچا سکے گی۔

(۳) جو شخص صبح وشام درجِ ذیل کلمات دس مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دے گا اور دس گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیگا اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس دن اور اس رات میں آفات ومکروہات سے محفوظ رہے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“.

(أخرجه الترمذي: ۲/۱۹۴، و ابن ماجه، ص: ۲۸۴). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ظالم کے ظلم سے حفاظت کا وظیفہ:

سوال: جب ظالم کا ظلم نا قابل برداشت ہو جائے تو اس صورت میں کیا دعا یا وظیفہ پڑھ سکتا ہوں؟

الجواب: دشمن سے حفاظت کے لیے یہ دعا روزانہ صبح ۱۰۱ مرتبہ پڑھے:

” أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ “. اول وآخر تین مرتبہ درود شریف پڑھے۔ (انوار شمسیہ ۹۵)۔

شدید حالات میں ظالموں کے ظلم سے نجات کے لیے اس کے ساتھ سورۂ فیل ۳۱۳ مرتبہ ایک ہی مجلس میں انفرادی یا اجتماعی طور پر پڑھ کر دعا کریں۔ (انوار شمسیہ ص ۹۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشکلات دور کرنے اور مقصد میں کامیابی کا وظیفہ:

سوال: مجھے مقصد میں کامیابی کے لیے ایک ایسا موثر وظیفہ بتلایئے جو ہمارے اکابر سے منقول ہے؟ اور ایک ایسی دعا بتلایئے جو مشکلات اور بلا کو دور کرنے میں موثر ہو؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ۱۔ اپنے جائز مقصد میں کامیابی کے لیے درجِ ذیل وظیفہ روزانہ سو مرتبہ پڑھے: ” أَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْأَبْصَارِ وَيَا خَالِقَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ قَلِّبْ قُلُوْبَهُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَالْإِعْزَازِ وَالْإِحْسَانِ “. (انوارِ شمسیہ، ص ۹۷)۔

۲۔ مشکلات کو دور کرنے کے لیے روزانہ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت سات مرتبہ سورۂ والضحیٰ اور سورۂ انشراح پڑھا کرے۔ (انوارِ شمسیہ، ص ۹۴)۔

ہموم وغموم سے نجات حاصل کرنے کے لیے پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھے اور پھر ” لا حول ولا قوة إلا بالله “ ۳۱۳ مرتبہ اور آخری مرتبہ ” لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ“ مکمل پڑھے پھر تین مرتبہ درود شریف پڑھے۔ (انوارِ شمسیہ، ص ۹۴)۔

یا ہر مشکل کے لیے یہ وظیفہ روزانہ ۳۱۳ مرتبہ پڑھے: ”رَبِّ إِنِّي مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ“ اور پہلے اور آخر میں درود شریف پڑھے۔ (انوارِ شمسیہ، ص ۸۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پسند کی شادی کے لیے وظیفہ:

سوال: حضرت پسند کی شادی کے لیے کوئی وظیفہ بتائیں، جس کی وجہ سے جہاں نکاح کا ارادہ ہے وہاں کے لیے اسباب مہیا ہوجائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اپنی حاجت کے لیے روزانہ آپ یہ وظیفہ ۴۱ مرتبہ پڑھتے رہیں: "**لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ**". (انوارِ شمسیہ، ص۸۷)۔

یا اپنے جائز مقصد کے لیے یہ دعا بطورِ وِرد روزانہ سو مرتبہ پڑھا کریں: " **أَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْأَبْصَارِ وَيَا خَالِقَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ قَلِّبْ قُلُوْبَهُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَالإِعْزَازِ وَالْإِحْسَانِ**". (انوارِ شمسیہ، ص۹۷)۔

سورۂ طٰہٰ لکھ کر حریر کے سبز کپڑے میں لپیٹ کر پاس رکھے اگر نکاح کا پیغام بھیجے تو ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔ (اعمالِ قرآنی، ص۵۲)۔

کسی اہم مقصد کے لیے باطہارت ہوکر قبلہ رو بیٹھ کر سورۂ الم نشرح کو ۱۰۳ مرتبہ پڑھے اور شروع و آخر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے، ان شاء اللہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔ (کمالین: ۷/۶۳۱)۔

لیکن ایسے عمل کی اجازت نہیں جس سے معمول مسلوب الاختیار ہوجائے اور ایسے الفاظ کی بھی اجازت نہیں جس کے معنی معلوم نہ ہو۔ ملاحظہ ہو فتح الباری میں شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالىٰ . (فتح الباری: ۱۰/۱۹۵، کتاب الرقی، دار الفکر. وکذا فی المرقاۃ).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس رقیہ وتعویذ میں تین شرائط پائی جائیں اس کے استعمال پر علماء کا اتفاق ہے:

۱۔ قرآن وحدیث سے ہو یا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے ہو اور عربی زبان میں ہو۔

۲۔ اگر غیر عربی میں ہو تو اس کا مفہوم اور مطلب معلوم ہو۔

۳۔ رقیہ وتعویذ کو سبب کے درجہ میں رکھے مؤثر بالذات نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھے۔

امداد الفتاویٰ میں مرقوم ہے: عمل باعتبارِ اثر کے دو قسم کے ہیں: ا۔ ایک قسم یہ ہے کہ جس پر عمل کیا جاوے وہ مسخر اور مغلوب العقل ہوجاوے ایسا عمل اس مقصود کے لیے جائز نہیں جو شرعاً واجب نہ ہو جیسے نکاح کرنا کسی معین مرد

سے شرعاً واجب نہیں اس کے لیے ایسا عمل جائز نہیں۔

دوسری قسم یہ کہ صرف معمول کو اس مقصود کی طرف توجہ بلا مغلوبیت ہو جاوے ایسا عمل ایسے مقصود کے لیے جائز ہے اس حکم میں قرآن وغیر قرآن مشترک ہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۸۹، وفتاویٰ محمودیہ: ۲۰/ ۷۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دشمن کو بے عزت ورسوا کرنے کا وظیفہ:

سوال: دشمن کو رسوا اور بے عزت کرنے کا کوئی مؤثر وظیفہ یا دعا بتلائیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دشمن کے شر سے بچنے کے لیے یہ دعا روزانہ صبح شام پڑھا کریں:

پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے: ”**أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُکَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ**“ اور آخر میں بھی تین مرتبہ درود شریف پڑھے۔ (انوارِ شمسیہ، ص۹۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سفر سے پہلے پانچ سورتیں پڑھنے کا عمل:

سوال: بعض حضرات سفر سے پہلے پانچ سورتیں مع تسمیہ سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس اور آخر میں ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل کسی حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ عمل ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے، اس کی سند میں چند رواۃ مجہول ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کون ہیں اور کیسے ہیں۔ روایت حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

عن جبير بن مطعم رضی اللہ عنہ يقول: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتحب يا جبير إذا خرجت سفراً أن تكون من أمثل أصحابک هيئة وأكثرهم زاداً؟ فقلت: نعم، بأبي أنت وأمي قال: فاقرأ هذه السور الخمس: ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و﴿إذا جاء نصر الله و الفتح﴾ و﴿قل هو الله أحد﴾ و ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و﴿قل أعوذ برب الناس﴾ و افتح كل سورة ببسم الله الرحمن الرحيم واختم قراء تک ببسم الله الرحمن الرحيم، قال جبير: وكنت غنياً كثير المال فكنت أخرج مع من شاء الله أن أخرج معهم في سفر فأكون أبذّهم هيئة وأقلهم زاداً فما زلت منذ علمنيهن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقرأت بهن أكون من أحسنهم هيئة وأكثرهم زاداً حتى أرجع من سفري ذلک. (مسند أبي يعلى الموصلي، رقم: ۷۴۱۹)، **قال محشيه الشيخ حسين سليم أسد: سليمان بن الحكم، وشيخه إسماعيل**

بن خالد لم أعرفهما، ومحمد بن سليمان بن الحكم، ترجمه ابن أبي حاتم في "الجرح و التعديل" (۲۶۹/۷) ولم يورد فيه جرحاً ولاتعديلاً .

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **رواه أبويعلى وفيه من لم أعرفهم** . (مجمع الزوائد: ۱۳۴/۱۰، باب ما تحصل به البركة في الزاد، ط: دارالفكر).

روایت کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ارشاد فرمایا: اے جبیر کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ جب تم سفر میں نکلو تو تمہاری حالت اپنے ساتھیوں سے بہتر ہو اور تمہارے پاس زادِ راہ بھی زیادہ ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں، ضرور بتائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پانچ سورتیں پڑھو: ۱۔سورۂ کافرون۔۲۔سورۂ نصر،۳۔سورۂ اخلاص،۴۔سورۂ فلق،۵۔سورۂ ناس، اور ہر سورت کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ پر ختم کرو۔ حضرت جبیر کہتے ہیں میں مالدار تھا لیکن جب میں سفر میں نکلتا تھا تو دوسروں سے بدتر حالت میں ہوتا اور زادِ راہ بھی کم ہوتا تھا، پھر جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورتیں سکھائیں اور میں نے پڑھنی شروع کیں، اس کے بعد سے میری حالت دوسرے ساتھیوں سے بہتر ہوگئی اور توشہ بھی زیادہ ہوگیا۔

اِس روایت کی سند میں سلیمان بن حکم اور ان کے شیخ اسماعیل بن خالد ہیں اور دونوں کے احوال دستیاب نہیں ہوئے، اور ابن ابی حاتم نے محمد بن سلیمان کے حالات قلمبند کیے ہیں لیکن کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے البتہ ضعیف روایت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے ہاں سنت کا درجہ نہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سفر پر جانے سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کا ثبوت:

سوال: کیا کسی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی سفر پر جانے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعت پڑھے، نماز کی برکت سے سفر کی مشقتوں سے وہ امن میں رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلتے وقت دو رکعت پڑھ لے تو راستہ کی برائیوں سے امن میں رہتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت دو رکعت پڑھ لے تو گھر کی برائیوں سے امن

میں رہتا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے، علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

حدیث ملاحظہ ہو: **عن أبي هريرة** رضی اللہ عنہ، **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا خرجت من منزلك فصل ركعتين تمنعانك مخرج السوء، وإذا دخلت منزلك فصل ركعتين تمنعانك مدخل السوء.** (مسند البزار، رقم: ۸۵۶۷، وشعب الايمان للبيهقي، رقم: ۲۸۱۴). **قال الهيثمي: رواه البزار و رجاله موثقون.** (مجمع الزوائد: ۲/۲۸۳، باب الصلاة اذا دخل منزله، ط دار الفكر).

دوسری روایت میں ہے: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں تجارت کے سلسلہ میں بحرین جانا چاہتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو رکعت پڑھ لو۔ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ **قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج إلى البحرين في تجارة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صل ركعتين". رواه الطبراني فى الكبير ورجاله موثقون.** (مجمع الزوائد: ۲/۲۸۳، باب الصلاة إذا أراد سفراً، دار الفكر). سفر سے واپسی پر بھی دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن علي رضی اللہ عنہ **قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قدم من سفر صلى ركعتين. رواه الطبراني فى الأوسط وفيه الحارث وهو ضعيف.** (مجمع الزوائد: ۲/۲۸۳، باب الصلاة إذا قدم من سفر، ط: دار الفكر). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امتحان میں کامیابی کا وظیفہ:

سوال: امتحانات قریب ہیں، برائے مہربانی اس میں کامیابی کے لیے کوئی وظیفہ بتلائیے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ دعائیں اور وظائف دائمی محنت کے ساتھ نافع اور مفید ہوں گے، اگر محنت اور سمجھ نہ ہو تو وظائف کی مثال ایسی ہے جیسے شادی کے بغیر کوئی حلال ولدِ صالح کی دعا کرے۔

دائمی محنت کے ساتھ حسبِ ذیل وظیفہ مفید ہے:

امتحان شروع ہونے سے پہلے سورۂ اعلیٰ، یا سورۂ قلم، یا سورۂ رحمٰن، یا سورۂ انشراح پڑھ کر کامیابی کے لیے دعا کیجیے، ان شاء اللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ (انوارِ شمسیہ، ص۹۰)۔

روزانہ صبح کو ۱۵۰ مرتبہ "یَا عَلِیمُ" فجر کے بعد پڑھو اور امتحان کے دن اس کی کثرت رکھو۔ (عملیات و

تعویذات اور اس کے شرعی احکام، از افادات مولانا اشرف علی تھانویؒ ص ۲۳۷)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ادعیہ میں صیغہ مذکر کو مؤنث میں تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی عورت کو دم کر رہا ہو اور حدیث کی دعا پڑھ رہا ہو جیسے: "**أسئل اللّٰہ العظیم رب العرش العظیم أن یشفیک**" اس دعا میں یشفیک میں کاف کا فتحہ ہے تو لڑکی کے لیے کسرہ پڑھے یا حدیث کی اتباع میں فتحہ پڑھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ الفاظِ حدیث کی اتباع میں فتحہ پڑھے اگر چہ لڑکی یا عورت پر دم کر رہا ہو، اور مذکر کا صیغہ شخص یا فرد کی تاویل کے ساتھ درست ہے، کیونکہ یہ بات باعثِ برکت ہے، البتہ مؤنث کی وجہ سے کسرہ استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو شیخ ابن حجر الہیتمی المکیؒ نے "**الإفادة لما جاء فی المرض والعیادة**" میں لکھا ہے:

منها کما في مسلم وغیره أسئل اللّٰه العظیم رب العرش العظیم أن یعافیک ویشفیک...وینبغي فتح الکاف فی المؤنث مریداً الشخص اتباعاً للفظ الوارد کما قاله الأئمة في نحو حنیفاً مسلماً في دعاء الافتتاح. (الإفادة لما جاء فی المرض والعیادة، ص ۱۰).

موسوعہ فقہیہ کے حاشیہ میں مرقوم ہے: **قال: وقیاس ذلک أن تأتی المرأة أیضاً بـ حنیفاً مسلماً، بالتذکیر، علی إرادة الشخص، محافظة علی الوارد ما أمکن.** (الموسوعة الفقهیة: ۵۰/۴).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اذکار وادعیہ کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں اور ان میں خصائص واسرار ہیں، قیاس کا دخل نہیں ہے لہذا اوراد کے الفاظ کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو: **حدثنا البراء بن عازب...فقلت آمنت برسولک الذی أرسلت قال: قل: آمنت بنبیک الذی...وأولی ما قیل فی الحکمة في رده علی من قال: الرسول، بدل النبی، أن ألفاظ الأذکار توقیفیة ولها خصائص وأسرار لا یدخلها القیاس فتجب المحافظة علی اللفظ الذی وردت به وهذا اختیار المازری قال: فیقتصر فیه علی اللفظ الوارد بحروفه وقد یتعلق الجزاء بتلک الحروف ولعله أوحي إلیه بهذه الکلمات فیتعین أداء ها بحروفها.** (فتح الباری: ۱۱۲/۱۱).

شرح النووی میں ہے: **إن سبب الإنکار أن هذا ذکر و دعاء فینبغی فیه الاقتصار علی**

اللفظ الوارد بحروفه . (شرح النووی علی صحیح مسلم : ۳۴۸/۲). (وکذا فی اکمال المعلم للقاضی عیاض : ۲۰۹/۸،وشرح الابی : ۱۱۵/۹).

بذل المجھود میں ہے: **ثم لا فرق بين الرجل والمرأة فی الأذكار والأدعية لحمله على التغليب أو إرادة الأشخاص** . (بذل المجھود: ۱۲۱/۴). مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۳۸/۲)۔

ہاں چونکہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے اقتباس جائز ہے اس وجہ سے کچھ تبدیلی کے ساتھ بالکسر بھی جائز ہے۔

قال فی مختصر المعانی: أما الاقتباس فهو أن يضمن الكلام نظماً كان أو نثراً شيئاً من القرآن أو الحديث لا على أنه منه...ولا بأس بتغيير يسير فی اللفظ المقتبس للوزن أو غيره. (مختصر المعانی : ۴۵۶/۱).

شیخ جمل حاشیہ جلالین میں فرماتے ہیں:

ويغتفر فی الاقتباس تغيريسير فی اللفظ المقتبس كقول بعض المغاربة لما مات له صاحب:

قد كان ما خفت أن يكونا ۞ إنا إلى اللّٰه راجعونا

فتاویٰ فریدیہ میں مرقوم ہے:

سوال: **فاطر السموات والأرض أنت وليي فی الدنيا والآخرة توفني مسلماً وألحقني بالصالحين**،اگراس آیت کوکوئی دعا کی جگہ میں جمع کے صیغوں سے پڑھے یعنی ” **توفنا مسلمين وألحقنا بالصالحين** “ ؟ توکیااس سے کوئی گناہ ہوتا ہے؟...الخ۔

الجواب: یہ اقتباس کی ایک قسم جوکہ اجماعاً جائز ہے...الخ۔(فتاویٰ فریدیہ:۲۴۰/۱)۔ **واللہ ﷻ اعلم**۔

درودِتاج کے مصنف کی تحقیق:

سوال: ہندوستان، پاکستان میں ایک چھوٹا سارسالہ درودِتاج کے نام سے مروج ہے،اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دافع البلاء والوباء کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، پاکستانی اشاعتی حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مصنف شیعہ ہے،لیکن اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں کرتے،کیا یہ بات درست ہے یانہیں؟

الجواب: درودِتاج کے مصنف ابوبکر بن سالم السقافؒ ہیں،ان کی ولادت ۹۱۹ھ میں اوروفات ۹۹۲ھ میں ہوئی،معاصرین میں شیخ حبیب عمر جوفی الحال یمن میں قیام پذیر ہیں وہ انھیں کے خاندان سے ہیں

اوروہ شافعی المسلک ہیں، علوی کی نسبت سے مشہور ہیں، لیکن شیخ ابوبکر السقاف کو کسی نے شیعہ نہیں کہا بلکہ صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عالم دین تھے۔

خلاصة المدد النبوی من الأذكار والأدعية المأثورة ، للعلامة الحبيب عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ ابن الشيخ أبي بكربن سالم ، میں ص۱۸۳ پر مذکور ہے: **الصلاة التاجية لسيدنا الشيخ أبي بكر بن سالم .** (یہ پوری کتاب درودِ تاج ہی ہے اوراس میں مذکورہ الفاظ بھی موجود ہیں)۔

کشف الظنون میں مرقوم ہے:

الشيخ أبوبكر بن سالم بن عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الرحمن الحضرمی اليمنی الشهير بالسقاف ، صاحب العينات ولد سنة ۹۱۹ھ وتوفی سنة ۹۹۲ھ اثنتين وتسعين وتسعمائة . له من الكتب فتح باب المواهب وبغية مطلب الطالب ، معارج التوحيد ، معراج الأرواح إلى المنهج الوضاح ، مفتاح السرائر وكنز الذخائر. (كشف الظنون: ۲۳۸/۵،ط: الفيصلية، مكة المكرمة).(وكذا فی هدية العارفين: ۱۲۷/۱ ، ومعجم المؤلفين:۶۲/۳).

أبجد العلوم میں ان کے کچھ اشعار بھی منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو:

الشيخ أبوبكر بن سالم اليمنی الحضرمي هو ممن جمع بين العلم والحال والولاية والسيادة ، له كلام عالٍ وشعر حسن ينبئ عن حاله ومقامه :

فلولا وجود السر ما كان كائن ❁ فتمت بذاك السر كل البرية

تمسک بنا والزم دقائق حسناً ❁ وزرني بصرف الود تسعد بزورتی

وَلِيَ شرف المصطفى سيد الورى ❁ بنسبته فقنا جميع الخليقة

وصلِّ على الهادي النبي وآله ❁ وأصحابه والتابعين بجملة

(ابجد العلوم : ۱۶۳/۳ ، للشيخ صديق بن حسن القنوجی،ط: دارالكتب العلمية بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بھوت، پریت کی حقیقت اوران کا انسان کوضرر پہنچانے کا حکم:

سوال: بھوت، پریت جو جنات کی ایک قسم ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس کا وجود ہے یا نہیں؟ اوروہ انسانوں کوضرر پہنچا سکتے ہیں یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں ان کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بھوت، پریت کا وجود مسلّم ہے اور یہ جنات کی اقسام میں سے ہیں، اور باذن اللہ ضرر بھی پہنچا سکتے ہیں، لیکن ان کو نفع یا ضرر کا مالک سمجھنا اور ہر ضرر کو ان کی طرف منسوب کرنا یا ان کو جنات سے علیحدہ مخلوق سمجھنا درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں جنات کی تین اقسام مذکور ہیں:

عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجن ثلاثة أصنافٍ: صنف لهم أجنحة يطيرون فى الهواء، وصنف حيات وكلاب، وصنف يحلون ويظعنون. أخرجه الحاكم وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

(المستدرک علی الصحیحین: ۲/۵۷۱/۳۷۰۲).

دوسری حدیث میں مذکور ہے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تغولت لكم الغول فنادوا بالأذان فإن الشيطان إذا سمع النداء أدبر وله حصاص، لم يرو هذا الحديث عن سهيل بن أبي صالح إلا عدى بن الفضل تفرد به أبو عامر.** (أخرجه الطبراني فى الأوسط: ۷/۲۵۶/۷۴۳۶). **قال الهيثمي فيه عدى بن الفضل وهو متروك.** (مجمع الزوائد: باب مايقول اذا تغولت الغيلان).

یعنی جب بھوت پریت مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے لگے تو تم اذان دیا کرو کیونکہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو پیٹھ پھیر کر تیز دوڑتا ہے۔

وفي رواية عن جابر رضي الله عنه مرفوعاً: وإذا تغولت الغيلان فبادروا بالأذان ... (أخرجه أبويعلى: ۴/۱۵۳/۲۲۱۹)، **قال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح.** (مجمع الزوائد، باب أدب السفر).

دوسری روایت میں ہے: **ولا عدوى ولا طيرة، ولا غول.** (رواہ مسلم: ۲/۲۳۱).

امام نوویؒ شرح مسلم میں دونوں احادیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله: ولا غول، قال جمهور العلماء: كانت العرب تزعم أن الغيلان فى الفلوات وهي جنس من الشياطين فتتراءى للناس وتتغول تغولاً أى تتلون تلوناً فتضلهم عن الطريق فتهلكهم فأبطل النبي صلى الله عليه وسلم ذاك وقال آخرون: ليس المراد بالحديث نفي وجود الغول وإنما معناه إبطال ما تزعمه العرب من تلون الغول بالصور المختلفة واغتيالها قالوا: ومعنى لا غول أى لا تستطيع أن تضل أحداً و يشهد له حديث آخر لا غول ولكن

السَّعَالِيْ قال العلماء : السَّعَالِيْ وهم سحرة الجن أي ولكن في الجن سحرة لهم تلبيس وتخيل، وفي الحديث الآخر: إذا تغولت الغيلان فنادوا بالأذان أي ارفعوا شرها بذكر الله تعالىٰ وهذا دليل على أنه ليس المراد نفي أصل وجودها، وفي حديث أبي أيوب كان لي تمر في سهوة وكانت الغول تجيئ فتأكل منه . (شرح صحيح مسلم: ۲/ ۲۳۱).

(وكذا في عون المعبود: ۱۰/ ۲۹۲،ط: دارالكتب العلمية ، وغريب الحديث للامام الخطابي: ۱/ ۴۶۳، ط: مكة المكرمة، ونخب الأفكار شرح معاني الآثار: ۲۲/ ۵۹۷).

یعنی جمہور علماء کہتے ہیں کہ عرب کا عقیدہ تھا کہ صحراؤں میں بھوت جو شیاطین کی ایک قسم ہے، ہوتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے رنگ برنگی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور راہ سے بے راہ کرتے ہیں اور ہلاک کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کو ختم کیا، بعض علماء کا قول ہے کہ لاغول کا مطلب یہ ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں آتے ہیں اور لوگوں پر اچانک حملہ کر کے ہلاک کر دیتے ہیں یا بھٹکا دیتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جن میں ساحر جنات ہیں جو لوگوں کے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں، ایک حدیث میں ہے: جب بھوت رنگ برنگی شکلوں میں آئیں تو اذان دو یعنی ان کے شر کو ذکر اللہ سے دفع کرو، اس سے معلوم ہوا کہ بھوت کا وجود ہے اور ابو ایوب انصاریؓ کی روایت میں ہے: میں نے طاق میں کھجوریں رکھی تھیں بھوت آ کر ان میں سے کھاتا تھا۔

مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

بھوت پریت کا اس طرح کا کوئی وجود نہیں جس طرح عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ارواحِ خبیثہ آ کر لپٹ جاتی ہیں یا دکھائی دیتی ہیں ہاں جنات کا وجود ہے اور ان میں سے شریر اور برے جن انسان کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں اگر چہ یہ شاذ و نادر ہی کبھی واقع ہوتا ہے ورنہ اکثری طور پر تو بناوٹ یا وہم ہی ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۷۹)۔

لیکن اچھی بات وہ ہے جو گزر گئی کہ بھٹکا دینا اور اچانک حملہ کر کے ہلاک کرنا یہ بے حقیقت ہے۔

لباب الفتاویٰ میں ہے:

...جنات اور بھوت پریت کا وجود بھی قرآنِ مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے اور جن اور بھوت پریت کا انسان میں آنا اور ہر قسم کی ایذائیں دینا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (لباب الفتاویٰ، ص ۳۴۱)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مرقوم ہے:

جن، آدمی کو نقصان پہنچاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲/ ۵۰۸).

مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ القاری: ۱۰/ ۶۴۴، وآکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجان، ص ۱۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دلائل الخیرات کی بعض مشتبہ عبارات کا حکم:

سوال: کتاب دلائل الخیرات کی بعض عبارتیں بہ ظاہر اہل سنت والجماعت کے نظریات سے ٹکراتی ہیں: مثلاً: درود کے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے: " **اللّٰهم صل على كاشف الغمة** " پریشانیوں کو دور کرنے والے (ص: ۸۴)، اور " **اللّٰهم صل على محمد نبيك وإبراهيم خليلك وعلى جميع أنبيائك وأصفيائك من أهل أرضك وسمائك عدد خلقك ورضى نفسك وزنة عرشك ومداد كلماتك ومنتهى علمك وزنة جميع مخلوقاتك صلاة مكررة أبداً عدد ما أحصى علمك و ملأ ما أحصى علمك و أضعاف ما أحصى علمك صلاة تزيد وتفوق وتفضل صلاة المصلين عليهم من الخلق أجمعين كفضلك على جميع خلقك.** (دلائل الخیرات، ص ۴۸)،

اِس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے علم کے متناہی ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ **اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد حتى لا يبقى من الصلاة شيء و ارحم سيدنا محمداً حتى لا يبقى من الرحمة شي ء**" (ص ۴۴) اِن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے متناہی ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے، وغیرہ الفاظ موجود ہیں، اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں "**سيدُنا شافٍ**" (ص ۲۹)، اِس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شافی کہا گیا جبکہ حدیث میں " **لا شافي إلا أنت** " آیا ہے شافی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **سيدُنا كاشفُ الكرب** اور " **سيدُنا صاحبُ الفَرَج**" (ص ۳۲)، اِس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاشفُ الکرب کہا گیا جبکہ تکلیف دور کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، **وإن يمسسك اللّٰه بضر فلا كاشف له إلا هو۔**

علاوہ ازیں درود شریف کے یہ سب صیغے اردو ترجمے کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں، اب عوام تو اس کو مجاز اور کنایہ پر محمول نہیں کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کو یہ اصطلاحات معلوم نہیں ہیں، تو کیا اِن سب صیغوں کو کتاب سے نکال دینا چاہیے، یا عوام کو اِس کتاب کے پڑھنے سے روکنا چاہیے؟

دوسرا سوال: اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر ناظر کا مطلب کیا ہے، کیا اشاعرہ اور ماتریدیہ کی کتابوں میں اِس لفظ کے استعمال کی کوئی دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) شفا کے تین معانی آتے ہیں: ۱؛ روحانی امراض یا شکوک وشبہات سے تسلی اور اطمینان بخش جواب کو بھی شفا کہتے ہیں۔ ۲؛ ظاہری امراض کے علاج معالجہ کو بھی شفا کہتے ہیں۔ ۳؛ صحت وتندرستی بخشنے اور حاصل ہونے کو بھی شفا کہتے ہیں، جہاں شفا کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوجائے اور مصنف صحیح العقیدہ ہوتو وہاں پہلے دومعانی میں سے جو معنی مقام کے مناسب ہووہ لیا جائے اور تیسرا معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، صاحب الدلائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شافی فرمایا وہ پہلے دومعانی کے لحاظ سے ہے۔

صحیح العقیدہ کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنے کے متعلق ''الدرۃ الفردۃ شرح قصیدۃ البردۃ'' میں مرقوم ہے:

یہ اصول تقریباً متفق علیہ ہے کہ جب کوئی صحیح العقیدہ آدمی کوئی بات کہے اور اس کا ظاہری مطلب صحیح معلوم نہ ہوتا ہو، تو اس کے لیے اچھے معنی تلاش کیے جائیں گے، خصوصاً جبکہ قائل عالمِ دین ہوتو اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنا ضروری ہوگا۔ اس ضمن میں وہ تمام تفصیلات داخل ہیں، جو فقہائے کرام نے مسلمان کو کفر سے بچانے کے لیے بیان فرمائی ہیں، فقط ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: **والذي تحرر أنه لايفتى بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن** . (البحر الرائق: ۵/۱۳۵).

اس کی مثالیں بیان کرنے سے پہلے اس اصول کے بارے میں کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: **فإنه يجب أن يفسر كلام المتكلم بعضه ببعض ، ويؤخذ كلامه هاهنا وهاهنا، وتعرف ما عادته بعينه ويريده بذلك اللفظ إذا تكلم به، وتعرف المعاني التي عرف أنه أرادها في موضع آخر، فإذا عرف عُرفه وعادته في معانيه وألفاظه ،كان هذا مما يستعان به على معرفة مراده** . (مجموع الفتاوی: ۲/۴۷ ۳).

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ متکلم کا عمومی مزاج، عرف وعادت کا لحاظ کرکے اس کے کلام کے معنی بیان کرنے چاہییے۔

(۲) حضرت مولانا افضل خان صاحبؒ جو جماعت اشاعت التوحید کے مشائخ واکابر میں سے ہیں، اپنی مشہور کتاب ''نثر المرجان من مشکلات القرآن'' (جس کے شروع میں حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری اشاعت التوحید کے شیخ المشائخ کی تقریظ اور تعریفی کلمات ہیں) میں مولانا رومی (محمد بن محمد بن حسین بلخی، رومی، م: ۶۷۲ھ) کے شعر کا صحیح مطلب

بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" فهذا تأويل لكلام الرومى لكونه معروفاً بصحة العقيدة واتباع السنة ، حيث قال فى آخر المثنوى: أنت حسبي، أنت كافي ليس غير ، ثم التأويل إنما يعتبر في كلام من يكون معروفاً بالاعتقاد الصحيح ، لا في كلام من ليس كذلک . فقول " أنبت الربيع البقل" إذا صدر عن الجاهل المنكر لا يتأول فيه، وإذا صدر عن المسلم فيتأول فيه بأن هذا من قبيل الإسناد إلى الزمان ، فهو مجاز. (نثر المرجان من مشكلات القرآن،ص:۱۲۷).

(۳) حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: حتی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے متشدد حضرات بھی اولیاء اللہ کے کلام کی تاویل کرتے چلے آئے ہیں، اوران کے فتاویٰ میں بیسیوں جگہ مشہورا کابر صوفیہ کے کلام کی بہت کثرت سے تاویل کی گئی ہے، بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کلام کی تو تاویل کثرت سے ان کے فتاویٰ میں کی گئی ہے۔ (اکابر علمائے دیوبند اتباعِ شریعت کی روشنی میں،ص۱۴)۔(ماخوذ از :الدرۃ الفردۃ:۱/۶۱)۔

اس کے بعد تقریباً ۱۵ امثالیں پیش کی گئی وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

اب اِن معانی کی تفصیل کے لیے ذیل کی عبارات ملاحظہ کیجئے: اردو میں شفا بمعنی علاج مستعمل ہے:

آخر طبیب نے بھی انہیں سے کیا رجوع ❁ وہ آئے مسکرائے شفا دے گئے مجھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا:

وقالت: سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: هجاهم حسان فشفى واشتفى . (صحيح مسلم: ۲۴۹۰، ۲/۳۰۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: حسان نے کفار کی ہجو بیان کر کے مسلمانوں کو خوش کردیا، اور خود بھی خوش ہوئے۔ یہاں شفا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیماری سے شفادی؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دلوں میں موجود غیظ وغضب کو ٹھنڈا کردیا؛ قال النوویؒ: (هجاهم حسان فشفى واشتفى) أى شفى المؤمنين واشتفى هو بما ناله من أعراض الكفار ومزقها ونافح عن الإسلام والمسلمين. (شرح صحيح مسلم: ۲/۳۰۱).

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یعنی کفار کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر اور اسلام ومسلمانوں کا دفاع کر کے ایمان والوں کو خوش کردیا، اور خود بھی خوش ہوئے۔

قال الأبي: أي شفى الألم الذي أجده بهجوهم ، واشتفى هو في نفسه. (إكمال إكمال المعلم: ۸/۳۹۷).

علامہ ابیؒ فرماتے ہیں: یعنی کفار کی ہجو کی وجہ سے جو درد مجھے ہوا تھا اس سے حسان نے مجھے شفا دے دی، اور خود بھی شفایاب ہوئے۔

اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ اشعار پڑھے اور اس میں ان کی طرف شفا کی نسبت کی؛ لیکن اس کا مطلب بھی بیماری سے شفا نہیں؛ بلکہ دل سے شک وشبہات کا ازالہ ہے:

إذا ما ابنُ عباسٍؓ بدا لک وجهُه ۞ رأَيتَ له في كل أحوالِهِ فَضْلاً
إذا قال لم يترک مقالاً لقائلٍ ۞ بملتقطاتٍ لا ترى بينها فَصْلاً
كفىٰ وشفىٰ مافي النفوسِ فلم يَدَعْ ۞ لذي إربةٍ في القول جداً ولا هَزْلاً
سَمَوْتَ إلى العليا بغير مشَقَّة ۞ فَنِلْتَ ذُراها لا دَنِيّا ولا وغْلا
خُلقتَ خليقاً للمَوَدَّةِ والنَّدى ۞ فَليجاً ولم تُخْلق كَهاماً ولا جَهْلاً

(ديوان حسان بن ثابت : ۱/۱۶۸، ط:دارصادر بيروت، وكذا فى المعجم الكبير: ۳۵۹۳، ۳/۸۹۸، والمستدرک للحاكم: ۶۳۱۶، ۳/۶۱۱،و الاستذكار: ۴۱۳۰۷، ۲۲/۳۲۲، ومجمع الزوائد: ۱۵۵۲۶، ۹/۲۸۴، وطرح التثريب: ۱/۶۳).

ترجمہ: جب حضرت ابن عباسؓ کسی بھی جگہ نمودار ہوتے ہیں، تو آپ ہر محفل میں ان کی فضیلت دیکھیں گے۔ جب وہ بات کہتے ہیں تو دوسروں کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے، اور ان کی بات ایسے منتخب اور رواں الفاظ سے ہوتی ہے جن کے درمیان کسی قسم کے تکیہ کلام وغیرہ سے آپ فاصلہ نہیں دیکھیں گے۔

دلوں میں جو بھی اشکالات ہوتے ہیں وہ ان سب کے لیے کافی شافی ہیں، کسی ذہین ترین انسان کے لیے بھی وہ سنجیدگی یا مذاق میں کوئی شک وشبہ نہیں چھوڑتے۔

آپ بغیر کسی مشقت کے بلندیوں پر پہنچ گئے، اور آپ نے بلندی کی چوٹیوں کو طے کر لیا ہے، اس حال میں کہ آپ رذیل اور نچلے درجے کے آدمی نہیں ہیں۔

آپ پیدائشی طور پر، محبت اور سخاوت کے سزاوار ہیں، دراں حالیکہ آپ فتحمند اور مقصد میں کامیاب ہیں، اور آپ کی خلقت میں بزدلی اور جہالت جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثوں میں بھی شفا کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے:

وإذا شك في نفسه شيء سأل رجلاً، فشفاه منه، وأوشك أن لا تجدوه، والذي لا إلٰه إلا هو ما أذكر ما غبر من الدنيا إلا كالثغب شرب صفوه وبقي كدره. (صحيح البخاري: ۲۹۶۴، ۱/۴۱۶).

اور اگر تمہیں کسی معاملہ میں شبہ پیدا ہو جائے تو کسی عالم سے پوچھ لو، تاکہ تشفی ہو جائے، وہ دَور بھی آنے والا ہے کہ کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو صحیح صحیح مسئلہ بتا سکے، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! جتنی دنیا باقی رہ گئی ہے وہ تالاب کے اس پانی کی طرح ہے جس کا صاف اور اچھا حصہ تو پیا جا چکا ہے اور گدلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔

قال العيني: أي: أزال مرض التردد فيه وأجاب له بالحق. (عمدة القاري: ۱۴/۲۲۶).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: شفا کا مطلب تردد کو زائل کرنا اور صحیح جواب دینا ہے۔

ثم رجع إلى أبي ذرؓ فقال له: رأيته يأمر بمكارم الأخلاق، وكلاماً ما هو بالشعر، فقال: ما شفيتني مما أردت، فتزود وحمل شنة له فيها ماء، حتى قدم مكة، أي لم تجبني بجواب يشفيني من مرض الجهل. (صحيح البخاري: ۳۸۶۱/۱/۵۴۵).

واپس لوٹ کر انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے انہیں خود دیکھا ہے، وہ اچھے اخلاق کا لوگوں کو حکم کرتے ہیں اور میں نے ان سے جو کلام سنا وہ شعر نہیں ہے۔ اس پر ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا جس مقصد کے لیے میں نے تمہیں بھیجا تھا مجھے اس پر پوری طرح تشفی نہیں ہوئی، آخر انہوں نے خود توشہ باندھا، پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ ساتھ لیا اور مکہ آئے۔ یعنی مجھے ایسا جواب نہیں ملا جو میرے جہل کا علاج کرے۔

قال: فلدغ سيد ذلك الحي فشفوا له بكل شيء لا ينفعه شيء، فقال بعضهم: لو أتيتم هؤلاء الرهط الذين نزلوا بكم لعل أن يكون عند بعضهم شيء ينفع صاحبكم. (سنن أبي داؤد: ۳۴۱۸، ۲/۴۸۵). **وقوله فشفوا له بكل شيء معناه عالجوه بكل شيء مما يستشفى به، والعرب تضع الشفاء موضع العلاج. قال الشاعر:**

جعلت لعراف اليمامة حكمه ۞ وعراف حجر إن هما شفياني

(معالم السنن: ۳/ ۱۰۱).

قبیلے کے سردار کو کسی موذی چیز نے ڈنک مارا تھا، انہوں نے ہر طرح سے علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا، تب ان میں سے ایک نے کہا: اگر تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو یہاں آکر قیام پذیر ہیں، تو ممکن ہے ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو جو تمہارے ساتھی کو فائدہ پہنچائے۔ ہر طرح سے شفا دی کا مطلب یہاں بھی ہر طرح سے علاج کرنا ہے، اور عرب شفا کو علاج کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک شاعر کا شعر ہے: میں یمامہ اور حجر کے کاہنوں کے فیصلے کو مان لوں گا؛ اگر انہوں نے میرا علاج کیا۔

فقلن مثل ما قالت، فرجعت إليه، فأخبرتها بقولهن، قال: فقالت: نعم وأشفيك، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: أهلوا يا آل محمد بعمرة في حج. (مسند أحمد: ۲۶۵۴۸، ۴۴/ ۱۷۲).

سب امہات المؤمنین نے وہی جواب دیا۔ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آیا، اور ان کو تمام امہات المؤمنین کے جواب سے آگاہ کیا، تو انہوں نے فرمایا: ہاں میں تمہاری جہالت دور کرتی ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اے آل محمد! عمرے کا حج کے ساتھ احرام باندھو۔

اِن آثار کی روشنی میں معلوم ہوا کہ شفا بمعنی علاج غیر اللہ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے، اور بیماری کو ٹھیک کرنا اور علاج کو منزلِ مقصود تک پہونچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

﴿**وإذا مرضت فهو يشفين**﴾ [الشعراء: ۸۰]. جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

فقال ثابت: يا أبا حمزة، اشتكيت، فقال أنس: ألا أرقيك برقية رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؟ قال: بلى، قال: اللّٰهم رب الناس، مذهب البأس، اشف أنت الشافي، لا شافي إلا أنت، شفاءً لا يغادر سَقَماً. (صحيح البخاري: ۵۷۴۲، ۲/ ۸۵۸).

ثابتؒ نے کہا: اے ابوحمزہ! میری طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر کیوں نہ میں تم پر وہ دعا پڑھ کر دم کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، ثابتؒ نے فرمایا: ضرور کیجیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ دعا پڑھ کر دم کیا: اے اللہ! لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کرنے والے! شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں، ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری بالکل باقی نہ رہے۔

فسمع جليس للملک كان قد عمي، فأتاه بهدايا كثيرة، فقال: ما هاهنا لک أجمع،

إن أنت شفيتني، فقال: إني لا أشفي أحداً إنما يشفي الله، فإن أنت آمنت بالله دعوت الله فشفاک، فآمن بالله فشفاه الله . (صحيح مسلم: ۳۰۰۵، ۲/۴۱۵).

یہ حال جب بادشاہ کے درباری نے جو کہ اندھا ہوگیا تھا سنا، تو اس لڑکے کے پاس بہت سے تحفے لایا اور کہنے لگا کہ یہ سب مال تیرا ہے اگر تو مجھے شفا دے دے، لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینا تو اللہ تعالی کا کام ہے، اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ سے دعا کروں گا تو وہ تجھے اچھا کردے گا۔ وہ درباری اللہ پر ایمان لے آیا تو اللہ نے اس کو اچھا کر دیا۔

حدیثِ بالا: ”**لا شافي إلا أنت**“ اور اِس جیسی دوسری احادیث میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ علاج کو کامیابی سے ہمکنار کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شفا کے دو معنی ہیں مرضِ جہل یا روحانی مرض کو دور کرنا؛ اس معنی میں شفا کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے کما مر، اور دوسرے معنی ظاہری بیماری سے شفا دینے کے ہیں؛ اگر یہ معنی مراد ہو تو اس شفا کی دو قسمیں ہیں: ایک علاج معالجہ کرنا، یہ غیر اللہ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے، جس کی مثالیں بیان ہوئیں اور دوسرے معنی علاج کو منزلِ مقصود تک پہنچانا اور تندرستی بخشنا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شفا کی نسبت پہلے معنی اور دوسرے معنی پر محمول ہے تیسرا معنی مراد نہیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ”**کاشف الغمة ، کاشف الکرب** اور **صاحب الفرج**“ کہنے کی دو صورتیں ہیں:

الف: **کاشف الضر** صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور غیر اللہ کے لیے اِس لفظ کو اگر اِس یقین کے ساتھ کہے کہ وہ آدمی بذاتِ خود ما فوق الاسباب، مشکل کو دور کرتا ہے تو یہ شرک ہے۔

ب؛ لیکن اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھے کہ کوئی آدمی ما تحت الاسباب مشکل کو دور سکتا ہے اور اس کو اس مناسبت سے **کاشف الضر** کہے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تکلیف تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مس سے ٹھیک ہوگئی؛ لیکن اِس قسم کے الفاظ سے پرہیز کرنا اچھا ہے اور خصوصاً عوام کو جو اِن باریک باتوں میں امتیاز نہیں کر سکتے، ان لوگوں کو اس قسم کے عقائد والفاظ سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تکلیف دور کرنے کی نسبت بھی ما تحت الاسباب صحیح ہے، مثلاً: بھوک کی تکلیف میں مدد کی یا بیماری کا علاج فرمایا۔

ہاں غیر اللہ کو مافوق الاسباب متصرف ماننا اوراس سے حاجت مانگنا ناجائز اورحرام ہے،قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إنا سنلقي عليک قولاً ثقيلاً ﴾،اس میں ثقیلاً کے ساتھ مختلف تشریحات لگائی جاسکتی ہیں:

۱) **ثقيل نزوله، ۲) ثقيل تجويده وتلاوته، ۳) ثقيل علمه، ۴) ثقيل تحمله، ۵) ثقيل دعوته، ۶) ثقيل أجره وثوابه، ۷) ثقيل وزنه في ميزان الحسنات، ۸) ثقيل توحيده .**

قرآنِ کریم کی توحید کہ مافوق الاسباب ایک اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی حاجات مانگنا چاہیے،اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بس میں یہ نہیں کہ مافوق الاسباب مدد کرسکے، یہ قرآن کریم کا موضوع ہے جواول سے آخر تک چلتا ہے،سورۂ فاتحہ جومتن قرآن ہے اس میں " **إياک نعبد وإياک نستعين** " ہم نماز میں بار بار پڑھتے ہیں، کہ غائبانہ ما فوق الاسباب کام بنانے اور بگاڑنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنے کی ممانعت میں بے شمار آیات اوراحادیث موجود ہیں:

۱) **﴿ ولا تدع من دون اللّٰه ما لا ينفعک ولا يضرک فإن فعلت فإنک إذاً من الظالمين﴾** [يونس: ۱۰۶].

۲) **﴿ ومن أضل ممن يدعو من دون اللّٰه من لا يستجيب له إلى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون﴾** [الأحقاف: ۵].

۳) **﴿إن الذين تدعون من دون اللّٰه عباد أمثالكم فادعوهم فليستجيبوا لكم إن كنتم صادقين﴾** [الأعراف: ۱۹۴].

۴) **﴿والذين تدعون من دونه ما يملكون من قطمير، إن تدعوهم لا يسمعوا دعائكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم ولا ينبئک مثل خبير﴾**
[الفاطر: ۱۳، ۱۴].

۵) **﴿ أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الأرض أإله مع اللّٰه قليلاً ما تذكرون﴾** [النمل: ۶۲].

ماتحت الاسباب کسی سے مدد مانگنے کی اجازت ہے:

﴿من أنصاری إلى اللّٰه ﴾ [الصف: ۱۴]، **﴿إن تنصروا اللّٰه ينصركم ويثبت أقدامكم﴾**

[محمد:۷]، ﴿آتونی زبر الحدید﴾ [الکهف:۹۶]، اور اس طرح بے شمار نصوص سے ثابت ہے۔

قلت: كاشف الضر في الحقيقة هو الله تعالى إما بواسطة الأسباب أو بغيرها. (روح البیان: ۲۳/۳).

ومنها إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلک کفر.

(البحر الرائق: ۲۹۸/۲).

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق سے مافوق الاسباب افعال سرزد ہونے کا عقیدہ رکھنا شرک ہے؛ کیونکہ اس صفت کے ساتھ مخلوق کے مصائب اور مشکلات دور کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے؛ البتہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجازاً مشکل کشا کہا جائے تو اس سے شرک لازم نہیں آتا؛ تاہم عوام جو اس امتیاز کو پہچان نہیں سکتے، ان کو اس قسم کے عقائد رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (فتاوی حقانیہ: ۱۹۱/۱)۔

ایں الفاظ بہ اعتقاد حاضر وناظر عالم الغیب گفتن شرک جلی است وبطور عشق ومحبت گفتن جائز است، وپیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را مشکل کشا گفتن بایں معنی کہ از جانبِ خدا برائے حل مشکلات مقرر ست کذب وکفر است، و بایں معنی کہ بتوسل ودعائے او مشکلات حل می شوند صدق وجائز است۔ (فتاوی فریدیہ: ۷۲/۱)۔

پوچھا علی مشکل کشا کہنا کیسا ہے، فرمایا تاویلاً جائز ہے، یعنی مشکلات علمیہ کے حل کرنے والے؛ مگر عوام کے لیے موہوم ضرور ہے اس واسطے خلاف ہے۔ (اشرف الاحکام: ۴۷)۔

تنبیہ: ان الفاظ کے جواز کی توجیہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ استغاثہ جائز ہے، استغاثہ اور توسل میں زمین آسمان کا فرق ہے، غیر اللہ سے استغاثہ بالکل حرام ہے جیسا کہ اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا؛ جبکہ توسل کے جواز پر اہلِ سنت والجماعت متفق ہیں۔ (الدرۃ الفردۃ شرح قصیدۃ البردۃ ۶۵۴/۲، امداد الفتاوی ۱۰۱/۵، نشر الطیب ۲۴۷، کفایت المفتی ۴۱۶/۱، المہند علی المفند ۴۲، فتاوی محمودیہ ۱۰۵/۳، توسل واستغاثہ بغیر اللہ اور غیر مقلدین کا مذہب)۔

۳۔ "**اللّٰهم صل على سيدنا محمد.... منتهى علمک** اور **وارحم سيدنا محمداً حتى لا يبقى من الرحمة شيء**" روایات میں بھی وارد ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ حقیقی معنی مراد نہیں؛ بلکہ یہ کنایہ ہے کثرت سے اور اس طرح کی عبارات مبالغہ پر محمول ہوا ہی کرتی ہیں۔

وأخبرنا أبو القاسم الحرفي، أخبرنا أحمد بن سليمان، حدثنا عبد الله، قال محمود بن غيلان: حدثنا أبو أسامة، حدثني خالد بن محدوج أبو روح، قال: سمعت أنس بن مالک يقول: إن داؤد نبي الله صلى الله عليه وسلم ظن في نفسه أن أحداً لم يمدح خالقه

أفضل مما مدحه، فإن ملكاً نزل وهو قاعد في المحراب والبركة إلى جنبه، فقال: يا داؤد افهم إلى ما يصوت الضفدع، فأنصت داؤد إذا الضفدع يمدحه بمدحة لم يمدحه بها داؤد. فقال له الملك: كيف ترى يا داؤد؟ فهمت ما قالت؟ قال: نعم. قال: ما ذا قالت؟ قال: قالت: سبحانک وبحمدک منتهى علمک يا رب. قال داؤد: لا، والذي جعلني نبيه إني لم أمدحه بهذا. (شعب الإيمان: ۶/۳۲۰/۴۲۶۱).

حدثنا محمد بن حموس بن نصر القطان الهمداني، ثنا عمر بن حفص الوصابي الحمصي، ثنا سعيد بن موسى الأزدي، عن سفيان الثوري، عن عمرو بن دينار، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنه قال: جاء وا برجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فشهدوا عليه أنه سرق ناقة لهم، فأمر به النبي صلى الله عليه وسلم أن يقطع فولى الرجل وهو يقول: أللّٰهم صل على محمد حتى لا يبقى من صلاتک شيء، وبارک على محمد حتى لا يبقى من برکاتک شيء، وسلم على محمد حتى لا يبقى من السلام شيء، فتكلم الجمل فقال: يا محمد إنه بريء من سرقتي. (كتاب الدعاء للطبراني: ۱/۳۲۲/۱۰۵۵).

۴۔ دلائل الخیرات کے بارے میں بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو ذہن میں خلجان ہو تو ان موہم عبارات کو چھوڑ کر غیر موہم عبارات استعمال کرے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ حاضر کے استعمال کا وہی مطلب ہے جو آیت ﴿وهو معكم أين ما كنتم﴾ کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ ناظر کا وہ مطلب نہیں جو معتزلہ لیتے ہیں؛ بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے "فناظر كيف تعملون"، وہ مطلب مراد ہوتا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے نظر کے اطلاق سے نصوص بھری پڑی ہیں:

وكان فيما قال: إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها فناظر كيف تعملون، ألا فاتقوا الدنيا واتقوا النساء . (سنن الترمذي: ۲۱۹۱).

باب ما جاء في النظر، قال الله تعالى: عسى ربكم أن يهلک عدوكم ويستخلفكم في الأرض فينظر كيف تعملون. [الأعراف: ۱۲۹]، وقال: إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً أولئک لا خلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم

القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم. [آل عمران: ۷۷]. (كتاب الأسماء والصفات للبيهقي: ۲/۴۲۴).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حاجت پوری ہونے کے لیے سورۂ یٰسٓ شریف کا ایک خاص عمل:

سوال: ہر قسم کی حاجت کے لیے سورۂ یٰسٓ شریف کا عمل کیا جاتا ہے؛ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پوری یٰسٓ شریف میں لفظِ مبین نو مرتبہ آیا ہے تو جب بھی مبین پر پہنچتے ہیں تو از سر نو شروع کرتے ہیں، اس طرح نو مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھنی ہوگی۔ کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصل بات یہ ہے کہ عملیات کا قرآن وحدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث سے ان کا مخالف نہ ہونا ہی کافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں سے فرمایا: تم مجھ پر اپنے عملیات پیش کرو، یعنی اگر شریعت کے خلاف ہوں تو رد کر دیا جائے گا، ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ سورۂ یٰسٓ شریف مذکورہ بالا طریقہ پر پڑھنا بھی قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے؛ اس لیے بعض اکابر کے تجربہ کے نتیجے میں یہ عمل کر سکتے ہیں۔

کمالاتِ عزیزی میں ہے: سورۂ یٰسٓ کا ختم بھی ہر مہمات کے واسطے مشائخ سے ثابت ہے جب کوئی ضرورت پیش آئے، سورۂ مذکورہ اس ترتیب سے پڑھے کہ ہر ہر لفظ مبین سے از سر نو شروع کرتا رہے، جب اس طریقہ سے سورت ختم ہو جائے تو سر ننگا کر کے سجدہ میں جا کر اپنی حاجت نہایت عاجزی سے چاہے۔ تا حاصل مطلب ہر روز معمول رکھے۔ (کمالاتِ عزیزیہ، ص ۸۵)۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی صبح کے وقت سورۂ یٰس پڑھے تو اس دن کے کام اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں، اور اگر شام کو پڑھے تو شام سے صبح تک کے کام آسان ہو جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو سنن الدارمی میں ہے:

حدثنا عمرو بن زرارة، حدثنا عبد الوهاب، حدثنا راشد أبو محمد الحماني، عن شهر بن حوشب، قال قال ابن عباس رضي الله عنه: من قرأ يٰسٓ حين يصبح، أعطي يسر يومه حتى يمسي، ومن قرأها في صدر ليله، أعطي يسر ليلته حتى يصبح. إسناده حسن وهو موقوف على ابن عباس. (سنن الدارقطنى مع التعليق: ۴/۲۱۵۱/۳۴۶۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جنات سے متعلق چند سوالات کے جوابات:

سوال: ۱۔ کیا جنات تابع ہو سکتے ہیں؟ اگر تابع ہو سکتے ہیں تو کیا ان کو تابع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ کیا وہ غیب کی باتیں بتلا سکتے ہیں؟ اگر بتلا سکتے ہیں تو کیا ان سے غیب کی باتیں پوچھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی خبروں پر اعتماد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۱۔ بصورتِ مسئولہ جنات کو تابع کرنا ممکن ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے دعا فرما کر جنات تابع کرنے کی قدرت دی تھی، نصوصِ کثیرہ اس پر شاہد ہیں۔

پھر جنات تابع کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

☆ اگر تسخیر کا مقصد ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری پر لانا ہے تو یہ جائز ہے۔

☆ اگر تسخیر کا مقصد ان کو مباح کام میں استعمال کرنا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

☆ اگر تسخیر کا مقصد ان کو غلط اور ناجائز امور میں استعمال کرنا ہو تو یہ ناجائز ہے، پھر اگر ان کو کفریہ کاموں میں استعمال کریں تو کفر ہے، اور اگر فسق وفجور میں استعمال کریں تو فسق اور گناہ ہے۔

☆ اگر تسخیر کا مقصد ان کو مسلوب القدرۃ کرنا ہے تو یہ بھی درست نہیں کہ اس میں استرقاق الحر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات پر قدرت حاصل تھی، اس کے ثبوت میں چند نصوص درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ومن الشياطين من يغوصون له ويعملون عملاً دون ذلک وكنا لهم حافظين﴾**

۲۔ **وقال تعالیٰ: ﴿وحشر لسليمان جنوده من الجن والإنس والطير فهم يوزعون ﴾**

۳۔ **وقال تعالیٰ: ﴿ومن الجن من يعمل بين يديه بإذن ربه ومن يزغ منهم عن أمرنا نذقه من عذاب السعير، يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور راسيات، اعملوا آل داود شكراً ﴾**

۴۔ **قال تعالیٰ : ﴿والشياطين كل بناء وغواص وآخرين مقرنين فی الأصفاد﴾**

۵۔ **وقال تعالیٰ: ﴿قال عفريت من الجن أنا آتيک به قبل أن تقوم من مقامک ﴾**

وقال شاكر في كتاب العجائب: حدثنا محمد بن عمير أبوعزيز حدثنا عمران بن

موسى بمكة حدثنا على بن مهران حدثنا جرير بن عبد الحميد عن سفيان بن عبد الله أن عمر بن عبد العزيز سأل موسى بن نصير أمير المغرب وكان يبعث فى الجيوش حتى بلغ أو سمع وجوب الشمس عن أعجب شيء رأه فى البحر فقال: انتهيت إلى جزيرة من جزائر البحر فإذا نحن ببيت مبنى وإذا نحن فيها بسبع عشرة جرة خضراء مختومة بخاتم سليمان عليه السلام فأمرت بأربع منها فأخرجت وأمرت بواحدة منها فنقبت فإذا شيطان يقول: والذي أكرمك بالنبوة لا أعود بعدها أفسد فى الأرض ثم نظر فقال: ما أرى بها سليمان و ملكه فانساخ فى الأرض فذهب فأمرت بالبواقي فردت إلى مكانها. (آكام المرجان فى احكام الجان، ص ۱۳۸، ۱۳۹).

حدیث شریف میں ہے:

عن أبى الدرداء رضی اللہ عنہ قال:قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعناه يقول:أعوذ بالله منك ، ثم قال: ألعنك بلعنة الله ثلاثاً ، وبسط يده كأنه يتناول شيئاً ،فلما فرغ من الصلاة قلنا : يا رسول الله ! لقد سمعناك تقول فى الصلاة شيئاً ، لم نسمعك تقوله من قبل، و رأيناك بسطت يدك ، فقال: إن عدو الله إبليس جاء بشهاب من نار ليجعله في وجهي، فقلت: أعوذ بالله منك ثلاث مرات ، ثم قلت: ألعنك بلعنة الله التامة ، فلم يستأخرثلاث مرات، ثم أردت أخذه ، والله لولا دعوة أخينا سليمان لأصبح موثقاً يلعب به ولدان أهل المدينة . (صحيح مسلم ،رقم: ۵۴۲).

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن الرسول صلى الله عليه وسلم قال: إن عفريتاً من الجن جعل يفتك علي البارحة ليقطع علي الصلاة ، وإن الله أمكنني منه، فذعته ، فلقد هممت أن أربطه إلى جنب سارية من سوارى المسجد ، حتى تصبحوا تنظرون إليه أجمعون (أو كلكم) ثم ذكرت قول أخي سليمان: رب اغفر لي وهب لي ملكاً لا ينبغي لأحد من بعدي، فرده الله خاسئاً . (صحيح البخارى ،رقم: ۳۴۲۳).

معارف القرآن میں مرقوم ہے: خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر کسی کے لیے بغیر قصد وعمل کے محض من

جانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ثابت ہے تو وہ معجزہ یا کرامت میں داخل ہے۔ اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلماتِ کفریہ یا اعمالِ کفریہ ہوں تو کفر اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہِ کبیرہ ہے۔ اور اگر ایسے کلمات ہوں جن کا معنی معلوم نہ ہوں تو ناجائز ہے اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ کفریہ کلمات ہوں۔ اور اگر اسمائے الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ ہوں اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت نہ ہو تو دفع مضرت کے لیے جائز ہے اور اگر مقصود کسبِ مال ہو تو جائز نہیں استرقاق الحر کی وجہ سے۔ (معارف القرآن: ۷/ ۲۶۶)۔

مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ میں مرقوم ہے:

الجن مع الإنس على أحوال: فمن كان من الإنس يأمر الجن بما أمر الله به ورسوله من عبادة الله وحده وطاعة نبيه، ويأمر الإنس بذلك، فهذا من أفضل أولياء الله تعالىٰ، و هو في ذلك من خلفاء الرسول صلى الله عليه وسلم ونوابه.

ومن كان يستعمل الجن في أمور مباحة له، فهو كمن استعمل الإنس في أمور مباحة له، وهذا كأن يأمرهم بما يجب عليهم، وينهاهم عما حرم عليهم، و يستعملهم في مباحات له، فيكون بمنزلة الملوك، الذين يفعلون مثل ذلك، وهذا إذا قدر أنه من أولياء الله ...

ومن كان يستعمل الجن فيما ينهى الله عنه ورسوله إما فى الشرك، وإما في قتل معصوم الدم، أو فى العدوان عليهم بغير القتل، كتمريضه وإنسائه العلم، وغير ذلك من الظلم، وإما في فاحشة، كجلب من يطلب منه الفاحشة، فهذا قد استعان بهم على الإثم والعدوان، ثم إن استعان بهم على الكفر فهو كافر، وإن استعان بهم على المعاصي فهو عاصٍ: إما فاسق، وإما مذنب غير فاسق، وإن لم يكن تام العلم بالشريعة، فاستعان بهم فيما يظن أنه من الكرامات، مثل أن يستعين بهم على الحج، أو يطيروا به عند السماع البدعي، أو أن يحملوه إلى عرفات، ولا يحج الحج الشرعى الذى أمره الله به ورسوله، وأن يحملوه من مدينة إلى مدينة، ونحو ذلك، فهذا مغرور قد مكروا به. (مجموع الفتاوى: ۱۱/ ۳۰۷، ۳۰۸).

جواب: ۲۔ علمِ غیب یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے، نہ کوئی انسان علمِ غیب جانتا ہے اور نہ کوئی

جنات، اور اس کے دلائل میں قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں۔
شیخ عمر بن سلیمان الاشقر العتیبی اپنی کتاب ”عالم الجن و الشیاطین“ میں لکھتے ہیں:

شاع لدى كثير من الناس أن الجن يعلمون الغيب، ومردة الجن يحاولون أن يؤكدوا هذا الفهم الخاطئ عند البشر، وقد أبان الله للناس كذب هذه الدعوى، عند ما قبض روح نبيه سليمان عليه السلام، وكان قد سخر له الجن يعملون بين يديه بأمره، وأبقى جسده منتصباً، واستمر الجن يعملون، وهم لا يدرون بأمر وفاته، حتى أكلت دابة الأرض عصاه المتكئ عليها، فسقط فتبين للناس كذبهم في دعواهم، أنهم يعلمون الغيب، ﴿فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته إلا دابة الأرض تأكل منسأته فلما خر تبينت الجن أن لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا فى العذاب المهين﴾ [سبأ:۱۴].

ہاں بعض مرتبہ جنات مستقبل کی ایسی باتیں بتلاتے ہیں جو بعد میں سچی ہوتی ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جنات آسمان میں جاتے تھے اور خبریں سن کر ان کو نقل کرتے تھے اور سچی نکلتی تھیں، لیکن اس سے ان کا عالم الغیب ہونا لازم نہیں آتا بلکہ فقط ناقل غیب تھے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ان کو تیسرے آسمان تک جانے سے روکدیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد پہلے آسمان تک جانے سے بھی روکا گیا، اس کے باوجود جانے کی کوشش کرتے ہیں تو فرشتے ان کو شہابِ ثاقب (دہکتے ہوئے انگاروں) سے مارتے ہیں۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وأنا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرساً شديداً وشهباً، وأنا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهاباً رصداً﴾ [الجن:۸،۹].

آکام المرجان في أحكام الجان میں مرقوم ہے:

ذكر الزبير بن أبي بكر وغيره أن إبليس كان يخترق السموات قبل عيسى عليه السلام فلما ولد وبعث عليه السلام حجب عن ثلاث سموات فلما ولد محمد صلى الله عليه وسلم حجب عنها كلها وقذفت الشياطين بالنجوم.

وقالت قريش حين كثر القذف بالنجوم قامت الساعة فقال عتبة بن ربيعة: انظروا إلى العيوق فإن كان قد رمى به فقد آن قيام الساعة، وإلا فلا...

وذكر أن أول العرب فزع للرمى بالنجوم حين رمى بها للقذف ثقيف وأنهم جاء وا إلى رجل منهم يقال له عمرو بن أمية أحد بني علاج وكان أدهى العرب وأكثرها رأياً فقالوا له ياعمرو ألم تر ما حدث فى السماء من القذف بهذه النجوم قال بلى، فانظروا فإن كانت معالم النجوم التي يهتدى بها فى البر والبحر وتعرف بها الأنواء من الصيف والشتاء لما تصلح الناس في معايشهم هي التي يرمى بها فهو والله طي الدنيا وهلاك هذا الخلق الذي فيها وإن كانت نجوماً غيرها وهي ثابتة فهذا الأمر أراد الله تعالىٰ بهذا الخلق.

وروى ابن عبد البر من طريق أبي داود بسنده إلى الشعبي قال: لما بعث النبي صلى الله عليه وسلم رجمت الشياطين بنجوم لم تكن ترجم بها قبل فأتوا عبد ياليل بن عمرو الثقفي فقالوا: إن الناس قد فزعوا واعتقوا رقبتهم وسيبوا انعامهم لما رأوا فى النجوم فقال لهم وكان رجلاً أعمى لا تعجلوا وانظروا فإن كانت النجوم التي تعرف فهي عند فناء الناس وإن كانت لا تعرف فهي من حدث فنظروا فإذا هي نجوم لا تعرف فقالوا هذا من حدث فلم يلبثوا حتى سمعوا بالنبي صلى الله عليه وسلم . (آكام المرجان فى احكام الجان ،الباب الثامن والستون فى جوازسوال الجن عن الاحوال الماضية دون الامور المستقبلة،ص۱۷۳).

دلائل النبوۃ میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

إن الشياطين كانوا يصعدون إلى السماء فيستمعون الكلمة من الوحي فيهبطون بها إلى الأرض فيزيدون معها تسعاً فيجد أهل الأرض تلك الكلمة حقاً والتسع باطلاً ، فلم يزالوا كذلك حتى بعث الله محمداً صلى الله عليه وسلم، فمنعوا تلك المقاعد، فذكروا ذلك لإبليس، فقال: لقد حدث فى الأرض حدث فبعثهم، فوجدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يتلو القرآن بين جبلي نخل، قالوا: هذا والله لحدث، وإنهم ليرمون فإذا توارى النجم عنكم فقد أدركه لا يخطئ أبداً لا يقتله يحرق وجهه ، جنبه ، يده ... (دلائل النبوة للامام البيهقي: ۲/۲۳۹).

احیاناً جنات کی بات سچی ہوتی ہے اس کی حقیقت:

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

وقت اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا حکم جاری کرتا ہے، تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان سنکر خوف وعاجزی سے اپنے بازو کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی اس کے کلام کی آواز گویا اس زنجیر کی آواز کی مانند ہوتی ہے، جس کو صاف پتھر پر کھینچا جائے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ نیچے رہنے والے تمام فرشتے مقرب فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم جاری فرمایا ہے مقرب فرشتے وہ حکم بتاتے ہیں، چنانچہ ان باتوں کو چوری چھپے سننے والے جنات وشیاطین سن لیتے ہیں اور اوپر والا جن فرشتوں کی بات کو چوری چھپے سن کر اپنے نیچے والے جن کو پہونچا دیتا ہے اور وہ اپنے نیچے والے جن کو، یہاں تک کہ آخری جن جو سب سے نیچے ہوتا ہے اس بات کو ساحر یا کاہن کی زبان تک پہنچا دیتا ہے وہ اس میں سو جھوٹی باتیں شامل کر لیتا ہے۔ (رواہ البخاری)۔

چنانچہ مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ جنات کو علمِ غیب حاصل نہیں ہے لہذا ان سے غیب کی باتیں پوچھنا ناجائز اور حرام ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

أما سوال الجن وسوال من يسألهم فهذا: إن كان على وجه التصديق لهم في كل ما يخبرون به والتعظيم للمسئول فهو حرام كما ثبت فى صحيح مسلم وغيره عن معاوية بن الحكم السلمى قال: قلت: يارسول الله! اموراً كنا نصنعها فى الجاهلية كنا نأتى الكهان، قال: فلا تأتوا الكهان... (مجموع الفتاوى لابن تيميةؒ: ۱۹/ ۶۲).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي يدعى أن له صاحباً من الجن يخبره عما سيكون، والكل مذموم شرعاً، محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر. (ردالمحتار على الدرالمختار: ۴/ ۲۴۲، سعيد).

فتاوی تاتارخانیہ میں مرقوم ہے:

يكفر بقوله: أنا أعلم المسروقات أو أنا أخبر عن أخبار الجن إياي. (الفتاوى التاتارخانية: ۵/ ۴۷۷).

لباب الفتاویٰ میں مذکور ہے:

سوال: بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی جن تابع ہو تو اس جن کو چھپی غیب کی باتیں اور خبریں معلوم ہوتی ہیں اور تابع جن کی مدد سے ان کو پوچھا جائے تو وہ سچی بات بتاتے ہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: ...یہ عقیدہ رکھنا کہ جس شخص کو جن تابع ہو وہ اس تابع جن کی مدد سے چھپی باتیں اور خبریں بتادیتا ہے یہ کتاب وسنت کے خلاف ہے...تابع جن یا عامل کے بارے میں غیب کی باتیں بتانے کا عقیدہ رکھنا حرام، ضلالتِ شدیدہ اور کفر ہے۔ (لباب الفتاویٰ، ص۳۳۳، ص۳۳۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اولاد حاصل کرنے کے لیے وظیفہ:

سوال: میں پانچ سال سے شادی شدہ ہوں لیکن میری کوئی اولاد نہیں، کافی علاج ومعالجہ کرایا لیکن ڈاکٹر حضرات نے بتلایا کہ میرے مادہ منویہ میں کچھ کمزوری ہے۔اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی دعا یا وظیفہ یا کوئی کھانے کی چیز ایسی ہے جس سے مجھے فائدہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ میری امید کو برآور بنادے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حصولِ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا اور ظاہری جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ درجِ ذیل عمل مجرب ہے: ۱۔اس آیتِ کریمہ کو خوب کثرت سے پڑھا کرے: ﴿ **رب هب لي من لدنک ذرية طيبة ، إنک سميع الدعاء** ﴾ [آل عمران: ۳۸].

اعمالِ قرآنی میں ہے: جس کو اولاد کی مایوسی ہوگئی ہو، اِس آیت کو پڑھا کرے، خداوندکریم اس آیت کی برکت سے فرزند صالح عطا فرمائے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔(اعمالِ قرآنی،ص۵۴)۔

۲۔ ﴿ **رب لا تذرني فرداً وأنت خير الوارثين** ﴾ [الانبیاء: ۸۹]، روزانہ سو مرتبہ۔ جس کو اولاد سے مایوسی ہوگئی ہو اس آیت کو پڑھا کرے خداوندکریم اس کی برکت سے فرزندِ صالح عطا فرمائیں گے، ان شاءاللہ تعالیٰ۔(انوارِ شمسیہ،ص۹۴، واعمالِ قرآنی،ص۵۴)۔

۳۔ ﴿ **والسماء بنيناها بأيد وإنا لموسعون ، والأرض فرشناها فنعم الماهدون** ﴾ [الذاریات: ۴۷، ۴۸]،

جس کو اولاد سے مایوسی ہو دو انڈے روز جوش کر کے اور پوست یعنی چھلکا دور کر کے ایک پر ﴿ **والسماء بنيناهابأيد وإنا لموسعون** ﴾ ،اور دوسرے پر ﴿ **والأرض فرشناها فنعم الماهدون** ﴾، لکھے، پہلا بیضہ مرد کھائے اور دوسرا بیضہ عورت کھائے، اسی طرح چالیس روز یہ ترکیب کرے اور اس درمیان میں قربت بھی کرتا جائے، ان شاءاللہ استقرارِ حمل ہوگا۔(اعمالِ قرآنی،۵۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اکتالیس (۴۱) مرتبہ سورۂ یٰسٓ شریف کا عمل:

سوال: بعض مرتبہ ہم اپنی حاجات پوری ہونے کے لیے یا دفعِ مصائب کے لیے یا ایصالِ ثواب کے لیے ایک جگہ جمع ہوکر اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰس شریف کا ختم کرتے ہیں، لیکن بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ کیا یہ عمل بدعت ہے یا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصل بات یہ ہے کہ عملیات کا قرآن وحدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ قرآن و حدیث سے ان کا مخالف نہ ہونا ہی کافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں سے فرمایا: تم مجھ پر اپنے عملیات پیش کرو، یعنی اگر شریعت کے خلاف ہوں تو رد کردیا جائے گا، ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰسٓ شریف پڑھنا بھی قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے؛ اس لیے یہ عمل درست ہے۔ جبکہ صبح شام سورۂ یٰس شریف کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، جس کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی ساتویں جلد میں موجود ہے۔ اور اکتالیس مرتبہ پڑھنا بعض بزرگوں کی تحریرات کی روشنی میں درست ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اعمالِ قرآنی میں لکھتے ہیں:

سورۂ یٰس: جس حاجت کے لیے اکتالیس بار پڑھے وہ حاجت روا ہو، خوف زدہ ہو امن میں آجائے یا بیمار ہو شفا پائے یا بھوکا ہو سیر ہو جائے۔ (اعمالِ قرآنی، ص ۲۷)۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عوف بن مالك الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يارسول الله كيف ترى في ذلك فقال: اعرضوا علي رقاكم لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك. (رواه مسلم، رقم: ۲۲۰۰، باب لاباس بالرقى مالم يكن فيه شرك).

احسن الفتاویٰ میں اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے؛

اس طرزِ عمل سے چونکہ مقصود رقیہ وعلاج ہے نہ کہ ثواب وعبادت، لہٰذا اس میں عدمِ ثبوت مضر نہیں، اصل نسخہ ترکِ سیئات اور توبہ واستغفار ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۳۶۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حفاظت کے لیے جو علاج وتدبیر تجربہ سے ثابت ہو اس کا اختیار کرنا درست ہے جب کہ اس میں کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۸۲، جامعہ فاروقیہ)۔

ایضاح المسائل میں مرقوم ہے: آیتِ کریمہ ﴿ **لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من**

الظالمین﴾ دفع مصائب کے لیے بہت مجرب ہے لیکن سوالاکھ کی تعداد کسی حدیث سے تو ثابت نہیں ہے لیکن بطورِ علاج دفع مصائب کے لیے بزرگانِ دین کا تجربہ کافی ہے۔ بحوالہ احسن الفتاوی وفتاویٰ محمودیہ۔(ایضاح المسائل،ص ۱۴۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چار بڑی بیماریوں سے حفاظت کی دعا:

سوال: ایک روایت کی تحقیق مطلوب ہے: کہ جو شخص تین مرتبہ یہ دعا" **سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ** " صبح کو پڑھے گا، وہ چار بڑی بیماریوں سے محفوظ رہے گا: کوڑھ، پاگل پن، نابینا پن، اور فالج۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ یہ دعا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکورہ بالا حدیث سندِ ضعیف کے ساتھ عمل الیوم واللیلہ لابن السنی اور طبرانی معجم کبیر میں منقول ہے۔ روایت ملاحظہ کیجیے:

أخرج الإمام الطبراني بسنده عن نافع بن عبد الله أبي هرمز قال: سمعت عطاء بن أبي رباح يحدث عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قدم قبيصة بن مخارق الهلالي على رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلم عليه فرد عليه ورحب به ثم قال له: ماجاء بک ياقبيصة ؟ قال: يارسول الله ! كبرت سني ورق جلدي وضعفت قوتي ووهنت على أهلي وعجزت عن أشياء قد كنت أعملها فعلمني كلمات لعل الله أن ينفعني بهن وأوجز فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ياقبيصة ! قل ثلاث مرات إذا صليت الغداة :" سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم وبحمده ولا حول ولا قوة إلا بالله" فإنک إذا قلت ذلک أمنت بإذن الله من العمى والجذام والبرص، وقل: اللهم اهدني من عندک وأفض علي من فضلک وانشر علي من رحمتک وأنزل علي من بركاتک، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولهن وقبيصة يعقد عليهن بأصابعه . (المعجم الكبير،رقم: ۹۴۰).

قال الهيثمي: فيه نافع أبوهرمز وهو ضعيف. (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۱۱،دارالفكر).

عمل اليوم والليله میں ہے: **عن نافع بن عبد الله السلمي (أبي هرمز)،عن عطاء ، عن ابن عباس رضي الله عنه قال: بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ أقبل شيخ يقال له قبيصة**

فقال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : ما جاء بک ، وقد كبرت سنک ، ورق عظمک؟ فقال: يارسول اللّٰه ! كبرت سني، ودق عظمي ، وضعفت قوتي ، واقترب أجلي ، فقال: أعد علي قولک ، فأعاد عليه ، ثم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما بقي حولک شجر ، ولا حجر ، ولا مدر ، إلا بكى رحمة لقولک ، فهات حاجتک ، فقد وجب حقک ، فقال: يارسول اللّٰه ! علمنى شيئاً ينفعنى اللّٰه به فى الدنيا والآخرة ، ولا تكثر علي؛ فإني شيخ نسي، قال: أما لدنياک ، فإذا صليت الصبح فقل بعد صلاة الصبح : ”**سبحان اللّٰه العظيم وبحمده ، ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه**“ ، ثلاث مرات ، يوقيک اللّٰه من بلايا أربع : من الجذام ، والجنون ، والعمى ، والفالج ، فأما لآخرتک ، فقل: اللّٰهم اهدني من عندک ، وأفض علي من فضلک ، وانشر علي من رحمتک ، وأنزل علي من بركاتک. فقالها الشيخ ، وعقد أصابعه الأربع ، فقال أبوبكر، وعمر: خالک هذا يارسول اللّٰه ! ما أشد ما ضم على أصابعه الأربع ، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: والذي نفسي بيده ، لئن وفى بهن يوم القيامة لم يدعهن ، ليفتحن له أربعة أبواب من الجنة ، يدخل من أيها شاء . (عمل اليوم والليلة ، رقم: ۱۳۳).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ابو ہرمز نافع بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن چونکہ اس کا تعلق فضائلِ اعمال سے ہے لہذا اس پر عمل کرنا جائز اور درست ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

غصہ ختم کرنے کا علاج:

سوال: ہمارے والد صاحب کو بہت غصہ آتا ہے ذرا سی بات پر لعن طعن کرنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے، غصہ ختم کرنے کا کوئی علاج یا کوئی دعا بتائیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ احادیثِ نبویہ میں غصہ کا علاج درجِ ذیل تین صورتوں میں تجویز کیا گیا ہے۔ ا۔ جب غصہ آئے تو وضو کرلے، کیونکہ غصہ میں شیطان کا اثر ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ ابوداود شریف میں روایت ہے:

حدثنا بكر بن خلف والحسن بن علی، قالا: حدثنا إبراهيم بن خالد ، حدثنا أبووائل

قال أبوداود: يعني القاص من أهل صنعاء، قال :هو أُرى عبد الله بن بحير، قال: دخلنا على عروة بن محمد السعدي فكلمه رجل فأغضبه، فقام فتوضا، ثم رجع و قد توضأ، فقال: حدثني أبي عن جدی عطية، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الغضب من الشيطان، وإن الشيطان خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء، فإذا غضب أحدكم فليتوضأ. (سنن ابی داود، رقم: ۴۷۸۴).

۲۔ جب غصہ آجائے تو اپنی ہیئت بدل دے۔یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

ابوداود شریف میں ہے: عن أبي ذر رضی اللہ عنہ؛ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال لنا : إذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس، فإن ذهب عنه الغضب، وإلا فليضطجع . (سنن ابی داود، رقم: ۴۷۸۲).

۳۔ جب غصہ آئے تو یہ دعا پڑھے۔ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم .

ترمذی شریف میں ہے: عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال: استب رجلان عند النبي صلى الله عليه وسلم حتى عرف الغضب في وجه أحدهما، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إني لأعلم كلمة لو قالها لذهب غضبه: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم . (سنن الترمذی، رقم ۳۴۵۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعویذ لٹکانے کے لیے اسٹیل کی چین استعمال کرنے کا حکم:

سوال: اگر تعویذ کا دھاگا ٹوٹ گیا ہو یا بار بار ٹوٹ جاتا ہو تو اسٹیل کی چین استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تعویذ کا صندوق شیشہ سے بنا ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اسٹیل کی چین بذاتِ خود مقصود نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، جیسے گھڑی کے لیے اسٹیل کی چین استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ مقصود چین نہیں ہے، بلکہ چین تابع ہے، نیز یہ مسئلہ مردوں کے استعمال کا ہے ورنہ عورتوں کے لیے تو بلا کسی قید کے جائز ہے۔لیکن اگر یہ تعویذ مع صندوقچہ زیور کی طرح لگتا ہو تو مرد کے لیے استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی زرہ زیب تن فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم وهو في قبة : اللهم إني

أنشدک عهدک ووعدک ، اللّٰهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم فأخذ أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه بيده ، فقال: حسبک يا رسول اللّٰه، فقد ألححت على ربک وهو فى الدرع ...الخ. (صحيح البخاری،رقم: ۲۹۱۵).

ترمذی شریف میں ہے:

عن الزبير بن العوام قال: كان على النبي صلى الله عليه وسلم درعان يوم أحد ...الخ. (سنن الترمذی، رقم: ۳۷۳۸).

درمختار میں ہے: **ولا يكره فى المنطقة حلقة حديد أو نحاس وعظم .** (الدرالمختار: ۳۵۹/۶، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

چین کے استعمال کی دوصورتیں ہیں ؛ ۱۔ اس کا باندھنا بذاتِ خود مقصود ہوجیسے زینت کے لیے لوگ باندھتے ہیں۔۲۔ بذاتِ خود مقصود نہ ہوکسی دوسری چیز کے باندھنے کے لیے استعمال کی جائے۔صورتِ اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلاکراہت جائز ہے۔خود گھڑی کی پشت جوکلائی کے ساتھ لگتی ہے وہ بھی توکسی دھات ہی کی ہوتی ہے،مگر چونکہ وہ بھی خود مقصود نہیں اس لیے جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۲۱۳)۔

کمر بندلوہے یا تانبے یاہڈی کا حلقہ لگاسکتے ہیں۔ دلائل کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۷/۲۶۴۔۲۶۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿و إذا الوحوش حشرت﴾ [التكوير:٥]

وقال تعالیٰ: ﴿وما من دابة فی الأرض ولا طائر يطير بجناحيه إلا أمم أمثالكم ما فرطنا فی الكتاب من شيء ثم إلی ربهم يحشرون﴾ [الأنعام:٣٨]

وقال تعالیٰ :

﴿والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون... والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة ويخلق مالا تعلمون﴾ [النحل:٥،٨]

باب......﴿۱۱﴾

ما يتعلق بالحيوانات

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم قال: "لتؤدن الحقوق إلی أهلها يوم القيمة، حتی يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء".

(رواه مسلم، باب تحريم الظلم)

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم قال:

عذبت امرأة فی هرة حبستها حتی ماتت جوعاً فدخلت فيها النار ..." (رواه البخاری)

باب......(۱۱)

حیوانات سے متعلق احکام کا بیان

میت کو دفن کرنا میت کا اعزاز ہے، کیا حیوانات کو بھی دفن کرنا چاہیے؟

سوال: میں نے سنا ہے کہ حدیث میں ہے: ’’میت کی تکریم میں اس کی تدفین شامل ہے‘‘ تو کیا اس میں جانور بھی شامل ہے یعنی جانوروں کو مرنے کے بعد دفن کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ ایک مقولہ ہے کہ ’’میت کی تکریم میں اس کی تدفین شامل ہے‘‘ یہ کوئی حدیث نہیں ہے، علامہ سخاویؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھے مرفوعاً معلوم نہیں ہے، ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ’’الموت‘‘ میں بحوالہ ایوب سختیانی ذکر کیا ہے کہ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ یہ مقولہ مشہور ہے: میت کی تکریم میں سے ہے کہ اس کو جلدی دفنا دیا جائے۔ ملاحظہ ہو ’’المقاصد الحسنہ‘‘ میں علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

حدیث: ’’ إكرام الميت دفنه ‘‘ لم أقف عليه مرفوعاً وإنما أخرجه ابن أبى الدنيا فى الموت له من جهة أيوب السختياني قال: كان يقال من كرامة الميت على أهله تعجيله إلى حفرته . (المقاصدالحسنة، ص ۱۴۱، رقم: ۱۵۰).

البتہ بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ مرنے کے بعد دفن کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، لیکن اس کا تعلق انسان کے ساتھ ہے نہ کہ جانوروں کے ساتھ۔ ملاحظہ ہو:

عن الحصين بن وحوح أن طلحة بن البراء مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم، يعوده فقال: إني لا أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فآذنوني به وعجلوا فإنه لاينبغي

لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله . (رواه ابوداود: ۲/۴۵۰، والبيهقي في سننه الكبرى: ۳۸۶/۳، وسننه الصغير: ۱/۲۸۴).

وعن عطاء بن أبي رباح يقول: سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہ ، يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه ، وأسرعوا به إلى قبره...الخ. (رواه الطبرانی فی الكبير،رقم: ۱۳۶۱۳،والبيهقی فی شعب الايمان،رقم: ۸۸۵۴).

ہاں جانور کے مرنے کے بعد دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے تاکہ لوگوں کو اس کے تعفن اور بدبو وغیرہ سے تکلیف نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرنے کے بعد جانور کو آبادی سے دور پھینکنے کا حکم:

سوال: اگر جانور کو دفن نہ کیا جائے بلکہ آبادی سے دور اس نیت سے ڈالدے کہ کتے ، بلیاں اور دوسرے مردار خور جانور اس کو کھالیں گے،تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مردار جانور کو آبادی سے دور پھینکنا تاکہ دوسرے جانور خود آکر کھالیں یہ جائز اور درست ہے،فقہاء کے کلام میں اس کی تصریح ہے، ہاں جانور کے پاس ڈال کر کھلانا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

ولا يحمل الجيفة إلى الهرة ويحمل الهرة إلى الجيفة . (الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ۸۲/۴).

نفع المفتی والسائل میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ثم إن كان لا بد من سقي الخمر فرساً لا يشربه بل يضع الخمر بين يديه ليشربه ، كما أن لاينبغي أن يؤكل الميتة الكلب إلا بأن يضع الميتة بين يدى الكلب فيأكله بنفسه ... (نفع المفتی والسائل،ص ۴۷۲).

وفيه أيضاً : الاستفسار: هل يجوز حمل الفارة على الهرة لتأكلها ؟

الاستبشار: يجوز أن تحمل الهرة على الفارة، ولا يحملها على الهرة ، في مطالب المؤمنين: عن أشربة كفاية الشعبي: ولا يحل لأحد أن يحمل الميتة إلى الكلب، ويجوز أن

یحمل الکلب إلی المیتة ، و کذا أخذ الفارة فلیس له أن یحملها إلی الهرة ، ولکن یحمل الهرة إلی الفارة ، انتهی . (نفع المفتی والسائل ،ص ۴۶۹). (وکذا فی المحیط البرهانی : ۶/۱۰۳).

لیکن بعض فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک پانی جانوروں کو پلا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہوالبحر الرائق میں ہے:

و فی الذخیرة : و لا بأس برش الماء النجس فی الطریق و لا یسقی للبهائم ، و في خزانة الفتاویٰ: لا بأس بأن یسقی الماء النجس للبقر والإبل والغنم . (البحر الرائق: ۱/۱۲۵، ط: کوئٹہ).

بوقتِ ضرورت دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ پہلا قول کراہت پر محمول ہوگا۔

مزید ملاحظہ کیجیے: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۵/ ۱۵۵، و۶/ ۴۱۷، ط: زمزم پبلشر زکراچی)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

برقی آلہ سے مچھر مارنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی مچھر والی لائٹ لگادے اور اس سے مچھر مرتے ہیں تو یہ عمل احراق بالنار میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز کیڑے، مکوڑوں کو آگ میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں بلاضرورت، عام حالات میں احراق بالنار ممنوع اور ناجائز ہے، ہاں بعض مخصوص ضرورتوں کے تحت فقہاء نے اجازت دی ہے، بنابریں برقی آلہ سے مچھر مارنا بوقتِ ضرورت جائز ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں اگر برقی آلہ کو ایک جگہ نصب کیا جائے اور مچھر خود بخود آ کر مر جائے تو یہ بات درست ہے، اس میں مارنا نہیں ہوا، جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ مردار اور ناپاک پانی جانور کو کھلانا، پلانا ممنوع ہے لیکن اگر دور رکھدے اور جانور خود کھالیں، تو یہ بات ممنوع نہیں ہے۔

نیز اس مسئلہ کی دوسری نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کھٹمل زیادہ ہو جائیں اور ان کو ختم کرنے کے لیے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے تو یہ جائز ہے، اسی طرح مچھر دفع کرنے کے لیے اور کوئی آسان طریقہ نہ ہو تو برقی آلہ کے ذریعہ ختم کرنا یا کم کرنا درست ہے؛ جبکہ برقی آلہ کے پاس وہ خود آتے ہوں اور آلہ ان کے پیچھے نہیں گھمایا جاتا ہو۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں عام حالات میں احراق بالنار کی ممانعت وارد ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد اللّٰه عن أبیه قال: کنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم في

سفر فانطلق لحاجته فرأينا حمرة معها فرخان فأخذنا فرخيها فجاء ت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: من فجع هذه بولدها ردوا ولدها إليها، ورأى قرية نمل قد حرقناها فقال: من حرق هذه ، قلنا نحن، قال: إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار . (رواه ابوداود: ۲/ ۳۶۳، رقم: ۲۶۷۷).

وفي رواية له قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن وجدتم فلاناً فاقتلوه ولا تحرقوه فإنه لا يعذب بالنار إلا رب النار . (ابوداود ،رقم: ۲۶۷۵).

مچھروں کا برقی آلہ کی طرف خودآ کر گرنا جلانے کے حکم میں نہیں ہے، جیسے مردار جانور دور پھینکنا اور جانور کا خودآ کر کھانا مردار کھلانے کے حکم میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے: ولا يحمل الجيفة إلى الهرة ويحمل الهرة إلى الجيفة .

(الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ۴/ ۸۲).

نفع المفتی والسائل میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ثم إن كان لا بد من سقى الخمر فرساً لا يشربه بل يضع الخمر بين يديه ليشربه ، كما أن لا ينبغي أن يؤكل الميتة الكلب إلا بأن يضع الميتة بين يدى الكلب فيأكله بنفسه ... (نفع المفتى والسائل ،ص ۴۷۲).

(وكذا فى نفع المفتى والسائل ،ص ۴۶۹). (وكذا فى المحيط البرهانى : ۶/ ۱۰۳).

وفى الشامية : قال بعض المشايخ لو قاد الدابة إلى الخمر لابأس به ولو نقل إلى الدابة يكره . (فتاوى الشامى: ۶/ ۴۴۹).

یعنی مچھروں کو برقی آلہ کی طرف لیجانا درست نہیں، اسی طرح مچھروں پر آلہ گھمانا بھی درست نہیں، لیکن برقی آلہ ایک جگہ نصب کردینا درست ہے کہ مچھر خودبخود اس کی طرف جائیں۔

علامہ شامیؒ نے بوقتِ ضرورت احراق بالنار کی اجازت دی ہے؛ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما في شرح السير بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة فإن تمكنوا بدونها فلا يجوز. (فتاوى الشامى: ۴/ ۱۲۹، سعيد).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

سوال: مچھروں کو مارنے کے لیے ایک برقی آلہ استعمال ہوتا ہے جس کے اندر ایک ٹیوب لائٹ سے روشنی ہوتی ہے اوراس کے اوپر ایک جالی میں انتہائی طاقتور برقی رو دوڑ جاتی ہے جونہی مچھر اس روشنی کے قریب جانے کی کوشش کرتا ہے اس کو اس برقی رو والی جالی سے گزرنا پڑتا ہے اس میں چونکہ انتہائی طاقتور برقی رو ہوتی ہے جس کی بناپر وہ جل جاتے ہیں، اس کا استعمال شرعاً کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۴۶/۴، طبع قدیم)۔

کھٹملوں کے مارنے کے لیے کوئی اور آسان طریقہ نہ ہو تو ان پر کھولتا ہوا پانی ڈالنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: چار پائی میں کھٹمل دفع ہونے کو اگر چار پائی میں گرم پانی ڈالے تو کیسا ہے؟

الجواب: **فی رد المحتار: كيفية القتال من كتاب الجهاد تحت قول الدر المختار وحرقهم مانصه: لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما فی الشرح السير بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلک بلامشقة عظيمة فان تمكنوا لايجوز.** اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھٹملوں کے دفع کا اور کوئی آسان طریقہ نہ ہو تب تو گرم گرم پانی ڈالنا ان پر درست ہے، ورنہ ممنوع ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۶۳/۴)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

سوال: کھٹمل کے دِق کرنے پر آیا پلنگ یا تخت پر کھولتا پانی ڈال کر کھٹملوں کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب وہ دق کرتے ہیں اور دوسری طرح نہیں مانتے تو گرم کھولتا ہوا پانی چار پائی پر ڈالنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۰/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پرندے کو پنجرے میں رکھنے کا حکم:

سوال: کیا پرندوں کو پنجرے میں بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پنجرہ ان کے لیے قید و بند ہے اوران کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پرندوں کو پنجرے میں رکھنا جائز اور درست ہے، جبکہ اس کے لیے کھانے، پینے وغیرہ کا صحیح نظم ہو اور پنجرہ بھی کشادہ ہو۔ ملاحظہ ہو الہدیۃ العلائیہ میں علامہ شامی کے صاحبزادے لکھتے ہیں:

يجوز حبس الطيور المغردة فی القفص للاستئناس بها إذا لم يكن تعذيب لها في

ذلک بأن ألفته من صغرها، وليس في إعتاقها ثواب، وقيل: يكره لأنه تضييع للمال . (الهدية العلائية لمحمد علاء الدين بن محمد امين ابن عابدين الدمشقي، ص ۲۰۹،ط: دارابن حزم).

یعنی سریلی آوازوالے پرندوں کوپنجرے میں رکھنا دل بہلانے کے لیے جائزاوردرست ہے، جب کہ اس میں اذیت اورتکلیف نہ ہو،اس طور پرکہ بچپن سے مانوس کیا ہو،اوران کورہا کرنے اورچھوڑ دینے میں کوئی ثواب نہیں ہے، بلکہ ایک قول یہ ہے کہ رہا کردینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں مال ضائع کرنا ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله وأما للاستيناس فمباح ، قال فى المجتبى رامزاً: لا بأس بحبس الطيور والدجاج في بيته ولكن يعلفها وهو خير من إرسالها فى السكك. وفى القنية رامزاً: حبس بلبلاً فى القفص وعلفها لايجوز .

أقول: لكن في فتاوى العلامة قارئ الهداية: سئل هل يجوز حبس الطيور المغردة وهل يجوز عتقها...فأجاب: يجوز حبسها للاستئناس بها وأما إعتاقها فليس فيه ثواب .

قلت: ولعل الكراهة فى الحبس فى القفص لأنه سجن وتعذيب دون غيره كما يؤخذ من مجموع ما ذكرنا و به يحصل التوفيق فتأمل . (فتاوى الشامي:۶/ ۴۰۱، سعيد).

(وكذا في فتاوى قارئ الهداية ،ص ۹۲،۹۳، لسراج الدين عمربن على الحنفى ،ط: دارالفرقان).

علامہ شامیؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے پرندوں کوپنجرہ میں رکھنا جائز ہے جبکہ کھانے پینے کا صحیح نظم ہونیز پنجرہ اتنا چھوٹا بھی نہ ہوکہ اندر چلنا پھرنا دشوار ہو۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے:" باب الطير فى القفص" اوراس میں ایک روایت ذکر کی ہے: قال حدثنا عامر قال: حدثنا حماد بن زيد ، عن هشام بن عروة قال: كان ابن الزبير وأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يحملون الطير فى الأقفاص. (ص ۱۱۶)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں صحابہ کرام کا عام معمول تھا۔اس روایت کے بارے میں بین القوسین یہ تحریر کیا گیا ہے کہ هشام لم يدرك جده ابن الزبير اس میں تسامح ہوا ہے کیونکہ ہشام بن عروہ عبداللہ بن زبیر سے بکثرت روایت کرتے ہیں،اورعبداللہ بن الزبیران کے جد نہیں بلکہ تایا یعنی عم ہیں۔

درمختار میں ہے کہ اگرکوئی شخص احرام میں ہے یاحرم میں داخل ہوااورجانوراس کے گھر میں یاپنجرے میں

ہے تو اس کا ارسال واجب نہیں ہے۔

قال؛ لا يجب إن كان الصيد في بيته لجريان العادة الفاشية بذلک وهي من إحدى الحجج أو قفصه ولو القفص في يده. قال فى الشامية : قوله: لجريان العادة أى من لدن الصحابة إلى الآن، وهم التابعون ومن بعدهم يحرمون وفي بيوتهم حمامة في أبراج و عندهم دواجن وطيور لايطلقونها . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۵۷۴، باب الجنايات، سعيد).

مبسوط الشيباني میں ہے:

وإذا أحرم الرجل وله في منزله صيد لم يكن عليه إرساله إنما يرسل مايكون في يديه.

(المبسوط للامام محمد: ۲/ ۴۴۹، ط؛ادارة القرآن كراچی).

مبسوط السرخسی میں ہے: **لأن إمساک الحمام فى البيوت مباح ألا ترى أن الناس يتخذون بروج الحمامات ولم يمنع .** (المبسوط للإمام السرخسی: ۲/ ۱۳۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جانوروں کی پوست انبازی اور شکار کا تمغا رکھنے کا حکم:

سوال: شکاری لوگ بعض مرتبہ کوئی اچھے جانور کا شکار کرتے ہیں مثلاً: شیر یا دیگر غیر ماکول جانور کا، پھر اس کی کھال کو دباغت دینے اور صاف کرنے کے بعد اس میں گھاس وغیرہ کوئی چیز بھر کر اس کو بطورِ یادگار رکھتے ہیں۔ نیز کبھی صرف سر، یا دانت یا سینگ کا تمغا رکھتے ہیں۔ کیا ان چیزوں کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ خنزیر نجس العین کے استثناء کے ساتھ تمام جانوروں کی کھالیں، شرعی طور پر ذبح کرنے سے پاک ہوجاتی ہیں، نیز دباغتِ شرعیہ سے بھی پاک ہوجاتی ہیں اور اس کا خارجی استعمال جائز اور درست ہوجاتا ہے۔ بنابریں شکار کا تمغا بنانا اور گھر میں رکھنا جائز اور درست ہے۔

نیز یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ تصویر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کے مصنوع کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے مشابہ بنانا، اور صورتِ مسئولہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق میں کوئی چیز بھر دینا ہے کھال بھی مخلوقِ خدا ہے اور بھری ہوئی چیز بھی، لہٰذا یہ تصویرِ محرم کے حکم میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو جانوروں کے اجزاء کا استعمال جائز اور درست ہے:

قال الإمام محمد: ولا بأس ببيع عظام الميتة وعصبها وعقبها وصوفها وشعرها و

قرنها ووبرها والانتفاع بذلک كله. وقال فی النافع الكبير: قوله ، ولا بأس الخ ، الدليل ما أخرجه الدارقطني عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فإنما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم من الميتة لحمها فأما الجلد والشعر والصوف فلا بأس، وأخرج عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله : قل لا أجد فيما أوحي إلي محرماً على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة ، الخ، أن كل شيء من الميتة حلال إلا ما أكل فأما الجلد والشعر والقرن والصوف والسن والعظم فكله حلال لأنه لا يذكی، وفي إسنادها ضعف . (الجامع الصغيرمع النافع الكبير: ۳۲۹، باب مايجوز بيعه ومالا يجوز، ط: عالم الكتب بيروت).

مخصوص منافع کے تحت غیر ماکول اللحم جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وحل اصطياد ما يوكل لحمه وما لايوكل لحمه لمنفعة جلده أو شعره أو ريشه أو لدفع شره وكله مشروع لإطلاق النص . وفی القنية : يجوز ذبح الهرة والكلب لنفع ما. (الدرالمختار: ۶/۴۷۴،سعيد). (وكذا فی البحرالرائق: ۸/۲۶۳،وتبيين الحقائق : ۶/۶۱).

وقال فی الهداية : وكل إهاب دبغ فقد طهر جازت الصلاة فيه والوضوء منه إلا جلد الخنزير والآدمی...ثم ما يطهر جلده بالدباغ يطهر بالذكاة لأنه يعمل عمل الدباغ في إزالة الرطوبات النجسة . (الهداية: ۱/ ۴۰، ط: مكتبة شركة علمية). (وكذا فی البدائع: ۱/۸۵،سعيد، وفتاوى الشامی: ۱/۲۰۵،سعيد).

امدادالفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بھینس کا بچہ مرگیا اور وہ بھینس بغیر بچہ کے دودھ نہیں دیتی اگر اس مردہ بچہ کی کھال نکلوا کر اور اس میں بھس وغیرہ بھر کر بھینس کو دکھلا کر دودھ لینے کی غرض سے رکھ لیا جاوے تو کیا اس طرح مردہ بچہ کو قائم رکھنا اور دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔(امدادالفتاویٰ:۴/۱۵۴)۔(وکذا فی فتاویٰ محمودیہ:۱۸/ ۲۴۶،ط: جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

سوال: شکاری لوگ شیر، چیتے وغیرہ کا شکار کرنے کے بعد اس کا چمڑا اس طرح نکالتے ہیں کہ پورا سر اس کے ساتھ رہنے دیتے ہیں، پھر چمڑے کو دباغت کر لیتے ہیں، سر کا اندرونی حصہ بھی کسی طرح صاف کر لیتے ہیں

اوراس چمڑے کوجس کے ساتھ پوراسرمع آنکھ وغیرہ کے ہوتا ہے گھر میں رکھتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح حیوان کے سر کورکھنا جائز ہے یا تصویر کی طرح اس کا رکھنا بھی جائز نہ ہوگا؟

الجواب: یہ تصویر کے حکم میں نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۴۹۹، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ علماءالبلد الحرام میں مذکور ہے:

سوال: هناك بعض الطيور كالحمام والصقور المحنطة والتي تباع فى الأسواق للمنظر أوكالتحفة وبما أن هذه الطيور من خلق الله ولا يوجد بها تغير ، لذلك نرغب من سماحتكم ما هو الحكم فيمن يضعها في منزله .

جواب: لا تعتبر ذلك من التصوير، ولا من مضاهاة خلق الله ولا اقتناء الصور التي ورد النهى عنها فى الأحاديث ...الخ. (فتاوىٰ علماء البلد الحرام). واللہ ﷻ اعلم۔

تکلیف زدہ جانور کوراحت دینے کے لیے مارنے کا حکم:

سوال: اگرکوئی غیر ماکول اللحم جانور مثلاً: کتا وغیرہ سخت بیمار ہواور تکلیف میں ہوتو اس کو ذبح کردینا تاکہ ختم ہوجائے اور مسلسل تکلیف سے نجات مل جائے۔ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جانور کوتکلیف سے راحت پہنچانے کی غرض سے ذبح کردینا جائز اور درست ہے، جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر ماکول اللحم جانور کا شکار جائز اور مباح ہے۔

ملاحظہ ہوفتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے: **وكذا الحمار إذا مرض ولا ينتفع به فلا بأس بأن يذبح فيستراح منه كذا فى الفتاوى العتابية .** (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۶۱).

تبیین الحقائق میں مذکور ہے:

وحل اصطياد ما يوكل لحمه وما لا يوكل لقوله تعالىٰ : ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ مطلقاً من غير قيد بالمأكول إذ الصيد لايختص بالمأكول . (تبيين الحقائق:۶/ ۶۱،ط: امداديه،ملتان). وكذا فى البحر: ۸/ ۲۳۱). واللہ ﷻ اعلم۔

گرگٹ اور چھپکلی مارنے پرثواب اور مارنے کی حکمت:

سوال: احادیثِ مبارکہ میں چھپکلی اور گرگٹ کے مارنے پرثواب کا وعدہ ہے وہ کونسی حدیث ہے اور

اس کی کیا حکمت ہے؟ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو تو یہ کام ایک خاص گرگٹ نے کیا اس کی پوری نسل کو سزا دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ زہریلا کیڑا ہے یہاں تک کہ اس کے پاؤں میں زہر ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اس میں کوئی زہر نہیں ہے۔ بینوا بالدلیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ احادیثِ مبارکہ میں گرگٹ اور چھپکلی کے مارنے پر ثواب کا ذکر ملتا ہے۔ چند احادیث حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: من قتل وزغاً في أول ضربة كتبت له مائة حسنة وفى الثانية دون ذلك وفى الثالثة دون ذلك.** (رواه مسلم، رقم: ۵۶ ۴۱).

وفي رواية أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: في أول ضربة سبعين حسنة.

(رواه مسلم، رقم: ۵۷ ۴۱).

مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایک ہی وار میں گرگٹ کو مار دیگا اس کے لیے سو نیکیاں ہیں، اور دوسرے وار میں مارے تو اس سے کم اور کوئی تیسرے وار میں مار ڈالے تو اس سے کم نیکیاں ملیں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص پہلے وار میں مار ڈالے اس کے لیے ستر نیکیاں ہیں۔

دیگر روایات بھی مروی ہیں؛ ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل وزغة في أول ضربة فله كذا وكذا حسنة ومن قتلها فى الضربة الثانية فله كذا وكذا حسنة أدنى من الأول ومن قتلها فى الضربة الثالثة فله كذا وكذا حسنة أدنى من الثانية. (رواه ابوداود، رقم: ۵۲۶۵، والترمذى، رقم: ۱۵۵۸، وابن ماجه، رقم: ۳۳۵۱، واحمد، رقم: ۸۸۹۳).

اختلافِ روایات کی چار وجوہات شراح نے ذکر کی ہیں:

(۱) اقل عدد اکثر عدد کے منافی نہیں ہے۔ (امام نووی، شرح مسلم: ۲/۲۳۶)۔

(۲) پہلے ستر کی خبر دی گئی تھی بعد میں سو کی خبر دی گئی۔ (امام نووی، شرح مسلم: ۲/۲۳۶)۔

(۳) مارنے والے کے احوال اور نیت کے اعتبار سے ثواب میں فرق ہوگا۔ (امام نووی، شرح مسلم: ۲/۲۳۶)۔

(۴) اختلافِ روایت روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے۔(مفتی تقی عثمانی، تکملۃ فتح الملہم:۴/۴۰۲)۔

گرگٹ اور چھپکلی کو مارنے کی حکمت:

احادیث میں مذکور ہے کہ گرگٹ اور چھپکلی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری تھی آگ کو مزید تیز کرنے کی نیت سے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أم شريك رضي الله عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بقتل الوزغ وقال: كان ينفخ على إبراهيم عليه السلام. (رواه البخارى، رقم: ۳۳۵۹).

و عن سائبة مولاة الفاكه بن المغيرة انها دخلت على عائشة رضي الله عنها فرأت فى بيتها رمحاً موضوعاً فقالت يا أم المؤمنين ما تضعين بهذا قالت: نقتل به الأوزاغ فإن نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أخبرنا أن إبراهيم لما ألقى فى النار لم تكن فى الأرض دابة إلا أطفئت النار غير الوزغ فإنها كانت تنفخ عليه فأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بقتله. (رواه ابن ماجه، رقم: ۳۲۳۱).

اس کی سند میں سائبہ مولاۃ الفاکہ مجہولہ ہے لیکن بخاری میں اس کا شاہد موجود ہے۔(تعلیق ابن ماجہ:۴/۶۱۹)۔

لیکن گرگٹ کو مارنے کا اصل سبب اس کا موذی اور زہریلا ہونا ہے۔ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

والذي يظهر لي ـ واللّٰه أعلم ـ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إنما بين هذه القصة لبيان خبث ودناءة جبلته و إنما السبب فى الأمر بقتله هو كونه مؤذياً و إلا فالظاهر فعلة وزغات عهد إبراهيم عليه السلام لا يعاقب به وزغات هذا الزمان فالسبب الأصلى فى الأمر بقتله هو إيذاءه واعتداءه ومن جملته مافعل ابناء جنسه لسيدنا إبراهيم عليه السلام. (تكملة فتح الملهم: ۴/۴۰۰).

مظاہر حق جدید میں مرقوم ہے:

یہ گویا گرگٹ کی خباثت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو یہ گرگٹ اس آگ کو بھڑکانے کے لیے اس میں پھونک مارتا تھا یوں بھی تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ جانور بڑا زہریلا اور موذی ہوتا ہے اگر کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے زہریلے جراثیم پہنچ جائے تو اس سے لوگوں کو بہت سخت نقصان پہونچ سکتا ہے۔(مظاہر حق جدید:۴/۶۲)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (تحفۃ الالمعی: ۴/ ۴۱۸، والدر المنضود: ۶/ ۲۸۶، وبذل المجہود: ۱۲/ ۴۵۳)۔

وزغ یعنی چھپکلی اور گرگٹ کے موذی اور زہریلے ہونے کی تحقیق:

علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں لکھتے ہیں: **واتفقوا على أن الوزغ من الحشرات المؤذيات ... وزعموا أنها تسقى من الحيات وتمج فى الإناء فينال الإنسان المكروه العظيم بسبب ذلك وذكر أصحاب الآثار أن الوزغ أصم قالوا: والسبب فى صممه ما تقدم من نفخه النار على إبراهيم عليه السلام فصم لأجل ذلك وبرص ومن طبعه أنه لايدخل بيتاً فيه رائحة الزعفران وتألفه الحيات كما تألف العقارب الخنافس ويلقح بفيه ويبيض كما تبيض الحيات ويقيم في حجره زمن الشتاء أربعة أشهر لا يطعم شيئاً** . (حياة الحيوان: ۲/ ۲۴۶).

جدید اہل تحقیق کے مطابق چھپکلی کی اکثر قسمیں زہریلی ہیں؛ ملاحظہ فرمائیے:

Recent studies show that a number of types of lizards including monitors and iguanas, have venom-secreting glands in their mouths but lack specialized teeth for delivering a potent bite (Microsoft Encarta 2008). For a long time, it was assumed that only two lizards; the Gilamoster and the Mexican Beaded Lizard, have venom glands. In our study in 2006 in nature, we showed the presence of venom glands in additional lizards' lineages (University of Cambridge/Google). Research Bryan Frys team at the University of Melbourne, Australia, now suggests that venomous lizards are much more widespread than anyone realised. (Google)

اِن عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو معلوم نہیں تھا، اور پہلے یہ تحقیق ہوئی تھی کہ چھپکلی کی دو قسموں میں زہر موجود ہے لیکن جدید تحقیقات نے اس کو واضح کر دیا ہے کہ چھپکلی کی اکثر اقسام میں زہر موجود ہے۔

اس وجہ سے جب چھپکلی کسی سالن میں گرتی ہے اور لاعلمی میں وہ سالن کھایا جائے تو کھانے والوں کو ضرر اور بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور یہ لوگوں کا مشاہدہ ہے، یہاں تک کہ اس کے پاؤں میں زہریلے اثرات ہیں اور یہ واحد جانور یا کیڑا ہے جس کے پاؤں میں زہریلے اثرات ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ مارنے کا حکم، چھپکلی جو گھروں پائی جاتی ہے اور گرگٹ جو پہاڑوں

اور کھیتوں میں ہوتا ہے دونوں کو شامل ہے۔ ملاحظہ ہو امداد المفتین میں مذکور ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ وزغہ کی تعریف کیا ہے اور اس میں چھپکلی داخل ہے یا نہیں اس کے متعلق کتبِ لغت وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزغہ ایک لفظ عام ہے جو گرگٹ (کرلیا) کو بھی شامل ہے اور چھپکلی کو بھی اور لفظ سام ابرص فقط گرگٹ (کرلیا) پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لیے بعض اہل لغت نے وزغہ کا ترجمہ سام ابرص سے کر دیا ہے اور بعض نے یہ تصریح کی ہے کہ سام ابرص وزغہ کی ایک نوع خاص ہے جو بڑی ہے اور گھاس میں رہتی ہے۔ **قال في القاموس تحت الوزغة محركه سام أبرص وقال تحت أبرص وسام أبرص من كبار الوزغ ومثله في حياة الحيوان تحت سام أبرص، وقال في مجمع البحار وهي ما يقال له أي الوزغة ثم قال: الوزغ دابة لها نوع تعدد في الحشيش. وقال في النهاية لابن اثير و هي التي يقال لها سام أبرص و مثله في الدرالمنثور للسيوطي**۔

پھر فارسی لغت کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان تمام لغت عربی وفارسی و ہندی کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں وزغہ اور فارسی میں چلپاسہ لفظ عام ہے دونوں قسم پر صادق آتا ہے یعنی گرگٹ اور چھپکلی دونوں پر اور عربی میں سام ابرص اور فارسی میں کربہ اور کرش وغیرہ فقط گرگٹ کو کہا جاتا ہے۔ حدیث قتل کا حکم لفظ وزغہ کے ساتھ ارشاد ہوا ہے اس لیے دونوں قسموں کو شامل معلوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۰۸، دارالاشاعت، کراچی)۔

حضرت عائشہؓ نے گھر میں بانس یا نیزہ رکھا ہے ظاہر ہے کہ گھر میں چھپکلی ہوتی ہے اگرچہ اِس روایت کی سند ضعیف ہے لیکن ابن ماجہ اور بخاری میں اس کی مؤید حدیث موجود ہے۔

وزغ اسم جنس ہے اس کی دو نوعیں ہیں گرگٹ اور چھپکلی۔ (تحفۃ الالمعی: ۴/ ۴۱۸)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شوقیہ بندر مکان میں رکھنے کا حکم:

سوال: ایک مسلمان نے گھر میں شوقیہ بندر رکھا ہے۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شوقیہ بندر جو کسی فائدہ کی غرض سے نہ رکھا ہو مکروہ ہے، کیونکہ بندر درندوں میں سے ہے اور درندوں کا بلا کسی صحیح منفعت کے رکھنا مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفي الأجناس لا ينبغي أن يتخذ كلباً إلا أن يخاف من اللصوص أو غيرهم و كذا

الأسد والفهد والضبع وجميع السباع وهذا قياس قول أبي يوسفؒ كذا في الخلاصة . (الفتاوى الهندية: س۵/ ۳۶۱).

وفي البزازية : ولا يحبس كلباً في داره إلا للحراسة من اللصوص وغيرهم أو للصيد وكذا الأسد والفهد و سائر السباع . (الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ۶/ ۳۷۰).

حياة الحيوان میں علامہ دمیریؒ لکھتے ہیں:

أكل القرد حرام...وأما بيعه فيجوز لأنه يقبل التعليم فيمسك الشمعة ويحفظ الأمتعة ...(حياة الحيوان: ۲/ ۲۰۵). واللہ ﷻ اعلم۔

کتے، بلیوں کو مارنے کا حکم:

سوال: اگر کسی جگہ کتے، بلیاں زیادہ ہوجائیں اور حکومت کے اہل کاران کو مار ڈالیں، تو یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کتے، بلیوں کی تعداد زیادہ ہوجانے پر ضرر اور نقصان ہو اور حکومت کے اہل کار مار ڈالنا چاہیں تو یہ جائز ہے۔ ورنہ بلاضرورت نہیں مارنا چاہیے۔

قال في الهندية : قرية فيها كلاب كثيرة ولأهل القرية منها ضرر يؤمر أرباب الكلاب أن يقتلوا الكلاب فإن أبوا رفع الأمر إلى القاضي حتى يلزمهم ذلك كذا في محيط السرخسي . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۶۰).

وفي الدر المختار: وجاز قتل ما يضر منها ككلب عقور وهرة تضر . وقال في الشامية : قوله إذا لم تضر تقييد للنسخ ذكره في النهر أخذاً مما في الملتقط إذا كثرت الكلاب في قرية وأضرت بأهلها أمر أربابها بقتلها فإن أبوا رفع الأمر إلى القاضي حتى يأمر بذلك . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۵۷۰، سعيد).

لیکن بلا کسی عذر کے ویسے ہی نہیں مارنا چاہیے: قال في الدر: لكن لا يحل قتل ما لا يؤذي ولذا قالوا: لم يحل قتل الكلب الأهلي إذا لم يؤذ والأمر بقتل الكلاب منسوخ كما في الفتح أي إذا لم تضر . (الدرالمختار: ۲/ ۵۷۰، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: بہتر یہ ہے کہ نہ مارا جائے لیکن اگر نقصان سے حفاظت مشکل ہو جائے تو جان سے مارنا درست ہے مگر ترسا ترسا کے مارنا برا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶/۳۹۳، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خنزیر کے بال سے بنے ہوئے برش والے تیل اور پانی کا حکم:

سوال: اگر خنزیر کے بال سے بنا ہوا سوکھا برش کسی تیل میں پڑ جائے اور تیل میں اس کا کوئی رنگ یا بو نہ آئے تو تیل پاک ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر اس سے رنگ کیا یا پانی میں ڈالا تو رنگ اور پانی دونوں ناپاک ہوئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ خنزیر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نجس العین ہے بنابریں اس کے بالوں سے بنا ہوا برش اگر تیل وغیرہ میں گر جائے تو وہ تیل وغیرہ مائع چیز ناپاک ہو جائے گی اگرچہ اس میں رنگ، بو اور مزہ نہ آئے، اور اس کا استعمال کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

أفتى الإمام أبو يوسفؒ بنجاسته فيتنجس الماء القليل إذا وقع فيه... والصحيح قول أبي يوسف . (البحرالرائق: ۶/۸۰، دارالمعرفة).

قال في المحيط: وأما شعر الخنزير فهو نجس هو الظاهر في مذهب أبي حنيفةؒ .

(المحيط البرهاني : ۲/۲۰۹، داراحياء التراث).

وفي الهداية : قال: ولا يجوز بيع شعر الخنزير لأنه نجس العين...ولو وقع في الماء القليل أفسده عند أبي يوسفؒ . (الهداية:۳/۵۵).

وفي المجمع : ويفسد شعر الخنزير الماء القليل عند أبي يوسفؒ وهو المختار.

(مجمع الانهر:۳/۸۵، بيروت).

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

خنزیر کے بال ظاہر روایت اور مذہبِ مفتی بہ کے موافق نجس اور ناقابل انتفاع ہیں اس لیے ان کی تجارت بھی ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی:۹/۱۴۳، ط: دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے: قولِ صحیح کے مطابق خنزیر کے بال نجس ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۲۵۹، فاروقیہ)۔

دوسرا قول نظام الفتاویٰ میں مرقوم ہے اس کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (نظام الفتاویٰ، جلدِ اول، ص۴۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانوروں کے نام انسان کے نام پر رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی طوطے یا کسی اور جانور کا نام انسان کے نام پر رکھنا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو عبداللہ، یا محمد رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جانوروں کے نام رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام عضباء، قصویٰ وغیرہ تھا، لیکن ایسے نام رکھنے کی اجازت نہیں جن سے اسلام اور شعائر اسلام نیز انبیاء، صحابہ اور صلحاء وغیرہ مقدس ہستیوں کی توہین اور بے عزتی لازم آتی ہو۔ بنابریں عبداللہ، اور محمد نام رکھنا درست نہیں۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن یعظم شعائر اللّٰہ فإنھا من تقوی القلوب﴾** [الحج: ۳۲].

وقال تعالیٰ: ﴿ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب ، بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان﴾ [الحجرات: ۱۱].

غیر مکلفین کے نام رکھنا جائز اور درست ہے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کے مختلف نام تھے۔ ملاحظہ ہو:

باب اسم الفرس والحمار؛ أنه کان للنبي صلی اللّٰه علیه وسلم أربعة وعشرون فرساً کل واحد منها کان مسمی باسم مخصوص معین مثل: السکب والمرتجز واللحیف وکان له حمار یسمی یعفور وغیره وکان له بغلة تسمی دلدل وکانت له لقاح تسمی الحناء و السمراء وغیره ذلک وکانت له ناقة تسمی القصوی والأخری العضباء وغیرهما وکانت له غنم منها سبعة أعنز کل واحدة منها مسماة باسم وشاة تدعی عیثة...

وروی البخاري في صحیحه (۲۵۸۲) **عن معاذ رضی اللہ عنہ قال: کنت ردف النبي صلی اللّٰه علیه وسلم علی حمار یقال له: عفیر...الخ. قال العیني: وفیه: جواز تسمیة الدواب بأسماء تخصها غیر أسماء أجناسها.** (عمدة القاری: ۱۰/۱۷۵، باب اسم الفرس والحمار).

(وکذا فی بذل المجھود: ۱۲/۵۵،۵۶، والأبواب والتراجم: للشیخ محمد زکریا: ۱/۱۹۶).

وفي فتح الباری: وقال ابن العربي: قالوا: تجوز التسمیة لما لا یعقل وإن کان لایتفطن له ولا یجیب إذا نودی مع بعض الحیوانات ربما ادمن علی ذلک بحیث یصیر یمیز اسمه إذا دعي به. (فتح الباری: ۴/۳۱، دارالمعرفة، بیروت).

وفي فتاوى الشبكة الإسلامية: سوال: وهل يجوز إطلاق أسماء البشر عليها ، [ای الحیوانات] **كان نطلق على القط اسم شريف ، مثلاً .**

جواب: أما إطلاق أسماء البشر عليها، فالأصل جوازه لعدم ورود ما يمنع من ذلك إلا أنه يستثنى من ذلك أسماء الأنبياء والصحابة وكذلك أسماء البقاع الشريفة ونحو ذلك فلا يجوز أن تسمى بها الحيوانات لما في ذلك من الانتقاص والازدراء وعدم التوقير، مما يوقع المسمى فى الكفر أو الفسق عياذاً بالله تعالىٰ . (فتاوى الشبكة الاسلامية ، رقم الفتوىٰ: ۲۱۳۹۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مکڑی مارنے کا حکم:

سوال: کیا مکڑی کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس نے غارثور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا کام کیا تھا، اگر کوئی شخص ماردیگا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز گھر کی صفائی کرتے وقت مکڑی کے گھر کو ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مکڑی مبارک جانور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ایک ذریعہ بنی تھی، لیکن اس کی مختلف اقسام ہیں بعض ان میں سے موذی ہیں اور موذی کو ختم کرنا درست ہے، نیز گھر کی صفائی اور نظافت اسلام کا حصہ ہے، بنابریں گھر صاف کرتے وقت مکڑی کا گھر ختم کرنا بھی درست ہے۔

شیخ وہبہ الزحیلی رحمہ اللہ تفسیر منیر میں لکھتے ہیں:

أما قتل العنكبوت فروي عن سيدنا علي رضي الله عنه جوازه قائلاً : إن تركه فى البيوت يورث الفقر، وهذا صحيح لأن العناكب من الحشرات السامة. (التفسیرالمنیر: ۲۰/۲۴۵،ط: دارالفکر).

قال العلامة الآلوسي رحمه الله: والظاهر أن المراد بالعنكبوت النوع الذى ينسج بيته فى الهواء ويصيد به الذباب لا النوع الآخر الذى يحفر بيته فى الأرض ويخرج فى الليل كسائر الهوام وهى على ماذكره غير واحد من ذوات السموم فيسن قتلها. (روح المعانی: ۲۰/۱۶۱).

وقيل: لا يسن قتلها فقد أخرج الخطيب عن علي كرم الله وجهه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم دخلت أنا وأبوبكر الغار فاجتمعت العنكبوت فنسجت بالباب فلا

تقتلوهن ذكر هذا الخبر جلال الدين السيوطي فى الدر المنثور والله أعلم بصحته وكونه مما يصلح للاحتجاج به. (روح المعانی: ۱۶۱/۲۰، دارالتراث).

وقال محشيه : والحديث في تاريخ بغداد(۱۰۱/۱۰) وأخرجه أيضاً ابن عدي فى الكامل(۲۶۰/۱) وهو من طريق إبراهيم بن سالم ، عن عبد الله بن عمران البصرى، عن محمد بن جحادة ، عن أبي صادق، عن علي به، وهو حديث منكر كما ذكره ابن عدى في ترجمة أبي صادق، وهو الأزدى الكوفي، عن علي مرسلة كما فى التهذيب (۵۳۸/۴).

(التعليقات على روح المعانى للشيخ ماهر حيوش:۳۶۱/۲۰، ط: موسسة الرسالة).

قال العلامة الآلوسيؒ : إنه يحسن إزالة بيتها من البيوت ، لما أسند الثعلبى وابن عطية وغيرهما عن علي كرم الله وجهه أنه قال: طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت، فإن تركه فى البيوت يورث الفقر وهذا إن صح عن الإمام كرم الله تعالىٰ وجهه [قال محشيه: في إسناده: عبد الله بن ميمون القداح ، قال عنه أبوحاتم: متروک، وقال البخارى:ذاهب الحديث، وقال أبوزرعة: واهى الحديث ، الميزان:۵۱۲/۲. (التعليقات على روح المعانى:۳۶۱/۲۰)،] فذاک وإلا فحسن الإزالة لما فيها من النظافة ولا شک بندبها . (روح المعانى : ۴۲۲/۶).

فتاویٰ رحیمیہ میں مرقوم ہے:

مکڑی کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو زمین میں گھر بناتی ہے وہ موذی ہے،اس کو مارنے کی اجازت ہے،روح المعانی میں ہے: النوع الآخر الذي يحفر بيته فى الأرض ويخرج فى الليل كسائر الهوام وهي على ما ذكره غير واحد من ذوات السموم فيسن قتلها . (روح المعانی : ۱۶۱/۲، العنکبوت) اور جو گھروں میں جالا بنتی ہے وہ موذی جانور نہیں ہے، بلاضرورت اسے تکلیف پہنچانے اور مارنے سے،خصوصاً جبکہ واقعہ مذکورہ مشہور ہے ،احتراز کرنا چاہیے (روح المعانی)...گھر میں اگر مکڑی کے جالے ہوگئے ہوں تو صاف کر سکتے ہیں....(فتاویٰ رحیمیہ :۴۹۶/۵،ط:مکتبۃ الاحسان،دیوبند)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانور پر ظلم کرنے کے بعد تلافی کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے جانور پر ظلم کیا تو معاف کرانے کی کیا شکل ہے کیونکہ جانور بے عقل ہے،اس

کی معافی کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ظاہر شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ جانور بے عقل ہے اس لیے معافی کی کوئی صورت نہیں، اور ظالم کے لیے عذاب متعین ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے یہ بھی امید ہے کہ وہ جانور کو راضی کردے اور حق والے کا حق معاف کردے یا جانور میں ایسی قوت پیدا کردے کہ وہ راضی ہوجائے اور بدلہ نہ لے، بہرحال ﴿ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء ﴾ کے تحت معافی کی امید بھی ہے۔

قال في بريقة محمودية في شرح طريقة محمد ية فى الصنف الثامن من التسعة في آفات الرجل: (وضرب أحد) من ذى روح (بها) أى بالرجل (ولو) كان ذلک الأحد (حيواناً)...(بغير ذنب وحق)، فإن بذنب آدمياً مكلفاً فتضربه على قدر ذنبه إن حال مباشرة المعصية و إلا فيحيل على المحتسب على قاعدة نهى المنكر ، وإن حيواناً فيضربه على قدر تأديبه بلا مبالغة (ونفاره) أى فراره (ذنب) فيضرب برجله كما بغيرها (لاعثاره) أى زلة وسقوط (ويجتنب كل الجهد)... (من حق الحيوان) لانسداد طرق التحليل و الإرضاء فى الآخرة والأولى (فإن الفقهاء قالوا العذاب فيه متعين) وأمكن عفوه تعالىٰ فى نفسهٖ لكن حكم شريعته يقتضي عدم العفو ولذا حكموا بتعين العذاب وفي قاضيخان: ومن هذا قالوا: إن خصومة الدابة أشد من خصومة الآدمي على الآدمي انتهى .

فيلزم الاهتمام فلا يقتل ولا يضرب بلا عذر ومع العذر لا يضرب وجهه فلا يحمل و لا يركب فوق طاقته ولا يترک علفه وشربه ولا يردف بلا طاقته والظاهر أن الحيوان يقتص بعضه من بعض لظاهر حديث:" لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيمة حتى يقاد للشاة الجلحاء التي لا قرن لها من الشاة القرناء تنطحها "...

ويجوز أن يخلق اللّٰه تعالىٰ للحيوان مراعى على وفق اقتضاء طبيعته ويجعلها فى مقابلة حقه وأنه قادر على خلق قوة الرضاعنه بمقابلتها وبما ذكر يندفع ما يرد أن الشهادة مانعة من دخول النار وحقوق الكافر والحيوان من دخول الجنة فكيف حال من جمع فيه هذان الأمران وهو المناسب لظاهر قوله ﴿ويغفر مادون ذلک لمن يشاء ﴾ واللّٰه تعالىٰ أعلم. (بريقة محمودية: ٦/ ٣٦). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتے کی اچھی صفات اور بوقتِ ضرورت کتا پالنے کا حکم:

سوال: آج کل کچھ لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ کتا سب سے اچھا جانور ہے اس سے بہت سے اچھے کام لیے جاتے ہیں، لیکن شریعتِ اسلامیہ نے اس کو قابل نفرت جانور قرار دیا ہے، اور اس کے پالنے پر ثواب کے کم ہونے کی وعید سنائی ہے اور ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وجہ سے نہیں آئے کہ آپ کے گھر میں کتے کا بچہ تھا، تو شریعت نے کیوں اتنا مبغوض قرار دیا ہے، اس کی کیا وجوہات ہیں، نیز کن حالات میں کتا رکھنے کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کتے میں جو فوائد ہیں اس سے تو انکار نہیں ہے البتہ اس میں بعض ایسی بری عادتیں اور خرابیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے اس کو مبغوض اور قابل نفرت قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے بلا ضرورتِ شدیدہ اس کا رکھنا جائز نہیں ہے، ہاں کھیتی کی حفاظت کے لیے اور چوکیداری کے لیے نیز شکار کے لیے رکھنے کی اجازت ہے یہ صورتیں حدیث میں مستثنیٰ ہیں۔

بعض علماء نے کتے کی اچھی صفات اور فوائد پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں؛ چنانچہ ابوبکر محمد بن خلف ابن مرزبان محولی نے ایک کتاب بنام "**تفضیل الکلاب علی کثیر ممن لبس الثیاب**"، تصنیف کی ہے اس کتاب میں کتے کے بہت سارے فوائد ذکر کیے ہیں؛ ان میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

۱۔ بھوکا رہتا ہے، یہ فقراء زاہدین کی صفت ہے۔

۲۔ مکان نہیں بناتا، یہ متوکلین کی صفت ہے۔

۳۔ رات کو بہت کم سوتا ہے، یہ عابدین کی صفت ہے۔

۴۔ اس کا کوئی مکان نہیں ہوتا، اور میراث نہیں چھوڑتا، یہ زاہدین کی صفت ہے۔

۵۔ اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا، مخلصین کی صفت ہے۔

۶۔ اپنی جگہ پر راضی رہتا ہے، یہ متواضعین کی صفت ہے۔

۷۔ اگر کوئی اس کی جگہ لیتا ہے تو وہ دوسری جگہ تلاش کرتا ہے۔ یہ راضین کی صفت ہے۔

۸۔ مارنے، بھگانے کے بعد پھر بلائے تو آجاتا ہے، یہ خاشعین کی صفت ہے۔

۹۔ کھانا رکھا ہو تو ایسے ہی بیٹھا رہتا ہے چاہے بھوکا ہو، یہ مساکین اور صابرین کی صفت ہے۔

۱۰۔ مالک پر جان دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، یہ مخلصین کی صفت ہے۔

۱۱۔ مالک کے احسان کو مانتا ہے، اور اس کا دفاع کرتا ہے، یہ شاکرین کی صفت ہے۔

۱۲۔ شکار کے طور وطریقے سیکھ لیتا ہے، یہ متعلمین کی صفت ہے۔

۱۳۔ مالک کی چیزوں کی حفاظت کرتا ہے، یہ محافظین کی صفت ہے۔

۱۴۔ حراست اور چوکیداری کرتا ہے، یہ مجاہدین کی صفت ہے۔

۱۵۔ مالک سے محبت کرتا ہے، اور اس کے دشمن سے نفرت کرتا ہے، یہ محبین کی صفت ہے۔

۱۶۔ مالک کے سامنے دم ہلا کر بیٹھتا ہے، یہ متواضعین کی صفت ہے۔

لیکن اس میں چند بری عادتیں بھی ہیں، جو درجِ ذیل ہیں:

۱۔ حریصانہ: پوری ایک گائے پر ایک کتا دوسرے کتے کو برداشت نہیں کرتا۔

۲۔ معاندانہ: اگر دوسرے محلّہ کا کتا آجائے تو سارے کتے ملکر اس کو بھگاتے ہیں۔

۳۔ متنجسانہ: نجاست سے محبت رکھتا ہے اور اس کو کھاتا ہے۔ پیشاب کے لیے پاؤں اٹھاتا ہے پھر اپنے پیشاب کو چاٹتا رہتا ہے۔

۴۔ شیاطین سے محبت۔ اِس وجہ سے فرشتے اس سے دور رہتے ہیں، اور ساحرین سحر میں کتے (خصوصاً کالے کتے) کے بالوں کو استعمال کرتے ہیں۔ **الکلب الأسود شیطان۔** (رواہ مسلم، رقم: ۵۱۰)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

الكلب حيوان ملعون تنفر منه الملائكة، وينقص ـ اقتناؤه والمحافظة معه بلا عذر ـ من الأجر كل يوم قيراطاً، والسر في ذلك أنه يشبه الشيطان بجبلته لأن ديدنه لعب وغضب وإطراح في النجاسات وإيذاء للناس، ويقبل الإلهام من الشياطين. (حجة الله البالغة: ۱/۱۶۴).

کتے کی مذکورہ بالا خرابیوں کی وجہ سے شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں ہے، اور اسی وجہ سے حدیث میں ثواب کم ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حدیث ہے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أمسك كلباً فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراط إلا كلب حرث أو ماشية، قال ابن سيرين وأبو صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم**

إلا كلب غنم أوحرث أوصيد، وقال أبوحازم عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم كلب صيد أو ماشية . (رواه البخارى ،رقم: ۲۳۲۲، باب اقتناء الكلب للحرث).

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

واختلفوا في سبب النقص فقيل امتناع الملائكة من دخول بيته أوما يلحق المارين من الأذى أو ذلک عقوبة لهم لاتخاذهم ما نهى عن اتخاذه أو لكثرة أكله النجاسات أو لكراهة رائحتها أو لأن بعضها شيطان أو لولوغه فى الأواني عند غفلة صاحبها. (عمدة القارى: ۹/۹).

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مبغوض ہونے کی وجہ: اس کے لعاب میں مسموم اورزہریلے اثرات ہیں اوروہ اپنے مالک کوبار بارچاٹتا رہتا ہے۔چنانچہ فتح الملہم میں علامہ شبیراحمدعثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

وقد حقق بعض الأطباء الألمانين من النصارى في عصرنا أن التتريب أيضاً مفيد لدفع السم الذي يكون في لعاب الكلب. (تكملة فتح الملهم : ۵۶/۳).

ہاں بوقتِ ضرورت کتار کھنے کی اجازت ہےاورحدیثِ بالا میں بھی اس کا استثناء موجود ہے۔البتہ بعض احادیث میں مطلقاً ممانعت واردہوئی ہے،اس کے بارے میں بھی شراحِ حدیث کی رائے یہ ہے کہ؛اس سے مرادوہ کتا ہے جوفقط لہولعب کے لیے ہواوراس میں کوئی منفعت مقصودنہ ہو،ورنہ ضرورت کے لیے جائز ہے۔

ملاحظہ ہو بذل المجہود میں ہے:

لا تصحب الملائكة رفقة فيها جرس أو كلب...(مسلم،رقم۲۱۱۳) وهذا إذا خليا عن المنفعة ، وأما ما احتيج إليه منهما فمرخص فيه . (بذل المجهود: ۵۳/۱۲).

تكملة فتح الملهم میں مرقوم ہے: والذي يظهر لهذا العبد الضعيف، أن الكراهة المذكورة فى الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغناء . (تكملة فتح الملهم : ۱۷۹/۴).

وقال الإمام النووي: قال الخطابى: إنما لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب أو صورة مما يحرم اقتناؤه من الكلاب والصور، فأما ما ليس بحرام من كلب الصيد والزرع و الماشية والصورة التي تمتهن فى البساط والوسادة وغيرهما فلا يمتنع دخول الملائكة

بسببه وأشار القاضي إلى نحو ما قاله الخطابى والأظهر أنه عام في كل كلب وكل صورة.

(شرح النووی علی مسلم : ۲/ ۲۰۰).

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ خطابی اور قاضی عیاض کے نزدیک ضرورت کا کتا ممنوع نہیں اور دخولِ ملائکہ کے لیے بھی مانع نہیں ہے البتہ امام نووی کے نزدیک ہر قسم کا کتا دخولِ ملائکہ سے مانع ہے۔

قال المناوی: لكن الظاهر أن المراد غير المأذون في اتخاذه ، لأن المسافر يحتاجه .

(فیض القدير : ۶/ ۴۰۵).

علامہ عبدالرؤف مناوی کے نزدیک بھی ضرورت کے لیے کتا رکھنا ممنوع نہیں۔

و للمزيد ينظر: (عمدة القارى: ۱۵/ ۱۲۲ ، وحياة الحيوان : ۲/ ۲۹۰ ، بيروت،وتحفة الاحوذى: ۵/ ۲۹۲)

فقہاء نے بھی بوقتِ ضرورت کتا رکھنے کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں مذکور ہے:

لا ينبغي اتخاذ كلب إلا لخوف لص أو غيره فلا بأس به ومثله سائر السباع، عيني. وجاز اقتناؤه لصيد و حراسة ماشية و زرع إجماعاً. وفى الشامية : قوله لا ينبغي اتخاذ كلب ، الأحسن عبارة الفتح : و أما اقتناؤه للصيد و حراسة الماشية و البيوت و الزرع فيجوز بالإجماع لكن لا ينبغي أن يتخذه في داره إلا إن خاف لصوصاً أو أعداء للحديث من اقتنى كلباً إلا كلب صيد أو ماشية نقص من أجره كل يوم قيراطان. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/ ۲۲۷،سعید). (وكذا فى فتح القدير : ۷/ ۱۱۹ ،دارالفكر،والفقه على المذاهب الاربعة : ۲/ ۱۶۱).

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی روایت میں جو استثناء ہے کہ حفاظت، زراعت، شکار اور حراست کے لیے کتا رکھنا جائز اور درست ہے اس کے پیشِ نظر جواز ہی راجح ہے، بلکہ فی زماننا مجرم کی تلاشی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور برف باری والے علاقوں میں ایک آدمی کی سواری کھینچتا ہے۔ ہاں شوقیہ کتا رکھنا ممنوع ہے اور اجر کے کم ہونے کا باعث ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتے سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

سوال:۱۔ کتے کی عمر: کتے کی نسل کشی کرنے والوں کی رائے یہ ہے کہ کتے کو صغرسنی میں رکھا جائے تو مانوس ہو جائے گا، کیا بغرض حفاظت کتے کا پلا خرید کر اس کی پرورش کرنی جائز ہوگی یا نہیں؟

سوال:۲۔ کتے کا رنگ: بعض روایات میں کالے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ہم جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں کے باشندے کالے کتوں سے ڈرتے ہیں تو کیا ہم حفاظت کی غرض سے کالا کتا رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کتوں کے قتل کا حکم ابھی تک باقی ہے یا نہیں؟

سوال:۳۔ کتے کو گھر کے کتنے فاصلہ پر رکھنا چاہیے؟ یعنی وہ کتا جو حفاظت یا شکار کے لیے رکھا ہو۔

سوال:۴۔ کیا مسلمان کتوں کی تجارت کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۵۔ کتوں کے مسائل کے بارے میں کوئی خاص کتاب ہے یا نہیں؟

الجواب:۱۔ بغرضِ حفاظت کتا رکھنے کی نیت سے چھوٹے پلے کو پالنا اور مانوس کرنا جائز ہے تاہم اگر بڑا کتا ملتا ہو اور وہ مانوس بھی ہوجاتا ہو تو چھوٹے پلے کے پالنے سے بچنا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے: **ونقل فی النوادر أنه یجوز بیع الجرو لأنه یقبل التعلیم.** (فتح القدیر: ۷/ ۱۱۸، دارالفکر). (وکذا فی المحیط البرهانی: ۷/۳۰۰، مکتبه رشیدیه).

پلے کو پالنے کے بارے میں کتبِ احناف میں کوئی صریح جزئیہ دستیاب نہیں ہوا البتہ کتبِ شافعیہ اور حنابلہ میں مرقوم ہے، اور چونکہ احناف کے اصول کے خلاف نہیں ہے لہذا اس سے استدلال کرسکتے ہیں، **کما یقول الفقهاء: قواعدنا لا تأباه.** (البحر الرائق وفتاوی الشامی)، **قال الإمام النووی: وهل یجوز اقتناء الجرو الصغیر و تربیته للصید أو الزرع أو الماشیة فیه وجهان لأصحابنا أصحهما جوازه.** (شرح النووی علی مسلم: ۲/۲۰، فیصل). (وکذا فی فتح الباری: ۵/۷).

وفی الشرح الکبیر لابن قدامة: و یجوز تربیة الجرو الصغیر لأحد الثلاثة في أقوی الوجهین لأنه قصده لذلک فیأخذ حکمه ...الخ. (الشرح الکبیر: ۴/۱۴، دارالکتب العلمیة).

واللہ ﷻ اعلم۔

الجواب:۲۔ بصورتِ مسئولہ بغرضِ حفاظت ہر قسم کا کتا رکھنے کی اجازت ہے کسی رنگ کی تخصیص نہیں ہے۔ اور کتوں کے قتل کا عام حکم منسوخ ہے۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ لکھتے ہیں:

أمر النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أولاً بقتلها کلها ثم نسخ ذلک ونهی عن قتلها إلا الأسود البهیم ثم استقر الشرع علی النهی عن قتل جمیع الکلاب التي لا ضرر فیها سواء الأسود وغیره... قال القاضي: وعندي أن النهی أولاً کان نهیاً عاماً عن اقتناء جمیعها وأمر

بقتل جميعها ثم نهى عن قتلها ما سوى الأسود ومنع الاقتناء في جميعها إلا كلب صيد أو زرع أوماشية و هذا الذي قاله القاضي هو ظاهر الحديث . (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۲/ ۲۰، فیصل).

وقال ابن عبد البر في التمهيد: ذهب طائفة إلى أن لا يقتل من الكلاب إلا الأسود البهيم خاصة... وذهب آخرون إلى أنه لا يجوز قتل شيء من الكلاب إلا الكلب العقور وقالوا: أمره صلى الله عليه وسلم بقتل الكلاب منسوخ بنهيه صلى الله عليه وسلم أن يتخذ شيء فيه الروح غرضاً...الخ. (التمهيد: ۱۴/ ۲۳۱).

وقال العيني: أمره بقتل الكلاب في أول الإسلام ثم نسخ ذلك . (عمدة القاری، باب فضل سقی الماء، کتاب المساقاة). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الجواب:۳۔ بوقتِ ضرورت کتا پالنے کی اجازت ہے تو پھر اس کا رکھنا بھی درست ہوا البتہ چونکہ اس کا لعاب ناپاک ہے اس وجہ سے گھر کے اندر کمرے میں نہ رکھے، ہاں گھر کے احاطہ میں کسی مخصوص جگہ پر رکھے کہ دن کے وقت اُسی میں رہے اور رات کے وقت گھر کے اِردگرد گھومتا رہے گھر کے کمروں میں داخل نہ ہو۔

قال في فتح القدير : وأما اقتناؤه للصيد وحراسة الماشية والبيوت والزرع فيجوز بالإجماع لكن لا ينبغي أن يتخذ في داره إلا إن خاف لصوصاً أو أعداء للحديث الصحيح من اقتنى كلباً ...الخ. (فتح القدير:۷/ ۱۱۹،دارالفكر). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الجواب:۴۔ فی نفسہٖ کتوں کی تجارت جائز ہے، البتہ جب کتوں کی تجارت کرے گا تو جو لوگ شوقیہ کتے پالتے ہیں ان کے ہاتھ بھی فروخت کریگا، اس لیے اس کی تجارت سے بچنا چاہیے، اگرچہ حاصل شدہ آمدنی حرام نہیں ہوگی۔

قال في فتح القدير: و يجوز بيع الكلب والفهد والسباع المعلم و غير المعلم في ذلك سواء ... يجوز بيع الكلب إذا كان بحال يقبل التعليم و نقل في النوادر أنه يجوز بيع الجرو لأنه يقبل التعليم وإنما لا يجوز بيع الكلب العقور الذي لا يقبل التعليم وقال هذا هو الصحيح من المذهب . (فتح القدير:۷/ ۱۱۸،دارالفكر). (وكذا فى الاختيارلتعليل المختار). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الجواب:۵۔ کتے کے مسائل کے بارے میں ایک خاص کتاب ہے، اس کا نام ” تفضيل الكلاب

علی کثیر ممن لبس الثیاب ‘‘ ہےاوراس کے مصنف کا نام ابوبکر محمد بن خلف ابن المرزبان المحولی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانور کے گلے میں گھنٹی لٹکانے کا حکم:

سوال: کسی جانور کے گلے میں گھنٹی ڈالنا جائز ہے یانہیں؟ حدیث شریف میں اس کی ممانعت موجود ہے یانہیں؟ اگر ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ صحیح منافع کی غرض سے جانور کے گلے میں گھنٹی ڈالنا جائز اور درست ہے؛ چند صحیح منافع درجِ ذیل ہیں:

۱۔ جب قافلہ سے بھٹک جائے تو گھنٹی کی آواز سن کر پہنچ سکتا ہے۔

۲۔ رات کے وقت موذی جانوروں سے حفاظت رہتی ہے۔

۳۔ جانور سے سستی دور ہوکر چستی پیدا ہوتی ہے۔ گویا کہ گھنٹی اہل عرب کی حدی کے مشابہ ہے۔

ہاں حدیث شریف میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے مراد غیر منتفع بہ ہے جس سے لذت مطلوب ہو اور دشمنوں کو جہاد وغیرہ کے سفر میں پتا بتلا دے، ورنہ قابل انتفاع جرس مستثنیٰ ہے جیسے حدیث شریف میں کلب کی ممانعت ہے اور اس سے مراد بھی غیر منتفع بہ ہے، کما مر آنفاً۔ فتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے:

اختلف العلماء في كراهة تعليق الجرس على الدواب فمنهم من قال بكراهته فى الأسفار كلها الغزو وغيره في ذلك سواء...قال محمدؒ: فأما ماكان فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال وفى الجرس منافع جمة منها: إذا ضل واحد من القافلة يلحق بها بصوت الجرس ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره ومنها: أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب فهو نظير الحداء كذا فى المحيط. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۴).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: تعليق القلادة التي فيها الأجراس، الجلاجل في عنق الفرس، كما تروج في بلادنا هل يجوز؟

الاستبشار: لايجوز. في ’’مطالب المؤمنين‘‘قال محمدؒ: إذا كان في دار الإسلام

منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس بالجرس. وفى الجرس منافع :

منها: إذا ضل واحد من القافلة يلتحق بصوت الجرس .

ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل .

ومنها: أنه يزيد في نشاط الدواب. كذا فى "متفرقات استحسان المحيط" وإن جعل الأجراس في غير الإبل، والحمار الذى يحمل عليه الأثقال لا أحب أن يفعل ذلك ؛ لمكان النهى .

سئل على بن أحمد عن القلادة التى فيها الأجراس تجعل على عنق الفرس، هل يجوز كما هو العادة في بلادنا ؟ قال: نعم ؛كذا أجاب أبو حامد .وسألت والدى عن هذا فقال: لايجوز ؛لأنه لامنفعة فيه، كذا فى "اليتيمية". انتهى . (نفع المفتى والسائل،ص ۴۹۱، ۴۹۲،بيروت).

مفتی محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

وقال شيخ مشايخنا السهارنفوریؒ في بذل المجهود : (۵۳/۱۲) "وهذا (أى كراهة الكلب والجرس) إذا خليا عن المنفعة وأما ما احتيج إليه منهما فمرخص فيه" والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن الكراهة المذكورة فى الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغنا كما كان يعتاده بعض أهل القوافل ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام فى الرواية الآتية "الجرس مزامير الشيطان " أما الكلب إذا كان للحراسة و التحرز من اللصوص فهو مرخص فيه ككلب زرع وماشية وكذلك الجرس إذا كان لمقصود مباح فلا بأس به. (تكملة فتح الملهم: ۱۷۹/۴).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ چہارم،ص ۷۵۰-۷۵۳،ط: زمزم پبلشرز)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

مصلحت کی وجہ سے پرندے کی چونچ کاٹنے کا حکم:

سوال: اگر کسی مصلحت کی وجہ سے پرندے کی چونچ کاٹ دی جائے، تاکہ باریک باریک ریزے بھی کھا سکے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ زندہ جانور کو تکلیف وتعذیب دینے میں شامل تو نہیں ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بعض مصالح کی وجہ سے چونچ کاٹنے کی اجازت ہے، لیکن ایسے طریقے

اختیار کیے جائیں جن سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہو اور آج کل ایسے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔

چونچ کاٹنے کے متعلق ضروری تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ پرندے کی چونچ کاٹنے کی مصلحت؛

❁ اگر چونچ کو نہ کاٹا جائے اور عام مقدار سے بڑھ جائے تو کھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

❁ پرندے کی چونچ طبعی طور پر لمبی ہوتی ہے، لمبائی کی مقدار جنس کے اعتبار سے ہوتی ہے، ماہرین کے کہنے کے مطابق بعض پرندے کی چونچ سال میں ۳ سینٹی میٹر تک بڑھتی ہے۔

۲۔ مرغیوں کی چونچ کاٹنے کی مصلحت:

❁ مرغیوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہیں تو آپس میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو کر نقصان پہنچاتی ہیں اس ضرر سے بچنے کے لیے مرغیوں کی چونچ کاٹی جاتی ہے۔

❁ کھانے میں سہولت ہو جاتی ہے۔

۳۔ چونچ کاٹنے کے طریقے:

❁ چونچ میں رگیں ہوتی ہیں اگر چونچ بہت چھوٹی کاٹی جائے تو خون بہنے کا اندیشہ ہے نیز درد اور تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے، درد کم کرنے کے درجِ ذیل طریقے ہیں:

❁ پرندے کے پنجرے میں لکڑی کا ٹکڑا رکھا جائے، پرندہ خود بخود اس پر اپنی چونچ رگڑ لے، اس سے درجِ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۔ پرندے کو اپنے پنجرے سے نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۔ مالک اگر یہ فعل انجام دے تو ممکن ہے کہ پرندہ ڈر جائے۔

۔ اس میں غلطی کا احتمال کم ہوتا ہے۔

❁ ایسے آلات استعمال کیے جائیں جو اس فعل کے لیے خاص بنے ہوئے ہیں۔

❁ پرندوں کو جانور کے ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے وہ اس کی باریکیوں کو خوب جانتا ہے۔

بنگاہِ شریعت چونچ کاٹنے کا حکم اور اس کے دلائل؛

قال فی البحر الرائق: وفی المحیط : أن الأصل إیصال الألم إلی الحیوان لمصلحة تعود إلی الحیوان یجوز و لا بأس بکي البهائم للعلامة . (البحر الرائق: ۲۳۲/۸، دارالمعرفة،

بیروت). (وكذا فی الفتاوى الهندية: ٣٥٦/٥، وفتاوى الشامی : ٣٨٨/٦، سعيد).

وفی الفتاوى الهندية: ولا بأس بقطع إلية الشاة إذا انفلتت ويمنعها من اللحوق بالقطع ويخاف عليها الذئب . (الفتاوى الهندية: ٣٦١/٥). واللہ ﷻ اعلم۔

شوقیہ چوہے گھر میں رکھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کو گھر میں چوہے رکھنے کا شوق ہے۔ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شریعتِ مطہرہ نے ایسے جانوروں کو پالنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت دی ہے جن میں کوئی فائدہ ہو مثلاً: دل بہلانے کے لیے پرندے پالنا، اور حفاظت وغیرہ کی غرض سے کتا پالنا جائز اور درست ہے، لیکن ایسے جانور جو موذی ہوں مثلاً: سانپ، بچھو وغیرہ یا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور طبیعت گھن محسوس کرے جیسے چوہا جس کو حدیث میں فویسقہ کہا گیا ہے تو ایسے جانور پالنا کراہت سے خالی نہیں۔

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے: باب خمس من الدواب فواسق يقتلن فی الحرم . اس باب کے تحت نمبر دو پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے: عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ رفعه قال: خمروا الآنية و أوكوا الأسقية وأجيفوا الأبواب وأكفتوا صبيانكم عند العشاء فإن للجن انتشاراً وخطفة و أطفئوا المصابيح عند الرقاد فإن الفويسقة ربما اجترت الفتيلة فأحرقت أهل البيت .

(صحيح البخاری، رقم: ٣٣١٦).

یعنی کبھی کبھی چوہا پورے گھر کو آگ لگانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو فویسقہ کہا گیا۔

عمدۃ القاری میں ہے: فقيل له : لم قال لها الفويسقة ، قال: لأن رسول الله صلى الله عليه و سلم استيقظ لها وقد أخذت الفتيلة لتحرق بها البيت . (عمدة القاری: ٥٠٠/٧، باب مايقتل المحرم من الدواب، ط: دار الحديث، ملتان). ہاں مفید جانوروں کو پنجرے میں رکھنا جائز اور درست ہے، اس کے حوالے ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

جانوروں کی اصل مٹی ہے:

سوال: انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، لیکن حیوانات کی اصل کیا ہے؟ یعنی ان کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حیوانات کی تخلیق نطفہ سے ہے اور نطفہ زمینی اجزاء سے پیدا ہوتا ہے، اور حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے بھی زمینی اجزاء جس کے ساتھ پانی ملا ہوا ہوتا ہے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر سعدی میں مرقوم ہے:

واللّٰہ خلق کل دابة من ماء...ینبه عباده على مایشاهدونه ، أنه خلق جمیع الدواب التي على وجه الأرض، من ماء ؛ أى مادتها كلها الماء ، كما قال تعالىٰ: وجعلنا من الماء كل شيء حي. فالحيوانات التي تتوالد ، مادتها ماء النطفة ، حين يلقح الذكر الأنثى، والحيوانات التي تتوالد من الأرض، لا تتوالد إلا من الرطوبات المائية ، كالحشرات لايوجد منها شيء ، يتولد من غير ماء أبداً ، فالمادة واحدة ، ولكن الخلقة مختلفة من وجوه كثيرة . (تفسیر السعدی،ص ۵۲۰، مؤسسة الرسالة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حیوانات کی ارواح کون قبض کرتا ہے؟

سوال: کیا حیوانات کی ارواح ملک الموت اور اس کے اعوان قبض کرتے ہیں یا کوئی اور قبض کرتا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مفسر کبیر وقاضی بغداد علامہ آلوسیؒ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کی ارواح ملک الموت اور اس کے اعوان ومددگار دیگر ملائکہ قبض کرتے ہیں اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

قال العلامة الآلوسيؒ في روح المعاني: وجاء في خبر آخر يفيد أن ملك الموت للإنس غير ملك الموت للجن والشياطين وما لا يعقل أخرج ابن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس رضي الله عنه قال: وكل ملك الموت عليه السلام بقبض أرواح المؤمنين فهوالذى يلي قبض أرواحهم وملك فى الجن وملك فى الشياطين وملك فى الطير والوحش والسباع والحيتان والنمل فهم أربعة أملاك والملائكة يموتون فى الصعقة الأولى وإن ملك الموت يلي قبض أرواحهم ثم يموت وأما الشهداء فى البحر فإن اللّٰه تعالىٰ يلي قبض أرواحهم لا يكل ذلك إلى ملك الموت بكرامتهم عليه سبحانه .

والذي ذهب إليه الجمهور إن ملك الموت لمن يعقل وما لا يعقل من الحيوان واحد وهو عزرائيل ومعناه عبد اللّٰه فيما قيل، نعم ، له أعوان كما ذكرنا وخبر الضحاك

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اللّٰہ تعالیٰ أعلم بصحته . (روح المعانی : ۱۲۶/۲۱).

وقال في تفسير المظهري: وفيه جويبر ضعيف جداً والضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ منقطع . (تفسیرالمظهری: ۲۷۴/۹).

قال فی الجامع لأحكام القرآن: وروى فی الحديث أن" البهائم كلها يتوفى اللّٰه أرواحها دون ملک الموت " كأنه يعدم حياتها ؛ ذكره ابن عطية .

قلت: وقد روى خلافه ، وأن ملک الموت يتوفى أرواح جميع الخلائق حتى البراغيث والبعوضة ، روى جعفربن محمد عن أبيه قال: نظر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى ملک الموت عند رأس رجل من الأنصار، فقال له النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أرفق بصاحبي فإنه مؤمن، فقال ملک الموت: يا محمد ، طب نفساً وقر عيناً فإني بكل مؤمن رفيق... واللّٰه يا محمد ! لو أني أردت أن أقبض روح بعوضة ما قدرت على ذلک حتى يكون اللّٰه هو الآمر بقبضها...وذكر الخطيب أبوبكر أحمد بن على بن ثابت البغدادى قال:...قال: حدثنا سليمان بن مهير الكلابى قال: حضرت مالک بن أنس رضی اللہ عنہ فأتاه رجل فسأله: أباعبد اللّٰه، البراغيث أ ملک الموت يقبض أرواحها؟ قال: فأطرق مالک طويلاً ثم قال: ألها أنفس ؟ قال: نعم، قال ملک الموت يقبض أرواحها ؛ ﴿ اللّٰه يتوفى الأنفس حين موتها ﴾، قال ابن عطية : بعد ذكر الحديث : وكذلک الأمر في بني آدم ، إلا أنه نوع تشرف بتصرف ملک وملائكة معه في قبض أرواحهم...الخ. (تفسیرالقرطبی : ۹۳/۱۴).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حیوانات کے مرنے کے بعدان کی ارواح کا مقام:

سوال: جانوروں کے مرنے کے بعدان کی ارواح کہاں ہوتی ہیں؟

الجواب: حیوانات کی ارواح کے مقام کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں؛ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ان کی ارواح معدوم ہوجاتی ہیں، البتہ جوحضرات حیوانات کے حشر کے قائل ہیں ان کے نزدیک حیوانات کی ارواح ہوامیں معلق رہتی ہیں، یااللہ تعالیٰ کو جہاں منظور ہو وہاں پر رکھا جاتا ہے۔اور یہ مشہور مذہب ہے۔ مشہور مذہب کے چند دلائل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ و إذا الوحوش حشرت ﴾ [التکویر:۵].

۲۔ وقال تعالیٰ: ﴿ وما من دابة فی الأرض ولا طائر یطیر بجناحیه إلا أمم أمثالکم مافرطنا فی الکتاب من شيء ثم إلی ربهم یحشرون﴾ [الأنعام:۳۸].

۳۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:" لتؤدن الحقوق إلی أهلها یوم القیمة ، حتی یقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء ". (رواہ مسلم ،رقم:۲۵۸۲، باب تحریم الظلم).

قال الإمام النووي: هذا تصریح بحشر البهائم یوم القیمة وإعادتها یوم القیمة کما یعاد أهل التکلیف من الآدمیین وکما یعاد الأطفال والمجانین ومن لم تبلغه دعوة، وعلی هذا تظاهرت دلائل القرآن والسنة ، قال اللّٰہ تعالیٰ: وإذا الوحوش حشرت وإذا ورد لفظ الشرع ولم یمنع من إجراء ہ علی ظاهره عقل ولا شرع وجب حمله علی ظاهره . (شرح النووی علی مسلم :،باب تحریم الظلم).

۴۔ وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ في قوله عزوجل ﴿أمم أمثالکم﴾ قال: " یحشر الخلق کلهم یوم القیمة البهائم والدواب والطیر وکل شيء فیبلغ من عدل اللّٰہ أن یأخذ للجماء من القرناء ثم یقول:" کوني تراباً ". (اخرجه الحاکم فی المستدرک ،رقم: ۳۲۳۱،وصححه).

البتہ حیوانات کا حشر اورانتقام عقوبت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اظہارِعدل وانصاف کے لیے ہوگا، کیونکہ حیوانات غیرمکلّف ہیں، پھر باری تعالیٰ کے حکم سے مٹی بنادیے جائیں گے۔

قال الإمام النووي: قال العلماء: ولیس من شرط الحشر والإعادة فی القیامة المجازاة و العقاب و الثواب و أما القصاص من القرناء للجلحاء فلیس هو من قصاص التکلیف إذ لا تکلیف علیها بل هو قصاص مقابلة . (شرح النووی علی مسلم :،باب تحریم الظلم).

روح المعانی میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

ثم إن أرواح سائر الحیوانات من البهائم و نحوها قیل: تکون بعد المفارقة فی الهواء ولا اتصال لها بالأبدان وقیل: تعدم ، ولا یعجز اللّٰہ تعالیٰ شيء ومن الناس من قال: إن کان للحیوانات حشر یوم القیمة کما هو المشهور الذي تقتضیه ظواهر الآیات والأخبار

فالأولى أن يقال ببقاء أرواحها في الهواء أو حيث شاء الله تعالىٰ وإن لم يكن لها حشر كما ذهب إليه الغزالي وأول الظواهر فالأولى أن يقال بانعدامها. (روح المعاني: ١٥/١٦٤، دار احياء التراث). مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۹/۴۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتے کے کاٹنے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر کسی کے کتے نے کسی آدمی کو کاٹ لیا اور زخمی ہو گیا، تو کیا اس کتے کے مالک پر تاوان آئیگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر کتے کے مالک کو اس سے قبل تاکید کی گئی تھی اور اس نے قبول بھی کیا تھا پھر اس کے بعد اس کے کتے نے کسی کو کاٹ لیا تو اس پر تاوان آئے گا۔ ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں ہے:

المسئلة الثالثة: ما حققه في رد المحتار من أن الحيوان الذي يخاف منه تلف الآدمي كالكلب العقور والثور النطوح والحصان الذي اعتاد الكدم، له حكم الحائط المايل، فإذا تقدم إلى صاحبه بالإشهاد عليه وأعقبه تلف، سواء كان المتلف مالاً أو آدمياً، فإن صاحبه يكون ضامناً على ما عليه الأكثر، وبه صرح في الفصولين، وأفتى به في الخيرية والحامدية خلافاً لما في الدر من باب القود فيما دون النفس من أن الإشهاد إنما يفيد في الحائط لا في الحيوان. (شرح المجلة لمحمد خالد الاتاسي: ۳/۴۹۱، المادة: ۹۲۹، مكتبه رشيديه، كوئٹه).

شرحِ مجلّہ کی عبارت کے آخری جز سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان میں اشہاد ضروری نہیں۔ فلینظر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانور کی غذا کے لیے زندہ جانور پنجرے میں چھوڑنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کے پاس چڑیا گھر میں شکاری جانور نمائش کے لیے رکھے ہوئے ہیں، تو اس کی خوراک کے لیے زندہ جانور پنجرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ زندہ ڈالنے کی دو وجوہات ہیں؛ ۱۔ زائرین کے مزہ اور دلچسپی کے لیے، ۲۔ ان کو وحشیت پر قائم رکھنے کے لیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ زندہ جانور کو اذیت دینا شریعتِ مطہرہ میں جائز اور درست نہیں ہے حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے، جانور کو ذبح کر کے ڈالا جائے لیکن اگر شکاری جانور ذبح شدہ یا مردہ جانور کو نہیں کھاتے تو ایسے جانوروں کو رکھنے سے احتراز کرنا چاہیے، ماہرین سے سنا ہے کہ پنجرے میں رکھے ہوئے

سانپ مردہ یا ذبح شدہ مرغی نہیں کھاتے تو ایسے قابل نفرت اورڈراونے سانپ پالنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔
مسلم شریف میں روایت ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً. (صحيح مسلم ،رقم: ۱۹۵۷).

وفي رواية له عن هشام بن زيد بن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: دخلت مع جدي أنس بن مالك رضي الله عنه دار الحكم بن أيوب فإذا قوم قد نصبوا دجاجة يرمونها قال: فقال أنس رضي الله عنه: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تصبر البهائم. (رقم:۱۹۵۶).

وفي رواية له عن سعيد بن جبير قال: مر ابن عمر رضي الله عنه بنفر قد نصبوا دجاجة يترامونها فلما رأوا ابن عمر رضي الله عنه تفرقوا عنها فقال ابن عمر رضي الله عنه: من فعل هذا ، إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن من فعل هذا. (رقم: ۱۹۵۸).

قال الإمام النووي رحمه الله: قال العلماء : صبر البهائم أن تحبس وهي حية لتقتل بالرمي ونحوه وهو معنى لا تتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً أى لا تتخذوا الحيوان الحي غرضاً ترمون إليه...وهذا النهى للتحريم...ولأنه تعذيب للحيوان . (شرح النووی علی مسلم: ۱۳/ ۱۰۸، بیروت).

فتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے کہ جانورکو بلاوجہ تکلیف دینا جائز نہیں ہے، بوقتِ ذبح بھی زائدازضرورت تکلیف دینے کوفقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ **قال: وكره النخع وهو أن يبلغ بالسكين النخاع...وقيل: أن يكسر عنقه قبل أن يسكن من الاضطراب ، وكل ذلك مكروه لأنه تعذيب الحيوان بلا ضرورة، والحاصل أن كل مافيه زيادة ألم لا يحتاج إليه فى الذكاة مكروه،كذا في الكافي.** (الفتاوى الهندية : ۵/ ۲۸۸).

قال فى الدر: يكره تعليم البازى بالطير الحي ، لتعذيبه . (الدرالمختار: ۶/ ۴۷۴،سعيد).

قال فى الهندية : ويعلم بالمذبوح كذا فى الذخيرة . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۴۳۱). (وكذا فى المحيط البرهانى :۵/ ۲۵۳،ط: داراحياء التراث،وتحفة الملوك ،ص ۲۴۱،ط: دار البشائر الاسلامية).

فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے: سوال: ایک کیڑے کوجس کا نام گھینسا ہے اس کوتوڑ توڑ کراور کانٹے میں

لگا کر شکار ماہی کا کرتے ہیں پس ایسا شکار کرنا اور اس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: اول اس کو مار کر پھر ٹکڑے کر کے کانٹے میں لگانا درست ہے اور زندہ کو لگانا منع ہے کہ اذیت ذی روح کی مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۸۱، اسلامی کتب خانہ)۔

مردہ جانور، سانپ یا وحشی جانوروں کو کھلانے کا حکم:

جانوروں کو مردار کھلانے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علما نے منع کیا ہے، ہاں مردار کو ایک جگہ ڈال کر جانور کو اس طرف لے جانا درست ہے تا کہ وہ خود کھالے۔ جیسے فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردار کو بلی، کتے کے پاس نہیں لے جانا چاہئے، بلکہ بلی، کتے کو مردار پر چھوڑنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

و لا يحمل الجيفة إلى الهرة و يحمل الهرة إلى الجيفة . (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۸۲/۴، فصل فى حكم المسجد).

نفع المفتى والسائل میں ہے:

ثم إن كان لا بد من سقي الخمر فرساً لايشربه بل يضع الخمر بين يديه ليشربه ، كما أن لاينبغي أن يؤكل الميتة الكلب إلا بأن يضع الميتة بين يدى الكلب، فيأكله بنفسه كما فى مطالب المؤمنين . (نفع المفتى والسائل ،باب مايتعلق بالحيوانات، ص ۴۷۲، بيروت).

المحيط البرهانى میں ہے:

رجل له امرأة ذمية أوأب ذمي ليس له أن يقوده إلى البيعة، وله أن يقوده من البيعة إلى منزله، لأن الذهاب إلى البيعة معصية وإلى المنزل لا، ولايحمل الخمرإلى الخل ولكن يحمل الخل إليها، وكذلك لايحمل الجيفة إلى الهرة ويحمل الهرة إلى الجيفة . (المحيط البرهانى: ۱۰۳/۶ ، فصل فى معاملة اهل الذمة ،كتاب الاستحسان، رشيدية).

لیکن بعض فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک پانی جانوروں کو پلا سکتے ہیں۔

البحر الرائق میں ہے: **وفى الذخيرة : ولا بأس برش الماء النجس فى الطريق ولايسقى للبهائم وفي خزانة الفتاوىٰ: ولا بأس بأن يسقى الماء النجس للبقر والإبل والغنم .** (البحر

الرائق: ۱/۱۲۵، کوئٹہ)۔ ضرورت کی وجہ سے دوسرے قول پر فتویٰ دے سکتے ہیں پہلا قول کراہت یعنی خلاف اولیٰ پر محمول ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحابی کا نام عکاشہ (مکڑی) تبدیل نہ کرنے کی حکمت:

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند ناموں کو تبدیل فرماتے تھے، لیکن صحابہ میں ایک صحابی کا نام عکاشہ بن محصن تھا، اس کا معنی ہیں مکڑی جو کہ حقیر صغیر جانور ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں تبدیل نہیں فرمایا اس میں کیا حکمت تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ناموں کے تجویز کرنے کا اصول یہ ہے کہ فقط لفظ کے ظاہری معنی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی اچھی صفات اور اچھے خواص کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اور اس کی بہت ساری مثالیں ہیں:

۱۔ حنظلہ کے معنی کڑوا ہونے کے ہیں لیکن اس کا مطلب باطل اور کفار کے مقابلہ میں کڑوا ہونا ہے۔

۲۔ عکرمہ کے معنی کبوتر کے ہیں وہ بھی چھوٹا حقیر جانور ہے لیکن پرانے زمانہ میں پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا، تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا دین پہنچانے والا۔

۳۔ لڑکی کا نام حراء رکھتے ہیں، اور حرا سے مقصود وحی اول کے متبرک مکان کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا (۵۸۰/۷)۔

چنانچہ **مکڑی کی چند اچھی صفات** درج ذیل ہیں:

۱۔ مکڑی سادہ زندگی والا جانور ہے۔ کیونکہ مکڑی کا گھر کمزور ترین گھر ہے، "**وإن أوهن البيوت لبيت العنكبوت**"۔ اس آیتِ کریمہ کے تحت شیخ محمد شریف اللہ صاحب نے التفسیر البدیع میں گھر کی چار اقسام بیان کی ہے۔ (الف) پتھر کا گھر؛ اس میں سایہ ہے اور گرمی، سردی، ہوا، نیز پانی، آگ اور مٹی وغیرہ سے امن وامان حاصل ہے۔ (ب) لکڑی کا گھر: اس میں سایہ ہے سردی، گرمی سے بچاؤ کا فائدہ ہے لیکن آگ سے امن نہیں ہے۔ (ج) پشم یا اون یا بالوں کا خیمہ (گھر) اس میں سایہ ہے لیکن سردی، گرمی وغیرہ سے امن حاصل نہیں ہے۔ (د) مکڑی کا گھر: اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے نہ سایہ ہے نہ سردی، گرمی سے امن ہے، بالکل کم درجہ کا گھر ہے، تو اس میں قناعت اور سادگی ہے۔ (التفسیر البدیع: ۱۰۸/۲)۔

حیاۃ الحیوان میں ہے: **أحرص الأشياء الذباب وأقنع الأشياء العنكبوت**، اشیاء میں سب سے

زیادہ حریص مکھی ہے اور سب سے زیادہ صبر والی مکڑی ہے۔ (حیاۃ الحیوان: ۲/ ۲۷).

۲۔ مکڑی کی ایک صفت یہ ہے مکھی کو ماردیتی ہے، یعنی حشرات الارض کا دفعیہ ہے، جیسے امام بخاریؒ نے خواب دیکھا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکھی کو دفع کرتے ہیں، معبرین نے تعبیر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب اور ملاوٹ کو دفع کریں گے، پھر صحیح بخاری شریف تصنیف فرمائی۔ (ہدی الساری، الفصل الاول، ص ۶) اسی طرح مکڑی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین جو جانوروں سے بدتر تھے غار میں آنے سے دفع کیا تھا۔

۳۔ مکھی کو مارنا یہ بہت مشکل کام ہے اس کے باوجود کمالِ مہارت سے مارتی ہے تو یہ اسم مسمی کی کمالِ مہارت پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ بوقتِ ہجرت غارِ ثور میں مکڑی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پردہ کیا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدر دانی کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں مستقل سورت نازل فرمائی۔ نام تبدیل نہ کرنے کے لیے صرف اتنا فخر کافی ہے۔ پس ان مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل نہیں فرمایا۔

حوالہ جات ملاحظہ کیجیے: (القاموس الوحید: ۲/ ۱۱۱۱، والمنجد فی اللغۃ، ص ۵۲۲، والمعجم الوسیط، ص ۶۱۹، والصحاح للجوہری: ۳/ ۸۵۰، ولسان العرب: ۶/ ۳۱۹، ولسان اللسان: ۲/ ۲۰۹، وفتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۷/ ۵۷۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿یا أیہا الذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم فإن تنازعتم فی شيء فردوہ إلی اللّٰہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر، ذلک خیر وأحسن تأویلاً﴾ [النساء: ۵۹]

وقال تعالیٰ:

﴿فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً﴾ [النساء: ۶۵]

باب ......﴿۱۲﴾

ما یتعلق بامور السیاسۃ والقضاء

عن جنادۃ بن أبي أمیۃ قال: دخلنا علی عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ و ہو مریض قلنا: أصلحک اللّٰہ حدّث بحدیث ینفعک اللّٰہ بہ سمعتہ من النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: دعانا النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعناہ فقال: فیما أخذ علینا أن بایعنا علی السمع والطاعۃ فِي منشطنا ومکرہنا وعسرنا ویسرنا وأثرۃ علینا وأن لا ننازع الأمر أہلہ إلا أن تروا کفراً بواحاً عندکم من اللّٰہ فیہ برہان. (صحیح البخاری، کتاب الفتن)

باب......﴿۱۲﴾

امورِ سیاست اور قضا سے متعلق احکام کا بیان

دین کے غلبے کے وسائل اور خلافِ اسلامیہ قائم کرنے کے طریقے:

سوال: دین کے غلبے کے وسائل کیا ہیں؟ خلافتِ اسلامیہ کس طرح قائم کی جائے؟ فی زمانناخلافتِ اسلامیہ کانعم البدل کیا ہے؟ نیز خلافتِ اسلامیہ اوراس کے مقابل کے مابین کیا فرق ہے؟ درجِ ذیل حدیث شریف کی تشریح درکار ہے؟ **عن جنادة بن أبي أمية قال: دخلنا على عبادة بن الصامت**رضی اللہ عنہ **و هو مريض قلنا: أصلحك الله حَدِّث بحديث ينفعك الله به سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم، قال: دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعناه فقال: فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا و عسرنا ويسرنا وأثرة علينا و أن لا ننازع الأمر أهله إلا أن تروا كفراً. بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل.**

الجواب: دین کے غلبے کے چھ وسائل اور طریقہ کار ہیں: (۱) حجت (۲) دعوت (۳) المدارس والجامعات الدینیہ (۴) محو الادیان الباطلہ (۵) الحکومۃ الاسلامیہ یعنی مضبوط اسلامی حکومت (۶) الخلافۃ الاسلامیہ۔

(۱) غلبہ بالحجہ: دلائل کی روشنی میں اسلام کا غلبہ ہے اس حصے کے بیان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہر زمانے میں دلائل کی روشنی میں اسلام کی برتری اور سر بلندی غیر مسلم بھی مانتے ہیں اور اس میدان میں کام کرنے والے علماء ہوں یا غیر علماء، غیر مسلم ان کے دلائلِ حقہ کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہیں اور سامنے آنے سے کتراتے ہیں آج تک مسیحی ایک تین اور تین ایک کا فلسفہ نہ سمجھ سکے اور نہ سمجھا سکے۔

(۲) غلبہ بالدعوۃ: دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں لوگوں کا دین پر آنا ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، یہ کام غیر مسلموں میں کیا جائے یا مسلمانوں میں دونوں کے نتیجہ میں مساجد، مدارس اور جامعات آباد ہو جاتے ہیں، بے دینی کا ماحول دینداری میں بدل جاتا ہے اور اس سے غفلت برتنے کی صورت میں خطرناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ "**الإيمان يمان والحكمة يمانية**" (صحيح البخاري، رقم:٤٣٨٨) کہ ایمان تو یمن والوں کا ہے اور ہوشیاری بھی یمن والوں کی ہے۔

اس کی اچھی تشریح بندۂ عاجز کے خیال میں یہ ہے کہ متعدی اور دوسروں کے دلوں کو منور کرنے والا ایمان تو یمن والوں کا ہے، اس لیے کہ یمن کے علماء اور تاجر پہلے زمانے میں جہاں بھی جاتے تھے تجارت اور علم کے ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت کے مشن کو ساتھ لے جاتے تھے اور مخالفین کے دلوں کو دعوت کی تلوار سے فتح کرتے تھے، ہندوستان میں کوکن، کیرالہ، پھر مالدیپ، سری لنکا، انڈنیشیا، ملیشیا، افریقہ میں صومالیہ، کینیا، موزنبیق تک شافعی مسلک کے علاقے سب یمن کے ہوشیار حضرات کی محنتوں کا ثمرہ معلوم ہوتا ہے۔

میرے خیال میں خانقاہیں بھی پرانے زمانے میں دعوت وتبلیغ کے مراکز تھے، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، شیخ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت تھانویؒ، اور دوسرے بزرگوں کی خانقاہیں عوام کی اصلاح اور ان میں دعوت چلانے کے مراکز تھے، جن کی تفصیلات یہاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔

(۳) مدارسِ دینیہ: دینی مدارس کی خدمات اور اسلام کے غلبے کی کوشش ہم سب کے سامنے ہے، جب متحدہ ہندوستان میں غیر مسلم حکومت کے خلاف سیاسی تحریکیں کامیاب نہیں ہوئیں تو ہمارے اکابرؒ نے دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء، شاہی مراد آباد اور دیگر مدارس کی بنیاد رکھی اور انھیں مدارس کی برکت سے ہزاروں لاکھوں مدارس قائم ہوئے، بلکہ بریلویوں اور اہل حدیث غیر مقلدوں نے ہمارے اکابرؒ سے یہ کام سیکھا اور انھیں کے منہج کو اپنایا۔

اِن مدارس نے بے شمار لوگوں کی فکری، ذہنی، ظاہری، باطنی اور روحانی اصلاح فرمائی، اور اب پوری دنیا میں بہترین نظام کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بچوں کی تعلیم وتربیت کر رہے ہیں اور مکاتب سے لیکر تحفیظ تک اور تحفیظ سے لیکر درس نظامی اور تخصصات تک کا انتظام کر رہے ہیں، جن کی تفصیلات بیان کرنا تحصیل حاصل ہے۔

(۴) محوالدیانات الاخری: دوسرے ادیان ختم ہوکر صرف اسلام رہ جائے گا اور یہ غلبہ کی کامل شکل ہے یہ کام آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ہے، اس وقت ہر کتابی ان پر ایمان لائے گا اور صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے گا، احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

(۵) مضبوط اسلامی حکومت: جب مسلمانوں کی ایک یا کئی مستحکم حکومتیں سرگرم عمل ہوں اور غیرت ایمانی سے لبریز ہوں، ایمانی حرارت کے ساتھ اسباب ووسائل اور اسلحہ سے مسلح ہوں تو یہ بھی اسلام کے غلبے کی نشانی ہے، مضبوط اسلامی حکومت وہ ہے جس میں ایمانی قوت وغیرت کے ساتھ اسباب بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالمِ اسباب بنایا اس لیے اسباب کے ساتھ مقصد تک رسائی ہوتی ہے، ہاں کرامت اور معجزہ الگ شئ ہے جو ہمیشہ نہیں کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتا ہے اور وہ ہمارے اختیار میں نہیں جبکہ اسباب ہمارے اختیار میں ہیں، یاد رہے کہ اسباب توکل کے ساتھ منافی نہیں ہیں، توکل قلبی عمل ہے اور اسباب اعضاء کے اعمال ہیں، توکل اسباب کو لیکر نتیجہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے، انبیاء علیہم السلام اعلیٰ درجہ کے متوکل تھے لیکن اسباب بھی اختیار کرتے تھے۔ **التوکل: الاعتماد علی اللّٰہ تعالیٰ مع رعایة الأسباب وضده التعطل .** حدیث میں آتا ہے: **ما أکل إنسان طعاماً خیراً من أن یأکل من عمل یده وإن نبی اللّٰہ داود علیه السلام کان یأکل من عمل یده** ۔(صحیح البخاری، رقم:۲۰۷۲) بہترین طعام وہ ہے جو آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاوے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا تناول فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ہم دوائی کھاتے ہیں، علاج کراتے ہیں، جھاڑ پھونک کرتے ہیں، احتیاط وپرہیز کرتے ہیں، کیا یہ تقدیر کے خلاف ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **یا أیهاالذین آمنوا خذوا حذرکم . وقال: وابتغوا من فضل اللّٰہ ، وقال: وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة. وقال: فأسر بعبادی لیلاً إنکم متبعون. وقال: یا بني لا تقصص رؤیاک علی إخوتک. وقال: لاتدخلوا من باب واحد وادخلوا من أبواب متفرقة ۔** ان سب آیات میں اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی اشکال کرے کہ جب متوکل اور غیر متوکل دونوں اسباب اختیار کرتے ہیں تو دونوں میں فرق نہیں رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے کہ اگر اسباب ناکام ہوں تو متوکل کو غم نہیں ہوتا اور غیر متوکل کو ہوتا ہے اور اسباب سے کام ہونے کی صورت میں

متوکل میں تکبر پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہونے کی صورت میں شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسباب کبھی ناکام ہوجاتے ہیں، نیز متوکل اسبابِ ضعیفہ کو بھی اختیار کرتا ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین کامل ہوتا ہے کہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اسباب کی چار قسمیں ہیں: (۱) اسبابِ یقینیہ دنیویہ: جیسے بھوک کے لیے کھانا (۲) اسبابِ یقینیہ اخرویہ: جیسے نجات کے لیے نماز، روزہ۔ یہ دونوں لازم اور ضروری ہیں (۳) اسبابِ ظنیہ: جیسے رزق کے لیے ملازمت متوسطین اور ضعفاء کے لیے اس کو اختیار کرنا لازم ہے، ہاں کاملین اس کو چھوڑ سکتے ہیں اس لیے کہ تنگی آنے کی صورت میں وہ صبر کر سکتے ہیں (۴) اسبابِ وہمیہ شیطانیہ ہیں: جیسے قبر پر چادر ڈالنے، چراغ جلانے اور گنبد بنانے سے کسی مقصد کا پورا ہونا جو صرف شیطان کا وسوسہ ہے، حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسبابِ وہمیہ واجب الترک ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اسباب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا دو زرہیں ایک دوسری کے اوپر پہنیں، جبل احد میں خطرہ کے مقام پر ۵۰ تیر اندازوں کو مقرر کیا، اپنی حفاظت کے لیے آدمی مقرر کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی بحری بیڑے کی پیشین گوئی فرمائی جو فتح کا سبب ہے، اس کو خواب میں دیکھ کر اظہارِ مسرت فرمایا، اس خواب کی تعبیر حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت معاویہؓ کے ذریعہ ظاہر ہوئی، انہوں نے بحری بیڑا بنایا، اور ان کی امارت میں بحری بیڑہ قبرص میں پہنچا اور اسی غزوہ میں حضرت امِ حرام سواری سے گر کر شہید ہوئی، اس جہاد میں امِ حرام کی شرکت کی پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ کو شام کے شہر جرش بھیجا تاکہ وہاں دبابے (ٹینک) اور منجنیق (توپ) دیکھ لیں اور سیکھ لیں اس لیے یہ دونوں غزوۂ طائف میں شریک نہ ہوسکے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۴۸)

اور حضرت سلمانؓ کے مشورے سے غزوۂ طائف میں منجنیق استعمال ہوا، قرآن کریم کی ایک سورت کا نام سورۂ حدید رکھ کر حدید کی اہمیت کو واضح فرمایا، حضرت داود علیہ السلام کے لیے: **و ألنا له الحديد أن اعمل سابغات وقدر في السرد** فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے فرمایا: **يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب**۔ حضرت ذوالقرنین کے لیے: **آتوني زبر الحديد** فرمایا، حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینہ کے اطراف میں خندق بنوائی۔

ہاں اگر روحانی اور اعمال کی طاقت ہو تو کبھی کمزور اسباب اور کبھی بغیر اسباب کے بھی کام ہوجاتا ہے

اور بعض تبلیغی حضرات کا یہ کہنا کہ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ یا اسباب سے نہ ہونے کا یقین، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو کہ وہی اسباب کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ دل بیار دست بکار۔ کا یہی مطلب ہے۔ اور اگر چاہیں تو اسباب کو ناکام بنادیں گے جیسے نمرود کی آگ ناکام ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈبونے میں پانی ناکام ہوا، حضرت یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا منصوبہ کنویں کی شکل میں ناکام ہوا، وہ اسباب سے یقین ہٹانے کی بات کرتے ہیں اسباب کے ترک کی بات نہیں کرتے تاکہ اسباب کو مقصود نہ سمجھیں اور ان میں ردوبدل کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے، غرض یہ کہ جب اسلامی حکومت ہو تو اس سے حق کا غلبہ بالکل واضح ہوگا۔

میں نے برما کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ پاکستان میں ایوب خان کے زمانے میں جب پاکستان اور بنگلہ دیش ایک تھے اس وقت مسلمانوں پر مظالم شروع ہوئے تو ایوب خان نے پیغام بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ ہماری فوج صبح ڈھاکہ سے چلے اور عصر کے وقت عصرانہ رنگون میں کھائے، یہ پیغام پہونچتے ہی مظالم بند ہوئے، اس وقت اگرچہ اسلامی حکومت نہیں تھی لیکن پاکستان کی اتحادی اور فوجی قوت مضبوط تھی، یہ واقعہ میں نے برما کے مظالم کی تاریخ میں پڑھا ہے۔

(۶) اسلامی خلافت: اسلامی حکومت چھوٹی ہوتی ہے اور خلافت بہت بڑی ہوتی ہے اس لیے دونوں کو الگ ذکر کیا گیا، خلافت کے موضوع پر علمائے کرام اور مصنفین نے بہت کچھ تحریر فرمایا، ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں، شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء میں، ابن جریر طبریؒ نے جلد اول، ص ۴۸۰ میں، علامہ بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں، راغبؒ نے مفردات القرآن میں، ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں، علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں، عبدالباقی حقانی نے اسلام کے نظامِ سیاست میں، وھبہ زحیلیؒ نے حقوق الانسان فی الاسلام میں، ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں، مفتی تقی صاحب نے تکملہ فتح الملہم میں، ان سب نے خلافت کے معنی اور تفصیلات لکھی ہیں، مفسرین نے **وإذ قال ربک للملائکة إني جاعل فی الأرض خلیفة** کے ذیل میں خلافت کے معنی اور تعریف لکھی ہے۔ میں خلافت کی دو تعریفات نقل کرتا ہوں۔ علامہ ماورديؒ نے الاحکام السلطانیہ، **الباب الأول فی عقد الإمامة** میں لکھا ہے: **الإمامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا** (الاحکام السلطانیة، ص۳) **امامت**، نبوت والی خلافت ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست یعنی دنیوی کاموں کی نگرانی اور صحیح طور پر چلانا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے شرح مقاصد میں بہت واضح تعریف لکھی ہے: **رئاسة عامة في أمر الدين والدنيا، خلافة عن النبي صلى الله عليه وسلم** (شرح المقاصد: ۲/۲۷۲، ط: دارالمعارف النعمانية)، خلافت اس بین الاقوامی اسلامی حکومت کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں لوگوں کے دین اور دنیا دونوں کی حفاظت کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پوری دنیا کے لیے ایک خلیفۃ المسلمین ہوگا، ہاں علامہ عبدالقادر بغدادیؒ نے اصول الدین ص ۲۷۴، میں لکھا ہے کہ اگر دو حکومتیں ایک دوسرے سے اتنی دور ہوں کہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے نہیں پہونچ سکتیں تو دو خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ **لايجوز أن يكون فى الوقت الواحد إمامان، واجبى الطاعة إلا أن يكون بين البلدين بحر مانع من وصول النصرة أهل كل واحد منهما إلى الآخرين فيجوز حينئذٍ لأهل كل واحد منهما عقد الإمامة لواحد من أهل ناحية**، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شدید ضرورت اور انتہائی مجبوری کے عالم میں دو خلافتیں ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ مسیحی غیر مسلموں نے مسلمانوں سے خلافت کا تصور سیکھا پہلے ان کا مرکز وحدت انگلینڈ اور اب واشنگٹن ہے۔ اور ہماری خلافتِ عثمانیہ کو ختم کر کے دم لیا۔

خلافت کے مفید اور نافع ہونے میں کسی مسلمان کو کلام نہیں، کون نہیں جانتا کہ جب دنیا میں خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد خلافتِ بنوامیہ قائم تھی تو مشرق اور مغرب کے غیر مسلموں کا سنجیدہ طبقہ دل وجان سے خلافت کے ثمرات لوٹتا تھا اور شیطانی طبقہ پر خلافت کے تصور سے کپکپی طاری تھی، خلافت کے شجرۂ طوبیٰ کا ٹھنڈا سایہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سروں پر سایہ فگن تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلامی حدود مغرب میں مراکش، جنوب میں افریقہ اور شمال میں خراسان، ترکستان، سمرقند و بخارا تک پہونچ گئیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر میں اپنے بعد اپنے بیٹے کو نامزد نہ کروں اور دنیا سے چلا جاؤں تو خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور فتنہ فساد کا زبردست خطرہ ہے تو انہوں نے خلافت کو بچانے کے لیے بیٹے کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے بیٹے کو خلافت کے لیے نامزد کیا اور اکثر مسلمانوں نے اس فیصلہ کو قبول کرلیا، ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں: **وكذلك عهد معاوية رضي الله عنه إلى يزيد خوفاً من افتراق الكلمة بما كانت بنو أمية لم يرضوا بتسليم الأمر إلى من سواهم، فلو قد عهد إلى غيره اختلفوا عليه**. (مقدمة ابن خلدون: ۱/۱۰۶)، اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: **وكان رأى معاوية رضي الله عنه فى الخلافة تقديم الفاضل فى القوة**

والرأي والمعرفة على الفاضل في السبق إلى الإسلام والدين والعبادة. (فتح الباری: ۳۲۴/۷).

جولوگ غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں اور خلافت کی بات کرتے ہیں وہ آٹے میں نمک کے برابر نہیں، نہ ان کو عام مسلمان اہل حل وعقد تسلیم کرتے ہیں علاوہ ازیں اعوذ باللہ بسم اللہ سے پہلے ہوتی ہے یعنی یہ کہ جن غیر مسلم طاقتوں نے خلافتِ اسلامیہ کو ختم کیا تھا، خلافت کے مدعیوں کو ان سے باز پرس کر کے ان کا محاسبہ کرنا چاہئے، لیکن یہ حضرات تو ان کی چھتری کے نیچے آرام سے رہتے ہیں اور اگر یہ لوگ زبردستی خلافت قائم کرنے کی کوشش کریں تو یہ لوگ مسلمان ممالک کی مسلح افواج رکھنے والی قوتوں کے مقابلہ میں صفر ہیں، یہ فساد تو کر سکتے ہیں خلافت قائم نہیں کر سکتے۔

غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر مسلمانوں کے لیے خلافت کا نعم البدل:

آج کل ووٹ کا زمانہ ہے اور الیکشن کے ذریعے حکمران منتخب ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں، لیکن یہی طریقہ رائج ہے، لہذا خلافت قائم کرنے کا راستہ یہ نظر آتا ہے کہ ہم اور خلافت کے دعویدار حضرات پوری دنیا میں مساجد، مکاتب،، مدارس دینیہ، جامعاتِ اسلامیہ اور دعوت وتبلیغ اور خانقاہیں قائم کریں تاکہ لوگوں کا ذہن اسلامی بن جائے اس کے بعد ہر ملک میں اسلام کے علمبردار حکمران منتخب کرلیں بعد ازاں وہ سب حکمران مل کر ایک خلیفۃ المسلمین منتخب کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مساجد، مکاتب، مدارسِ دینیہ، جامعاتِ اسلامیہ، دعوت وتبلیغ اصلاحِ نفوس کے کام کے لیے قبول فرمائیں۔

اسلامی خلافت قائم کرنے پہلا طریقہ؛ بیعتِ عامہ:

خلافت کا پہلا طریقہ بیعتِ عامہ ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کی خلافت نہیں لکھی تھی لیکن اشارات فرمائے: مثلاً: مروا أبابكر فليصل بالناس. (صحیح البخاری، رقم: ٦٦٤)، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبابكر. (مسلم، رقم: ۲۳۸۷) ایک عورت نے کہا آپ نہ ہوں تو کس کی طرف رجوع کروں فرمایا: ابوبکر (مسلم، رقم: ۲۳۸٦) اقتدوا بالذين من بعدي أبوبكر وعمر. (ترمذی، رقم: ۳٦٦۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کا اختلاف ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیان سے انصار بات سمجھ گئے اور خلافت سے دست بردار ہو گئے گویا کہ مہاجرین نے انصار کو قائل کرلیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ڈالی، انصار اور مہاجرین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی دوسرے دن اور ایک روایت میں چھ مہینہ کے بعد بیعت کی، یعنی دو مرتبہ بیعت

فرمائی، سقیفہ بنی ساعدہ میں پوری قوم کے نمائندے شریک تھے انہوں نے بیعت کی پھر دوسرے دن مسجد میں عام بیعت ہوئی، ایک روایت میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت فرمائی، اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے زمانہ میں داخلی اور خارجی فتنوں کا مقابلہ فرمایا اور اسلامی حدود کی توسیع کی۔ (تاریخ الخلفاء للامام جلال الدین السیوطیؒ ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ)۔

دوسرا طریقہ نامزدگی: جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد نامزد کیا اور یہ نامزدگی ہر قسم کے مشورہ اور رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد تھی، مشورہ میں بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا ذکر کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا تسلی بخش جواب دیا، تاریخ طبری میں ہے کہ بعض نے کہا: **ما أنت قائل لربک إذا سألک عن استخلافک عمر علینا وقد تری غلظته**، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **إذا لقيتُ اللّٰه ربي فسألني قلت: استخلفت علی أهلک خير أهلک**، **طبری** (۲/ ۳۵۵، دارالکتب العلمیة، بیروت)، **طبقات ابن سعد** میں ہے: کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف جھانک کر فرمایا: **إني عهدت عهداً أفترضون به؟ فقال الناس: قد رضينا يا خليفة رسول اللّٰه**، (۳/۱۹۲ و ۲۰۰، دارصادر بیروت)، میں ایک شخصیت کے بارے میں وصیت کرنا چاہتا ہوں کیا تم اس پر راضی ہوں گے، لوگوں نے کہا ہم بالکل راضی ہیں اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں کسی رشتہ دار کو نہیں بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کرتا ہوں **فاسمعوا وأطيعوا**، لوگوں نے کہا: **سمعنا وأطعنا**۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے **منهاج السنه** (۱/ ۵۳۰) میں لکھا ہے: **کذلک عمر** رضی اللہ عنہ **لما عهد إليه أبوبکر** رضی اللہ عنہ **إنما صار إماماً لما بايعوه وأطاعوه ولو قدر أنهم لم ينفذوا عهد أبی بکر** رضی اللہ عنہ **ولم يبايعوه لم يصر إماماً**۔ اور تاریخ کے مراجع سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عمر کے تقرر میں حضرت ابوبکر صدیق نے صرف اپنی رائے کو اصل قرار نہیں دیا تھا بلکہ مہاجرین اور انصار کے اکابر سے مشورہ لیا تھا۔ اس بات کو ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے: **عن أبي سلمة بن عبد الرحمن وإبراهيم بن الحارث التيمی وعبد اللّٰه البهی... أن أبابکر عند استخلاف عمر شاور عبد الرحمن بن عوف وعثمان وسعيد بن زيد وأسيد بن الحضير وغيرهم من المهاجرين والأنصار** رضی اللہ عنہم۔ (**الطبقات الکبری**: ۳/۱۹۹، دارصادر، بیروت)، ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۴/ ۲۴۸) میں اور ابن الجوزی نے مناقب عمر میں بھی ابوبکر کے مشورہ لینے کی بات لکھی ہے۔

تیسرا طریقہ شوریٰ ہے: خلیفہ برحق انتخاب کا حق ایک ایسی جماعت کے سپرد کرے جس میں خلافت کی صلاحیت اور صفات ہوں اور یہ رائے عامہ کو معلوم کر کے ایک کو منتخب کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ بنائی، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کو نہیں لیا کیونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد تھے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بطورِ مشیر مقرر کیا کہ وہ خلیفہ نہیں ہوں گے اور یہ فرمایا کہ تین ایک طرف اور تین دوسری جانب ہوں تو جس جانب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے ان کو خلیفہ بنایا جائے، اگر اس پر راضی نہ ہو تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں گے، پھر آخر میں عیونِ ثلاثہ رہ گئے، عبدالرحمٰن، عثمان، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خلیفہ نہیں بنتا آپ مجھے اختیار دیں، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تین دن تک رائے عامہ معلوم کرتے رہے، سب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت فرمائی۔

خلافتِ حقہ اور اس کے مقابل میں کیا فرق ہے؟ خلافتِ راشدہ پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے وہ خلافتِ حقہ تھی اس کے بعد بنو امیہ کی خلافت نے مسلمانوں کی خدمت کی اور اسلامی حدود کی توسیع کی اور اسپین اور سندھ و ہند اور پنجاب اور چین کے بعض حصوں کو فتح کیا، اس کے بعد خلافتِ عباسیہ نے بھی اسلام کی خدمت کی پھر خلافتِ عثمانیہ نے فتوحات کیں اور اسلام کا بول بالا کیا، یہ سب خلافتیں برحق تھیں اِس زمانے کی کاغذی خلافت کے ماتحت نہ کوئی مسلمان ملک ہے اور نہ غیر مسلم ملک بلکہ وہ خود غیر مسلم ممالک کے قوانین کے پابند رعایا ہیں، اس لیے خلافتِ حقہ اور اس کے بالمقابل میں ایسا فرق ہے جیسے مرد وعورت میں۔

آخری سوال، حدیث کی شرح:

عن جنادة بن أبي أمية قال: دخلنا على عبادة بن الصامت رضي الله عنه و هو مريض قلنا: أصلحك الله حَدِّث بحديث ينفعك الله به سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم، قال: دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعناه فقال: فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا و عسرنا ويسرنا وأثرة علينا و أن لا ننازع الأمر أهله إلا أن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان. (صحيح البخاري، رقم: ۷۰۵۵، كتاب الفتن).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیمار تھے ہم ان کے پاس گئے اور ان سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہنچادے آپ

ایک حدیث سنادیں جو آپ کے لیے مفید ہو اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، انہوں نے فرمایا: ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو ہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے ہم سے تابعداری پر بیعت لی کہ امیر کی تابعداری کریں گے ہم راضی ہوں یا ناراض، تنگی کی حالت ہو یا فراخی، یا ہم پر دوسرے کو فوقیت اور فضیلت دی جارہی ہو اور یہ کہ تم حکام سے لڑائی جھگڑا نہیں کروگے الا یہ کہ کھلا ہوا کفر دیکھوگے۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو فسق فجور امام کی ذات تک محدود ہو ایسے مسلمان حاکم کے خلاف مسلح جدوجہد نہ کی جائے اور جو امام اور حاکم متعدی فسق وفجور میں مبتلا ہو، کفر کو رواج دے، کفریہ قوانین کو نافذ کردے اور اسلام کو ہلکا سمجھے اس کے خلاف مسلح خروج جائز ہے بشرطیکہ اس کو ہٹانے پر قدرت ہو اور کسی بڑے فساد کا خطرہ نہ ہو اور اس کے ہٹنے کے بعد اس سے زیادہ برے امام کی توقع نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

عورت کے قاضی بننے کا حکم:

سوال: کیا عورت کا قاضی بننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کا قاضی بننا مکروہ ہے، اگر عورت کو کسی نے قاضی بنادیا تو جن امور میں عورت کی شہادت جائز ہے ان امور میں عورت کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا البتہ بنانے والا گنہگار ہوگا، اور جن امور میں عورت کی شہادت جائز نہیں ان امور میں عورت کا فیصلہ بھی معتبر نہیں ہے جیسے حدود وقصاص وغیرہ۔

قال فی الهداية: و يجوز قضاء المرأة في كل شيء إلا الحدود و القصاص اعتباراً بشهادتها فيهما وقد مر الوجه . (الهداية: ۳/ ۱۴۱،ط: المصباح).

وفي فتح القدير: وقد مر الوجه ، يعني وجه جواز قضائها وهو أن القضاء من باب الولاية كالشهادة و المرأة من أهل الشهادة فتكون من أهل الولاية . (فتح القدير: ۶/ ۳۹۱). (و كذا فی العناية : ۶/ ۳۹۱، والدرالمختار: ۵/ ۴۴۰، سعيد، وبدائع الصنائع : ۷/ ۳، سعيد، والموسوعة الفقهية : ۶۵۳۲/۲/۱۲، وفتاوی قاضیخان: ۲/ ۳۶۴).

جواہر الفتاویٰ میں مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

امام بغویؒ نے عورت کو منصبِ امارت وقضا کے واسطے ناموزوں ہونے کی دو بنیادی وجوہ لکھی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ عورت کا معاملہ ستر کا ہے کہ وہ پردہ میں رہیں اور گھر میں رہیں، بلاضرورتِ شرعی یا طبعی گھر

سے باہر نہ نکلے جب کہ منصبِ امارت وقضا قبول کرنے کی صورت میں بار بار باہر نکلنے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کی صورت میں بے پردہ ہوجانے کا یقین جازم ہے، لہٰذا عورت کا مزاج اور فطرت منصبِ امارت وقضا کے لیے اہل نہیں اس لیے موزوں نہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ جنس عورت خواہ کتنی پڑھی لکھی ہو ذہین وفطین ہو لیکن فطرت وخلقت کے اعتبار سے کامل العقل نہیں جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، بلکہ منصبِ امارت وقضا کے لیے ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو کہ دینی ودنیوی امور کے اعتبار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ کامل ومکمل عقل رکھتے ہوں، اور فطرت اور خلقت کی رو سے جنس مرد اس کے لیے نہایت موزون ومناسب ہے۔ (جواہر الفتاویٰ: ۱/ ۳۵۵، اسلامی کتب خانہ، کراچی)۔

مزید ملاحظہ کیجیے: (مسلم پرسنل لا ص ۲۱۹، وامداد الفتاویٰ: ۹۲/۵، ومصادرِ شریعتِ اسلامیہ اور عورت کی حکمرانی، ص ۶۸، واسلامی عدالت، جلد اول، ص ۱۸۷، ط: قاضی پبلشرز)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

انتخابات کے موقع پر غیر مسلم پارٹی کی حمایت کرنے کا حکم:

سوال: کیا انتخابات کے موقعہ پر غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کرنا، ان میں شرکت اور ان کی حمایت کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد یہودِ مدینہ سے معاہدے فرمائے تھے، بنابریں بصورتِ مسئولہ غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے دینی اور ملی مفادات کے تحت معاہدہ کرنا، اس میں شرکت اور ان کی حمایت کرنا، جائز اور درست ہوگا، ہاں کفار سے قلبی دوستی کرنا جائز نہیں، وہ نص قطعی سے ممنوع ومحظور ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے: **ومفاده جواز الاستعانة بالكافر عند الحاجة وقد استعان عليه الصلاة والسلام باليهود على اليهود** . (الدر المختار: ۱۴۸/۴، سعید).

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ (کفایت المفتی: ۳۷۹/۹)۔

نیز شریعتِ مقدسہ کے اصول سے کفار کے ساتھ اشتراکِ عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

دوسری جگہ مذکور ہے: دنیا کی عزت حاصل کرنے کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر کفار سے دوستی کرنا درست نہیں لیکن اگر مقصد دین کی حفاظت ہو اور وہ کفار سے اشتراکِ عمل کر کے حاصل ہوسکتی ہو تو ایسا اشتراکِ عمل درست ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس اشتراکِ عمل سے دنیاوی اقتدار حاصل ہو جائے لیکن وہ مقصود بالذات نہ ہو تو وہ ممنوع و محظور نہیں۔ (کفایت المفتی: ۹/۳۶۴، دار الاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعیت العلماء کا قاضی کے قائم مقام ہونے کا حکم:

سوال: کیا کسی ملک کی جمعیت کا فیصلہ قاضی کے فیصلہ اور حکم کے درجہ میں ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مخاصمات، معاملات اور معاشرات وغیرہ میں جمعیت کا فیصلہ، قاضی کے فیصلہ اور حکم کے برابر ہے لیکن حدود و قصاص وغیرہ میں جمعیت کا حکم نہیں چل سکتا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار، وفی الفتح : وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً ويكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا إماماً يصلى بهم الجمعة . وهذا هو الذى تطمئن النفس إليه فليعتمد، نهر. (فتاوى الشامي: ۵/ ۳۶۹،سعيد).

الحیلۃ الناجزۃ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ رقمطراز ہیں:

جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے موافق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسبِ بیانِ مذکور تحقیق کریں اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ صادر کریں تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جاوے گا۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۰۷، ۱۰۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۵۴۸، ط: مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کی شہادت اور قضا مسلمان پر نافذ نہیں:

سوال: کیا غیر مسلم کی گواہی یا قضا مسلمان پر نافذ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلم کی شہادت اور قضا مسلمان کے معاملات خصوصاً دینی امور میں نافذ نہیں ہوگی، یعنی کفار اہل شہادت نہیں اور جو اہل شہادت نہیں وہ قضا کے اہل بھی نہیں۔ لیکن امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں غیر مسلم ذمی کی شہادت مسلمان پر جائز ہے۔

الدرالمختار میں مرقوم ہے: **و أهله أهل الشهادة، أى أدائها على المسلمين كذا فى الحواشى السعدية.** (الدرالمختار: ۵/۳۵۴، سعید).

فتاوی الشامی میں ہے:

وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى ... ومقتضاه أن تقليد الكافر لا يصح. (فتاوى الشامى: ۵/۳۵۴، سعيد). (وكذا فى البحرالرائق: ۶/۲۶۰، والدرالمختار: ۵/۳۵۷، سعيد).

بداية المجتهد میں ابن رشد قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں:

وأما الإسلام فاتفقوا على أنه شرط فى القبول وأنه لا تجوز شهادة الكافر إلا ما اختلفوا فيه من جواز ذلك فى الوصية فى السفر... (بداية المجتهد: ۲/۳۴۷).

قال الإمام أبوبكر الجصاص الرازى: قال الله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم قد اختلف في معنى الشهادة ههنا قال قائلون هي الشهادة على الوصية فى السفر وأجازوا بها شهادة أهل الذمة على وصية المسلم فى السفر. (احكام القرآن: ۲/۴۸۹، ط: سهيل اكيڈمى).

جواہر الفتاویٰ میں مذکور ہے:

واضح رہے کہ غیر مسلم ججوں کے فیصلے مسلمانوں کے لیے لازم نہ ہونے کا مسئلہ جمہور کا اجماعی اور اتفاقی ہے اور اس بارے میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں، **كما في بداية المجتهد ومراتب الإجماع لابن حزم.** (جواہر الفتاویٰ: ۳/۵۰۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمہوریت اور ووٹ کی شرعی حیثیت:

سوال: آج کل کی جمہوریت جس میں لوگوں کے ووٹ سے صدر منتخب ہوتا ہے یا پارلیمنٹ بنتی ہے، کیا یہ شریعت کے اصول کے موافق ہے یا مخالف؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلامی سیاست میں انتخابِ امیر کے لیے چار طریقے ہیں:

۱۔ **بیعتِ اہلِ حل وعقد**۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا قیام۔ **لما قال الماوردیؒ: أن بيعة أبي بكر رضي الله عنه انعقدت بخمسة اجتمعوا عليها ثم تابعهم ناس فيها وهم عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح وأسيد بن حضير وبشر بن سعد وسالم مولىٰ أبى حذيفة رضي الله عنهم.** (الاحكام السلطانية، ص۷، الباب الاول فى عقد الامامة).

۲۔ **استخلاف**۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اور اپنا جانشیں مقرر فرمایا تھا۔

۳۔ **شوریٰ**۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ آدمیوں کی شوریٰ بنائی تھی۔ اور شوریٰ والوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ **لما قال الإمام أبو الحسن الماوردي: والثاني: أن عمر رضي الله عنه جعل الشورى في ستة ليعقد لأحدهم برضاء الخمسة.** (الاحكام السلطانية، ص۷، الباب الاول فى عقد الامامة).

۴۔ **استیلاء**۔ جیسے بعد کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ (ملخص از فتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۹۳۔۲۹۴)۔

چنانچہ آج کل کی جمہوریت کی مشابہت قسم اول بیعتِ عامہ اور قسمِ سوم شوریٰ کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ یعنی لوگوں سے ووٹ لینا گویا مشورہ کی طرح ہے، لہذا اس کو خلافِ شریعت نہیں کہا جائے گا، اور یہ طریقہ دنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ یورپ کا طریقہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اکثر ممالکِ مسلمہ میں شوریٰ، بیعت اور استخلاف کا طریقہ مشکل ہے تو اس طریقہ کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر اس یورپ والے طریقہ کی کوئی شق صراحۃً اسلام کے خلاف ہو تو اس کو اپنانا جائز نہیں۔

اس طریقہ کار کی نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ملتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصری

قانون کے پابند تھے کیونکہ اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے لیکن قانونِ مصر میں یہ درست نہیں تھا اس لیے ایک تدبیر کی۔ محقق ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: **وقوله ﴿ما كان ليأخذ أخاه في دين الملك﴾ أي: لم يكن له أخذه في حكم ملك مصر، قاله الضحاك وغيره** . (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۰۱،ط: دار طيبة).

قاضی بیضاویؒ مصری قانون کی وضاحت فرماتے ہیں:

لأن دينه الضرب وتغريم ضعف ما أخذه دون الاسترقاق . (تفسیر البیضاوی: ۱/ ۳۰۱).

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المنثور: ۴/ ۵۶۱).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے: عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں: ۔۱۔اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک وقوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔

۲۔اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایماندار اور دیانتدار ہے۔

۳۔اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لیے سفارش کرتا ہے۔

۴۔ اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لیے حکومت کے گھر میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص (امیدوار) حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔

۵۔ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعہ مقامی امیدوار کے واسطہ سے سربراہِ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔... (فتاویٰ حقانیہ:۳۰۲)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جواہر الفقہ :۵/ ۵۳۲۔۵۳۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، وجدید فقہی مسائل:۱/ ۴۵۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کسی امر مباح پر پابندی عائد کرنے کا حکم:

سوال: کیا امام المسلمین یا حکومت کسی مباح کام پر پابندی لگاسکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً: نکاحِ ثانی پر وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام المسلمین یا حکومت کسی مباح کام پر کسی مصلحت کی وجہ سے پابندی عائد

کر سکتے ہیں، جیسے کتبِ فقہ میں مرقوم ہے کہ جب تجار قیمتوں میں حد تجاوزی کرنے لگیں تو حاکم کو تسعیر یعنی قیمت مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں مذکور ہے:

ولا يسعر حاكم لقوله عليه الصلاة والسلام: ولا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق، إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً فيسعر بمشورة أهل الرأي، وقال مالكؒ: على الوالي التسعير عام الغلاء. وفي رد المحتار: قوله فيسعر، أي لا بأس بالتسعير حينئذٍ كما في الهداية. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۹/۶). (وكذا في تبيين الحقائق: ۲۸/۶، ط: امداديه، ملتان، والفتاوى الهندية: ۲۱۴/۳، والبحر الرائق: ۲۳۰/۸).

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتابیہ کے نکاح پر پابندی لگائی تھی ۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہودی عورت سے شادی کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا حکم فرمایا۔

عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية فكتب إليه عمر رضي الله عنه أن خَلِّ سبيلها ، فكتب إليه: إن كانت حراماً خليت سبيلها، فكتب إليه: إني لا أزعم أنها حرام ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن . (مصنف ابن ابی شيبة: ۱۵۸/۴، ۱۶۴۱۷، باب من كان يكره النكاح فی اهل الكتاب).

نیز انتظامی امور میں حکومت کی اطاعت لازم اور ضروری ہے جب تک کسی خلافِ شریعت کام کا حکم نہ دیا جائے۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیتِ کریمہ: **أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم**، کے تحت لکھتے ہیں: ایسے احکام میں جن میں کتاب وسنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہے کریں جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے ایسے احکام میں عملی انتظام حکام وامراء کے سپرد ہیں جیسے ریلوے کا نظام ...ان کی کوئی جانب نہ واجب ہے نہ حرام بلکہ اختیاری ہے لیکن یہ اختیار عوام کو دیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا ہے اس لیے نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے، آیتِ مذکورہ میں اولوالامر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگئی۔ (معارف القرآن: ۴۵۱/۲ و ۴۵۲)۔

قال في الدر المختار في باب الاستسقاء: ويستحب للإمام أن يأمرهم بصيام ثلاثة أيام قبل الخروج وفي رد المحتار: إذا أمر الإمام بالصيام في غير الأيام المنهية وجب لما قدمناه في باب العيد : أن إطاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة . (الدرالمختار: مع رد المحتار:

۲/ ۱۸۵ ،سعید). (وكذا في باب العيد : ۲/ ۱۷۲ ،سعید). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی حکمِ لعان کو نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: وہ قاضی جو حکومت کی جانب سے مقرر نہ ہو بلکہ مسلمانوں نے آپس میں ملکر کسی کو امیر المومنین بنایا ہو اور اس نے کسی کو قاضی مقرر کیا ہو، کیا ایسا قاضی لعان کا حکم نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کتبِ فقہ اور فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مقرر کیا ہوا قاضی فسخ وتفریق وغیرہ کے احکام نافذ کرسکتا ہے۔ لیکن لعان چونکہ مرد کے لیے حدِ قذف اور عورت کے لیے حدِ زنا کا قائم مقام ہے اور حدود اور قصاص دارالاسلام میں حکومت کا مقرر کردہ قاضی نافذ کرسکتا ہے جماعۃ المسلمین کی طرف سے مقرر شدہ والی اور قاضی یہ کام نہیں کرسکتا۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی حیات پر مرتب شدہ کتاب میں مفتی خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

قاضی صاحب کی آمد سے پہلے دار القضاء امارتِ شرعیہ میں یہ معمول تھا کہ اگر شوہر بیوی کے خلاف بدچلنی کا الزام لگاتا تو لعان کرایا جاتا پھر نکاح فسخ کرایا جاتا، قاضی صاحب کا نقطہ نظر تھا کہ لعان فقہاء کے نزدیک شوہر کے حق میں حد قذف اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے اور حدود دار الاسلام میں جاری ہوتے ہیں نہ کہ دار الکفر میں۔ (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، حیات وافکار وآثار، ص ۶۲)۔

نیز اکابرین کے فتاویٰ میں بھی یہ بات مرقوم ہے کہ لعان کے لیے اسلامی حکومت یا مسلمان حاکم کا ہونا ضروری ہے دار الکفر میں حکمِ لعان نافذ نہ ہوگا۔ چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

امداد المفتین میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں:

سوال: ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قضاۃ نہیں ہیں تو بجائے قاضی کے کسی کو حق ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لعان کے بعد تفریق کرسکے آیا علماء یا حاکمِ وقت یا مسلمانوں کی کوئی جماعت مثلاً: پنچایت وغیرہ اس کے مجاز ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: دار الحرب میں لعان نہیں ہوسکتا اس کے لیے دار الاسلام ہونا شرط ہے۔ **صرح به الشامي، وقال في الدر المختار: فمن قذف بصريح الزنا في دار الإسلام زوجته الحية بنكاح صحيح الخ، قال الشامي: أخرج دار الحرب لانقطاع الولاية.** البتہ اگر حاکمِ وقت مسلمان ہو اگرچہ حکومت

غیر مسلمہ کا ماموروملازم ہو اور باقاعدہ شرعیہ لعان کرائے تو لعان ہو جائے گا کیونکہ وہ بھی بحکم قاضی ہے۔ (کما صرح به في رد المحتار من باب القضاء) اور دارالحرب میں لعان نہ ہونے کا حکم جو شامی میں مذکور ہے وہ انقطاعِ ولایت کی وجہ سے ہے، جب حکومت کی طرف سے کوئی مسلمان مامور ہو کر لعان کرائے تو انقطاعِ ولایت نہ رہا۔

احقر نے اپنے اس خیال کو سیدی حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بھی عرض کیا تھا حضرت نے بھی تصویب فرمائی اور بدائع الصنائع کی عبارت سے اس کی توضیح وتائید ہوگئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص۵۷۵، ط: دارالاشاعت)۔

مذکورہ بالا سوال وجواب کو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلدِ اول، ص۵۲۶ پر بحوالہ مفتی محمد شفیع صاحب نقل کیا ہے۔ نیز کفایت المفتی کے حاشیہ (۲۷۲/۶) میں بھی نقل کیا ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

لعان کے لیے دارالاسلام شرط ہے، لہٰذا ہندوستان میں لعان واجب نہیں: **و يشترط أيضاً كون القذف بصريح الزنا، وكونه في دار الإسلام . رد المحتار: ۴۸۳/۳،سعيد.** (فتاویٰ محمودیہ:۱۳/ ۳۳۸، جامعہ فاروقیہ)۔ مزید ملاحظہ کیجیے: (کتاب الفتاویٰ:۶/ ۵۴)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً منهم...وفى الفتح: وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً و يكون هو الذى يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماماً يصلي بهم الجمعة وهذا الذي يطمئن النفس إليه فليعتمد . (فتاوى الشامى: ۳۶۹/۵، سعيد). (وكذا فى فتح القدير: ۲۶۴/۷،ط: دارالفكر).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: وأما بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد و يصير القاضي قاضياً بتراضى المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً . (الفتاوى التاتارخانية: ۳۲۶/۵).

فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر ہوسکتا ہے۔

اسی طرح البحر الرائق (۶/ ۲۹۸)، وفتاوی الشامی (۲/ ۱۴۴، سعید و ۴/ ۵ ۱۷، سعید) وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص: باب الجمعۃ) اور فتاویٰ ہندیہ (۱/ ۱۴۶، بحوالہ معراج الدرایہ) میں مرقوم ہے۔

اسلامی عدالت میں قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

چوتھی صورت یہ ہے کہ ملک پر غلبہ کفار کا ہو چکا ہے اقتدار کسی غیر مسلم بادشاہ اور مطلق العنان حکمران کا ہو یا کسی ایسی جمہوری حکومت کا جس میں عملاً اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنا ایک امیر منتخب کر لیں تا کہ وہ اجتماعی زندگی گزار سکیں اور اس امیر کی طرف سے تفویض قضا درست ہوگی، نیز اس طرح ممکن حد تک مسلمانوں پر شریعتِ اسلامی جاری ہو سکے گی اور تعطیل احکامِ شرع نیز انتشار وافتراق کے گناہ سے بچا جا سکے گا۔ اور اگر خدانہ خواستہ مسلمان کسی امیر کے انتخاب پر متفق نہیں اور اربابِ حل وعقد کسی شخص کو قاضی مقرر کرنے پر اتفاق کر لیں تو یہ بھی درست ہوگا۔ (اسلامی عدالت، حصہ اول، ص ۱۷۸، ۱۷۹، ط: قاضی پبلشرز)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں مذکور ہے: جہاں حکومت کی جانب سے اس قسم کا انتظام نہ ہو، اور عامہ مسلمین اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کے لیے اہل علم اور معاملہ فہم کی کم از کم تین افراد پر مشتمل پنچایت قائم کریں، تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۵۴۸، ط: مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

عبارتِ تاتارخانیہ وغیرہ سے جو علامہ شامیؒ نے نقل کی ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ تراضی مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس کو فصل خصومات میں حکم قاضی شرعی کا ہے، البتہ صاحب فتح القدیر نے اس میں تحقیق فرمائی ہے کہ اول والی مسلم مقرر کر لیں، پھر وہ والی قاضی کو مقرر کرے، اس میں شک نہیں ہے کہ یہ پورے اطمینانِ نفس کی بات ہے، **کما قال صاحب النہر**۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۰/ ۲۴۷، مدلل ومکمل)۔

لیکن فتاویٰ خلیلیہ میں مرقوم ہے کہ تراضی مسلمین سے شرعی قاضی نہیں بنے گا اس لیے کہ حکومت کا دبدبہ اس کے پاس نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ خلیلیہ میں مرقوم ہے:

قاضی کے لیے صاحبِ حکومت ہونا ضروری ہے کیونکہ قضا کے معنی ہی حکم کے ہیں لغۃً اور شرعاً بھی حکومت رکن قضا ہے، درمختار میں ہے: **وأرکانہ ستۃ علی ما نظمہ ابن الفرس: حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وطریق. درمختار مع الشامی** (۴/ ۴۶۱) اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو رعایا از خود قاضی

بنا ئیگی وہ صاحبِ حکومت نہ ہوگا، لہذا وہ قاضی شرعی بھی نہ ہوگا، عالمگیری میں ہے: **وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضياً يقضي بينهم لا يصير قاضياً .** (۱۶۴/۴) لہذا مسلمانانِ ہند پر واجب ہے کہ وہ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ مسلمان قاضی مقرر کردے جو ان مسائل کو جن میں قضائے قاضی کی شرعاً ضرورت ہے شریعت کے موافق فیصلہ کیا کرے۔ اور ان قاضیوں کے لیے صاحبِ حکومت ہونا ضروری ہے۔

(فتاویٰ خلیلیہ: ۲۵۳/۱، ط: مکتبۃ الشیخ)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: امداد الاحکام: ۴/ ۸۸-۹۶، رسالہ "القول الماضی في نصب القاضی"۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قاضی کی تقرری کا اختیار اور اس کی مطلوبہ صفات:

سوال: قاضی کی مطلوبہ صفات کیا ہیں؟ اگر جنوبی افریقہ میں اسلامی حکومت ہو تو قاضی کو کون مقرر کریگا؟ نیز جب آج کل اسلامی حکومت نہیں ہے تو کیا مسلمانوں کے ذمہ قاضی مقرر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامیہ میں عہدۂ قضا بہت ہی اہم اور بہت نازک عہدہ ہے ہر کس و ناکس اس کا حقدار نہیں ہے بلکہ جس شخص میں مطلوبہ صفات موجود ہوں گی وہی قاضی بننے کا مستحق ہوگا۔

منصبِ قضا سے متعلق وضاحت:

اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق حق کے ساتھ لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینا قضا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲/۷، کتاب آداب القاضی، سعد)۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ قضا فصل خصومات اور قطع نزاعات کا نام ہے۔ (الدر المختار: ۳۵۲/۵، سعید، ولسان الحکام: ۱/ ۲۱۸، الفصل الاول فی آداب القضاء)۔

قاضی کے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ اجماع کے خلاف نہ ہو۔

قاضی کا فیصلہ خبر نہیں بلکہ انشاءِ حکم کے درجہ میں ہوگا۔

اہلیتِ قضا کے لیے ضروری شرطیں:

(۱) عاقل ہونا، کوئی مجنون اور مختل الحواس منصبِ قضا کا اہل نہیں۔

(۲) بالغ ہونا، کسی نابالغ کی تقرری بھی درست نہیں ہے۔

(۳) مسلمان ہونا، غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جا سکتا، اگر قاضی غیر مسلم ہو اور فیصلہ کرے تو نافذ نہیں ہوگا۔

(۴) آزاد ہونا۔

(۵) بینا ہونا۔ کسی نابینا کو قاضی نہیں بنایا جائے گا۔

(۶) بولنے والا ہو اخرس نہ ہو، سننے والا ہو بہرا نہ ہو۔

(۷) حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو۔

قاضی کی مطلوبہ صفات حسب ذیل درج ہیں:

☆ صاحب علم وفضل ہو حلال وحرام اور دیگر ضروری احکام پر اس کی نگاہ ہو۔

☆ کتاب وسنت اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہونا چاہئے، تاکہ واقعات وحوادث میں اچھی طرح فیصلہ کر سکے۔

☆ عربی زبان، اس کی مختلف تعبیرات ومحاورات اور زبان وادب کا ضروری علم ہو۔

☆ جس ملک وعلاقہ میں ہو اس علاقہ کی زبان، معاشرت وعرف، محاورات اور لغت سے آشنا ہو۔

☆ مشورہ لینے میں علماء سے عار نہ کرے۔

☆ صفت عدل سے متصف ہو۔ اصطلاحِ فقہاء میں عادل وہ ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرے، صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔

☆ حسنات صغائر کے مقابلہ میں غالب ہوں۔

☆ محل تہمت سے بچنے والا ہو۔

☆ مزاج میں عجلت نہ ہو۔

☆ بداخلاق نہ ہو۔

☆ کردار کا مضبوط، دانش مند، سمجھدار اور صالح ہو۔

(ملخص از اسلامی عدالت، از قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔ وایضاح النوادر از مفتی شبیر احمد قاسمی)۔

موجودہ دور میں قاضی مقرر کرنے کا اختیار:

ملاحظہ ہو اسلامی عدالت میں اس کے متعلق تفصیل مذکور ہے:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خلافتِ اسلامی ختم ہو چکی اور عالمِ اسلام کو ایک لڑی میں پرو دینے والی مرکزیت فنا ہو چکی تو امارت وخلافت کے فقدان کے بعد تولیتِ قضا کے فریضہ کی انجام دہی کے سلسلہ میں مسلمانوں کے لیے کیا راہ ہے؟ کیا وہ جماعتی زندگی سے متعلق اسلامی احکام معطل کر دیں، اسلام کے نظامِ عدل

کو خوشی خوشی مٹنے دیں، یا شریعتِ اسلامی نے ان مختلف حالات کے لیے کچھ احکام بھی دیے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کے لیے فوضویت اور انتشار کی زندگی کسی حال میں پسند نہیں کرتا، اور نہ احکامِ شریعت سے روگردانی کو کسی حال میں درست سمجھتا ہے، اس لیے یہ تو بہر حال متعین ہے کہ حالات چاہے جیسے کچھ بھی ہوں مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کا فریضہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے، اور مسلمانوں میں قوانین شرع کے نافذ کرنے والے محکمہ شرعیہ کے قیام سے گریز کی کوئی راہ نہیں، اور بقدرِ استطاعت بہر حال امت مکلّف ہے۔

اب اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ مختلف ممالک کے سیاسی حالات کے پیش نظر مسلم ممالک کی جو مختلف قسمیں ہوگئی ہیں انھیں متعین کر کے ان میں تفویض قضا کی صورت معلوم کی جائے۔

۱۔ پہلی اور اصل اسلامی صورت جو شرعاً مطلوب ہے وہ یہی ہے کہ حکومت ''شورائیت'' پر مبنی امارت وخلافت کی صورت میں قائم ہو جو اسلام کے صحیح اجتماعی نظام کی عملی تشکیل ہوگی۔ ایسی صورت میں تفویض قضا کا اختیار امیر وخلیفہ کو ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس ملک پر کسی مسلمان بادشاہ یا مطلق العنان مسلم حکمران کا اقتدار ہو۔ یا ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جس میں عملاً اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس صورت میں مسلم بادشاہ یا مسلم حکمراں کی طرف سے تفویض قضا درست سمجھی جائے گی۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس ملک پر کوئی ایسی مسلم حکومت قائم ہو جو داخلی آزادی کے باوجود کسی دوسری غیر مسلم حکومت کے زیرِ نگیں ہو۔ اس صورت میں مسلم حکمراں کی طرف سے تفویض قضا درست ہوگی جو اگرچہ کسی غیر مسلم اقتدار کے تحت ہو لیکن داخلی امور میں خود مختار ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ ملک پر غلبہ کفار کا ہو چاہے اقتدار کسی غیر مسلم بادشاہ اور مطلق العنان حکمراں کا ہو یا کسی ایسی جمہوری حکومت کا جس میں عملاً اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنا ایک امیر منتخب کر لیں تا کہ وہ جماعتی زندگی گزار سکیں اور اس امیر کی طرف سے تفویض قضا درست ہوگی، نیز اس طرح ممکن حد تک مسلمانوں پر شریعتِ اسلامی جاری ہو سکے گی اور تعطیل احکام شرع نیز انتشار وافتراق کے گناہ سے بچا جا سکے گا۔

اور اگر خدانہ خواستہ مسلمان کسی امیر کے انتخاب پر متفق نہیں اور اربابِ حل وعقد کسی شخص کو قاضی مقرر

کرنے پر اتفاق کرلیں تو یہ بھی درست ہوگا۔ (اسلامی عدالت، جلدِ اول، از ص ۱۷۷ تا ص ۱۷۹، ط: قاضی پبلشرز)۔

دلائل ملاحظہ کیجیے: ۱۔ ثم رأيت في الفتح قال: والذي له ولاية التقليد الخليفة والسلطان الذي نصبه الخليفة وأطلق له التصرف وكذا الذي ولاه السلطان ناحية وجعل له خراجها وأطلق له التصرف فإن له أن يولي و يعزل كذا قالوا . (رد المحتار: ۵/۳۵۵، سعيد).

قال المازري في شرح التلقين: القضاء ينعقد بأحد وجهين أحدهما عقد أمير المؤمنين أو أحد أمراءه ، الذين جعل لهم العقد في مثل هذا، والثاني: عقد ذوى الرأى وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منهم كملت فيه شروط القضاء وهذا حيث لا يمكنهم مطالبة الإمام في ذلك...الخ. (ابن فرحون ،ص ۲۱).

۲۔ ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر. (الدر المختار: ۵/۳۶۸، سعيد).

۳۔ وبلاد الإسلام التي في أيدى الكفرة لا شك أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة ففساق وكل مصر فيه والٍ من جهتهم تجوز فيه إقامة الجمع والأعياد وأخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الأيامى لاستيلاء المسلم عليه وأما إطاعة الكفر فذاك مخادعة . (رد المحتار عن التاتارخانيه: ۵/۳۶۸، سعيد).

۴۔ وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً و يكون هو الذى يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماماً يصلي بهم الجمعة . (رد المحتار نقلاً عن الفتح : ۵/۳۶۹، سعيد).

حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولوا سلطاناً بعد موت سلطانهم كما في البزازية وتمامه فيه قلت: وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضاً . (رد المحتار: ۵/۳۶۸، سعيد)

ظاہر ہے کہ یہ صورت انتہائی مجبوری واضطرار کی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی معاشرہ کسی حال میں قضائے قاضی سے مستغنی نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں پر اس ضرورت دینی کی تکمیل کے لیے اپنی استطاعت بھر کوشش کرنا

فرض ہے۔ پس نظامِ امارت وسیع علاقہ کے لیے قائم کرنا مخصوص حالات کی وجہ سے اگر ممکن نہیں ہو تو محدود اور چھوٹے علاقہ کے علماء و اربابِ حل وعقد جمع ہو کر اپنے لیے قاضی مقرر کر لیں تاکہ مسلمانوں کی یہ دینی ضرورت پوری ہو سکے، تو یہ علماء و اربابِ حل وعقد کی تراضی عام مسلمانوں کی تراضی سمجھی جائے گی اور شرعاً ان حدود کے اندر جن کے لیے وہ قاضی مقرر کیا گیا ہے، قضا منعقد ہوگی اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ (ماخوذ از حاشیہ اسلامی عدالت، جلدِ اول، از ص ۱۷۸ تا ص ۱۸۰، ط: قاضی پبلشرز)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ایضاح النوادر، ص ۱۱۲-۱۴۰، حصہ دوم، ط: مکتبہ علمیہ سہارنپور۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حکم کے فیصلہ کو رد کرنے کا حکم:

سوال: دو آدمیوں نے ایک مولوی صاحب کو کسی جھگڑے میں حکم (فیصل) تسلیم کر لیا، جب حکم نے فیصلہ کر لیا تو ایک فریق نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کیا شرعاً ایک فریق کو انکار کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب دو آدمیوں نے ایک مولانا صاحب کو فیصل تسلیم کر لیا تو جب تک فیصلہ نہ کیا ہو ہر ایک کو رجوع کا حق ہے، لیکن جب مولانا صاحب نے فیصلہ کر دیا، تو اب فریقین میں سے کسی کو رجوع کا حق شرعاً نہیں ہے۔ ہاں فیصل بننے کے وقت یعنی بوقتِ تحکیم اور بوقتِ فیصلہ اہلیتِ قضا شرط ہے، نیز فیصلہ کی بنیاد بینہ واقرار یا انکار پر ہونی ضروری ہے۔

فی زماننا عام طور پر لوگ مولانا صاحب کو فیصل بناتے ہیں لیکن جب فیصلہ ان کے خلاف ہوتا ہے تو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اور کورٹ میں جاتے ہیں، گویا فیصل بنانا ایک مذاق بن جاتا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ بوقتِ فیصلہ کورٹ کا اسٹامپ پیپر استعمال کریں جس پر فریقین کے دستخط ہوں تاکہ بعد میں کسی قسم کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں مرقوم ہے: **وإذا نفذ حكمه لزمهما لصدور حكمه عن ولاية كاملة عليهما فقط لأنه لايكون دون الصلح و بعد ما تم الصلح ليس لواحد أن يرجع .** (فتح القدير: ۳۱۷/۷، دار الفكر).

وفي الاختيار: حكما رجلاً ليحكم بينهما جاز، ولا يجوز التحكيم فيما يسقط بالشبهة ، ويشترط أن يكون من أهل القضاء ،وله أن يسمع البينة ويقضي بالنكول والإقرار،

فإذا حكم لزمهما، ولكل واحد منهما الرجوع قبل الحكم. (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۹۹، بروت).

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۲۶، والدر المختار مع رد المحتار: ۵/۴۲۹، ط: سعيد، والفتاوى الهندية: ۳/۳۹۷، وتبيين الحقائق: ۴/۱۹۳، ط: امداديه، ملتان).

اسلامی عدالت میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رقمطراز ہیں:

ثالث کا فیصلہ اسی فریق کے خلاف نافذ ہوگا جس نے ثالث کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہو، اور فیصلہ سے پہلے پہلے اپنی رضامندی سے رجوع نہیں کیا ہو۔ فیصلہ کے بعد فریقین میں سے کسی کو ثالث کے فیصلہ سے رجوع کا اختیار نہیں ہے۔ (اسلامی عدالت، جلدِ اول ص ۳۳۸، ط: قاضی پبلشرز)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قضا علی الغائب کے نافذ ہونے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ وہ کئی سال سے غائب ہے اور مجھے کچھ خرچ نہیں دیتا، اس لیے میں تفریق چاہتی ہوں، اگر اس صورت میں قاضی شوہر کے خلاف کچھ فیصلہ کرے گا تو وہ قضا علی الغائب ہے، کیا احناف کے نزدیک قضا علی الغائب جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قضا علی الغائب کی صورت میں قاضی غائب کی طرف سے کسی شخص کو مقرر کرے گا، اور غائب کا قائم مقام سمجھ کر کارروائی کرے گا، اصطلاحِ فقہاء میں اس کو وکیل مسخر کہتے ہیں، اس صورت میں فیصلہ نافذ ہو جائے گا، لیکن اگر قاضی نے وکیل مسخر مقرر نہیں کیا تب بھی قاضی کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ قضا علی الغائب کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

قال في المجلة: الوكيل المسخر هو الوكيل المنصوب من قبل الحاكم للمدعى عليه الذي لم يمكن إحضاره بالمحكمة. (المجلة، ص ۳۶۵، المادة: ۱۷۹۱). (وكذا في رد المحتار: ۵/۴۱۵، سعيد).

قال في الهداية: وإذا كان كذلك يتضمن الحكم به قضاء على الغائب وأنه لا يجوز إلا إذا رآه القاضي وقضى به لأنه مجتهد فيه ثم ما كان يخاف عليه الفساد يبيعه القاضي لأنه تعذر عليه حفظ صورته ومعناه فينظر له بحفظ المعنى. (الهداية: ۲/۶۲۰، كتاب المفقود).

قال في فتح القدير: إذا رأى القاضي المصلحة في الحكم للغائب وعليه فحكم فإنه

ینفذ لأنه مجتهد فیه . (فتح القدیر: ۱۴۲/۶، دار الفکر).

قال في الفقه الحنفي في ثوبه الجدید: ولو رأی القاضي مصلحة في الحکم للغائب وعلیه فحکم فإن حکمه ینفذ ؛ لأن القضاء علی الغائب أمر مجتهد فیه لما مر معنا في حدیث عائشةؓ أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قضی علی أبي سفیان وهو غائب وقال لزوجته: خذي ما یکفیک وولدک بالمعروف، الخ. (الفقه الحنفي في ثوبه الجدید: ۱۴۲/۳).

اسلامی عدالت میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب رقمطراز ہیں: اگر مدعیٰ علیہ مقدمہ کی اطلاع ملنے کے باوجود حاضری سے گریز کرے تو اسے رفعِ الزام سے عاجز تصور کرتے ہوئے قاضی مقدمہ کی سماعت کرے گا اور فیصلہ بھی۔ اور قاضی ایسے مدعا علیہ کی طرف سے جسے حاضر کرنا ممکن نہ ہو، کسی ایسے شخص کو اس کی طرف سے اظہارِ حق کے لیے طلب کرے گا، جس کے بارے میں امید ہو کہ وہ مدعا علیہ کے مفادات کی حفاظت کرے گا۔ اسے اصطلاحِ فقہاء میں وکیل مسخر کہا جاتا ہے۔ (اسلامی عدالت، جلدِ اول ص ۳۸۳، ط: قاضی پبلشرز)۔

ملاحظہ: اسلامی عدالت کے حاشیہ میں قضا علی الغائب کے مسئلہ پر از ص ۳۸۳ تا ۳۹۵ تفصیل سے بحث فرمائی ہے اس کی طرف مراجعہ بھی سودمند ہے۔

جدید فقہی مسائل میں مرقوم ہے:

اگر مدعا علیہ غائب ہو اور اس کا کوئی پتہ نہ چل پاتا ہو یا اس کے پاس مدعی کے دعویٰ کی بابت اطلاع دینا اور رفع الزام کے لیے طلب کیا جانا ممکن نہ ہو، لیکن اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اور بہی خواہ جس سے اس کے حقوق کے تحفظ کی امید کی جاسکتی ہو، موجود ہو تو طلب کیا جائے، اس کی حیثیت مدعا علیہ کی طرف سے پیروکار کی ہوگی...

ہر چند کہ فقہاء متقدمین صرف پانچ ہی قسم کے مقدمات میں وکیل مسخر مقرر کرنے کی اجازت دیتے تھے، لیکن حصکفیؒ نے متأخرین کا رجحان اس طرح نقل کیا ہے: **فالمتأخرون أن القاضي ینصب وکیلاً في الکل وهو قول الثاني.** متأخرین کی رائے ہے کہ قاضی تمام مقدمات میں کسی کو وکیل مقرر کردے گا اور یہی ابو یوسفؒ کا خیال ہے۔ پس حصکفیؒ کی اس صراحت اور موجودہ حالات کے پس منظر میں:

۱۔ اگر مدعا علیہ غائب ہو اور اس کا پتہ نہ چلتا ہو تو ہر زمانہ کے معروف طریقہ تشہیر وابلاغ کے ذریعہ مدعا علیہ کے خلاف کیے جانے والے دعویٰ کی تشہیر کی جائے اور اس کو رفع الزام کے لیے بلایا جائے۔

۲۔ اگر مدعا علیہ موجود ہو مگر چھپا پھرتا ہو اور دار القضا کی نوٹس اس تک پہنچانی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں

بھی وکیل مسخر کا سہارا لیا جائے، علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ چھپ جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وکیل مسخر سے حلف لے کر مقدمہ کی کاروائی جاری رکھی جائے گی، نیز یہ بھی صراحت کی ہے کہ متأخرین فقہاء کا اسی پر عمل ہے۔ ۳۔اگر مدعا علیہ کو پیشگی اطلاع دے دی جائے اور اس کے باوجود وہ رفع الزام سے گریز کرے یا دار القضا کے ذریعہ دی جانے والی نوٹس کو قبول نہ کرے تو رفع الزام سے گریز کی یہ صورتیں نکول عن الحلف کے حکم میں ہوں گی اور اس کی بنیاد پر قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔(جدید فقہی مسائل:۱/۴۵۰-۴۵۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتاب القاضی الی القاضی کا حکم:

سوال: کتاب القاضی الی القاضی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ مثلاً: جوہانسبرگ میں ایک شخص کسی دوسرے شخص پر دعویٰ کرتا ہے لیکن یہ دوسرا شخص دربن میں ہے اور دونوں کو جمع کرنا بھی ممکن نہیں ہے یا مشکل ہے، اور مدعی گواہوں کو قاضی کے پاس لے جا کر گواہی ادا کرادے، تو قاضی ان کی گواہی قبول کر کے ایک خط میں لکھدے کہ میں نے گواہوں کی گواہی کے بعد یہ فیصلہ فلاں شخص پر کیا ہے آپ اسے نافذ کیجیے، اور یہ خط دربن والے قاضی کی طرف روانہ کردے تو دربن والا قاضی اس پر فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس خط کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذہبِ احناف کی ظاہر الروایہ کے مطابق منقولات میں ایسے خط کا اعتبار نہ ہوگا، لیکن فی زماننا مفتی بہ قول یہ ہے منقولات میں بھی اس کا اعتبار ہے اور اس کے مطابق فیصلہ ہوسکتا ہے۔

فتح القدیر میں مرقوم ہے:

ولا يقبل فی الأعيان المنقولة كالحمار والثوب والعبد للحاجة إلى الإشارة فيها ... وعن محمدؒ أنه يقبل في جميع ما ينقل من الدواب والثياب والإماء وعليه المتأخرون ونص الاسبيجابيؒ على أن الفتویٰ عليه وبه قال مالكؒ وأحمدؒ والشافعيؒ في قول. (فتح القدير: ۷/ ۲۸۸، دار الفكر).

البنایہ فی شرح الہدایہ میں مذکور ہے:

وقال في شرح الطحاوي: وقال ابن أبي ليلى يقبل في جميع ذلك أی يقبل كتاب القاضي إلى القاضي فی المنقول وغيره ثم قال فيه والفتویٰ على هذا لتعامل الناس . (البناية فی شرح الهداية :۳/۲۸۳).

درمختار میں ہے: **القاضي يكتب إلى القاضي في كل حق...وفی الشامی: قوله كل حق، من نكاح وطلاق وقتل موجبة مال وأعيان ولو منقولة وهو المروی عن محمد وعليه المتأخرون وبه يفتى للضرورة.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/۴۳۲،سعید).

(وكذافى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۳/۲۰۹،والفتاوى الهندية: ۳/۳۸۱،ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۲/۱۶۵،والبحرالرائق: ۷/۲،وتبيين الحقائق: ۴/۱۸۴).

اسلامی عدالت میں مرقوم ہے:

سماعتِ مقدمہ اور فیصلہ کے دوران دوحلقوں کے قضاۃ کے مابین مراسلت، کاروائی کی تکمیل، فیصلہ یا فیصلہ کی تنفیذ کے لیے مسلیں بھیجنے کی ضرورت پیش آتی ہے،ان مسلوں اور قاضی کی بھیجی ہوئی تحریروں کو دوسرا قاضی کن شرائط کے ساتھ قبول کرسکتا ہے۔

حدود وقصاص کے علاوہ تمام امور کے بارے میں ایک قاضی کی بھیجی ہوئی تحریر اور مسل دوسرے قاضی کے نزدیک معتبر ہوگی اور حکم کی بنیاد بن سکے گی۔...قاضی جو کاغذات دوسرے قاضی کے پاس اپنے فیصلہ کی تنفیذ یا فیصلہ کرنے کے لے بھیجے،ضروری ہے کہ اس کے لیے انتہائی محتاط اور قابل اعتماد ذریعہ اختیار کرے۔

کتاب القاضی کی قبولیت کے لیے یہ کافی ہے کہ قاضی مکتوب الیہ قاضی کاتب کے دستخط اور اس کی مہر پہچانتا ہو اور اسے اطمینانِ قلبی حاصل ہوجائے کہ یہ قاضی کاتب کی بھیجی ہوئی تحریر ہے اور اس میں کوئی جعل نہیں ہے۔اگر قاضی مکتوب الیہ کو ذرا بھی شک ہو تو اسے یا تو خود قاضی کاتب کو طلب کرلینا چاہیے یا پھر دو معتبر شہادتیں طلب کرنا چاہیے۔

آج کے دور میں ڈاک کے ذریعہ کاغذات کی ترسیل کسی جعل سازی کے امکانات کو نسبۃً کم سے کم تر کردیتی ہے،اور اسی میں سہولت بھی ہے، ورنہ ہر مسل کے بھیجنے کے لیے دو گواہوں کا بھیجنا طویل خرچ کا باعث ہوگا،لہذا رجسٹرڈ یا انشورڈ ڈاک کے ذریعہ باضابطہ دستخط اور مہر کے ساتھ جو اندر کاغذات پر بھی ہو اور لفافہ پر، بھیجنا معتبر ہونا چاہیے۔البتہ اگر قاضی مکتوب الیہ کو اس میں کوئی شک ہو تو وہ قاضی اول سے اپنے شک کو دور کرسکتا ہے۔(اسلامی عدالت مع الحاشیہ،جلدِ اول،ص۴۲۵،۴۲۸)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (جدید فقہی مسائل،جلدِ اول،ص۴۵۳۔۴۵۵،واسلامی عدالت، جلدِ اول کا حاشیہ از ص۴۲۸ تا ۴۳۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۶ سال کے بعد دعویٰ نہیں سنا جائے گا:

سوال: ایک شخص کے والد صاحب نے تقریباً ۵۷ سال پہلے ایک زمین خریدی ، یہ زمین بعض وجوہات کی بناپر مشتری کے نام زد نہیں ہوئی تھی ، کاغذات میں بائع کا نام درج ہے، مشتری نے اس پر مکان بنایا۔ پھر ۵۷ سال بعد بائع کے ورثہ نے مشتری کے ورثہ پر دعویٰ کر دیا کہ یہ زمین ہماری ہے، آپ مکان کی قیمت لے کر یہاں سے چلے جائیں ، بائع ومشتری دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ اُس زمانہ میں زمین کی قیمت تقریباً سو روپے تھی لیکن اب اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ کیا اتنی مدت کے بعد زمین پر دعویٰ سنا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھے اور باوجود قدرت کے اور عدمِ عذر کے ۳۶ سال تک دعویٰ نہ کرے تو پھر اس لمبی مدت کے بعد دعویٰ نہیں سنا جائیگا۔ بنابریں صورتِ مسئولہ میں بائع کے ورثہ نے مشتری کو ایک طویل زمانہ تک تصرف کرتے دیکھا اور قدرت کے باوجود کوئی دعویٰ نہیں کیا تو اب ان کا دعویٰ نہیں سنا جائیگا۔ ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زماناً في أرض ورجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده فتترك على يد المتصرف... ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس فى الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعوىٰ ثلاثاً وثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لاتسمع دعواه لأن ترك الدعوىٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً ،ومثله فى البحر وفى جامع الفتاوىٰ .

وقال المتأخرون من أهل الفتوىٰ لا تسمع الدعوى بعد ست وثلاثين سنة إلا أن يكون المدعي غائباً أو صبياً أو مجنوناً ليس لهما ولي أوالمدعى عليه أميراً جائراً يخاف منه كذا فى الفتاوىٰ العتابية . (فتاوى الشامي: ٦/ ٧٤٢،سعيد).

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

شرعاً تین سال کے بعد عدمِ سماعِ دعویٰ کی کوئی وجہ نہیں ، یہ مدت گزرنے کے بعد بھی دعویٰ سنا جائیگا، البتہ حضراتِ فقہائے کرامؒ نے چھتیس (۳۶) برس تک بدونِ عذر دعویٰ دائر نہ کرنے کی صورت میں عدمِ سماع کا فیصلہ فرمایا ہے، وہ بھی اس لیے کہ اتنی طویل مدت تک بدونِ عذر خاموش رہنا مدعی کے کاذب ہونے کی دلیل ہے

لہٰذا اگر اس کا یقین ہو جائے کہ مدعی کا واقعۃً حق ہے تو چھتیس برس گزرنے کے بعد بھی اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

قال في الأشباه : إن الحق لا يسقط بتقادم الزمان . (احسن الفتاویٰ:۷/۲۱۲)۔

امداد الاحکام میں بحوالہ شامی چند قیود مرقوم ہیں:

۱۔ مدعی کا حال ،صلاح بخوبی معلوم نہ ہو، اگر وہ معروف بالصلاح ہو، اور حیلہ تزویر کا احتمال اس پر نہ ہوتو دعویٰ بہر حال مسموع ہے۔

۲۔ تاخیر کے لیے کوئی عذر قوی نہ ہو، اگر عذر قوی موجود ہوتو، دعویٰ بہر حال مسموع ہوگا۔

۳۔ مدعی علیہ دعوی مدعی کا منکر ہو، اگر وہ مقر ہے تو دعویٰ مسموع ہے۔ گو کتنی مدت گزر جائے۔ (ملخص از امداد الاحکام:۴/۱۰۰)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: (فتاویٰ حقانیہ:۵/ ۴۰۹، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ اول، ص ۶۵۸، ط: دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حکومتی کاغذات میں اندراج سے ثبوتِ ملک کا حکم:

سوال: ایک شخص کے پاس زمین کے کاغذات موجود ہیں، لیکن گواہ وغیرہ موجود نہیں ہیں، تو حکومتی کاغذات ملکیت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حکومتی کاغذات ملکیت کے ثبوت کی دلیل ہے، اگر چہ کوئی گواہ وغیرہ موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

مطلب في العمل بما في الدفاتر السلطانية : وذكر العلامة البعلي في شرحه على الأشباه أن للشارح العلامة الشيخ علاء الدين رسالة حاصلها بعد نقله ما في الأشباه وأن ابن الشحنة وابن وهبان جزما بالعمل بدفتر الصراف ونحوه لعلة أمن التزوير كما جزم به البزازي والسرخسي وقاضيخان. قال:إن هذه العلة في الدفاتر السلطانية أولى كما يعرفه من شاهد أحوال أهاليها حين نقلها إذ لا تحرر أولاً إلا باذن السلطان... ثم تعرض على المتولى لحفظها المسمى بدفتر أميني فيكتب عليها ثم تعاد أصولها إلى أمكنتها المحفوظة بالختم فالأمن من التزوير مقطوع به وبذلک كله يعلم جميع أهل الدولة والكتبة فلو وجد في الدفاتر أن المكان الفلاني وقف على المدرسة الفلانية مثلاً يعمل به من غير بينة و

بذلک يفتي مشايخ الإسلام كما هو مصرح به فی بهجة عبد اللّٰه أفندي وغيرها فليحفظ .

قلت: ويؤيده العمل بما في دواوين القضاة الماضين وكان مشايخ الإسلام المولين فی الدولة العثمانية أفتوا بما ذكر إلحاقاً للدفاتر السلطانية بدواوين القضاة المذكورة لاتحاد العلة فيهما، واللّٰه سبحانه أعلم. (فتاوی الشامی : ۵/ ۴۳۵و ۴۳۶،سعید).

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

وعليه فما يوجد في دفاتر التجار في زماننا إذا مات أحدهم وقد حرر بخطه ما عليه في دفتره الذي يقرب من اليقين أنه لا يكتب فيه على سبيل التجربة والهزل يعمل به والعرف جار بينهم بذلک، فلم لم يعمل به لزم ضياع أموال الناس إذ غالب بياعاتهم بلا شهود ، فلهذه الضرورة جزم به الجماعة المذكورون و أئمة بلخ كما نقله فی البزازية ، وكفى بالإمام السرخسي وقاضيخان قدوة . (تنقيح الفتاوی الحامدية: ۲/ ۳۴،كتاب الدعوی،ط: بيروت).

(وكذا فی رسائل ابن عابدين : ۲/ ۱۴۴ ،ط:سهيل اكيڈمی).

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

امام سرخسیؒ ،امام قاضیخانؒ اور علامہ بزازی جیسے جلیل القدر فقہاءؒ نے سرکاری ریکارڈ کو بلا شہود بھی حجت معتبرہ قرار دیا ہے، کما صرح به العلامة ابن عابدین فی رسالته نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ...(احسن الفتاویٰ: ۷/ ۲۱۶)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے: جب کہ وہ زمین زید کے نام سے اور سرکاری کاغذات میں خانہ ملکیت میں اس کا نام درج ہے تو اس کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶/ ۴۵۷، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر مسلم ممالک میں قاضی کے ذمہ تنفیذِ احکام کا حکم:

سوال: کیا غیر مسلم ممالک میں قاضی کے ذمہ صرف انشاء یعنی فیصلہ دینا ہے یا ساتھ ساتھ تنفیذ بھی اس کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قاضی شرعی اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عائلی اور نزاعی معاملات کے تصفیہ کے لیے امیر اور والی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔ قوۃِ منفذہ قاضی شرعی کی صفتِ لازمہ یا جزء لاینفک

نہیں ہے، اگر حاکم کسی شئی کا حکم کرتا ہے تو مامور پر اس کا امتثال واجب ہوجاتا ہے، یہ نہیں کہ اس کا حکم نافذ اور جاری ہوجاتا ہے، عدمِ امتثال سے گنہگار ہوجاتا ہے، اور قاضی شرعی حکم کی تنفیذ نہیں کرتا بلکہ نفس الامر میں ثابت شدہ حکم کو" **قضيت**"، "**حكمت**" "**أنفذت**" "**ألزمت عليك القضاء**" کے الفاظ کے ذریعہ سے معرض ظہور میں لاتا ہے اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دلا دینا قاضی کے مفہوم میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ امر آخر ہے، جس کی اصل ذمہ دار حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ ہوتا ہے۔

قال في الدر المختار: نعم أمر الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً فيه نفذ أمره، كما في سير التتارخانية وشرح السير الكبير فليحفظ. وقال الشامي: فقول الشارح نفذ أمره بمعنى وجب امتثاله تأمل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۴۰۹، سعيد، والدر المختار: ۱/۷۶، سعيد).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فالمراد بإلزام التقرير التام وفى الظاهر فصل احترز به عن الإلزام في نفس الأمر لأنه راجع إلى خطاب الله تعالىٰ وعلى صيغة مختصة أى الشرعية كألزمت، وقضيت وحكمت وأنفذت عليك القضاء وبأمر ظن لزومه الخ، فصل عن الجور والتشهى ومعنى فى الظاهر أى الصورة الظاهرة إشارة إلى أن القضاء مظهر فى التحقيق للأمر الشرعى لا مثبت. (فتاوى الشامى: ۵/۳۵۲، سعيد).

نیز علامہ شامیؒ ایک صفحہ کے بعد تنفیذ کی بحث میں ایک عبارت ایسی نقل فرماتے ہیں کہ جس سے سارے شبہات دور ہوسکتے ہیں:۔ **وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعى.**

(فتاوى الشامى: ۵/۳۵۳، سعيد).

اس عبارت سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ قضا ایک مستقل امر ہے اور تنفیذ ایک امر آخر ہے کہ قاضی کے فیصلہ کردینے کے بعد اس فیصلہ شدہ حکم کے مطابق ظالم پر مظلوم کا حق ادا کرنے کو حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ جبراً نافذ و جاری کرسکتا ہے۔ (ملخص از ایضاح النوادر، حصہ دوم، از ص ۷۱ تا ۷۹، ط: مکتبہ علمیہ سہارنپور)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ کا زمانہ:

سوال: خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ حضرت علیؓ کے زمانہ تک تھی یا حضرت حسنؓ پر ختم ہوئی، پھر اس

کے بعد خلافت تھی لیکن علی منہاج النبوۃ نہیں تھی تو دونوں میں کیا فرق تھا؟ جبکہ احکامِ شرعیہ دونوں میں نافذ تھے، اور عدل وانصاف میسر تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ تیس سال تک رہی اس کا زمانہ حضرت حسنؓ کی خلافت کے اختتام پر ختم ہوجاتا ہے۔ ترتیبِ خلافت اور زمانہ خلافت درجِ ذیل ہے:

۱۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت: ۲ سال،۳ ماہ۔

۲۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت: ۱۰ سال ۶ ماہ۔

۳۔حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت: ۱۲ سال۔

۴۔حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت: ۴ سال ۹ ماہ۔

خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ کا تتمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت: ۶ ماہ۔

لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً خلفاء راشدین آتے رہیں اور علی منہاج النبوۃ امورِ خلافت انجام دیتے رہیں، جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ۔

خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ اور بعد والی خلافت کے درمیان فروق درجِ ذیل ہیں:

۱۔ خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ میں خلیفہ انتہائی سادگی اور گزارہ کر کے زندگی بسر کرتا تھا، بعد میں یہ حالت نہیں رہی۔

۲۔اپنے لیے مال ودولت کا ذخیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ بیت المال کا مال بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے، بعد میں حالت بدل گئی۔

۳۔ خلافتِ راشدہ علی منہاج النبوۃ میں خلفائے راشدین صراحۃً مبشر بالجنہ تھے اور مہاجرین سابقین اولین میں سے تھے۔

۴۔ خلافتِ راشدہ میں کسی خلیفہ نے اپنے بیٹے یا قریبی رشتہ دار کو اپنا جانشیں نہیں بنایا بعد میں حالات کی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت نہ رہی۔

۵۔ خلافتِ راشدہ میں کسی خلیفہ نے اپنے لیے باڈی گارڈ اور حفاظت کا انتظام نہیں کیا، بعد میں حالات کی وجہ سے اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

تیس سال خلافت والی حدیث ملاحظہ فرمائیں ابوداود شریف میں ہے:

عن سفينة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يؤتى الله الملك أو ملكه من يشاء ". (سنن ابی داود، رقم: ۴۶۴۶).

بذل المجهود کی تعلیق میں مرقوم ہے:

فإن أبابكر رضي الله عنه بويع له بعد وفاته صلى الله عليه وسلم في أولى الربيعين سنة ١١ هـ، وتوفي رضى الله تعالىٰ عنه في جمادى الأولى سنة ١٣ هـ، كما فى التقريب (٣٤٩٠). وجزم السيوطي في تاريخ الخلفاء (ص٩٣.٩٤) **بجمادى الأخرى، فبويع لعمر رضي الله عنه باستخلاف من الصديق الأكبر، ثم توفى رضى الله تعالىٰ عنه، واستشهد في ذى الحجة سنة ٢٣هـ ، وولى الخلافة عشر سنين ونصفاً ،كما فى التقريب** (٤٩٢٢)**، فبويع لعثمان رضي الله عنه ، ثم استشهد في ذى الحجة سنة ٣٥هـ،"التقريب"** (٤٥٣٥)**، وولى ثنتى عشرة سنة ، فبويع لعلي رضي الله عنه ، ثم استشهد رضي الله عنه في رمضان سنة ٤٠هـ ،"التقريب"** (٤٧٨٧).

وتوفي الإمام الحسن رضي الله عنه شهيداً بالسم سنة ٤٩هـ ، وقيل: سنة ٥٠هـ ، وقيل بعدها، كذا فى التقريب (١٢٧٠) **وقال السيوطي في تاريخ الخلفاء**(ص٢١٧،٢١٨)**: ولى الحسن الخلافة بعد قتل أبيه بمبايعة أهل الكوفة ، فأقام فيها ستة أشهر وأياماً ، ثم سار إليه معاوية رضي الله عنه** . (تعليق بذل المجهود:١٣/ ٥٨،باب فى الخلفاء ،ط: دارالبشائر الاسلامية).

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

بارہ خلیفوں والی روایات صحیح ہیں مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلیفوں تک اسلام کی قوت وشوکت قائم رہنے کی خبر دی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ بارہ خلیفہ خلفائے راشدین ہوں گے، خلافتِ راشدہ یا خلافتِ نبوت کی مدت تو تیس ۳۰ سال تک بیان فرمائی ہے۔ (کفایت المفتی :۱/۱۴۰،ط: دارالاشاعت)۔

اسلامی عقائد میں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد لکھتے ہیں:

اگر حکومت کا ملکی وملی نظام منہاجِ نبوت پر ہو تو ایسی حکومت کو خلافتِ راشدہ کہتے ہیں ،اس لیے کہ جو حکومت سراسر منہاج (طریق) نبوت پر ہوگی وہ یقیناً راشدہ (سراپا رشد وہدایت) ہوگی، اور خلیفہ راشد وہ ہے جو علم اور عمل صالح اور پرہیز گاری وتقویٰ میں نبی کا نمونہ ہو، ظاہر میں حکمران اور باطن میں اعلیٰ درجہ کا ولی ہو اور اس کی ولایت نبی کی نبوت کا عکس ہو پس جس تن اور بدن میں حکمران اور ولایت دونوں جمع ہو جائیں تو وہ تن اور بدن

خلیفہ راشد ہے، اگر حکومت کا نظم نسق منہاجِ نبوت پر نہ ہو تو اگر اس میں عدل وانصاف اور امانت ودیانت غالب ہو تو وہ حکومت، حکومتِ عادلہ کہلائے گی، ورنہ حکومتِ ظالمہ اور جابرہ کہلاوے گی۔ (اسلامی عقائد، ص۲۰۸، از ڈاکٹر مفتی عبدالواحد)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: (تاریخ ملت: ۱/ ۱۴۸، وتاریخ اسلام، ازمولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، جلدِ اول ص ۵۴۰۔۵۴۳، تحفۃ الاحوذی: ۶/ ۴۷۷، ط: دارالفکر، وفتاویٰ عزیزی، ص۲۵۳، وتحفۃ الالمعی: ۵/۵۹۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنے کا حکم:

سوال: اگر شوریٰ کے ارکان اور چیرمین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو متولی کی بات مانی جائے گی یا ارکان کے اکثریت کی؟ کیا کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا مغربی تہذیب کی تقلید ہے؟ بعض دیندار لوگ اس کو غیر اسلامی طریقہ بتلاتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱۔ اگر شوریٰ کے بارے میں اس کے منشور میں لکھا ہو کہ اکثریت کے ساتھ فیصلہ ہوگا اگرچہ چیرمین کی رائے کے خلاف ہو تو منشور کے مطابق فیصلہ ہوگا، اس لیے کہ شریعت اکثریت کا احترام کرتی ہے اور ''للأکثر حکم الکل'' کا قاعدہ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد امیر کے انتخاب کے لیے شوریٰ کی اکثریت کے فیصلے کو مدار اور اساس بنایا۔

۲۔ اور اگر دستور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر چیرمین کا فیصلہ اکثریت کے خلاف ہو تو پھر بھی تسلیم کیا جائے گا، تو اسی پر عمل ہوگا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد منکرین ادائے زکوٰۃ کے قتال اور جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے بھیجنے کا فیصلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اصحاب الرائے کی رائے کے خلاف کیا اور اس کو تسلیم کیا گیا اور اس کا اچھا نتیجہ نکلا۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ مرتدین اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ اور جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے از خود فیصلہ فرمایا تھا صحابہ سے استصوابِ رائے ہمیں معلوم نہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں قافلہ کے پیچھے جانے کا مشورہ لیا صحابہ نے فرمایا: ہم آپ کے ساتھ ہیں، بدر میں مقامِ نزول کے بارے میں مشورہ لیا اور اس پر عمل ہوا، احد میں مشورہ لیا اور اس پر عمل ہوا، خندق میں مشورہ لیا اس پر عمل ہوا، خندق میں احزاب کو مدینہ کی کھجوروں کا ایک ثلث دینے کے بارے میں مشورہ لیا صحابہ

نے اس کو پسند نہیں کیا، اسی پر عمل ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعات ''وشاورهم في الأمر'' کے ذیل میں لکھے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۵۳۔۴۵۴، ط: مکتبۃ دار السلام)۔

اور آیتِ کریمہ: ﴿وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ امیر کے پکے ارادہ کے نتیجہ میں کام کیا جائے۔ اگرچہ آیتِ کریمہ کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر امیر نے اپنی رائے تبدیل کر لی اور کسی کام کا عزم کر لیا جیسے غزوۂ احد میں صحابہ کی رائے پر مدینہ سے باہر نکلنے کا عزم کر لیا پھر اکثریت کی رائے بدل گئی کہ یا رسول اللہ آپ اپنی رائے پر عمل فرمائیں تو عزم کے بعد توکل کر کے عمل کیجیے دوبارہ رائے تبدیل نہ فرمائیں۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مشورہ کے نتیجے کو نافذ کرنے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کریں مشورہ پر اعتماد نہ کریں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عزم کی یہ تفسیر مروی ہے: '' مشاورة أهل الرأي ثم أتباعهم''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۵۴)۔

اگر دستور میں چیرمین کی رائے کو حرفِ آخر لکھا ہو تو قانون کی اس شق کی وجہ سے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے مگر اصل قانون اکثریت کے لینے کا ہونا چاہیے۔

۳۔ اور اگر دستور میں اس شق کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا گیا، اور اکثریت ایک طرف ہے اور امیر دوسری طرف تو پھر اکثریت کے فیصلہ کو لینا چاہیے، اس مسئلہ پر رسالے لکھے گئے ہیں، امید ہے کہ مذکورہ بالا کلام جامع اور مفید ثابت ہوگا۔ مسئلہ بالا کے چند دلائل وشواہد ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ ﴿ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم ولا خمسة إلا هو سادسهم ولا أدنى من ذلك ولا أكثر إلا هو معهم أين ما كانوا﴾ [المجادلة]. کے تحت روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وقد يقال: إن التناجي يكون في الغالب للشورى وهي لا تكون إلا بين عدد وأهلها قليلو العدد غالباً، والأليق أن يكون وتراً من الأعداد كالثلاثة والخمسة والسبعة والتسعة ليتحقق عند الاختلاف طرف يترجح بالزيادة على الطرف الآخر فيترجح إليه دونه كما هو العادة اليوم عند اختلاف أهل الشورى. (روح المعانی: ۲۸/۲۴). (وکذا فی تفسیر المظہری: ۹/۲۲۱).

تفسیر عثمانی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

تنبیہ: مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورتِ اختلاف ترجیح دشوار ہوتی ہے، اسی لیے عموماً

معاملاتِ مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں، اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ، شاید اس لیے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے ’’ولا أدنی من ذلک ولا أکثر‘‘ سے تعمیم فرمادی، باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لیے ہوگا کہ اس وقت یہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے، جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا، نیز خلیفہ کا انتخاب ان ہی چھ میں سے ہورہا تھا تو ظاہر ہے کہ جس کا نام آتا، اس کے سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں، پھر بھی احتیاطاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصورتِ مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (فوائد عثمانی، ص۷۰۲، سورۂ مجادلہ)۔

چند احادیث بطورِ استشہاد ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج الإمام الطبراني فی ”الأوسط“ (۱۷۲/۲) **عن علي رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللّٰہ! إن نزل بنا أمر لیس فیه بیان أمر ولا نهی، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون الفقهاء والعابدین، ولا تمضوا فیه رأي خاصة. قال الهیثمی: ورجاله موثقون من أهل الصحیح.** (مجمع الزوائد: ۱۷۸/۱، باب فی الإجماع، دارالفکر)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول اگر کوئی حادثہ پیش آجائے اور اس کے بارے میں کوئی صریح حکم نہ ہو تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل علم اور پرہیزگار لوگوں کو جمع کرکے مشورہ کریں کسی ایک خاص رائے پر فیصلہ نہ کریں۔ علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا: اس روایت کے راوی سب ثقہ ہیں۔

(۲) أخرج الإمام ابن ماجه (۲۸۳، باب سواد الأعظم) **عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول: سمعت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ، یقول: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، یقول: إن أمتي لاتجتمع علی ضلالة، فإذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الأعظم.** یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری پوری امت گمراہی کے دروازے پر نہیں پہنچ سکتی، لہذا جب تم اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے۔ **عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لن تجتمع أمتي علی الضلالة أبداً، فعلیکم بالجماعة فإن ید اللّٰہ علی الجماعة.** (اخرجه الطبرانی فی الکبیر: ۴۴۷/۱۲، رجاله رجال الصحیح).

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان اپنے رسالہ ''اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام'' میں لکھتے ہیں:

اکثریت کی رائے پر عمل ، اختلافی مسئلہ کا دوسرا حل کہ رئیس مملکت اکثریت کی رائے کو خواہ وہ اس کی اپنی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، قبول کرلے ، یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے عین مطابق ہے جو غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین سے شہر سے باہر نکل کر یا اندر محصور ہو کر لڑنے کے سوال پر آپ نے اختیار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے شہر میں رہ کر لڑنے کے حق میں تھی ، مگر اس کے باوجود آپ نے اکثریت کی اس رائے کو قبول کیا کہ مشرکین سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے ، کیونکہ اکثریت خیر و بھلائی کا منبع ہوتی ہے اور اس کے برسر صواب ہونے کا نسبتاً زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اگرچہ محض اکثریت کا کسی ایک طرف ہونا اس کے صحیح ہونے کی کوئی قاطع دلیل نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اکثریت غلط اور اس کے مقابلے میں اقلیت کی رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے۔ (اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام، ص ۷۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی فتویٰ مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو:

دینی مدارس کی مجلس شوریٰ میں جو مسائل پیش ہوتے ہیں، ان میں تفصیل ہے:

۱۔ ایسے مسائل جن میں نص موجود ہو، وہاں عمل کے لیے نص متعین ہے۔

۲۔ ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور ان میں دو پہلو ہیں: الف: جلبِ منفعت ، باء: دفعِ مضرت وہاں دفعِ مضرت کی رعایت غالب رہتی ہے۔

۳۔ ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور دفعِ مضرت کا ضابطہ بھی رہنما و کارفرما نہیں، جیسے: دو شخصوں میں کس کو مہتمم بنایا جائے ، یا کس کو صدر مدرس تجویز کیا جائے ، یا مطبخ کے لیے سامان کس دوکان سے خریدا جائے ، یا طلبہ کتنی تعداد میں داخل کیے جائیں ، یا امتحان کن تاریخوں میں لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور ارکانِ شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہو لیکن سب ارکان اس بات پر متفق ہوجائیں کہ معاملہ صدر محترم کی صوابدید اور شرحِ صدر کے سپرد کردیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ اگر صدر صاحب کا شرحِ صدر نہ ہو تو کثرتِ رائے پر عمل کرلیا جائے ، یہ بھی درست ہے۔

۴۔ جس رائے پر متفق ہو کر ارکانِ شوریٰ اجماع کرلیں اور صدرِ محترم کی رائے ان سب کی متفقہ رائے کے خلاف ہو تو صدرِ محترم اپنی رائے پر اصرار نہ کریں۔

زید کا یہ خیال کہ: یہ کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا کلیۃً مغربیت ہے، غیر دینی طریقہ ہے، انگریزوں کی

تقلید و پیروی ہے، کسی حال میں درست نہیں، اس کو دینی اداروں سے خارج کر دیا جائے“ صحیح نہیں۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ولی عہد بنانے کا مسئلہ آیا اور چند حضرات کے نام پیش کیے گئے جن کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ آپ ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے (ہر شخص میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے، کچھ کمزوری بھی ہوتی ہے) تو آپ نے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ مجلس شوریٰ بنادی کہ وہ انتخاب کرلے اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے پر عمل کرنے کی سخت تاکید فرمادی:

عن عمرو بن ميمون الأودي قال: قال عمر رضي الله عنه حين طعن لصهيب: صل بالناس ثلاثاً وليدخل علي عثمان وعلي وطلحة والزبير وسعد وعبدالرحمن بن عوف، وليدخل ابن عمر في جانب البيت، وليس له من الأمر شيء فقم يا صهيب! على رؤوسهم بالسيف وإن بايع خمسة ونكص واحد، فاجلد رأسه بالسيف، وإن بايع أربعة ونكص رجلان فاجلدوه سهماً حتى يستوثقوا على رجل. (الاعتصام للشاطبی: ۲/۲۶۵)۔

الطريقة الثالثة أن عمر رضي الله عنه لما ضرب وأحس بالموت، خاف أن يترك المسلمين بدون خليفة لئلا يختلفوا، ولم يكن أمام نظره من لو استخلفه يكون مطمئن النفس من قبله، فلم يشأ أن يتحمل المسلمين حياً وميتاً، فاختار ستة من كبار الصحابة وممن يرى أنه لايتطلع لأمر الخلافة غيرهم، ووضع لهم نظاماً ينتخبون به الخليفة من بينهم، فأمر أن يجتمعوا بعد وفاته في حجرة عائشة رضي الله عنها ويختاروا الخليفة في مدة لا تزيد على ثلاثة أيام، وجعل للأغلبية الرأي القبول، فيجب على الأقلية الرضوخ لحكمها، وإلا اعتبر خارجاً يستحق القتل. (تاریخ الامم الاسلامیة، ص ۲۴۴)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر سے کثرتِ رائے کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منتخب ہوگئے، پھر سب ہی نے بیعت کی اور اتفاق کرلیا اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منتخب و متعین فرمادیا ہو۔

پھر خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد اربابِ حل وعقد کی کثرتِ رائے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، ہردو کی تفصیل تاریخ الخلفاء میں ہے۔ یہ حضرات انگریزوں کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔

کثرتِ رائے کو کلیۃً نظرانداز کردینا غلط ہے، علامہ شامیؒ اصولِ افتاء تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واختلف الذين قد تأخروا ☆ يرجح الذي عليه الأكثر

وإذا لم يوجد في الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر، وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولاً واحداً ، يؤخذ به، فإن اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين، الخ. (شرح عقود رسم المفتي ،ص: ۵۲، مكتبة البشرىٰ).

السادس: ما إذا كان أحد القولين المصححين قال به جل المشايخ العظام ، ففي شرح البيرى على الأشباه: أن المقرر عن المشايخ أنه متى اختلف في المسئلة ، فالعبرة بما قاله الأكثر، وقدمنا نحوه عن الحاوي القدسي. (شرح عقود رسم المفتي،ص۶۷،مكتبةالبشرى).

یعنی مشائخ فقہاء کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے کہ اختلاف کے وقت کثرتِ رائے ہی معتبر ہوگی ،اگر انتخابِ امام میں اختلاف ہواور دلائل متساوی ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے ، یا اہل علم کی کثرتِ رائے سے ترجیح دی جائے۔

فإن استووا يقرع بين المستويين، أو الخيار إلى القوم ، فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم ؛ ولو قدموا غير الأولى أساء وا بلا إثم . (الدرالمختار: ۱/ ۵۵۸،سعيد).

قال في شرح المشكاة: لعله محمول على الأكثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لكثرة الجاهلين ، قال الله تعالىٰ : ﴿ و لكن أكثرهم لا يعلمون﴾ (مرقاة المفاتيح:۳/ ۱۹۹، رشيدية ، وطحطاوی على مراقي الفلاح،ص ۲۴۳ ،بيروت).

کیا صاحبِ درمختار اور شامی اور شارحِ مشکوٰۃ اور طحطاوی انگریزوں کی تقلید میں کثرتِ رائے کو ترجیح دینے کی تلقین کررہے ہیں؟...(فتاویٰ محمودیہ:۱۵/ ۴۲۵۔۴۲۹، ط: جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے کا حکم:

سوال: حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟ خصوصاً راستوں کے قوانین ،بعض لوگ اپنے ملک میں تو پابندی کرتے ہیں لیکن دوسرے میں نہیں کرتے ،اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر مسلم ملک میں پابندی ضروری نہیں ہے۔ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ حکومت کے قوانین کی پابندی مباحات اور موافقِ شرع امور میں ضروری ہے چاہے اپنے ملک میں ہو یا دوسرے ملک میں ، چاہے مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ،بصورتِ دیگر معاہدہ کی خلاف

ورزی کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور راستوں کے قوانین خود اپنی حفاظت کے لیے ہیں ان کی خلاف ورزی سے خود بھی مصیبت میں مبتلا ہوگا اور دوسروں کو بھی مصیبت میں گرفتار کرنے کا باعث بنے گا۔

ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں شیخ خالد الاتاسی لکھتے ہیں:

والأصل أن المرور في طريق المسلمين مباح بشرط السلامة بمنزلة المشي لأن الحق في الطريق مشترک بين الناس فهو يتصرف في حقه من وجه وفي حق غيره من وجه فالإباحة مقيدة بالسلامة. (شرح المجلة: ۳/۴۹۴،مادة: ۹۳۲).

بحوث فی قضایا فقهية معاصرة میں مرقوم ہے:

الأصل فی الشريعة الإسلامية أنه لا يجوز لأحد أن يفعل فعلاً يضر بآخر، فإن أضر بفعله أحداً فالأصل أنه ضامن . (بحوث فی قضایا فقهية معاصرة: ۱/۲۸۹،مکتبة دارالعلوم، کراتشی).

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن لا ضرر ولا ضرار.** (رواه ابن ماجه: ۲/۱۶۹،قديمی).

امراء کی اطاعت مباحات اور موافقِ شریعت امور میں ضروری ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿ يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولی الأمر منكم . (سورة النساء: ۵۹).

وقال الإمام القرطبي: وأما طاعة السلطان فتجب فيما كان له فيه طاعة ، ولا تجب فيما كان لله فيه معصية . (الجامع لاحكام القرآن: ۵/۱۶۸، دارالکتب العلمية، بيروت، النساء: ۵۹).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

قال فی الظهيرية : وهو تأويل ما روي عن أبي يوسف ؒ ومحمد ؒ فإنهما فعلا ذلک لأن هارون أمرهما أن يكبرا بتكبير جده ففعلا ذلک امتثالاً له لا مذهباً واعتقاداً ، قال فی المعراج : لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة . (فتاوى الشامی: ۲/۱۷۲،سعيد).

وفيه أيضاً: وتجب طاعة الإمام عادلاً كان أو جائراً إذا لم يخالف الشرع . (۴/۲۶۳،سعيد).

وفيه أيضاً: والأصل قوله تعالیٰ: وأولی الأمر منكم ، وقال صلى الله عليه وسلم:

اسمعوا واطیعوا ولو أمر علیکم عبد حبشي أجدع وروی مجدع، وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ **أنه علیه الصلاة والسلام، قال: علیکم بالسمع والطاعة لکل من یؤمر علیکم مالم یأمرکم بمنکرففی المنکر لا سمع ولا طاعة.** (فتاوی الشامی: ۴/۲۶۴و ۲۶۵،سعید).

احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:

امورِ مباحہ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے، علاوہ ازیں نفس یا عزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔(احسن الفتاویٰ:۸/ ۲۱۷)۔ ہاں خلافِ شریعت امور میں جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلاحکمِ حاکم زانی کو قتل کرنے کا حکم:

سوال: کینیڈا کے مشہور شہر مونٹریال میں ایک اسلام کا دعویٰ کرنے والے شخص نے اپنی تین بیٹیوں کو اس لیے قتل کیا کہ انہوں نے زنا کیا تھا یا اجنبی لڑکوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے اور اس قتل کو مذہبی قتل کا نام دیا، کیا واقعی یہ اسلامی تعلیمات کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: لوگوں کے افعال کو اسلامی تعلیمات کا معیار نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ بہت سی مرتبہ لوگوں کے افعال اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں، اسلام اور شریعتِ اسلامیہ سے اس کو دور کی بھی نسبت نہیں ہوتی، چاہے وہ لوگ اس کو اسلام اور مذہب کا نام دیتے ہوں، یہ واقعہ اسی کی ایک تازہ مثال ہے۔

حدودِ شرعیہ نافذ کرنے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اسلامی حکومت ہو اور قاضی شرعی موجود ہو اس کے بغیر حدود و قصاص نافذ نہیں ہوسکتے، ورنہ نفاذِ شریعت تو درکنار فساد عام ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ الشامی میں ہے: **فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود** . (فتاوی الشامی: ۶/ ۵۴۹،سعید).

قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمہ اللہ اسلامی عدالت میں فرماتے ہیں:

معاملہ ایسا ہو کہ اسے عوام الناس کے ہاتھوں میں دیدینا فتنہ وفساد کا موجب ہو اور اس کی وجہ سے ایسے انتشار کا خطرہ ہو جو جان ومال کی بربادی کا ذریعہ ہو جب بھی کسی معاملہ میں ایسی صورتِ حال پیدا ہو جانے کا خدشہ ہوگا وہاں حکم حاکم کی ضرورت پیش آجائے گی مثلاً: حدود۔(اسلامی عدالت،ص۲۴۱،قاضی پبلشرز)۔

نیز رجم کرنے کے لیے اور بھی شرائط ہیں: (۱) چار عینی گواہوں سے ثابت ہونا۔(۲) محصن ہونا، اور صفتِ احصان سے متصف ہونے کے لیے نکاح صحیح کا ہونا شرط ہے۔

پھر شرائط پورے ہونے کے بعد قاضی یعنی مسلمان جج کے حکم سے حد جاری ہوتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: **فالبينة أن تشهد أربعة من الشهود على رجل وامرأة بالزنا... وقالوا رأيناه وطيها في فرجها كالميل في المكحلة...ويبتدئ الشهود برجمه ثم الإمام ثم الناس .**

(الهداية: ۲/ ۵۰۷، ۵۰۹).

خلاصہ یہ ہے کہ ثبوتِ رجم کے لیے سخت شرائط ہیں اور ادنی شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوجاتی ہے اور تاریخ اسلامی میں ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ گواہوں سے رجم ثابت ہوا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کو سیاست وحکومت میں حصہ لینے کا حکم:

سوال: آج کل کے عالمی سیاسی احوال کے پیش نظر کیا عورتوں کو سیاست وغیرہ میں حصہ لینا اور شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میرا سوال مغربی جمہوری حکومتوں (امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا وغیرہ) کے بارے میں ہے افریقہ کے بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جہاں تک عورت کا سربراہِ مملکت بننے کی بات ہے تو وہ قرآن وحدیث کی رو سے درست نہیں ہے، کیونکہ سربراہِ مملکت بننے کی شرائط میں سے ایک شرط مذکر ہونا ہے جو مفقود ہے۔

رہی یہ بات کہ سیاست اور پارلمینٹ کا رکن بننا یا ووٹ میں شرکت کرنا وغیرہ درست ہے یا نہیں؟ تو حدودِ شریعت مثلاً پردہ وغیرہ کی رعایت کے ساتھ گنجائش ہے۔ لیکن فی زماننا عورتوں کا مردوں کے ساتھ خلط واختلاط بہت زیادہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ ہے بنابریں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

ملاحظہ کیجئے فتاویٰ حقانیہ میں تفصیل سے مرقوم ہے:

اس پرفتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے اس لیے کہ موجودہ حالات میں انتخابات کے لیے مہم چلانے کے دوران عورت کے لیے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے، تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش ہے۔

اس لیے کہ ارکانِ اسمبلی و پارلیمنٹ عوام وقوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں اور عورت کے لیے یہ

جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے، فقہ حنفی کی کتابوں میں وکیل کی شرائط میں کہیں بھی ذکورت کی شرط موجود نہیں، اور بدایۃ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے، صرف عقدِ نکاح میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی۔

لما قال الإمام ابن رشد الحفيد: وشروط الوكيل أن لا يكون ممنوعاً بالشرع من تصرفه في الشيء الذي وكل فيه فلا يصح توكيل الصبي ولا المجنون ولا المرأة عند مالكؒ والشافعيؒ على عقد النكاح. (بداية المجتهد: ۲/۲۹۶، الباب الاول كتاب الوكالة).

اسی طرح ارکانِ اسمبلی وپارلیمنٹ کی حیثیت اہل حل وعقد کی ہے، ان ہی کے ووٹوں سے پھر وزیر اعظم اور صدر مملکت کا انتخاب ہوتا ہے، سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردیؒ نے اہل حل وعقد کی شرائط میں ذکورت کا ذکر نہیں کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

فأما الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة: أحدها: العدالة الجامعة لشروطها، والثاني: العلم الذي يتوصل به إلى معرفة من يستحق الإمامة على الشروط المعتبرة فيها، والثالث: الرأي والحكمة المؤديان إلى اختيار من هو للإمامة أصلح وبتدبير المصالح أقوم وأعرف. (الأحكام السلطانية، ص۶، الباب الأول في عقد الإمامة).

اگر اسلامی تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب پر نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک صحابیہؓ کو بازار کے نظم ونسق پر مامور کیا تھا اور اس صحابیہؓ کو رائے اور مشورہ دینے میں ترجیح دیتے تھے، اس صحابیہ کا نام حضرت شفا رضی اللہ عنہا ہے۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ اسی صحابیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **الشفاء بنت عبد الله بن عبد شمس بن خلف...وكان عمر رضي الله عنه يقدمها في الرأي ويرعاها ويفضلها وربما ولاها شيئاً من أمر السوق.** (الإصابة في تمييز الصحابة: ۸/۲۰۲، ط: دار الكتب العلمية، بيروت).

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بڑا مقام تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو آپؓ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھا جاتا تھا اور آپؓ کی رائے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔

علامہ ابن حجرؒ آپ کی شان میں یوں رقمطراز ہیں: **وقال أبو الضحى عن مسروق رأيت**

مشيخة أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الأكابر يسألونها عن الفرائض، وقال عطاء بن أبي رباحؒ كانت عائشةؓ أفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس رأياً في العامة ...وقال أبوبردة بن أبي موسى عن أبيه ما أشكل علينا أمر فسألنا عنه عائشةؓ إلا وجدنا عندها فيه علماً . (الاصابة فی تمییز الصحابة:۸/۲۳۳، ترجمة عائشةؓ، بیروت).

اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو گھریلو معاملات کے علاوہ انتظامِ مملکت میں بھی کچھ کردار ادا کرنے کی اجازت ہے، احناف کے نزدیک حدود وقصاص کے علاوہ دیگر مسائل میں عورت قاضیہ بن سکتی ہے۔

اگر عورت امورِ شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن جائے تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن عصر حاضر میں پارلیمنٹ میں عورتوں کے کردار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دینا کسی دینی مقصد کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ عموماً پارلیمنٹ میں عورتیں احیاء حقوقِ نسواں کے نام سے بے دینی کے کام زیادہ کرتی ہیں اس لیے انھیں اسمبلیوں میں نہ بھیجنا زیادہ راجح ہے۔

تاہم دلائل مذکورہ سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ عورت سربراہِ مملکت بن سکتی ہے اس لیے کہ عورت کی سربراہی کے بارے میں احادیث اور قرآنِ مجید میں واضح دلائل موجود ہیں، اس کے علاوہ جہاں بھی امامتِ کبریٰ کی شرائط بیان ہوئی ہیں وہاں ذکورت کی شرط لازمی ذکر ہوئی ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ:۲/۳۱۷-۳۲۰)۔

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا، اور بطورِ امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں، کیونکہ اس میں ضروریاتِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر رہے۔ (کفایت المفتی:۳/۲۶۱)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الفتاویٰ ۵/۱۰۳، وآپ کے مسائل اوران کا حل:۷/۵۶۰، وفتاویٰ حقانیہ: ۲/۲۹۶-۲۹۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا حکم:

سوال: کیا مسلمانوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور شرعاً یہ ضروری ہے یا اختیار ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسلمانوں کوانتخابات میں حصہ لینا، امیدوار بننا اور ووٹ دینا یا کسی امیدوار کے لیے انتخابی مہم چلانا جائز اور درست ہے بلکہ جمہوری مما لک میں انتخابات میں شرکت کے ساتھ بے شمار دینی وملی مصالح اور مقاصد وابستہ ہونے کی وجہ سے بہتر اور مستحسن ہے۔

البتہ ووٹ دینے سے پہلے درجِ ذیل چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:۔

(۱) شہادت:۔ ووٹ دینے والا شہادت دے رہا ہے کہ جس کے حق میں ووٹ دے رہا ہوں وہ اس کام کا اہل ہے اور مسلمانوں کے لیے نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

(۲) شفاعت:۔ ووٹ دہندہ اپنے نمائندے کی سفارش کررہا ہے اور سفارش کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص سفارش کے قابل ہو۔ ورنہ غیر قابل ظالم، جابر شخص کو ووٹ دینا اس کے ظلم میں شریک ہونا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: **ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها.** (النساء:۸۵).

(۳) وکالت:۔ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا وکیل بنا رہا ہے۔ (مستفاد از جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۷۔۲۹۹)۔

(۴) امانت داری اور مشورہ:۔ یعنی انتخابی بورڈ ملک کے سارے عوام سے مشورہ لیتا ہے کہ انتخابی میدان میں مختلف امیدواروں میں سے کون شخص ملک کے لیے بحیثیت حاکم یا بحیثیت معاون حکومت آپ کی رائے میں زیادہ موزون ہے؟ تو ووٹ دینے والا اپنی رائے سے انتخابی بورڈ کو آگاہ کرتا ہے۔ اس اعتبار سے مشورہ اور رائے کا جو ضابطہ ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، احادیث میں مشورہ اور رائے کو امانت قرار دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **المستشار مؤتمن.** (رواہ الترمذی) یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

اب قابلیت اور اہلیت والے شخص کو ووٹ دینا موجبِ ثوابِ عظیم ہے اور ضروری بھی ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم نے سچی شہادت کو لازم قرار دیا ہے: ارشادِ باری ہے: **كونوا قوامين لله شهداء بالقسط .** اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **كونوا قوامين بالقسط شهداء لله** ، ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چھڑائیں، اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار معلوم نہ ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو

بھی ووٹ دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔

اسی اصول پر جمہوری انتخابات میں ووٹ دینے والا شخص نہ دینے والے کے مقابلہ میں شریعت کے نزدیک زیادہ بہتر اور لائق تحسین ہے۔ مثلاً: اگر کسی ایک پارٹی کے نظریات اسلام دشمنی پر مبنی نہ ہوں تو اس کو ووٹ دے اور دوسری پارٹی کے نظریات اس کے خلاف ہوں تو اس کو ووٹ نہیں دینا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ مسلمان کے لیے امیدوار بننا:

اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دو باتوں کا مدعی ہوتا ہے:۔ (۱) قابلیت:۔ یعنی امیدوار اس کام کی قابلیت، صلاحیت اور اہلیت رکھتا ہے اور تمام لوگوں کی ذمہ داری کا بار اپنی گردن پر اُٹھانے کے لیے تیار ہے۔

(۲) دیانت:۔ یعنی مدعی اس کام کو امانت داری کے ساتھ اٹھائے گا۔ بنابریں اگر امیدوار اپنے آپ کو اس عہدہ کے لیے قابل سمجھتا ہے اور اپنے علاوہ کسی اور میں زیادہ اہلیت نہیں پاتا تو اس کو طلب کرنا چاہئے ورنہ نااہل کے آنے پر فساد و مظالم کا سبب وہ قرار پائے گا۔

اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: " **اجعلني على خزائن الأرض ، إني حفيظ عليم** . (يوسف).

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے اجلاس میں زیر بحث مسئلہ پر بھی مقالات لکھے گئے، ان میں سے مختصر حسبِ ذیل ہے:

(۱) اسلام کا اپنا ایک مستقل نظامِ حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لیے قابل ترجیح ہے، لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لیے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

(۲) مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

(۳) جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک

خصلت ہو۔

(۴) جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

(۵) ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔(غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل،ص ۴۹،ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

مخالفِ اسلام پارٹیوں میں شرکت اوران کا تعاون کرنا جائز نہیں:۔

ایسی سیاسی پارٹیاں جنہوں نے قوم پرستی اور فرقہ پرستی کے جذبات ،تعصب اور نفرت کو ہوا دی ہے، اور وہ اسلام ،مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کا پرچار کر کے ملک کی اکثریت کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے کوشاں ہیں، اور وہ نسل کشی ،کشت وخون اور فسادات کی آگ بھڑکا کر حکومت میں اکثریت حاصل کرنے کا ناپاک ارادہ رکھتی ہیں،ایسی پارٹیوں کو ووٹ دینا اوراس میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہوگا،اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب﴾. (المائدة: ۲). گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

...ایسے امیدوار کو ووٹ دینے میں ہوسکتا ہے کہ علاقائی سطح پر مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو، لیکن قومی سطح پر مسلمانوں کا قومی نقصان ہوگا،فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

” درء المفاسد أولى من جلب المصالح “ . (الاشباه والنظائر).

انتخابات کے موقع پر غیر مسلم سیکولر سیاسی پارٹیوں سے مفاہمت، اتحاد، ان میں شرکت، ان کی حمایت اور مسلم مفادات کی بنیاد پر ان سے معاہدے کرنے کی شریعت میں گنجائش ہے، ...اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد مدینہ کے یہود اور آس پاس کے غیر مسلم قبائل سے معاہدہ کیا تھا، جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ وہ بیرونی حملہ آوروں کا متحدہ مقابلہ کریں گے، اور ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہوگی، گویا یہ سیاسی اور دفاعی نوعیت کا معاہدہ تھا، آج کل کے حالات کے پیشِ نظر شرعاً یہ ضروری ہے۔(ماخوذ از غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل،ص ۲۸۸، ۲۸۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿هو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً﴾

[البقرة: ۲۹]

وقال تعالیٰ:

قل أرئیتم ما أنزل اللّٰہ لکم من رزق فجعلتم منه حراماً وحلالاً، قل آاللّٰہ أذن لکم أم علی اللّٰہ تفترون﴾ [یونس: ۵۹]

باب......﴿۱۳﴾

المتفرقات

من الحظر و الإباحة

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ”ذرونی ما ترکتکم، فإنما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم، واختلافهم علی أنبیائهم، فإذا نهیتکم عن شیء فاجتنبوہ، وإذا أمرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم“ (متفق علیه)

باب ...... ﴿۱۳﴾

حظر واباحت سے متعلق متفرق مسائل کا بیان

معذب جگہوں کی اشیاء استعمال کرنے اور سیر وسیاحت کرنے کا حکم:

سوال: بحرمیت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہونے کی جگہ ہے۔اب بہت سارے لوگ وہاں سے پتھر، مٹی وغیرہ لاتے ہیں اور اس کو بعض بیماریوں کا علاج بتلاتے ہیں یا بطورِ یادگار گھروں میں رکھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ وہاں سیاحت کے لیے جانے کا کیا حکم ہے؟ اور اس روایت کا کیا درجہ ہے: "**إن رجلاً وجد خاتماً في حجر ولبسه فلم ينظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إليه**"؟ بینوا توجروا.

الجواب: معذب بستیوں کے بارے میں جن کو قرآنِ کریم میں "**مؤتفكات**" کہا گیا ہے، مفسرین اور مؤرخین کا اختلاف ہے کہ ان کا محل وقوع کہاں تھا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ موجودہ بحرمیت کے جنوبی اطراف میں یہ بستیاں واقع تھیں۔یعنی بحرمیت پہلے سے موجود تھا قومِ لوط پر عذاب کی وجہ سے وجود میں نہیں آیا اور بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یہ بستیاں جب الٹ دی گئیں تو بحرمیت وجود پذیر ہوا، یعنی بحرمیت بعینہٖ وہ جگہ ہے جہاں عذاب نازل ہوا تھا۔ مفسرین کی چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال في تفسير المنار: وكان لوط عليه السلام في سدوم ويظن الكثيرون من الباحثين أن بحيرة لوط قد غمر موضعها بعد الخسف فلا يعلم موضعه بالضبط و قيل إنه عثر على آثارها في هذا العهد. (تفسير المنار للشيخ محمد رشيد رضا: ۱۳۲/۱۲).

اطلس القرآن میں الدکتور شوقی ابو خلیل لکھتے ہیں:

جاء لوط عليه السلام ، مع إبراهيم ، و آمن به ، وبعد عودتهما من مصر افترق عنه عن تراض، لأن أرضاً واحدة محددة لم تتسع لمواشيهما، فنزل أقصى جنوب البحر الميت (بحيرة لوط) ، حيث سدوم و عامورة اللتان دمرتا بزلزال جعل عالي البلاد سافلها ، و لم تصب (صوغر) بضرر حيث التجأ قوم لوط إليها . (اطلس القرآن،اماكن ،اقوام ،اعلام ،ص ٦١،ط: دمشق) .

شوقی ابوخلیل کی تحقیق کے مطابق بحرمیت پہلے سے موجود تھااس کے جنوبی کنارہ کے قریب سدوم اور عامورہ دو بستیاں تھیں وہیں پرحضرت لوط علیہ السلام قیام پذیر ہوئے تھےاور یہی دو بستیاں معذب ہوئی تھیں۔ اس اعتبار سے بحرمیت کے ساتھ عذاب کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ تو پہلے سے موجود تھا۔(اطلس القرآن،ص۶۱)۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ؒ قصص القرآن میں اس کے برعکس فرماتے ہیں:

(سدوم)اردن کی وہ جانب جہاں آج بحرمیت یا بحرلوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں،اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اوراس پرشہر آباد تھے سدوم اور عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا بلکہ جب قومِ لوط پرعذاب آیااوراس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اورسخت زلزلے اور بھونچال آئے تب تقریباً زمین چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا،اسی لیےاس کا نام بحرمیت اور بحرلوط ہے یہ صحیح ہو یا غلط بہرحال یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحرمیت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جو قومِ لوط کے عذاب سے موسوم ہے اور جوگذشتہ دو سال کی اثری تحقیق نے بحرمیت کے ساحل پرلوط علیہ السلام کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ہویدا کرکے اس علم ویقین کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا ہے جس کا اعلان ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن عزیز نے کر دیا تھا۔(قصص القرآن:۱/۲۵۷،ط:المکتبۃ المدنیۃ،لاہور)۔

خلاصہ یہ ہے کہ معذب بستی کے محل وقوع میں اقوال مختلف ہونے کی وجہ سے حتمی طور پرنہیں کہہ سکتے کہ بحر میت وہی جگہ ہے جہاں قومِ لوط علیہ السلام پرعذاب آیا تھا،بالفرض اگروہی جگہ ہوتو وہاں کی اشیاء کا استعمال ممنوع ہوگا،احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن سالم بن عبد الله عن أبيه رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لما مر بالحجر قال: لاتدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين أن يصيبكم ما أصابهم ثم تقنع

بردائه وهو على الرحل . (رواه البخاری ،رقم: ۳۳۸۰).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما نزل الحجر في غزوة تبوک أمرهم أن لا يشربوا من بئرها ولايستقوا منها فقالوا قد عجنا منها واستقينا فأمرهم أن يطرحوا ذلک العجين وليهريقوا ذلک الماء . (رواه البخاری ،رقم: ۳۳۷۸).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ رقمطراز ہیں:

وفيه كراهة الاستقاء من آبار ثمود قيل و يلحق بها نظائرها من الآبار والعيون التي كانت لمن هلک بتعذيب اللّٰه تعالىٰ على كفره واختلف فی الكراهة المذكورة فقيل: للتحريم وقيل: للتنزيه . (عمدة القاری : ۱۱/۹۹، ط: دارالحديث ، ملتان).

(وكذا فی فتح الباری : ۶/۳۸۰، وتكملة فتح الملهم : ۶/۴۶۱،وفتاوی الشامی: ۱/۱۳۳،سعيد).

لیکن قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کا صحیح علم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہوسکتا ہے جوجگہ بتلائی جاتی ہے وہ مشہور ہے مگر یقینی نہیں ہے، پھر اگر شہرت کو درست مان لیا جائے تو ان بستیوں کے الٹ جانے کی وجہ سے اور معذبین کے نیچے جانے کی وجہ سے اوپر کی زمین محل عذاب نہیں بنی، علاوہ ازیں اگراس پانی کو بھی محل عذاب تسلیم کرلیں جو بحرمیت میں ہے تو اس پانی میں بحراردن وغیرہ باہر کا اتنا پانی مل جاتا ہے کہ سابقہ پانی کالعدم یا مغلوب ہوجاتا ہے لہذا وہاں کے پانی سے کچھ پوتھوں اوردانوں وغیرہ کے لانے میں کوئی حرج نہیں، اور وہاں کی بنی ہوئی دواؤں کا استعمال بھی ممنوع نہیں۔

ہاں مدائن صالح علیہ السلام بنابرقولِ مشہور وہی جگہ ہے جہاں عذاب آیا تھا اوراس کے آثار بھی موجود ہیں، لہذا وہاں کی چیزوں کو نہیں لانا چاہئے ہاں عبرت کے لیے دیکھنے کی گنجائش ہے نیز سابقہ تفصیل کی روشنی میں بحیرہ لوط کے پانی سے نہانے کی بھی گنجائش ہے۔

حدیث شریف کی تحقیق:

وروى الحاكم فی الإكليل عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: رأيت رجلاً جاء بخاتم وجده بالحجر في بيوت المعذبين فأعرض عنه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واستتر بيده أن ينظر إليه وقال: ألقه ، فألقاه . لكن إسناده ضعيف . (فتح الباری : ۱/۵۳۱،دارالمعرفة ، بيروت).

(وكذا فی روضة المحدثين : ۱/۱۸۱/۱۸۱). خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطورِ نشان چاند، ستارا استعمال کرنے کا حکم:

سوال: آج کل اسلامی علامت اورنشان کے طور پرلوگ چاند، ستارا استعمال کرتے ہیں، اور بعض مسلمان ممالک کے جھنڈے میں بھی یہ موجود ہے، نیز گنبد اور منارہ پر بھی لگایا جاتا ہے، اس کی اصل کیا ہے، اور اسلام میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چاند ستارے کا رواج نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اس کی اصل پر بحث کرتے ہوئے مغربی مؤرخین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں، لیکن سب کی متفقہ رائے یہ ہے کہ یہ اسلام سے چندصدی پہلے ہی سے مروج تھا، نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قدیم زمانہ سے قسطنطنیہ کا نشان ''چاند ستارا'' ہے پھر خلافتِ عثمانیہ میں خلیفہ عثمان الاول نے جب ترکی کے بعض حصوں کو فتح کیا تو انہوں نے وہی جھنڈا باقی رکھا، اور اسی کو استعمال کیا۔ (التاریخ الاسلامی، للدکتور محمد سہیل طقوش ص ۳۴۶).

چونکہ خلافتِ عثمانیہ طویل مدت تقریباً ۵۰۰ سال قائم رہی اور اسی جھنڈے کے ساتھ یورپ وغیرہ میں جنگ کی اس وجہ سے لوگوں نے اس جھنڈے کو بجائے خلافتِ عثمانیہ کا شعار ہونے کے اسلامی نشان بنالیا۔

فی زمانا یہ نشان فقط اسلام اور اہل اسلام کے لیے مستعمل ہے کسی اور جگہ غالباً مستعمل نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ چاند، ستاروں میں اس طرف اشارہ ہو کہ مسلمانوں کے مہینوں کے حساب کا تعلق چاند، ستاروں سے ہے، بعض مغربی مؤرخین نے چاند، ستاروں کو یونانیوں کی وثنیت کی علامت بتلایا ہے لیکن آجکل یہ مسلمانوں کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ فتاوی الاسلام سوال وجواب میں مذکور ہے:

إن اتخاذ الأهلة أو النجوم شعاراً للمسلمين لا أصل له في الشرع ، ولم يكن معروفاً في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولا في عهد خلفائه بل ولا في عهد بني أمية ، وإنما حدث بعد ذلك واختلف بعض أصحاب التواريخ في أول حدوثه ، وفي أول من فعله فقيل الفرس ، وقيل الاغريق ثم انتقل إلى المسلمين في بعض الحوادث ، (ينظر: التراتيب الإدارية للكتاني : ۱/۳۲۰) ويقال إن اتخاذ الهلال سببه هو أن المسلمين حين فتحوا بعض بلاد الغرب وفي كنائسهم يعلو فيها الصليب وضع المسلمون بدل الصليب هذا الهلال فانتشر لذلك ، وعلى كل فالشعارات والرايات لا بد أن تكون موافقة للشرع وحيث أنه ليس

هناك دليل على مشروعيتها فالأحرى ترك ذلك ، وليس الهلال ولا النجمة شعاراً للمسلمين ، ولو اتخذه بعض المسلمين، وأما من جهة ما يعتقده المسلمون فى القمر والنجوم فإنهم يعتقدون أنها من خلق اللّٰه عزوجل ولا تنفع ولا تضر ولا تؤثر بذاتها فى الأحداث الأرضية ، وإنما خلقها اللّٰه لفوائد البشر، ومن ذلك قول اللّٰه عزوجل: ﴿يسألونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج ﴾ الآية [۱۸۹] سورة البقرة ، نقل ابن كثير ؒ في معنى قوله: قل هي مواقيت للناس: يعلمون بها حل دينهم وعدة نسائهم ووقت حجهم... جعلها اللّٰه مواقيت لصوم المسلمين وإفطارهم وعدة نسائهم ومحل دينهم . (تفسير ابن كثير).

قال القرطبي ؒ في تفسير الآية : تبيين لوجه الحكمة فى زيادة القمر ونقصانه ، و هو زوال الإشكال في الآجال والمعاملات والأيمان والحج والعِدَد والصوم والفطر ومدة الحمل والإجارات... إلى غير ذلك من مصالح العباد ، ونظيره قوله الحق : وجعلنا الليل والنهار آيتين فمحونا آية الليل وجعلنا آية النهار مبصرة لتبتغوا فضلاً من ربكم ولتعلموا عدد السنين والحساب ، [الاسراء:۱۲] ، وقوله : هو الذى جعل الشمس ضياء والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ، [يونس:۵]، وإحصاء الأهلة أيسر من إحصاء الأيام ، انظر : تفسير القرطبى .

أما النجوم فقد قال علماء الاسلام خلق اللّٰه هذه النجوم لثلاث جعلها زينة للسماء و رجوماً للشياطين وعلامات يهتدى بها، صحيح البخارى كتاب بدء الخلق كما قال تعالىٰ: ﴿ ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح وجعلناها رجوماً للشياطين واعتدنا لهم عذاب السعير ﴾ [سورة تبارک:۵]. واللّٰه أعلم . (فتاوى الاسلام سؤال وجواب ، باشراف الشيخ محمد صالح المنجد ، فتویٰ رقم: ۱۴۹۱). وللاستزادة راجع : (أحكام القرآن : ۱/۲۷۸ ـ ۲۸۰، للعلامة ظفر احمد العثمانى لتهانوى، ومعارف القرآن: ۱/۴٦۸).

البتہ دو قصے ایسے دستیاب ہوئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایسا جھنڈا مرحمت فرمایا جس پر ہلال بنا ہوا تھا، ہاں کسی جگہ ہمیں جھنڈے پر ستارے کا تذکرہ نہیں ملا۔

ہلال والے جھنڈے کی روایات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ ذکر عبد الرحمن بن أحمد بن يونس الصدفى، أبوسعد (م:٣٤٧هـ): روى سعيد بن عفير (ثقة)، عن عمرو بن زهير بن اشيم بن أبى الكنود (لم أجد ترجمته): أن أباالكنود وفد على النبي صلى الله عليه وسلم، وعقد له راية ـ على قومه ـ سوداء ، فيها هلال أبيض، وشهد فتح مصر، وله بها عقب . (تاريخ ابن يونس المصرى: ۵۳۲، ۱/۲۰۲،في ترجمة سعد بن مالک ابى الكنود). وسنده منقطع لأن المصنف لم ير سعيد بن عفير .

وللمزيد ينظر: (الإصابة :۳/۲۱،۳۲۰۰، وتاج العروس: ۲۱/۵۴۱، والتراتيب الإدارية: ۱/۲۶۵).

۲ ۔ قال أبو القاسم على بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (م: ۵۷۱هـ) : أخبرنا أبوعبد الله محمد بن غانم بن أحمد، أنا عبد الرحمن بن محمد بن اسحاق (ابن مندة الحافظ)، أخبرنا أبي(الحافظ)، أخبرنا محمد بن عمرو بن إسحاق بن زبر الحمصي، أخبرنا أبي، حدثنا وحشى ابن إسحاق بن وحشى بن حرب بن وحشى (لم أجد ترجمته)، حدثني أبي إسحاق (لم أجد ترجمته) عن أبيه وحشى (لين) عن أبيه حرب بن وحشى (مقبول)، عن أبيه وحشى بن حرب (صحابي)، أنه وفد على رسول الله صلى الله عليه وسلم في اثنين وسبعين رجلاً من الحبشة وأن النبي صلى الله عليه وسلم قودني عليهم وعقد لي راية صفراء ذراعين في ذراعين وفيها هلال أبيض وعذبتان سوداوان وبينهما عذبة بيضاء. (تاريخ دمشق : ۶۲/۴۱۴).

ذكر ابن عساكر ترجمة شيخه في معجم ابن عساكر (۲/۱۰۱۰).

ذكر ابن عساكر ترجمة محمد بن عمر و بن إسحاق بن زبر الحمصى وسماعه من أبيه . (تاريخ دمشق :۴/۵۵).

قال الذهبي في ترجمة عبد الرحمن بن محمد بن إسحاق ابن منده: الحافظ ابن الحافظ . (سير أعلام النبلاء :۱۸/۳۴۹).

ولذا عقد العلامة عبدالحي الكتاني في كتابه فصلاً خاصاً لذكر رسم الهلال فقال:

فصل في رسم الهلال فيها: ترجم فى الإصابة لسعد بن مالك الأزدي فنقل عن ابن يونس: وفد على النبي صلى الله عليه وسلم، وعقد له راية على قومه سوداء ، وفيها هلال أبيض، وشهد فتح مصر وله بها عقب ، فيؤخذ من هذا أصل رسم صورة الهلال فى الراية الإسلامية. (التراتيب الادارية : ۱/۲۵۶). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قربِ قیامت میں چاند کا بڑا نظر آنا:

سوال: چاند دیکھ کر یہ کہنا کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے بری بات ہے حدیث میں آیا ہے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے جب قیامت قریب ہوگی تو لوگ ایسا کہا کریں گے ...(بہشتی زیور،ص۲۲۲) یہ حدیث کہاں ہے اوراس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف ملاحظہ کیجئے: أخرج الطبراني فى الأوسط (۶۸۶۴) والصغير (۸۷۷)، واللفظ للأوسط: قال: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أشراط الساعة انتفاخ الأهلة حتى يرى الهلال لليلة فيقال هو لليلتين، لم يرو هذا الحديث عن أبى الزناد إلا شعيب تفرد به مبشر بن إسماعيل. قال الهيثمي: وفيه عبد الرحمن بن الأزرق الإنطاكي ولم أجد من ترجمه . (۱۴۵/۳).

وفى الكبير (۱۰۴۵۱) عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اقتراب الساعة انتفاخ الأهلة .

قال الهيثمي: فيه عبدالرحمن بن يوسف ذكر له فى الميزان هذا الحديث وقال:إنه مجهول . (مجمع الزوائد:۱۴۶/۳). وقال الألباني: صحيح ، وله شواهد تقويه . (السلسلة الصحيحة،رقم: ۲۲۹۲).

قال في أشراط الساعة : فقد جاء في هاتين الروايتين تفسير انتفاخ الأهلة بأن ذلك عبارة عن كبر الهلال حين طلوعه عما هو معتاد في أول الشهر فيرى وهو ابن ليلة كأنه ابن ليلتين . (اشراط الساعة ،ص۱۹۴، للشيخ يوسف بن عبدالله الوابل ، ط: دار ابن الجوزى).

نہاية العالم میں ہے: انتفاخ الأهلة ، الأهلة جمع هلال وهو القمر في أول طلوعه

بداية الشهر فإنه يبدأ صغيراً أول ليلة من الشهر الهجري ثم يكبر بالتدرج إلى انتصاف الشهر ثم يتناقص مرة أخرى إلى آخر الشهر و من علامات الساعة ، انتفاخ الأهلة ، وهو أن يرى الناس من أول الشهر كبيراً عن المعتاد فيرونه أول ليلة كأنه ابن ليلتين ، فعن أبي هريرة رضي الله عنه...والظن أن هذه العلامة لم تظهر ، والله أعلم . (نهاية العالم ، محمد بن عبدالرحمن العريفي ، ص ۱۴۸).

اشکال: پہلے دن کے چاند کے باریک ہونے اور موٹے ہونے کا تعلق بظاہر قربِ قیامت سے نہیں بلکہ اس کا تعلق اس کی ولادت پر گزرے ہوئے اوقات سے ہے مثلاً: ۲۰ یا ۲۲ گھنٹے کا ہوگا تو باریک ہوگا اور ۳۴ یا ۳۵ گھنٹے کا ہوگا تو بڑا ہوگا تو حدیث میں اس کا تعلق قربِ قیامت سے کیسے بتایا گیا؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ قربِ قیامت میں لوگ جہالت کی وجہ سے اور اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھنے کی وجہ سے یہ رائے زنی کریں گے کہ چاند بڑا ہے اس لیے یہ دو دن کا ہے اس بات کو نہیں سمجھیں گے کہ اگر چاند کل کا ہے تو گذشتہ کل آسمان صاف ہونے کے باوجود کیوں نظر نہیں آیا، اس توجیہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ موجود ہے، وأن يرى الهلال لليلة فيقال لليلتين، چنانچہ آجکل عوام کو تو چھوڑ دیجئے بعض علماء سے ہم سنتے ہیں کہ چاند اتنا موٹا ہے کہ کل عید ہونی چاہئے تھی جب علماء کا یہ حال ہے تو عوام کا کیا پوچھنا۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں آلاتِ جدیدہ کی طرف اشارہ ہوگا، کہ جن آلات میں مچھر مرغی کے برابر نظر آتا ہے ان آلات سے باریک چاند بھی موٹا نظر آئیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہیٹر کا استعمال اور ایک حدیث کی تشریح:

سوال: حدیث شریف میں آتا ہے: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تتركوا النار في بيوتكم حين تنامون. متفق عليه ، وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: احترق بيت بالمدينة على أهله من الليل فلما حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم بشأنهم قال: إن هذه النار عدو لكم فإذا نمتم فأطفئوها . متفق عليه .

مہربانی فرما کر سمجھائیں کہ مسئلہ کی رو سے ان گھروں کے بارے میں کیا حکم ہے جو مہینے بھر تک سردی کے موسم میں اپنے گھروں میں فائر پلیس پر آگ جلاتے ہیں، اور ان مساجد کے بارے میں کیا حکم ہے جن میں قالین

کے نیچے ہیٹر جلایا جاتا ہے، اور عام گھروں میں بھی لوگ رات بھر ہیٹر جلائے رکھتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: موجودہ دور میں ہیٹر کی ساخت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اس میں جلنے سے امن رہتا ہے، اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سونے سے پہلے اپنی جان ومال کی حفاظت کا انتظام کر کے سویا کرو مبادا کوئی چنگاری لگ جائے اور جان اور مال ومتاع کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

بایں وجہ اندرونِ قالین ہیٹر میں سو فیصد جلنے سے امن حاصل ہے کیونکہ وہ آگ ہی نہیں، البتہ وہ ہیٹر جن میں سرخ آگ نظر آتی ہے اس میں کپڑے یا کملی وغیرہ کے جلنے کا قوی اندیشہ ہے لہذا اس قسم کے ہیٹر کو سونے سے قبل بند کر دینا چاہئے، نیز وہ آگ جلانے کی جگہ جو کمرۂ نشست وبرخواست میں بنی ہوئی ہوتی ہے اس کو بھی سونے سے قبل بجھا دینا ضروری ہے ورنہ نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

شراحِ حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

قال العلامة العيني: وأما القناديل المعلقة فى المساجد والبيوت فإن خيف منها أيضاً فتطفأ وإلا فلا. (عمدة القارى: ۱۴/۲۲۲، باب تغطية الاناء، ط: دارالحديث، ملتان).

وقال الشيخ الملا على القاري: قال الإمام النووي: هذا عام يدخل فيه السراج وغيره وأما القناديل المعلقة فإن خيف بسببها حريق دخلت فى ذلك وإلا فلا بأس لانتفاء العلة. وقال القرطبي: جميع أوامر هذا الباب من باب الإرشاد إلى المصلحة ويحتمل أن تكون للندب لاسيما فيمن ينوى امتثال الأمر. (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۳۱، ط: مكتبة امداديه، ملتان).

وقال في تكملة فتح الملهم: وقال القرطبي: في هذه الأحاديث أن الواحد إذا بات ببيت ليس فيه غيره وفيه نار فعليه أن يطفئها قبل نومه أو يفعل بها ما يؤمن معه الاحتراق ... وأما ما ورد بإطفاء النار مطلقاً كما في حديث أبي موسىٰ فقد يتطرق منه مفسدة أخرى غير جر الفتيلة كسقوط شيء من السراج على بعض متاع البيت وكسقوط المنارة فينثر السراج إلى شيء من المتاع فيحرقه فيحتاج إلى الاستيثاق من ذلك فإذا استوثق بحيث يومن معه الإحراق فيزول الحكم بزوال علته، كذا في فتح البارى، والحاصل أن إطفاء السراج أو النار معلل بالأمن من الاحتراق ومن الإسراف وإضاعة المال ويؤخذ منه حكم إطفاء نور الكهرباء فإن لزم منه إضاعة المال منع منه وإن كان لحاجته فلا بأس، والله أعلم.

(تکملة فتح الملهم : ۳/۲۵۸).

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو حکم وارد ہوا ہے وہ ارشادی اور استحبابی ہے اور اس میں جان اور مال ومتاع کے جلنے سے حفاظت کا سامان ہے، بہت سی مرتبہ ایسا ہوا کہ تھوڑی سی بے پرواہی کی وجہ سے آگ والے ہیٹر سے مکان نظر آتش ہوا اور بہت سی جانیں ہلاک ہوئیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نزولِ مصائب وآفاتِ سماوی کے اسباب:

سوال: کیا مصیبت اور آفتِ سماوی صرف اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے آتی ہے، یا اور بھی اسباب ہیں، کیونکہ طالبان کی حکومت میں دوسال قحط سالی رہی اب بارش ہورہی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) بعض مرتبہ متقیوں کو نعمتیں مل جائیں تو ان میں مست ہوکر دین سے ہٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو کلفت میں رکھتے ہیں۔

(۲) اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قحط سالی نہیں آئی تھی؟ یقیناً آئی تھی اور سوال میں مذکور قحط سالی صرف طالبان پر نہیں بلکہ پورے خطے پر تھی جو سنامی کے بعد دور ہوئی۔

(۳) نیز طالبان کے عہد میں کھانے، پینے کی چیزیں باوجود پوری دنیا کے بائیکاٹ کے کثرت سے ملتی تھیں۔

(۴) نیز ہم نے عیاشیوں کی چیزوں کا نام ضرورت کی چیزیں رکھا ہے جبکہ ضرورت اور ہے اور لذت و عیاشی اور ہے۔ اگر آدمی کو روٹی کے ساتھ معمولی سالن یا لسی مل جائے تو اس سے خوب کام چلتا ہے لیکن عرف میں ہم اس کو کافی نہیں سمجھتے ہیں، بہرحال وہ زمانہ رحمتوں اور امن وامان کا زمانہ تھا، یہی ہم نے سنا ہے۔

(۵) نیز طالبان نے شریعت کو نافذ کیا تھا اس لیے پوری دنیا کی طغیانی طاقتیں ان کی مخالف بن گئی تھیں اور کھانے، پینے کی چیزوں کی ترسیل کو بند کردیا تھا یا کم کردیا تھا یہ دنیا کی تقصیر تھی طالبان کی تقصیر نہیں تھی اس زمانہ میں کوئی بھی ملک دوسرے ممالک کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا۔

قرآن واحادیث سے بعض اشارات ملاحظہ کیجئے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: وإذا ابتلى إبراهيم ربه بكلمات فأتمهن، الآية، غزوۂ خندق کے بارے میں فرمایا: هنالك ابتلي المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شديداً . وقال تعالیٰ: أحسب الناس أن

يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لايفتنون . وقال تعالىٰ: ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الأموال والأنفس والثمرات ، وبشر الصابرين .

وأخرج ابن حبان في صحيحه (۲۹۰۰) بسنده عن مصعب بن سعد عن أبيه قال: يارسول الله ! من أشد الناس بلاء ؟ قال: الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى العبد على حسب دينه فما يبرح البلاء بالعبد حتى يدعه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة . قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح .

وأخرج الإمام البخاري في صحيحه(۵۶۴۸) في باب أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل، بسنده عن عبد الله قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يوعك فقلت: يا رسول الله ! إنك لتوعك وعكاً شديداً قال: أجل إني أوعك كما يوعك رجلان منكم قلت ذلك إن لك أجرين قال: أجل ذلك كذلك ما من مسلم يصيبه أذى شوكة فما فوقها إلا كفر الله بها سيئاته كما تحط الشجرة ورقها.

وأخرج الإمام مسلم في صحيحه (۳۹۹۹) بسنده عن صهيب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عجباً لأمر المؤمن إن أمره كله خير وليس ذاك لأحد إلا للمؤمن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له .

وأخرج الإمام البخاري في صحيحه(۵۶۴۱) بسنده عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا أذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفر الله بها من خطاياه .

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر مشرک کی دعا قبول ہونے کا حکم:

سوال: کیا کافر مشرک کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اللہ تعالیٰ کافر مظلوم کی دعا قبول فرماتے ہیں ،اور ویسے بھی اگر کافر کی دعا قبول ہوتو وہ استدراج ہے اور دنیوی اعتبار سے ہے اخروی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی دعا بھی قبول فرمائی تھی۔

روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ قاضی بغداد فرماتے ہیں:

إن دعـاء الـكافر قد يستجاب وهو الذي ذهب إليه الدبوسي وغيره من الفقهاء خلافاً لـمـا نـقـلـه فـى البزازية... والفتوىٰ على الأول للظاهر ولقوله عليه السلام : دعوة المظلوم مستـجابة وإن كان كافراً ، وحمل الكفر على كفران النعمة لا كفران الدين خلاف الظاهر، ولا يـلـزم مـن الاستجابة المحبة والإكرام فإنها قد تكون الاستدراج . (روح المعانی : ۹۲/۸، سورة الاعراف).

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ آخرت کے بارے میں قبول نہیں ہوگی۔

قـال: ومـا دعـاء الـكـافرين إلا في ضلال ، فقد استشكلوا ذلک بأن دعاء الكافر قد يستـجـاب وهـو الـمـصـرح بـه فى الفتاوىٰ واستجابة دعاء إبليس وهو رأس الكفار نص في ذلک،وأجيب بأن المراد دعاء هم اللّٰه تعالى بما يتعلق بالآخرة...الخ.(روح المعانی:۱۲۵/۱۳).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: (تـفـسـيـر الـفـخـر الرازی: ۱۷۰/۲۷ ،ومرقاة المفاتيح : ۲۰۸/۹، ۳۶۶/۱۰، وفتاوى الشامی: ۱۶۹/۲ ،سعيد).

امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل فرمائی اس سے پتا چلتا ہے کہ کافر مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے:

عـن عـائشة رضـي الـلّٰـه تعالىٰ عنها أن وليدة كانت سوداءَ لِحَيٍّ من العرب فاعتقوها فكانت معهم قالت: فخرجت صبية لهم عليها وشاح أحمر من سيور قالت: فوضعته أو وقع مـنهـا فمرت به حدياة وهو ملقى فحسبته لحماً فخطفته قالت: فالتمسوه فلم يجدوه قالت: فـاتهموني به قالت: فطفقوا يفتشون حتى فتشوا قبلها قالت: واللّٰه إني لقائمة معهم إذا مرت الحدياة فألقته قالت: فوقع بينهم قالت: فقلت هذا الذي اتهمتموني به زعمتم وأنا منه بريئة وهـو ذا هـو قـالـت: فـجـاء ت إلـى رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأسلمت...الخ. (رواه البخاری ، رقم: ۴۳۹، باب نوم المرأة فی المسجد).

بظاہر اس عورت نے دل میں چوری کے الزام سے بری ہونے کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور چیل واپس آئی اور گم شدہ ہار لوگوں کے درمیان میں ڈال دیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فتویٰ دینے کا اہل کون ہے؟

سوال: آدمی کے لیے فتویٰ دینا کب جائز ہے یعنی کتابوں کے مطالعہ سے عالم فتویٰ دے سکتا ہے یا

نہیں؟ یا اس کے لیے کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اگر کوئی عالم فقہ میں مہارت رکھتا ہو اور فتاویٰ کا مطالعہ کر چکا ہو یا فقہی کتابوں کی تدریس کر چکا ہو اور عوام وخواص اس کو مفتی سمجھتے ہوں اور اس نے کسی ماہر مفتی سے علمِ فقہ اور فتویٰ کی مشق کی ہو تو وہ مفتی بن سکتا ہے اور اس کے لیے فتویٰ دینا جائز اور درست ہے، باقی فقط کتابیں دیکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ نے شرحِ عقود رسم المفتی میں تحریر فرمایا ہے:

وقد رأيت في فتاوى العلامة ابن حجرؒ سئل في شخص يقرأ و يطالع الكتب الفقهية بنفسه ولم يكن له شيخ ويفتي ويعتمد على مطالعته فى الكتب ولم يتوقف فيما يسأل عنه هل يجوز له ذلک أم لا ؟

فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه لأنه عامي جاهل لا يدرى ما يقول بل الذى يأخذ العلم عن المشايخ المعتبرين لا يجوز له أن يفتي من كتاب ولا كتابين، بل قال النوويؒ: ولا من عشرة فإن العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم على مقالة ضعيفة فى المذهب فلا يجوز تقليدهم فيها، بخلاف الماهر الذي أخذ العلم عن أهله وصارت له فيه ملكة نفسانية فإنه يميز بين الصحيح من غيره ، ويعلم المسائل وما يتعلق بها على الوجه المعتمد به فهذا هو الذي يفتى الناس ويصلح أن يكون واسطة بينهم وبين اللّٰه تعالىٰ وأما غيره فيلزمه إذا تسور هذا المنصب الشريف التعزير البليغ والزجر الشديد الزاجر له ولأمثاله عن هذا الأمر القبيح الذى يؤدي إلى مفاسد لا تحصى واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم.

(شرح عقود رسم المفتی،۸). (وفتاویٰ الفقهية الكبرى :۴/ ۳۳۲،باب القضاء،ط:دار الفكر). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قومی ترانہ پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض ملکوں میں ایسے قومی ترانے مروج ہیں جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہیں خود ہندوستان میں ''وندے ماترم'' پڑھنے کو کہا جاتا ہے جس میں ارض وطن کی معبودیت کا تصور پایا جاتا ہے، کیا مسلمانوں کے لیے اس قسم کے ترانوں کا پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسے مضامین جن میں شرک کی بو ہو اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی بندگی کا

تصور ہوا یسے ترانوں کے پڑھنے کی شریعتِ مطہرہ اجازت نہیں دیتی، مذہبِ اسلام میں عبادت اور بندگی کا تصور فقط اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ ہر وہ لفظ جس میں شرک کی بو ہو یا شرک پر مشتمل ہو اس کا تلفظ عام حالات میں روا نہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک جگہ شادی کے موقع پر چند چھوٹی بچیاں کچھ اشعار گا رہی تھیں، ان میں سے ایک نے یہ شعر پڑھا: "**وفينا نبي يعلم ما في غد**" تو فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا اور تنبیہ فرمائی: "**دع هذه**"۔ (بخاری شریف: ۲/۷۷۳) اور "وندے ماترم" سنسکرت زبان کا جملہ ہے اس کے معنی یہ ہیں: "میں اپنے مادرِ وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں"۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۴۷۴)۔

نیز جدید فقہی مسائل میں مرقوم ہے:

حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دائرہ میں ہو تو اسلام اسے پسند کرتا ہے یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان میں ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کی جاسکتی اور بندگی صرف خدا ہی کے لیے ہے اس لیے اسلامی نقطہ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ برادرانِ وطن کو سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کے لیے یہ محض ایک قومی اور ملکی مسئلہ نہیں اور نہ ہم اس کو انا اور وقار کا مسئلہ بنا رہے ہیں بلکہ اس کی جڑیں ایمان وعقیدہ میں پیوست ہیں اور کسی مسلمان کو ایسا کہنے پر مجبور کرنا گویا ان کو اس بات پر مجبور کرنا ہے کہ وہ اپنے مذہب وعقیدہ سے دست کش ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کا کوئی بھی سنجیدہ اور انصاف پسند شہری جو ملک کے رنگا رنگ مذہبی اور تہذیبی کردار کو باقی رکھنا چاہتا ہو ایسی کوشش کو ناپسندیدگی ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۴۷۴)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بعض کتب سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے کا شبہ:

سوال: تفسیر مظہری، کبیری، بدائع الصنائع، مجموعۃ الفتاویٰ اور فتح القدیر، ان مذکورہ کتابوں میں ذکر بالجہر کو بدعت کہا گیا ہے۔ ان میں سے فقط دو کتابوں کی مختصر عبارت درجِ ذیل ہے:

قال فی التفسیر المظهري: ثم أجمع العلماء على أن الذكر سراً هو الأفضل والجهر بالذكر بدعة إلا في مواضع مخصوصة مست الحاجة فيها إلى الجهر به ...الخ. (التفسیر المظهری: ۳/۳۶۱).

قال في شرح المنية : وقال أبو حنيفةؒ : ليس كلامنا في مطلق الذكر فلأنه أمر مرغوب فيـه في كل الأحيان بل فى الجهرية وهو بدعة لقوله تعالىٰ : ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾ إلا مـا استثـنـى الشـرع فـإذا تعارضت الأدلة في مقدار المستثنى فالأخذ بالأقل والعمل بما ورائـه بـالأصل هو الاحتياط إذ فيه الجمع بين الأدلة . (غـنية الـمتملى فى شرح منية المصلى، ص: ۵۷۴، ط: سهيل اكيڈمى).

اوراس طرح کی عبارات فتح القدیر:۲/ ۴۱، وبدائع الصنائع :۱/ ۱۹۶، ومجموعۃ الفتاویٰ:۲/ ۲۳۴، پر ملاحظہ کیجئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان عبارات کی روشنی میں ذکر بالجہر کا کیا حکم ہوگا؟ بینواتوجروا۔

الجواب: قاضی ثناءاللہ پانی پتی تفسیر مظہری کے مصنفؒ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ذکر سری افضل اور ذکر جہری جائز ہے: والأمـر بـالإخفاء إنما هو شفقة لا لعدم جواز الجهر أصلاً۔ جب ذکر جہری جائز ہے پھر اس کو بدعت کیسے کہا جائیگا اس لیے بندۂ عاجز کے خیال میں بدعت سے لغوی معنی مراد ہے اور لغوی بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے اہل باطل کے مقابلہ میں دلائل مرتب کرنا اور کبھی حرام ہوتی ہے جیسے مذاہبِ باطلہ کے مسائل کو اپنانا اور کبھی مندوب ہوتی ہے جیسے مساجد کے مینار کا بنانا اور کبھی مباح ہوتی ہے جیسے چھلنی کا استعمال کرنا اور کبھی خلافِ اولیٰ ہوتی ہے جیسے مساجد کی دیواروں کی تزیین کرنا۔

قـال فى الهندية: لا بأس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب والصرف إلى الفقراء أفضل كذا فى السراجية . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۱۹).

تفسیر مظہری میں بدعت اولیٰ کے مقابلہ میں آئی جو خلافِ اولیٰ کے معنی میں ہے، اسی طرح دیگر فقہاء کے کلام کو سمجھ لیں۔ چونکہ صاحب تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے اور ان کے ہاں ذکر بالجہر ایک نئی شئی ہے۔ نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مضمون کو بھی ذہن میں رکھ لیں وہ فرماتے ہیں:

اقوال بعض فقہاء کے بعض پر حجت نہیں ہوسکتے یہ خاصہ ہے اختلافِ اقوال کا، والبسط فی المطولات، راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین کا صحیح اور ان میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ سب آیات و احادیث واقوال علماء کے جمع ہوجاتے ہیں، على أن خير الأمور أعدلها...الخ. (امدادالفتاویٰ:۵/ ۱۶۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک روایت سے ذکر بالجہر کی نفی ہوتی ہے اس کا حکم:

سوال: درجِ ذیل ایک روایت سے ذکر بالجہر کی نفی ہوتی ہے،اس کی تحقیق مطلوب ہے؟ حدیث یہ ہے: " **كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال و عند الذكر** ". بینوا توجروا۔

الجواب: سوال میں درج کردہ روایت کی تحقیق حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى (۷۴۳۳) **بسنده فقال: أخبرنا أبوالحسين: على بن محمد بن عبد الله بن بشران** (ثقة) **ببغداد أخبرنا أبوعلى: إسماعيل بن محمد الصفار** (ثقة) **حدثنا الحسين بن محمد بن أبي معشر** (ضعيف) **حدثنا وكيع** (ثقة) **عن هشام الدستوائي** (ثقة) **عن قتادة** (ثقة) **عن الحسن** (ثقة) **عن قيس بن عباد** (ثقة،مخضرم) **قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال و عند الذكر.**

۲. **قال أبوبكر محمد بن ابراهيم بن المنذرالنيسابورى فى "الأوسط"** (۵/۲۲۴/۳۰۳۴) **حدثنا على بن عبدالعزيز** (ثقة)، **قال ثنا أبونعيم الفضل بن دكين** (ثقة)، **قال: ثنا هشام عن قتادة ، عن الحسن ، عن قيس بن عباد، قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم يكرهون الصوت عند ثلاث: عند القتال وعند الجنائز و عند الذكر .**

۳. **قال ابن المنذر فى " الأوسط"** (۵/۲۲۴/۳۰۳۵) **حدثنا إسحاق** (مختلف فيه) **عن عبدالرزاق**(ثقة) **عن معمر** (ثقة) **عن الحسن قال: ادركت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم يستحبون خفض الصوت عندالجنائز وعندقراء ة القرآن وعندالقتال .**

خلاصہ یہ ہے کہ رجال ثقہ ہیں لیکن حسن اورقتادہ دونوں مدلس ہیں اوراکثر جگہوں میں ان دونوں کا عنعنہ ہے ہاں ابن منذر کی ایک روایت میں عنعنہ نہیں ہے،لہٰذااس طریق سے یہ روایت ٹھیک ہے، نیز قتال کے وقت رفع الصوت اورذکر بالجہر احادیث سے ثابت ہے۔جیسے فتح خیبر کے موقع پر فرمایا: **الله أكبر خربت خيبر**، خندق کی کھدائی کے وقت صحابہ کرام یہ اشعار بلندآواز سے پڑھتے تھے: **والله لولا الله ما اهتدينا و لا تصدقنا و لا صلينا فأنزلن سكينة علينا وثبت الأقدام إن لا قينا إن الأولى قد بغوا علينا إذا أرادوا فتنة أبينا** اور **أبينا** کے ساتھ آواز بلند کرتے تھے۔

نیز" **كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند**

الجنازة والقتال والذكر" کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جاتے ہوں تو شور مت کرو، اس لیے کہ جنازہ میں تواضع اور اظہارِ غم مطلوب ہے اور شور کرنا تواضع اور اظہارِ غم کے خلاف ہے اور جب لوگ جہاد میں مشغول ہوں تو شور مت کرو، کیونکہ یہ کبھی کبھی بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن فتح کے بعد بطورِ خوشی "الله أكبر خربت خيبر" کا بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے اور جب ذکر میں مشغول ہوں تو شور کر کے ان کے ذکر میں خلل مت ڈالو۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: أي رفع الصوت بالصراخ وكثرة اللغط، (عند القتال) فإنه قد تقدم في باب الرجل ينادى بالشعار، إن الشعار ينادى به، قال الشوكاني: فيه دليل على أن رفع الصوت حال القتال وكثرة اللغط والصراخ مكروه، ولعل وجه كراهتهم لذلك أن التصويت في ذلك الوقت ربما كان مشعراً بالفزع والفشل، بخلاف الصمت فإنه دليل الثبات ورباط الجأش، واستثنى القاري منه ذكر الله تعالىٰ عند القتال. (بذل المجهود: ۹/۲۶۷، دار البشائر الاسلامية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گھر میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھنے کا حکم:

سوال: گھر میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہئے یا بایاں اور گھر سے نکلتے وقت کونسا پہلے باہر نکالنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شراحِ حدیث کی بعض عبارات سے پتا چلتا ہے کہ گھر مسجد کی طرح ہے اس لیے داخل ہوتے وقت پہلے داہنا پاؤں رکھے اور گھر سے باہر نکلتے وقت کے بارے میں کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور اہم کاموں کے لیے نکلے تو داہنا پاؤں پہلے استعمال کرنا چاہئے جیسے گھر سے مسجد یا مدرسہ جارہا ہو اور اگر غیر محبوب جگہ جانا ہو تو پہلے بایاں استعمال کرے جیسے بازار یا بیت الخلاء جانا ہو۔ اگر کوئی جزئیہ اس کے خلاف مل جائے تو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چونکہ گھر سے باہر فتنے اور خطرات ہیں اس لیے بایاں پاؤں پہلے نکالے۔

قال الإمام النوويؒ: باب استحباب تقديم اليمين في كل ما هو من باب التكريم كالوضوء والغسل والتيمم، ولبس الثوب والنعل والخف والسراويل ودخول المسجد

والسواک والاکتحال... وغیر ذلک مما هو في معناه ، ویستحب تقدیم الیسار في ضد ذلک کالامتخاط والبصاق عن الیسار و دخول الخلاء والخروج من المسجد...وأشباه ذلک . (ریاض الصالحین، ۲۵۶، کتب خانه عزیزیه).

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن علان الصدیقی دلیل الفالحین میں رقمطراز ہیں:

(**وأشباه ذلک**) **المذکور و سکت عما لا تکرمة فیه ولا إهانة کدخول المنزل وقد اختلف فیه فقیل: إنه بالیمنی نظراً لعدم وجود الإهانة المقتضیة للیسری ، وقیل : بالیسری لفقدان التکریم المقتضی بها والراجح الأول .** (دلیل الفالحین : ۲۱۵/۳).

وبوب الإمام البخاري في صحیحه: باب التیمن في دخول المسجد وغیره، وذکر الإمام العیني في شرح هذا الباب : أی هذا باب في بیان البداء ة بالیمین في دخول المسجد وغیره وقال الکرماني وغیره بالجر عطف علی الدخول لا علی المسجد ولا علی التیمن وتبعه بعضهم علی ذلک . قلت: لم لا یجوز أن یکون عطفاً علی المسجد أی وغیر المسجد مثل البیت والمنزل . (عمدة القاری : ۴۲۳/۳، دارالحدیث ، ملتان).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دخولِ بیت دخولِ مسجد کی طرح ہے یعنی یمین ہی کو ترجیح ہوگی۔

وقال في فتح الملهم: عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب التیمن في شأنه کله في نعله وترجله وطهوره، قوله في شأنه کله، الخ.

قال النوویؒ: قاعدة الشرع المستمرة استحباب البداء ة بالیمین في کل ما کان من باب التکریم والتزیین وما کان بضدها استحب فیها التیاسر. (فتح الملهم : ۷۳۳/۲،باب النهی عن الاستنجاء بالیمین). **وللمزید من البحث راجع :** (فتح الباری : ۲۶۹/۱، وشرح النووی علی صحیح مسلم : ۳۲/۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صفائی کے لیے محترم شئی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: بعض اشیاء کی صفائی کے لیے اشیائے خوردنی مثلاً: مکئی سے بنے ہوئے کھانے یا دودھ وغیرہ کا استعمال مفید ہوتا ہے جیسے سفید جوتے اور بعض سفید چمڑے وغیرہ کی صفائی اسی سے ہوتی ہے جبکہ یہ کھانے کی

محترم اشیاء ہیں تو کیا صفائی کی خاطر ان کا استعمال درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہائے کرام کی بعض عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی صفائی کے لیے ستو، آٹا وغیرہ کا استعمال درست ہے اسی طرح دباغت کے لیے بھی اشیائے خوردنی کا استعمال جائز ہے بنابریں صورتِ مسئولہ میں بھی مذکورہ بالا اشیاء کی صفائی کے لیے اشیائے خوردنی کا استعمال جائز اور درست ہے نہ یہ اسراف کے قبیل سے ہے اور نہ اس میں اہانت کا پہلو ہے، البتہ حتی الامکان جوتے کی صفائی اشیائے خوردنی سے نہیں کرنی چاہئے الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو غسل يده أو رأسه بالنخالة أو أحرقها إن لم يبق فيها شيء من الدقيق وهي نخالة تعلف بها الدواب لا بأس به كذا في فتاوى قاضيخان وفي نوادر هشامؒ سألت محمداً عن غسل اليدين بالدقيق والسويق بعد الطعام مثل الغسل بالأشنان فأخبرني أن أباحنيفةؒ لم ير بأساً بذلك وأبويوسفؒ كذلك وهو قولي كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۳۷).

وكذا في البحر: وزاد بقوله: لتوارث الناس ذلك من غير نكير. (البحر الرائق: ۸/۲۰۹، دارالمعرفة).

قال في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: و من الدابغ الحقيقي الملح، وشبهه من كل ما يزيل النتن والرطوبة كما في القهستاني. (حاشية الطحطاوی، ص: ۱۶۷، ط: قديمی).

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۹۹، كوئٹه، وفقه العبادات: ۱/۶۷).

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کی جدید شکلیں بامِ عروج پر ہیں جس کی بنا پر ہر چیز کی صفائی کے لیے اس کے بالکل مناسب کریم، اسپرے، وغیرہ دستیاب ہیں، اُن کو استعمال کر کے اُن سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم ٹیچر کی سالگرہ میں شرکت کا حکم:

سوال: اسلامی اسکول میں کسی غیر مسلم ٹیچر کی سالگرہ میں شرکت کرنا اور برتھ ڈے گیت گانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: غیر مسلم کی سالگرہ کے موقعہ پر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر اور صحت کو دراز کر کے اس کو ہدایت نصیب فرمادے، باقی برتھ ڈے منانا غیر مسلموں کا طریقہ ہے، صحابہ کرام اور تابعین نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت نہیں منایا اور نہ کبھی اس کا اہتمام کیا، بعد والے لوگوں نے ان چیزوں کو ایجاد کیا جو حجت نہیں۔ احکام القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين﴾... وبالجملة فى الآية دليل على جواز البر والإحسان إلى الكافر إذا لم يكن محارباً لكن يشترط أن لا يقصد تعظيمه وإكرامه و فى التعبير بعدم النهي إشارة إلى أنه مأذون فيه فقط لا أنه مرغوب فيه.

(احكام القرآن : ۴۵/۵، ادارة القرآن).

تفسیر عثمانی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا، جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور روا داری سے پیش آتے ہیں، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھادو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے، اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے، تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کردیں، ایسا کرنا حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا، ضروری ہے کہ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اور معاند ومسالم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے جس کی قدرے تفصیل سورۂ مائدہ اور آلِ عمران کے فوائد میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی، ص۷۲۹)۔

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

کسی غیر مسلم کی درازئ عمر کی دعا مانگنا اس نیت سے کہ شاید خدا تعالیٰ اس کو ہدایت فرمادے اور وہ آئندہ عمر میں نورِ اسلام سے منور ومستنیر ہوجائے جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۵۶/۹، ط: دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نزہۃ المجالس سے استفادہ کا حکم:

سوال: ہمارے اکابرؒ کی بعض تصنیفات میں ''نزہۃ المجالس'' نامی ایک کتاب کے بکثرت حوالے ملتے ہیں، اس کے مصنف کون تھے اور کیا یہ کتاب معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ''نزهة المجالس ومنتخب النفائس عن أخبار الصالحين'' یہ کتاب شیخ

عبدالرحمٰن بن عبدالسلام الصفوری الشافعیؒ (م۸۹۴ھ) کی تصنیف کردہ ہے، اوراس کتاب کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ اس میں احادیثِ موضوعہ بکثرت موجود ہیں، لہٰذا بلاتحقیق اس کتاب سے روایات نقل نہیں کرنی چاہئے۔ ملاحظہ ہو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحب فرماتے ہیں:

قال شيخنا العلامة الفقيه المحدث الأديب الشيخ علوی المالکی المکی حفظه اللّٰه تعالیٰ وأطال بقائه في عافية وهناء ة في آخر جزئه :" المنهل اللطيف في أحكام الحديث الضعيف "، ص ۲۹ : فائدة : ذكر العلماء كتاباً لا ينبغي لإنسان أن ينقل منها حديثاً إلا بعد المراجعة والتنقيب، بل بعضها يغلب فيه ذكر الأحاديث الموضوعة، وذلک مثل كتاب "شمس المعارف" و" نزهة المجالس" لعبد الرحمن الصفوری فلا ينبغی الاعتماد عليها لكثرة الأحاديث الموضوعة فيها حتى إن برهان الدين محدث دمشق حذر من قراء تها و حرمها الجلال السيوطی . (التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة، بقلم الشيخ عبد الفتاح أبوغدة، ص: ۱۳۹، ط: دارالسلام، بحلب).

نزهة المجالس ومنتخب النفائس، نبذة عن الكتاب: من مشاهير كتب الرقائق، يكاد يكون خلاصة لكل ما ورد فيها من حكايات الصالحين ونوادر أخبارهم، ألفه الصفوری كما يبدو في مدة طويلة، بعد تأليف كتابه: صلاح الأرواح، ورتبه على أركان الإسلام وشعب الإيمان وختمه بخصائص النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سيما فی المولد والمعراج، ثم مناقب أمهات المؤمنين، والعشرة المبشرين، وحشده بما انتخبه من نفائس الكتب والتفاسير المشهورة، وأما غير المشهورة، فنذكر منها: المورد العذب للبوني، وزهرة الرياض للنسفي، و تفاح الأرواح لشمس الدين ابن السراج، والماجريات فی الأسئلة والجوابات لابن الجوزي، والعلوم الفاخرة لابن مخلوف المالکی، ومفتاح معانی الأخبار للكلاباذی، وزاد المسافر : وهو كتاب حسن فی الطب، ولوامع أنوار القلوب، والعقائق، وعيون المجالس، والزهر الفائح، وشوارد الملح، والوجوه المسفرة، ومجمع الأحباب، ونرجس القلوب، والملاذ والاعتصام وأنيس الجليس، والكواكب للأسنوي، ومنها ما نص على رؤيته بمكة أوبجدة، ونقل في مواضع متتالية عن شرح البخاري لابن

أبي جمرة ، أما ما نقله عن التوراة فيقصد به الإسرائيليات وليس التوراة المعروفة ، وتطرق في بعض فصوله إلى منافع طبية كمنافع الرمان ، القرنفل ، والعناب ، وطير القمرى ولحم الثعلب ، ومنافع الذئب، وبيض مالايؤكل لحمه ، وأودع فيه شيئاً مما سمعه من أبيه ، أو ما رأه في أوراقه بخطه ، منها : تعليقه على ما نقله من طبقات السبكى من ترجمة سليم بن أيوب ، قال : ولم يذكر فى الطبقات تاريخ وفاته ، بل رأيت بخط والدى أن سليماً غرق في بحر جدة سنة ۴۴۷ه . ومنها: مارأه بخطه في تحديد ليلة القدر حسب مطلع الشهر . ومن غرائبه ما حكاه عن مهجع مولى عمر أول قتيل الإسلام ، وعبد القدوس اليهودى ،خادم النبي صلى الله عليه وسلم وما جاء في منافع سور القرآن كلها، وما حكاه من عادات الناس في استقبال الشهور الشمسية ، و قصة زواج الشافعي من امرأة لها وجهان و أربع أيدي ، و تحديده وفاة العرودک : دفين الصالحية بدمشق ، و بسبب كتابه هذا حكم عليه الشهاب الحمصى برفع كرسيه من الجامع الأموى يوم:۱۵ /جمادى الأولى/۸۹۹هـ كما حكى في كتابه : حوادث الزمان وذلک بسبب ما حشره فيه من الحديث الموضوع . طبع الكتاب لأول مرة بمطبعة الأزهرية بمصر في خزائن سنة ۱۳۴۶ھ بعناية إبراهيم الفيومي. أما ترجمة الزركلى للصفورى ، فتحتاج إلى تعديل. والصواب أنه من أهل الشام، بل من أعرق أسر الصالحية، وفيها ضريح ولده محمد م ۹۵۸ھ . انظر : (ارشيف ملتقى اهل الحديث والتفسير، أعده أبومحمد المصرى).

الموضوعات الکبریٰ کے مقدمہ میں مرقوم ہے:

ومن الكتب المشحونة بالموضوعات والخرافات الإسرائيلية كتاب "نزهة المجالس ومنتخب النفائس" للصفورى فإن مؤلفه ؒ قد شحنه بالموضوعات مما لا يدخل تحت حصر وفيه حكايات لا أصل لها. (مقدمة الموضوعات الكبرى،ص۷). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کا جمع ہوکر ورزش کرنے کا حکم:

سوال: اگرعورتیں کسی ہال میں جمع ہوکرورزش کریں ،اورکسی ایک عورت سے سیکھیں تو شریعت

میں اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: موجودہ دور میں جب کہ روزانہ نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں، عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے، افشاءِ شر کے وسائل زیادہ ہیں، خیر کی امیدیں کم ہیں، فساق وفجار کا غلبہ زیادہ ہے، نیز عورتوں کے فیشن دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں، ایسے دور میں گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے کہ کیا کیا ایجاد کیا ہے تو ضرور منع فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ بھی دورِ نبوی سے قریب کا تھا اگر اِس زمانہ کا حال ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوجائے تو ایک سیکنڈ کے لیے گھر سے باہر جانے کو گوارہ نہ فرمائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ زمانہ جاہلیت پلٹ کر آرہا ہے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔

بنابریں موجودہ زمانہ کے حالات کے پیش نظر مسلمان خواتین کو بلا حاجت وضرورت گھر سے ہرگز باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ اور ورزش گھر میں بھی ہوسکتی ہے اس کے لیے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ اچھی ورزش تو گھر کا کام کاج، جھاڑو، صفائی وغیرہ ہے وہ تو انہوں نے دوسروں کے حوالہ کردیا اور ورزشوں کے چکر میں پڑ گئیں۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں:

قلت: لو شاهدت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات لكانت أشد إنكاراً، ولا سيما نساء مصر، فإن فيهن بدعاً لاتوصف و منكرات لاتمنع، منها ثيابهن من أنواع الحرير المنسوجة أطرافها من الذهب والمرصعة باللآلی وأنواع الجواهر، وما على رؤوسهن من الأقراص المذهبة المرصعة والجواهر الثمينة، والمناديل الحرير المنسوج بالذهب والفضة الممدودة، وقمصانهن من أنواع الحرير الواسعة الأكمام جداً، السابلة أذيالها على الأرض مقدارأذرع كثيرة بحيث يمكن أن يجعل من قميص واحد ثلاثة قمصان وأكثر. ومنها: مشيهن فی الأسواق في ثياب فاخرة وهن متبخرات متعطرات مائلات متبخترات متزاحمات مع الرجال مكشوفات الوجوه في غالب الأوقات. ومنها: ركوبهن على الحمير الغرة وأكمامهن سابلة من الجانبين في ازر رفيعة جداً... ومنها: غلبتهن على الرجال وقهرهن إياهم وحكمهن عليهم بأمور شديدة، ومنهن نساء يبعن المنكرات بالاجهار، ويخالطن الرجال فيها، ومنهن قوادات يفسدن

الرجال والنساء ويمشين بينهن بما لم يرض به الشرع، ومنهن: صنف بغايا قاعدات مترصدات للفساد، ومنهن صنف دائرات على أرجلهن يصطدن الرجال... و منهن: مغنيات يغنين بأنواع الملاهي بالأجرة للرجال والنساء، ومنهن: صنف خطابات يخطبن للرجال نساء لها أزواج بفتن يوقعنها بينهم، وغيرذلك من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشرعية، فانظر إلى ما قالت الصديقة رضي الله تعالىٰ عنها من قولها: لوأدرک رسول الله ﷺ ما أحدثت النساء، وليس بين هذا القول و بين وفاة النبي ﷺ إلامدة يسيرة، على أن نساء ذلک الزمان ما أحدثن جزأ من ألف جزء مما أحدثت نساء هذا الزمان. (عمدة القارى: ۴/ ۶۴۹، باب انتظار الناس قيام الامام العالم تحت ابواب صفة الصلاة، دارالحديث ملتان). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حوادثات ومصائب میں تقدیر کا حوالہ دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے افریقی عورت سے نکاح کیا، اس کے والدین کو معلوم نہیں تھا پھر اس نے والدین کو معذرت کا ایک خط لکھا اور یہ بتایا کہ جو کچھ ہوا وہ تقدیر میں لکھا ہوا تھا، اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان سب باتوں کو تقدیر پر محمول کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مصیبتوں میں تقدیر کا حوالہ درست ہے کہ والد کا انتقال ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھا، گناہوں میں تقدیر کا حوالہ دینا درست نہیں، بلکہ اپنے کسب واختیار کی طرف اس کو منسوب کرنا چاہئے، ہاں توبہ کرنے کے بعد کسی شخص کو گناہ پر ملامت کرنا درست نہیں، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں افریقی عورت سے شادی کی نسبت بھی اپنے کسب اور تدبیر کی طرف کرنی چاہئے اگرچہ تقدیر میں لکھا ہوا ہو۔

قال في المرقاة: ومعتقد أهل السنة والجماعة أن أفعال العباد خيرها وشرها مخلوقة لله تعالىٰ مرادة له ومع ذلک هي مكتسبة للعباد لأن لهم نوع اختيار في كسبها وإن رجع ذلک في الحقيقة إلى إرادته وخلقه ولا يسئل عما يفعل وهم يسئلون وهذا أوسط المذاهب وأعدلها وأوفقها للنصوص فهو الحق والصواب. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۵۸، امداديه).

وفي شرح العقائد: وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها إن كانت طاعة ويعاقبون عليها إن كانت معصية لا كما زعمت الجبرية ...الخ. (شرح العقائد، ص ۸۱، مکتبه خير كثير).

کفایت المفتی میں ہے:

تمام کام جوانسانوں سے سرزد ہوتے ہیں تقدیرالٰہی سے ہوتے ہیں، یعنی ازل سے ابدتک کے تمام حوادث وواقعات اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہتے ہیں کوئی ایک ذرہ بھی خداتعالیٰ کے علم وقدرت سے باہرنہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ بندوں کواچھے برے کام پرمجبور کرچکاہے یا کرتا ہے، بندے جواچھے یابرے کام کرتے ہیں یاذرائع معیشت اختیار کرتے ہیں وہ خدا کی دی ہوئی طاقت کواپنے اختیار سے اس کے علم وقدرت کے ماتحت استعمال کرتے ہیں اوراسی وجہ سے جزایاسزا کے مستحق ہوتے ہیں کہ نیکی یابدی کے ارتکاب میں ان کے قصداورارادے کودخل ہے۔(کفایت المفتی:۱/۱۴۵،ط:دارالاشاعت)۔

لیکن اس کے باوجود گناہ اورغلط کاموں کواللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنادرست نہیں ۔جیسے حدیث شریف میں آتاہے: ” والخير كله في يديک والشر ليس إليک “. (رواه الترمذی،رقم ۳۴۲۲).

قال الإمام النووي ؒ: قال الخطابي وغيره: فيه الإرشاد إلى الأدب فی الثناء على الله تعالىٰ ومدحه بأن يضاف إليه محاسن الأمور دون مساويها على جهة الأدب وأما قوله والشر ليس إليک فمما يجب تأويله لأن مذهب أهل الحق أن كل المحدثات فعل الله تعالىٰ وخلقه سواء خيرها وشرها وحينئذٍ يجب تأويله وفيه خمسة أقوال...الخ. (شرح النووی علی صحيح مسلم:۶/۵۹،ط: بيروت). (وكذا فی فتح الباری:۱۳/۵۳۲).

قال ابن الجوزی في كشف المشكل: إن المعنى لا يضاف الشر إليک فتخاطب به تأدباً لک فلا يقال يا قاتل الأنبياء ومضيق الرزق وإنما تخاطب بما يليق بالأدب...ويقول المذنب: ظلمت نفسي ولايقول: أنت قضيت لأنه كالمناظرة ...الخ. (كشف المشكل من حديث الصحيحين: ۱/۱۴۳،ط:الرياض). واللہ ﷻ اعلم۔

غیرمسلم کو بھائی کہنے کاحکم:

سوال: ایک عالمِ دین نے اپنے بیان میں غیرمسلمانوں کو بھائی کہتے ہوئے یہ کہا کہ: یہ ہمارے بھائی ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، احسان کرواوران کودین کی خاموش دعوت دو، کیاغیرمسلموں کو بھائی کہنادرست ہے؟ بینوابالدلیل توجروابالاجرالجزیل۔

الجواب: پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اخوت کی آٹھ (۸) قسمیں ہیں:

(۱) اخوتِ حقیقی/نسبی؛ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لقد كان في يوسف وإخوته آيات للسائلين﴾ [يوسف:۷] وقال: ﴿إني أنا أخوك فلا تبتئس بما كانوا يعملون﴾ [يوسف: ۶۹].

(۲) اخوتِ دینی؛ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إنما المؤمنون اخوة...﴾ [الحجرات: ۱۰]. قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المسلم اخوالمسلم لايظلمه ولايسلمه. (متفق عليه) وقال: إخوانكم خولكم جعلهم اللّٰه تحت أيديكم. (صحيح البخارى،رقم: ۳۰)، وقال لعمر رضی اللہ عنہ: لاتنسنا يا أخي من دعائك. (سنن ابى داود: ۱/۲۱۷)، وقال: اعبدوا ربكم وأكرموا أخاكم. (مسند احمد: ۱۸/۴۱ ،اسناده ضعيف)، وفي قصة ليلة المعراج: مرحباً بالأخ الصالح والنبي الصالح. (متفق عليه).

اوریہی اصل اخوت ہے کہ ایک مسلمان مشرق میں ہوتو مغرب میں مصیبت زدہ مسلمان کی تکلیف دورکرنے میں شریک ہوجائے۔

(۳) اخوتِ قومی: ﴿وإلى عاد أخاهم هوداً﴾، ﴿وإلى ثمود أخاهم صالحاً﴾، ﴿وإلى مدين أخاهم شعيباً﴾ [الشعراء].

(۴) اخوتِ انسانی اورنوعی: عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ قال: سمعت نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم... أنا شهيد أن العباد كلهم إخوة ...الخ. (سنن ابى داود،رقم: ۱۵۱۰). وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ...والناس بنو آدم وآدم من تراب. (رواه الترمذى،رقم: ۳۹۵۶). قال العلامة الشامي:

الناس من جهة التمثال أكفاء ❁ أبوهم آدم والأم حواء

(فتاوى الشامى: ۱/۴۰،سعيد، وجواهر الادب: ۲/۵۳،لاحمد الهاشمى).

(۵) اخوتِ وطنی: ﴿وإخوان لوط﴾ [ق: ۱۳] کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام ان کی قوم میں سے نہیں تھے ہاں سب شہر میں رہتے تھے تو ہم وطن بھائی تھے، اگرچہ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام نے ان میں شادی کی تھی۔

(۶) اخوتِ رضاعی: ﴿وأخواتكم من الرضاعة﴾ [النساء: ۲۳].

(۷) اخوتِ قرابتی: جیسے چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی وغیرہ۔

قال علي رضي اللّٰه تعالیٰ عنه: محمد النبي أخي وصهري ...الخ. (البداية والنهاية: ۸/ ۹، دار احياء التراث العربى، وسبل الهدى والرشاد: ۱۱/ ۳۰۱).

(۸) اخوتِ موالات (مؤاخات): مہاجرین وانصار کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اخوتِ قومی، وطنی، انسانی ونوعی کے اعتبار سے بھائی کہنا صحیح اور درست ہے جب کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم کے بارے میں اخوت کا اعلان فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دس سال کی عمر میں احتلام سے بلوغ کا حکم:

سوال: ایک دس سالہ لڑکے کو لذت کے ساتھ احتلام ہوا، اور منی کا نکلنا بھی محسوس ہوا، اور زیر ناف بال بھی نکل چکے ہیں، تو کیا اس کو بالغ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ فقہاء نے بلوغ کی اقل مدت بارہ سال لکھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نوخیز لڑکا جب احتلام کا مدعی ہے اور اس کو احتلام یاد بھی ہے تو اس کو بالغ شمار کیا جائیگا اور بالغوں کے احکام اس پر جاری ہوں گے، اور فقہاء نے جو بلوغ کی ادنی مدت بارہ سال لکھی ہے وہ غالب احوال پر مبنی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن علي رضى اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل. (رواه ابوداود، رقم: ۴۴۰۵). **وأخرجه ابن حبان في صحيحه** (رقم: ۱۴۲) **عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته على صحيح ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.**

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

ثم البلوغ فى الغلام يعرف بالاحتلام والإحبال والإنزال...فإن لم يوجد شيء من ذلک فيعتبر بالسن أما معرفة البلوغ بالاحتلام فلما روى عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم أنه قال: رفع القلم...جعل عليه الصلاة والسلام الاحتلام غاية لارتفاع الخطاب والخطاب بالبلوغ دل أن البلوغ يثبت بالاحتلام ولأن البلوغ والإدراک عبارة عن بلوغ المرء كمال الحال وذلک بكمال القدرة والقوة والقدرة من حيث سلامة الأسباب والآلات هي إمكان استعمال سائر الجوارح السليمة وذلک لايتحقق على الكمال إلا عند الاحتلام . (بدائع الصنائع: ۱۷۱/۷،سعید). مزید ملاحظہ ہو : (فتاوی الشامی : ۱۵۴/۶،سعید،وحاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۸۸/۴). واللہ ﷻ اعلم۔

کرسمس کے موقع پر گریٹنگ کارڈ دینے کا حکم:

سوال: غیر مسلموں کو کرسمس کے موقع پر گریٹنگ کارڈ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس پر کوئی مذہبی علامت نہ ہو اور نہ کرسمس منانے یا اس کی حمایت کا ارادہ ہو؟ فقہ کی کتاب کی درجِ ذیل عبارت سے اس کے جواز پر استدلال درست ہے یا نہیں؟ إذا قال المسلم للذمي: أطال الله بقاء ک، قالوا: إن نوى بقلبه أن يطيل الله بقاء ک لعله أن يسلم أو يؤدى الجزية عن ذل وصغار لا بأس به لأن هذا دعاء له إلى الإسلام أو لمنفعة المسلمين . (الاشباہ والنظائر: ۱۰۴:۱،ادارۃ القرآن). بينوا توجروا .

الجواب: وہ کفار جو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار نہ ہوں ان کے ساتھ مدارات جائز ہے، ہاں موالاتِ قلبی جائز نہیں ہے، چنانچہ گریٹنگ کارڈ جو مصور نہ ہو اور نہ مذہبی کوئی علامت وغیرہ اس پر ہو تو اس کا بھیجنا مدارات کے تحت جائز ہے۔

البتہ ان کی مذہبی رسوم میں شرکت ناجائز ہے عام طور پر مسلمان ان کی مذہبی رسوم میں شرکت کرتے ہیں اور اس کو بھی مدارات کہتے ہیں یہ بہت بڑی نادانی ہے، جیسے ہمارے معاشرے میں پٹاخے وغیرہ میں ہندؤوں کے دوش بدوش ہوتے ہیں، اس سے مکمل احتراز لازم ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ولو سلم على الذمي تبجيلاً يكفر، لأن تبجيل الكافر كفر ولو قال لمجوسي يا أستاذ تبجيلاً كفر كما فى الأشباه وفيها: لو قال لذمي : أطال الله بقاء ک إن نوى بقلبه لعله يسلم أو يؤدى الجزية ذليلاً فلا بأس به . قوله : تبجيلاً ، قال فى المنح : قيد به لأنه لو لم يكن كذلک بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة فلا بأس به ولا كفر .(فتاوی الشامی: ۴۱۳/۶).

فتاوی ہندیہ میں مرقوم ہے:

ولا بأس بأن يصل الرجل المسلم والمشرك قريباً كان أوبعيداً محارباً كان أو ذمياً وأراد بالمحارب المستأمن وأما إذا كان غير المستأمن فلا ينبغي للمسلم أن يصله بشيء كذا في المحيط . وذكر القاضي الإمام ركن الإسلام علي السغدي: إذا كان حربياً في دار الحرب وكان الحال حال صلح ومسالمة فلا بأس بأن يصله كذا في التتارخانية ، هذا هو الكلام في صلة المسلم المشرك . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۴۷).

(وكذا في البحر الرائق: ۲۳۲/۸، دارالمعرفة).

وقال العلامة السرخسي: لا بأس بأن يصل المسلم المشرك قريباً كان أو بعيداً ، محارباً كان أو ذمياً...(واستدل عليه بأحاديث منها): أنه بعث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خمسمائة دينار إلى مكة حين قحطوا وأمر بدفع ذلك إلى أبي سفيان بن حرب وصفوان ابن أمية ليفرقا على فقراء أهل مكة فقبل ذلك أبوسفيان وأبى صفوان وقال:[ما يريد بهذا إلا أن يخدع شباننا] ولأن صلة الرحم محمود عند كل عاقل وفي كل دين والإهداء إلى الغير من مكارم الأخلاق، وقال صلى اللّٰه عليه وسلم: بعثت لأتمم مكارم الأخلاق، فعرفنا أن ذلك حسن في حق المسلمين والمشركين جميعاً . (شرح السيرالكبير للعلامة السرخسى : ۱۰۶/۱ ، باب صلة المشرك).

قال العلامة السيد أحمد الطحطاوي: وأما المداراة فهي بذل الدنيا ومنه حسن المعاشرة والرفق لإصلاح الدين أو الدنيا أو هما معاً وهي مباحة وربما استحبت . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ۸۴، فصل فى اوصاف الوضوء، ط: قديمى).

کفایت المفتی میں ہے:

مسلمانوں کا ہندؤوں کے مذہبی تہواروں میں سبیل لگانا یا پان وغیرہ تقسیم کرنا اگر ان کے تہواروں کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوتو یہ کفر ہے اور قیامِ امن وباہمی رواداری کی نیت سے ہو اوران کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علیحدہ راستے میں ہوتو مباح ہے اور اگر خاص موقع پر ہوتو مکروہ تحریمی یا حرام ہے مگر کفر نہیں ہے کفر تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھیں اوران کے طرزِ عمل سے ان اعمال کی

تصدیق اور تحسین ہوتی ہو۔(کفایت المفتی: ۳۲۴/۹، دار الاشاعت)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس میں اس موضوع پر تفصیلی مقالات پڑھے گئے، جس کا خلاصہ اور ماحصل کتابی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے۔اس کے کچھ ملخصات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

بعض مقالہ نگار حضرات ایسے بھی ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ فرقہ وارانہ یکجہتی کے جذبہ سے اور خیر سگالی کی نیت سے اور تالیفِ قلب کے لیے ایسا کرنا بہتر ہے۔

بعض حضرات نے ایک دوسری بات کہی ہے اور وہ یہ کہ مبارک باد دعا نہیں ہے، دعا کے لیے لفظ آشیرواد آتا ہے، مبارکباد کی جگہ بدھائی کا لفظ استعمال کرنا زیادہ موزوں ہے، اگر ضرر یا تعلقات کی ناہمواری کا اندیشہ ہو تو بدھائی وغیرہ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کچھ شرائط وقیود کے ساتھ ان کو مبارکباد دینے کو درست قرار دیتے ہیں، مثلاً:

(۱) سماجی اخلاقیات کا تقاضہ ہے کہ اگر وہ ہمارے تہواروں پر ہمیں مبارک باد دیتے ہیں تو ہم بھی ان کو ان کے تہواروں پر مبارک باد دیں لیکن یہ کہ آدمی خود ان پر کوئی یقین نہ رکھتا ہو، مزید یہ کہ آیت: "**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها**" کے عموم میں یہ چیز آسکتی ہے۔

(۲) اگر احکامِ اسلام سے متصادم نہ ہوں اور ایسا کرنے سے تشابہ لازم نہ آتا ہو تو جائز ہے۔

(۳) ضرورت اور مجبوری کے تحت اس کو "**لكم دينكم ولي دين**" کے انداز میں مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) غیر مسلم حضرات کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا اگر اس نیت سے ہو کہ مذہب کی بنیاد پر منافرت کا ماحول ختم ہوگا اور غیر مسلم سماج میں مسلمانوں کے تئیں محبت وہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے تو جائز ہے۔

(۵) اسی طرح دفعِ ضرر کے واسطے یا اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقعِ ہدایت کے واسطے اگر کوئی مبارک باد پیش کرتا ہے تو جائز ہے۔(غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، ص: ۱۲۵۔۱۲۸، ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلسلہ قادریہ میں ذکر "ھُوْ"، "یاھُوْ" کا حکم:

سوال: سلسلہ قادریہ کے بعض حضرات "ھُوْ"، "یَاھُوْ" والا ذکر کرتے ہیں اس پر بعض حضرات

اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "ھو" کہاں ہے، تو یہ ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟ تو کیا ایسا ذکر ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ ذکر اس سلسلہ کے اکابر سے منقول ہے اور قرآنِ کریم میں اس کی طرف اشارات موجود ہیں: ﴿قل ھو اللّٰہ أحد﴾، ﴿اللّٰہ لا إلہ إلا ھو﴾، ﴿ھو السمیع العلیم﴾، ﴿إنہ ھو التواب الرحیم﴾، ﴿ھو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً﴾ اور دیگر آیات میں "ھُوَ" میں اس کی طرف اشارات موجود ہیں کہ یہ لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ صوفیہ حضرات کہتے ہیں کہ لفظِ اللہ اصل میں "ھو" تھا پھر بعض کہتے ہیں کہ "ھو" میں لام کا اضافہ تملیک کے لیے کیا گیا اور الف لام کو تعریف و تعظیم کے لیے لایا گیا اور آخر میں واو کے حذف کرنے کے بعد لام اور ھاء کے درمیان الف کو لایا گیا تا کہ مدِ صوت حاصل ہو جائے کیونکہ دعاؤں میں اور مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور پکارنے میں مدِ صوت یعنی الف معاون ہے تو اللّٰہ بن گیا۔　　پھر بعض صوفیہ "ھو" کو ضمیر اور بعض اسم ظاہر کہتے ہیں۔

واختلفوا في لفظة ھو ھل ھي ضمیر الغیبة أو اسم ظاھر قولان. (فتح اللہ: ۲/۴۳۳).

اور بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ لفظِ اللہ اصل میں "ھو" ہے پھر الف لام کو داخل کیا گیا اور لام کو تعظیم کے لیے مشدد کیا گیا اور اس کے بعد الف کو مدصوت کے لیے لایا گیا اور "ھو" سے واو کو حذف کر دیا گیا تو اللّٰہ بن گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کے نزدیک "ھو" اسم ذات ہے، ہمارے بزرگ حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی رحمہ اللہ تعالیٰ "فتح اللہ" میں فرماتے ہیں:

إن لفظ ھو اسم الذات عند الصوفیة والعارفین وفي أذکارھم یا ھو یا ھو . (جلداول، ص۳۵۸)۔ حضرت مولانا روحانی صاحبؒ نے لفظ اللہ کی خاصیات پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب لکھی ہے، کتاب کا نام "**فتح اللّٰہ بخصائص الاسم اللّٰہ**" ہے یہ کتاب اربابِ تحقیق کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں: **فنقول: فیه أسرار: الأول: إن الرجل إذا قال: یا ھو فکأنه یقول: من أنا حتی أعرفک ومن أنا حتی أکون مخاطباً لک وما للتراب ورب الأرباب وأی مناسبة بین المتولد عن النطفة والأم وبین الموصوف بالأزلیة والقدم إلی قوله فلھذا السبب خاطبه العبد بخطاب الغائبین فقال: یا ھو .** (التفسیر الکبیر: ۱/۱۵۳).

امام رازیؒ فرماتے ہیں لفظ یا ھو میں کچھ اسرار ہیں، پہلا راز یہ ہے کہ جب آدمی یا ھو کہتا ہے تو گویا

بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ میری کہاں رسائی کہ آپ کی ذاتِ عالی کو پہچانوں، اور میری کیا حیثیت کہ آپ سے براہِ راست خطاب کروں، اور مٹھی خاک اور جہاں کے پالنہار میں کیا تعلق، اور نطفہ سے پیدا ہونے والے کے درمیان اور ذاتِ لازوال، ہمیشہ رہنے والے کے درمیان کیا مناسبت ہوسکتی ہے، پس اسی وجہ سے بندہ اللہ رب العالمین کو غائبانہ خطاب کرتے ہوئے "یا ھو" کہتا ہے۔

شیخ عبدالکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "**الإنسان الكامل**" (ص ۵۸) پر لکھتے ہیں:

ھـوية الحق غيبه الذى لايمكن ظهوره، اسکے بعد لکھتے ہیں: **وهـى ماخوذة من لفظة "هو" التـي للإشارة إلى الغائب وهي في حق الله تعالىٰ إشارة إلى كُنْهِ ذاته باعتبار أسماء ه وصفاته**

(كتاب الانسان الكامل بحواله فتح الله، ص ٤٣٥).

اور حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو مزید نکات اور حکمتیں لکھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اتنی اونچی اور ذات ایسی چھپی ہوئی ہے کہ تین بلکہ چار آلات تعریف کے باوجود آپ کی ذاتِ عالی عقل کے فہم وادراک سے ماوراء ہے۔ اصل میں ھـــو ہے جو معرفہ ہے پھر اس پر الف لام داخل ہوا پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے علم بنا دیا گیا ان سب کے باوجود وہ ہماری عقلوں کی پہنچ سے ماورا ہے پھر لام کو مشدد کرنا تعریف کے مبالغہ کے لیے ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہمارے ادراک سے مخفی ہے۔ شعر:

تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ❁ پس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

عربی شاعر کہتا ہے:

العجز عن درک الإدراک إدراک ❁ والبحث عن سر ذات الله إشراک

وہ فرماتے ہیں: **فاجتمع في هذا الاسم المبارک ثلاثة أنواع من التعريف و في اجتماعها إشـارة إلى أن مسماه لكمال عظمته و علو درجته لا يتعرف بشيء من آلات التعريف.**

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: **وفـي هـذا الاسـم الشـريف أى اسم الله دخلتا أى الألف واللام على المعرفة وهي هاء الضمير كما ذكره بعض المحققين من أن اسم الله تعالىٰ مسماه وهو الهاء الـدالة عـلـى غيـب الهـوية والألف والـلام لـلتعريف ففي إتيان حرف التعريف إيماء إلى أن تـعـريف الضمير لايكفى لتعين المشار إليه ولابد من آلة أخرى ثم تشديد اللام للمبالغة فى التعريف.**

یہ تحقیقات مولانا موسیٰ صاحبؒ نے مجددِ الف ثانی کے رسالہ ’’المعارف اللدنیہ‘‘ سے نقل فرمائی ہیں۔(۴۳۵/۲)۔

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

وقيل: أصله الكناية لأنها للغائب وهو سبحانه الغائب عن أن تدركه الأبصار أو تحيط به الأفكار وأيضاً ’’الهاء‘‘ يخرج مع الأنفاس فهو المذكور وإن لم تشعر الحواس ومتى انقطع خروجه انقطعت الحياة وحَلَّ بالحي الممات . (روح المعانی : ۵٦/۱). اور یہ بھی لکھا ہے: **فالأصل هو إذا لايبقى سواه** . یہ بھی لکھا ہے: **مال كثير من الصوفية إلى هذا القول وهو إلى المشرب قريب** .(روح المعانی : ۱/ ۵٦).

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ اللہ اصل میں ھو ہے اور یہ ضمیر غائب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نگاہوں کے ادراک سے اور عقلوں کے احاطہ سے غائب ہے اور جب ہم سانس لیتے ہیں تو اس میں بھی ھُوْ، ھُوْ کی آواز محسوس ہوتی ہے یعنی جب تک ھو کی آواز نکلتی ہے تو حیات ہے ورنہ موت ہے۔ شمس المعارف میں ہے:

فأما اسمه تعالىٰ هو فهو ضمير الغيبة وهو من أسماء ه تعالىٰ إذ الغيبة الحقيقية إنما هي له إذ لا تصوره العقول ولا تجده الأوهام . (شمس المعارف لاحمد بن علی:۱٤۸/۱، کذا فی فتح الله : ۳۵۸/۱).

علامہ محمد بن بخیت المطیعی الحنفی مفتی الدیار المصریہ نے بھی ذکر لفظ ’’ھو‘‘ کا جواز تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

لا يجوز الذكر بشيء من الألفاظ المذكورة بهذا السوال إلا بلفظ هو، ولفظ حيّ، ... وأما جميع الألفاظ المذكورة بهذا السوال فلم يرد واحداً منها فى القرآن ولا فى الأحاديث الصحيحة اسماً لله تعالىٰ إلا لفظ ’’هو‘‘ و’’ حيّ‘‘ مشدداً . (الفتاوی ،ص۲۳٤،ط: دار الصدیق للعلوم). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تارتار کریم استعمال کرنے کا حکم:

سوال: تارتار کریم انگوری شراب سے اخذ کی جاتی ہے،شراب نکالنے کے بعد بہت ہی کم شراب کا

حصہ باقی رہ جاتا ہے، مثلاً: 0.1%، یا اس سے بھی کم جو بالکل مسکر نہیں ہوتی، اور یہ کریم اکثر اشیائے خوردنی میں استعمال کی جاتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسی کریم کا استعمال از روئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر یہ کریم بعینہٖ شراب سے اخذ کی گئی ہے تو اس کا استعمال عام حالات میں ممنوع اور ناجائز ہوگا، ہاں اگر ادویہ و کیمیکل یا مختلف تراکیب کے ذریعہ اس کی حقیقت و ماہیت تبدیل ہو جائے تو پھر اس کا استعمال جائز اور درست ہوگا۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: ما اسكر كثيره فقليله حرام . (رواه الترمذی، رقم: ۱۸۶۵، باب ماجاء مااسكر كثيره فقليله حرام، وابوداود: ۵۱۸/۲، كتاب الاشربة، باب النهي عن المسكر). روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

والخمر عند الإمام أبي حنيفةؒ التي من ماء العنب إذا غلى واشتد وقذف بالزبد وسميت بذلک لأنها تخمر العقل...أكفروا مستحل الأول ولم يكفروا مستحل الثانی، بل قالوا: إن عين الأول حرام غير معلول بالسكر ولا موقوف عليه ومن أنكر حرمة العين وقال إن السكر منه حرام لأنه به يحصل الفساد فقد كفر لجحوده الكتاب إذ سماه رجساً فيه والرجس محرم العين فيحرم كثيره وإن لم يسكر، وكذا قليله ولو قطرة ويحد شاربه مطلقاً وفى الخبر: حرمت الخمر لعينها، وفي رواية: بعينها قليلها وكثيرها سواء . (روح المعانی: ۱۱۲/۲، سورة البقرة، الآية: ۲۱۹).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: (تکملۃ فتح الملہم: ۵۵۱/۱، وحکم الکحول المسکرۃ، ومنتخب نظام الفتاویٰ، ص ۳۶۱، و کتاب الفتاویٰ: ۲۰۷/۶، وجدید معاملات کے شرعی احکام: ۹۶/۱)۔

تبدیل ماہیت سے متعلق تفصیلی بحث ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۶۷۷/۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

”ان شاء اللہ“ لکھنے کا طریقہ:

سوال: بعض لوگ ان شاء اللہ کو اس طرح انشاء اللہ دو لفظوں میں لکھتے ہیں، جس کے معنی ہیں اللہ کو پیدا کرنا، کیا یہ رسم الخط صحیح ہے یا عربی رسم الخط تین لفظوں میں لکھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اردو میں انشاء اللہ لکھنے کی گنجائش ہے اور یہ کہنا کہ اس کے معنی اللہ کو پیدا کرنا ہے یہ صحیح نہیں

اس لیے کہ اس کو عربی رسم الخط کی طرح پڑھتے ہیں، یعنی ''اِنشاءُاللہ'' نہیں پڑھتے، اور اگر غلطی سے کوئی شخص یوں پڑھ لے تو مطلب یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا مخلوق کو، لیکن یہ معنی بھی مراد نہیں، بہرحال احتیاطاً اردو میں بھی عربی رسم الخط میں ہی لکھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو تفسیر السمر قندی میں ہے:

ولا تقولن لشيء إني فاعل ذلک غداً إلا أن يشاء اللّٰه ، يعنى إلا أن تستثنى فتقول : إن شاء اللّٰه،... وروى أبوهريرة رضي الله عنه عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أنه قال: كان لسليمان بن داود مائة امرأة ، فقال: لأطوفن الليلة عليهن جميعاً ، وكل امرأة تأتي بغلام يقاتل في سبيل الله ونسي أن يقول: إن شاء الله.. فقال النبي صلى الله عليه وسلم : والذي نفسي بيده لو قال: إن شاء اللّٰه ...الخ. (تفسیر السمرقندی : ۲/۲۹۶، سورۃ الکھف، ۲۳، ۲۴).

وقال تعالیٰ: إنا أنشأنا هن إنشاءً ، يقال: لنساء الدنيا خلقناهن خلقاً بعد خلق الدنيا .

(تفسیر السمرقندی: ۳/۳۱۶).

معارف القرآن میں مرقوم ہے:

نیز بندہ کو خبر نہیں کہ کل آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں کہ کل تک زندہ بھی رہے گا اور اگر زندہ ہو تو معلوم نہیں کہ اس کام کو بھی کر سکے یا نہیں اس لیے ضروری ہے کہ ''انشاء اللہ'' کہے، اور جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے خواہ ایک سال کے بعد تو انشاء اللہ کہہ کر اپنے پروردگار کو یاد کرلیا کرو۔ (معارف القرآن: ۴/۵۹۰، از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)۔

مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں انشاء اللہ کہنا مستحب ہے۔ (معارف القرآن: ۵/۵۷۰)۔

فتاوی العامہ میں مرقوم ہے: **تنبيه: '' إن شاء اللّٰه '' تكتب هكذا ، ولا تكتب هكذا '' إنشاء''.**

(فتاوى العامة للشيخ عبدالرحمن : ۱/۲۰۹). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ویلن ٹائنز ڈے منانے کا حکم:

سوال: مسلمانوں کو ویلن ٹائنز ڈے (valentines day) منانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس دن شوہر اپنی بیوی کو ہدیہ، تحفہ دے سکتا ہے؟ اور اس کی بنیاد کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام اپنی تہذیب اور ثقافت میں یکتا اور انوکھا ہے وہ غیر اقوام کے ساتھ تشبہ اور ان کے دوش بدوش چلنے کی اجازت نہیں دیتا، وہ اپنے ماننے والوں کو پاکیزہ اور صاف ستھری حسن معاشرت کی تعلیم دیتا ہے اور ہر قسم کے فواحش ومعاصی کا سد باب کرتا ہے، بنا بریں غیر اقوام کی تقلید میں اس قسم کا دن منانا درست نہیں جن کی بنیاد عشق ومعاشقہ اور زنا کاری پر استوار ہو۔

میاں، بیوی کا آپس میں اور دیگر رشتہ داروں سے حسن اخلاق سے پیش آنا اور آپس میں تحفے تحائف وغیرہ دینا یہ فقط اس دن پر موقوف نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً اس پر عمل کرتے رہنا چاہئے۔

ویلن ٹائنز ڈے کا مختصر پس منظر حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

ویلین ٹائنز ڈے ہر سال ۱۴ فروری کو منایا جاتا ہے، اس کی ابتدا ایک مغربی عیسائی تہوار سے ہوئی جو ایک یا زائد ویلن ٹائنز نامی پادریوں کے اعزاز میں تھا، بہت سے قدیم مقتولین عیسائیوں کا نام ویلن ٹائنز تھا لیکن جن ویلن ٹائنز کے نام کے اعزاز میں ۱۴ فروری کا دن منایا جاتا ہے وہ روم اور ترنی کے ویلن ٹائنز ہیں، روم کا ویلن ٹائنز ایک پادری تھا جو ۲۶۹ء میں مقتول ہوا، اور ترنی کا ویلن ٹائنز ایک بڑا پادری (اسقف اعظم) تھا جو ۲۷۳ء میں مقتول ہوا، ابتدا میں اس تہوار کا عشقی جذبات سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ اس تہوار کی بنیاد ہی مذہبی پیشواؤں کی قربانیوں پر تھی۔

پھر اس کے بعد چودھویں صدی عیسوی کے ایک بڑے شاعر (Geoffrey chauser) نے عشقی جذبات اور محبت سے بھرپور اشعار کہے، اس کی وجہ سے یہ تہوار عشق ومحبت کے پھندے میں پھنس گیا۔

پھر اٹھارہویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں یہ عشق ومحبت کے تہوار میں بدل گیا جس میں عاشقین اپنی معشوقہ کو پھول وغیرہ ہدیے تحفے دیتے ہیں، بعد ازاں بیسویں اور اکیسویں صدی میں یہ رسم ورواج کی شکل اختیار کر کے دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گیا۔ (ملخص از ویکی پیڈیا)۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اقوام کی نقالی اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے:

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فھو منھم".

قال الشیخ الملا علی القاری: أی من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار، فهو منهم، فی الإثم والخیر، قال الطیبی: هذا عام فی الخَلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر فی التشبه. (مرقاة

المفاتیح: ۷/۱۵۵، کتاب اللباس ، ط: رشیدیة).

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں ہدیہ،تحفہ دینے کی ترغیب فرمائی ہے:

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم ،قال:" تهادوا تحابوا ". رواه البخاري في الأدب المفرد ، وأبويعلى بإسناد حسن . (بلوغ المرام ،ص ۹۳۵).

نیز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کا حکم فرمایا۔

عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: غفر لامرأة مومسة مرت بكلب على رأس ركي يلهث قال: كاد يقتله العطش فنزعت خفها فأوثقته بخمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذلك . (صحيح البخارى، رقم: ۳۳۲۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کومیڈی شو میں جانے کا حکم:

سوال: کسی مسلمان شخص کے لیے کومیڈی شو میں جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص کومیڈی شو میں جاتا ہے تو وہ مدرسہ کا مدرس بن سکتا ہے یا نہیں؟ کومیڈی شو میں ایک آدمی لوگوں کو ہنساتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فی نفسہٖ حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے مزاح وغیرہ جائز ہے جب کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اوراس میں جھوٹ وغیرہ کا سہارا نہ لیا جائے ،لیکن آج کل کومیڈی شو میں جھوٹے قصے کہانیاں سنائی جاتی ہیں اور لوگوں کے عیوب بیان کیے جاتے ہیں جس سے دل خراشی ہوتی ہے مزید براں اس میں مردوزن کا اختلاط ہوتا ہے بنابریں ان مفاسد کی وجہ سے ایسے شو میں جانا درست نہیں ہے،اگر کوئی مدرس جاتا ہو تو اس کو نرمی سے سمجھایا جائے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن بهز بن حكيم عن أبيه ، عن جده ، رضى الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ويل لمن يحدث فيكذب ليضحك به القوم ، ويل له ، ويل له. (رواه الترمذى ،رقم ۲۳۱۵، وابوداود، رقم: ۴۹۹۰).

قال الشيخ الملا على القاري: ويل أى هلاک عظيم أو واد عميق في جهنم لمن يحدث أى لمن يخبر الناس فيكذب أى لا يصدق في تحديثه وإخباره ليضحک به أى بسبب تحديثه أو الكذب...ثم المفهوم منه إذا حدث بحديث صدق ليضحک القوم فلا

بأس به كما صدر مثل ذلک عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه مع النبي صلى الله عليه وسلم حين غضب على بعض أمهات المؤمنين ، قال الغزالي: وحينئذٍ ينبغي أن يكون من قبيل مزاح رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يكون إلا حقاً ولا يؤذى قلباً ولا يفرط فيه فإن كنت أيها السامع تقتصرعليه أحياناً وعلى الندور فلا حرج عليک ولكن من الغلط العظيم أن يتخذ الإنسان المزاح حرفة ويواظب عليه ويفرط فيه . (مرقاة المفاتيح: ۱۴۸/۹، ط: مكتبه امداديه ، ملتان، وكذا فى تحفة الاحوذى : ۱۶/۷).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے: ولا يؤذن بالخروج إلى المجلس الذى يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه المنكرات . (الفتاوى البزازية بهامش الهندية: ۱۵۷/۴).

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے:

ایسی مجالس میں شرکت ناجائز ہے...الخ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۱۶/۶، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلموں کے حقوق اور راستہ تنگ کرنے والی روایت کی وضاحت:

سوال: مسلم شریف میں (۲۱۴/۲پر) حدیث مرقوم ہے: ”لا تبدء وا اليهود ولا النصارىٰ بالسلام وإذا لقيتم أحدهم في طريق فاضطروه إلى أضيقه“. وهكذا رواه أبوداود والترمذي وغيرهما۔ یعنی جب تم یہود اور نصاریٰ سے ملو تو سلام سے ابتدا مت کرو اور جب ان میں کسی سے ملاقات ہو جائے تو تنگ راستہ کی طرف ان کو چلنے پر مجبور کرو۔ غیر مسلم ممالک امریکہ، یورپ وغیرہ میں مسلمانوں کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ تمہارے ہاں غیر مسلموں کے کچھ حقوق ہی نہیں تمہارے مذہب میں وہ تنگ راستہ میں دھکیلنے کے قابل ہیں۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ازراہِ کرم وضاحت کیجئے۔ بینوا بالبیان توجروا بالجنان۔

الجواب: حدیثِ مذکور کی تشریح اور وضاحت سے پہلے بطورِ تمہید کچھ معروضات پیش خدمت ہیں:

مذہبِ اسلام ایک انصاف پسند، قامعِ ظلم وستم، محافظ حقوقِ انسانیت، اخلاقِ حسنہ کی حوصلہ افزائی کنندہ اور مخربِ اخلاق اعمال کی حوصلہ شکنی کنندہ، عالمگیر دستور العمل اور قانونِ حیات دین ہے۔ اس نے جہاں مملکتِ اسلامیہ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے قوانین جاری کیے، وہیں پر غیر مسلم ذمیوں کے حقوق کی محافظت کے قوانین بھی یکساں طور پر لازم اور عائد کیے۔ معاملات، لین دین اور حقوق میں اسلام اور غیر اسلام کی

تمیز کوروا نہیں رکھا۔ بلکہ اس بارے میں عدل وانصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے عالم انسانیت کے قلوب کو اپنا گرویدہ وعاشق بنالیا۔ انھیں خصوصیات کی وجہ سے چند دہائیوں میں لوگ جوق درجوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، دنیا جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، ہاں یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مصور شیر ببر کو بزدل شکل میں منظر عام پر لائے تو یہ شیر کا قصور نہیں ہے بلکہ صاحبِ قلم کی خیانت ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور احسان واکرام کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں تمام انسانوں کے اکرام کا حکم دیا ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ:**

﴿**ولقد كرمنا بني آدم**﴾ [الاسراء: ۷۰].

(۲) غیر مسلموں کے وفود آجائیں تو ان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ "**أجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم**". (صحیح البخاری: ۱/ ۴۲۹).

(۳) مکہ مکرمہ میں قحط سالی کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۰۰ دینار بطورِ امداد بھیجے تھے۔ (المبسوط: ۱۰/ ۹۲، دارالفکر، وشرح السیر الکبیر: ۱/ ۷۰، وفتاوی الشامی، باب المصرف: ۳/ ۳۰۲)۔

(۴) حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اٹھ کر خوش ہو کر بغیر چادر اس طرف بڑھے اس کے بعد حضرت عکرمہ مسلمان ہوئے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص ۱۲۰)۔

(۵) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک تکیہ یا گدا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی وہی ان کے سامنے رکھا اور فرمایا: اس پر بیٹھ جاؤ، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تشریف رکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ آپ بیٹھ جائیں، پھر حضرت عدی رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھ گئے، اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص ۱۳۹، وسیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۸۰، والروض الانف: ۴/ ۳۶۰، وتاریخ الرسل والامم: ۲/ ۱۸۸، بیروت)۔

(۶) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن جب قید ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا فدیہ مع نفقہ وساز وسامان وسواری، اکرام واحترام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ (الروض الانف: ۴/ ۳۶۰، وسیرتِ ابن ہشام: ۳/ ۵۷۹، وعیون الاثر: ۲/ ۲۸۶، وتاریخ الرسل والملوک: ۲/ ۱۸۷، والسیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۴/ ۱۲۵، وتاریخ مدینۃ دمشق: ۶۹/ ۱۹۹، ط: دارالفکر)۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنت الحارث جب قید ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر پھیلا کر اس پر بٹھایا اور اعزاز واکرام کے ساتھ عطاو نوال کے ساتھ رخصت فرمایا۔(البدایہ والنہایہ:۴/ ۶۷ ،۴ ۶۳،۷ ، دارالمعرفۃ، بیروت، والروض الانف :۴/ ۲۲۷، وسیرۃ ابن ہشام :۲/ ۴۵۷، وعیون الاثر:۲/ ۲۲۱)۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بکری ذبح کرتے تھے تو یہودی پڑوسی کے پاس سالن بھیجتے تھے۔ (شعب الایمان للبیہقی:۷/ ۸۴، وسنن الترمذی:۲/ ۱۶، والادب المفرد:۱/ ۵)۔

(۹) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن کو ہماری جانب سے امان حاصل ہے ان کے خون کا احترام مسلمانوں کے خون کے احترام کی طرح ہے اور ان کا خون بہا مسلمانوں کے خون بہا کی طرح ہے۔(سنن الدارقطنی:۳/ ۱۴۷، القاہرۃ، ونصب الرایۃ:۳/ ۳۸۱، بیروت، ومسند الامام الشافعی:۱/ ۳۴۴، بیروت)۔

(۱۰) مفسرین نے ﴿ **ليس عليك هداهم ولكن الله يهدى من يشاء ، وما تنفقوا من خير فلأنفسكم** ﴾ [البقرة:۲۷۲] کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ بعض انصار اپنے مشرکین رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے تا کہ مسلمان ہوجائیں، اس پر تنبیہ کردی گئی کہ ہدایت تمہارے ہاتھ میں نہیں، تم جو خرچ کرتے ہو اس کا بدلہ اور اجر ملے گا۔(روح المعانی:۳/ ۴۳)معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنا چاہئے۔

(۱۱) قرآنِ کریم میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ **لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم** ﴾ [الممتحنة:۸] جو غیر مسلم تمہارا مقابلہ نہیں کرتے اور تم سے قتال نہیں کرتے اور تم کو گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۲) **"من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاماً"** . (رواه البخاري، رقم:٣١٦٦).

جس نے مسلم ملک کے غیر مسلم شہری کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، جبکہ یہ خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

(۱۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کافر کو خط لکھا اس میں عظیم الروم کے الفاظ لکھے جو اکرام

وتعظیم پر دلالت کرتے ہیں۔ (بخاری:۱/ ۵/ ۷، مع عمدۃ القاری:۱/ ۱۵۹، دارالحدیث، ملتان)۔

(۱۴) وفدِ نجران اور وفدِ ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ جبکہ یہ مسیحی اور غیر مسلم تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۵/۶۰، وفد اہل نجران، ط: الریاض، وشرح مواہب: ۴/ ۴۱۔ والبدایۃ والنہایۃ: ۵/۳۳، قدوم وفد ثقیف علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان من سنۃ تسع، ط: الریاض، وتاریخ الاسلام للامام الذہبی: ۲/ ۶۶۹، بیروت)۔

(۱۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عمال کو خط تحریر فرمایا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ غیر مسلم ذمیوں کا خیال رکھو، ان میں سے جو بڑھاپے کو پہنچ جائے، اور اس کے قویٰ کمزور پڑ جائیں، اور کمائی کے ذرائع ختم ہو جائیں، تو ان کے لیے بیت المال میں سے وظیفہ جاری کر دو۔

ذكر أبو عبيد في "الأموال" كتاب عمر بن عبد العزيز لعامله على البصرة وفيه: و انظر من قبلك من أهل الذمة قد كبرت سنه، وضعفت قوته، وولت عنه المكاسب، فأجر عليه من بيت مال المسلمين ما يصلحه. (الاموال، ص ۴۶).

اس عبارت پر ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ اسلام کا عدل وانصاف ہے کہ غیر مسلموں کو والی کے پاس آنے اور مدد طلب کرنے کی مہلت نہیں دی، بلکہ اس سے پہلے والیوں کو متوجہ کیا کہ خود جا کر دیکھیں، ان کے حالات کی تفتیش کریں اور حاجات اور مطالبات کا انتظام بیت المال سے کر دیں۔

قال الشيخ: و معنى أجر عليه: اجعل له شيئاً جارياً، وراتباً دورياً، والجميل حقاً أنه لم يدع أهل الذمة حتى يطلبوا هم المعونة، بل طلب الخليفة من الوالي أن يبادر هو فينظر في حالاتهم ومطالبهم، فيسدها من بيت المال، هذا هو عدل الإسلام. (فقه الزكاة: ۲/ ۱۵۸).

(۱۶) الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے: اگر غیر مسلم پر کافر کا لفظ بھاری ہو تو اس کو یا کافر نہ کہا جائے۔ **ولو قال لذمي: يا كافر يأثم إن شق عليه.** (الاشباه والنظائر: ۲/ ۲۵۷).

(۱۷) غیر مسلم یہودیہ، نصرانیہ کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے جبکہ بیوی کے ساتھ آدمی ایک بستر پر لیٹتا ہے دیوار کے ساتھ نہیں لگاتا۔

(۱۸) الاشباہ میں ہے: **"الذمي حكمه حكم المسلمين، إلا أنه لا يؤمر بالعبادات، و قال العلامة الحموي: يعني في غير ما يوجب تعظيمه...الخ".** (الاشباه: ۳/ ۸۳، ط: ادارة القرآن)

یعنی غیر مسلم ذمی کا حکم مسلمانوں کے حکم کی طرح ہے ہاں وہ عبادات کے اہل نہیں اس لیے عبادات کا حکم نہیں دیا جائے گا، علامہ حمویؒ اس پر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی (بڑی شخصیات کی) طرح ان کی (بڑی شخصیات کی) عزت و تعظیم نہیں کی جائے گی (تا کہ مذہبِ منسوخ کی حقانیت کا شبہ نہ ہو)۔

لہذا یہ کہنا کہ اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق نہیں افترا پردازی کے سوا کچھ نہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد اصل جواب کی طرف آتے ہیں: جس حدیث کے متعلق آپ نے استفسار فرمایا اس حدیث پر شارحینِ حدیث نے شروحاتِ حدیث میں بحث فرمائی ہے۔ مثلاً: بذل المجہود شرح ابی داود: ۲/ ۱۴۲، وتکملہ فتح الملہم: ۴/ ۲۵۵، ومرقاۃ المفاتیح، نیز فقہ کی کتابوں میں: شامی: ۴/ ۲۰۸، البحر الرائق: ۵/ ۱۱۳ پر یہ بحث موجود ہے۔ لیکن اس حدیث مبارک کا ایک بے غبار اور آسان مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی محترم شخصیات کے اکرام میں ہجوم اور ازدحام میں خود اپنے آپ کو تنگ جگہ کی طرف دھکیلتے تھے اور ان کے لیے کھلا راستہ چھوڑتے تھے اور ان کے آگے نہیں چلتے تھے بلکہ کھلے ہوئے راستہ میں بھی تلامذہ خود دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور شیخ کو گزرنے دیتے تھے۔

اسی لیے جب اعرابی کی اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سے آگے ہوئی تو صحابہ کرام پر شاق گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دنیا میں جو آگے ہوتا ہے وہ کبھی پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ (مصنفِ ابن ابی شیبہ: ۱۸/ ۱۸۷، ط: المجلس العلمی، ومسند احمد: ۳/ ۱۰۳، دار الفکر، والبخاری: ۱/ ۴۰۲، باب ناقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازہ سے آگے اس لیے چلتے تھے تا کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کریں اگر وہ پیچھے چلتے تو ہجوم میں لوگ ان کے لیے راستہ کھلا چھوڑتے اور خود دقت اور مشقت برداشت کرتے۔ (شرح معانی الآثار: ۱/ ۳۱۲، ط: فیصل، ومسند البزار: ۲/ ۱۳۷، ط: مکتبۃ العلوم والحکم، وسنن کبریٰ للبیہقی: ۲/ ۲۵، دار المعرفۃ) اور اب بھی یہی عادت ہے، تو اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ غیر مسلم جن کو ذمی کہتے ہیں اور ذمی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، ان کی حفاظت تو اپنی جگہ لیکن ان کو عموماً اور ان کی محترم شخصیات کو خصوصاً وہ عزت مت دو جو تم اپنی محترم شخصیات کو دیتے ہو اگر وہ تنگ جگہ میں کھڑے یا چلتے ہوں تو ان کو چلنے دیں اگر ہم نے ان کو وہی عزت دی جو ہم اپنے مشائخ اور والدین کو دیتے ہیں تو اس سے عام مسلمانوں میں ان کے مذہب کے حق ہونے کا شبہ پیدا ہوگا جبکہ ان کا مذہب محرف اور منسوخ ہے اور ہمارا دین تا قیامت باقی اور حق ہے۔

حدیثِ مذکور کے ان الفاظ '' **لا تبدء وا الیھود ولا النصاریٰ**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں ان کی محترم شخصیات خصوصاً اور عام غیر مسلم عموماً مراد ہیں، اس لیے کہ سلام کا قاعدہ یہ ہے کہ کم درجے والا بڑے درجے والے کو سلام کرتا ہے تو اس حدیث میں بتلایا کہ غیر مسلم کا درجہ جتنا بھی بڑا ہو مسلمان نہ اس کو ابتدا بالسلام کریں اور نہ خود کنارے پر کھڑے ہو کر اس کے لیے راستہ کشادہ کریں، احادیث کی کتابوں میں '' **یسلم الصغیر علی الکبیر**'' (رواہ البخاری، رقم: ۶۲۳۲) کے الفاظ وارد ہیں اس میں عمر کے لحاظ سے صغیر اور مرتبہ میں صغیر دونوں داخل ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا: **حاصل ما في هذا الحديث أن المفضول بنوع ما يبدأ الفاضل.** (فتح الباری: ۱۱/۱۷)۔ دوسری جگہ مازری سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: **يبدأ الأدنى منهما الأعلى قدراً فی الدين إجلالاً لفضله .** (فتح الباری: ۱۱/۱۶)۔ معلوم ہوا کہ مسلمان غیر مسلموں کی بڑی شخصیات کو خصوصاً اور دوسروں کو عموماً شرعی سلام '' جو عبادت ہے'' کی ابتدا نہ کریں اور نہ ان کے لیے راستہ کشادہ کریں، ہاں اگر سلام کی جگہ اشارہ کر کے گڈ مارننگ یا اس جیسے الفاظ کہہ دیں تو گنجائش ہے تا کہ وہ مانوس ہو جائیں لیکن سلام کے الفاظ صرف مسلمانوں کے لیے شرعی الفاظ ہیں جو شریعت نے مقرر کئے ہیں۔
واللّٰہ أعلم وعلمه أحكم۔

معراج سے واپسی پر بستر گرم ہونے کی تحقیق:

سوال: معراج کے واقعہ میں یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس تشریف لائے تو بستر گرم تھا، کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ **بينوا بالدليل توجروا بالاجر الجزيل ۔**

الجواب: مذکورہ بالا روایت تفسیر کی بعض کتابوں میں موجود ہے، مثلاً: روح المعانی اور ظلال القرآن، ان کے علاوہ دیگر مشہور کتبِ تفسیر میں موجود نہیں، نیز سیرت کی مشہور کتابوں میں بھی یہ روایت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ مواعظ کی کتابوں میں نزہۃ المجالس میں موجود ہے، لیکن اسنی المطالب میں اس روایت کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی میں ہے:

وفي بعض الآثار أنه لما رجع وجد فراشه لم يبرد من أثر النوم . (روح المعانی: ۱۴/۳۸۳، موسسة الرسالة).

وقال في ظلال القرآن: وفي أخبار أخرى أنه كان بروحه وجسمه، وأن فراشه عليه الصلاة والسلام لم يبرد حتى عاد إليه.

والراجح من مجموع الروايات أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ترك فراشه في بيت أم هانئ إلى المسجد فلما كان فى الحجر عند البيت بين النائم واليقظان أسرى به وعرج ثم عاد إلى فراشه قبل أن يبرد. (فى ظلال القرآن: ۴/۲۲۱۰).

وفي نزهة المجالس: فلما رجع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وجد فراشه لم يبرد.
(نزهة المجالس: ۱/۳۲۱).

أسنى المطالب میں ہے:

حديث: ذهابه ورجوعه ليلة الإسراء ولم يبرد فراشه. لم يثبت ذلك ولم يرد شيء في مدة غيبته. (اسنى المطالب فى احاديث مختلفة المراتب، للشيخ محمد بن درويش بن محمد، ص ۷۴، العصرية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ فجر کے بعد یا اشراق کے بعد سونے کا حکم:

سوال: علمائے کرام کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فجر کے بعد سونے کا کیا حکم ہے؟ عام لوگوں کو یا طلبہ کو فجر کے بعد یا اشراق کے بعد سونا چاہئے یا نہیں؟ بينوا بالدليل توجروا بالأجر الجزيل.

الجواب: فجر یا اشراق کے بعد سونا بہتر نہیں اس سے بچنا چاہئے۔ مختصر دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج الإمام البخاري في كتابه "الأدب المفرد" عن خوات بن جبير قال: نوم أول النهار خرق (أى جهل) وأوسطه خلق وآخره حمق. إسناده صحيح. (ص ۳۳۲).

وأيضاً أخرجه الحاكم فى المستدرك (۷۷۹۷)، والإمام الطحاوي في شرح مشكل الآثار (۳/۱۰۲، مؤسسة الرسالة)، وابن أبي شيبة في مصنفه، (۲۷۲۱۲)، وقال: عن خوات بن جبير وكان بدرياً ...الخ، وعبد الرزاق في مصنفه (۵/۳۳۹/۲۶۶۷۷).

حضرت خوات بن جبیر انصاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دن کی ابتدا میں سونا جہالت ہے اور درمیان میں سونا اخلاق ہے اور دن کے آخر میں سونا بے وقوفی ہے۔ یہ حدیث موقوف ہے اور صحیح ہے۔

(۲) حافظ ابن القیمؒ نے زادالمعاد میں تحریر فرمایا ہے: وقيل: نوم النهار ثلاثة : خلق ، وخرق ، وحمق فالخلق نومة المهاجرة وهى خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم والخرق نومة الضحى تشغل عن أمر الدنيا والآخرة والحمق نومة العصر . (زادالمعاد: ۴/ ۲۲۱).

دن میں سونا تین قسم کا ہے: (۱) خلق نبوی، (۲) جہالت اور (۳) بے وقوفی، تو اخلاقِ نبوی قیلولہ ہے اور جہالت چاشت کا سونا ہے جو دنیا اور آخرت کے کاموں سے غافل کرتا ہے اور عصر کے وقت کا سونا بے وقوفی ہے۔

(۳) عن صخر الغامدي رضي الله عنه قال: قال عليه الصلاة والسلام: اللّٰهم بارک لأمتي في بكورها، قال: وكان إذا بعث سرية أو جيشاً بعثهم في أول النهار قال: وكان صخر رجلاً تاجراً ، فكان يبعث تجارته في أول النهار فأثرى، وكثر ماله . (رواه ابن ماجه، ص ۱۶۲ ، وابوداود، رقم: ۲۶۰۸ ، والترمذی، رقم: ۱۲۱۲ ، وقال: حديث صخر الغامدی حديث حسن ، والدارمی ، رقم: ۲۴۳۵، قال محشيه : إسناده حسن، وابن حبان فی صحيحه، رقم: ۴۷۵۴، وقال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف).

حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما اور جب کوئی بڑا یا چھوٹا لشکر روانہ فرماتے تو دن کی ابتدا میں بھیجتے اور صخر تاجر آدمی تھے اپنے مال تجارت کو اول النہار میں بھیجتے تھے تو بہت مالدار بن گئے۔

(۴) عن عمرو بن عثمان بن عفان عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصبحة تمنع الرزق . (اخرجه الامام احمد فی مسنده، رقم: ۵۳۰).

والصُّبحة هى النوم أول النهار. قال الشيخ شعيب إسناده ضعيف .

قال الهيثمي: رواه أحمد وفيه إسحاق بن أبى فروة وهو ضعيف . (مجمع الزوائد، رقم: ۶۲۳۰، باب نوم الصباح).

قال الحافظ ابن القيم: ونوم الصبحة يمنع الرزق ، لأن ذلک وقت تطلب فيه الخليقة أرزاقها ، وهو وقت قسمة الأرزاق ، فنومه حرمان إلا لعارض أو ضرورة ، وهو مضر جداً بالبدن لإرخائه البدن وإفساده للفضلات التي ينبغي تحليلها بالرياضة ، فيحدث تكسراً وعياً وضعفاً . (زاد المعاد: ۴/ ۲۴۲،موسسة الرسالة).

صبح کا سونا مانع رزق ہے کیونکہ یہ طلبِ رزق اور تقسیمِ ارزاق کا وقت ہے، اس وقت نیند محرومی ہے ہاں

کوئی عارض یاضرورت ہوتو اور بات ہے اور بدن کے لیے بہت مضر ہے بدن میں سستی پیدا کرتی ہے اوران فاضل اجزا کو برباد کرتی ہے جس کی تحلیل اور گلانا ورزش اور چلنے پھرنے سے ضروری ہے تو بدن میں سستی، تھکاوٹ، ضعف اوراضمحلال کو پیدا کرتی ہے۔

(۵) في الفتاوى السراجية : يكره النوم في أول النهار وفيما بين المغرب والعشاء .

(الفتاوى السراجية على حاشية فتاوى قاضيخان: ۳/ ۳۹).

یعنی اول النہاراور مغرب اور عشاء کے درمیان سونا مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صبح کے وقت سونا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور قیلولہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عصر کے بعد سونے کا حکم:

سوال: عصر کے بعد سونے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں عصر کے بعد سونے کی ممانعت آئی ہے اورفقہاء نے بھی منع لکھا ہے بنابریں عصر کے بعد سونا مکروہ اورناپسندیدہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: " من نام بعد العصر فاختلس عقله فلا يلومن إلا نفسه ". (رواه ابويعلى فى مسنده (۴۹۱۸) ، **وقال محشيه حسين سليم أسد: إسناده ضعيف .**

وقال الهيثمي فى المجمع (۸۴۷۱)**: رواه أبو يعلى عن شيخه عمرو بن الحصين وهو متروك .**

وأخرجه ابن عدى فى الكامل (۱۴۶/۴) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ، وهو أيضاً ضعيف .**

وللمزيد راجع:(الكامل لابن عدى: ۱۴۶/۴، واللآلى المصنوعة : ۲۳۶/۲، ط: دارالكتب العلمية) .

ويكره النوم بعد العصر لحديث : من نام بعد العصر ...الخ. (الفقه الاسلامى وادلته : ۴۱۳/۱، دارالفكر).

نیز ماقبل میں حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت گزری، اس روایت میں آخردن میں سونے کو بے وقوفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عاشوراء کی مشہور دس چیزوں کا حکم:

سوال: عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ عاشوراء کو عاشوراء اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن دس انبیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۰ انعامات ہوئے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی حدیث ہو تو اس کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شراح حضرات نے عاشوراء کی دس چیزوں کو بیان کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر چیزیں پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتیں، محدثین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں:

لم سمى اليوم العاشر عاشوراء ، اختلفوا فيه فقيل : لأنه عاشر المحرم وهذا ظاهر، وقيل: لأن الله تعالىٰ أكرم فيه عشرة من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام بعشر كرامات :

الأول : موسى عليه السلام فإنه نصر فيه وفلق البحرله وغرق فرعون وجنوده .

الثاني: نوح عليه السلام استوت سفينته على الجودى فيه .

الثالث: يونس عليه السلام انجى فيه من بطن الحوت .

الرابع : فيه تاب الله على آدم عليه السلام قاله عكرمة .

الخامس : يوسف عليه السلام فإنه أخرج من الجب فيه .

السادس : عيسىٰ عليه السلام فإنه ولد فيه وفيه رفع .

السابع: داود عليه السلام فيه تاب الله عليه .

الثامن : إبراهيم عليه السلام ولد فيه . التاسع : يعقوب عليه السلام فيه رد بصره.

العاشر : نبينا محمد صلى الله عليه وسلم فيه غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر .

هكذا ذكروا عشرة من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام قلت : ذكر بعضهم من العشرة إدريس عليه السلام فإنه رفع إلى مكان فى السماء وأيوب عليه السلام فيه كشف الله ضره وسليمان عليه السلام فيه أعطى الملك . (عمدة القارى : ۲۳۳/۸، دارالحديث ،ملتان).

ونقل عنه في أوجز المسالک (۱۸۵/۵): وزاد فيه بقوله : وحکی ابن رسلان هذا القول عن المنذری، قلت: لا شک في أنه ورد فی الآثار والتواريخ خصائص کثيرة لعاشوراء لکن لا تعلق لها بالتسمية وماحکاه العينی عن البعض لايصح وجها للتسمية ، لأن الأنبياء تزيد بالخصائص علی عشرة .

تنزيه الشريعة المرفوعة میں مرقوم ہے:

حديث: من صام يوم عاشوراء کتب اللّٰه له عبادة ستين سنة بصيامها وقيامها ومن صام يوم عاشوراء أعطی ثواب عشرة آلاف ملک ومن صام يوم عاشوراء أعطی ثواب ألف حاج ومعتمر...خلق اللّٰه السموات يوم عاشوراء والأرض کمثله وخلق القلم يوم عاشوراء واللوح کمثله وخلق جبريل يوم عاشوراء وملائکته يوم عاشوراء وخلق آدم يوم عاشوراء وولد إبراهيم يوم عاشوراء ونجاه اللّٰه من النار يوم عاشوراء وفدی إسماعيل يوم عاشوراء وغرق فرعون يوم عاشوراء ورفع إدريس يوم عاشوراء وتاب اللّٰه علی آدم يوم عاشوراء وغفر ذنب داود يوم عاشوراء وأعطی الملک سليمان يوم عاشوراء وولد النبي صلی اللّٰه عليه وسلم يوم عاشوراء واستوی الرب علی العرش يوم عاشوراء ويوم القيامة يوم عاشوراء (ابن الجوزی) من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ وفيه حبيب ابن أبي حبيب وهو آفته .

قلت: ورأيت بخط العلامة شرف الدين أبی الفتح المراغي أن الحافظ أباطاهر السلفی...عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ .

قال: وحدثنا موسی بن عبدالرحمن عن مقاتل ...عن ابن عباسؓ قال: يوم عاشوراء يوم جعل اللّٰه فيه خيراً کثيراً فيه تاب اللّٰه علی آدم وفيه رفع إدريس إلی السماء وفيه أهبط نوح من السفينة وفيه اتخذ اللّٰه إبراهيم خليلاً وفيه بشرت سارة بإسحاق وفيه رد اللّٰه بصر يعقوب عليه وفيه جمع اللّٰه بين يوسف ويعقوب وفيه تاب اللّٰه علی داود وفيه رد اللّٰه علی سليمان ملکه وفيه کشف اللّٰه عن أيوب البلاء وفيه أخرج اللّٰه يونس من بطن الحوت وفيه قطع موسی البحر وفيه أغرق اللّٰه فرعون وقومه وفيه رفع عيسی بن مريم إلی السماء وفيه دخل النبي صلی اللّٰه عليه وسلم المدينة...إلی قوله: قال جامعه: والحديثان لا يصحان فی

الأول موسى بن عبد الرحمن وفي الثاني: ابن الصباح وضاعان، والله أعلم . (تنزيه الشريعة المرفوعة :۲/۱۴۹،۱۵۰، دارالكتب العلمية ، بيروت).

وأخرجه ابن الجوزي في" الموضوعات " (۲/۲۰۳) **وقال: هذا حديث موضوع بلا شک ، قال أحمد بن حنبل: كان حبيب بن أبي حبيب يكذب . وقال ابن عدی: كان يضع الحديث ، وفي الرواة من يدخل بين حبيب وبين إبراهيم ابله. وقال أبو حاتم أبو حيان: هذا حديث باطل لا أصل له. قال: وكان حبيب من أهل مرو يضع الحديث على الثقاة لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل القدح فيه .**

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ماثبت بالسنۃ میں ان احادیث کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فالظاهر أن بعض المتأخرين وضعه و ركبه على هذا الإسناد . (ما ثبت بالسنة،ص۲۵۷).

خلاصہ یہ ہے کہ ان دس چیزوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں توصحیح روایات سے ثابت ہے۔ملاحظہ ہو: (بخاری شریف:۱/۲۶۸)اس کے علاوہ دیگراشیاءصحیح روایات سے ثابت نہیں۔

مزید ملاحظہ ہو: (ماہنامہ البلاغ،محرم الحرام،۲۰۰۶ء ،۱۴۲۷ھ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چولہے میں اسپرٹ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: چولہے میں اسپرٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسپرٹ شراب سے ماخوذ ہے۔

الجواب: فی زماننا جو اسپرٹ مستعمل ہے وہ عام طور پر اشربہ اربعہ محرمہ سے نہیں بنائی جاتی ،یعنی (۱) انگور کی کچی شراب،(۲) انگور کی پکائی ہوئی شراب،(۳) زبیب یعنی منقی کی شراب،(۴) کھجور کی شراب۔اوران چار کے علاوہ کی شراب شیخین کے نزدیک پاک ہے پھر تبدیل ماہیت کے بعد تو حقیقت ہی بدل گئی،اس لیےاس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ملاحظہ ہو علامہ محمد بن بخیت المطیعی مفتی الدیار المصر یہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

ونفيد ثالثاً : أنهم كانوا يستخرجون الإسبيرتو من الخمر، ومن كل الأشربة المسكرة ولما كثر استعماله في الطب والصنائع اتسعت تجارته صاروا يستحضرونه من الفواكه والخضروات والبقول والحبوب ؛ بل ويستحضرونه أيضاً من الأخشاب. وعلى ذلك نقول: ما كان مستحضراً من الخمر أو من الأشربة المسكرة غير الخمر يعطى

حكمها نجاسة وطهارة .

وما كان مستحضراً من الثمار والحبوب والأخشاب فهو طاهر، وهذا الصنف هو الرائج والغالب استعماله في المتجر على ما بلغنا ممن بحثوا عنه . (الفتاوى للامام العلامةمحمد بن بخيت المطيعي ،ص ۱۹ ،ط: دار الصديق للعلوم ،دمشق).

امدادالاحکام میں مرقوم ہے:

یہ اسپرٹ جو چولہے میں جلائی جاتی ہے گھٹیا قسم کی ہے، جو خمورِ اربعہ کی روح ہرگز نہیں ان کے سوا کسی اور خمر کی معمولی روح ہوگی اور اس وقت عمومِ ابتلاء کی وجہ سے گھٹیا اسپرٹ کے استعمال کی اجازت پر فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ رنگ اور پڑیا بہت سی اشیاء میں اس کی آمیزش ہے، جس سے احتراز دشوار ہے، جب ابتلاء عام کی وجہ سے گھٹیا اسپرٹ کو مباح الاستعمال قرار دیا گیا تو ہر جگہ اس کے لیے حکم حلت واباحت وطہارت کا ہوگا۔ الشيء إذا ثبت ، ثبت بلوازمه . البتہ بلاضرورت استعمال سے جہاں تک ہو سکے بچنا اولیٰ وافضل ہے۔

حاشیہ میں مرقوم ہے: طبی جوہر مطبوعہ اشرف المطابع ۱۶۰ جدید پر تصریح ہے کہ اسپرٹ کی تین قسمیں ہیں، اور ہندوستان میں گھٹیا قسم کی اسپرٹ بنتی ہے جو آلو، بیر، گیہوں، جو وغیرہ کی شراب سے بنتی ہے، اور اعلیٰ اسپرٹ ولایت میں بنتی ہے جسے انگور، سیب، انار، منقی کی شراب کی روح ہے اور اعلیٰ قسم کی اسپرٹ قیمتی ہے جو دواؤں میں ڈالی جاتی ہے۔ (امدادالاحکام مع الحاشیہ: ۴/ ۵۰۷)۔

کفایت المفتی میں مذکور ہے:

میتھیلیٹڈ اسپرٹ جو چولہے میں جلائی جاتی ہے اس جزء مسکر الکحل نے اس طرح ترکیب پائی ہے کہ میتھیلیٹڈ مسکر نہیں ہے اس لیے اس کا جلانے میں استعمال جائز ہے۔

جواب از مولانا حبیب المرسلین صاحب: اگر اسپرٹ شراب کی حقیقت سے نکل جاتی ہے تو اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا...الخ۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۵۲، دارالاشاعت)۔

امدادالفتاویٰ میں ہے:

اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/ ۲۰۹)۔

مزید ملاحظہ ہو: (بہشتی زیور: ۱/ ۶۷۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہاڑوں پر درخت کاٹنے سے روکنے کا حکم:

سوال: ایک بستی کے قریب ایک پہاڑ ہے جس میں مختلف درخت لگے ہوئے ہیں، بستی کے ذمہ دار حضرات نے اس پہاڑ کے درخت کاٹنے پر پابندی لگائی ہے، لیکن بعض لوگ چوری چھپے کاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مباحات میں سے ہیں اس لیے پابندی بے جا ہے، کیا پابندی کے باوجود درخت کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بستی کے ذمہ داروں کو جب لوگوں نے امیر تسلیم کرلیا ہے تو اب وہ حاکم کی طرح ہوگئے، اور مسلمان پر شرعی حاکم کی بات ماننا از روئے شریعت لازم اور ضروری ہے جب تک وہ خلافِ شریعت حکم نہ دے ہاں خلافِ شریعت امور میں ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

بنا بریں ممنوعہ پہاڑ سے درخت کاٹنا جائز نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کے چند نظائر حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) مدرسہ کا مہتمم، اس کی اطاعت لازم اور ضروری ہے اس لیے کہ وہ من وجہ عامل اور حاکم کی طرح ہے حتی کہ نہ ماننے کی صورت میں ان کو تعزیر کا حق ہے۔

(۲) مدینہ منورہ کے ایک خاص مقام کے شکار اور وہاں کے درخت کاٹنے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، احناف کے نزدیک اس سے مراد حرم اصطلاحی نہیں ہے بلکہ ایک خاص مصلحت کی وجہ سے منع فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی بنا پر حاکم امر مباح سے روک سکتا ہے۔

(۳) احناف کے نزدیک مدینہ منورہ کا حرم حرمِ اصطلاحی نہیں ہے بلکہ حرمِ لغوی ہے، اس میں شکار کرنا، درخت کاٹنا سب جائز ہے، لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے مثلاً شہر کی خوبصورتی اور زینت کو برقرار رکھنے کے لیے اگر حاکم پابندی لگائے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ ... ومن الناس من يقول: إن الأظهر من أولى الأمر ههنا أنهم الأمراء ... (احكام القرآن، للجصاص: ۲/۲۱۰، ط: سهيل اكيدمى).

باب حرم المدينة ... عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المدينة حرم من كذا إلى كذا لا يقطع شجرها ولا يحدث فيها حدث فمن أحدث فيها حدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ... (رواه البخارى، رقم: ۱۸۶۷).

وقال الثوري وعبد الله بن المبارك وأبوحنيفة وأبويوسف ومحمد : ليس للمدينة حرم كما كان لمكة فلا يمنع أحد من أخذ صيدها وقطع شجرها وأجابوا عن الحديث المذكور بأنه إنما قال ذلك لا لأنه لما ذكروه من تحريم صيد المدينة وشجرها بل إنما أراد بذلك بقاء زينة المدينة ليستطيبوها و يألفوها...وذلك كمنعه من هدم آطام المدينة وقال: إنها زينة المدينة على مارواه الطحاوي...عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن آطام المدينة أن تهدم ، وفي رواية لا تهدموا الآطام فإنها زينة المدينة . وهذا إسناد صحيح . (عمدة القاری: ۷/ ۵۶۹،دارالحدیث ، ملتان).

وينظر: (مرقاة المفاتیح : ۶/ ۲۷،مکتبہ امدادیہ، ملتان).

أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا. أی يتبع ولا يجوز مخالفته ...وفی ط: عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن ائمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة فلو أمر بصوم يوم وجب ...الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/ ۴۲۲،سعید).

منتخبات الفتاویٰ میں ہے:

مہتمم مدرسہ سلطان کے وصفِ ثانی (جس کا حاصل انتظام امورشرعیہ عامہ للمسلمین ہے) میں سلطان کا قائم مقام ہوگا۔(منتخبات نظام الفتاویٰ،ص۹۸،اصلاحی کتب خانہ دیوبند)۔

حاجیوں کے خلافِ قانون سامان لانے کے بارے میں فقیہ الامت فرماتے ہیں:

...جب سعودی حکومت میں کوئی شخص داخل ہوتواس کوسعودی قانون کی پابندی لازم ہے ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/ ۴۴۸،جامعہ فاروقیہ)۔مزید ملاحظہ کیجئے: (احسن الفتاویٰ:۵/ ۵۰۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان کے لیے گرجے میں داخل ہونے کا حکم:

سوال: ایک عالمِ دین بین المذاہب کسی میٹنگ کے لیے عیسائیوں کے گرجے میں گئے،بعض حضرات نے اپنی تحریروں میں ان کے خلاف بہت سخت فتویٰ صادر کیا،اورطعن وتشنیع کی،تو سوال یہ ہے کہ کیا کسی مصلحت اورضرورت کی وجہ سے گرجے میں داخل ہونا درست ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کسی مصلحت اورضرورت کی وجہ سے گرجے میں داخل ہونا جائز ہے البتہ بلا

ضرورت گرجے میں جانا مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أم حبيبةؓ وأم سلمةؓ ذكرتا كنيسة رأينها بالحبشة فيها تصاوير فذكرتا للنبي صلى الله عليه وسلم...الخ. (رواه البخارى ،رقم: ۴۲۷).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملکِ حبشہ کے گرجے میں داخل ہوئی تھیں۔

مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیوں کے گرجے میں دعوت وتبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد میں ہے:

عن عوف بن مالك قال: انطلق النبي صلى الله عليه وسلم يوماً وأنا معه حتى دخلنا كنيسة اليهود بالمدينة يوم عيد لهم فكرهوا دخولنا عليهم فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر اليهود ...الخ. (مسندالإمام أحمد،رقم: ۲۳۹۸۴).

سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے:

إن مسلم بن يسار وعبد الله بن عبيد حدثاه قالا: جمع المنزل بين عبادة بن الصامت رضي الله عنه ومعاوية رضي الله عنه، إما في كنيسة وإما في بيعة...الخ. (رواه ابن ماجه،ص۱۶۳ ،رقم: ۲۲۵۴).

مصنف ابن أبی شیبه میں ہے:

عن عثمان بن أبي هند قال: رأيت عمر بن عبد العزيز يؤم الناس فوق كنيسة والناس أسفل منه .

وعن إسماعيل بن رافع قال: رأيت عمر بن عبد العزيز يؤم الناس في كنيسة بالشام .

وعن أزهر الحرازى إن أباموسى صلى في كنيسة في دمشق يقال لها :كنيسة يوحنا.

(مصنف ابن ابی شيبة : ۳/۵۵۰).

علامہ شامیؒ نے بلاضرورت ومصلحت فقط ویسے ہی داخل ہونے کو مکروہ فرمایا ہے:

يؤخذ من التعليل بأنه محل الشياطين كراهة الصلاة في معابد الكفار لأنها مأوى الشياطين كما صرح به الشافعية ، ويؤخذ مما ذكروه عندنا، ففى البحر من كتاب الدعوى عند قول الكنز: ولا يحلفون في بيت عباداتهم ، وفى التاتارخانية: يكره للمسلم الدخول

فی البیعة والکنیسة ، وإنما یکره من حیث أنه مجمع الشیاطین ، لا من حیث أنه لیس له حق الدخول ، قال فی البحر: والظاهر أنها تحریمیة لأنها المرادة عند إطلاقهم ، وقد أفتیت بتعزیر مسلم لازم الکنیسة مع الیهود . (فتاوی الشامی: ۱/ ۳۸۰، سعید).

(لیکن سابقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول مکروہِ تحریمی نہیں ہونا چاہئے)۔

(وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۳۴۶/۵، والخلاصة فی احکام الذمة : ۲۰۹/۲، لعلی بن نایف الشحود، والبحرالرائق: ۲۱۴/۷).

قال في تکملة البحر: ولو آجر المسلم نفسه لذمی لیعمل فی الکنیسة فلا بأس به.
(تکملة البحر: ۲۰۳/۸، کوئٹه).

المغنی لابن قدامه الحنبلی میں مرقوم ہے:

...وفی شروط عمر رضی اللہ عنہ علی أهل الذمة أن یوسعوا أبواب کنائسهم وبیعهم لیدخلها المسلمون للمبیت بها والمارة بدوابهم ، وروی ابن عائد في فتوح الشام أن النصاری صنعوا لعمر رضی اللہ عنہ حین قدم الشام طعاماً ، فدعوه ، فقال: أین هو ؟ قالوا: في کنیسة ، فأبی أن یذهب وقال لعلي رضی اللہ عنہ: امض بالناس فلیتغدوا فذهب علي رضی اللّٰه تعالیٰ عنه بالناس فدخل الکنیسة وتغدی هو والمسلمون وجعل علي رضی اللہ عنہ ینظر إلی الصور وقال: ما علی أمیر المؤمنین لو دخل فأکل وهذا اتفاق منهم علی إباحة دخولها وفیها الصور ة ولأن دخول الکنائس والبیع غیر محرم ...الخ. (المغنی : ۱۱۳/۸، دارالفکر، بیروت).

و ینظر للمزید : (عمدة القاری :۴۵۳/۳، و الموسوعة الفقهیة الکویتیة : ۱۲۸/۱۲، ط : وزارة الاوقاف ، و ۲۰/ ۲۴۵ ،وفتاوی العلامة ابن تیمیةؒ : ۵۹/۲، ط: دارالکتب العلمیة ،والمجموع شرح المهذب).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کو ان کے تہوار میں مبارکبادی دینے کا حکم:

سوال: کسی غیر مسلم کو Happy merry christmas کے ذریعہ مبارک بادی پیش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے معنی مراد کا خلاصہ یہ ہے: ’’ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مبارک‘‘ ؟ **بینوا توجروا .**

الجواب: فی زماننا یہ الفاظ عید مبارک کی طرح استعمال ہوتے ہیں اور آپس میں کرسمس کے موقعہ پر بطورِ مبارکبادی کہے جاتے ہیں باقی اس کے دوسرے معنی متروک ہو چکے ہیں، اکثر لوگ جانتے بھی نہیں جیسے جنوری فروری اپنی اصل کے اعتبار سے اصنام وبتوں کے نام ہیں، لیکن مہینوں کے نام کے طور پر مستعمل ہیں اور یہ کفریہ معنی بالکل متروک ہیں، بنابریں دوستی پالنے کے لیے تو درست ہے، البتہ دن کی تعظیم میں ایسے الفاظ کہنا درست نہیں۔ ہاں بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ابھی تک ان الفاظ سے صلیب کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اس وجہ سے حتی الامکان ایسے الفاظ نہیں کہنے چاہئے۔

قال فی الأشباه النظائر: واعلم أن اعتبار العادة والعرف ترجع إليه فی الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلک أصلاً ، فقالوا فی الأصول في باب ما تترک به الحقيقة تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة... والمراد من الاستعمال نقل اللفظ من موضوعه الأصلي إلى معناه المجازي شرعاً وغلبة الاستعمال فيه ، ومن العادة نقله إلى معناه المجازی عرفاً . (الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۸، ط:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية).

بغداد کی وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ ''بغ'' بت کا نام تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے اور داد فارسی میں عطیہ کو کہتے ہیں یعنی بت کا عطیہ لیکن یہ معنی متروک ہو چکے ہیں اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ تاریخ بغداد میں ہے:

بغداد وكان لهم صنم يعبدونه بالمشرق يقال له ''البغ'' فقال: بغ ،داد (أعطانی الصنم) ، **والفقهاء يكرهون هذا الاسم من أجل هذا وسماها أبوجعفر مدينة السلام لأن دجلة يقال لها وادی السلام.** (تاریخ بغداد: ۱/۵۸، ومثله فی معجم البلدان: ۱/۴۵۶، و تهذيب الأسماء واللغات للامام النووی: ۱/۱۵۰۱).

لیکن اس دن کی تعظیم اور قلبی محبت سے ایسا کہنا کفر ہے: **والإعطاء باسم النيروز والمهرجان لا يجوز وإن قصد تعظيمه كما يعطيه المشركون يكفر .** (الدر المختار: ۶/۷۵۴، سعید).

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس میں اکثر علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے اس مضمون پر تفصیلی مقالے تحریر فرما کر پیش کیے، بعد میں اس کے لب لباب کو کتابی شکل میں منظر عام پر لایا گیا۔ مناسب معلوم ہوا کہ اسی کا کچھ خلاصہ ذکر کیا جائے، چنانچہ ملاحظہ کیجئے:

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا:

بیشتر مقالہ نگار حضرات علماء کی رائے ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا درست نہیں ہے اس لیے کہ اس سے ان کے شرکیہ رسوم اور تہواروں کی تعظیم لازم آتی ہے۔

مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں:

بعض مقالہ نگار حضرات ایسے بھی ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ فرقہ وارانہ یکجہتی کے جذبہ سے اور خیر سگالی کی نیت سے اور تالیفِ قلب کے لیے ایسا کرنا بہتر ہے۔

بعض حضرات نے ایک دوسری بات کہی ہے اور وہ یہ کہ مبارکباد دعا نہیں ہے، دعا کے لیے لفظ آشیرواد آتا ہے، مبارکباد کی جگہ بدھائی کا لفظ استعمال کرنا زیادہ موزوں ہے، اگر ضرر یا تعلقات کی ناہمواری کا اندیشہ ہوتو بدھائی وغیرہ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کچھ شرائط وقیود کے ساتھ ان کو مبارکباد دینے کو درست قرار دیتے ہیں، مثلاً:

(۱) سماجی اخلاقیات کا تقاضہ ہے کہ اگر وہ ہمارے تہواروں پر ہمیں مبارکباد دیتے ہیں تو ہم بھی ان کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دیں لیکن یہ کہ آدمی خود ان پر کوئی یقین نہ رکھتا ہو، مزید یہ کہ آیت: ”**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها**“ کے عموم میں یہ چیز آسکتی ہے۔

(۲) اگر احکامِ اسلام سے متصادم نہ ہوں اور ایسا کرنے سے تشابہ لازم نہ آتا ہو تو جائز ہے۔

(۳) ضرورت اور مجبوری کے تحت اس کو ”**لكم دينكم ولي دين**“ کے انداز میں مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) غیر مسلم حضرات کو ان کے تہواروں کی مبارکباد دینا اگر اس نیت سے ہو کہ مذہب کی بنیاد پر منافرت کا ماحول ختم ہوگا اور غیر مسلم سماج میں مسلمانوں کے تئیں محبت وہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے تو جائز ہے۔

(۵) اسی طرح دفعِ ضرر کے واسطے یا اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقعِ ہدایت کے واسطے اگر کوئی مبارکباد پیش کرتا ہے تو جائز ہے۔ (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، ص: ۱۲۵۔۱۲۸، ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی صاحب نے جواز میں ایک مقالہ لکھا ہے اور جواز کے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (في فقه الأقليات المسلمة، مقالة: تهنئة أهل الكتاب بأعيادهم، ۱۴۵۔۱۵۰، دار الشروق). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

’’جس نے مجھے ایک حرف سکھایا میں اسکا غلام‘‘ اس مقولہ کی تحقیق:

سوال: ایک مقولہ مشہور ہے جس کا مفہوم یہ ہے: جس نے علم سکھایا وہ اس کا مولیٰ ہے چاہے تو اس کو آزاد کرے، یا چاہے تو اس سے خدمت لے، یہ مقولہ کس کا ہے اور کس کتاب میں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مقولہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہے کہ آپ نے یہ فرمایا:

أنا عبد من علمني حرفاً إن شاء باع وإن شاء استرق .

قال فی بریقة محمودیة في شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة: ومن تعظیم العلم تعظیم المعلم قال علي رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: أنا عبد من علمني حرفاً... ومن علمک حرفاً مما تحتاج إلیه فی الدین فهو أبوک فی الدین . (بریقة محمودیة في شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة: ۴/۳۴۵).

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی صاحبؒ نے اس مقولہ کو ’’آداب المتعلمین ‘‘میں ص ۳۳ پر نقل کیا ہے۔

حضرت امام شعبہؒ سے بھی اس قسم کا ایک دوسرا مقولہ مروی ہے:

من کتبت عنه حدیثاً فأنا له عبد. جس سے میں نے ایک حدیث لکھی میں اس کا غلام ہوں۔

قال في سیر أعلام النبلاء : وقال یحیی بن منده: کان عمي سیفاً علی أهل البدع ، وهو أکبر من أن یثنی علیه مثلي، کان واللّٰہ آمراً بالمعروف ، ناهیاً عن المنکر ، کثیر الذکر ، قاهراً لنفسه ، عظیم الحلم ، قرأت علیه قول شعبة : من کتبت عنه حدیثاً فأنا له عبد ، فقال عمي: من کتب عنی حدیثاً فأنا له عبد. (سیر اعلام النبلاء : ۱۸/۳۵۲،موسسة الرسالة). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دنیوی کھیل کے لیے طلع البدر علینا کے اشعار پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک ’’سوکر میچ‘‘ (soccer match) پر سعودی عرب کی ٹیم کے حامیوں نے ’’طلع البدر علینا ‘‘ کے اشعار پڑھے اور رومال کو سر پر ہلاتے ہوئے یہ کہا ’’اللہ کے رسول میرے محبوب‘‘ عام مسلمان اس منظر کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور ’’ماشاء اللہ‘‘ کہا، تو کیا ان حامیوں اور مسلمانوں کا یہ طریقہ درست تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسے کھیل کود اور دیگر خرافات کی جگہوں پر ایسے اشعار کا پڑھنا بالکل

مناسب نہیں تھا، کیونکہ یہ اشعار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور صحیح سلامت مدینہ منورہ تشریف لانے پر پڑھے گئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور مدینہ منورہ میں دین وایمان کے طلوعِ شمس کو دنیوی خرافات ومنکرات سے کیا مناسبت ہوسکتی ہے؟

فتاویٰ دار العلوم زکریا میں مذکور ہے کہ طلع البدر علینا کے اشعار کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) مدینہ منورہ تشریف آوری کے وقت۔ (۲) غزوۂ تبوک سے واپسی پر یہ اشعار پڑھے گئے۔

دلائل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ دار العلوم زکریا، جلد اول، ۳۱۷-۳۱۹)۔

نیز فی زماننا اکثر لوگوں کا کھیل کود میں اتنا زیادہ انہماک ہو چکا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی سے بے پرواہی ہو رہی ہے، بنا بریں اس قسم کے کھیلوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، ہاں کچھ وقت تفریح یا ورزش کی نیت سے کھیلا جائے اس کی شرائط کے ساتھ تو جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وأما ما لم يرد فيه النهي عن الشارع، وفيه فائدة ومصلحة للناس، فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب على منافعه، وانه من اشتغل به الهاه عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد، التحق ذلك بالمنهي عنه، لاشتراك العلة، فكان حراماً او مكروهاً.

والثاني: ما ليس كذلك، فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة، وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح، بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه. (تكملة فتح الملهم: ۴/۴۳۵، حكم الالعاب فى الشريعة).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحابی رسول کو کافر سمجھنے یا کہنے والے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص صحابہ کرام کو کافر کہے یا کافر سمجھے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ صحابیِ رسول کو کافر کہنا یا کافر سمجھنا، جن کی فضیلت میں نصوص حدِ تواتر کو پہنچی ہیں، کفر ہے، ایسے آدمی کے لیے ضروری ہے کہ سچی پکی توبہ کر کے دوبارہ اسلام کا کلمہ پڑھے۔ ہاں ان کو کافر نہیں کہتا یا نہیں سمجھتا بلکہ کوئی عیب وغیرہ تلاش کرتا ہے یا غلط باتیں ان کی طرف منسوب کرتا ہے تو یہ شخص فاسق اور زندیق ہے اس سے بھی توبہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ متواترات کا انکار کفر ہے، ملاحظہ ہو:

من أنكر المتواتر فقد كفر ومن أنكر المشهور يكفر عند البعض ...الخ. (الفتاوى الهندية: ۲/۲۶۵).

قال في شرح العقائد النسفية: فسبهم والطعن فيهم إن كان مما يخالف الأدلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وإلا فبدعة وفسق. (شرح العقائد، ص ۱۶۲، مکتبه خير كثير).

قال في نواقض الإيمان القولية والعملية: إن سب الصحابة نوعان: أحدهما سب يقدح في دين الصحابة وعدالتهم كأن يرمى صحابياً بالكفر مثلاً ممن تواترت النصوص بفضله فهذا من الكفر لما تضمنته من تكذيب للآيات القرآنية، والأحاديث الصحيحة الدالة على تزكيتهم وفضلهم، ولأن هذا السبب إنكار لما هو معلوم من الدين بالضرورة ...الخ. (نواقض الايمان: ۲/۱۵۳، لعبدالعزيز بن محمد بن على العبداللطيف).

عالمگیری میں ہے:

ويجب إكفارهم بإكفار عثمان وعلى وطلحة وزبير وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم ...الخ. (الفتاوى الهندية: ۲/۲۶۴).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

ويجب إكفار الخوارج في إكفارهم جميع الأمة سواهم، ويجب إكفارهم بإكفار عثمانؓ وعلیؓ وطلحةؓ...الخ. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۶/۳۱۸). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استہزائی تصویر شائع کرنے والے کا حکم:

سوال: اگر کسی مسلم جج نے یہ فیصلہ کیا کہ ”اخبار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارٹون (مزاحیہ تصویر) بنا کر شائع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے“ حالانکہ وہ اسے روک سکتا تھا، ایسے آدمی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا استہزاء موجبِ کفر ہے، اور استہزاء کو درست سمجھنا بھی کفر ہے، لہذا اگر جج نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء کو درست قرار دیا تو یہ کفر ہے۔ اس سے جلد از جلد

توبہ کرنی چاہئے اوردوبارہ اسلام کاکلمہ پڑھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

والكافر بسب نبي من الأنبياء ...وفي فتاوى المصنف: ويجب إلحاق الاستهزاء والاستخفاف به لتعلق حقه أيضاً ...

وفي فتاوى الشامي: مطلب مهم في حكم ساب الأنبياء قوله:... وقال ابن سحنون المالكي: أجمع المسلمون أن شاتمه كافر وحكمه القتل ومن شك في عذابه وكفره كفر ... وحاصله أنه نقل الإجماع على كفر الساب. (فتاوى الشامي: ۲۳۴/۴،سعید).

وقال في شرح العقائد: والاستهزاء على الشريعة كفر . (شرح العقائد،ص۱۶۷،ط: مكتبه خير كثير). واللہ ﷻ اعلم۔

آبِ زمزم سے علاج کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بہت زیادہ استمناء بالید کرنے کی وجہ سے بالکل عنین ہوچکا ہے،اب یہ شخص استشفاء کے لیے اپنی شرمگاہ پرزمزم کا پانی ڈالنا چاہتا ہے تواس کی اجازت ہوگی یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسے شخص کوچاہئے کہ فی الفور سچے دل سے توبہ کرے اوراس قسم کی عادتِ قبیحہ سے باز آجائے ،اوراطباء اورحکماء کے مشورے سے علاج ومعالجہ شروع کردے،لیکن شرمگاہ پرنہ ہاتھ لگانا چاہئے اورنہ مبارک پانی آبِ زمزم قصداً ڈالنا درست ہے۔کیونکہ فقہاء نے آبِ زمزم سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے ہاں تبعاً ہوجیسے غسل کے وقت تو یہ درست ہے۔

ملاحظہ ہودرمختار میں مرقوم ہے:

يكره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال . وفي رد المحتار: وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه حتى ذكر بعض العلماء تحريم ذلك. (الدرالمختارمع ردالمحتار : ۶۲۵/۲، مطلب فی کراهية الاستنجاء بماء زمزم ،سعيد).

وفي حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح : وفصل صاحب لباب المناسک آخر الكتاب ، فقال: يجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم إن كان على طهارة للتبرک فلا ينبغي أن يغتسل به جنب ولا محدث ولا في مكان نجس ولا يستنجى به ولا يزال به نجاسة حقيقية وعن بعض العلماء تحريم ذلك وقيل إن بعض الناس استنجى به فحصل له باسور.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص، ۲۱،۲۲،کتاب الطهارة ، فائدة ، ط: قديمی كتب خانه ، وكذا فی شرح اللباب،للشيخ الملا علی القاری، ۵۴۵،ط: دارالكتب العلمية بيروت).

ہاں آبِ زمزم پی کر شفا کی دعا کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ دعا قبول فرما کر ضرور شفا نصیب فرمائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ماء زمزم لما شرب له . (سنن ابن ماجه ،ص ۲۲۰).

حاشیہ میں مرقوم ہے:

والحديث أخرجه الحاكم وصححه البيهقي... لما شرب له أی لكل مهم من مهمات الدنيا والآخرة. (انجاح الحاجة حاشيه سنن ابن ماجه،ص ۲۲۰). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خریدار کا دوسرے خریداروں کے لیے ایجنٹ بننے اوران سے کمیشن لینے کا حکم:

سوال: سوال تفصیلی ہے لیکن اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے: ایک کمپنی ہے جس کا نام Tiens ہے اور یہ تقریباً ۱۲۰ ممالک میں رجسٹرڈ ہے یہ کمپنی اپنی مختلف اشیاء فروخت کرتی ہے اس کمپنی کا قانون یہ ہے کہ پہلے اس کمپنی میں رجسٹریشن کرائی جاتی ہے اس کے بعد ایک کوڈ حاصل ہوتا ہے، اس کے ذریعہ کمپنی سے اشیاء خریدی جاتی ہیں، یہاں تک کہ جب خریدی ہوئی اشیاء کی قیمت ۳۵۰۰۰ روپے مکمل ہوجاتے ہیں تو پھر مشتری ۳ اسٹار بن جاتا ہے یعنی دوسرے تین آدمیوں کو رجسٹرڈ کروانے ہوں گے پھر وہ تین آدمی تین اسٹار بن جائیں گے تو پہلا مشتری ۴ اسٹار بن جائے گا، اور تینوں مشتری کی خریدی ہوئی چیزوں کا منافع پہلے کو دیا جائے گا، پھر وہ تین مشتری تین اسٹار بن جائیں گے یعنی مزید تین تین کو اس کمپنی میں رجسٹرڈ کروائیں گے تو پہلا مشتری ۵ اسٹار بن جائیگا، اسی طرح ہلم جراً، یعنی جتنے آدمی بڑھتے جائیں گے اس کے موافق پہلے مشتری کا لیول بڑھتا جائے گا اور ان سب کا منافع اس پہلے کو ملے گا۔ نیز پہلے مشتری کے ماتحت والے بھی جس لیول پر ہوتے جائیں گے ان کو بھی ان کے ماتحت کا منافع ملتا رہے گا۔

یاد رہے کہ سب کا منافع فیصد کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے ۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ Tiens کمپنی کے اس کاروبار میں حصہ لینا اور منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالتفصیل توجروا**

بالأجر الجزيل .

الجواب: اس معاملہ میں مفتی حضرات کے نزدیک دو چیزیں زیادہ قابل اعتراض ہیں ایک یہ کہ پہلے کمیشن ایجنٹ کا دوسرے کمیشن ایجنٹ کی تجارت اور نفع میں کوئی دخل نہیں تو وہ نفع کیوں لیتا ہے اس لیے عام مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ اگر پہلا کمیشن ایجنٹ آرام سے بیٹھا ہے اور اس کے بعد والے کمیشن ایجنٹ اپنی محنت سے خریدار بنا رہے ہیں تو پہلے کمیشن ایجنٹ کے لیے بعد والوں کی کمائی سے حصہ مقرر کرنا جائز نہیں ۔اس لیے کہ پہلے ایجنٹ نے بعد والوں کے ساتھ کچھ کام نہیں کیا۔لیکن باب المضاربہ کے ایک مسئلہ سے اس صورت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

بابِ مضاربت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی رب المال نے مضارب کو مال دیا اور یہ کہا کہ نصفِ ربح مجھے ملے گا اور یہ اجازت دی کہ تم دوسرے کو مال بطورِ مضاربت دے سکتے ہو، پھر مضاربِ اول نے مضاربِ ثانی کو مال دیا کہ تم کو پورے نفع کا ایک ثلث ملے گا، مثلاً: چھ ہزار نفع ہو تو اس میں سے رب المال کو تین ہزار اور مضاربِ ثانی کو دو ہزار اور مضاربِ اول کو ایک ہزار نفع میں سے حصہ ملے گا، حالانکہ یہاں بھی مضاربِ اول نے کچھ کام نہیں کیا، سب کام تو دوسرے مضارب نے کیا اور مال رب المال کا ہے۔لیکن اس کے باوجود فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو جائز قرار دیا ہے۔چنانچہ علامہ حصکفیؒ الدر المختار میں رقمطراز ہیں:

فإن أذن المالك بالدفع ودفع بالثلث وقد قيل للأول ما رزق الله فبيننا نصفان فللمالك النصف ، عملاً بشرطه وللأول السدس الباقي وللثاني الثلث المشروط ولو قيل ما رزقك الله بكاف الخطاب والمسألة بحالها فللثاني ثلثه والباقي بين الأول والمالك نصفان باعتبار الخطاب فيكون لكل ثلث . (الدرالمختار: ۶۵۳/۵،سعيد).

قال في رد المحتار: قال في البحر: وطاب الربح للجميع لأن عمل الثاني عمل عن المضارب كالأجير المشترك إذا استأجر آخر بأقل مما استؤجر. (فتاوى الشامي: ۶۵۳/۵، باب المضارب يضارب، سعيد).

(وكذا في البحرالرائق: ۲۶۶/۷، باب المضارب يضارب ، ط:دارالمعرفة ،بيروت).

وقال في الهداية: قال: وإذا دفع إليه رب المال مضاربة بالنصف وأذن له أن يدفعه إلى غيره فدفعه بالثلث وقد تصرف الثاني و ربح فإن كان رب المال قال له على أن ما رزق

اللّٰہ فھو بیننا نصفان فلرب المال النصف وللمضارب الثاني الثلث وللمضارب الأول السدس لأن الدفع إلى الثاني مضاربة قد صح لوجود الأمر به من جهة المالک . (الهداية : ۲۶۳/۳، ۲۶۴، باب المضارب یضارب).

قال فی العناية : وإنما قال: یطیب لهما ذلک : أی للمضارب الأول والثاني الثلث والسدس لأن الأول وإن لم یعمل بنفسه شیئاً فقد باشر العقدین . (العناية شرح الهداية: ۴۶۳/۸،ط: دارالفکر).

علامہ اکمل الدین بابرتیؒ فرماتے ہیں کہ مضاربِ اول کے لیے نفع حلال اورطیب ہے اگر چہ اس نے کچھ بھی کام نہیں کیا لیکن عقد کا ذریعہ اور وسیلہ بنا، جس طرح ہمارے مسئلہ میں اول نے دوم کو ایجنٹ بنایا اس وجہ سے دونوں کے لیے نفع حلال ہوگا۔ علامہ زیلعیؒ نے مزید ایک بات فرمائی ہے کہ اس میں شبہ نہ کرے یہ نفع دونوں مضارب کے لیے حلال اورطیب ہے اگر چہ پہلا مضارب گھر میں آرام سے بیٹھا ہے۔ قال: فهذه لا شبهة فیها وهي تجارة حسنة حیث یستحق الأول سدس الربح ، وهو قاعد . (تبیین الحقائق: ۶۵/۵، امدادیه ، ملتان).

مزید ملاحظہ ہو: (تبیین الحقائق : ۶۴/۵،ط: امدادیه ،ملتان،والفقه الحنفی وادلته: ۱۲۲/۲).

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں مضاربِ اول کا عمل اورکسبِ ربح میں کوئی دخل نہیں اس کے باوجود اس کو ایک سدس ملے گا، اس لیے کہ مضاربِ ثانی مضاربِ اول کی اجازت سے اس کا قائم مقام بن کر تجارت کررہا ہے، اسی طرح یہاں بھی نیا کمیشن ایجنٹ پہلے کی اجازت سے اس کے قائم مقام کی طرح کا عمل کرتا ہے تو اگر یہ معاملہ سود وقمار سے خالی ہو تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

مسئلہ مذکورہ پر ایک اشکال اور جواب:

اشکال: فتاویٰ ہندیہ کی درجِ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال للدلال أعرض ضیعتي وبعها علی أنک إذا بعتها فلک من الأجر کذا فلم یقدر الدلال علی إتمام الأمر ثم باعها دلال آخر ، قال أبوالقاسم: و لو عرضها الأول و صرف فیه روزجارا یعتد به فأجر مثله له واجب بقدر عنائه وعمله ...ولا یجب له استحساناً إذا ترکه وبه نأخذ . (الفتاوی الهندية: ۴۵۱/۴).

الجواب: عالمگیری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے دلال نے پہلے دلال کی اجازت کے بغیر اپنے اصل موکل کی اجازت سے کام کیا اور دوسرا دلال پہلے دلال کا قائم مقام نہیں بنا تو پہلے دلال کے نفع میں سے دوسرے دلال کو کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ مذکورہ بالا کے جواز کی دوسری نظیر:

بعض احادیث اور فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلے آدمی کا کسی کاروبار میں کچھ دخل ہوا گرچہ کام نہ کرتا ہو تب بھی معاوضہ لے سکتا ہے۔مثلاً: اگر کسی درزی نے اپنی دکان پر ایک صاحبِ وجاہت شخص کو بٹھا لیا اور اس کے ساتھ یہ معاملہ طے کیا کہ نفع کا نصف حصہ آپ کو ملے گا اور نصف میرا ہوگا،تو یہ معاملہ جائز ہے اگرچہ صاحبِ وجاہت شخص کا درزی کے عمل میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن اس کی وجاہت کا دخل ہے، بنابریں اس کے لیے عوض لینا جائز ہے، یہاں بھی عمل اور کام نمبر دو یا نمبر تین نے کیا لیکن پہلے دلال کا اس میں دخل ہے اگر وہ نمبر دو کی ممبر سازی نہ کرتا تو کاروبار ترقی نہ کرتا۔

سنن ابن ماجہ شریف میں روایت ہے:

عن المنذربن جرير عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :" من سن سنة حسنة فعمل بها كان له أجرها ومثل أجرمن عمل بها لاينقص من أجورهم شيئاً ، ومن سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها ووزر من عمل بها لاينقص من أوزارهم شيئاً . (سنن ابن ماجه : ۱/۱۸).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اور اس پر عمل کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کے مثل اجر اس کو بھی ملے گا اور ان کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی ،اور جس نے برا طریقہ جاری کیا اور اس کو اپنایا تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور اس برا کام کرنے والوں کا گناہ بھی اس کے سر ہوگا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

طبرانی شریف میں روایت ہے:

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " الدال على الخير كفاعله ". (رواه الطبرانی فی المعجم الكبير: ۵/۷۷۴).

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیر کی رہنمائی کرنے والا کارِ خیر کرنے والے کی طرح

ہے۔یعنی اجر میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔

احادیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے عمل کا باعث اور ذریعہ بننے کی وجہ سے جزا یا سزا کا مستحق ہوا، اسی طرح یہاں بھی پہلا ممبر دوسرے ممبر کو تجارت میں لانے اور کاروبار آگے بڑھانے کا باعث اور وسیلہ بنتا ہے۔

اسی طرح کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی درزی نے کسی مشہور درزی یا مشہور شخصیت کو اپنی دکان پر بٹھایا اور اس کی شہرت کی وجہ سے گاہک کپڑا سلانے کے لیے بکثرت آتے ہیں، مشہور آدمی کچھ نہیں کرتا صرف بیٹھا ہے اور آپس میں یہ طے کیا کہ نصف اجرت ایک کو ملے گی اور نصف دوسرے کو، تو یہ معاملہ جائز ہے، حالانکہ مشہور آدمی کچھ نہیں کرتا صرف اس کی وجاہت چلتی ہے، اسی طرح یہاں بھی پہلا کمیشن ایجنٹ دوسرے کے کام میں عمل وتصرف نہیں کرتا لیکن اس نے جاری تجارت کی بنیاد رکھی ہے اور طریقہ جاری کیا۔

قال في الدرالمختار: أقعد خياط أو صباغ في حانوته من يطرح عليه العمل بالنصف، سواء اتحد العمل أو اختلف كخياط مع قصار صح استحساناً، لأنه شركة الصنائع، فهذا بوجاهته يقبل وهذا بحذاقته يعمل.

قوله صح لأن شركة الصنائع يتقبل كل منهما العمل على أن ما يتقبله يكون أصلاً فيه بنفسه ووكيلاً عن شريكه فيكون الربح بينهما وهنا كذلك، فإن ما يلقيه عليه صاحب الحانوت من العمل يعمله الصانع أصالة عن نفسه ووكالة عن صاحب الحانوت فيكون الأجر بينهما كذلك، رحمتي. (فتاوى الشامي: ٦/ ٨٩، سعيد).

وفي فتح القدير: صورة المسألة إذا كان للخياط أو الصباغ دكان معروف وهو رجل مشهور عند الناس وله وجاهة ولكنه غير حاذق فيقعد في دكانة رجلاً حاذقاً ليتقبل العمل من الناس ويعمل ذلك الرجل على أن ما أصابا من شيء فهو بينهما نصفان. (فتح القدير: ٨/ ٨٩، مسائل منثورة من كتاب الاجارة، ط: كوئٹه). (وكذا في الكفاية على هامش فتح القدير: ٨/ ٨٩).

محمود الفتاویٰ میں ''اےٹو زیڈ مارکیٹنگ'' نامی کمپنی کا گاہک بننے سے متعلق تفصیلی سوال کے جواب میں لکھا ہے:

زید کے واسطے سے براہِ راست گاہک بننے والے حضرات جتنی خریداری کریں، اس پر زید کو دو فیصد کے حساب سے کمیشن دینا بشرطیکہ یہ سلسلہ آگے جاری نہ ہوتا ہو، یہ دلالی ہونے کی وجہ سے درست ہے، اور اگر اس

کے ذریعہ بالواسطہ بننے والے گاہکوں کوبھی یہ کمیشن دیا جاتا ہوتو دلالی کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں....۔(محمود الفتاویٰ:۳/۲۰۔۲۱)۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس میں بیع بشرط پائی جاتی ہے جو جائز نہیں ہاں اگر شرط معروف بن جائے تو وہ مفسدِ عقد نہیں۔ ملاحظہ ہوشرح مجلّہ میں ہے:

وحاصل ما ذكره الفقهاء فى البيع مع الشرط أن الشرط الذي يقترن به البيع إما أن يقتضيه العقد، وإما أن لايقتضيه العقد لكن يلايمه ، وإما أن لايقتضيه العقد ولا يلايمه لكن قد جرى العرف باشتراطه، وإما أن لا يقتضيه العقد ولا يلايمه ولا جرى العرف باشتراطه، لكن لامنفعة فيه لأحد، فالبيع في هذه الوجوه الأربعة صحيح والشرط معتبر فى الوجوه الثلاثة الأولىٰ منها، و يلغو فى الوجه الرابع. (شرح المجلة لمحمدخالد الاتاسى،۲/۵۹،الفصل الرابع فى حق البيع بشرط).

مفتی تقی عثمانی صاحب تکملہ میں فرماتے ہیں:

وخلاصة مذهب الحنفية في ذلک أنه إن كان شرطاً يقتضيه العقد، أويلائم العقد أو شرطاً جرى به التعامل بين الناس، فهوجائز ولايفسد به البيع...ومثال الشرط الذي جرى به التعامل ما إذا اشترى نعلاً على أن يحذوه البائع أوجراباً على أن يخرزه له خفاً، قال السرخسيؒ فى المبسوط : وإن كان شرطاً لايقتضيه العقد، وفيه عرف ظاهر فذلک جائز أيضاً ، كما لو اشترى نعلاً وشراكاً بشرط أن يحذوه البائع ، لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي، ولأن فى النزع عن العادة الظاهرة حرجاً بيناً، وقال الكاساني: فى "البدائع:۵/۱۷۲" **و القياس أن لايجوز وهوقول زفرؒ ، وجه القياس أن هذا شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد العاقدين ، وإنه مفسد...ولنا أن الناس تعاملوا هذا الشرط فى البيع ،كما تعاملوا الاستصناع فسقط القياس بتعامل الناس،كما سقط فى الاستصناع .** (تكملة فتح الملهم: ۱/۶۲۹، مسئلة الشرط فى البيع).

ہدایہ میں ہے:

ومن اشترى نعلاً على أن يحذوه البائع أويشركه فالبيع فاسد... وفى الاستحسان

يجوز للتعامل فيه. (الهداية: ۳/ ۶۱).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اپنی مصنوعات کو فروغ دینے اور گاہکوں کی ترغیب کے لیے آج کل یہ صورت مروج ہے کہ خریدار کو ایک مدت تک سامان کی اصلاح اور مرمت کا تیقن دیا جاتا ہے، یہ مسئلہ اس لیے اہم ہے کہ شریعت نے خرید وفروخت میں کسی ایسی اضافی شرط کو جائز قرار نہیں دیا ہے، اسی بنا پر فقہاء نے ایسی شرطوں کی وجہ سے خرید وفروخت کے معاملے کو فاسد قرار دیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کی گیارنٹی کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز قرار پائے لیکن فقہاء کے نزدیک شریعت کی اس ممانعت کا منشا امکانی نزاع کا دروازہ بند کرنا ہے اور جو شرطیں معروف ومروج ہو جاتی ہیں وہ نزاع کا باعث نہیں بنتی ہیں، لہذا ایسی شرطوں کو جائز اور قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔

صاحبِ ہدایہ ایسی شرطوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "**إلا أن يكون متعارفاً**". (الهداية: ۳/ ۵۹، باب البيع الفاسد). (ماخوذ از جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۸۷، وکذا فی تقریر الترمذی: ۱/ ۱۰۹).

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شرط مفسدِ عقد نہیں بلکہ جو مفضی الی النزاع ہو وہ شرط مفسدِ عقد ہے، ورنہ جو مقتضائے عقد کے موافق ہو اور شرطِ ملائم ہو تو اس کی گنجائش ہے، اور آج کل اکثر شرائط عرف میں رائج ہیں اور مقتضائے عقد کے موافق بھی ہیں، لہذا افسادِ عقد کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔

بیع بشرط سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد پنجم، ۵۵، ط: زمزم)۔

البتہ اس مسئلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ شرط عام نہیں ہے بلکہ اس کمپنی کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ شرط مفسدِ عقد ہونی چاہئے۔

ہم نے یہ جواب لکھا تھا اس کے بعد دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی سے ماہنامہ "الفاروق" میں ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں اس قسم کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اور اس مسئلہ پر کچھ اشکالات کیے ہیں، چنانچہ ان اشکالات کی روشنی میں اس قسم کے معاملہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چند اشکالات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) کمپنی (DXN) کا مقصد مصنوعات کا بیچنا نہیں۔

(۲) خریداری سے خریدار کا مقصد ممبر بننا ہے نہ کہ ذاتی استعمال کرنا ہے۔

(۳) خریدار اپنی رقم صرف کرنے کے بعد بھی وہ نفع سے پورے طور پر مطمئن نہیں، کیونکہ معلوم نہیں

آگے ممبر تلاش کر سکے گا یا نہیں ۔ یہ غرر ہے۔اور صرف کمیشن اور بونس حاصل کرنے کی غرض سے جانا جبکہ خریداری مقصود نہ ہو تو یہ سود کے مشابہ ہے۔یعنی پیسوں کے بدلہ میں پیسوں کا معاملہ ہے۔

(۴)(DXN) کمپنی کے اعلان کے مطابق کمپنی کا ممبر اجیر اور ملازم نہیں بنتا بلکہ خریدار یعنی مشتری بنتا ہے اور مشتری پر شرائط عائد کرنا جائز نہیں۔

شرط (الف) کمپنی کی طرف سے متعینہ قیمت پر بیچنے کی پابندی۔ یہ شرط مفسدِ عقد ہے اس کی وجہ سے خود مختاری سلب ہو جاتی ہے۔

شرط (ب) کھلے عام بازار میں نہیں بیچ سکتا۔(ج) کمپنی کے علم کے بغیر اس کی مصنوعات کو تشہیراً کسی کو ہدیہ دینا بھی جائز نہیں۔

پھر آخر میں یہ مرقوم ہے:...لہذا یہ ایسا کاروبار ہے جس میں جھوٹ، دھوکا شامل ہے،سود اور غرر کا شائبہ ہے اور عقد میں اس قسم کی شرائط ہیں جو مفسدِ عقد ہیں، اس لیے ملٹی لیول مارکیٹنگ کمپنی سے ڈسٹری بیوٹر شپ کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔اور اگر بالفرض ان کے طریقہ کار میں دھوکا،سود، جوا اور غرر نہ بھی ہو تو بھی ان کے قوانین وضوابط میں موجود خلافِ شریعت باتوں کی وجہ سے ڈی ایکس این کمپنی کے ساتھ ڈسٹری بیوٹر شپ کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔(از ماہنامہ ''الفاروق''،ص۲۹۔۳۲، بعنوان: DXN کمپنی کا طریقہ کار، کمپنی کا ایجنٹ بننے کا حکم)۔

نیز دارالعلوم دیوبند سے بھی اس معاملہ کے عدمِ جواز کا فتویٰ شائع ہوا ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

مذکورہ چائنا کمپنی کا جو طریقہ کار آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں اپنا رجسٹریشن کرانا اور کام کر کے پیسے کمانا، ناجائز وحرام ہے۔اول تو ممبر سازی کمپنی والوں کی منشا کے مطابق آپ کے بس میں نہیں ہے، اگر آپ نے اس امید پر ممبر سازی کی کہ اگر ممبر تین بن گئے تو مجھے آئندہ ترقی در ترقی ملے گی اور نہیں بن سکے تو ترقی نہیں ملے گی اور دوسروں کی ممبر سازی پر آپ کو معاوضہ لینا یہ بھی شرعی اصول کے خلاف ہے، جو ممبر سازی کرے گا اسی کو معاوضہ لینے کا حق ہے دوسروں کو لینے کا حق نہیں ہے۔ان وجوہ کی وجہ سے اس کمپنی میں مسلمانوں کو شرکت کرنا جائز نہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ اور کوئی دوسرا جائز وحلال کمائی کمانے کا راستہ اختیار کریں۔

(از (مفتی) حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمود حسن بلند شہری غفرلہ، محمد نعمان سیتا پوری غفرلہ۔ مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حافظ ابن تیمیہؒ کو شیخ الاسلام کہنے کا حکم:

سوال: میں نے ایک مرتبہ حافظ ابن تیمیہؒ کے لیے شیخ الاسلام کا لفظ استعمال کیا، اس پر ایک مولوی صاحب غصہ ہوگئے کہ آپ نے ان کے لیے یہ لفظ کیوں استعمال کیا؟ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اکابر اور سابقہ مصنفین نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ ابن تیمیہؒ کا اسم گرامی ''احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی، ان کا لقب، تقی الدین اور ان کی کنیت ابوالعباس ہے، اور وہ آٹھویں صدی ہجری کے بڑے نامور علماء میں سے تھے، پیدائش ۶۶۱ھ اور وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ اکابر علماء اور محققین حضرات نے اپنی مشہور اور شہرۂ آفاق تصنیفات میں ان کے اسم گرامی کو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ بطورِ مشتے نمونہ از خروارے چند حوالہ جات درجِ ذیل ہیں:

(۱) محقق ابن کثیرؒ اپنی تصنیفات میں رقمطراز ہیں:

قال شيخ الإسلام تقى الدين أبو العباس ابن تيميةؒ: هذا حديث موضوع، مختلق باتفاق أهل المعرفة. (تفسير ابن كثير، سورة النساء: ۷۷).

وقال في البداية والنهاية: وفاة شيخ الإسلام أبى العباس تقي الدين أحمد بن تيمية. (البداية والنهاية: ۱۳/ ۵۴۹ و ۵۵۲).

(۲) قاضی بغداد علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

☆ **حكى شيخ الإسلام ابن تيميةؒ عن الإمام أبي يوسفؒ كراهة التكلم بغيرها لمن يحسنها من غير حاجة.** (روح المعانی: ۱۲/ ۱۷۳، سورة يوسف، الآية: ۲).

☆ **وسئل عنه شيخ الإسلام ابن تيميةؒ فقال: لوكان الخضر حياً لوجب عليه أن يأتي إلى النبي صلى الله عليه وسلم ويجاهد بين يديه و يتعلم منه.** (روح المعانی: ۱۵/ ۳۲۰، سورة الكهف، الآية: ۶۵).

☆ **وقال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ: هو مذكور فى الإسرائيليات وليس إسناد معروف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.** (روح المعانی: ۱۶/ ۲۰۹، طه، الآية: ۵۵).

☆ **وذكر شيخ الإسلام ابن تيميةؒ في كتاب البلغة ...** (روح المعانی: ۲۱/ ۶۹، لقمان).

☆ قال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ : وقولهم نزلت الآية في كذا . (روح المعاني: ۳۹/۲۴، سورة المؤمن).

☆ علی ما قال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ ما لا يخفى من المبالغة . (روح المعاني: ۳۰/ ۲۴۸، سورة الكوثر).

☆ ونقل أيضاً عن شيخ الإسلام ابن تيميةؒ أن المراد بقوله سبحانه لا أعبد ما تعبدون نفي الفعل . (روح المعاني : ۳۰/ ۲۵۱، سورة الكافرون).

علامہ ابن القیمؒ زادالمعاد میں فرماتے ہیں:

☆ فقد سئل شيخ الإسلام ابن تيميةؒ عن رجل قال ليلة الإسراء أفضل من ليلة القدر . (زادالمعاد: ۱/۵۷،ط: مؤسسة الرسالة).

نیز علامہ ابن قیمؒ نے اپنی تصنیفات مثلاً: اعلام الموقعین ،اغاثۃ اللہفان ،اجتماع الجیوش الاسلامیۃ ،کتاب الروح ،الوابل الصیب ،الصواعق المرسلۃ ،الطرق الحکمیۃ ،بدائع الفوائد ،زادالمعاد ،مدارک السالکین ،وغیرہ میں تقریباً ۱۵۰ سے زیادہ مقامات پر شیخ الاسلام کے لقب سے یادفرمایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ اور العبر فی خبر من غبر میں تحریر فرمایا ہے:

ابن تيمية الشيخ الإمام العلامة الحافظ الناقد الفقيه المجتهد المفسر البارع شيخ الإسلام . (تذكرة الحفاظ :۴/۱۹۶۴، رقم : ۱۱۷۵).

وقال في العبر : ومات في قلعة دمشق ليلة الاثنين العشرين من ذى القعدة شيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن عبد الحليم بن عبدالسلام بن عبد اللّٰه بن تيمية الحراني معتقلاً (العبر فی اخبارمن غبر: ۸۴/۴).

امام زرکلی اپنی مشہور کتاب ''الاعلام'' میں ان کے حالات کے تحت لکھتے ہیں:

أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام...أبو العباس تقى الدين ابن تيمية الإمام شيخ الإسلام . (الاعلام : ۱/۱۴۴).

حاجی خلیفہ اپنی مایہ ناز کتاب ''کشف الظنون'' میں رقمطراز ہیں: رفع الملام عن أئمة الأعلام : لشيخ الإسلام أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحنبلي. (كشف الظنون : ۱/۷۵۷).

معجم المؤلفین میں شیخ عمر رضا تحریر فرماتے ہیں:

أحمد بن تيمية...الحراني ثم الدمشقى الحنبلي شيخ الإسلام محدث حافظ . (معجم المؤلفين : ۱/۲۶۱،ط: داراحياء التراث العربى).

فقہ حنفی کے مایہ ناز اور سرخیل علامہ شامیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فتاوی الشامی'' میں فرماتے ہیں:

ورأيت في كتاب الصارم المسلول لشيخ الإسلام ابن تيمية الحنبلي . (رد المحتار: ۴/۲۱۴، سعيد).

نیز اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

ثم تبعه على ذلک من الحنابلة الإمام شيخ الإسلام أبو العباس أحمد بن تيمية ألف فيها كتاباً سماه الصارم المسلول على شاتم الرسول . (تنبيه الولاة والحكام على احكام شاتم خير الانام ، مندرجة فى مجموعة رسائل ابن عابدين ،ص۳۱۵، قديمى).

دوسری جگہ مذکور ہے: **وفى الصارم المسلول لشيخ الإسلام ابن تيميةؒ ...الخ.** (۳۲۳).

وفيه أيضاً : وكذا صرح به شيخ الإسلام بن تيميةؒ . (۳۴۲).

وفيه : وذكر مثله شيخ الإسلام ابن تيميةؒ . (۳۵۷).

وفيه: وقال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ . (۳۵۸).

وفيه : وكذا ما قدمناه في عبارة شيخ الإسلام ابن تيميةؒ . (۳۶۴).

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

فإذا انتهوا قرأوا عليه فى ''العقيدة الحموية'' لشيخ الإسلام ابن تيمية. (تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامى فى القرن الرابع عشر،ص۲۶۵).

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ نے قواعد فی علوم الحدیث کی تعلیقات میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ لکھنے کے بعد آخر میں حضرت مولانا ظفر احمدؒ کا خط نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فكتب إلي رعاه الله بخط يده ما يلي : وقد كنت أمرت بعض أصحابي أن يضربوا على هذه العبارة في حق الإمام ابن تيميةؒ ، و لكنه نسي و أنساني الشيطان أن أذكره ، فاضربوا أنتم على هذه العبارة ، واكتبوا فى الهامش : إن المؤلف قد رجع عن تلك العبارة،

وكانت من هفوات القلم ، وهو يستغفر الله ويتوب إليه من سوء الأدب فى حق أئمة الإسلام ، منهم : الإمام ابن تيمية الحراني شيخ الإسلام ، وأدخله وإيانا دار السلام .
(التعليقات على قواعد فى علوم الحديث ،ص ۴۴۲).

حضرت مولانا انورشاہ کشمیری صاحبؒ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ : وهؤلاء عندهم النبوة مكتسبة . (اكفار الملحدين فى ضروريات الدين، مندرجة فى مجموعة رسائل الكشميرى: ۱۱۵/۳ ، ناشر : المجلس العلمى).

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں ایک مکمل جلد ان کی سوانح پر تحریر فرمائی ہے اس میں کئی جگہوں پر شیخ الاسلام کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں:

فيها توجه شيخ الإسلام تقي الدين أحمد بن تيمية في ذى الحجة من دمشق .
(السلوک لمعرفة دول الملوک : ۳۸۴/۲).

علامہ سید حمویؒ فرماتے ہیں:

أقول: يؤيده ما في فتاوى شيخ الإسلام تقي الدين ابن تيمية . (غمز عيون البصائر: ۱۶۳/۱).

نیز دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قال الشيخ قاسم في فتاواه معزياً إلى شيخ الإسلام يعنى ابن تيميةؒ قول الفقهاء نصوص الواقف كنصوص الشارع يعنى فى الفهم والدلالة لا في وجوب العمل. (غمزعيون البصائر: ۱۰۶/۲ ، الفن الثانى فى الفوائد ، كتاب الوقف ، ط: ادارة القرآن).

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق میں علامہ ابن تیمیہؒ کی تعریف فرمائی ہے:

وقد بالغ الحافظ عالم العرب أبو العباس بن تيمية في تضعيفه . (البحر الرائق: ۸۲/۱).

علامہ صنعانیؒ فرماتے ہیں:

قال شيخ الإسلام ابن تيميةؒ : السر في قراء تهما في صلاة فجر يوم الجمعة أنهما تضمنتا ماكان وما يكون في يومهما . (سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۳۶۳/۱، ط: دارالكتاب العربى).

حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: **والإجماع أعظم الحجج.** (راہِ سنت، ص۴۱)۔

ہاں علامہ ابن تیمیہؒ کے تفردات مقبول نہیں ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

فإنه شيخ مشايخ الإسلام في عصره بلا ريب والمسائل التي أنكرت عليه ما كان يقولها بالتشهى ولا يصر على القول بها إلا بعد قيام الدليل عليه غالباً ...فالذى أصاب فيه وهو الأكثر يستفاد منه ويترحمه عليه بسببه والذى أخطأ فيه لا يقلد فيه بل هو معذور .

(التقريظ على الردالوافرللامام ناصرالدين الدمشقى : ۱/۱۴).

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں:

وقد انفرد بفتاوى نيل من عرضه لأجلها وهي مغمورة في بحر علمه ، فالله تعالىٰ يسامحه ويرضى عنه فما رأيت مثله ، وكل أحد من الأمة فيؤخذ من قوله ويترك فكان ماذا؟ . (تذكرة الحفاظ : ۱۴۹۶/۴).

قال الشيخ العلامة مفتى الديار المصرية محمد بن بخيت المطيعى فى فتاواه:

...ونقول : إن ابن تيميةؒ ، وابن القيمؒ كلاهما من أكابر أهل السنة والجماعة ، ومن شيوخ مذهب الإمام أحمد بن حنبلؒ ، وأن ابن تيميةؒ كان شيخ الإسلام في عصره ، وهذا لا نزاع فيه ، وإنما كان لابن تيميةؒ مسائل من الأصول والفروع ووافقه عليها ابن القيمؒ ، أخطأ فيها وخالف فيها السلف فأنكرها عليه علماء عصره ، وأوذي بسببها ، وقاموا عليه مراراً لأجلها ، ولا يحفظ عن أحد منهم أنه أفتى بتكفيره مع ما نسب إليه من مخالفة السلف ، وقد رد عليه التاج ابن السبكي فى " الطبقات الكبرى " وكذلك ابن حجر الهيتمي وغيرهما كثير من العلماء ممن عاصرهما وغيرهم ممن تأخر عنهما، فالواجب أخذاً من كلام ابن حجر العسقلانيؒ ، والسراج البلقيني ، على من اتصف بالعلم أن يتأمل كلام ابن تيميةؒ وابن القيمؒ في مؤلفاتهما فيفرز من ذلك ما ينكر و يحذر منه على قصد النصح ويثنى عليهما لفضائلهما فيما أصابا من ذلك ، والله يحفظنا من الخطأ والخطل ، ويحمينا من الزيغ والزلل. آمين. (الفتاوىٰ ،ص ۴۴۰، فتوىٰ تتعلق بابن تيمية وابن القيم وهل هما من أهل السنة او لا ، ط: دار

الصدیق للعلوم).

علامہ بجنوری جو علامہ انور شاہ صاحب کے شاگرد ہیں، بخاری کی شرح انوار الباری میں فرماتے ہیں:

امام احمد رعاف ونکسیر کی وجہ سے نقض وضو کے قائل ہیں پھر بھی حافظ ابن تیمیہؒ خارج من غیر السبیلین سے نقض وضو کے مسئلہ میں شافعیہ کے ساتھ ہو گئے ہیں، یہ وہی بات ہے جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے جن مسائل میں اپنی رائے خود سے قائم کر لی ہے، ان میں انہوں نے امام احمدؒ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اور بعض تفردات میں تو وہ اکابر امت سے بالکل الگ ہو کر ہی چل پڑے ہیں اور اپنی ہی کہتے ہیں دوسروں کی سنتے بھی نہیں۔ (جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا) یعنی دوسروں کے دلائل سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں نہ ان کو پوری طرح ذکر کرتے ہیں نہ ان کی جواب دہی ضروری سمجھتے ہیں، یہ بات علمی تحقیق کی شان کے خلاف ہے، اور حافظ موصوف ایسے ہی جلیل القدر محقق ومحدث کے لیے موزون نہ تھی، چونکہ ایسے مسائل کی تعداد بہت کم ہیں اس لیے ان سے موصوف کی عظمت وقدر پر حرف نہیں آتا، یہ دوسری بات ہے کہ غلطی جس سے بھی ہو وہ غلطی ہی ہے اس کا اعلان واظہار بھی ضروری ہے تا کہ تحقیق واحقاق حق میں کوتاہی نہ ہو۔ ساتھ ہی عرض ہے اور پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ معصوم بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی بھی نہیں۔ (انوار الباری: ۸/۹۳، باب غسل الدم)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تابعی جلیل حضرت ربیع بن صبیحؒ کی قبر کی تحقیق:

سوال: حضرت ربیع بن صبیحؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا انتقال ہندوستان کے صوبہ گجرات میں بھروچ کے قریب بھاڑ بھوت نامی ایک بستی میں ہوا، یہ جگہ سمندر کے ساحل پر ہے، اب یہاں دو سوال پیش خدمت ہیں؛ (۱) اِس زمانہ میں یہ حصہ سندھ میں ہے یا ہند میں؟ (۲) حضرت ربیع بن صبیحؒ روایتِ حدیث میں ضعیف ہیں یا ثقہ؟ بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: (۱) اکثر وبیشتر کتبِ تاریخ وکتبِ اسمائے رجال میں یہ بات مرقوم ہے کہ حضرت ربیع بن صبیح رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات سندھ میں ہوئی ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء اور الکاشف میں اور امام بخاریؒ نے کتاب الضعفاء میں ان کی وفات سندھ میں لکھی ہے۔ ہاں بعض حضرات نے ہند میں بھی لکھی ہے، ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں '' خرج غازياً إلى الهند'' لکھا ہے، دونوں میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں؛

(الف) یہ جگہ اور اس کے مضافات ہندوستان وسندھ کا سنگم ہو تو کسی نے سند کہا اور کسی نے ہند، جیسے

کابل کے بارے میں بعض سجستان کا شہر اور بعض خراسان کا شہر لکھتے ہیں گویا کہ وہ سنگم پر واقع ہے۔

(ب) یا سندھ ہند کبیر کا حصہ ہو جیسے یو پی انڈیا اور آج کل سندھ پاکستان کا حصہ ہے اگرچہ سندھ کی علمی حیثیت کی وجہ سے اس کی اپنی حیثیت بھی تھی۔حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

قال الإمام الذهبي في سير أعلام النبلاء : توفي بالسند سنة ستين ومائة . (۷/۲۸۸،رقم الترجمة:۸۷).

وقال فی الکاشف: الربیع بن صبیح السعدی عن الحسن وعطاء وعنه ،ابن مهدی ، و علی بن الجعد وکان صدوقاً غزا عابداً ضعفه النسائی، توفی سنہ ۱۶۰ھ بالسند. (الکاشف : ۱/۲۳۶،ط: بیروت).

وقال الإمام المزی في تهذيب الكمال: قال محمد بن المثنی وغیره مات سنة ستين ومائة بأرض السند .

وقال في حاشية تهذيب الكمال: وكذلک قال ابن سعد، ويحيى بن معين، وخليفة، والبخاری، وابن حبان، وابن زبر، وغيرهم ، وكان المهدی قد سير جيشاً فی البحر بقيادة عبد الملک بن شهاب المسمعی إلى بلاد الهند، فحاصر الجيش مدينة باربد وفتحها عنوة، وكان الربيع بن صبيحؒ في هذا الجيش، فأصابهم مرض فی العودة توفي فيه الربيع، فدفن فی إحدى جزر البحر، قال ابن سعد: خرج غازياً إلى الهند فی البحر، فمات فدفن في جزيرة من جزائر البحر سنة ستين ومائة في أول خلافة المهدي، أخبرني بذلک شيخ من أهل البصرة كان معه . [الطبقات:۷/۲۷۷]، **وانظر تاريخ الطبری** [۸/۱۲۸]، **ووفيات ابن زبر الورقة ۵۱.** (تهذيب الكمال مع التعليقات : ۹/۹۴).

وقال ابن سعد : الربيع بن صبيح ويكنى أباحفص مولى لبنی سعد بن زيد مناة بن تميم خرج غازياً إلى الهند فی البحر فمات فدفن في جزيرة من جزائرالبحرسنة ستين ومائة في أول خلافة المهدي...وكان ضعيفاً فی الحديث وقد روى عنه الثوری وأما عفان فتركه فلم يحدث منه . (الطبقات الكبرى:۷/۲۷۷،دارصادر،بيروت).

مزید ملاحظہ کیجئے: (تهذيب التهذيب:۳/۲۲۲، وكتاب الضعفاء الصغير للإمام البخاری،ص۴۷،ونزهة

الخواطر: ۱/ ۷۰، والمغنی في ضبط الأسماء للشیخ محمد طاهر بن علی الفتنی، ص ۱۷۴).

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ میں لکھتے ہیں:

امام ربیع کی جائے وفات اور مدفن: غزوۂ باربد کی تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ غزوہ بلاد الہند کے ایک شہر باربد میں ہوا، جو اس زمانہ میں ایک راجہ کی راجدھانی تھا اور امام ربیع بن صبیح مع دوسرے ایک ہزار مجاہدین اسلام کے اسی جگہ یا اس کے قریب کہیں وبائی مرض میں انتقال کر گئے اور جائے انتقال ہی پر ان کی تجہیز وتکفین ہوئی، ان حضرات کے ہندوستان میں باربد یا اس کے آس پاس انتقال کرنے کے شواہد یہ ہیں:

طبری نے لکھا ہے: **وفیها وجه المهدي عبد الملک بن شهاب المسمعی فی البحر إلی بلاد الهند**. یعنی ۱۵۹ھ میں مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کو بحری راہ سے بلادِ ہند کی طرف روانہ کیا۔

پھر آگے چل کر لکھا ہے: **فمضوا لوجههم حتی أتوا باربد من بلاد الهند**. یہ لوگ چلے اور سیدھے بلادِ ہند کے شہر باربد میں پہنچ گئے۔

ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے کہ مہدی نے ۱۵۹ھ میں بحری راہ سے ایک فوجی مہم جس کے امیر عبد الملک بن شہاب مسمعی تھے بلادِ ہند کو روانہ کی، اس میں بہت سے فوجی اور مطوعہ کے رضا کار شامل تھے، ان میں ربیع بن صبیح بھی تھے اور یہ لوگ باربد آئے۔

امام ذہبیؒ نے **العبر في خبر من غبر** میں لکھا ہے ۱۶۰ھ میں مسلمانوں نے عبدالملک مسمعی کی زیر قیادت ہندوستان کا ایک بہت بڑا شہر فتح کیا۔

اسی طرح دوسرے مؤرخوں نے ہندوستان کے غزوۂ باربد کا حال لکھا ہے اور امام ربیع کی وفات اسی سلسلہ میں بتائی ہے، مگر ان کے مدفن کی تعیین تاریخی دلائل وشواہد کی روشنی میں نہیں ہوسکی کہ کس مقام میں ان کی وفات ہوئی اور کس جگہ وہ دفن کئے گئے، علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے:

خرج غازیاً إلی الهند ...الخ. ربیع غزوۂ ہند کے لیے ہندوستان گئے اور ۱۶۰ھ میں مہدی کے ابتدائی دورِ خلافت میں اسی اثنا میں فوت ہوگئے اور اس کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں دفن کیے گئے اس کی خبر مجھے بصرہ کے ایک شیخ نے دی ہے جو ان کے ساتھ تھے۔

ابن سعد کا یہ بیان اس لیے بہت ہی ثقہ اور معتمد ہے کہ اسے انہوں نے بصرہ کے ایک ایسے بزرگ کی زبانی سنا ہے جو خود امام ربیع کے ساتھ جنگِ باربد میں شریک تھے، علامہ ابن سعد کی اسی تحقیق اور روایت کو علامہ

بلاذری نے فتوح البلدان میں یوں تسلیم کیا ہے، **وكان خرج غازياً إلى الهند في البحر فمات فدفن في جزيرة من الجزائر سنة ستين و مائة .** (فتوح البلدان ،ص ۳۶۲) ربیع بحری راہ سے ہندوستان کی طرف جہاد کے لیے نکلے اور اسی اثنا میں ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے اور ایک جزیرے میں دفن کئے گئے۔

امام ذہبیؒ نے غزوۂ ہند سے واپسی پر ربیع کے فوت ہونے کی یوں تصریح کی ہے:

وتوفي في غزوة الهند في الرجعة بالبحر الربيع بن صبيح صاحب الحسن . ربیع بن صبیح صاحب الحسنؒ غزوۂ ہند کے بعد براہِ سمندر واپسی پر فوت ہوئے۔

اور یہی عبارت علامہ ابن عماد حنبلی نے بھی شذرات الذہب میں ۱۶۰ھ کے واقعات میں لکھی ہے۔

ان تمام مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ربیع کی جائے وفات اور مدفن خود باربد یا اس کے اور سمندر کے درمیان کوئی جزیرہ اور ٹاپو ہے گجرات کے مسلمانوں میں اب تک عام طور سے مشہور ہے کہ بھاڑ بھوت ضلع بھروچ اور راندیر ضلع سورت میں کسی تابعی کا مزار ہے، بلکہ راندیر میں ایک خاص مزار کو تابعی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، مگر یہ محقق نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ان ہی دونوں جگہوں میں سے کسی میں یا آس پاس حضرت ربیع بن صبیحؒ اور دوسرے ہزاروں مجاہدینِ اسلام آسودۂ خواب ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ یہ مقدس خطہ بھاڑ بھوت یا اس کے قریب کہیں ہوگا۔

ربیع بن صبیح کے ہندوستان میں فوت ہونے کی ان تمام تصریحات کے علی الرغم امام بخاریؒ نے ان کی جائے وفات سندھ کو بتایا ہے، تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں:

مات سنة ستين ومائة بارض السند . ربیع ۱۶۰ھ میں سرزمین سندھ میں فوت ہوئے۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:

قال محمد بن المثنى وغيره مات سنة ١٦٠هـ بأرض السند. محمد بن مثنیٰ وغیرہ نے کہا ہے کہ ربیع سرزمین سندھ میں فوت ہوئے۔

ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیسری صدی تک سندھ بول کر عرب سیاح جغرافیہ نویس گجرات تک کے ساحلی علاقوں اور شہروں کو بھی اس میں شمار کرتے تھے جیسا کہ ابن خرداذبہ (موجود ۲۵۰ھ) نے المسالک والممالک میں گجرات کے کئی شہروں کو سندھ ہی میں شمار کیا ہے، حالانکہ عام مورخ اور جغرافیہ نویس ہندوستان اور سندھ کو دو الگ الگ ملک تسلیم کرتے تھے، اور سندھ کے بعد قامہل نامی مقام سے ہندوستان کی حد بتاتے تھے

جس میں گجرات کے ساحلی علاقے پڑتے تھے۔

اسی طرح ہمارے تمام ہندی تذکرہ نویسوں نے حضرت ربیع کی جائے وفات متفقہ طور سے سندھ میں بتائی ہے، ہمارے علم میں سب سے پہلے علامہ محمد طاہر گجراتیؒ نے المغنی میں ربیع کے سندھ میں انتقال کی تصریح کی، ان کے بعد تمام ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے اسی کو سامنے رکھ کر ان کی جائے وفات سندھ لکھ دی، اور کسی نے ابن سعد، بلاذری، طبری، ذہبی، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابن عماد حنبلی وغیرہ کی تصریحات پر توجہ نہیں دی، چنانچہ علامہ غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان، ص۲۶ میں، اور مولوی رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند ص۳ میں، اور مولانا عبدالحییؒ نے نزہۃ الخواطر (ج۱ص۳۲) میں، امام ربیع کی جائے وفات سندھ ہی میں بتائی ہے امام بخاریؒ نے اپنے زمانہ کی اصطلاح کے مطابق ہندوستان کے اس علاقہ کو سندھ میں شمار کر کے ربیع کی جائے وفات سندھ بتائی مگران ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ہندوستان میں رہ کر اسے سندھ میں بتایا، اس کی وجہ بظاہر یہ غلط فہمی ہے کہ بلادِ ہند سے مراد ان کے نزدیک سندھ ہی کے علاقے تھے اور ان ہی میں کہیں باربد واقع تھا اور دوسری صدی ہجری تک مسلمانوں کی عام سرگرمی کا مرکز صرف سندھ کا علاقہ تھا، حالانکہ عرب مورخ سندھ اور ہند کو الگ الگ ملک شمار کرتے تھے، اور انہوں نے غزوۂ باربد کو جو بار بار بلادِ ہند اور ہند لکھا ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے، نیز ہندوستان کے ساحلی علاقے اس زمانہ میں مسلمانوں کی سرگرمی سے متاثر ہو چکے تھے، اور غزوۂ باربد سے پہلے متعدد اقدامات ہو چکے تھے۔ (اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ، از ص۱۵۷ تا ص۱۶۰، ترجمہ امام ربیع بن صبیح بصری ہندی، ط: ندوۃ المصنفین)۔

گجرات کی علمی وادبی شخصیات میں مرقوم ہے:

بھاڑ بھوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا، لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی اس لیے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی اور سمندر پرسکون ہونے تک مجبوراً وہیں قیام کرنا پڑا، سوء اتفاق سے اسی وقت ایک وبا پھوٹ پڑی، اسی بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمۂ اجل بن گئے عام محققین کے بیان کے مطابق انہیں شہید ہونے والوں میں ربیع بن صبیح بھی تھے اور یہیں مدفون ہوئے۔ (گجرات کی عملی وادبی شخصیات، بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۱۳۲/۹)۔

نیز اسی کتاب میں مذکور ہے:

''باربد'' (اب بھاڑ بھوت) بحر عرب دریائے ''نرمدا'' کے کنارے ایک قصبہ ہے جو شہر بھروچ سے ۴۸ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے حضرت ربیع بن صبیح کا مزار کچھ عرصہ تک لبِ دریا موجود تھا بعد میں موجوں کی زد

میں آکر دریا میں غائب ہوگیا، اوراب اس کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں ؛البتہ بعض اہل کشف نے دریائے ’’نرمدا‘‘ میں اس کی نشاندہی کی ہے۔(گجرات کی علمی وادبی شخصیات،ص ۵۴۷،بحوالہ سوانح منشی عیسیٰ بھائی کاوی،۱)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ربیع بن صبیحؒ کا حدیث میں مقام:

حضرت ربیع بن صبیحؒ کے بارے میں محدثین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ،بعض حضرات نے تضعیف کی ہے اوردوسروں نے توثیق بھی کی ہے، بنابریں ان کو حدیث میں مختلف فیہ کہا جائے گا،البتہ عبادت ریاضت، زہدوتقویٰ ورع پرکوئی کلام نہیں ہے اس پرسب علماء متفق ہیں۔

ملاحظہ ہوعلمائےفن رجال کے سرخیل امام مزیؒ فرماتے ہیں:

قال عثمان بن سعيد الدارمي: سألت يحيى بن معين عن الربيع بن صبيح فقال: ليس به بأس، كأنه لم يطره ...

وقال أبوبكر بن أبي خيثمة ، عن يحيى بن معين : الربيع بن صبيح ضعيف الحديث ، وقال محمد بن سعد، والنسائي: ضعيف ، وقال أبوزرعة : شيخ صالح صدوق ، وقال أبوحاتم : رجل صالح ، وقال مسلم بن إبراهيم ، عن شعبة : الربيع بن صبيح من سادات المسلمين ، وقال يعقوب بن شيبة : رجل صالح صدوق ثقة ، ضعيف جداً .[قال الشيخ بشار: يعنى: صالح صدوق ثقة فى دينه وسلوكه واخلاقه ضعيف فى الحديث لعدم معرفته به ، وهذا هوالصواب .] **وقال أبوأحمد بن عدى : له أحاديث صالحة مستقيمة ، ولم أرله حديثاً منكراً جداً ، وأرجوا أنه لا بأس به ، ولا برواياته .**

قال الشيخ بشارعواد معروف : وذكره ابن حبان فى المجروحين وقال: وكان من عباد أهل البصرة و زهادهم، وكان يشبه بيته بالليل ببيت النحل من كثرة التهجد ، إلا أن الحديث لم يكن من صناعته فكان يهم فيما يروى كثيراً حتى وقع فى حديثه المناكير من حيث لا يشعر ، فلا يعجبنى الاحتجاج به إذا انفرد ، وفيما يوافق الثقات فإن اعتبر به معتبر لم أر بذلك بأساً ، (۲۹٦/۱) وقال الميموني، عن خالد بن خداش: هو فى هديه رجل صالح وليس عنده حديث يحتاج إليه ،كان خالداً ضعف أمره ، وقال الساجي: ضعيف الحديث

أحسبه كان يهم ، وكان عبداً صالحاً (إكمال مغلطاي ، وتهذيب ابن حجر وغيرهما) **فخلاصة القول فيه أنه كان رجلاً صالحاً غزاء ،ديناً، ثقة في دينه وجهاده ، ولكنه كان ضعيفاً في الحديث كما قال يعقوب بن شيبة وابن حبان وغيرهما.** (تهذيب الكمال مع التعليقات: ۹/ ۹۲. ۹۴).

وقال الذهبي في السير: روى عباس، عن ابن معين : ثقة. وقال أحمد : لا بأس به . وذكره شعبة فقال: هوعندي من سادات المسلمين .قلت: كان كبير الشأن إلا أن النسائي ضعفه . (سير اعلام النبلاء : ۷/۲۸۸).

وللاستزادة انظر : (نزهة الخواطر: ۱/ ۷۰، والكامل في ضعفاء الرجال : ۴/۳۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی صحابی کا ارتداد کے بعد دوبارہ مشرف بہ اسلام ہونا:

سوال: اگر کوئی صحابی نعوذ باللہ مرتد ہوگئے پھر بعد میں متنبہ ہوئے اور صدق دل سے اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام میں داخلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا تھا تو ان کو صحابی کہنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا میں علماء کے دو اقوال ہیں؛۔(۱) محدثین کے نزدیک ان کو صحابی کہنا درست ہے۔نیز متاخرین علمائے شافعیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق بھی ان کو صحابی کہنا درست ہے۔کیونکہ ان کے یہاں ردت حبطِ اعمال کا سبب نہیں ہے الا یہ کہ ارتداد ہی پر موت واقع ہو۔(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق ردت کی وجہ سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں، بنابریں صحبتِ نبوی بھی اکارت ہوگئی اب ان کو صحابی نہیں کہنا چاہئے۔

لیکن علامہ شامیؒ کی عبارت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ صحابیت باقی رہتی ہے،لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دوبارہ اسلام قبول کرلے تو صحابیت کے مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے پھر سے لقا شرط ہے۔

ملاحظہ ہو التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح میں مرقوم ہے:

وأما من ارتد منهم في حياته وبعد موته ثم عاد إلى الإسلام بعد موته صلى الله عليه وسلم كالأشعث بن قيس ففي عود الصحبة له نظر عند من يقول: إن الردة محبطة للعمل وإن لم يتصل بها الموت وهو قول أبي حنيفةؒ وفي عبارة الشافعيؒ في الأم ما يدل عليه. نعم

الـذي حـكـاه الـرافـعي عـن الشـافـعي أنهـا إنـمـا تـحبط العمل بشرط اتصالها بالموت .

(التقييدوالايضاح شرح مقدمة بن الصلاح ،ص۲۵۲،ط: دارالحديث).

قـال فـى التـقـريـر والتـحبيـر: ثـم الـصحابي...وأما لو لقيه مسلماً ثم ارتد وعاد إلى الإسلام بعد وفاته صلى الله عليه وسلم كقرة بن هبيرة والأشعث بن قيس ففيه نظر والأظهر الـنـفـي لـصـحبتـه ، لأن صحبة النبي صلى الله عليه وسلم من أشرف الأعمال، وحيث كان الردة مـحبـطة لـلـعـمـل عـنـد أبي حنيفةؒ ونص عليه الشافعيؒ فى الأم فالظاهر أنها محبطة لـلـصحبة المتقدمة ، وذهب شيخنا الحافظ إلى أن الأصح أن اسم الصحبة باقٍ للراجع إلى الإسـلام سواء رجع للإسلام في حياته أم بعده سواء لقيه ثانياً أم لا، قال: ويدل على رجحانه قـصة الأشـعـث بـن قـيـس فـإنـه كان ممن ارتد وأتى به إلى أبي بكر الصديق أسيراً فعاد إلى الإسـلام فـقـبـل مـنـه ذلك وزوجـه أختـه ، ولم يتخلف أحد عن ذكره فى الصحابة ولا عن تخريج أحاديثه فى المسانيد وغيرها، انتهى، والأول أوجه دليلاً . (التقريروالتحبير: ۲/۳۳۷، ط: دارالكتب العلمية بيروت).

کتاب الأم میں ہے:

قـال (الإمـام) الشـافـعيؒ : إذا ارتـد الرجل عن الإسلام ثم أسلم كان عليه قضاء كل صلاة تـركهـا في ردته وكل زكاة وجبت عليه...ولم يكن المرتد في هذه المعاني بل أحبط الله تعالىٰ عمله بالردة . (الام : ۱/۸۹،دارالفكر).

امام نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

فـرع: إذا صـلـى الـمسلم ثم ارتدثم أسلم ووقت تلك الصلاة باق لم يجب إعادتها ... والـمسـألة مبـنية عـلـى أصـل سبـق وهـو أن عندنا لا تبطل الأعمال بالردة إلا أن يتصل بالموت . (المجموع شرح المهذب : ۵/۳، دارالفكر).

الشرح الكبير میں مرقوم ہے:

وفـى الـمـعـتـكف إذا ارتـد ثـم أسلم أنه يبنى فخرجوهما على قولين أحدهما وبه قال أبـوحـنـيـفةؒ أنـه لا يـجـوز البناء...وأصحهما الجواز والردة إنما تمنع العبادة فى الحال فلا

تبطل ما مضى إلا إذا اقترن بها الموت. (فتح العزيز بشرح الوجيز: ۱۸۷/۳، دار الفكر).

علامہ شامیؒ کی درجِ ذیل عبارت کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ دوبارہ اسلام سے مشرف ہونے پر وہ عبادات جن کا سبب باقی نہ رہا ہوان کا اعادہ واجب نہیں، اور جن کا سبب باقی ہوان کا اعادہ واجب اورلازم ہے، جیسے حج، کہ اس کا سبب بیت اللہ ہے اور وہ باقی ہے، اسی طرح آدمی نماز پڑھنے کے بعد مرتد ہوجائے اور وقت میں اسلام لے آئے تو اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ عبارت ملاحظہ کیجئے:

وما أدى منها فيه يبطل ولا يقضى من العبادات إلا الحج . فى التاتارخانية معزياً إلى التتمة قيل له لو تاب تعود حسناته قال: هذه المسألة مختلفة فعند أبي علي وأبي هاشم وأصحابنا أنه يعود وعند أبى القاسم الكعبي لا ، ونحن نقول: إنه لا يعود ما بطل من ثوابه لكنه تعود طاعاته المتقدمة مؤثرة فى الثواب بعد ، بحر ، قوله إلا الحج ، لأن سببه البيت المكرم وهو باق بخلاف غيره من العبادات التي أداها لخروج سببها ولهذا قالوا: إذا صلى الظهر مثلاً ثم ارتد ثم تاب فى الوقت يعيد الظهر لبقاء السبب وهو الوقت . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۵۱/۴،باب المرتد، ط: سعيد).

وللاستزادة راجع: (الاصابة: ۱۵۹/۱،دارالكتب العلمية، وفتح المغيث: ۸۴/۴،دارالامام الطبرى وتدريب الراوى: ۶۶۷/۲، ونتيجة النظر مع نخبة الفكر، ص۱۹۸، دار المنهاج،ومعرفة الصحابة، رقم: ۱۵۴، واسدالغابة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سونے سے پہلے زیتون اور سرمہ کا استعمال:

سوال: بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سونے سے پہلے زیتون کا تیل لگانا اور سرمہ لگانا سنت ہے؟ کیا یہ کسی حدیث میں آیا ہے یا نہیں؟ نیز سرمہ لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: احادیث میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے روغنِ زیتون اور سرمہ استعمال فرمایا ہے، بنابریں ان دونوں کا استعمال مستحب ہے، اور محبت کی علامت ہے، تاہم تتبع کثیر کے باوجود رات کے وقت تیل لگانے سے متعلق کوئی روایت دستیاب نہیں ہوئی، ہاں سوتے وقت سرمہ لگانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں آنکھ میں تین سلائی اور بائیں آنکھ میں تین سلائی استعمال کرے، اس کے علاوہ دیگر طریقے بھی احادیث میں منقول ہیں البتہ اس طریقہ کو حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے راجح قرار

دیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وقد جاء في الحديث مدح الزيت لأنه منها ، أخرج عبد بن حميد في مسنده والترمذي وابن ماجه عن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ائتدموا بالزيت وادهنوا به فإنه من شجرة مباركة ، وأخرج البيهقي عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنها ذكر عندها الزيت فقالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر أن يؤكل ويدهن ويستعط به ويقول إنه من شجرة مباركة وهو في حد ذاته ممدوح . (روح المعاني: ١٨/١٦٧).

(وكذا في سنن ابن ماجه ، رقم: ٣٣١٠).

وفي الشمائل المحمدية : عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته ، و يكثر القناع ، حتى كان ثوبه ثوب زيات.

(الشمائل المحمدية،ص ١١٦).

زاد المعاد میں مرقوم ہے:

قال حماد بن سلمة عن سماك بن حرب قيل لجابر بن سمرة : أ كان في رأس النبي صلى الله عليه وسلم شيب ؟ قال: لم يكن في رأسه شيب إلا شعرات في مفرق رأسه إذا ادهن واراهن الدهن ، قال أنس رضي الله عنه : وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر دهن رأسه ولحيته ، ويكثر القناع كأن ثوبه ثوب زيات . (زادالمعاد: ١/١٦٧،ط: مؤسسة الرسالة).

سرمہ استعمال کرنے سے متعلق روایات ملاحظہ کیجئے:

وفي زاد المعاد : وكان له مكحلة يكتحل منها كل ليلة ثلاثاً عند النوم في كل عين .

(زاد المعاد: ١/١٦٧،ط: مؤسسة الرسالة).

وفي الشمائل المحمدية: حدثنا عبد الله بن الصباح الهاشمي البصري ، أخبرنا عبيد الله بن موسى، أخبرنا إسرائيل بن يونس، عن عباد بن منصور ، وحدثنا علي بن حجر حدثنا يزيد بن هارون ،حدثنا عباد بن منصور ، عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكتحل قبل أن ينام بالإثمد ثلاثاً في كل عين ، وقال يزيد بن هارون في حديثه : أن النبي صلى الله عليه وسلم كانت له مكحلة يكتحل منها عند النوم ثلاثاً في كل

عين . حدثنا أحمد بن منيع ، حدثنا محمد بن يزيد عن محمد بن إسحاق عن محمد بن المنكدر عن جابر هو ابن عبد الله ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : عليكم بالإثمد عند النوم فإنه يجلو البصر ، وينبت الشعر . (الشمائل المحمدية ،ص ۱۴۶ ،۱۴۷).

حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شمائل ترمذی کی درجِ ذیل حدیث نقل فرمانے کے بعد شرح میں رقمطراز ہیں:

حدثنا محمد بن حميد الرازي، أنبانا أبو داود الطيالسي عن عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ **، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اكتحلوا بالإثمد فإنه يجلو البصر وينبت الشعر وزعم أن النبي صلى الله عليه وسلم كانت له مكحلة يكتحل منها كل ليلة ثلاثة في هذه وثلاثة في هذه .**

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو، اس لیے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے، اور پلکیں بھی زیادہ اُگاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔

فائدہ: اثمد ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے... سرمہ سوتے وقت ڈالنا زیادہ مفید ہے کہ آنکھ میں دیر تک باقی رہتا ہے اور مسامات میں سرایت بھی اس وقت زیادہ کرتا ہے۔

سلائی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں: بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین تین وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابھی گزرا ہے، اور بعض روایات میں دائیں آنکھ میں تین بائیں میں دو وارد ہوئی ہیں یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ایسا۔ حافظ ابن حجرؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ حضرات نے پہلی صورت کو راجح فرمایا ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد احادیث میں یہی صورت نقل کی گئی ہے۔ (شمائل ترمذی، ص ۴۷، ط: دار الاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طالبِ علم کے لیے سوال کرنے کا حکم:

سوال: پاکستان میں بعض جگہوں پر طلبہ مساجد میں ٹھہرتے ہیں اور ایک چھوٹا طالبِ علم گھروں میں جا کر روٹیاں، وظیفہ وغیرہ جمع کرتا ہے۔ تو کیا یہ سوال مذموم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایک شخص کا سوال کرنا اور دوسروں کا طلبِ علم میں مشغول ہونا یہ درست ہے، ملاعلی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ کسی جگہ پر ایک جماعت عبادت، ریاضت اور تزکیہ نفس وغیرہ میں بیٹھ جائے اور ان میں سے ایک شخص کھانے پینے وغیرہ کے انتظام کے لیے سوال کرے تو یہ جائز اور درست ہے۔ بلکہ سوال کر کے انتظام کر لینا مستحب ہے۔ نیز چونکہ اہل محلّہ کی طرف سے کھانا طلبہ کے لیے مقرر ہوتا ہے تو ایک طالب علم صرف جمع کرنے کے لیے جاتا ہے جیسے حکومتِ مسلمہ کی طرف سے عامل صدقات کو جمع کرنے کے لیے آتا ہو تو یہ سوال مذموم نہیں بلکہ اپنا مقررہ وظیفہ وصول کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

باب من تحل له المسألة...عن قبيصة بن مخارق الهلالي، قال: تحملت حمالة فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أسأله فيها فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لک بها قال: ثم قال: ياقبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتى يصيبها ثم يمسک ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواماً من عيش أوقال: سداداً من عيش ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوى الحجا من قومه لقد أصابت فلاناً فاقة فحلت له المسألة حتى يصيب قواماً من عيش أو قال: سداداً من عيش فما سواهن من المسألة ياقبيصة سحتاً يأكلها صاحبها سحتاً. (رواه مسلم، رقم: ۱۰۴۴).

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

في شرح ابن الملک قالوا: هذا بحث سوال الزكاة وأما سوال صدقة التطوع فمن لايقدر على كسب لكونه زمناً أو ذا علة أخرى جاز له السوال بقدر قوت يومه ولا يدخر وإن كان قادراً عليه فتركه لاشتغال العلم جازت له الزكاة وصدقة التطوع فإن تركه لاشتغال صلاة التطوع وصيامه لا تجوز له الزكاة ويكره له صدقة التطوع فإن جلس واحد أو جماعة في بقعة واشتغلوا بالطاعة ورياضة الأنفس وتصفية القلوب يستحب لواحد منهم أن يسأل صدقة التطوع وكسرات الخبز لهم واللباس لأجلهم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱۷۲/۴، ط: امداديه، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سنتِ فجر کے بعد لیٹنے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر سے پہلے سنتِ فجر ادا کرنے کے بعد لیٹنا سنت ہے یا نہیں؟ احادیثِ مبارکہ میں اس سے متعلق کچھ وضاحت ملتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سنتِ فجر کے بعد لیٹنے سے متعلق کتبِ احادیث میں چند قسم کی روایات مروی ہیں، بعض میں سنتِ فجر کے بعد اور فجر سے قبل لیٹنے کا ذکر ہے اور بعض میں سنتِ فجر سے قبل لیٹنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں لیٹنے کا ذکر ہی نہیں ہے، بایں وجہ علامہ عینیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ لیٹنا سنت نہیں بلکہ مستحب ہے، اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ لیٹنے کا مقصد نمازِ فجر میں نشاط پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایسے شخص کے لیے مستحب ہوگا جس نے شب کے معتد بہ حصہ میں نمازِ تہجد ادا کی ہو اور گھر میں تھوڑی دیر لیٹ جائے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں رقم طراز ہیں:

وقد روي عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: إن كنت مستيقظة حدثني وإلا اضطجع، فهذا يدل على أنه ليس بسنة وأنه تارة يضطجع قبل وتارة بعد وتارة لايضطجع.

(عمدة القارى: ۱۹۷/۴، ط: دارالحديث ملتان).

فتح الملہم میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رقم طراز ہیں:

فيه مشروعية الاضطجاع بعد سنة الفجر... وفائدة ذلك النشاط والراحة لصلاة الصبح وعلى هذا فلا يستحب ذلك إلا للمتهجد... ويشهد له ما أخرجه عبد الرزاق أن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها كانت تقول إن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لم يضطجع لسنة ولكنه يدأب، (أى يجتهد ويجد في عمله) ليلته فيستريح من التعب... وإذا أمكن الجمع بين الأحاديث لم يجز رد بعضها وقد أمكن بطريقين أشرنا إليهما أحدهما أنه اضطجع قبل وبعد والثاني أنه تركه بعد في بعض الأوقات لبيان الجواز. (فتح الملهم: ۵/۷ـ۱۰).

وقال في فتاوى الشامي: وحاصله أن اضطجاعه عليه الصلاة والسلام إنما كان في بيته للاستراحة لا للتشريع وإن صح حديث الأمر بها الدال على أن ذلك للتشريع يحمل على طلب ذلك فى البيت فقط توفيقاً بين الأدلة. (فتاوى الشامى: ۲/۲۱، ط: سعيد).

احادیث حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا صلى أحدكم ركعتي الفجر فليضطجع على يمينه. (أخرجه أبو داود، ۱۲۶۱، والترمذی، ۴۲۰، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح غریب من هذا الوجه).

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن. (رواه البخاری، ۱۱۶۰). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ فجر کے بعد چار زانو بیٹھ کر ذکر کرنے کا ثبوت:

سوال: کیا حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد چار زانو بیٹھ کر ذکر فرماتے اور پھر طلوعِ شمس کے بعد نمازِ اشراق ادا فرماتے؟ اور اس کی کیا فضیلت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد اسی جگہ پر چار زانو بیٹھ کر ذکر فرماتے تھے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہوجاتا، اور دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد سورج طلوع ہونے تک بیٹھ کر ذکر کرے گا تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو:

قال ابن السني في عمل اليوم والليلة: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة الصبح ثم قعد يذكر اللّٰه عز وجل حتى تطلع الشمس، وجبت له الجنة. (عمل اليوم والليلة، ص ۴۰). **ورواه أبويعلى في مسنده** (۱۴۸۷) **وقال محشيه: إسناده ضعيف.**

دوسری روایت میں ہے کہ ایسے شخص کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

قال الإمام الطحاوي رحمه الله في مشكل الآثار: حدثنا أحمد بن أبي عمران، قال: حدثنا إسحاق بن أبي إسرائيل، قال: حدثنا النضر بن شميل، عن شعبة، عن قتادة، قال: سمعت أبا الجعد، يحدث عن أبي أمامة، رضي اللّٰه تعالىٰ عنه، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من صلى صلاة الصبح، ثم قعد يذكر اللّٰه عز وجل حتى تطلع الشمس، كان له كمن

اعتق أربعة من ولد إسماعيل . (مشكل الآثار،رقم: ۳۲۸۸).

ایک اورروایت میں ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد دورکعت نمازِ اشراق ادا کرے گا تو مکمل حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة [قال] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تامة تامة .قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن غريب . (رواه الترمذي،رقم: ۵۸۶).

وعن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى الفجر تربع في مجلسه حتى تطلع الشمس حسناء. (رواه أبوداود ، رقم: ۴۸۵۲،والترمذي،۵۸۵،وقال: هذا حديث حسن صحيح). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناول لکھنے اور پڑھنے کا حکم:

سوال: ناول لکھنا یا پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ جبکہ یہ فرضی اور جھوٹی کہانیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور جھوٹ پر وعید سب کو معلوم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: خلافِ واقعہ بات کو جھوٹ کہتے ہیں،اور ناول میں مفروضہ افراد پر مشتمل کہانیاں ہوتی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بایں وجہ کذب کی وعید ناول پر صادق نہیں آتی ۔تاہم ناول لکھنے یا پڑھنے سے متعلق علماء نے چند شرائط ذکر کیے ہیں ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؛

(۱) ناول کو صرف اس نیت سے پڑھا جائے کہ ادب میں کمال اور پختگی حاصل ہو جائے۔

(۲) ناول عبرت آمیز اور نصیحت خیز ہو۔

(۳) ناول فحش کلام پر مشتمل نہ ہو اور نہ مخرب اخلاق ہو۔

(۴) اگر اس میں کسی واقعہ کا تعلق حقیقت سے ہو جائے تو اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔

(۵) عشق ومعاشقہ والے مضامین نہ ہوں کہ جن میں شہوتیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔

قال العلامة بدر الدين العينيؒ: الكذب ، الإخبار عن الأمر على خلاف ما هو عليه عمداً أو سهواً ... والكذب عدم مطابقة الواقع . (عمدة القاري: ۲/۲۰۷، باب اثم من كذب...).

شرح رياض الصالحين میں ہے:

الكذب هو أن يخبر الإنسان بخلاف الواقع فيقول حصل كذا وهو كاذب أو قال فلان كذا ، وهو كاذب وما أشبه ذلك فهو الإخبار بخلاف الواقع . (شرح رياض الصالحين : ١٦١٨/٢ ، باب تحريم الكذب : للشيخ محمد بن صالح العثيمين ، ط: دارالسلام).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

قال الراغب أصل الصدق والكذب فى القول ماضياً كان أو مستقبلاً وعداً كان أو غيره ... وقد يكونان في غيره كالاستفهام والطلب...و يصح أن يقال: كذب لمخالفة قوله لضميره . (فتح البارى : ١٠ / ٥٠٧).

قال فى الدرالمختار: وحديث:" حدثوا عن بني إسرائيل" يفيد حل سماع الأعاجيب والغرائب من كل مالا يتيقن كذبه بقصد الفرجة لا الحجة بل وما يتيقن كذبه لكن بقصد ضرب الأمثال والمواعظ وتعليم نحو الشجاعة على ألسنة آدميين أو حيوانات ذكره ابن حجرؒ .

وقال فى الشامية : قوله لكن بقصد ضرب الأمثال، وذلك كمقامات الحريرى ، فإن الظاهر أن الحكايات التي فيها عن الحارث بن الهمام والسروجى لا أصل لها، وإنما أتى بها على هذا السياق العجيب لما لا يخفى على من يطالعها. (الدر المختارمع ردالمحتار: ٤٠٥/٦، سعيد).

دوسری جگہ مذکور ہے:

القصص المكروه أن يحدثهم بما ليس له أصل معروف أو يعظهم بما لايتعظ به أو يزيد وينقص يعنى في أصله ، أما للتزين بالعبارات اللطيفة المرققة والشرح لفوائده فذلك حسن . وقال في رد المحتار: قوله يعني في أصله، أى بأن يزيد على أصل الكلام أشياء من عنده غير ثابتة أو ينقص ما يخرج المنقول الثابت عن معناه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤٢٢/٦، سعيد).

حلال وحرام میں ہے:

اگر یہ مفروضہ کہانیاں عبرت آموز اور نصیحت خیز ہوں، صالح مقصد کی حامل ہوں اور تعمیری ہوں تو نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہیں، لیکن اگر ان کا مقصد سفلی جذبات کو برانگیختہ کرنا اور اباحیت اور اخلاقی انارکی پیدا کرنا ہو تو ظاہر ہے کہ سخت گناہ اور ناجائز ہیں۔ (حلال وحرام،ص۲۳۴)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

اخلاقی ،اصلاحی اور سبق آموز کہانیاں پڑھنا جائز ہے، فحش اور گندی کہانیاں جن سے اخلاق تباہ ہوں پڑھنا حرام ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۰۲/۸،تخریج شدہ ایڈیشن)۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

اِس زمانہ میں بیشتر نوجوان فحش ناول یا جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار دیکھنے کے عادی ہیں یہ سب چیزیں اسی قسم کے ''لہو حرام'' میں داخل ہیں۔ (معارف القرآن:۲۳/۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ولادت اور شادی کی سالگرہ منانے کا حکم:

سوال: شادی کی سالگرہ نیز بچوں کی ولادت کی سالگرہ منانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی زمانناسالگرہ غیر مسلموں کی ایک خاص رسم میں شامل ہے، پھر اس میں بہت سارے خرافات اور اسراف وغیرہ شامل ہونے کی وجہ سے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، ہاں حضرت گنگوہیؒ نے سالگرہ کی اجازت مرحمت فرمائی تھی وہ اس وجہ سے کہ اُن کے زمانہ میں یہ باتیں نہیں تھیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے:

سالگرہ یادداشت عمر اطفال کے واسطے کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا اور بعد سال کے کھانا لوجہ اللہ کھلانا بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ،ص۵۵۴،اسلامی کتب خانہ)۔

کفایت المفتی میں مذکور ہے:

سالگرہ منانا کوئی شرعی تقریب نہیں ہے ،ایک حساب اور تاریخ کی یادگار ہے، اس کے لیے یہ تمام فضولیات محض عبث اور التزام مالا یلزم میں داخل ہیں۔ (کفایت المفتی:۸۴/۹،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

سالگرہ پیدائش سے سال بھر پورا ہونے پر تقریب اور خوشی منانا، یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے یہ غیروں کا

طریقہ ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۰/۷، جامعہ محمودیہ طبع قدیم)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سالگرہ منانے کا جوطریقہ رائج ہے (مثلاً کیک کاٹتے ہیں) یہ ضروری نہیں بلکہ قابل ترک ہے غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، البتہ اظہار خوشی اور خدا کا شکرادا کرنا منع نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۶، طبع قدیم)۔

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سالگرہ منانا ایک قبیح رسم ہے اس کا ترک واجب ہے، اصل سالگرہ تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اپنی زندگی کا احتساب کیا جائے اپنے اعمال کے بارے میں سوچا جائے کہ جنت کی طرف لے جارہے ہیں یا جہنم کی طرف۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۵۵/۸)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۲۶/۸)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

پیدائش کی سالگرہ غیر شرعی عمل ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے اور نہ اپنے بچوں کی سالگرہ منائی، نہ صحابہ نے، نہ بعد کے سلفِ صالحین نے، یہ مغربی ثقافت کی دین ہے کیک کاٹنا اور موم بتی جلانا اور بجھانا دوسری قوموں کے اثرات ہیں اس لیے ایسے رسم ورواج سے بچنا چاہئے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۸۵/۶)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قوموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے: **عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من تشبه بقوم فهو منهم".** (سنن أبي داود: ۲/ ۵۵۹). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہنے کا حکم:

سوال: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خال المؤمنین کہنا درست ہے یا نہیں؟ نیز حضرت اسماءؓ جو حضرت عائشہؓ کی بہن ہے ان کو خالۃ المؤمنین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا اور حضرت ام حبیبہ حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں، بنابریں بہ قصدِ احترام نہ کہ بہ قصدِ محرمیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہنا درست ہے، اور یہ فقط ان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دیگر اور صحابہ کرام سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

سسرالی رشتہ تھے لہذا اسرالی رشتہ کا احترام ضروری ہے۔ملاحظہ ہوامام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

السابعة: قال قوم ؛ لايقال بناته أخوات المؤمنين ...وأطلق قوم هذا وقالوا: معاوية خال المؤمنين ، يعني فى الحرمة لا فى النسب . (الجامع لاحكام القرآن:۱۴/۸۴،دارالكتب العلمية).

علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں رقم طراز ہیں:

ولما كن بمنزلة الأمهات في حكم التحريم دون المحرمية تنازع العلماء في إخوتهن هل يقال لأحدهم خال المؤمنين فقيل يقال لأحدهم خال المؤمنين وعلى هذا فهذا الحكم لايختص بمعاويةؓ بل يدخل في ذلک عبد الرحمن ومحمد ولدا أبي بكر ... واشتهر ذكرهم لذلک عن معاويةؓ كما اشتهر أنه كاتب الوحى وقد كتب الوحى غيره وأنه رديف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقد أردف غيره فهم لايذكرون ما يذكرون من ذلک لاختصاصه به بل يذكرون ما له من الاتصال بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم كما يذكرون في فضائل غيره ما ليس من خصائصه ...الخ. (منهاج السنة : ۲/۱۹۹، المكتبة السلفية).

اس سلسلہ میں امام بیہقی نے ایک روایت نقل فرمائی ہے، ملاحظہ ہو:

من طريق الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قوله تعالىٰ عسى اللّٰه أن يجعل بينكم وبين الذين عاديتم منهم مودة قال: كانت المودة التي جعل اللّٰه بينهم تزويج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أم حبيبةؓ بنت أبي سفيان رضی اللہ عنہ فصارت أم المؤمنين وصار معاوية رضی اللہ عنہ خال المؤمنين . (دلائل النبوة : ۳/۴۵۹،ط: دار الكتب العلمية بيروت).

لیکن علامہ آلوسیؒ نے اس روایت کو رد کیا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں: **وأنت تعلم أن تزوجها كان وقت هجرة الحبشة ، ونزول هذه الآيات سنة ست من الهجرة فما ذكر لا يكاد يصح بظاهره ، و في ثبوته عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مقال .** (روح المعانى: ۲۸/۷۴، دارالتراث).

ہاں علماء نے اپنی تحریرات میں حضرت معاویہؓ کو خال المؤمنین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے،اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

فضل معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ هو معاوية بن أبي سفيان صخر بن حرب بن أمية بن

عبد شمس بن عبد مناف بن قصی، أبوعبد الرحمن القرشی الأموی، خال المؤمنین، وكاتب وحي رب العالمين ، أسلم هو وأبوه وأمه هند بنت عتبة بن ربيعة بن عبد شمس يوم الفتح . (البداية والنهاية : ۴۰۸/۸، دار المؤيد،الرياض).

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں، تاہم صحیح یہ ہے کہ اس لفظ سے احترام مقصود ہو محرمیت بتانا مقصود نہ ہو تو درست ہے اس اعتبار سے حضرت اسماء بنت ابی بکر بھی خالۃ المؤمنین ہوں گی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شیخ سید احمد رفاعیؒ کے مشہور واقعہ کی تحقیق:

سوال: حضرت شیخ سید احمد رفاعیؒ سے متعلق یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ جب مدینہ منورہ میں روضہ اقدس پر سلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے یہ اشعار پڑھے:

في حالة البعد روحي كنت أرسلها ۞ تقبل الأرض عني فهي نائبتي

وهذه دولة الأشباح قد حضرت ۞ فامدد يمينک کي تحظى بها شفتي

اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ: دوری کی حالت میں میری روح میری نیابت میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوتی تھی، اب دربارِ عالی میں بندہ خود حاضر ہوا ہے تو اپنا دستِ مبارک رونق افروز فرما کر دست بوسی کا موقع عنایت فرمائیے۔

ان اشعار کے پڑھتے ہی روضہ مبارکہ سے دست مبارک بلند ہوا اور سید احمد رفاعیؒ نے بوسہ دیا، اس وقت تقریباً نوے ہزار کے قریب مجمع تھا سب نے زیارت کی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ قصہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس پر اشکالات کرتے ہیں وہ کیا ہیں؟ اور اشکالات دلائل کی روشنی میں صحیح ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ قصہ صحیح ہے رجال ثقات سے مروی ہے، اور اشکالات بے جا ہیں دلائل کے اعتبار سے کوئی وزن نہیں ہے، ہاں ایک اشکال قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں مسجدِ نبوی میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ نوے ہزار جمع ہو جائیں، تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات مبالغہ پر مبنی ہے جیسے عام بول چال میں رائج ہے کہ ''میں نے آپ کو ہزار مرتبہ کہا آپ نے نہیں سنا'' تو یہ مبالغہ کے قبیل سے ہے اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ قصہ مذکورہ بالا کو درجِ ذیل چند حضرات نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال في سواد العينين في مناقب الغوث أبى العلمين (ص ۱۰) للإمام عبد الكريم بن محمد الرافعى نفعنا الله به (توفي في حدود سنة ثلاث وعشرين وستمائة ودفن بقزوين)، هذا آخر كلام الاسفرايني، قلت: الرافعى من الصالحين المتمكنين، وكانت له كرامات كثيرة ظاهرة. [تهذيب الاسماء واللغات، للامام النووى: ۲/۲۶۵]، وقال الزركلي: فقيه، من كبار الشافعية، كان له مجلس بقزوين للتفسير والحديث، وتوفى فيها، نسبته إلى رافع بن خديج الصحابي، له التدوين في ذكر أخبار قزوين، و الإيجاز في أخطار الحجاز، وهو ما عرض له من الخواطر في سفره إلى الحج، والمحرر، فتح العزيز في شرح الوجيز للغزالي فى الفقه، وشرح مسند الشافعي، والأمالى الشارحة لمفردات الفاتحة، وسواد العينين فى مناقب أحمد الرفاعي، وفي نسبة هذا الكتاب إليه شك، الأعلام: ۴/۵۵، و ينظر: (العبر في خبر من غبر، للإمام الذهبي: ۳/۱۹۰).

قال لي شيخنا سند المحدثين عبد السميع الهاشمى الواسطى ببغداد وقد جرى ذكر السيد أحمد بن الرفاعي أى عبد الكريم كان السيد أحمد آية من آيات الله ...

وكنت مع الزوار فى الحرم النبوى عام حجه الذي مدت له فيه يد النبي صلى الله عليه وسلم، وشاهدت اليد النبوية ببركته رضى الله عنه، الخ.

وأخبرنا شيخنا الإمام الحجة القدوة أبوالفرج عمر الفاروثى [نسبته الى فاروث قرية على دجلة] الواسطى [هو من أصحاب الشيخ السيد أحمد الرفاعى الحسيني، كما يفهم من ترجمة الذهبى للسيد أحمد الرفاعى، قيل: إنه أقسم على أصحابه إن كان فيه عيب ينبهونه عليه، فقال الشيخ عمر الفاروثى يا سيدى أنا أعلم فيك عيباً، قال: ما هو ؟ قال: ياسيدى، عيبك أننا من أصحابك، فبكى الشيخ والفقراء، وقال أى عمر إن سلم المركب حمل من فيه. سير أعلام النبلاء: ۲۱/۷۸، وكذا في طبقات الأولياء لابن الملقن، ص ۹۲] قال حج سيدنا وشيخنا السيد أحمد الرفاعي عام خمس وخمسين وخمس مائة فلما وصل المدينة وتشرف بزيارة جده عليه الصلاة والسلام وقف تجاه حجرة النبي صلى الله عليه وسلم ووقفنا خلف ظهره، فقال: السلام عليك يا جدى، فقال له عليه أفضل صلوات الله وعليك السلام يا ولدي، فتواجد لهذه النعمة وقال منشداً: في حالة البعد، الخ. فمد له

رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يده الشريفة من قبره الكريم فقبلها في ملأ يقرب من تسعين ألف رجل والناس ينظرون يد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ، الخ .

(وكذا في إرشاد المسلمين لطريق شيخ المتقين، للإمام أحمد بن إبراهيم بن عمر، أبو العباس عزالدين الواسطي الفاروقي الشافعي ،ص ۳۴).

أخبرني أبي الحافظ محي الدين أبو إسحاق إبراهيم عن أبيه الشيخ عمر [هو الشيخ عمر الفاروثي من اصحاب الشيخ احمد الرفاعي] **أنه قال له: كنت مع سيدنا وشيخنا السيد الكبير الرفاعي الحسيني عام حجه الأول وذلک سنة خمس وخمسين وخمس مائة ، وقد دخل المدينة المنورة يوم دخوله إليها قوافل الزوار من الشام والعراق واليمن والمغرب والحجاز وبلاد العجم ، وقد زاد عن تسعين ألفاً...وقال غائباً عن نفسه حاضراً مع انسه : في حالة البعد ، الخ . فقبلها والناس ينظرون، وقد كان في الحرم الشريف ألوف حين خروج اليد الطاهرة المحمدية ، الخ .**

وفي "الحاوي للفتاوى" ۲/۴/۳۱۴: وفي بعض المجاميع حج سيدى أحمد الرفاعي فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد: في حالة البعد روحي كنت أرسلها...الخ .

بعض حضرات نے اس واقعہ پر چند اشکالات کیے ہیں:

شیخ محمود شکری آلوسی نے اپنی کتاب " **غاية الأماني في الرد على النبهاني**" میں لکھا ہے کہ اس قصہ کے دو پہلو پر کلام ہے؛(۱) خود قصہ من گھڑت ہے اور سید احمد رفاعی پر الزام ہے۔(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد دیکھنا ممکن نہیں ہے اور جو رؤیت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

پہلی بات کہ قصہ جھوٹا ہے اس کے درج ذیل چند اسباب ہیں:

(الف) مشہور مؤرخین نے شیخ سید احمد رفاعی کے حالات قلمبند کیے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس قصہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔معلوم ہوا کہ یہ محض جھوٹ ہے۔

(ب) امام سیوطیؒ نے اس کو بیان کیا ہے لیکن کوئی سند ضعیف بھی ذکر نہیں کی چہ جائیکہ سند صحیح سے ثابت ہو۔

(ج) قصہ بیان کرنے والوں نے یہ لکھا ہے کہ نوے ہزار نے مشاہدہ کیا! یہ عظیم بہتان ہے کیونکہ مسجدِ

نبوی میں اتنی گنجائش کہاں تھی، بلکہ اس کے دسویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تھی، پھر یہ کہ حجرۂ شریفہ دیواروں میں بند ہے پھر کونسی کھڑکی سے دستِ مبارک باہر آیا؟

(د) پھر یہ اشعار سید احمد رفاعی کے علاوہ دیگر حضرات کی طرف بھی منسوب کیے گئے ہیں، مثلاً: ابن فارض کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ شیخ شہاب سہروردی سے مکہ مکرمہ میں ملے تو انہوں نے یہ اشعار کہے۔

(ھ) شیخ احمد رفاعی کے ساتھ حسن ظن کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ انہوں نے سنت طریقہ کے موافق زیارت فرمائی ہوگی، اور ہاتھ پھیلانے کی درخواست کرنا ان کی شان سے بعید معلوم ہوتا ہے جبکہ اکابر صحابہ اور اکابر علماء میں سے کسی نے ایسی درخواست نہیں کی، یہ فقط ایک بہتان ہے۔

پھر شیخ محمود شکری نے دوسرے پہلو پر بحث کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت ممکن نہیں ہے، لیکن یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور اہل سنت والجماعت کا نظریہ اس رائے کے خلاف ہے اور اس بحث کی یہاں ضرورت بھی نہیں اس پر کچھ کلام جلد اول میں ص ۸۱۔۸۳ پر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ اشکالات بے جان ہیں اور دلائل سے خالی ہیں بنابریں ان کے جوابات کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک اشکال کہ مسجدِ نبوی میں نوے ہزار کی وسعت نہیں تھی تو یہ مبالغہ پر محمول ہے جیسے کہتے ہیں؛ میں نے آپ کو ہزار مرتبہ کہا اور آپ نہیں سنتے! تو یہ مبالغہ پر محمول ہے اس کو جھوٹ نہیں کہتے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الدرۃ الفردۃ شرح قصیدۃ البردۃ:۱/۵۸۰۔۵۸۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات کی تحقیق:

سوال: جمہور کے نزدیک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲، ربیع الاول ۱۱ھ بروزِ دوشنبہ کو ہوئی، حجۃ الوداع میں یوم عرفہ یومِ جمعہ کو واقع ہوا تھا یہ بھی مشہور ومعروف ہے، اب اہل حساب کے نزدیک ۹ ذی الحجہ یوم الجمعہ کو ہو تو ۱۲، ربیع الاول کو پیر کا دن کسی بھی شکل میں نہیں بن سکتا، چاہے مہینے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ کے یا دونوں ہوں، اب آپ سے درخواست ہے کہ اس کا حل بتادیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس اشکال کا حل شیخ المشائخ حضرت علامہ ملا علی القاریؒ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اہل مکہ نے ۲۹ ذی القعدہ ختم ہونے پر ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور بادل یا اختلافِ مطالع کے سبب اہل مدینہ کو چاند نظر نہیں آیا بنابریں اہل مدینہ نے ذی القعدہ کے ۳۰ دن مکمل کرنے کے

بعد ذی الحجہ شروع کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے مدینہ منورہ پہنچ کر اہل مدینہ کی رؤیت کا اعتبار کیا، اس حساب سے اگر تین ماہ مسلسل ۳۰ دن کے شمار کریں تو اہل مکہ کے لیے ۱۲ ربیع الاول کو اتوار واقع ہوتا ہے اور اہل مدینہ کا چاند ایک دن بعد دیکھا گیا اس لیے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ واقع ہوا، یعنی ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم ۳۰ دن کے ہوں اور صفر ۲۹ کا ہو تو پھر حساب صحیح بنتا ہے۔

ملاحظہ ہو جمع الوسائل میں ملا علی قاریؒ رقم طراز ہیں:

وههنا سوال مشهور على إشكال مسطور وهو أن جمهور أرباب السير على أن وفاته صلى الله عليه وسلم وقعت في اليوم الثاني عشر واتفق أئمة التفسير والحديث والسير على أن عرفة في تلك السنة يوم الجمعة فيكون غرة ذى الحجة يوم الخميس فلا يمكن أن يكون يوم الاثنين الثاني عشر من ربيع الأول سواء كانت الشهور الثلاث الماضية يعني ذاالحجة والمحرم وصفر ثلاثين يوماً أو تسعاً وعشرين أو بعض منها ثلاثين وبعض آخر تسعاً وعشرين .

وحله أن يقال يحتمل اختلاف أهل مكة والمدينة في رؤية هلال ذى الحجة بواسطة مانع من السحاب وغيره أو بسبب اختلاف المطالع فيكون غرة ذى الحجة عند أهل مكة يوم الخميس وعند أهل المدينة يوم الجمعة وكان وقوف عرفة واقعاً برؤية أهل مكة ولما رجع إلى المدينة اعتبروا التاريخ برؤية أهل المدينة وكان الشهور الثلاثة كوامل فيكون أول ربيع الأول يوم الخميس ويوم الاثنين الثاني عشر منه. (جمع الوسائل، باب ماجاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۲/۲۰۲، ط: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی بیاض اشرفی میں ص ۱۲۸ پر اسی طرح لکھا ہے۔

اور تین ماہ مسلسل ۳۰ دن کے ہو سکتے ہیں، بلکہ ماہرین حساب نے لکھا ہے کہ مسلسل چار ماہ بھی ۳۰ دن کے ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر محمد الیاس اپنی کتاب ''استرونمی آف اسلامک کلنڈر'' میں لکھتے ہیں:

maximum number of consecutive months of one type : 30 day months : 4 , 29 day months : 3 .

(astronomy of islamic calendar ,pg , no: 158).

مزید براں ۱۲ ربیع الاول میں وفات والاقول متفق علیہ بھی نہیں ہے، ہاں ملاعلی قاریؒ نے اکثر کا قول قرار دیاہے اور حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے مشہور فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو سیرۃ المصطفیٰ میں مرقوم ہے:

تاریخ وفات میں اختلافِ شدید ہے مشہور قول کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی موسیٰ بن عقبہ، لیث بن سعداور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابومخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قراردی ہے، علامہ سہیلی نے الروض الانف میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قراردیاہے۔(سیرۃ المصطفیٰ:۲/۲۶۳)۔

شیخ محمد الخضری نے نورالیقین فی سیرۃ سیدالمرسلین میں ۱۳ ربیع الاول تاریخ وصال تحریر فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو:

ولم تأت ضحوة هذا اليوم حتى فارق رسول الله صلى الله عليه وسلم دنياه ولحق بمولاه، وكان ذلك في يوم الاثنين ١٣ ربيع أول سنة ١١ هـ. (٨ / يونيو ٦٣٣ء). (نورالیقین فی سيرة سيدالمرسلين، ص ٢٦٤).

اگر ۱۳ ربیع الاول کو تاریخ وفات قراردی جائے تو پیر کا دن بالکل ظاہر ہے، اختلافِ مطالع وغیرہ کا سہارا لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں کے اعتبار سے پیر کا دن ۱۳ ربیع الاول کو واقع ہوتا ہے۔ مذکورہ بالامسئلہ پر ایک روایت سے اشکال اوراس کا جواب:

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آیتِ کریمہ "**اليوم أكملت لكم دينكم**" کے نازل ہونے کے بعد ۸۱ دن حیات رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اوراپنی رحمتِ خاصہ کی طرف آپ کو بلوالیا۔

اس روایت کے اعتبار سے دومہینے ۲۹ دن کے شمار کریں تو ۸۱ دن دوم ربیع الاول کو مکمل ہوتے ہیں اوراگر دومہینے ۳۰ دن کے شمار کریں تو یکم ربیع الاول کو ۸۱ دن پورے ہوتے ہیں اور یہ دونوں اقوال بھی سیرۃ المصطفیٰ کے حوالے سے مذکور ہوئے، البتہ ۸۱ دن کسی بھی حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو نہیں بنتے تو اس اعتبار سے روایت کا جواب حسبِ ذیل مرقوم ہے۔ پہلے روایت ملاحظہ کیجئے:

أخبرنا محمد بن عبد الرحمن بن محبوب الدهان ، أخبرنا الحسين بن محمد بن هارون، حدثنا أحمد بن محمد بن نصر ، حدثنا يوسف بن بلال، حدثنا محمد بن مروان ،

عن الكلبي، عن أبي صالح ، عن ابن عباس رضي الله عنه في هذه الآية: ﴿ اليوم يئس الذين كفروا من دينكم ﴾...فلما كان واقفاً بعرفات نزل عليه جبريل عليه السلام وهو رافع يده والمسلمون يدعون الله تعالىٰ ﴿اليوم أكملت لكم دينكم ﴾ يقول: حلالكم وحرامكم فلم ينزل بعد هذا حلال ولا حرام ﴿ وأتممت عليكم نعمتي ﴾ قال: منتى فلم يحج معكم مشرك﴿ و رضيت﴾ يقول: واخترت ﴿لكم الإسلام ديناً ﴾ ثم مكث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد نزول هذه الآية إحدى وثمانين يوماً ثم قبضه الله تعالىٰ إليه وإلى رحمته .

(الجامع لشعب الإيمان للإمام البيهقي: ۱/ ۱۳۵/ ۳۲).

لیکن محشی تعلیق میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، چندرواۃ پرکلام ہے، درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال: إسناده ضعيف ؛ محمد بن عبد الرحمن بن محبوب الدهان ، ورد اسمه فيمن روى عنه البيهقى ...

الحسين بن محمد بن هارون .

وأحمد بن محمد بن نصر .

ويوسف بن بلال، لم أجدهم .

محمد بن مروان بن عبد الله بن إسماعيل السدى الصغير، كوفي متهم بالكذب، من الثامنة قال البخارى: لايكتب حديثه البتة ، وهو صاحب الكلبي .

الكلبى هو محمد بن السائب بن بشر، أبوالنصر الكوفى، النسابة ، المفسر، متهم بالكذب ، و رمي بالرفض، من السادسة قال الذهبي:لا يحل ذكره فى الكتب فكيف الاحتجاج به ، راجع : الميزان .

أبوصالح: باذام ويقال باذان ، تابعي مولى أم هاني، ضعيف ، مدلس، من الثالثة، قال ابن عدى: عامة ما يرويه تفاسير وما أقل ماله من المسند ويروى فى التفسير مالم يتابعه أهل التفسير عليه ، وقال ابن معين: إذا روى عنه الكلبي فليس بشئ . راجع: الميزان ، وانظر: الكامل لابن عدي، والأثر ذكره السيوطى فى الدرالمنثور برواية المؤلف . (التعليقات على الجامع لشعب الايمان : ۱/ ۱۳۵).

خلاصہ یہ ہے کہ ضعفِ شدید ہونے کی وجہ سے اس روایت کا اعتبار نہیں، بنا بریں ۱۲ ربیع الاول کو وفات تسلیم کریں تو بھی اس روایت کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں ہوگا، پھر چونکہ تاریخ وفات میں اختلافِ شدید ہے اور تاریخ ولادت میں بھی اختلافِ شدید ہے البتہ دن میں کوئی اختلاف نہیں ولادت اور وفات دونوں صحیح حدیث کی رو سے پیر کے دن ہوئیں، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ربیع الاول میں تاریخ متعین کر کے میلاد منانا اور جشن منانا درست نہیں نیز وفات پر برسی منانا بھی درست نہیں کیونکہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے، ہاں صحیح روایت میں پیر کا دن وارد ہے اور صحیح حدیث میں پیر کے دن روزہ رکھنا ثابت ہے تو ہر پیر کو روزہ رکھے یہ اصل اتباع ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو غوثِ اعظم کہنے کا حکم:

سوال: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ''غوثِ اعظم'' کہنا کیسا ہے؟ اگر صحیح ہو تو برائے مہربانی معنی و مراد کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: غوث کے لغوی معنی مدد کے ہیں لیکن یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے بلکہ صوفیاء کے ہاں ایک خاص منصب اور عہدہ ہے، لیکن عام لوگ صوفیاء کی خاص اصطلاحات کو نہ جانتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، بلکہ وہ غائبانہ مدد طلب کرتے ہیں اور اکثر جہال یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی بوقتِ مصیبت حاضر ہوتے ہیں اور مدد کرتے ہیں، اور یہ شرکیہ عقیدہ ہے، بنا بریں ان کو غوثِ اعظم نہیں کہنا چاہئے۔

قال الشيخ ملا على القاريؒ: وقال الشيخ زكرياؒ في رسالته المشتملة على تعريف غالب ألفاظ الصوفية القطب ويقال له الغوث هو الواحد الذي هو محل نظر الله تعالىٰ من العالم في كل زمان أى نظراً خاصاً يترتب عليه إفاضة الفيض واستفاضته فهو الواسطة فى ذلک بين الله تعالىٰ وبين عباده فيقسم الفيض المعنوى على أهل بلاده بحسب تقديره ومراده ثم قال: الأوتاد أربعة منازلهم على منازل الأركان من العالم شرق وغرب وشمال وجنوب مقام كل منهم مقام تلک الجهة قلت فهم الأقطاب فى الأقطار يأخذون الفيض من قطب الأقطاب المسمى بالغوث الأعظم فهم بمنزلة الوزراء تحت حكم وزير الأعظم فإذا مات القطب الأفخم أبدل من هذه الأربعة أحد بدله غالباً...الخ. (مرقاة المفاتيح: ۱۰/۱۷۷، ۱۷۸، ط: امدادیه، ملتان).

حلیۃ الاولیاء میں شیخ ابونعیم الاصفہانی اولیاء کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنها أنهم سباق الأمم والقرون ، وبإخلاصهم يمطرون وينصرون...فبهم يحيى ويميت ، ويمطر وينبت ، ويدفع البلاء ، قيل لعبد الله بن مسعود رضي الله عنه: كيف بهم يحيى ويميت ؟ قال : لأنهم يسألون الله عزوجل إكثار الأمم فيكثرون ، ويدعون على الجبابرة فيقصمون ، ويستسقون فيسقون، ويسألون فتنبت لهم الأرض، ويدعون فيدفع بهم أنواع البلاء . (حلية الاولياء : ۱/۹، ط: دار الفكر).

الدرۃ الفردۃ شرح قصیدۃ البردۃ میں مرقوم ہے:

اشکال: جب غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد لینا ناجائز ہے تو اکابر کے کلام میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا دیگر اکابر کے لیے غوث کا لفظ کیوں استعمال ہوتا ہے؟

جواب: غوث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگوں کی غائبانہ مدد کرتے ہیں، بلکہ غوث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دعاؤں کی قبولیت میں تاخیر ہوجاتی ہے، یا دعا قبول نہیں ہوتی تو اولیاء غوث کی طرف رجوع کرتے ہیں اوران کی دعا قبول ہوجاتی ہے، یعنی وہ دعاؤں کے ذریعہ اولیاء اللہ کی مدد کرتے ہیں۔

درجِ ذیل عبارت ملاحظہ کیجئے:

فإذا عرضت الحاجة من أمر العامة ابتهل فيها النقباء ثم النجباء ثم الأبدال ثم الأخيار ثم العمد ، فإن أجيبوا ، وإلا ابتهل الغوث ، فلا تتم مسألته حتى تجاب دعوته . (كشف الخفاء: ۱/۲۷). (الدرة الفردة).

روح المعانی میں مرقوم ہے:

الثاني أن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم مثل ياسيدي فلان أغثني وليس ذلک من التوسل المباح في شيء واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلک وأن لا يحوم حول حماه وقد عده أناس من العلماء شركاً وأن لا يكنه فهو قريب منه ولا أرى أحداً ممن يقول ذلک إلا وهو يعتقد أن المدعو الحي الغائب أو الميت المغيب يعلم الغيب أويسمع النداء ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير و دفع الأذى وإلا لما دعاه ولا فتح فاه وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم فالجزم

والتجنب عن ذلک وعدم الطلب إلا من اللّٰہ تعالیٰ القوی الغنی الفعال لما یرید . (روح المعانی: ۱۲۸/۶).

وفی البزازیة : قال علماؤنا من قال: أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر. (البحرالرائق: ۱۳۴/۵). (وکذا فی مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۵۰۵/۲).

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے: ’’غوث‘‘صوفیاء میں ایک منصب اورعہدہ ہے،اپنے لغوی معنی میں نہیں، تاہم اس سے عقائدفاسد ہوتے ہیں یعنی لوگ ان کوفریادرَس اور ہرایک کی پکار سننے والا اورمدد کے لیے پہنچنے والا سمجھتے ہیں تواس سے بچنالازم ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۶۰/۱،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استمناء بالید(مشت زنی) کاحکم:

سوال: استمناء بالیدحرام ہے یامکروہ؟اورحرمت یا کراہت کی کیادلیل ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب: استمناء بالید(مشت زنی) کاعمل ناجائزاورگناہ ہے،اورطبی اعتبار سے بھی ضرررساں ہے ،تجربہ کاربتاتے ہیں کہ اس عمل کے کرنے سے اس کی عادت پڑجاتی ہے اوراس سے مردانہ صلاحیت ختم ہوجاتی ہےالغرض طبی طورپر یہ مہلک ہے لہذااس قبیح عمل سے بچنالازم ہے۔ملاحظہ ہوفتاوی الشامی میں ہے:

قوله الاستمناء حرام ، أی بالکف إذا کان لاستجلاب الشهوة ، أما إذا غلبته الشهوة ولیس له زوجة ولا أمة ففعل ذلک لتسکینها فالرجاء أنه لا وبال علیه کما قال أبواللیث ویجب لو خاف الزنا . (فتاوی الشامی: ۲۷/۴،سعید).

روح المعانی میں مرقوم ہے:

اختلف في استمناء الرجل بیده... فجمهور الائمة علی تحریمه وهوعندهم داخل فیما وراء ذلک... وقال ابن الهمامؒ : یحرم فإن غلبته الشهوة ففعل إرادة تسکینها به فالرجاء أن لا یعاقب . (روح المعانی : ۱۸/ ۱۰).

قاموس الفقہ میں مسطورہے:

...یہ عمل ممنوع اورحرام ہے،آنحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ناکح الید ملعون** .

[**قال الرهاوی في حاشیة المنار: لا أصل له : کشف الخفاء: ۳۲۵/۲، و کذا نقله عنه**

ملا علی القاری فی ”المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ، رقم:۳۷۸، وقال الشیخ الألباني: ضعيف، وللمزيد راجع: الضعيفة:رقم: ۴۸۵۱] اس کی حرمت پر سورۂ مومنون کی آیت ۵ تا۷ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے دو ہی راستوں کی تحدید کردی گئی ہے، ایک بیوی دوسرے باندی اور ظاہر ہے یہ تیسری صورت ہے، فقہاء نے اسے قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے۔

قضائے شہوت کی نیت سے ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ، ہاں اگر شہوت کا غلبہ ہو، زنا سے بچنے اور شہوت میں سکون اور ٹھہراؤ پیدا کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ امید ہے کہ اس کا وبال اور عذاب نہ ہوگا، اسی ضرورت کے ذیل میں علاج اور میڈیکل جانچ کی غرض سے مادہ منویہ کا نکالنا بھی داخل ہے۔تاہم ان سب کا تعلق اتفاق سے ہے، عادت کی تو اجازت نہیں۔(قاموس الفقہ : جلد دوم،ص۱۲۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ بینات:۴/ ۳۶۵۔۳۷۰،واحسن الفتاویٰ:۸/ ۲۴۹،وفتاویٰ حقانیہ:۲/ ۴۵۲)۔واللہ ﷻ اعلم۔

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کی تحقیق:

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد جڑواں پیدا ہوتی تھیں یا نہیں؟ اوران کی صنف کیا ہوتی تھی؟

الجواب: حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی پیدائش سے متعلق کوئی صحیح حدیث تو نہیں ملی البتہ تاریخ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ ان کی اولاد جڑواں پیدا ہوتی تھیں جن میں ایک مذکر دوسرا مؤنث۔ابن کثیرؒ نے بحوالہ طبری یہ نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد تھیں جو بیس بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

محقق ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال السدي فيما ذكر عن أبي مالك عن أبي صالح عن ابن عباس رضي الله عنه وعن عروة عن ابن مسعود رضي الله عنه وعن ناس من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان لا يولد لآدم مولود إلا ولد معه جارية . (التفسير لابن كثير: سورة المائدة ،الآية: ۲۷).

وذكر المؤرخون وأهل العلم أن آدم عليه السلام رزق من حواء أولاداً كثيرين وأنها وضعت له عشرين بطناً في كل بطن ذكر وأنثى فكان آدم يزوج كل ذكر من بطن بالأنثى من البطن الآخر . (النبوة والانبياء للصابونى ،ص ۱۷۲).

وقد ذكر الإمام أبوجعفرابن جرير في تاريخه عن بعضهم أن حواء ولدت لآدم أربعين

ولـداً في عشرين بطناً ، قاله ابن إسحاق وسماهم والله أعلم وقيل مائة وعشرين بطناً في كل واحـد ذكر وأنثى أولهم قابيل وأخته قليماً وآخرهم عبد المغيث وأخته أم المغيث . (قصص الانبياء لابن كثير،ص ۵۰).

تاریخ طبری میں ہے:

وأما ابـن إسـحاق فـذكـر عـنه قد ذكرت من قبل وهو أن جميع ما ولدته حواء لآدم لـصـلبـه أربـعـون مـن ذكـر وأنثى في عشرين بطناً وقال: وقد بلغنا أسماء بعضهم ولم يبلغنا بعضهم . (التاريخ للطبرى: ۱/۷۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کی تحقیق:

سوال: حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر واقعی جدہ میں ہے یا ویسے ہی لوگوں میں مشہور ہے؟

الجواب: حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں؛ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جبل ابی قبیس پر ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ہے، علاوہ ازیں بہت ساری کتابوں میں یہ مرقوم ہے کہ حضرت حواء کی قبر جدہ میں ہے، تاہم حدیث اس بارے میں ساکت ہے۔ ملاحظہ ہو امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

وأخـرج أبـوالشيخ عن مجاهد قال: قبر آدم عليه السلام بنى في مسجد الخيف وقبر حواء بجدة. (الدرالمنثور: ۱/۱۵۱،البقرة:۳۷).

وقـال ابـن كثيرؒ فى البداية والنهاية : ذكر في باب وفاة آدم عليه السلام أن الملائكة غسـلـوه وكـفـنوه...قال فيه واختلفوا في موضع دفنه ، فالمشهور أنه دفن عند الجبل الذى أهبـط مـنـه فى الهند ، وقيل بجبل أبي قبيس بمكة ويقال إن نوحاً عليه السلام لما كان زمن الـطـوفان حمله هو وحواء في تابوت فدفنهما ببيت المقدس حكى ذلک ابن جرير. (البداية والنهاية: ۱/۱۱۰، وكذا فى قصص الانبياء لابن كثير).

وقـال الـعـصـامـي: وأكثر الرواة على أنها دفنت بجدة بالمحل المعروف بها. (سمط النجوم العوالى فى الاوائل: ۱/۳۳).

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

روضۃ الصفا جلد اول میں لکھا ہے: وفاتِ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام درروز جمعہ درمکہ واقع شد وحواء بعداز و یک سال ...ودرجنب آدم مدفون شدہ۔(۱/۱۵) اور بعض کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم وحواء کا مزار سرندیپ میں ہے یقینی علم دشوار ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۴/۵۰۶، جامعہ فاروقیہ)۔

وللاستزادة راجع: (الكامل فی التاريخ لابن الاثير: ۱/۱۷، وتاريخ الرسل والملوک للطبری: ۱/۵۸، والمنتظم لابن الجوزی: ۱/۳۶، وتاريخ مكة لابن ضياء: ۱/۹۲، والروض المعطار فی خبر الاقطار للعلامة محمد بن عبدالمنعم الحميری: ۱/۱۵۷). واللہ ﷻ اعلم۔

تقدیر کے فیصلے اور شب براءت:

سوال: نصف شعبان والی رات میں تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں یا شب قدر میں، اس سلسلہ میں مستند تفسیروں سے وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تقدیر کے فیصلے کونسی رات میں ہوتے ہیں، اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ شبِ قدر میں ہوتے ہیں اور ”لیلة مباركة“ سے شبِ قدر مراد ہے۔

اِن حضرات کے اسماء درجِ ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہؒ، ابن جبیرؒ، مجاہدؒ، ابن زیدؒ، حسنؒ، وغیرہ۔ جمہور کے نزدیک یہی راجح ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں لیلۃ مبارکۃ سے شب براءت مراد ہے۔ ان کے اسماء درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

عکرمہؒ، عطاء بن یسارؒ، راشد بن سعدؒ، وغیرہ.

أما الأولون فقد احتجوا على صحة قولهم بوجوه أولها: أنه تعالىٰ قال: إنا أنزلناه في ليلة القدر، وههنا قال: إنا أنزلناه في ليلة مباركة، فوجب أن تكون هذه الليلة المباركة هي تلك المسماة بليلة القدر لئلا يلزم التناقض. (۲) و ثانيها: إنه تعالىٰ قال: شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن،[البقرة:۸۵]، فبين أن إنزال القرآن إنما وقع في شهر رمضان، وقال ههنا إنا أنزلناه في ليلة مباركة، فوجب بأن تكون هذه الليلة واقعة في شهر رمضان وكل من قال: إن هذه الليلة المباركة واقعة في شهر رمضان، قال: إنها ليلة القدر، فثبت أنها ليلة

القدر...ونقل محمد بن جرير الطبرى في تفسيره : عن قتادة أنه قال: نزلت صحف إبراهيم في أول ليلة من رمضان ، والتوراة لست ليال منه ، والزبور لاثنتى عشرة ليلة مضت منه ، والإنجيل لثمان عشرة ليلة مضت منه ، والقرآن لأربع وعشرين ليلة مضت من رمضان ، والليلة الباركة هي ليلة القدر . (التفسير الكبير لفخر الدين الرازى: ۱۴/ ۲۳۸،سورة الدخان).

وأما القائلون بأن المراد من الليلة المباركة المذكورة في هذه الآية ، هي ليلة النصف من شعبان، فما رأيت لهم فيه دليلاً يعول عليه. (التفسير الكبير: ۱۴/ ۲۳۹،سورة الدخان).

بعض حضرات نے دونوں اقوال کے درمیان تطبیق دی ہے:

روح المعانی میں ایک بلاسند روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس مضمون کی نقل کی ہے کہ رزق اور موت وحیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شبِ قدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس طرح دونوں اقوال میں تطبیق ہوسکتی ہے۔روح المعانی میں ہے:

قال بعض الأجلة كون التقدير في هذه الليلة يشكل عليه قول كثير أنه ليلة النصف من شعبان وهي المراد بالليلة المباركة التي قال الله تعالىٰ فيها: فيها يفرق كل أمر حكيم وأجاب بأن ههنا ثلاثة أشياء : الأول نفس تقدير الأمور أى تعيين مقاديرها وأوقاتها وذلک فى الأزل والثاني : إظهار تلک المقادير للملائكة عليهم السلام بأن تكتب فى اللوح المحفوظ وذلک في ليلة النصف من شعبان والثالث: إثبات المقادير في نسخ وتسليمها إلى أربابها من المدبرات فتدفع نسخة الأرزاق والنباتات والأمطار إلى ميكائيل عليه السلام ونسخة الحروب والرياح والجنود والزلازل والصواعق والخسف إلى جبريل عليه السلام ونسخة الأعمال إلى إسرافيل عليه السلام ونسخة المصائب إلى ملک الموت وذلک في ليلة القدر، وقيل: يقدر في ليلة النصف الآجال والأرزاق وفي ليلة القدر الأمور التي فيها الخير والبركة والسلامة وقيل: يقدر في هذه ما يتعلق به إعزاز الدين وما فيه النفع العظيم للمسلمين وفي ليلة النصف يكتب أسماء من يموت ويسلم إلى ملک الموت ، والله تعالىٰ أعلم بحقيقة الحال . (روح المعانى : ۳۰/ ۱۹۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے والد کے قصہ کی تحقیق:

سوال: حضرت عبداللہ بن مبارک کے والد کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی کے غلام یا ملازم تھے، ایک دن آقا نے انار طلب کیا، مبارک نے انار دیا وہ ترش نکلا، مالک نے کہا آپ کو میٹھے اور ترش میں فرق معلوم نہیں؟ مبارک نے کہا میں نے کبھی آپ کے باغ کا انار نہیں چکھا، اس واقعہ کے بعد آقا نے اپنی بیٹی کا نکاح مبارک سے کر دیا اس کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ اور کہاں ہے؟

الجواب: یہ واقعہ تاریخ کی چند کتابوں میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو وفیات الاعیان میں مذکور ہے:

ويحكي عن أبيه أنه كان يعمل في بستان لمولاه وأقام فيه زماناً، ثم إن مولاه جاءه يوماً وقال له: أريد رماناً حلواً ، فمضى إلى بعض الشجر وأحضرمنها رماناً فكسره فوجده حامضاً، فحرد عليه وقال: اطلب الحلو فتحضر لی الحامض هات حلواً ، فمضى وقطع من شجرة أخرى، فلما كسره وجده أيضاً حامضاً فاشتد حرده عليه ، وفعل كذلك دفعة ثالثة فقال له بعد ذلك: أنت ما تعرف الحلو من الحامض فقال: لا، فقال: كيف ذلك فقال: لأنني ما أكلت منه شيئاً حتى أعرفه ، فقال: ولم لم تأكل قال: لأنك ما أذنت لي، فكشف عن ذلك فوجد قوله حقاً، فعظم في عينه وزوجه ابنته ، ويقال: إن عبد الله رزقه من تلك الابنة ، فنمت عليه بركة أبيه. ورأيت في بعض التواريخ هذه القضية منسوبة إلى إبراهيم بن أدهم العبد الصالح، وكذا ذكرها الطرطوشي في أول سراج الملوك ، لابن أدهم. (وفيات الاعيان : ۳/ ۳۲، دارصادر، بيروت).

(وكذا فی مرآت الجنان وعبرة اليقظان فی معرفة حوادث الزمان ،للشيخ ابومحمد عبد الله اليافعی : ۱/ ۳۷۹، ط: دارالكتاب الاسلامی ، القاهرة).

وزاد الشيخ اليافعی بقوله: هكذا ذكر بعض اصحاب التواريخ والذی كنا نعرفه و ذكرته في بعض كتبي أن سبب زواجه إياها أن سيده استشاره وكانت له بنت قد خطبت إليه ورغب فيها كثير من الناس فقال له : يامبارك من ترى أن نزوجه هذه البنية فقال: ياسيدی الناس مختلفون فی الأغراض أما أهل الجاهلية فكانوا يزوجون للحسب وأما اليهود

فيـزوجـون لـلـمـال وأمـا الـنصارى فيزوجون للجمال وأما هذه الأمة فيزوجون للدين يعنى الأخيـار...قـلـت: وإلـى هـذه الأربـع الخصال أشار النبي صلى الله عليه وسلم بقوله ينكح الـمـرأة لأربع و ذكرها ثم قال: فاظفر بذات الدين ، فلما سمع منه ذلك أعجبه عقله فقال لأمهـا والله مالها زوج غيره فزوجها منه فجاء ت له بهذه الدرة . (مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة حوادث الزمان: ۱/۳۷۹، ط: دارالكتاب الاسلامى ، القاهرة).

بعض حضرات نے اس طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابراہیم بن ادہم کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے۔

چنانچہ علامہ طرطوشی سراج الملوک میں بیان کرتے ہیں:

قـال: فبيـنـمـا أنـا قـاعـد عـلـى بـاب البحر إذ جاء ني رجل فاكتراني انظر له بستاناً، فتـوجهـت مـعه فمكثت فى البستان أياماً كثيرة ، فإذا بخادم قد أظلل ومعه أصحاب له، ولو عـلمت أن البستان لخادم ما نظرته، فقعد في مجلسه ثم قال: يا ناظورنا، فأجبته قال: اذهب فأتنا بأكبر رمان تقدر عليه وأطيبه فأتيته برمان فأخذ الخادم رمانة فكسرها فوجدها حامضة فـقـال: يـا ناظورنا أنت منذكذا وكذا في بستاننا تأكل من فاكهتنا ورماننا لاتعرف الحلو من الـحـامـض؟ قـلـت: والـلّـه ما أكلت من فاكهتكم شيئاً وما أعرف الحلو من الحامض! قال: فغمز الخادم أصحابه وقال: ألا تعجبون من هذا ؟ ثم قال لي: لوكنت إبراهيم بن أدهم مازاد على هذا...الخ. (سراج الملوك : ۱/۷).

وللمزيد ينظر: (تاريخ الاسلام للامام الذهبى: ۱۰/۵۳،ط:دارالكتاب العربى، وتاريخ مدينة دمشق: ۶/۲۸۴، ترجمة۳۶۵، وحلية الاولياء :۷/۳۶۸، ترجمة۴۰۲،ط: بيروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ذی روح کی تصویر والا کیک بنانے کا حکم:

سوال: ایک عورت کو چرچ کی جانب سے بطخ کی شکل میں ایک کیک بنانے کا آرڈر ملا ہے، جس پر بائبل کی ایک عبارت بھی لکھی جائے گی، کیا ایسا آرڈر قبول کرنا اور ایسا کیک بنانا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح بچوں کے لیے مصور کیک بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں ذی روح کی تصویر بنانا اور اس کا پیشہ اختیار کرنا ممنوع اور ناجائز ہے،

بنابریں بطخ کی شکل میں کیک بنانا درست نہیں ہے اورایسا آرڈر لینا بھی درست نہیں ہے۔ہاں اگر سر نہ بنایا جائے تو پھر یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے۔ملاحظہ ہوفتاویٰ شامی میں ہے:

فظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها . (فتاوى الشامي : ۱/۶۴۷، سعيد).

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

فإن كانت مقطوعة الرؤوس فلا بأس بالصلاة فيه لأنها بالقطع خرجت من أن تكون تماثيل وألحقت بالنقوش والدليل عليه ما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أهدى إليه ترس فيه تماثيل طير فأصبحوا وقد محي وجهه . (بدائع الصنائع: ۱/۱۱۵-۱۱۶، سعيد).

(وكذا في البحر الرائق : ۲/۳۰،كوئته،وشرح معاني الآثار: ۲/۲۶۳).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جاندار تصویروں کا پتھر،مٹی ،مٹھائی ،کھلونے سب منع ہیں ،مسلمانوں کا اس سے بچنا لازم ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۷۴،ط:جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں دوسری جگہ مرقوم ہے: ...اگر مور کا سر نہ بنایا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۷۲)۔

جواہر الفقہ میں مذکور ہے:

وہ ناقص تصویر جس میں سر نہ ہو اس کا بنانا جائز ہے،خواہ ہاتھ پاؤں یا تنہا آنکھ ناک وغیرہ اعضاء کی تصویر ہو یا علاوہ سر کے اور باقی سب بدن کی تصویر ہو۔(جواہر الفقہ :۷/۲۵۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایکسیڈنٹ کے حادثہ میں مرنے پر کفارہ کا حکم:

سوال: ایک شخص گاڑی چلا رہا تھا،اتفاق سے ایک شخص سامنے آ گیا،اور ایکسیڈنٹ میں اس کا انتقال ہو گیا،علماء کہتے ہیں اس میں کفارہ ہے،اور کفارہ کی ترتیب یہ بتاتے ہیں: (۱) غلام آزاد کرنا،اس کی طاقت نہیں تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا،اس کی بھی طاقت نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنوبی افریقہ میں قیام پذیر ہے، اورلوگ کہتے ہیں کہ بعض افریقی ممالک میں غلام موجود ہیں ، اور وہاں جا کر غلام کو آزاد کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے کفارہ بالصوم اور کفارہ بالاطعام کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ شخص کفارہ بالصوم ادا کرے گا، اس پر غلام آزاد کرنا ضروری نہیں ہے، فقہاء نے ایسی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کہ جب آدمی کو بہ آسانی قریب میں غلام میسر نہ ہو یا غلام موجود ہو مگر کسی وجہ سے دستیاب نہ ہو تو کفارہ بالصوم ادا کرنا درست ہے، مثلاً: آزاد آدمی پر اس کی سفاہت کی وجہ سے پابندی لگائی ہو اور مال اس کے قبضہ میں نہ ہو تو وہ شخص کفارہ بالصوم ادا کردے۔ ہدایہ، شامی وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی مسافر ہے اس کے پاس مال نہیں ہے اور کفارہ لازم ہوا، تو وہ کفارہ بالصوم ادا کرے، (شامی:۳/ ۴۷۸،سعید)۔

اسی طرح ایک شخص مالدار ہے لیکن اس سے بہت ساروں نے بطورِ قرض پیسے وصول کیے ہیں یا اس سے کسی نے غصب کر لیے ہیں تو بھی کفارہ بالصوم ادا کرے۔ (کفایہ:۸/ ۱۹۹)۔

نیز اگر کسی کے پاس پیسے ہیں لیکن قرض کی ادائیگی میں جانے والے ہیں اور باقی ماندہ رقم سے غلام نہیں خرید سکتے ہیں تو اس شخص پر غلام خرید کر آزاد کرنا لازم نہیں بلکہ کفارہ بالصوم ادا کردے۔ (درمختار، وشامی)۔

قال فی الهداية : وهذا (أی جواز انفاق المحجور ماله في حقوق الله) بخلاف ما إذا حلف أو نذر أو ظاهر حيث لايلزمه المال، بل يكفر يمينه وظهاره بالصوم لأنه مما يجب بفعله . (الهداية : ۳/ ۳۵۶ـ ۳۵۷).

وفی الكفاية: قوله بل يكفر يمينه وظهاره بالصوم ، لأن يده مقصورة عن ماله فهو بمنزلة ابن السبيل المنقطع عن ماله ، وبمنزلة من يكون له دين على إنسان ، أو غصب غاصب من يده وهو ما كان يعطيه فله أن يكفر بالصوم . (الكفاية على هامش فتح القدير : ۸/ ۱۹۹ ، مكتبه رشيديه ، كوئٹه).

وفی الدرالمختار: والعبد...وكذا الحر المحجور عليه بالسفه على المعتمد لايجزئه إلا الصوم . (الدرالمختار : ۳/ ۴۷۸،سعيد).

خلاصہ یہ ہوا کہ آدمی اگر حقیقتاً یا حکماً غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو کفارہ بالصوم ادا کرنا درست ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر کو جزاک اللہ خیراً کہنے کا حکم:

سوال: کافر کو جزاک اللہ خیراً کہنا یا اس کی کسی اچھی چیز کو دیکھ کر ماشاء اللہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جزاک اللہ خیراًوغیرہ الفاظ کہنے کا مدار دراصل نیت پر ہے اگر یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب کرے اور خیر سے مراد ہدایت لے تو اس کی گنجائش ہے، نیز ماشاء اللہ تعجب کے لیے استعمال ہوتا ہے تو کافر کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر ماشاء اللہ کہے تو کوئی حرج نہیں۔

قال فی الدرالمختار: لو قال لذمي " أطال الله بقاءک" إن نوى بقلبه لعله يسلم أو يؤدى الجزية ذليلاً فلا بأس به . (الدرالمختار: ۴۱۳/۶، سعید). (وکذا فی الفتاوی الهندية: ۳۴۸/۵، وتحفة الملوک، ص ۱۹۱،رقم المسئلة: ۳۴۱، والأشباه والنظائر: ۳۹/۱). **واللہ ﷻ اعلم۔**

والدین کا درسِ نظامی سے روکنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کے والدین درسِ نظامی کے حصول سے روکتے ہیں تو ان کا اتباع ضروری ہے یا نہیں؟ اور درسِ نظامی کا حصول مستحب ہے یا اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ضروریاتِ دین سے زائد علوم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، اگر والدین معقول عذر کی وجہ سے روکتے ہیں، مثلاً: نفقہ، سکنی، وغیرہ کا انتظام کرنے والا کوئی نہیں ہے، یا خوفِ فتنہ یا ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا بیٹے کی خدمت کے ہر وقت ضرورت مند اور محتاج ہیں وغیرہ، تو ایسی صورت میں ان کی بات ماننا ضروری ہے باقی ویسے ہی منع کرتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر تعلیم حاصل کرنا عقوق الوالدین میں شامل نہیں ہے، بہت سی مرتبہ والدین دینی مزاج نہ ہونے کی وجہ سے روکتے ہیں ورنہ کوئی خاص معقول عذر نہیں ہوتا اور وہی بچہ بعد میں پورے خاندان والوں کی ہدایت کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار مع فتاوی الشامی میں ہے:

وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحياً ، وتمامه فى الدرر . وفى الشامية : قوله وله الخروج ، أى إن لم يخف على والديه الضيعة إن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه وفى الخانية : ولو أراد الخروج إلى الحج وكره ذلک قالوا إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس وإلا فلا يسعه الخروج فإن احتاجا إلى النفقة ولا يقدر أن يخلف لهما

نفقة كاملة أو أمكنه إلا أن الغالب على الطريق الخوف فلا يخرج ولو الغالب السلامة يخرج وفي بعض الروايات لا يخرج إلى الجهاد إلا بإذنهما فقط لاينبغي له الخروج لأن مراعاة حقهما فرض عين والجهاد فرض كفاية فإن لم يكن له أبواه وله جدان وجدتان فأذن له أبو الأب وأم الأم دون الآخرين لا بأس بالخروج لقيامهما مقام الأبوين ولو أذن الأبوان لايلتفت إلى غيرهما هذا في سفر الجهاد، فلو في سفر تجارة أو حج لا بأس به بلا إذن الأبوين إن استغنيا عن خدمته إذ ليس فيه إبطال حقهما إلا إذا كان الطريق مخوفاً كالبحر فلا يخرج إلا بإذنهما وإن استغنيا عن خدمته ولوخرج المتعلم وضيع عياله يراعى حق العيال . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۴۰۸/۶،سعید).

امدادالمفتین میں ہے:

سوال: زید تعلیم دین حاصل کررہا ہے اس کے والدین اس کو تعلیم سے منع کرتے ہیں، منع کرنے کی اہم ضرورت یوں ہے کہ اس کی منکوحہ تقریباً تین سال سے بالغہ ہے، اب والدین اس کی شادی کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن بایں شرط کہ تعلیم ترک کرے جب تک اپنی روزی کے لائق نہ ہوجائے۔ آیا اب زید کو بروئے شریعت کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: اس صورت میں بہتر اوراسلم طریقہ یہ ہے کہ والدین کو تکمیلِ علمِ دین کے لیے جس طرح ہو راضی کرلیوے اوراگروہ اس بارے میں والدین کا کہنا نہ مانے تو نافرمان نہ ہوگا اوروالدین کو لازم ہے کہ ابھی تکمیلِ علمِ دین کی وجہ سے اس کے نکاح کو ملتوی رکھیں اگرچہ اس کی زوجہ بالغہ ہوگئی ہے۔ شرح شرعة الإسلام ، فصل في حقوق الوالدين میں ہے: ولا يتركهما لغزو أو حج أوطلب علم، فى الخزانة: إنه لو خرج لطلب العلم بغير إذن والديه فلا بأس به ولم يكن ذلک عقوقاً، الخ ۔

(امدادالمفتین ،جلدِدوم،ص۱۹۷،کتاب العلم، ط: دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (احسن الفتاویٰ : ۳۹۸/۱،وفتاویٰ محمودیہ: ۳۱۳/۵،وآپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۱۸/۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ ضرورت توریہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: سکیورٹی ٹریننگ (security training) کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں

کہ کیا مندرجہ ذیل صورت میں جھوٹ بولنا جائز ہوگا؟

ٹریننگ کے لیے سکیورٹی کو یہ کہا جاتا ہے کہ فلان فلان جگہ میں کچھ حادثہ وغیرہ پیش آیا ہے حالانکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہوا ہے، ایسا اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ پتا چل جائے کہ اگر واقعی کوئی حادثہ وغیرہ پیش آئے تو ان کا رویہ کیسا رہے گا، اگر کسی چیز کی اصلاح کی ضرورت ہو تو وہ بھی ہو جائے۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں صریح جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور کبائر میں سے ہے، لیکن کسی ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے توریہ استعمال کرنا درست ہے، مثلاً آپ یہ کہدیں کہ میرے خیال میں وہاں چور ہیں اور یہ نیت کریں کہ باہر چور نہیں ہیں میرے ذہن میں ہیں، میں نے فرض کر لیے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوقتِ ضرورت توریہ استعمال فرمایا تھا۔ ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لم يكذب إبراهيم النبي عليه السلام قط إلا ثلاث كذبات ثنتين في ذات اللّٰه قوله إني سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا وواحدة في شأن سارة، فإنه قدم أرض جبار ومعه سارة وكانت أحسن الناس فقال لها إن هذا الجبار إن يعلم أنك امرأتي يغلبني عليك فإن سأل فأخبريه أنك أختي فإنك أختي في الإسلام فإني لا أعلم في الأرض مسلماً غيري و غيرك.

(مسلم شريف: ۲/۲٦٦).

قال الإمام النووي رحمه الله: إن الكذبات المذكورة إنما هي بالنسبة إلى فهم المخاطب والسامع وأما في نفس الأمر فليست كذباً مذموماً لوجهين أحدهما: أنه ورى بها فقال في سارة: أختي في الإسلام وهو صحيح في باطن الأمر، والوجه الثاني: أنه لو كان كذباً لا تورية فيه لكان جائزاً في دفع الظالمين... فنبه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على أن هذه الكذبات ليست داخلة في مطلق الكذب المذموم. (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۲٦٦).

بعض مواقع میں ضرورت کی وجہ سے صریح جھوٹ کی بھی اجازت ہے لیکن توریہ سے کام چلانا چاہئے۔

قال في الأدب المفرد: عن أم كلثوم إنما سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ليس الكذب الذي يصلح بين الناس فيقول خيراً أو ينمي خيراً قالت: ولم أسمعه يرخص في شيء مما يقول الناس من الكذب إلا في ثلاث: الإصلاح بين الناس وحديث

الرجل امرأته وحديث المرأة زوجها . (رواه البخاری فی الادب المفرد: ۱/ ۱۳۹).

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کے موقع پر توریہ استعمال فرمایا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه أن أبابكر كان رديف النبي صلى الله عليه وسلم من مكة إلى المدينة ، وكان أبوبكر يختلف إلى الشام، قال: وكان يعرف ، وكان النبي صلى الله عليه وسلم لايعرف فكانوا يقولون: يا أبابكر من هذا الغلام بين يديك ؟ قال: هذا هاد يهديني السبيل ... الخ . (المصنف لابن ابی شيبة : ۱۶/ ۵۱۹/ ۳۲۴۷۲ ، كتاب الفضائل ، ط: المجلس العلمی).

وعلى هامشه قال: هاد يهديني السبيل، يهدى إلى سبيل الهدى والحق ، وفي هذا تورية لأن السامع يظن المقصود أنه يدله على الطريق فی الصحراء وهذا حماية لرسول الله صلى الله عليه وسلم خلال هجرته إلى المدينة إذ كانا وحدهما لا ثالث إلا الله وحده.

(المصنف لابن ابی شيبة :۷/ ۱۵۵).

قواعد الفقہ میں توریہ کے معنی یوں لکھے ہیں:

التورية : هي أن يريد المتكلم بكلامه خلاف ظاهره مثل أن يقول فی الحرب: مات إمامكم، وهو ينوی به أحداً من المتقدمين . (قواعد الفقه ، ص ۲۴۱).

وفي قواعد البلاغة : التورية : هي أن يذكر المتكلم لفظاً مفرداً له معنيان قريب ظاهر غير مراد و بعيد خفي هو المراد . (قواعد البلاغة ،ص:۱۳).

قاموس الفقہ میں مرقوم ہے:

توریہ: یہ ہے کہ بولنے والا اپنی بات سے خلافِ ظاہر مفہوم مراد لے، جس کی اس میں گنجائش پائی جاتی ہو، ضرورۃً اس انداز کی گفتگو کرنا درست ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب قوم نے تہوار میں چلنے اور عید منانے کی خواہش کی تھی تو انہوں نے جواب دیا، انی سقیم، میں بیمار ہوں، یہ گویا ایک طرح کا توریہ ہی تھا جس میں قلبی تکلیف اور دلی رنج کا اظہار مقصود تھا، غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ جہاں کا قصد ہوتا دوٹوک لفظوں میں وہاں کا نام نہیں لیتے، مبہم انداز میں کہتے کہ فلاں طرف کا قصد ہے۔ (قاموس الفقہ : ۵۴۶/۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا کو چھوڑ کر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہونے کا حکم:

سوال: قرآن وحدیث میں اپنے گناہوں سے معافی مانگنے اور اپنی حوائج کے لیے دعا کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، لیکن اگر کسی شخص کو وقت نہ ملے قرآن کی تعلیم وتعلّم وتلاوت میں مشغول ہونے کی وجہ سے، تو کیا یہ وقت توبہ واستغفار کے وقت کے برابر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قرآنِ کریم کی تلاوت وتعلیم وتعلّم اور اس کے حفظ کی کوشش اور مہارت پیدا کرنے میں مشغول ہونا یہ بہت ہی بہتر اور افضل ترین عمل ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا بہتر اجر عطا فرمائیں گے لیکن دعا اور توبہ واستغفار کے لیے کچھ وقت مخصوص کرنا چاہیے بلکہ نماز کے بعد اذان واقامت کے درمیان اور چلتے پھرتے بھی دعا کرتے رہنا چاہیے، دعا بھی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں روایت ہے:

عن عمرو بن قيس، عن عطية، عن أبي سعيد، قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول الرب عزوجل: من شغله القرآن عن ذكري ومسألتي أعطيته أفضل ما أعطى السائلين، وفضل كلام اللّٰه على سائر الكلام كفضل اللّٰه على خلقه، هذا حديث حسن غريب. (رواه الترمذی: ۲/۱۲۰، ط: فیصل).

ترمذی شریف کی شرح قوت المغتذی میں ہے:

وقال الشيخ عزالدين بن عبدالسلام في أماليه: هذا الحديث يدل على تقديم الذكر على الدعاء، وقوله تعالىٰ: ادعوني استجب لكم، قل ما يعبأ بكم ربي لولا دعاؤكم، ادعوا ربكم تضرعاً وخفية، هذه الآيات تدل على الأمر بالدعاء، قال ووجه الجمع بين الظواهر: إن الأوقات على ثلاثة أقسام: وقت دل الدليل الشرعي على أن الدعاء فيه أفضل كوقت السجود، فيقدم الدعاء، ويكون راجحاً، ووقت دل الدليل على أن الذكر أفضل كوقت الركوع لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: أما الركوع فعظموا فيه الرب، وأما السجود فأكثروا فيه من الدعاء، فيقدم الذكر، ووقت لم يدل فيه دليل على أحدهما فيقدم الذكر لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: من شغله ذكري عن مسألتي. (قوت المغتذی علی حاشیة سنن

الترمذی: ۲/ ۱۲۰، ط: فیصل).

مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح میں مرقوم ہے:

قیل: شغل القرآن القیام بمواجبه وحقوقه ومسألتي أی لا یظن المشغول به أنه إذا لم یسأل لم یعط حوائجه علی أکمل العطاء فإنه من کان للّٰه کان اللّٰه له. (مرقاة المفاتیح: ۴/ ۳۵۵، ط: امدادیه ،ملتان). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گالی کا جواب گالی سے دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے یا کسی کافر نے کسی مسلمان کو ماں، بہن کی گالی دی تو اس کے جواب میں اس کو ماں بہن کی گالی دینا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح ابتدا میں کوئی مسلمان کسی کافر کو گالی دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ابتدا میں کسی کو گالی دینا، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، بڑا گناہ اور ناجائز ہے اور یہ فسق وفجور کی علامت ہے، نیز اگر کوئی گالی دے تو اس کے جواب میں اسی کے مثل الفاظ کہنا جس سے حد لازم نہ آتی ہو اور بالکل فحش نہ ہو گنجائش ہے، بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ کرے، ہاں معاف کردینا اعلیٰ درجہ ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ مسلمان کا گالی دینا فسق کی علامت ہے:

عن شقیق قال: قال عبد اللّٰه: قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله کفر. (رواه البخاری ۲/ ۱۰۴۸،ط: فیصل).

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وأن تعفو أقرب للتقوی﴾ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک آدمی گالی کا جواب نہ دے فرشتہ اس کی طرف سے جواب دیتا ہے:

عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ أن رجلاً شتم أبابکر والنبي صلی اللّٰه علیه وسلم جالس، فجعل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم یعجب ویتبسم ، فلما أکثر رد علیه بعض قوله ، فغضب النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وقام ، فلحقه أبوبکر، فقال: یارسول اللّٰه ! کان یشتمني وأنت جالس، فلما رددت علیه بعض قوله ، غضبت وقمت، قال: إنه کان معک ملک یرد عنک ، فلما رددت علیه بعض قوله، وقع الشیطان، فلم أکن لأقعد مع الشیطان، ثم قال: یا أبا بکر ثلاث کلهن حق: ما من عبد ظلم بمظلمة فیغضي عنها للّٰه عزوجل، إلا أعز اللّٰه بها نصره ، وما

فتح رجل باب عطية ، يريد بها صلة ، إلا زاده الله بها كثرة ، وما فتح رجل باب مسألة ، يريد بها كثرة ، إلا زاده الله عز و جل بها قلة . قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره .

(أخرجه الإمام أحمد في مسنده : ۱۵/۳۹۰/۹۶۲۴).

البتہ اگر فحش الفاظ میں گالی دے مثلاً: ماں، بہن کی گالی دے تو اس کے جواب میں فحش گالی دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ مومن کی شان اور اسلامی تہذیب واخلاق کے خلاف ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: المستبان ما قالا فعلى البادئ ما لم يعتد المظلوم . (رواه مسلم : ۲/۳۲۱/۲۵۸۷،باب النهى عن السباب، قديمى).

قال الإمام النووي في شرح هذا الحديث: معناه أن إثم السباب الواقع من اثنين مختص بالبادى منهما كله إلا أن يتجاوز الثاني قدر الانتصار فيقول للبادى أكثر مما قال له وفي هذا جواز الانتصار ولا خلاف في جوازه وقد تظاهرت عليه دلائل الكتاب والسنة قال اللّٰه تعالىٰ: ولمن انتصر بعد ظلمه فأولئک ما عليهم من سبيل ، وقال تعالىٰ: والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون، ومع هذا فالصبر والعفو أفضل قال اللّٰه تعالىٰ: ولمن صبر وغفر إن ذلک لمن عزم الأمور ، وللحديث المذكور بعد هذا ما زاد اللّٰه عبداً بعفو إلا عزاً ... ولايجوز للمسبوب أن ينتصر إلا بمثل ما سبه ما لم يكن كذباً أو قذفاً أو سباً لأسلافه فمن صور المباح أن ينتصر بياظالم يا أحمق أو جافي أو نحو ذلک لأنه لا يكاد أحد ينفک من هذه الأوصاف . (شرح صحيح مسلم: ۲/۳۲۱، قديمى).

اسلامی اخلاق میں سے یہ ہے کہ مسلمان کسی دوسرے کو لعن طعن نہ کرے اور نہ فحش کلامی کرے، نہ بدزبانی سے پیش آئے۔ ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذى . هذا حديث حسن غريب . (رواه الترمذى : ۲/۱۸، ط: فيصل).

ایک حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن مومن کی میزان میں سب سے زیادہ بھاری اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فحش کلامی کرنے والے اور بدزبانی کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔ ترمذی شریف میں ہے:

عن أم الدرداء عن أبی الدرداء أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من شيء أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن وإن الله ليبغض الفاحش البذی. (رواہ الترمذی: ۱۸/۲، ط: فیصل).

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے:

جس لفظ پر حد لازم نہیں آتی ہو، بدلے میں ایسے لفظ کی گنجائش ہے، لیکن معاف کردینا اعلیٰ مقام ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۲۴/۲۵۱، جامعہ فاروقیہ)۔

شیخ سعدیؒ نے بہت خوب فرمایا:

بدی را بدی سہل باشد جزا ۞ اگر مردی احسن الی من اسا

یعنی برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو بہت آسان ہے ہاں اگر آپ مردِ کامل ہو تو برائی کرنے والے کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قتل کی نیت سے مریض سے کھانا روکنے کا حکم:

سوال: ایک بوڑھا شخص ہے جو منہ سے کھانا نہیں کھا سکتا، اس لیے کہ اس کے پھیپھڑے خراب ہیں، کھانا کھاتا ہے تو قئی ہو جاتی ہے، ڈاکٹر نے اس کو پائپ کے ذریعہ پیٹ میں کھانا پہنچانے کے لیے بتایا ہے، اور کافی دنوں سے اس کی حالت اسی طرح ہے، اب ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اس طرح کھانا نہ دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ مرجائے، اس میں مریض کے لیے آسانی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام میں انسان قابل احترام ہے، اور انسان کا جسم اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، بطورِ عاریت استعمال کرتا ہے، جسم کا مالک نہیں ہے، بنابریں جسم کے ساتھ ایسا کوئی کام کرنا جس سے نقصان پہنچے جائز اور درست نہیں ہے، جان کا تحفظ مقاصدِ دین میں سے ہے اور کھانا جسمِ انسانی کے تحفظ کا اولین زینہ ہے تو کھانا ترک کرنا تاکہ مرجائے یہ خودکشی کے حکم میں ہوگا اور شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔

قال في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ومن امتنع عن أكل الميتة حال المخمصة أو صام ولم يأكل حتى مات أثم، لأنه أتلف نفسه لما بينا أنه لا بقاء إلا بالأكل، والميتة حال

المخمصة إما حلال أو مرفوع الإثم فلا يجوز الامتناع عنه إذا تعين لإحياء النفس . (مجمع الانهر : ۵۲۴/۲).

قال في الفتاوى الهندية : لو جاع ، ولم يأكل مع قدرته حتى مات يأثم . (الفتاوى الهندية: ۳۳۸/۵).

فتاوی الشامی میں ہے:

فإن ترک الأكل والشرب حتى هلک فقد عصى؛ لأن فيه إلقاء النفس إلى التهلكة وأنه منهي عنه في محكم التنزيل . (فتاوى الشامي : ۳۳۸/۶، سعيد).

مجمع الانہر میں ہے کہ ایک شخص بھوکا ہے اور ساتھیوں کے پاس کھانا ہے وہ خریدنا چاہتا ہے تو اگر ساتھی نہ دے اور بھوکا مر جائے تو ساتھی کو قتل کا گناہ ہوگا۔عبارت ملاحظہ کیجئے:

خاف الموت جوعاً أو عطشاً ومع رفيقه طعام أو ماء أخذ بالقيمة منه قدر ما يسد جوعته أو عطشه فإن امتنع قاتل بلا سلاح . (مجمع الأنهر : ۵۲۴/۲ ، وكذا في فتاوى الشامي: ۳۳۸/۲ ، سعيد).

اسلام میں تین صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا حرام ہے۔(۱) کسی کو ناحق قتل کردے۔(۲) شادی شدہ زنا کرے۔(۳) مرتد ہوجائے۔اس کے علاوہ کسی کا قتل جائز نہیں۔ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله ، إلا بإحدى ثلاث ، النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارک للجماعة . (رواه البخاري : ۱۰۱۶/۲).

مریض کے رشتہ داروں کو صبر سے کام لینا چاہئے اگرچہ بظاہر اس میں مریض کو تکلیف ہے لیکن مسلمان کی بیماری کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله ! أرأيت هذه الأمراض التي تصيب أبداننا، مالنا بها ؟ قال: الكفارات ، قال أبي بن كعب: وإن قل ذلک يا رسول الله ! قال: وإن شوكة فما وراء ها. (شرح مشكل الآثار: ۲۰۵/۵).

وعن أبي سعيد رضي الله عنه وأبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما يصيب

المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا أذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفر الله بها من خطاياه . (رواه البخاری ، رقم: ۵۶۴۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طالبِ علم کا نفقہ باپ پر لازم ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا بالغ بیٹا کالج یا مدرسہ میں پڑھ رہا ہے تو اس کا خرچ باپ کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بقدرِ ضرورت علمِ دین حاصل کرنے والے بالغ لڑکے کا خرچ باپ کے ذمہ واجب ہے باقی بڑی بڑی ڈگریوں کے حصول کا خرچہ باپ کے ذمہ لازم نہیں ہے، ہاں اپنی مرضی سے دے دے تو کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

ونفقة الأولاد الصغار على الأب إذا كانوا فقراء...وإنما تجب إذا كان فقيراً به زمانة لايقدر على الكسب، أو تكون أنثى فقيرة، وكذا من لايحسن الكسب لخرقه أو لكونه من البيوتات، أو طالب علم... (الاختيار لتعليل المختار : ۴/۹۔۱۱، باب النفقة، ط: دارالكتب العلمية بيروت).

قال فی البحر الرائق: وأما البالغ الفقير فلا بد من عجزه بزمانة أو عمی... أو طالب علم لا يتفرغ لذلک . (البحرالرائق ۴/۲۲۸،دارالمعرفة).

(وكذا فی الدر المختار: ۳/۶۲۸، سعيد ، وتبيين الحقائق: ۴/۶۴، امداديه ، ملتان، ومجمع الأنهر: ۲/۱۹۷، ط: دارالكتب العلمية).

قال فی الهندية : وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لايهتدون إليه لاتسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة ولهم رشد وإلا لا تجب كذا فی الوجيز الكردری. (الفتاوی الهندية: ۱/۵۶۳،الفصل الرابع فی نفقة الاولاد). (وكذا فی فتح القدير: ۴/۴۱۰، دارالفكر،ولسان الحكام ، ص ۳۴۰، الفصل الرابع عشر ،والفقه الاسلامی وادلته: ۷/۷۷۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دینی کام کی کارگزاری سنانے کا حکم:

سوال: تبلیغی حضرات جو کارگزاریاں سناتے ہیں کیا وہ ریا کے زمرہ میں تو نہیں آتیں؟ نیز خیر القرون

میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ریا اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے محاسن واعمال کو بتائے تاکہ لوگوں میں مشہور ہوجائے، لیکن اگر بہ نیتِ ترغیب اور دینی فائدہ کی خاطر بیان کرے تو اس کی گنجائش ہے، صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہ صحابہ کرام ترغیب اور فائدہ کی خاطر اپنے اعمال لوگوں میں بیان کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں کارگزاری بیان کرنے سے متعلق باب قائم کیا ہے: "**باب من حدث بمشاهده في الحرب**" اور اس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے: **عن السائب بن يزيد قال: صحبت طلحة بن عبيد الله وسعداً والمقداد بن الأسود وعبد الرحمن بن عوف فما سمعت أحداً منهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا أني سمعت طلحة يحدث عن يوم أحد**. (صحيح البخاري: ۱/۳۹۶).

عمدة القاري میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أراد بهذا أن للرجل أن يحدث بما تقدم له من العناء في إظهار الإسلام وإعلاء كلمته ليتأسى بذلك المتأسي ويقتدى به ليرغب الناس في ذلك وأما الذي يحدث لإظهار شجاعته والافتخار بما صنع فذلك لا يجوز. (عمدة القاري: ۱۰/۱۳۵).

وفي شرح صحيح البخاري لابن بطال: إنما لم يحدث هؤلاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والله أعلم خشية التزيد والنقصان...وأما حديث طلحة عن مشاهده يوم أحد، ففيه من الفقه: أن للرجل أن يحدث عما تقدم له من العناء في إظهار الإسلام وإعلاء كلمته، وما نفذ فيه من إعمال البر والموجبات غير النوافل؛ لأنه كان عليهم نصر الرسول وبذل أنفسهم دونه فرضاً؛ ليتأسى بذلك متأس، ولايدخل ذلك في باب الرياء...وكان طلحة من أهل النجدة، وثبات القدم فى الحرب...فلهذا حدث طلحة عن مشاهده يوم أحد؛ ليقتدى به ويرغب الناس في مثل فعله، والله أعلم. (شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۵/ ۳۶، ۳۷، كتاب الجهاد، ط: مكتبة الرشد).

عن ابن عباس رضي الله عنه **أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل الخلاء فوضعت له وضوءاً**

قال: من وضع هذا فأخبر فقال: اللّٰهم فقهه فی الدین . (رواه البخاری ، رقم : ۱۴۳).

وعن عامر بن شراحيل الشعبي شعب همدان أنه سال فاطمة بنت قيس أخت الضحاک بن قيس وكانت من المهاجرات الأول فقال حدثيني حديثاً سمعتيه من رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لا تسنديه إلى أحد غيره فقالت: لئن شئت لأفعلن فقال لها أجل حدثيني فقالت:...ثم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أتدرون لم جمعتكم قالوا اللّٰه ورسوله أعلم قال: إني واللّٰه ما جمعتكم لرغبة ولا لرهبة ولكن جمعتكم لأن تميما الدارى كان رجلاً نصرانياً فجاء فبايع وأسلم وحدثني حديثاً وافق الذى كنت أحدثكم عن مسيح الدجال حدثني أنه ركب في سفينة بحرية مع ثلاثين رجلاً من لخم وجذام فلعب بهم الموج شهراً فی البحر ...الخ. (رواه مسلم ،رقم: ۲۹۴۲ ،باب قصة الجساسة).

وعن ثمامة بن حزن القشيری قال: شهدت الدار حين أشرف عليهم عثمان فقال: ائتوني بصاحبيكم اللذين ألباكم علي قال: فجیء بهما فكأنهما جَمَلان أوكأنهما حماران قال: فأشرف عليهم عثمان رضی اللہ عنہ فقال: أنشدكم باللّٰه والإسلام هل تعلمون أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب غير بئر رومة فقال: من يشترى بئر رومة فيجعل دلوه من دلاء المسلمين بخير له منها فی الجنة ؟ فاشتريتها من صلب مالي فأنتم اليوم تمنعوني أن أشرب منها حتى أشرب ماء البحر ،قالوا: اللّٰهم نعم قال: أنشدكم باللّٰه والإسلام هل تعلمون أن المسجد ضاق بأهله فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من يشترى بقعة آل فلان فيزيدها فی المسجد بخير منها فی الجنة؟ فاشتريتها من صلب مالي ، فأنتم اليوم تمنعوني أن أصلی فيها ركعتين قالوا: اللّٰهم نعم ، قال: أنشدكم باللّٰه والإسلام هل تعلمون أني جهزت جيش العسرة من مالي ؟ قالوا : اللّٰهم نعم، ...الخ. (رواه الترمذی ، رقم: ۳۷۰۳ ،باب فی مناقب عثمان بن عفان ؓ).

صحابہ کرام اور سلف کی ایک جماعت تہجد مساجد میں ادا کرتی تھیں تاکہ لوگوں کو پتا چلے اور اپنے اچھے اعمال کا لوگوں میں تذکرہ کرتے تھے تاکہ دوسروں کو بھی رغبت حاصل ہو۔

ملاحظہ ہو شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ہے:

وقد روي عن عمرؓ وعثمانؓ وابن مسعودؓ وجماعة من السلف أنهم كانوا يتهجدون من الليل في مساجدهم بحيث يعلم ذلك من فعلهم معارفهم ، وكانوا يتذاكرون إظهار المحاسن من أعمالهم مع ما تواترت به الآثار أن أفضل العمل ما استسر به صاحبه ، وذلك على نوعين: فأما من كان إماماً يقتدى به ويستن بعمله ، عالماً بما للّٰه عليه في فرائضه ونوافله ، قاهراً لكيد عدوه ، فسواء عليه ما ظهر من عمله وما خفي منه ؛ لإخلاصه نيته للّٰه وانقطاعه إليه بعمله، بل إظهاره ما يدعو عباد اللّٰه إلى الرغبة في مثل حاله من أعماله السالمة أحسن . (شرح صحيح البخارى لابن بطال: ۱۰/ ۲۰۸،باب الرياء والسمعة،ط: مكتبة الرشد).

مذکورہ بالا احادیث اورشروحات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اپنی دینی خدمت کی کارگزاری ترغیب اور مصلحت ودینی فائدہ کی نیت سے بیان کی جائے تو درست ہے اور اگر اپنی شہرت مقصود ہو یا اپنی قربانیاں اور اپنے مجاہدے دوسروں پر جتلانا مقصود ہو تو ناجائز ہے اس سے بچنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پس پردہ بالغ لڑکیوں کا امتحان لینے کا حکم:

سوال: ہمارے مکاتب اور مدارس کا نظام یہ ہے کہ امتحانات کے لیے علماء کو مدعو کیا جاتا ہے، اور بالغ بچیوں کے ناظرہ وغیرہ کا امتحان علماء پردہ کے پیچھے سے لیتے ہیں صرف آواز سن سکتے ہیں بچیوں کو بالکل دیکھ نہیں سکتے تو کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ بالا کا مدار دراصل ایک دوسرے مسئلہ پر ہے وہ یہ کہ عورت کی آواز ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ چنانچہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے، بایں وجہ پس پردہ امتحان لینے کی گنجائش ہوگی، البتہ جہاں فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو وہاں بچنا چاہئے۔

اس مسئلہ کی تفصیلی بحث فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد ۷ میں ص ۲۲۸۔۲۳۰ پر گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، یہاں پر فقط ایک دو دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

احکام القرآن میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں:

حكم صوت المرأة : وقع الخلاف في صوت المرأة ، أنه من العورة فلا يجوز أن تتكلم بحيث يسمعها الأجانب ، أو ليس بعورة فيرخص لها فى التكلم ، والحق الحقيق عند

أربـاب التـحـقـيـق ، و هو أن صوت المرأة ليس بعورة في نفسه إلا أنه قد يكون سبباً للفتنة ، فكان من القسم الثاني من سد الذرائع ، فدار حكمه على الفتنة وعدمها فحيث خيفت الفتنة حـرم إبـداؤه وحيـث لا ، فـلا ، كيف وقـد حـرم الله سبحانه وتعالىٰ إظهار صوت الخلخال وأمثـالـه فقال: ولايضربن بأرجلهن ، لمظنة الفتنة فكيف يجوز إظهار صوت نفسها مطلقاً ؟

(احكام القرآن : ٤٨٢/٣،ط: ادارة القرآن).

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

کیاعورت کی آواز فی نفسہٖ ستر میں داخل ہےاور غیر محرم کوآواز سنانا جائز ہے؟اس معاملہ میں حضراتِ ائمہ کااختلاف ہے،امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کوستر میں داخل نہیں کیا گیا،حنفیہ کےنزدیک بھی مختلف اقوال ہیں،ابن ہمامؒ نےنوازل کی روایت کی بناپرستر میں داخل قراردیاہے،اسی لیے حنفیہ کےنزدیک عورت کی اذان مکروہ ہےلیکن حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات نزولِ حجاب کے بعدبھی پس پردہ غیرمحارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل عورت کی آواز سے فتنہ پیداہونیکاخطرہ ہووہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہوجائزہے (جصاص)اوراحتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیرمحرموں سے گفتگونہ کریں۔واللہ اعلم۔(معارف القرآن:٦/٤٠٦،و٧/١٢٣،ادارة المعارف)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تبلیغ کے لیے جدید ذرائع استعمال کرنے کا حکم:

سوال: تبلیغ کے لیےانٹرنیٹ اوردیگرجدیدذرائع کااستعمال جائزہے یانہیں؟

الجواب: ”نئے مسائل اورعلمائے ہند کے فیصلے“میں مذکور ہے:

اسلام کی نشرواشاعت اوراس کی حفاظت وبقاکے لیے ہرممکن جدوجہدوسعی امت مسلمہ کااہم فریضہ ہے۔ ”وأعـدوا لهـم مـا استطعتم من قوة“ کےمطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے لیےجدیدوقدیم ہرممکن جائز ذریعہ ووسیلہ کااستعمال کرناضروری ہے،ابلاغ وترسیل کےجدیدذرائع میں ریڈیوکااستعمال دینی مقاصد کے لیے کوئی قباحت نہیں رکھتا،خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہویاپروگرام میں عملاً شرکت کرکے ہویاخوداپناریڈیواسٹیشن قائم کرکے۔

بنیادی طورپرانٹرنیٹ آج کے زمانہ کاسب سے اہم ذریعہ ابلاغ ہے،اس کی حیثیت اپنی بات دوسروں

تک پہنچانے کے لیے ایک ذریعہ ووسیلہ کی ہے،اور ذرائع کا حکمِ شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لیے ہو رہا ہے، ذرائع ووسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لیے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لیے ناجائز ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں شرکائے سمینار کی رائے یہ ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرماتِ شرعیہ سے بچا جائے۔

ایک اہم سوال ان چینلز (channels) کے حکمِ شرعی کا ہے جو خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لیے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کیے جارہے ہیں، اور ہر طرح کی فحاشی وعریانی سے پاک اور خالی ہیں تو کیا ان سے استفادہ جائز ہوگا یا نہیں؟ تمام شرکائے سمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے۔ (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۵۱-۱۵۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیخ سے فروعی مسائل میں اختلاف کا حکم:

سوال: زید عالم ہے کیا اس کے لیے فروعی مسائل میں اپنے شیخ سے اختلاف کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ نیز اگر عملِ شیخ اور مسئلہ شرعی میں بظاہر اختلاف نظر آئے تو کس کو ترجیح دینی چاہئے؟ ایک عالم صاحب نے بتایا کہ مسائل الگ ہیں اور مزاجِ شریعت الگ ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عالم کو عالم ہونے کی حیثیت سے مسائل فرعیہ اور فقہی تحقیقات میں اپنے شیخ سے اختلاف کی گنجائش ہے، اس کی وجہ سے باطنی فیض پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اور مسائل شرعیہ فرعیہ اور مزاجِ شریعت ایک ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض مرتبہ مسائل شرعیہ فرعیہ میں رخصت وعزیمت کے دو پہلو ہوتے ہیں اور شیخ عزیمت پر عمل کرے تو اس کی وجہ سے "**الأجر بقدر التعب**" کے قاعدہ سے ان کو دوہرا اجر ملے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ مکہ مکرمہ میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت فرماتے تھے، کسی نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا تو حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے حاجی صاحبؒ سے اصلاحِ نفس میں بیعت کی ہے مسائل میں بیعت نہیں کی ہے۔ مستفاد از (تحفۃ العلماء، ص ۳۰۲-۳۰۳)۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحبؒ نے ماہنامہ "البلاغ" میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بارے میں لکھا ہے:

فتویٰ کی ذمہ داری آ جانے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ سے خط وکتابت کا رنگ بھی خاصا بدل گیا تھا، ان خطوط میں اب بڑا حصہ پیچیدہ تحقیقات نے لے لیا تھا، بعض اوقات کسی مسئلہ کی تحقیق میں مرشد اور مرید کا اختلاف بھی ہو جاتا تھا، صفحے کے صفحے اپنے اپنے دلائل اور اشکالات کے جواب میں بذریعہ خطوط لکھے جاتے، کبھی مرید اپنے مرشد کی تحقیق کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیتا، کبھی مرشد مرید کی تحقیق کو ترجیح دے کر اپنی رائے سے رجوع کر لیتا اور اگر کبھی ایک دوسرے کے دلائل میں غور وفکر اور باہمی مشوروں کے باوجود اختلافِ رائے باقی رہتا تو مسئلہ دریافت کرنے والے سے اختلاف کا اظہار کر دیا جاتا تاکہ اسے جس کے فتویٰ پر زیادہ اطمینان ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ (ماہنامہ ''البلاغ''ص ۱۵۷)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

علم وتحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں ایک طالبِ علم کو کسی دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض مقامات پر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت والد صاحب کا طرزِ عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب واحترام اس سے اختلافِ رائے کے اظہار میں مانع ہوا، اور نہ کبھی اختلافِ رائے نے ادب واحترام میں ادنی رخنہ اندازی کی، آپ نے بعض مسائل میں بڑے بڑے علماء سے بھی اختلاف کیا، بلکہ اپنے شیخ ومربی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بھی چند فقہی مسائل میں اختلافِ رائے رہا۔ (البلاغ، ص ۴۴۵)۔

احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:

شریعت احکامِ ظاہرہ وباطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکامِ باطنہ کو کہا جاتا ہے اس لیے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے، شریعت کے تمام احکامِ ظاہرہ وباطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ وتشریعیہ کا انکشاف ہوتا ہے یہ حقیقت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۵۴۹)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے: **(خانقاہ تھانہ بھون میں آپ کی خصوصیت):**

... اگرچہ حضرت تھانویؒ کے تمام ہی خلفاء علم وعمل، اور دیانت وتقویٰ اور اصلاح وارشاد کے درخشاں آفتاب ہیں، لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنے پیرومرشد کے علمی مزاج کو سب سے زیادہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنایا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت کو فتاویٰ کے بارے میں سب سے زیادہ اعتماد حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی تحقیقات پر ہوتا تھا بارہا کسی علمی تحقیق پر اپنے کئی خلفاء کو مامور فرمایا کہ ہر ایک اپنی اپنی تحریر پیش کرے حضرت مفتی صاحبؒ

بھی ان میں شامل ہوئے اور اکثر و بیشتر آپ کی ہی تحریر کو پیر و مرشد سب سے زیادہ پسند فرما کر دعائیں دیتے حضرت تھانویؒ کو آپ کے فتاویٰ پر کس قدر اعتماد تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کئی بار حضرت تھانویؒ نے اپنے ذاتی معاملات میں حضرت مفتی صاحبؒ ممدوح سے فتویٰ طلب کر کے اس پر عمل فرمایا۔ ایک مرتبہ اپنی کسی ذاتی معاملہ میں حضرت تھانویؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے استفتاء فرمایا مفتی صاحبؒ نے جواب بھیجا تو حضرت تھانویؒ نے آپ کو خط میں لکھا کہ، آپ کا فتویٰ ملا اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے پڑھ کر دو خوشیاں ہوئیں ایک تو اس کی کہ علم حاصل ہوا، دوسری اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔ (امداد المفتین، جلد دوم، ص ۶۵، ابتدائیہ، ط: دارالاشاعت)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مابین بھی بہت سارے فقہی مسائل میں اختلاف تھا جس کی تفصیلات کتبِ فقہ میں مشہور و معروف ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام مزنی کے درمیان بھی بعض فقہی مسائل میں اختلاف تھا۔

ملاحظہ ہو المجموع شرح المہذب میں ہے:

قد ذكرنا أن الصحيح من مذهبنا أن الإفراد أفضل، وبه قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه و عثمان رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه وابن مسعود رضي الله عنه وابن عمر رضي الله عنه وجابر رضي الله عنه وعائشة رضى الله تعالىٰ عنها و مالكؒ والأوزاعيؒ وأبوثورؒ، وقال أبوحنيفةؒ وسفيان الثوريؒ وإسحاق بن راهويهؒ والمزنيؒ وابن المنذرؒ وأبو إسحاق المروزى: القران أفضل، وقال أحمد: التمتع أفضل، وحكى أبويوسفؒ أن التمتع والقران أفضل من الإفراد. (المجموع شرح المهذب: ۷/۱۵۲، دارالفكر).

شیخ محمد عوامہ ادب الاختلاف میں فرماتے ہیں:

حكم الاختلاف فى الفروع: لا يخفى على العاقل جواز الاختلاف في فروع الأحكام الشرعية عقلاً وشرعاً وأدل دليل على جوازه عقلاً: وقوعه، وأدل دليل على جوازه شرعاً: وقوعه من صدر الائمة وأفضلها بعد أنبياء الله تعالىٰ ورسله (عليهم السلام) **وهم الصحابة رضوان الله عليهم، وفيهم أبوبكر رضي الله عنه وعمر رضي الله عنه وبقية الخلفاء الراشدين، وبقية العشرة المبشرين وفقهاء الصحابة وعلماء هم بكتاب الله تعالىٰ... وتابعيهم إلى يومنا هذا.** (ادب الاختلاف للشيخ محمد عوامة، ۲۵، ط: دارالبشائر الاسلامية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کافر سے دعا کی درخواست کرنے کا حکم:

سوال: کیا کوئی شخص کسی غیر مسلم سے دعا کی درخواست کرسکتا ہے؟ مثلاً: یہ کہے کہ میرے لیے امتحان میں کامیابی اورتجارت میں کامیابی کی دعا کیجئے؟ بینواتوجروا۔

الجواب: اصح قول کے مطابق کافر کی دعا دنیوی اعتبار سے قبول ہوتی ہے اوروہ بھی استدراج ہے اور اخروی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں، نیز کافر اللہ تعالیٰ کے غضب کا محل ہے، اسی وجہ سے استسقاء میں ان کوشریک نہیں کیا جاتا، اگرچہ علامہ طحطاویؒ نے عدمِ شرکت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کمزور مسلمانوں کے لیے فتنہ کا باعث ہوگا کہ غیر مسلم کی وجہ سے بارش ہوئی، بہرحال کافر سے دعا کی درخواست نہیں کرنی چاہئے یہ غیرتِ ایمانی کے بھی خلاف ہے۔ملاحظہ ہوعلامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

ولأن المقصود بالخروج استنزال الرحمة وإنما تنزل عليهم اللعنة وإن جاز أن يقال يستجاب دعاء الكافر كما فى الخانية والحاصل أن علة منعهم من الحضور ليس عدم استجابة دعاء الكفار كما فهمه الحموي فجزم بأنهم لايمنعون من الحضور حيث كانت الفتوى على جواز استجابة دعاء الكافر استدلالاً بقوله تعالىٰ: حكاية عن إبليس ﴿قال أنظرني إلى يوم يبعثون قال إنک من المنظرين﴾، [الأعراف:الآية: ۱۴-۱۵] بل علة المنع إنما هي خوف أن يضل به ضعفاء العقول إذا سقوا بدعائهم فتحصل أنه لاينبغي تمكينهم من الخروج للاستسقاء أصلاً لا وحدهم لئلا يفتتن به ضعفاء العقول ولا مع المسلمين لأنه يكره أن يجتمع جمعهم إلى جمع المسلمين. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص: ۵۵۴، باب الاستسقاء، قديمى).

فتاوى الشامى میں ہے:

هل يجوز أن يقال: يستجاب دعاء الكافر فمنعه الجمهور للآية المذكورة ولأنه لايدعو الله لأنه لا يعرفه وإن أقر به تعالىٰ فلما وصفه بما لايليق به فقد نقض إقراره وما روى فى الحديث من أن دعوة المظلوم وإن كان كافراً تستجاب فمحمول على كفران النعمة وجوزه بعضهم لقوله تعالىٰ حكاية عن إبليس: أنظرني فقال تعالىٰ: إنک من المنظرين

[الاعراف: ۱۵] وهذا إجابة وإليه ذهب أبو القاسم الحكيم وأبو النصر الدبوسي وقال الصدر الشهيد وبه يفتى كذا في شرح العقائد للسعد وفى البحر عن الولوالجية أن الفتوىٰ على أنه يجوز أن يقال يستجاب دعاؤه . (فتاوى الشامي: ۲/۱۸۵، سعيد).

وللاستزادة راجع : (الدر المنتقى فى شرح الملتقى: ۱/۱۴۰، ومنحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۱۲۹، وروح المعانى : ۲۴/۷۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈرامہ میں عورتوں کو مردوں کا لباس اختیار کرنے کا حکم:

سوال: مدرسۃ البنات کے ایک سالانہ جلسہ میں کچھ لڑکیوں نے ایک ڈرامہ پیش کیا، جس میں لڑکیوں نے لڑکوں کا لباس پہنا تھا، ڈرامہ کی شکل یہ تھی کہ موت سے متعلق ایک مضمون پڑھا گیا جو تجہیز وتکفین کے مسائل پر مشتمل تھا پھر چند لڑکیوں نے لڑکوں والا لباس مثلاً: سفید کرتہ، پاجامہ اور سفید ٹوپی پہن کر ایک گڑیا پر کفن لپٹا کر اس کو کندھوں پر اٹھا کر مصنوعی قبرستان میں دفنایا۔ کیا تعلیم کی غرض سے یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورتوں کو مردوں والا لباس پہننا اوران کی مشابہت اختیار کرنا جائز اور درست نہیں ہے اگر چہ تھوڑی دیر کے لیے ہو اور تعلیم کی غرض سے ہو، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ باقی حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے مفید مکالمہ وغیرہ کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال . (صحيح البخارى : ۲/۸۷۴، باب المتشبهين بالنساء).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا، جلدِ ہفتم، ص۶۴۰-۶۴۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

احناف کے نزدیک مد کی صحیح مقدار اور مروجہ چند مد کی تحقیق:

سوال: احناف کے نزدیک مد کتنے گرام کا ہوتا ہے؟ اور کیا مد میں صاعِ حجازی اور صاعِ عراقی کے فرق کے اعتبار سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟ آج کل ایک مد مشہور ہے اور انگلینڈ کے بعض علماء اس کی خوب تشہیر کر رہے ہیں، نیز اس کی سند بھی بیان کی جاتی ہے، کیا وہ احناف کے ناپ کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذہبِ احناف میں مد ۶۸ء۷۹۶ گرام کا ہے، اور صاعِ حجازی اور صاعِ عراقی کے فرق کے

اعتبار سے مدمیں فرق ہوگا،صاعِ حجازی ۵ اور ایک ثلث رطل کا ہوتا ہے اور صاعِ عراقی ۸ رطل کا ہوتا ہے،تو اس لحاظ سے دونوں میں فرق ہے،البتہ علامہ شامیؒ کی تحقیق کے اعتبار سے حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ اہل حجاز کے یہاں رطل ۳۰ استار کا ہوتا ہے اور اہل عراق کے یہاں ۲۰ استار کا،تو نتیجہ کے اعتبار سے برابر ہے لیکن عملاً دونوں میں فرق ہے اس لیے بظاہر یہ صاع کا واقعی اختلاف ہے۔ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

في الزيلعي والفتح: اختلف في الصاع فقال الطرفان ثمانية أرطال بالعراقي وقال الثاني: خمسة أرطال وثلث، قيل: لا خلاف لأن الثاني قدره برطل المدينة لأنه ثلاثون استاراً والعراقي عشرون وإذا قابلت ثمانية بالعراقي بخمسة وثلث بالمديني وجدتهما سواء وهذا هو الأشبه... (فتاوى الشامي: ۳۶۵/۲،سعيد).

قاموس الفقہ میں مرقوم ہے:

صاع کی مقدار کے بارے میں یہ متفق علیہ ہے کہ ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں،لیکن خود مد کی مقدار میں فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کا اختلاف ہے،فقہاء حجاز کے نزدیک پانچ اور تہائی رطل ہے اور فقہاء عراق کے نزدیک آٹھ رطل ہے،لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے،کیونکہ اہل حجاز کے یہاں رطل تیس استار کا ہوتا ہے اور رطل عراقی بیس استار کا ہوتا ہے،اس طرح دونوں ہی برابر ہیں اور ان کی مقدار میں کوئی حقیقی فرق نہیں پایا جاتا،صاع موجودہ اوزان میں ۱۸ء۳ کیلوگرام کے برابر ہوتا ہے۔(قاموس الفقہ: ۲۱۶/۴)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک مد تھا جس کی سند حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہے کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے ناپ کر وہ مد بنایا تھا،اس مد کو حضرت تھانویؒ نے دومرتبہ بھر کر وزن کیا تو اسی کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا۔(امداد الاحکام: ۴۳/۲،وزنِ صاع کی تحقیق)۔

مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

بندہ کو معلوم ہوا کہ پیر وہیب اللہ شاہ صاحب پیر جھنڈو ضلع حیدرآباد کے پاس مد ہے،جو ان کے دادا مولانا رشد اللہ شاہ صاحب مدینہ طیبہ سے لائے تھے،مولانا رشد اللہ شاہ صاحب اچھے عالم تھے،وہ اسی مد سے صدقہ فطر ادا کرتے تھے،اور اس کے ساتھ کچھ نقد بھی دیتے تھے میں نے مد منگوا کر دیکھا،اس پر یہ عبارت لکھی

ہوئی تھی :

صنع هذا المد المشرف إبراهيم الغزنوى المدنى الحنفى على مد الشيخ أحمد بن الشيخ عبد القادر الطاهر المدنى الشافعي وهو صنع على مد مولانا أحمد بن مولانا على الإدريسى المالكى، وهو صنعه على مد أمير المؤمنين راجياً به البركة في بيته والمتابعة للنبي صلى الله عليه وسلم لأنه كال طعامه به وكان يتوضأ بمقداره ماء ، فى بعض أزمانه وتطهر بصاع وهو أربعة أمداد وبه تخرج صدقة الفطر عن كل رأس مدان من بر و دقيقة أو سويقة أو زبيب أو أربعة أمداد من تمر أوشعير وكان ذلك ثلاث عشرة وثلاث مأة وألف .

میں نے اسے گیہوں، ماش،اورمسور سے بھر کر وزن کیا تو حسبِ ذیل نتائج نکلے:

بلاتکویم	بتکویم
حنطہ: ۵۰تولہ	۵۵تولہ
ماش اسود:۵۲ونصف تولہ	۵۶ونصف تولہ
عدس:۵۳ونصف تولہ	۵۷ونصف تولہ

اس برتن کی تدویر بہ نسبت اس کا عموق کافی زیادہ ہے نیز نیچے سے کشادہ اور منہ تنگ شبیہ بالمخروط،اس لیے اس کی تکویم اور غیر تکویم دونوں صورتوں کے وزن میں کوئی خاص فرق نہیں ، بہرکیف وزن مذکور عام محققین علماء کے متعین کردہ وزن سے بہت کم ہے۔(احسن الفتاویٰ:۴/ ۳۸۹،بسط الباع لتحقیق الصاع)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ ''اوزانِ شرعیہ'' کے آخر میں مرقوم ہے:

مدیا من: ۶۵، ۱۳چھٹانک ۔۶۸ ء۷۹۶گرام ۔(اوزانِ شرعیہ،ص:۶۲،ط:ادارۃ المعارف،کراچی)۔

مجمع البحرین کے مقدمہ میں الیاس قبلان نے لکھا ہے:

المد عند الحنفية : ۸۱۳ء۵ جم ، وعند الجمهور: ۵۱۰ جم . (مقدمة مجمع البحرين، ص ۴۲، بيروت).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رشیدیہ،ص۴۳۲،وعزیز الفتاویٰ:۳۶۱،وزن صاع کی تحقیق،وامداد المفتین:۳۸۲،وزن صاع کی تحقیق،وکفایت المفتی:۶/ ۲۸۵،صاع کی تحقیق،کراچی)۔

آج کل تین قسم کے مد لوگوں میں مشہور اور معروف ہیں: (۱) پلاسٹک سے بنا ہوا مد:

اس مد پر ایک سند مرقوم ہے: **سند مد النبي صلى الله عليه وسلم: سيدنا محمد رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم، زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ، أبو إسحٰق، وأبو جعفر، أبوبكر أحمد خالد بن إسماعيل، أبوجعفر أحمد ، أبوجعفر أحمد على، أبومنصور إبراهيم النجاشي،حسين اليشكرى، مولانا يعقوب، أبوالحسن عبد الحق، أبوالحسن الصادق ، محمد الحياة، شاه رفيع الدين، شاه محمد إسحٰق،عبد القيوم،محمد أحمد،عبد الحي كفليتوى،يوسف متالا.**

گیہوں سے بھر دے تو: ۶۱۵ گرام۔

شکر سے بھر دے تو: ۷۰۵ گرام بہ تکویم،۶۸۶ گرام بلاتکویم۔

پانی سے بھر دے تو: ۷۵۰ ملی لیٹر۔

(نوٹ): اس مد کا وزن عام حنفی مد کے وزن سے بہت کم ہے۔

اس مد کے بارے میں الجواہر الزواہر میں لکھا ہے: ایک پیمانہ ہے جو صاع کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے برابر تھا معہ سند کے بھیجا۔ (الجواہر الزواہر،ص۱۰)۔

(۲) پیتل سے بنا ہوا مد:

اس مد پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے لیکن مکمل سند مرقوم نہیں ہے۔

عجوہ کھجور سے بھر دے تو: ۵۸۵ گرام،

گیہوں سے بھر دے تو: ۷۲۰ گرام،

شکر سے بھر دے تو: ۷۹۷ گرام بتکویم، اور ۷۷۵ گرام بلاتکویم۔

پانی سے بھر دے تو: ۸۵۰ ملی لیٹر۔

یہ پیتل والا مد احناف کے مد سے زیادہ قریب ہے۔

(۳) لوہے سے بنا ہوا مد: اس مد پر کوئی چیز مرقوم نہیں ہے، بالکل سادہ ہے۔

شکر سے بھر دے تو: ۷۱۵ گرام۔

گیہوں سے بھر دے تو: ۶۶۰ گرام۔

پانی سے بھر دے تو: ۸۰۰ ملی لیٹر۔

خلاصہ یہ ہے کہ پیتل کا بنا ہوا مد احناف کے مد سے زیادہ قریب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وعظ ونصیحت کے لیے اجتماع قائم کرنے کا حکم:

سوال: وعظ ونصیحت کے جو اجتماعات ہوتے ہیں وہ مندوب اور مستحب ہیں یا فرض کفایہ میں داخل ہیں، اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وعظ کی مجلس میں وعظ ونصیحت کرنا مندوب یا سنت ہے فرض نہیں ہے۔

قال في الهدية العلائية: التذكير على المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الأنبياء والمرسلين. (الهدية العلائية، ص۲۱۷). (وكذا الدر المختار: ۶/۴۲۱، سعيد).

ومسجد أستاذه لدرسه أو لسماع الأخبار أفضل من الجوامع وما بعدها . (الهدية العلائية، ص۲۳۰). (وكذا في الدر المختار: ۱/۶۵۹، سعيد).

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں احادیث اور وعظ سنانے کا انتظام ہو اس میں جانا بہتر ہے لازم نہیں۔ نیز علم کی مجلس میں قدرِ ضرورت سے زائد علم حاصل کرنا بھی فرض وواجب نہیں۔

قال في الفتاوى السراجية : طلب العلم فريضة بقدر ما يحتاج إليه لأمر لا بد منه من أحكام الوضوء والصلاة و سائر الشرائع و لأمور معاشه و ماوراء ذلك ليس بفرض فإن تعلمها فهو أفضل وإن تركها فلا إثم عليه . (الفتاوى السراجية، ص۳۱۰، وكذا في الفتاوى الهندية : ۵/۳۷۷).

فتاوی ہندیہ میں مرقوم ہے:

اگر غالب گمان ہے کہ مخاطبین امر بالمعروف قبول کریں گے تو واجب ہے اور اگر غالب گمان ہے کہ سب وشتم یا پٹائی کریں گے اور صبر مشکل ہو یا قتل وقتال ہوگا تو ترک بہتر ہے اور اگر پٹائی پر صبر کر سکتا ہے تو پھر نہی عن المنکر کر سکتا ہے اور اگر یہ یقین ہے کہ بات نہیں مانیں گے مگر سب وشتم بھی نہ کریں گے تو اختیار ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

ذكر الفقيه في كتاب البستان: إن الأمر بالمعروف على وجوه : إن كان يعلم بأكبر رأيه أنه لو أمر بالمعروف يقبلون ذلك منه ويمتنعون عن المنكر فالأمر واجب عليه و لايسعه تركه ولو علم بأكبر رأيه أنه لو أمرهم بذلك قذفوه وشتموه فتركه أفضل و

كـذلك لـو عـلـم أنهـم يضربونه ولا يصبر على ذلك ويقع بينهم عداوة ويهيج منه القتال فتركه أفضل ولو علم أنهم لو ضربوه صبر على ذلك ولا يشكو إلى أحد فلا بأس بأن ينهى عن ذلك وهو مجاهد ولو علم أنهم لايقبلون منه ولا يخاف منه ضرباً ولا شتماً فهو بالخيار و الأمر أفضل كذا فى المحيط . (الفتاوى الهندية: ۳۵۳.۳۵۲/۵).

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے:

الأمـر بـالـمـعـروف واجـب إذا علم أنهم ليستمعون قوله فعليه الأمر بالمعروف وإن لحقه الضرر . (الفتاوى السراجية،ص ۳۲۰).

اگلے صفحہ پر مذکور ہے: اگر کسی کے کپڑے میں نجاست دیکھ لے اگر ظن غالب ہو کہ بات مانے گا تو بتلانا ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں ہے۔ قـال: رجـل رأى عـلـى ثـوب إنسـان نجـاسة أكثر من قدر الـدرهـم ، إن وقـع فـي قـلـبـه أنـه لـو أخبره بذلك اشتغل بغسله لم يسعه أن لا يخبره ، لأن الإخبـار مـفـيـد، وإن وقـع فـي قـلـبـه أنـه لو أخبره لا يلتفت إلى كلامه كان في سعة من أن لا يخبره. (الفتاوى السراجية،ص ۳۲۱، كتاب الكراهية والاستحسان).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے:

عـن أبـي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أباعبد الرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم ؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم ، وأنـي أتـخولكم بالموعظة ، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها ، مخافة السأمة علينا. (رواه البخارى : ۱/۱٦/۱/۷۰).

اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہفتے میں ایک دفعہ منبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے تھے (المستدرک :۱/۱۹۰، کتاب العلم)، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہر جمعہ قبل از خطبہ احادیث سنایا کرتے تھے۔(مسند احمد: ۴۴۹/۳، دارالفکر)۔

وعظ ونصیحت کے اجتماع کے متعدد فوائد ہیں:۔

(۱) اجتماعات میں شرکت کرنے سے دینی جذبہ قوی ہوتا ہے۔

(۲) اس جذبہ کے اثر سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) گھر کے ماحول کو درست کرنے کی بھی فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۴) علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ایمان میں پختگی آتی ہے۔

(۵) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ زندگی کو سن کر قلب میں اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

ماخوذ از : (فتاویٰ محمودیہ:۴/۲۷۱، جامعہ فاروقیہ)۔

فرضِ کفایہ اور مستحب کے درمیان فرق:۔

فرضِ کفایہ وہ ہے جس کا کرنا مجموعی اعتبار سے سب پر ضروری ہو البتہ چند کے کرنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو تمام گنہگار رہوں گے۔

مستحب وہ ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کبھی کیا ہو اور سلفِ صالحین نے پسند کیا ہو۔ اس کے کرنے میں ثواب ہے نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔اس کو نفل، مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہوا کہ اگر مستحب کو تمام بستی والے چھوڑ دیں تو کوئی بھی گنہگار نہیں ہوگا اور فرضِ کفایہ کو سب لوگ چھوڑ دیں تو بستی کے تمام لوگ گنہگار رہوں گے۔

مذکورہ بالا نقول سے معلوم ہوا کہ وعظ ونصیحت کے اجتماعات مستحب اور مندوب کے درجہ میں ہیں شریک ہو جائے تو فائدہ سے خالی نہیں اور شریک نہ ہو تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اگر کسی کو مسئلہ معلوم ہو تو اس کی تبلیغ کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کو ایک مسئلہ معلوم ہے تو اس کی تبلیغ کرنا فرضِ کفایہ ہے یا مستحب ہے؟ اور اگر لوگوں کو ایک مسئلہ معلوم ہے تو اس کی تبلیغ کرنا فرض ہے یا مندوب؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر کسی بستی والوں کو کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہے تو ان تک پہنچانا فرضِ کفایہ ہے اور اگر پہلے سے وہ جانتے ہیں تو پھر دوسری مرتبہ تبلیغ کے لیے جانا مستحب ہے۔

مستحب اور فرضِ کفایہ میں فرق یہ ہے کہ مستحب کو چھوڑنے سے کوئی گنہگار نہیں ہوگا اور فرضِ کفایہ کو سب چھوڑ دیں گے تمام گنہگار رہوں گے مثلاً: پوری بستی کے لوگ اشراق کی نماز ترک کر دیں تو گناہ نہیں ہوگا اور اگر سب مل کر میت پر نمازِ جنازہ ترک کر دیں تو تمام گنہگار رہوں گے۔یا کوئی مہمان آجائے اور السلام علیکم کہے اور کوئی بھی اس کا جواب نہ دے تو سب گنہگار رہوں گے لیکن اگر کوئی مہمان سے مصافحہ نہ کرے تو کوئی گنہگار نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بلغوا عني ولو آية، وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار. (رواه البخاري: ۱/۴۹۱، باب ماذكر عن بنى اسرائيل).

مرقاة المفاتيح میں مذکور ہے:

بلغوا عني، أى انقلوا إلى الناس وأفيدوهم ما أمكنكم أو ما استطعتم مما سمعتموه مني وما أخذتموه عني من قول أو فعل أو تقرير واسطة أو بغير واسطة. (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۶۴، كتاب العلم، ط: امداديه، ملتان).

عمدة القارى میں مرقوم ہے:

قال القاضي البيضاوي: إنما قال: آية أى من القرآن، ولم يقل حديثاً، فإن الآيات مع تكفل الله بحفظها واجبة التبليغ، فتبليغ الحديث يفهم منه بالطريق الأولى ...(عمدة القارى: ۱۱/۲۱۱، ط: باب ما ذكر عن بنى اسرائيل، ط: دارالحديث، ملتان).

دوسری جگہ مذکور ہے: ذكر أبو بكر بن العربي أن التبليغ عن النبي صلى الله عليه وسلم فرض كفاية إذا قام به واحد سقط عن الباقين، وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا نزل عليه الوحي لا يبوح به فى الناس، لكن يخبر به من حضره ثمة على لسان أولئك إلى من ورائهم قوماً بعد قوم، قال: فالتبليغ فرض كفاية والإصغاء فرض عين. (عمدة القارى: ۲/۲۰۱، باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب، ط: دارالحديث، ملتان).

جب ایک مرتبہ دعوت پہنچ چکی ہو تو دوسری مرتبہ تبلیغ مستحب کے درجہ میں ہے:

ملاحظہ ہو العرف الشذی میں ہے:

قال الطحاوي: إن كانت أمارات أن الدعوة قد بلغتهم فإبلاغها قبل القتال مستحب وإلا فواجب. (العرف الشذى على هامش سنن الترمذى: ۱/۲۸۳، ط: فيصل، باب الدعوة قبل القتال، وكذا فى عارضة الاحوذى: ۷/۳۶).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قال النووي: في هذه المسئلة ثلاثة مذاهب...والثالث: يجب إن لم تبلغهم الدعوة ولايجب إن بلغتهم لكن يستحب وهذا هو الصحيح . (تكملة فتح الملهم : ۱۵/۳).

قال المحقق ابن الهمامؒ في فتح القدير: ولو قاتلوهم قبل الدعوة أثموا...ولا شك أن في بلاد اللّٰه تعالىٰ من لا شعور له بهذا الأمر فيجب أن المدار عليه ظن أن هؤلاء لم تبلغهم الدعوة فإذا كانت بلغتهم لا تجب ولكن يستحب . (فتح القدير: ۴۴۵/۵، دارالفکر).

(وكذا في بدائع الصنائع : ۱۰۰/۷).

فتاویٰ حقانیہ میں مرقوم ہے:

اگر کسی علاقہ کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہو تو ان کے ساتھ اعلانِ جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے، ہاں اگر انہیں پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچی ہو تو ان کو دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے،ضروری نہیں،لیکن دعوت نہ دینے کی صورت میں جہاد کرنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔(فتاویٰ حقانیہ:۲۹۳/۵)۔

علم اصول الفقہ میں مرقوم ہے:

والواجب الكفائي، هو ما طلب الشارع فعله من مجموع المكلفين، لا من كل فرد منهم ، بحيث إذا قام به البعض المكلفين فقد أدى الواجب وسقط الإثم والحرج عن الباقين، وإذا لم يقم به أى فرد من أفراد المكلفين أثموا جميعاً بإهمال هذا الواجب كالامر بالمعروف والنهى عن المنكر...والمندوب: ومندوب مشروع فعله ، وفاعله يثاب وتاركه لايستحق عقاباً ولا لوماً ومن هذا مالم يواظب الرسول على فعله بل فعل مرة أو أكثر وتركه ومنه جميع التطوعات كالتصدق على الفقير أو صيام يوم الخميس . (علم اصول الفقه ،ص: ۱۰۸۔۱۱۱، للشيخ عبدالوهاب خلاف ، المتوفى ۱۳۷۵ھ ،ط: مكتبة الدعوة). (وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ۶۳، فصل فى سنن الوضوء ،و الفقه على المذاهب الاربعة). واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیر میں تیر لگا تو نماز میں نکالا گیا،اس واقعہ کی تحقیق:

سوال: حضرت شیخ زکریاؒ نے تبلیغی نصاب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب آپ کے پیر مبارک میں تیر لگا تو اس کو نماز میں نکالا گیا،اوراس کی تکلیف آپ کو محسوس نہیں ہوئی،اس

واقعہ کا حوالہ اور تحقیق درکار ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے یہ قصہ فضائل اعمال میں (۳۸۱) پر نقل فرمایا ہے اور کوئی حوالہ مرحمت نہیں فرمایا۔ بظاہر اس قصہ کا تعلق ترغیبِ نماز سے ہے یعنی صحابہ کرام کی نماز کی طرح اپنی نمازیں مثالی بنانا چاہئے۔ اس وجہ سے شہرت پر اکتفا کرتے ہوئے حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

تلاشِ بسیار کے باوجود یہ قصہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ملا، البتہ کتبِ شیعہ میں بلاسند دستیاب ہوا ہے چند کتب کے حوالے درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

ارشاد القلوب میں حسن بن ابی الحسن الدیلمی لکھتے ہیں:

وکان إذا توجه إلى اللّٰه تعالىٰ توجه بكليته، وانقطع نظره عن الدنيا وما فيها، حتى أنه لايبقى يدرک الألم، لأنهم كانوا إذا أرادوا إخراج الحديد والنشاب من جسده الشريف، تركوه حتى يصلي، فإذا اشتغل بالصلاة وأقبل على اللّٰه أخرجوا الحديد من جسده ولم يحس به. (ارشاد القلوب: ۲/۲۲).

منتہی الآمال میں مذکور ہے:

مد له نطع ما بين الصفين صلى عليه، والسهام تتناوله من بين يمين ويسار وتقع على الأرض، فلا يرتاع ولا يقوم حتى يفرغ، ولما أصيبت قديدة بسهم أرادوا إخراجه بطريقة لاتؤلمه، فصبروا حتى انصرف إلى صلاته فأخرجوه. (منتهى الآمال، ص: ۲۱۷).

اسی طرح حلیۃ الابرار میں (۱۸۰/۲) پر سید ہاشم بحرانی نے اس واقعہ کو بحوالہ ارشاد القلوب نقل کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ جھوٹ اور بہتان ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بات صحابہ میں معروف نہیں ہے کہ ان کو تیر لگا تھا اور نماز میں نکالا گیا۔ ملاحظہ ہو منہاج السنہ میں رقمطراز ہیں:

قال الرافضي: الثاني أنه كان أعبد الناس يصوم النهار ويقوم الليل...وكان إذا أريد إخراج الحديد من جسده يترک إلى أن يدخل في الصلاة فيبقى متوجهاً إلى اللّٰه غافلاً عما سواه غير مدرک للآلام التي تفعل به ...

والجواب: أن يقال: هذا الكلام فيه من الأكاذيب المختلفة مالايخفى إلا على أجهل الناس بأحوال القوم ومع أنه كذب ولا مدح فيه ولا في عامة الأكاذيب...وما ذكر من

إخراج الحديد من جسده فكذب فإن علياً لم يعرف أنه دخل فيه حديد. (منهاج السنة النبوية: ۱۳۴/۴، المكتبة السلفية).

بہرحال اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب میں شیعہ نے غلو سے کام لیا ہے اور من گھڑت روایات نقل کردی ہیں جن کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔خود شیعہ بھی اس بات کے معترف ہیں۔چنانچہ ابن ابی الحدید شیعی نے نہج البلاغہ کی شرح میں "**ترجمة عمار في مدح القناعة**" کے تحت لکھا ہے: **ولكن الشأن في الصحيح ما يروى عنه عليه السلام، فقد أكثر الكذب عليه، وولدت العصبية أحاديث، لا أصل لها.** (شرح نهج البلاغة: ۲۳۲/۴).

نیز ہمارے علماء نے بھی اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو: (ازالۃ الخفاء: ۴۴۲/۴، وسیرتِ سیدنا علی مرتضی ازمولانا محمد نافع صاحب، وتذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۸۲/۱، والمنار المنیف لابن القیم، ص:۱۱۶)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

یومِ جمعہ کو سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت:

سوال: حدیث شریف میں آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے: جس شخص نے یومِ جمعہ کو سورۂ کہف پڑھی اس کے لیے ایک نور روشن ہوگا اگلی جمعہ تک'' یہ حدیث کس کتاب میں ہے اور کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور سورۂ کہف کو یوم الجمعہ سے کیا مناسبت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ حدیث شریف مستدرکِ حاکم اور بیہقی وغیرہ میں ہے اور الفاظ درجِ ذیل ہیں:

أخرج الحاكم في مستدركه (۳۹۹/۲) والبيهقي في سننه (۲۴۹/۳) عن أبي بكر محمد بن المؤمل، حدثنا الفضيل بن محمد الشعراني حدثنا نعيم بن حماد حدثنا هشيم أنبا أبوهاشم عن أبي مجلز عن قيس بن عباد عن أبي سعيد الخدري رضى الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين . واللفظ للحاكم وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .

حدیث کے رواۃ کی تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

☆ **نعيم بن حماد : اختلف فيه ؛ وقد أخرج له البخارى ،ووثقه أحمد وابن معين ، وقال أحمد العجلي: ثقة صدوق. وقال الذهبي: ذومناكير .** (ميزان الاعتدال : ۲۶۷/۴).

وتفرد نعيم بروايته فقال: مابين الجمعتين .

وللحديث شواهد :

–رواه يـزيـد بـن مخلد بن يزيد عن هشيم وقال: أضاء له من النور مابينه وبين البيت العتيق . (السنن الكبرى للبيهقي:۳/ ۲۴۹).

– وروى سعيد بن منصور، وابوالنعمان ، وأبوعبيد ، وأحمد بن خلف البغدادى ، عن هشيـم وجـعـلـوه موقوفاً على أبي سعيد ، وجاء عند هؤلاء ...أضاء له من النور ما بينه وبين البيت العتيق. راجع : (التلخيص الحبير : ۲/ ۱۴۶).

– قـال حـمـاد بن محمد السيد : ولا شك أن رواية من وقفه أرجح من الاخرى، اذ هم أوثق ، وأشهر، وأثبت ممن رفعوه ، فنعيم بن حماد أحد رواة الرفع ، كثير الخطأ ، ويزيد بن مخلد متابعه ، شبه المجهول .

– ورواه يحيى بن كثير عن شعبة عن أبي هاشم بإسناده أن النبي صلى الله عليه وسلم قـال: من قرأ سورة الكهف كما أنزلت كانت له نوراً يوم القيامة ، فقد اختلف عليه فى شعبة فـروى عنه موقوفاً ومرفوعاً ، وقال الطبراني:لم يروهذا الحديث مرفوعاً عن شعبة إلا يحيى بن كثير ، وقال النسائي: الصواب في هذا الحديث أنه موقوف .

– وروى الإمـام أحـمـد:حدثنا حسن حدثنا ابن لهيعة ، حدثنا زبان بن فايد عن سهل بـن مـعـاذ عـن أبيـه عـن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من قرأ أول سورة الكهف وآخـرهـا كـانت له نوراً من قدمه إلى رأسه ومن قرأها كلها كانت له نوراً ما بين السماء إلى الأرض . (مسندالامام احمد: ۲۴/ ۳۹۰/ ۱۵۶۲۶، الرسالة).

وأخرجه الطبراني فى الكبير (رقم الحديث:۴۴۳،وفيه رشدين بن سعد وهوضعيف).

وقـال الهيثـمي فى المجمع : رواه أحمد والطبراني وفى إسناد أحمد، ابن لهيعة وهو ضـعيف وقد يحسن حديثه . (مـجـمـع الزوائد، باب سورة الكهف). قـلـت : وفي إسناد الطبراني رشدين بن سعد وهو مختلف فيه . راجع : (الميزان:۲/ ۲۳۹).

وروى الـحافظ أبوبكر بن مردويه [فى تفسيره] بإسناد له غريب ، عن خالد بن سعيد

بن ابی مریم ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة ، سطح له نور من تحت قدمه إلى عنان السماء ، يضيء له يوم القيامة ، وغفر له ما بين الجمعتين. وهذا الحديث في رفعه نظر ، وأحسن أحواله الوقف .

(تفسير ابن كثير: ۱۳۴/۵ ،ط: دارطيبة للنشر والتوزيع).

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت " من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة أضاء لـه من النور مابين الجمعتين"، موقوفاً صحیح ہے، لیکن بحکمِ مرفوع ہے کیونکہ یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا ہے۔

قال: ويترجح بذلک كون الموقوف عن أبي سعيد أصح ، فإذا ثبت أن الصواب فى هذا الحديث الوقف، فإنه يكون من قبيل المرفوع، قال الحافظ ابن حجرؒ : ومثله لايقال من قبل الرأي، فله حكم المرفوع. وللمزيد راجع : (ابن القيم الجوزية وجهوده فى خدمة السنة النبوية للشيخ جمال بن محمد السيد: ۳۰۳/۳).

بروزِ جمعہ سورۂ کہف پڑھنے کی حکمت:

- جمعہ کا دن قیامت کے قائم ہونے کا دن ہے اور قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے خروجِ دجال ہے اور بڑے فتنوں کا ظاہر ہونا ہے اور اس سورت کے آخر میں اِنھیں فتنوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

- بروزِ جمعہ کو قیامت کے دن کے ساتھ ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ جس طرح نمازِ جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے۔

- یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سورت میں آدم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے، اور آدم کی تخلیق جمعہ کے دن ہوئی، اور دخولِ جنت بھی جمعہ کے دن ہوا اور خروج بھی جمعہ کے دن ہوا۔

وقال في حاشية الطالبين: حكمة تخصيصها من بين سور القرآن أن اللّٰه تعالىٰ ذكر فيها يوم القيامة ويوم الجمعة يشبهها لما فيه من اجتماع الخلق ولأن القيامة تقوم يوم الجمعة . (حاشية اعانة الطالبين : ۸۹/۲).

وقال في أسنى المطالب: والحكمة في قراء تها يوم الجمعة أن اللّٰه تعالىٰ ذكر فيها أهوال يوم القيامة والجمعة تشبهها . (أسنى المطالب: ۲۶۹/۱).

وأخرج مسلم في صحيحه : عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة ، فيه خلق آدم ، وفيه أدخل الجنة ، وفيه أخرج منها، ولا تقوم الساعة ، إلا في يوم الجمعة . (رواه مسلم : ۲/۵۸۵). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک روایت سے بدعات کے جواز پر استدلال کا جواب:

سوال: بعض مبتدعین وہوا پرست درجِ ذیل حدیث سے اپنی بدعات وخرافات پر استدلال کرتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں، حدیث یہ ہے: ’’ **مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن** ‘‘۔

کیا یہ روایت حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اولاً تو یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے، اور اگر بقاعدۂ اصولِ حدیث اس حدیثِ موقوف کو بحکمِ مرفوع تسلیم کرلیں تو پھر اس کے جوابات درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

- حدیث شریف میں ’’ **المسلمون** ‘‘ سے مراد صحابہ کرام ہیں جس عمل کو وہ اچھا سمجھیں وہ شریعت کی نظر میں اچھا ہے۔ جیسے: بیس رکعات تراویح۔

- یا ’’ **المسلمون** ‘‘ سے سب مسلمان مراد ہیں اگر وہ کسی چیز پر اتفاق کرلیں تو وہ اجماع ہے۔ جیسے: حنطہ کیلی ہے اور اس کو وزنی بنادیں تو وزنی بن جائے گی۔

- یا ’’ **المسلمون** ‘‘ سے کامل مسلمان مراد ہیں یعنی مجتہدین اگر وہ کسی حکمِ غیر منصوص کو قرآن وحدیث کی روشنی سے مستنبط کرکے اچھا کہیں تو وہ اچھا ہوگا۔ یہ روایت حدیث کی چند کتابوں میں مذکور ہے:

أخرج الإمام الطبراني فى الكبير (۸۵۸۳) **والأوسط** (رقم : ۳۶۰۲) **واللفظ له: عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: إن الله عزوجل اطلع في قلوب العباد فوجد قلب محمد خير قلوب العباد ثم اطلع في قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فاختارهم لدينه يقاتلون على دينه فما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ومارأوه سيئاً فهو عند الله سيء .**

وأخرجه أيضاً الإمام أحمد في مسنده ، وقال الشيخ شعيب إسناده حسن، (رقم: ۳۶۰۰، الرسالة)، والبزار في مسنده (رقم: ۲۱۳)،والطيالسي في مسنده (رقم: ۲۴۳)، والحاكم فى المستدرك (رقم: ۴۴۶۵)، وابن مردويه في أماليه(رقم: ۱۸)، والبيهقي فى الاعتقاد (رقم: ۲۹۷)، وأبونعيم فى المعرفة (۱/۱۹)، والخطيب البغدادي فى الفقيه والمتفقه (رقم: ۴۳۹ و ۴۴۰).

قال العلامة عبد الحيى اللكنوىؒ في تعليقاته على مؤطا الإمام محمدؒ : ولم يزل الفقهاء والأصوليون من أصحابنا وغيرهم يذكرونه مرفوعاً وكلمات جماعة من المحدثين شهدت بأنه ليس بمرفوع بل هو قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ بل نص بعضهم على أنه لم يوجد مرفوعاً من طريق أصلاً وكنت قد ملت إليه في رسالتي " تحفة الأخيار" ففى"المقاصد الحسنة فى الأحاديث المشهورة على الألسنة " لشمس الدين السخاویؒ: حديث:" مارآه المسلمون حسناً " أخرجه أحمد من حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ من قوله وكذا أخرجه البزار والطيالسي والطبراني وأبونعيم في حلية الأولياء في ترجمة ابن مسعود رضی اللہ عنہ بل هو عند البيهقي فى"الاعتقاد" من وجه آخر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ، انتهى ...

اعلم أنه قد جرت عادة كثير من المتفقهين بأنهم يستدلون بهذا الحديث على حسن ما حدث بعد القرون الثلاثة من أنواع العبادات وأصناف الطاعات ظناً منهم أنه قد استحسنها جماعة من العلماء والصلحاء وما كان كذلك فهو حسن عند الله لهذا الحديث، ويرد عليهم من وجهين: أحدهما: أنه حديث موقوف على ابن مسعود رضی اللہ عنہ فلا حجة فيه ، ويجاب عنهم ...أن قول الصحابي في ما لا يعقل له حكم الرفع على ما هو مصرح في أصول الحديث...وثانيهما: أنه لايخلو إما أن يكون اللام الداخلة على المسلمين في هذا الحديث للجنس أو للعهد أو للاستغراق ولا رابع؛ أما الأول فباطل لأنه حينئذٍ تبطل الجمعية ويلزم أن يكون مارآه مسلم واحد أيضاً وإن خالفه الجمهور حسناً عند اللّٰه ولم يقل به أحد ، وأيضاً يلزم منه أن يكون ما أحدثته الفرق الضالة من البدعات والمنهيات أيضاً حسناً لصدق رؤية مسلم حسناً وهو باطل بالإجماع وأيضاً يخالف قوله

صلى الله عليه وسلم: ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة كلهم فى النار إلا واحدة ...
وإذا بطل أن يكون اللام للجنس تعين أن يكون للعهد أو للاستغراق إما على الأول:
فالمعهود إما المسلمون الكاملون كأهل الاجتهاد كما قال على القارى فى ”المرقاة“
المراد بالمسلمين زبدتهم وعمدتهم وهم العلماء بالكتاب والسنة الاتقياء عن الشبهة
والحرام ، انتهى .

وإما الصحابة وهو الأظهر بل لا يميل القلب الصادق إلى سواه لكونه بعض حديث
من حديث طويل مشتمل على توصيف الصحابة والأصل فى اللام هو العهد الخارجي
ويؤيده دخول الفاء على قوله: مارآه المسلمون، على ما هو أصل الرواية وإن اشتهر
بحذفها على لسان الأمة فإذن لا يدل الحديث إلا على حسن ما استحسنه الصحابة أو ما
استحسنه الكاملون من أهل الاجتهاد لا على حسن ما استحسنه غيرهم من العلماء الذين
حدثوا بعد القرون الثلاثة ولا حظ لهم من الاجتهاد ما لم يدخل ذلک في أصل شرعي .

أقول: كلام محمدؒ ههنا صاف من الكدورات لأنه إنما استدل بهذا الحديث على
حسن قيام رمضان بالجماعة وهو أمر استحسنه الصحابة والتابعون والأئمة المجتهدون
والعلماء الكاملون . (التعليق الممجد على موطامحمد ،ص ۱۴۴،ط: قديمى كتب خانه).

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں:

اس روایت کے متعلق چند ضروری ابحاث ہیں جن کو سمجھنا نہایت اہم ہے۔

اول بحث یہ ہے کہ اگر چہ بعض حضرات فقہائے کرامؒ نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے لیکن یہ روایت
مرفوع نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ چنانچہ علامہ جمال الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی
۷۶۲ھ) لکھتے ہیں: ولم أجده إلا موقوفاً على ابن مسعود رضی اللہ عنہ . (نصب الراية : ۱۳۳/۴).

دوسری بحث یہ ہے کہ ”المسلمون“ سے کون سے مسلمان مراد ہیں؟ اگر الف اور لام اس میں جنس
کے لیے ہو تو لازم یہ آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تہتر فرقے سب کے سب ناجی ہو جائیں
کیونکہ ہر ایک فرقہ از راہِ تدین اپنے معمول کو حسن ہی سمجھتا ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو ”ما أنا عليه
وأصحابي“ کے الفاظ سے پیش کی جا چکی ہے۔

اور اگر الف اور لام سے استغراق مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہی ہوگی، تو اس سے اجماعِ امت مراد ہوگا، اور اجماع کے حسن ہونے میں کیا شک ہے؟ لیکن اس سے مبتدعین کو کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ بدعات کا وجود خیر القرون میں ہرگز نہ تھا۔ لہذا سب مسلمانوں کا ان پر اتفاق واجماع نہ ہوا۔

اور اگر الف ولام سے عہدِ خارجی مراد ہو تو اس سے مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ مراد ہوگا کہ مسلمانوں کا وہ گروہ اور طبقہ جس چیز کو اچھا سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوگی اور مسلمانوں کا وہ گروہ اولین درجہ پر بجوائے حدیث "**ما أنا عليه وأصحابي**" صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہی ہوسکتا ہے اور یہی بات صحیح ہے کہ جس چیز کو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پسند کریں وہ اچھی ہوگی۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت اور ان سے مروی دیگر روایات کو سرسری نظر سے دیکھ لیا جائے تو "**المسلمون**" سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہی متعین ہوجاتا ہے۔ (راہِ سنت، از ص ۱۱۳۔ تا ۱۱۶، باب سوم بدعات کے جواز پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں اُن پر ایک نظر، ط: مکتبہ صفدریہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مردہ کے جسم کو محض تفریحاً دکھانے کے لیے رکھنے کا حکم:

سوال: جوہانسبرگ میں مردہ کے جسم کی نمائش ہوتی ہے اس میں اسکول کے بچوں کو دکھایا جاتا ہے کہ بدن کیسے چلتا ہے وغیرہ، تو کیا محض تفریح کے لیے انسانی جسموں کو رکھنا اور دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: طبی تجربات کے لیے جسمِ انسانی کو رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض حضرات اجازت دیتے ہیں کہ چند جسموں کی وجہ سے سینکڑوں کی جانیں بچ جائیں گی، لیکن بعض علماء اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تو محض تفریح کی غرض سے کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟ یہ جسمِ انسانی کی توہین میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو محترم ومکرم بنایا ہے اور اس کی اہانت کو گوارا نہیں فرمایا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاً. (الاسراء: ۷۰). **قال ابن كثيرؒ: يخبر تعالىٰ عن تشريفه لبني آدم، وتكريمه إياهم، في خلقه لهم على أحسن الهيئات وأكملها.** (تفسير ابن كثير: ۵/۹۷، دار طيبة للنشر والتوزيع).

ابوداود شریف میں روایت ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: کسر عظم المیت ککسره حیاً . (رواه ابو داود،رقم: ۳۲۰۷، وابن ماجه :۱۶۱۶).

قال الطیبيؒ: فیه إشارة إلی أنه لا یهان المیت کما لا یهان الحي وقال ابن الملک وإلی أن المیت یتألم ، وقال ابن حجرؒ: من لوازمه أنه یستلذ بما یستلذ به الحي ، قال فی الدرجات: روینا في جزء بحدیث ابن منیع عن جابر رضی اللہ عنہ قال: خرجنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حتی إذا جئنا القبر إذا هو لم یفرغ ، فجلس النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم علی شفیر القبر، وجلسنا معه، فأخرج الحفار عظماً ساقاً أو عضداً فذهب لیکسرها ، فقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تکسرها فإن کسرک إیاه میتاً ککسرک إیاه حیاً ، ولکن دسه بجانب القبر، فاستفدنا منه سبب الحدیث ، انتهی . (بذل المجهود : ۱۰/۴۹۷، ط:دار البشائر).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ دار العلوم زکریا،جلد ششم،از ص۷۸۲۔۷۸۶)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زمین کی گردش اور آیتِ کریمہ: ”والشمس تجري“ کا مطلب:

سوال: قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **والشمس تجري لمستقر لها، ذلک تقدیر العزیز العلیم** ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ سورج چلتا ہے اور گھومتا ہے،لیکن آج کل کے ماہرین فلکیات سورج کے سکون اور زمین کی حرکت کے قائل ہیں،تو آیتِ کریمہ کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آیتِ کریمہ اپنے ظاہری مطلب پر ہے یعنی سورج چلتا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں سورج کے مطلق چلنے کو بیان کیا ہے،اور تمام ماہرین فلکیات اس بات پر متفق ہیں کہ سورج اپنے پورے کہکشاں کے ساتھ چل رہا ہے، ہاں نظامِ شمسی میں تمام سیارات سورج کے اردگرد گردش کرتے ہیں اور سورج اپنی جگہ پر ہے جس کو(solar system) کہا جاتا ہے تو اس اعتبار سے سورج ایک جگہ پر ہے اور زمین سورج کے اردگرد گردش کرتی ہے۔یعنی سورج کی گردش دو طرح کی ہے:(۱)Rotating جس کو محوری گردش کہتے ہیں۔(۲)Revolving جس کو گھومنا کہتے ہیں۔ماہرین فلکیات دونوں کو مانتے ہیں کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔ہاں پرانے زمانہ میں یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے اردگرد گردش کرتا ہے یہ نظریہ صحیح نہیں

تھا کیونکہ زمین اور دیگر سیارات سب سورج کے اردگرد چکر لگاتے ہیں۔

حضرت مولانا روحانی بازیؒ نے اپنی کتاب ” **الهيئة الوسطى مع شرحها النجوم النشطى** “ میں ص۶۹ پر لکھا ہے:

يظن بعض الناس أن الشمس ساكنة وهذا الظن خطأ ...والثانية حركتها مع جميع أسرتها . نیز اسی طرح کا مضمون فلکیاتِ جدیدہ میں بھی (ص۴۰) پر مذکور ہے۔

نیز ”**الهيئة الصغرى**“ میں لکھتے ہیں:

ثم إن الشمس ليست بساكنة بل لها حركتان مشهورتان، الأولى: أنها تسير بأسرتها من جميع أجرام النظام الشمسي بسرعة ١١ ميلاً ونصف ميل في الثانية إلى نجم مسمى بالنسر الواقع. والثانية: إنها تدور حول محورها من الغرب إلى الشرق.(الهيئة الصغرى،ص ٣٠)

عالمی انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے جس کا مفہوم درجِ ذیل ہے:

سورج:... کرۂ ارض سورج کے گرد گھومتے ہوئے نو ستاروں میں سے ایک ہے، ہمارے سورج جیسے ۵۰۰،۰۰۰ ملین ستارے ہمارے کہکشاں (ملکی وے) میں موجود ہیں، دیگر سیاروں کی طرح سورج بھی گیس کا ایک بہت بڑا گھومتا ہوا گیند ہے، اس کے مرکز میں واقع ہونے والے ایٹمی ری ایکشنز توانائی خارج کرتے ہیں۔

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا میں مرقوم ہے:

سورج کے دھبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اپنے استوا پر ہمارے ۲۵ دن میں اپنا گھماؤ پورا کر لیتا ہے مگر ۴۰ درجہ عرض البلد پر ۳۰ دن اور قطبین کے قریب ۸۰ درجہ پر ۳۶ دن تک لیتا ہے، یہ فرق اس لیے ہوتے ہیں کہ سورج ٹھوس نہیں، ان مشاہدوں سے سورج کے مختلف اعمال وحرکات کو اور اس کی مقناطیسی دور کے گیارہ گیارہ سال میں الٹتے رہنے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ سورج کے گھماؤ کا محور طریق الشّمس سے ۷ درجہ کے بقدر جھکا ہوا ہے (طریق الشّمس یعنی: وہ مدار کی سطح، جس پر سورج کے گرد زمین گھومتی ہے اور جس پر زمین سے سورج کی حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجودِ شمس کی تحقیق:

سوال: ایک حدیث کے معنی دریافت کرنا چاہتا ہوں؛ حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے، انہوں نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے قربِ قیامت میں اس کو واپس ہونے کا حکم ہوگا تو واپس ہو جائیگا۔

اس حدیث پر اشکال ہے کہ سورج ڈوبتا نہیں ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ حدیث بخاری شریف میں ہے۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہو: **عن أبي ذر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم لأبي ذر حین غربت الشمس أتدری أین تذهب قلت: اللّٰه ورسوله أعلم قال: فإنها تذهب حتی تسجد تحت العرش فتستأذن فیؤذن لها ویوشک أن تسجد فلا یقبل منها وتستأذن فلا یؤذن لها یقال لها: ارجعي من حیث جئت فتطلع من مغربها فذلک قوله تعالیٰ: ﴿والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم﴾.** (رواہ البخاری: ۱/۴۵۴، باب صفة الشمس والقمر بحسبان، تحت ابواب بدء الخلق).

اس روایت پر چار اشکالات وارد ہوتے ہیں: (۱) سورج غروب ہی نہیں ہوتا بلکہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے اور دوسری جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) سورج آسمان وزمین سب عرش کے نیچے ہیں پھر عرش کے نیچے جانے کا کیا مطلب؟ (۳) سجدہ سکون کا متقاضی ہے جب کہ سورج بظاہر ہر وقت متحرک ہے اس لیے وقت گزرتا ہے۔ (۴) سورج میں عقل کہاں ہے کہ مذکورہ بالا خطاب وکلام سمجھ کر سجدہ کرے۔

ان سوالات کے جوابات درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

(۱) غروب سے جزیرۃ العرب میں غروب اور نظر سے پوشیدہ ہونا مراد ہے۔ (۲) سورج کی روح عرش کے قریب جا کر سجدہ ریز ہوتی ہے اور سورج کی بھی روح ہوتی ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں ہے۔ (۳) اس کی روح سجدہ ریز ہے اور اس کا جسم بظاہر چلتا ہے نیز سجدہ حرکت کے منافی نہیں ہے۔ (۴) سورج میں فہم وشعور ہے اگرچہ ہمیں معلوم نہیں جیسے کھجور کا تنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رویا تھا اور پتھر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا۔ یہ سب جوابات اپنی جگہ لیکن بہتر جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ امتِ محمدیہ کو یہ بات سمجھائی گئی کہ سورج بڑے ہونے اور روشن جرم کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حکومت وقدرت کے تحت ہے اور مکمل تابعداری میں لگا ہوا ہے۔ اور سجدہ کامل تابعداری کے معنی میں ہے۔

اس میں سب سوالات کے جوابات آگئے ،اس میں سورج کے ڈوبنے کے وقت اس کی مکمل تابعداری ہمارے سامنے آگئی اورسب پر ظاہر ہوگئی،اورعرش کے نیچے جانے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی حکومت کے ماتحت ہونا ہے کہ پہلے بھی تحت الحکومت تھااوراب بھی ہے غروب کے بعد کسی اور کی حکومت میں نہیں گیا،اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت میں ہے۔اور کامل تابعداری کے لیے عقل کی ضرورت نہیں یہ سب کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سجود الشمس کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہماری تحریر میں آگیا، اس وقت وہ رسالہ ہمارے سامنے نہیں ، یہ ان کے مجموعہ رسائل میں (تالیفاتِ عثمانی از ص ۴۳۱ تا ص ۴۵۶، ط: ادارۂ اسلامیات لاہور)''چھپ چکا ہے۔

(۲)اس حدیث میں سورج کی تخصیص کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکومت وقدرت کے تحت اپنی ڈیوٹی بجالا رہا ہے شاید اس وجہ سے ہے کہ بہت سارے مشرک سورج کو سب سے بڑا روشن دیوتا سمجھ رہے ہیں اور سمندر اور دریاؤں کے کناروں پر سورج کے طلوع وغروب کا نظارہ اتنا دلفریب ہوتا ہے کہ بہت سے غیر مسلم وہاں جمع ہوکر سورج کی پوجا کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ سورج دیوتا یا خدا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے والی ایک مخلوق ہے۔

مولانائے روم نے مثنوی میں سورج کے پجاریوں کی حماقت کو خوب واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ سورج ہمارے لیے فصلیں، پھل اور سبزیاں گرمی پہنچا کر پکاتا ہے تاکہ ہم لذیذ اجناس کھالیں ،اس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا خادم اور باورچی بنایا تو سورج کی عبادت ایسی ہے جیسے کوئی اپنے خادم کی عبادت شروع کردے مخدوم اپنے خادم کی پوجا پاٹ میں لگ جائے ،ایسے احمقوں پر صد افسوس ! واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استاذ محترم کو ہدیہ دینے کا حکم:

سوال: اگرکوئی بچہ قرآنِ کریم حفظ کرلے یا ناظرہ ختم کرلے تو اپنے اساتذہ کو تحفہ وغیرہ دے تو یہ حدیث شریف یا سلفِ صالحین سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اساتذۂ کرام کو ہدیہ،تحفہ وغیرہ پیش کرنا جائز ہے بعض آثار وغیرہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ملاحظہ ہو فص الخواتم فیما قیل فی الولائم میں ابن طولونؒ فرماتے ہیں:

وعن يونس بن عبيد قال: طرق ابن لعبد الله بن الحسن فقال عبد الله: إن فلاناً قد حذق والمعلم يطلب ، قال : فماذا يريد ؟ أعطه درهماً ، قال: سبحان الله ! قال: فأعطيه درهمين ، قال: إنه لا يرضى فقال الحسنؒ: كانوا إذا حذق الغلام قبل اليوم نحروا جزوراً ، واتخذوا طعاماً ، وعن ابن سلمة عن حميد قال: كانوا يستحبون إذا جمع الصبي القرآن أن يذبح الرجل الشاة ويدعو أصحابه . (فص الخواتم فيما قيل في الولائم، ص ۹).

قال في أخبار أبي حنيفة وأصحابه: أخبرنا أحمد بن محمد الصيرفي قال: حدثنا على بن عمرو الحريرى قال: ثنا ابن كاس النخعي قال: ثنا عبد الله بن أحمد بن بهلول الكوفى قال: ثنا القاسم بن محمد البلخى عن إسماعيل بن حماد بن أبى حنيفةؒ أن أباحنيفة حين حذق حماد ابنه سورة الحمد وهب للمعلم خمسمائة درهم . (اخبارابی حنیفةؒ واصحابه، للقاضی ابی عبدالله حسین بن علی الصیمری ،ص ۵۸،ط: عالم الکتب ،بیروت).

الطبقات الکبری میں ہے:

قال أخبرنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة عن الحسن كان لايتنور قال: أخبرنا عفان بن مسلم قال: حدثنا مهدى قال: كنت على باب الحسن فجاء إلى أهله فقال: السلام عليكم قال: أخبرنا عفان بن مسلم قال: حدثنا حماد بن سلمة قال: حدثنا يحيى بن سعيد بن أخي الحسن قال: لما حذقت قلت: يا عماه إن المعلم يريد شيئاً قال: ما كانوا يأخذون شيئاً ثم قال: أعطه خمسة دراهم قال: فلم أزل به حتى قال: أعطه عشرة دراهم .

(الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۷۶/۷ ،بيروت).

المحبر میں ہے:

روى عن المبارك بن سعيد أخي سفيان الثورى ، وعن خلف بن خليفة (عبيدة) بن حميد الحذاء النحوى، كان معلماً لمحمد بن الرشيد امير المؤمنين ، أخبرني أبوتوبة النحوى ميمون بن حفص أن عبيدة علم محمداً حتى بلغ سورة الحديد، فأمر له الرشيد بسبعين ألفاً، فمات بعد ما قبضها بأيام. (كتاب المحبر لمحمد بن حبيب البغدادى ،ص ۴۷۸،بيروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

"الأنصار" سوق کا حکم:

سوال: ہر سال ایک ہفتہ کے لیے ایک بازار لگتا ہے اس کو الانصار سوق کہتے ہیں اس میں چھوٹی چھوٹی دکانیں ہوتی ہے اور تجارت ہوتی ہے، تو ایسے بازار کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر وہاں خرافات نہ ہوتے ہوں اور خلافِ شریعت امور بھی نہ ہوں تو اس کے منعقد کرنے اور وہاں جا کر تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تفسیر بغوی میں لکھا ہے کہ بدرِ صغریٰ کے موقع پر صحابہ کرام نے اس قسم کے بازار میں شرکت کی ہے۔

فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في أصحابه حتى وافوا بدراً الصغرى، فجعلوا يلقون المشركين ويسألهم عن قريش فيقولون قد جمعوا لكم يريدون أن يرعبوا المسلمين فيقول المؤمنون: حسبنا اللّٰه ونعم الوكيل،حتى بلغوا بدراً وكانت موضع سوق لهم في الجاهلية يجتمعون إليها في كل عام ثمانية أيام فأقام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ببدر ينتظر أباسفيان وقد انصرف أبوسفيان من مجنة إلى مكة فلم يلق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه أحداً من المشركين ووافقوا السوق وكانت معهم تجارات ونفقات فباعوا وأصابوا بالدرهم درهمين وانصرفوا إلى المدينة سالمين غانمين. (معالم التنزيل: ۱۳۸/۲،ط: دارطيبة للنشر والتوزيع).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

ولا يؤذن بالخروج إلى المجلس الذي يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه من المنكرات. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۱۵۷/۴). واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

والد کی تعظیم میں قبلہ وکعبہ کے الفاظ لکھنے کا حکم:

سوال: خط میں اپنے والد صاحب کے لیے قبلہ اور کعبہ کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اکابرؒ کی عبارات میں کیا اختلاف ہے؟ اور راجح قول کونسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ خط میں اپنے والد صاحب کے لیے قبلہ وکعبہ لکھنا جائز اور درست ہے، البتہ خلافِ اولیٰ ہے، وجہ جواز یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے:

مومن کا مرتبہ بیت اللہ کے مرتبہ سے بڑھ کر ہے۔

تذکرۃ الرشید میں مرقوم ہے کہ ان القاب سے بڑوں کو خطاب کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور امدادالفتاویٰ میں مذکور ہے کہ بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔

بظاہر امدادالفتاویٰ والاقول زیارہ راجح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ مکروہِ تحریمی والاقول زیادہ سخت ہے، اور چونکہ بفحوائے حدیث مومن کی شان یقیناً بیت اللہ سے بڑھ کر ہے، تو خلافِ اولیٰ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي الله عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يطوف بالكعبة ويقول:" ما أطيبک وأطيب ريحک ، ما أعظمک وأعظم حرمتک ، والذی نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند اللّٰه حرمة منک، ماله ودمه وأن نظن به إلا خيراً . وفی الزوائد: في إسناده مقال ، ونصر بن محمد شيخ ابن ماجه ضعفه أبوحاتم وذكره ابن حبان فی الثقات. (رواه ابن ماجه ،رقم الحديث : ۳۹۳۲).

امدادالفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سوال: بہشتی زیور میں القابِ بزرگاں میں قبلہ وکعبہ لکھا گیا اور تذکرۃ الرشید میں مکروہِ تحریمی لکھا ہے بدلیل قولہ علیہ السلام " لا تطروني "، (الحديث)، اس کی تاویل کیا ہے؟

الجواب: بلا تاویل مکروہِ تحریمی ہے اور بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے گو خلافِ اولیٰ ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/۲۷۴)۔

تذکرۃ الرشید کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

قبلہ وکعبہ، قبلہ دارین، کعبہ کونین، یا قبلہ دینی وکعبہ دنیوی یا قبلہ مال وحاجات یا قبلہ مرادات یا قبلہ صوری و کعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب وآداب میں والد کو یا عموی کو یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہے یا نہیں، حرام ہے یا مباح اور مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب: ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہِ تحریمی ہیں، لقولہ علیہ السلام: " لا تطروني "، (الحديث)، جب زیادہ حد شانِ نبوی سے کلماتِ مدحیہ آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید، ص ۱۳۷، ادارۂ اسلامیات، وفتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۰۴، مکتبہ رحمانیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا حکم:

سوال: میں ایک ہسپتال میں ملازمت کرتا ہوں، وہاں پر سب انگلش بیت الخلا بنے ہوئے ہیں جب پیشاب کا تقاضا ہوتا ہے تو وہیں پر کھڑے ہوکر پیشاب کر لیتا ہوں اور قطروں کا خاص خیال رکھتا ہوں، پھر نماز کے وقت نماز بھی پڑھتا ہوں تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ کیا اس سے میں ناپاک تو نہیں ہوتا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سادہ طرز کے بیت الخلا تلاش کر کے استعمال کرنے چاہیے، جو اکثر و بیشتر قرب وجوار میں بنائے جاتے ہیں، تاہم اگر نہ ہو اور فقط انگلش ہو تو بوقتِ ضرورت پردے والے بیت الخلا استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن کپڑوں کو خوب سمیٹ کر، اور پیشاب کے چھینٹے نہ لگے اس کا خوب خیال رکھنا چاہیے۔

اگر جسم یا کپڑوں پر کوئی ناپاکی نہیں لگی تو جسم اور کپڑے پاک ہیں اس میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے اور اگر کوئی ناپاکی لگی ہو تو صاف کر کے نماز ادا کرنی چاہیے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

الاستفسار: هل يجوز البول قائماً؟

الاستبشار: نعم؛ يجوز لكن يكره ، كذا في السراجية ، وما أخرج البخاري عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه: أتى سباطة قوم فبال قائماً . (صحيح البخاري: ١/٩٠، رقم: ٢٢٢).

اختلف في توجيهه : فقيل: إنما بال قائماً إذ كان به وجع الصلب .

وقيل : معناه قائماً على باطن الركبة . وقيل : تعليماً للجواز ، كذا قال العينيؒ في البناية . (فتاوى اللكنوى، ص١٦٥ ،مايتعلق بالاستنجاء والبول والغائط وغيره).

قال في حاشية الطحطاوي: قوله ويكره البول قائماً ، قال في شرح المشكاة قيل: النهي للتنزيه وقيل : للتحريم وفى البناية قال الطحاويؒ : لا بأس بالبول قائماً . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص٥٤ ،قديمى).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اسلام نے نجاست سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں کہ اکثر عذابِ قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو

مکروہ قرار دیا ہے، تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہو کر کرنا بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ:۲/۵۹۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے مجلس کی ابتدا کرنے کا حکم:

سوال: اکثر مجالس، جلسے وغیرہ کی ابتدا قرآنِ کریم کی تلاوت سے کی جاتی ہے شرعاً اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ جب وہ حضرات علم وغیرہ کی مجلس شروع فرماتے تو ایک شخص تلاوت کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں روایت ہے:

عن أبي سعيد قال: أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا جلسوا كان حديثهم يعني الفقه إلا أن يقرأ رجل سورة أو يأمر رجلاً بقراءة سورة ، هذا حديث صحيح على شرط مسلم . (المستدرک: ۱/۹۴/۳۲۲).

اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی یہ بات مرقوم ہے کہ درس کے آداب میں سے ہے کہ درس شروع کرنے سے پہلے تلاوت کی جائے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین زرکشی النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح میں رقمطراز ہیں:

يستحب افتتاح المجلس بقراءة قارئ بشيء من القرآن العظيم. أسنده ابن السمعاني عن أبي نضرة قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اجتمعوا تذاكروا العلم قرؤوا سورة ، ورواه أبونعيم في رياض المتعلمين ورواه أيضاً من جهة أبي نضرة عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قعدوا يتحدثون فى الفقه كانوا يأمرون أن يقرأ رجل سورة . (النكت : ۳/۶۵۰،النوع السابع والعشرون معرفة آداب المحدث).

وينظر للمزيد : (فتح المغيث شرح الفية الحديث :۳/۲۵۴،وتدريب الراوى:۲/۱۳۲، وقواعد التحديث: ۱/۲۳۵). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبح سویرے شہد کھانے کی فضیلت:

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ہر مہینہ کے پہلے تین دن، صبح کو شہد کھائے گا وہ بیماری میں

مبتلا نہیں ہوگا، یہ حدیث کہاں ہے اور کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکورہ بالا روایت سنن ابن ماجہ شریف میں الفاظ کے فرق کے ساتھ موجود ہے البتہ ضعیف ہے، ہاں اس حدیث کے موافق دوسری حدیث اس کی تائید میں موجود ہے جس کو علامہ سیوطیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لعق العسل ثلاث غدوات كل شهر لم يصبه عظيم من البلاء.** (سنن ابن ماجه، ص ۲۴۶، ط: قديمي).

وأيضاً أخرجه الطبراني فى الأوسط (۱/ ۲۶۰، ط: مكتبة المعارف)، **والبيهقي في شعب الإيمان** (۸/ ۸۴) **وأبويعلى الموصلي في مسنده** (۶۴۱۵) **والبخاري فى التاريخ الكبير** (۶/ ۵۵/ ۵۴)، **وابن عدى فى الكامل** (۳/ ۱۰۸۰)، **وابن بشران في أماليه** (۸۰۹) **كلهم من طريق سعيد بن زكريا عن الزبير بن سعيد الهاشمي، عن عبدالحميد بن سالم، عن أبي هريرة رضي الله عنه،**

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لضعف الزبير بن سعيد وجهالة شيخه عبد الحميد بن سالم، وقال البخاري: لا نعرف لعبد الحميد سماعاً من أبي هريرة رضي الله عنه. (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابن ماجه: ۴/ ۵۰۶).

قال الإمام السيوطي: وله شاهد، قال أبوالشيخ فى الثواب: حدثنا أحمد بن الحسن بن عبد الملك حدثنا أبوأمية الحراني حدثنا عثمان بن عبد الرحمن عن على بن عروة (قال ابن عدى: منكر الحديث، قال ابن حبان: كان ممن يضع الحديث على قلته، قال ابن حجر: متروك) **عن عبد الملك عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً من شرب العسل ثلاثة أيام في كل شهر على الريق عوفي من الداء الأكبر الفالج والجذام والبرص.** (اللآلى المصنوعة: ۲/ ۳۴۴).

(وكذا فى تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة: ۲/ ۲۶۰/ ۲۷).

وللمزيد من البحث راجع: (مصباح الزجاجة: ۴/ ۵۴، باب العسل).

البتہ مذکورہ بالا روایات میں پہلے تین دن کی تخصیص نہیں ہے پورے مہینے میں کسی بھی تین دن میں یہ عمل ہوسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیروانی پہننے کا ثبوت:

سوال: واسکٹ، صدری، کوٹ یا شیروانی جو کپڑوں کے اوپر پہنی جاتی ہے، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم یا صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اشیائے مذکورہ بالا پہننے کا ثبوت قرآنِ کریم میں اشارۃً، احادیث میں صراحتاً اور صحابہ کرام کے عمل سے بھی ملتا ہے۔ درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا لباس قرآنِ کریم میں بیان فرمایا ہے:

عٰليهم ثياب سندس خضر واستبرق. (الدهر: ۲۱)، **ثياب سندس حرير خضر واستبرق ما غلظ من الديباج وهو بطائن والسندس الظهائر.** (جلالين: ۲/۴۸۴).

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وربما تشعر الآية بأن تحتها ثياباً أخرى، وقيل: إن المراد فوق حجالهم مضروبة عليهم ثياب سندس. الخ. (روح المعاني: ۲۹/۱۶۲).

اس بارے میں احادیث میں چار قسم کے الفاظ آتے ہیں: ملاحظہ کیجیے:

(۱) **جبة:** چوغہ، شیروانی نما کوٹ۔

حدثنا يحيى بن سعيد عن عبد الملك قال: حدثنا عبد اللّٰه مولى أسماء عن أسماء رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قال: أخرجت إلي جبة طيالسة عليها لبنة شبر من ديباج كسرواني وفرجاها مكفوفان به قالت: هذه جبة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يلبسها كانت عند عائشةؓ فلما قبضت عائشةؓ قبضتها إلي فنحن نغسلها للمريض منا يستشفى بها. (اخرجه الامام احمد، رقم: ۲۶۹۴۲).

ترجمہ: عبداللہ مولی اسماء کہتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میرے سامنے ایک اونی جبہ نکالا اس کے گریبان میں ایک بالشت کی مقدار ریشمی کپڑا لگا ہوا تھا اور پچھلا حصہ کھلا ہوا تھا، فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ تھا آپ اس کو زیب تن فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو میں نے لے لیا، اب ہم بیمار کو شفا کے لیے یہ جبہ دھو کر پانی پلاتے ہیں۔

فائدہ: جبہ: وہ شیروانی نما کوٹ ہے جس میں استر ہو اور درمیان میں روئی رکھی گئی ہو، جس کو چوغہ کہتے ہیں، علامہ وحید الزمان کیرانویؒ نے القاموس الوحید میں طیلسان کے معنی یوں لکھے ہیں: زرد رنگ کی شال جو مشائخ کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ نیز چوغہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور جبہ کے معنی چوغہ کے لکھے ہیں۔

(۲) عَباء : چوغہ: بغیر آستین کا جو سامنے سے کھلا ہو۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ذهبت بعبد الله بن أبي طلحة إلى النبي صلى الله عليه وسلم حين ولد والنبي صلى الله عليه وسلم في عباءة يهنأ بعيراً له...(رواه ابوداود،رقم: ۴۹۵۳).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم من العوالى، فيأتون فى العباء ...(رواه مسلم ، باب وجوب الجمعة على كل بالغ).

معجم اللغة العربية المعاصرة میں ہے:

عباءة : كساء واسع مشقوق من الأمام بلا كمين ، يلبس فوق الثياب . (۱۴۴۶/۲).

القاموس الوحید میں ہے: العباء: بغیر آستین کا چوغہ جو کپڑوں پر پہنا جاتا ہے۔(۱۰۳۷/۲)۔

(۳) الفروة : چمڑے کا کوٹ:

عن راشد الحماني قال: رأيت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ عليه فرو أحمر فقال: كانت لحفنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نلبسها ونصلى فيها . رواه الطبرانى فى الأوسط عن أحمد بن القاسم فإن كان هو ابن الريان فهو ضعيف وإن كان غيره فلم أعرفه وبقية رجاله ثقات . (مجمع الزوائد: باب لبس الفراء).

علامہ زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں: الفروة : لبس معروف ... و هي جلود حيوانات ، تدبغ فتخيط ، ويلبس بها الثياب ، فيلبسونها اتقاء البرد . (تاج العروس: ۲۲۵/۳۹).

فروہ مشہور لباس ہے یہ دراصل جانوروں کے چمڑے ہیں جن کو دباغت دیکر سیا جاتا ہے اور سردی سے بچاؤ کی خاطر پہنا جاتا ہے۔

(۴) المستقة : دراز آستین کی پوستین:

قال فى المغرب: المستقة : فرو طويل الكمين عن ابن الأعرابى والأصمعي، وعن ابن شميل: هى الجبة الواسعة . (۲۶۷/۲).

وقال في طلبة الطلبة : فرو طويل الكمين وهى معربة واصلها بوستين. (۱۳۶/۲).

سنن ابى داود شريف میں ہے: عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن ملك الروم أهدى إلى النبي صلى الله عليه وسلم مستقة من سندس فلبسها فكأني أنظر إلى يديه تذبذبان ثم بعث بها

إلى جعفر ...(رواہ ابو داود،رقم: ۴۰۴۷). واللہ ﷻ اعلم۔

نیٹ کیبل مہیا کرنے کی ملازمت کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، کمپنی نے لوگوں کے گھروں میں نیٹ کیبل پہنچانے کی ذمہ داری اس کو سپرد کی ہے، اس نیٹ کیبل کے ذریعہ فلمیں، گانے وغیرہ دکھائے جاتے ہیں، اب اس شخص کے لیے ایسی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی تنخواہ حلال ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ محض نیٹ کیبل گھروں میں سپلائی کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے لیکن چونکہ گانے سننے، فلمیں دیکھنے اور افشاءِ فحش وحرام کا ایک ذریعہ وسبب بن رہا ہے، اور اس میں ایک قسم کا تعاون علی المعصیت پایا جاتا ہے اس لیے صاحبینؒ کے قول پر ایسی ملازمت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ امام صاحبؒ کے قول پر فاعل مختار کا فعل حائل ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے اور تنخواہ بھی حرام نہیں کہی جائے گی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

ومن حمل لذمی خمراً فإنه يطيب له الأجر عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسفؒ ومحمدؒ يكره له ذلک لأنه إعانة على المعصية وقد صح أن النبي عليه الصلاة والسلام لعن فی الخمر عشراً حاملها والمحمول إليه. له أن المعصية في شربها وهو فعل فاعل مختار وليس الشرب من ضرورات الحمل ولا يقصد به والحديث محمول على الحمل المقرون بقصد المعصية . (الهداية: ۴/۴۷۳، كتاب الكراهية ، فصل فی البيع).

وفی العناية : وقوله: وليس الشرب من ضرورات الحمل ، لأن الشرب قد يوجد بدون الحمل، وبالعكس فلا يكون الحمل مستلزماً للمعصية. (العناية على هامش فتح القدير: ۸/۴۹۳، مكتبه رشيديه، كوئٹه).

وزاد في مجمع الأنهر: إن المعصية في شربها لا في حملها مع الحمل يحمل على الإراقة أو التخليل . (مجمع الانهر: ۴/۱۸۸،بيروت).

مزید ملاحظہ ہو: (مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ " تفصيل الكلام فی مسئلة الإعانة على الحرام " جواہر الفقہ: ۷/۵۰۹، وفتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۵/۶۴۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قرن الشّمس پر مکتوب آٹھ اسماء کی حقیقت:

سوال: بعض اردو وظائف کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا ذکر ہے جو قرن الشّمس پر مکتوب ہیں، اور وہ آٹھ ہیں، تو کیا کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو روایت صحیح ہے یا ضعیف؟ اس کی سند کیا ہے؟ نیز اس کے الفاظ اور وہ اسماء کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض روایات میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں لیکن یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

حدیث کے الفاظ درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

عن أبي بكر لما خرج النبي صلى الله عليه وسلم من مكة يريد حراء هبط إليه جبريل فقال: إن الله عز وجل يقرئك السلام وقد علمني دعاء تدعو به فيجعل بينك وبين أهل مكة ستراً فعلمه النبي وقال جبريل: من كتب هذا الدعاء وعلقه في منزله أو دعا به في سفر لم يخف سلطاناً جائراً ولا شيطاناً مريداً ويدفع الله عنه آفات الليل ويزيد في رزقه ويذهب السوء من منزله:

" اللهم يا كبيرٌ يا قديرٌ يا سميعٌ يا بصيرٌ يا من لا شريك له ولا وزير يا خالق الشمس والقمر المنير يا عصمة البائس الخائف المستجير يا رازق الطفل الصغير يا جابر العظم الكسير يا قاسم كل جبار عنيد.

أسألك وأدعوك دعاء البائس الفقير كدعاء المضطر الضرير أسألك بمعاقد العز من عرشك وبمفاتيح الرحمة من كتابك و باسمائك الثمانية المكتوبة على قرن الشمس أن تجعل كذا وكذا (يخ) من حديث أنس وفيه عبد الله بن قيس. (تنزيه الشريعة المرفوعة: ۳۳۰/۲).

اس روایت کی سند درجِ ذیل ہے:

أنبا أبو العباس أحمد بن بقالة المشكاني عن عبد الخالق المقرئ عن المصنف وحدث عن الفقيه الحجازى بن شعبويه بن غازى أنبا أبو الحسن على بن أبي على إسحاق بن المؤذن ثنا الشيخ أبوموسى عيسى بن صالح الديلمى ثنا أبو إسحاق ثنا أبوبكر محمد

بن علی بن عبدی ثنا علی بن الحسین بن المغیرة ثنا إسحاق بن إبراھیم الکوفي حدثنا محمد بن عباس بن سابق ثنا عبد العزیز بن قیس بن عبد الرحمن القیسی ثنا حمید الطویل عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: سمعت أبابکر الصدیق رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه یقول...الخ.

(التدوین فی اخبارقزوین : ۱۳۴/۳،ط: دارالکتب العلمیة ، بیروت).

مزید ملاحظہ کیجیے: (الفردوس بماثورالخطاب : ۴۸۹/۱، وتھذیب : ۱۹۴/۱، والتدوین فی اخبارقزوین: ۱۳۴/۳).

یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے لیکن ان روایات میں تو اسمائے ثمانیہ کا ذکر نہیں ،اور جو اللہ تعالیٰ کی صفات ان میں مذکور ہیں وہ آٹھ سے زائد ہیں جن پر نشان لگایا گیا ہے، ممکن ہے کہ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہوں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ سے ماخوذ ہیں، جن کو ماترید یہ مانتے ہیں، ان صفات کو بندہ نے اس شعر میں قلمبند کیا ہے: ؂

موصوف رب ہے علم سے قدرت بھی تام ہے ❁ سمع وبصر حیاۃ وارادہ کلام ہے

اس کے ساتھ ماتریدیہ کے قول کے مطابق تکوین جس کے معنی خلق کے قریب ہے ملادیں تو آٹھ ہو جائیں گے اور یہ ہندوستان کے بعض اکابرؒ سے بھی منقول ہے۔اب ترتیب یوں ہے: (۱) عالم (۲) قدیر (۳) سمیع (۴) بصیر (۵) حي (۶) مرید (۷) متکلم (۸) مکون یعنی خالق۔

مزید دیکھیے: (مصباح العقائد شرح عقائد النسفی،ص ۳۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جنین کے اسٹیم سیل استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص مرگی کی بیماری کا مریض ہے، نیز دیگر دماغی اور بدنی بیماریوں میں مبتلا ہے، آج کل علاج ومعالجہ کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے، جس کو اسٹیم سیل تھرپی (stem cell therapy) کہتے ہیں، طریقہ علاج یہ ہے کہ مریض کے جسم میں اسٹیم سیل داخل کیے جاتے ہیں اور قوی امید ہوتی ہے کہ یہ سیل اندرونی ناقص سیل کی تلافی کرلیں گے، اور یہ سیل جنین سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ طریقہ علاج جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اسٹیم سیل حاصل کرنے میں اگر جنین کو کوئی جانی نقصان کا اندیشہ نہ ہونہ فی

الحال اور نہ مستقبل میں تو علاج کے طور پر بعض علماء نے اس کے اسٹیم سیل استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، اور اگر سیل حاصل کرنے میں جنین کو فی الحال یا آئندہ زمانہ میں کسی ضرر یا نقصان کا اندیشہ ہو تو پھر کسی کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں اس سے بالکل بچنا لازم ہے۔

اسٹیم سیل سے متعلق چند ضروری باتیں درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

جنینی اسٹیم سیل کا تعارف:

سائنس کی ترقی کے نتیجہ میں جو مسائل سامنے آئے ہیں اس میں اسٹیم سیل کا مسئلہ بھی ایک ہے، جنینی اسٹیم سیل دراصل علقہ ہے، استقرارِ حمل کے چار پانچ دن کے بعد نطفہ مرکب نشو نما کے ابتدائی مراحل میں علقہ کی ایک صورت اختیار کرتا ہے جسے بلاسٹوسسٹ (Blastocyst) کہتے ہیں، اسی بلاسٹوسسٹ کے خلیات اسٹیم سیل کہلاتے ہیں، اس کے بارے میں سائنسدانوں کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے محدود دائرہ میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے۔ (مستفاد از مقالہ ازمولانا خالد سیف اللہ صاحب، جدید فقہی مباحث: ۲۰/۱۶۳)۔

اسٹیم سیل حاصل کرنے کے ذرائع:

سائنسی تحقیق کے مطابق درجِ ذیل ذرائع سے اسٹیم سیلس حاصل کیے جاسکتے ہیں:

(۱) ایک ہفتہ یا دو ہفتے پرانے جنین (Emberyo) سے۔

(۲) اسقاط شدہ جنین سے۔

(۳) ٹسٹ ٹیوب بے بی کے باقی ماندہ علقات سے۔

(۴) نومولود بچہ کی ناف کے خون سے۔

(۵) ہڈیوں کے گودے (Bone Merrow) سے۔

(۶) بالوں کی جڑوں (Hair Mollicle) سے۔

(۷) چمڑے کے نیچے کی چربی دار خلیوں (Fat Cells) سے۔ (مستفاد از مقالہ ازمولانا خالد سیف اللہ صاحب، جدید فقہی مباحث: ۲۰/۱۶۴)۔

اسٹیم سیل کی حیثیت:

(الف) بعض حضرات فرماتے ہیں جنینی اسٹیم سیل ذی روح کا درجہ رکھتے ہیں، اور اس کی نظیر فقہاء کے

کلام میں مختلف انداز سے دستیاب ہوتی ہے۔

جدید فقہی مباحث (۲۰/۳۰۷) میں مولانا عبدالودود صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

- فقہاء کرام نے منی ضائع کرنے سے سختی سے منع کیا ہے اور علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''المبسوط'' میں فرمایا ہے کہ عورت کے رحم میں جا کر نطفہ جب تک خراب نہ ہو اس کے اندر زندگی کی صلاحیت رہتی ہے، اس لیے اس کو ضائع کرنے کی صورت میں ایک زندہ شخص قرار دے کر اس کا ضمان واجب ہوگا، جیسے کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کا انڈا توڑ دے تو اس پر وہی تاوان واجب ہوتا ہے جو ایک شکار کو مار دینے میں ہوتا ہے۔(المبسوط:۲۶/۸۷)۔

- اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خصی کرنے سے منع فرمایا، ظاہر سی بات ہے کہ منع کرنے کی کوئی وجہ ہے مآل کے اعتبار سے نسل انسانی کا انقطاع ہوگا اور اللہ کی بیش بہا نعمت کو ضائع کرنے کی صورت میں اللہ کے غضب کو زیادہ کرنا ہوگا۔ **يمنع في خصاء الآدميين**۔(الاحکام السلطانیۃ)۔

- اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ کوئی شخص کسی کی ریڑھ کی ہڈی پر مار دے جس سے اس کا مادۂ تولید ختم ہو جائے تو اس پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس سے منفعت کی ایک قسم توالد وتناسل ختم ہوگئی۔

ومن ضرب صلب غيره فانقطع ماءه تجب الدية لتفويت جنس المنفعة . (الهداية: ۴/۴۸۹).

دوسری جگہ (۲۰/۳۹۱) پر مفتی عبدالرحیم قاسمی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

- سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق اگر جنینی اسٹیم سیل مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے محدود دائرہ میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے تو وہ ذی روح کے وجود کی طرح قابل احترام ہوگا۔

علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: **ثم الماء في الرحم ما لم يفسد فهو معد للحياة فيجعل كالحي في إيجاب الضمان بإتلافه كما يجعل بيض الصيد في حق المحرم كالصيد في إيجاب الجزاء عليه بكسره** . (المبسوط: ۲۶/۸۷).

- علامہ شامیؒ فقیہ علی بن موسیٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فإن الماء بعد ما وقع في الرحم مآله الحياة فيكون له حكم الحياة كما في بيضة صيد الحرم ، ونحوه في الظهيرية**. (فتاوى الشامي: ۳/۱۷۶).

مذکورہ حضرات کی تحقیق کے مطابق ان کے نزدیک اسٹیم سیل کا استعمال ناجائز ہوگا۔

لیکن بعض حضرات نہ اس کو ذی روح کے حکم میں مانتے ہیں اور نہ اس کو قابل احترام گردانتے ہیں:۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی امام ابوبکر جصاص ؒ کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال أبوبكر: قوله تعالىٰ: من مضغة مخلقة ظاهره يقتضي أن لا تكون المضغة إنساناً كما اقتضى ذلک فی العلقة والنطفة والتراب وإنما نبهنا بذلک علی تمام قدرته ونفاذ مشيته حين خلق إنساناً سوياً معدلاً بأحسن التعديل من غير إنسان وهي مضغة والعلقة والنطفة التي لا تخطيط فيها ولا تركيب ولا تعديل للأعضاء فاقتضى أن لا تكون المضغة إنساناً كما أن النطفة والعلقة ليستا بإنسان وإذا لم تكن إنساناً لم تكن حملاً فلا تنقضى بها العدة إذ لم تظهر فيها الصورة الإنسانية . (احكام القرآن: ۵/۵۷).

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جس علقہ اور مضغہ میں تخطیط وترکیب وتعدیل نہیں وہ انسان نہیں اور جب انسان نہیں تو اس پر حمل کا اطلاق بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس سے انقضائے عدت ہو۔(جدید فقہی مباحث:۲۰/ ۵۹)

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اسے حقیقی انسان کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ابھی یہ علقہ اور مضغہ ہے۔جس میں نشو ونما تو ہوتی ہے لیکن تنفس کا نظام نہیں ہوتا، اسی وجہ سے سولہ ہفتوں سے پہلے فقہاء نے اسقاطِ حمل کی اجازت دی ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أوعلقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلک المدة بمائة وعشرين يوماً وإنما أباحوا ذلک لأنه ليس بآدمي . (رد المحتار: ۱/ ۲۷۲). (جديدفقهى مباحث : ۲۰/ ۱۶۴).

جنینی خلیے بطورِ علاج استعمال کرنے سے متعلق علماء کے دو نظریے:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں: اس سلسلہ میں دو پہلو قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ جنین سے سیل کا حصول کہیں اس کے لیے مہلک تو نہیں ہوگا، دوسرے ان سیلس سے عضو کی تیاری کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئندہ پیش آنے والی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہے، اور جہاں تک اجزاء انسانی سے بوقتِ ضرورت بطریقہ علاج فائدہ اٹھانے کی بات ہے تو بعض اہل علم کی رائے اس کے مطلقاً ممنوع ہونے کی ہے، اور جن حضرات نے

اجازت دی ہے ان کے یہاں بھی یہ جواز کچھ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جن میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ضرورت بالفعل موجود ہو، لہذا اعضوسازی کے لیے جنین سے سیل لینا درست نظر نہیں آتا۔(جدید فقہی مباحث: ۲۰/۱۶۵)۔

مولانا زبیر احمد قاسمی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

جنینی اسٹیم سیل کو فی الحال جاندار اور ذی روح کی طرح قابل احترام کہنا مشکل ہے، گو وہ آئندہ مکمل انسان بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، کیونکہ حکمِ شرعی موجودہ و بالفعل حالت پر لاگو ہوتا ہے، نہ کہ صرف بالقوۃ ومتوقع صورتِ حال پر، یہ جنینی سیل کسی بھی طرح عام نظروں میں اور عرف میں زندہ نہیں سمجھا جاتا، نہ اس میں ذی روح کی طرح کوئی حس وحرکت ہی محسوس ہوتی ہے اس لیے نہ اسے زندہ وجود والا ذی روح کہا جاسکتا ہے اور نہ ویسا قابل احترام ہی....

اگر اس جنینی اسٹیم سیل سے پورا اعضو بنایا جاسکتا ہے تو اس کے لیے ضروری حد تک جنینی اسٹیم مادرِ رحم میں زیر پرورش بچے، اور اسقاط شدہ جنین دونوں ہی سے لیا جاسکتا ہے، اور کارآمد عضو بنایا جاسکتا ہے تاکہ ضرورت مند انسان فائدہ اٹھا سکے اور اس عمل کو" **خير الناس من ينفع الناس**"کے قبیل سے کہا جاسکتا ہے۔

ہاں مادرِ رحم میں زیر پرورش بچہ سے جنینی سیل کے حاصل کرنے کے لیے یہ شرط ضرور ہوگی کہ اس سے اس بچہ کو کسی بھی سطح کا کوئی ضرر ونقصان نہ ہونے کا ظن غالب حاصل رہے، ورنہ پھر ممنوع ہوگا،" **لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام**" کی روشنی میں۔

اور عضوسازی کے لیے اس جنینی اسٹیم سیل کا استعمال اولاً تو فی الحال غیر جاندار ہونے کے سبب ثانیاً مقصد ونیت کے حسن ہونے کے سبب خلافِ احترام وادب نہیں کہا جاسکتا، ادب واحترام کے مفہوم کی جوہری حیثیت کے مدنظر ایک عمل اگر کبھی خلافِ ادب واحترام ہوسکتا ہے، تو وہی کام دوسرے انداز سے کیا جائے تو اسے خلافِ ادب واحترام کہنا مشکل ہے۔اس لیے ہمارے خیال میں مذکورہ بالا شرط اور قصد ونیت یعنی ضرورت مند انسان کی حاجت کی تکمیل کی نیت سے اس عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(جدید فقہی مباحث: ۲۰/۱۷۱۔۱۷۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز قضا کرنے پر ایک حقب جہنم میں جلنے والی روایت کی تحقیق:

سوال: حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے فضائل اعمال میں ایک روایت نقل فرمائی ہے، اس کا

مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قصداً نماز قضا کر دے اس کو جہنم میں ایک حقب عذاب دیا جائے گا، یہ روایت کیا ہے؟ اور کیا یہ ثابت ہے یا نہیں؟ نیز حدیث کی مشہور کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: فضائل اعمال میں یہ روایت ص ۳۳۰، فضائل نماز میں مذکور ہے۔

روایت کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

روي أنه عليه الصلاة والسلام قال: من ترك صلاة حتى مضى وقتها ثم قضى عذب في النار حقباً والحقب ثمانون سنة والسنة ثلاث مائة وستون يوماً كل يوم كان مقداره ألف سنة".

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی)۔

("كذا في مجالس الأبرار، قلت: (قال الشيخ محمد زكرياؒ) لم أجده فيما عندى من كتب الحديث ...الخ.

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

اور حقیقت بھی یہی ہے جو حضرت نے فرمایا کہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ روایت نہیں ملی۔

البتہ شیخ اسماعیل حقی استنبولی نے اس روایت کو اپنی تفسیر ''روح البیان'' میں بلا سند نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: " من ترك صلاة حتى مضى وقتها عذب في النار حقباً " والحقب ثمانون سنة كل سنة ثلاث مائة وستون يوماً كل يوم ألف سنة مما تعدون.

(تفسير روح البيان: ۱/۲۳، سورة النساء، داراحياء التراث العربى).

''الموضوعات الکبریٰ'' کے مقدمہ میں مرقوم ہے کہ شیخ اسماعیل حقی کی تفسیر روح البیان میں موضوع احادیث ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو:

قلت: ورأيت لبعضهم أنه عد من المفسرين الذين نفقت عليهم الأحاديث الموضوعة: الشيخ الخازن صاحب التفسير المسمى بـ"معالم" وإسماعيل حقي صاحب

التفسير المسمى بـ ’’روح البيان‘‘. (الموضوعات الكبرى،ص۷).

یہ روایت حضرت شیخ سید احمد سرہندی مجددِ الف ثانیؒ کے مکتوبات ’’مکتوباتِ امام ربانی‘‘ (۱/ ۵۲۵) میں مرقوم ہے۔ نیز مجالس ابرار میں شیخ احمد رومی نے بھی نقل کیا ہے۔ (مجالس الابرار: مجلس:۵۱/ ۳۶۵)۔

شیخ لطیف الرحمٰن صاحب تحقیق المقال میں لکھتے ہیں:

منكر بهذا اللفظ ، والمعنى له أصل، فإن الشطر الأول (قوله من ترک الصلاة إلى قوله حقباً) أخف مما رواه جابر بن عبد الله مرفوعاً بلفظ ’’ بين العبد وبين الكفر أوقال: الشرک، ترک الصلاة ، (مسلم:۸۲، والترمذي:۲۶۲۰) ، وبما رواه بريدة الحصيب الأسلمي مرفوعاً بلفظ ’’ العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر، (أحمد :۵/ ۳۴۶،۳۵۵، والترمذي: ۲۶۲۱، والنسائي: ۱/ ۲۳۱)، وبما رواه معاذ بن جبل فى حديث طويل: ولا تتركن صلاة مكتوبة متعمداً فإن من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله . (احمد : ۵/ ۲۳۸).

ثم اختلف العلماء في حكم تارک الصلاة فقال مالکؒ والشافعيؒ واحمدؒ : تارک الصلاة يقتل ضرباً بالسيف في رقبته ، ثم اختلفوا في كفره إذا تركها من غير عذر حتى يخرج وقتها، فقال إبراهيم النخعي وأيوب السختياني وعبد الله بن المبارک وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه: هو كافر...فهذه الأحاديث وأمثالها تدل على أن تارک الصلاة متعمداً يكون كافراً مخلداً فى النار، والرواية التي وردت فى الكتاب قللت شأن تارک الصلاة فلا يكون كافراً و لا مخلداً فى النار حسب ما اقتضته رواية الكتاب ، فإن الحقب يدل على المكث الطويل لا على الخلود فتتضاد الروايتان والرواية المعروفة إذا تخالفها رواية تسمى منكرة ...

الشطر الثاني:(قوله والحقب ثمانون سنة) أخرج هناد وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ’’والحقب ثمانون سنة والسنة ثلاث مائة وستون يوماً واليوم كألف سنة مما تعدون‘‘... وأخرج عبد الرزاق والفريابي وهناد وعبد بن حميد وابن جرير... والبزار وأبوالشيخ ما يؤيد ذلک من أقوال الصحابة منهم على وابن عباس وعبد

اللّٰہ بن عمرو وابن مسعود رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهم .

فيثبت من هذا كله أن التي وردت فى الكتاب له أصل، انتهى كلام الشيخ ملخصاً .

(تحقيق المقال،ص ۵۴۵،رقم الحديث : ۲۶۴).

وقد اختلف العلماء في معنى الحقب: فقال بعضهم : ثمانون سنة ، وقال البعض: أربعون سنة ، وقال البعض: سبعون سنة ، وقيل : إنه ألف شهر، وقيل: ثلاث مائة وقيل : ثلاثون ألف سنة ، وقال البعض: هو الدهر الطويل غير المحدود،...قال بعض المفسرين تحت الآية الكريمة : لابثين فيها أحقاباً ، معناه المكث الطويل أو التأبيد فكلما مضى حقب يعقبه حقب ، هكذا أبداً الآبدين من غير انقطاع ، فيجوز إذا أن يكون معنى الحقب ثمانين سنة ولا مخالفة في ذلک أصول الشرع ، ويثبت الشطر الثاني من الرواية المذكورة معنى.

وللمزيد راجع : (تفسيرالقرطبی : ۱۹/۱۷۸-۱۸۰).

خلاصہ یہ ہے کہ قصداً نماز قضا کرنے والے کے لیے احقاب کا عذاب احادیث سے ثابت نہیں،لیکن شیخ لطیف الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے کہ اس کی اصل اس معنی میں ہے کہ جوحضرات تارک الصلاۃ عمداً کو کافر کہتے ہیں یہ سزا اس سے کم ہے لیکن یہ تاویل احناف کے مذہب کے مطابق نہیں کیونکہ تارک الصلاۃ مذہبِ احناف میں نہ کافر ہے اور نہ اس کے لیے احقاب کا عذاب ثابت ہے۔

نیز محدثین اور اصحابِ اصولِ حدیث کے یہاں یہ اصول وقاعدہ مسلّم ہے کہ مواعظ کی کتب میں مذکورہ احادیث کا اعتبار نہیں جب تک کہ حدیث اپنے صحیح مرجع سے دریافت نہ ہو، واعظ کی جلالتِ شان سے بھی اس قاعدہ پر اثر نہیں پڑتا، کیونکہ انہوں نے حدیث کے بعینہٖ الفاظ کا اہتمام نہیں کیا، اور وعظ میں ہر قسم کی چیزیں آجاتی ہیں، کبھی حاضرین کی ترغیب کے لیے فرضی واقعات بھی شامل ہوجاتے ہیں، بہرحال مواعظ کی کتب سے حدیث کا حوالہ دینا مشکل ہے۔ملاحظہ ہو علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

وأما بحسب ما فيها من الأحاديث النبوية فلا، فكم من كتاب معتمد اعتمد عليه أجلة الفقهاء مملوء من الأحاديث الموضوعة...فقد وضح لنا بتوسيع النظر أن أصحابهم وإن كانوا من الكاملين، لكنهم في نقل الأخبار من المتساهلين ...الخ. (النافع الكبير،ص ۳۱).

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق چند سوالات اوران کے جوابات:

سوال: (۱) کیا مسلمان ممالک میں جہاں بادشاہت قائم ہو، وہاں بادشاہ اپنی تنخواہ بیت المال سے لے سکتا ہے؟ (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیسے کہاں سے لیتے تھے؟ (۳) اگر وہ بیت المال سے لیتے تھے تو ان میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہے؟ جو اپنی تنخواہ بیت المال ہی سے لیتے تھے؟ **بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل.**

الجواب: (۱) مسلمان ممالک میں جہاں خلافت قائم ہو، وہاں حاکم اپنی تنخواہ بیت المال سے لے سکتا ہے۔ اوراس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنی تنخواہ بیت المال سے لیتے تھے:

فقد كان أبو بكر رضي الله عنه رجلاً تاجراً يغدو كل يوم إلى السوق فيبيع ويبتاع فلما استخلف أصبح غادياً إلى السوق وعلى رقبته أثواب يتجر بها، فلقيه عمر رضي الله عنه وأبوعبيدة رضي الله عنه فقالا: أين تريد يا خليفة رسول الله؟ قال: السوق. قالا: تصنع ماذا وقد وليت أمور المسلمين؟ قال: فمن أين أطعم عيالي؟ فقالا: انطلق معنا حتى نفرض لك شيئاً، فانطلق معهما ففرضوا له كل يوم شطر شاة، وجاء في الرياض النضرة أن رزقه الذي فرضوه له خمسون ومائتا دينار فى السنة وشاة يؤخذ من بطنها ورأسها وأكارعها، فلم يكن يكفيه ذلك ولا عياله. (أبو بكر الصديق رضي الله عنه شخصيته وعصره للدكتور الصلابي:۱۵۶/۳).

وقال ابن سعد: أخبرنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا ابن عون عن محمد قال: توفي أبوبكر الصديق رضي الله عنه وعليه ستة آلاف كان أخذها من بيت المال، فلما حضرته الوفاة قال: إن عمر رضي الله عنه لم يدعني حتى أصبت من بيت المال ستة آلاف درهم وإن حائطي الذي بمكان كذا وكذا فيها، فلما توفي ذكر ذلك لعمر رضي الله عنه فقال: يرحم الله أبا بكر لقد أحب أن لا يدع لأحد بعده مقالاً وأنا والى الأمر من بعده وقد رددتها عليكم. (الطبقات الكبرى:۱۹۲/۳).

وقال ابن سعد: أخبرنا عبد الله بن جعفر الرقي قال: أخبرنا عبيد الله بن عمرو عن معمر عن الزهري عن عروة عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما ولي أبوبكر رضي الله عنه قال: قد علم قومي أن حرفتي لم تكن لتعجز عن مؤونة أهلي وقد شغلت بأمر المسلمين وسأحترف

للمسلمين في مالهم وسيأكل آل أبي بكر من هذا المال. (الطبقات الكبرى ۱۸۵/۳).

وقال إبراهيم بن طهمان عن خالد الحذاء عن حميد بن هلال قال: لما بويع أبوبكر رضي الله عنه أصبح وعلى ساعده أبراد، فقال عمر رضي الله عنه: ما هذا؟ قال يعني لي عيال، قال: انطلق يفرض لک أبو عبيدة، فانطلقنا إلى أبي عبيدة فقال: أفرض لک قوت رجل من المهاجرين وكسوته، ولک ظهرک إلى البيت. (تاريخ الإسلام للذهبي: ۲۰۵/۴).

ولما ولي عمر بن الخطاب رضي الله عنه أمر المسلمين بعد أبي بكر رضي الله عنه مكث زماناً، لا يأكل من بيت المال شيئاً حتى دخلت عليه في ذلک خصاصة، لم يعد يكفيه ما يربحه من تجارته، لأنه اشتغل عنها بأمور الرعية، فأرسل إلى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستشارهم في ذلک فقال: قد شغلت نفسي في هذا الأمر فما يصلح لي فيه؟ فقال عثمان بن عفان رضي الله عنه: كل وأطعم، وقال ذلک سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، وقال عمر لعلي: ما تقول أنت في ذلک؟ قال: غداء وعشاء، فأخذ عمر رضي الله عنه بذلک، وقد بين عمر رضي الله عنه حظه من بيت المال فقال: إني أنزلت نفسي من مال الله بمنزلة قيم اليتيم، إن استغنيت عنه تركت، وإن افتقرت إليه أكلت بالمعروف ، وجاء في رواية أن عمر رضي الله عنه خرج على جماعة من الصحابة فسألهم ما ترونه يحل لي من مال الله؟ أو قال من هذا المال؟ فقالوا: أمير المؤمنين أعلم بذلک منا، قال إن شئتم أخبرتكم ما أستحل منه ، ما أحج واعتمر عليه من الظهر، وحلتي في الشتاء وحلتي في الصيف، وقوت عيالي شبعهم ، وسهمي في المسلمين، فإنما أنا رجل من المسلمين، قال معمر: وإنما كان الذي يحج عليه ويعتمر بعيراً واحداً. (أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه للصلابي: ۱۷۳/۱).

سوال نمبر۲ کا جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِامارت (امارتِ شام) میں بیت المال سے ۸۰ دینار ماہانہ ملتے تھے۔ (تاریخ الاسلام: ۳۱۰/۴)۔ اور خلافت کے بعد بھی بظاہر یہی ۸۰ دینار لیتے ہوں گے۔

مال کے سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

پہلا اعتراض: مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنتِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ (خلافت وملوکیت:۱۷۴)۔

الجواب: مذکورہ بالا واقعہ سے متعلق جتنی روایات ہیں ان سب پر کلام ہے، بنابریں ضعیف روایات کا سہارا لے کر صحابی جلیل پر الزام لگانا صریح بے انصافی اور علمی خیانت ہے۔

روایات کی تحقیق حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

(۱) قال ابن سعد: أخبرنا إسحاق بن يوسف الأزرق قال حدثنا هشام بن حسان (مدلس) **عن الحسن أن زياداً بعث الحكم بن عمرو على خراسان ففتح الله عليهم وأصابوا أموالا عظيمة فكتب إليه زياد أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً.** (الطبقات الكبرى:۷/۲۸).

(۲) قال ابن عبد البر: حدثنا أحمد حدثنا أبي حدثنا عبد الله حدثنا بقي حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا ابن علية عن هشام (مدلس) **عن الحسن قال كتب زياد الحكم بن عمرو الغفاري وهو على خراسان أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً.** (الاستيعاب: ۱/۱۰۵).

(۳) قال الحاكم: فحدثني أبوبكر بن بالويه ثنا محمد بن أحمد بن النضر ثنا معاوية بن عمرو عن أبي إسحاق الفزاري عن هشام (مدلس) **عن الحسن قال: بعث زياد الحكم بن عمرو الغفاري على خراسان فأصابوا غنائم كثيرة، فكتب إليه أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب أن يصطفى له البيضاء والصفراء ولا تقسم بين المسلمين ذهباً ولا فضةً.** (المستدرك على الصحيحين:۳/۵۰۰).

ان روایات میں ہشام بن حسان مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی، لہذا یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

(۴) قال ابن جرير الطبري: حدثني عمر قال حاتم بن قبيصة (مجهول) **قال حدثنا**

غالب ابن سليمان عن عبد الرحمن بن صبح قال كتب إليه زياد: والله لئن بقيت منك طابقاً سحتاً وذلك أن زياداً كتب إليه لما ورد بالخبر عليه بما غنم: أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له صفراء وبيضاء والروائع فلا تحركن شيئاً حتى تخرج ذلك. (تاريخ الطبري: ۵/۲۵۱).

اس کی سند میں حاتم بن قبیصہ مجہول ہیں اور ابن جریر طبری پر تشیع کا الزام ہے۔

(۵) وكان زياد قد كتب إليه (حكم بن عمرو الغفاري) إن أمير المؤمنين أمرني أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً. (الكامل في التاريخ: ۲/۱۳۰).

(۶) وفي هذه السنة غزا الحكم بن عمرو (نائب زياد على الخراسان) جبل الأسل عن أمر زياد فقتل منهم خلقاً كثيراً وغنم أموالاً جمة، فكتب إليه زياد: إن أمير المؤمنين قد جاء كتابه أن يصطفى له كل صفراء وبيضاء يعني الذهب والفضة يجمع كله من هذه الغنيمة لبيت المال. (البداية والنهاية ۸/۲۹).

ان تمام اسانید پر کلام ہے لہذا ایک ایسے واقعہ کو بنیاد بنا کر ایک عظیم صحابیٔ رسول پر خیانت کا الزام لگانا صریح بے انصافی ہے۔(مستفاد از: حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی روایات: ۶۴)۔

نیز اس واقعہ کے پانچ حوالے دیے گئے جن میں چار مجمل ہیں اور ایک مفصل ہے، یعنی اس میں یہ مذکور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونا چاندی بیت المال کے لیے منگوایا تھا لہذا سب کو اس مفصل روایت پر محمول کیا جائیگا۔(مستفاد از حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق: ۲۰۱)۔

اور اس کی سند پر کلام ہونے کے باوجود اگر اس روایت کو ثابت تسلیم کرلیا جائے تو کچھ پتا نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعۃً اس مضمون کا خط لکھا بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر لکھا تھا تو اس کے الفاظ کیا تھے؟ اور ان کا واقعی منشا کیا تھا؟ ان تمام باتوں کا احتمال ہے۔

پھر زیاد نے ان کے الفاظ روایت بالمعنی کے طور پر ذکر کیے ہیں جس میں ردوبدل کی بہت کچھ گنجائش ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ زیاد نے کسی بد دیانتی یا غلط فہمی کے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط من وعن نقل کیا ہو تب بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اندازے یا کسی اطلاع کی بنا پر یہ سمجھے ہوں کہ جبل الاسد کے جہاد میں جو سونا چاندی ہاتھ آیا ہے وہ کل مالِ غنیمت کے پانچویں

حصے سے زائد نہیں ہے اس لیے انہوں نے بیت المال کی کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ حکم جاری فرمایا ہو کہ مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ بیت المال کے لیے بھیجا جائے گا اس میں دیگر اشیا کے بجائے صرف سونا چاندی ہی بھیجا جائے۔(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق،ص:۳۵)۔

دوسرا اعتراض: دیت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا،سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی،مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔(خلافت وملوکیت۱۷۳،۱۷۴)۔

الجواب: امام زہریؒ کا یہ قول یہاں اختصار اور اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے،اس کی پوری تفصیل امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کبریٰ میں بیان کی ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف بیت المال میں داخل کر دیتے تھے،لہذا آدھی دیت کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا کوئی سوال نہیں۔(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق،ص۱۹۳)۔

نیز معاہد کی دیت میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے،ایک قول یہ ہے کہ اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ملاحظہ ہو:

قال الإمام الترمذيؒ: حدثنا عيسى بن أحمد حدثنا ابن وهب عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقتل مسلم بكافر. وبهذا الإسناد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: دية عقل الكافر نصف عقل المؤمن . قال أبو عيسىٰ: حديث عبد الله بن عمرو في هذا الباب حديث حسن. واختلف أهل العلم في دية اليهودي والنصراني :

(١) فذهب بعض أهل العلم إلى ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم .

(٢) وقال عمر بن عبد العزيز: دية اليهودي والنصراني نصف دية المسلم، وبهذا يقول أحمد بن حنبل .

(٣) وروي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: دية اليهودي والنصراني أربعة آلاف ودية المجوسي ثمانمائة. وبهذا يقول مالك بن أنسؒ والشافعيؒ وإسحاقؒ .

(٤) وقال بعض أهل العلم: دية اليهودي والنصراني مثل دية المسلم.وهو قول

سفيان الثوري وأهل الكوفة. (سنن الترمذي ، باب ما جاء في دية الكفار،رقم: ۱۴۱۳).

قال العلامة ابن رشد القرطبي في بداية المجتهد (۱۹۶/۴) أما دية أهل الذمة إذا قتلوا خطأ فإن للعلماء في ذلک ثلاثة أقوال :

(۱) أحدها أن ديتهم على النصف من دية المسلم. ذكرانهم على النصف من ذكران المسلمين ونساؤهم على النصف من نسائهم. وبه قال مالکؒ وعمر بن عبد العزيزؒ . و على هذا تكون دية جراحهم على النصف من دية المسلمين .

(۲) والقول الثاني أن ديتهم ثلث دية المسلم. وبه قال الشافعيؒ وهو مروي عن عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفانؓ وقال به جماعة من التابعين.

(۳) والقول الثالث أن ديتهم مثل دية المسلمين وبه قال أبو حنيفةؒ والثوريؒ وجماعة وهو مروي عن ابن مسعودؓ وقد روي عن عمرؓ وعثمانؓ وقال به جماعة من التابعين .

حضرت معاویہؓ کے مال اور معاملات کی صفائی اور عمدگی کے شواہد:

حضرت معاویہؓ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کی ایک خاصی جماعت موجود تھی۔ مثلاً عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس ،مسور بن مخرمہ، زید بن ثابت، سائب بن یزید، عقیل بن ابی طالب، حسین بن علی، ابو ہریرہ، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملہ میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا، حالانکہ یہ حضرات خلافِ شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔ بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟ (سیرتِ حضرت امیر معاویہؓ، ص۶۹۴)۔

سوال نمبر۳ کا جواب: ابو بکرؓ اور معاویہؓ میں فرق یہ ہے کہ ابو بکرؓ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے بیت المال سے بقدر ضرورت لیتے تھے اور تنگی کی زندگی بسر فرماتے تھے اور معاویہؓ نے رخصت پر عمل کیا

اور ملکِ شام میں مسلمانوں کی شان وشوکت کو دوبالا کرنے کے لیے اپنی زندگی کے معیار کو کچھ بلند فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنخواہ کا معیار:

أخرج محمد بن سعد في طبقات الكبرى قال: أخبرنا مسلم بن إبراهيم قال أخبرنا هشام الدستوائي قال أخبرنا عطاء بن السائب قال: لما استخلف أبوبكر أصبح غادياً إلى السوق وعلى رقبته أثواب يتجر بها فلقيه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح فقالا له: أين تريد يا خليفة رسول الله؟ قال: السوق، قالا: تصنع ما ذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال: فمن أين أطعم عيالي؟ قالا له: انطلق حتى نفرض لک شيئاً فانطلق معهما ففرضوا له كل يوم شطر شاة وما كسوه في الرأس والبطن. (الطبقات الكبرى:۳/۱۸۴).

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقتِ انتقال بیت المال کا مال واپس فرمادیا:

جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے جتنا بیت المال سے لیا تھا اس کو واپس کرنے کا حکم فرمایا:

وقالت عائشةؓ: قال أبو بكر: انظروا ماذا زاد في مالي منذ دخلت في الإمارة فابعثوا به إلى الخليفة بعدي فنظرنا فإذا عبد نوبي كان يحمل صبيانه، وإذا ناضح كان يسقي بستاناً له، فبعثنا بهما إلى عمر فبكى عمر رضی اللہ عنہ وقال رحمة الله على أبي بكر لقد أتعب من بعده تعباً شديداً. (أبو بكر الصديقؓ شخصيته وعصره للدكتور الصلابي،ص۳۹۵).

فقال أبوبكر رضی اللہ عنہ أما إنا منذ ولينا أمر المسلمين لم نأكل لهم ديناراً ولا درهماً ولكنا قد أكلنا من جريش طعامهم في بطوننا ولبسنا من خشن ثيابهم على ظهورنا وليس عندنا من فىء المسلمين قليل ولا كثير إلا هذا العبد الحبشي وهذا البعير الناضح وجرد هذه القطيفة فإذا مت فابعثي بهن إلى عمر وابرئي منهن ففعلت، فلما جاء الرسول عمر رضی اللہ عنہ بكى حتى جعلت دموعه تسيل في الأرض ويقول: رحم الله أبا بكر رضی اللہ عنہ لقد أتعب من بعده، يا غلام ارفعهن. (الطبقات الكبرى لابن سعد ۳/۱۹۶).

قال ابن سعد أخبرنا يزيد بن هارون قال أخبرنا ابن عون عن محمد قال توفي أبوبكر الصديق رضی اللہ عنہ وعليه ستة آلاف كان أخذها من بيت المال فلما حضرته الوفاة قال إن عمر رضی اللہ عنہ لم يدعني حتى أصبت من بيت المال ستة آلاف درهم وإن حائطي الذي بمكان كذا وكذا

فيها، فلما توفي ذكر ذلك لعمر رضی اللہ عنہ فقال: يرحم الله أبا بكر رضی اللہ عنہ لقد أحب أن لا يدع لأحد بعده مقالاً وأنا والي الأمر من بعده وقد رددتها عليكم. (الطبقات الكبرى: ۳/۱۹۳).

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا معیار مصلحت کی وجہ سے پہلے خلفاء سے کچھ بلند تھا:

قال أبو الحسن المدائني: كان عمر رضی اللہ عنہ إذا نظر إلى معاوية قال: هذا كسرى العرب.

(تاريخ الإسلام للحافظ الذهبي ۲/۴۷).

وقال ابن أبي الدنيا: حدثني محمد بن قدامة الجوهري حدثني عبد العزيز بن يحيى عن شيخ (مجهول) **له قال: لما قدم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الشام تلقاه معاوية رضی اللہ عنہ في موكب عظيم، فلما دنا من عمر رضی اللہ عنہ قال له: أنت صاحب الموكب؟ قال: نعم يا أمير المؤمنين. قال: هذا حالك مع ما بلغني من طول وقوف ذوي الحاجات ببابك؟ قال: هو ما بلغك من ذلك . قال: ولم تفعل هذا؟ لقد هممت أن آمرك بالمشي حافياً إلى بلاد الحجاز، قال: يا أمير المؤمنين إنا بأرض جواسيس العدو فيها كثيرة، فيجب أن نظهر من عز السلطان ما يكون فيه عز للإسلام وأهله ويرهبهم به ، فإن أمرتني فعلت، وإن نهيتني انتهيت. فقال له عمر رضی اللہ عنہ: يا معاوية ما سألتك عن شيء إلا تركتني في مثل رواجب الضرس، لئن كان ما قلت حقاً إنه لرأي أريت، ولئن كان باطلاً إنه لخديعة أديت. قال: فمرني يا أمير المؤمنين بما شئت، قال: لا آمرك ولا أنهاك. فقال رجل** (عبد الرحمن بن عوف) **: يا أمير المؤمنين ما أحسن ما صدر الفتى عما أوردته فيه ! فقال عمر: لحسن موارده ومصادره جشمناه ما جشمناه.** (البداية والنهاية : ۸/۱۲۵). اس کی سند میں شیخ مجہول ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سادگی کے متعلق روایات ملاحظہ کیجیے:

یونس بن میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازاروں میں دیکھا، آپ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیص تھی اور آپ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، ص۳۱۹، بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۸/۱۳۴)۔

اسی طرح ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ۳۱۹، بحوالہ البدایہ والنہایہ ۸/۱۳۵)۔

یہ آپ کی طبعی سادگی اوراستغنا کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے ظاہری شان وشوکت کے طریقے بھی اختیار کیے،اوراس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھااور آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان وشوکت کا دبدبہ قائم رہے۔(حضرت معاویہؓ اورتاریخی حقائق ۳۲۰)۔

نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت:

وفات سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ آپ کے نصف مال کو بیت المال میں لوٹا دیا جائے۔

وقال محمد بن سعد أنا علي بن محمد عن محمد بن الحكم عمن حدثه أن معاوية لما احتضر أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال، كأنه أراد أن يطيب له ؛ لأن عمر بن الخطاب قاسم عماله. (البداية والنهاية ۸/۱۴۱).

شیخ ابوالحسن احمد بن یحیی البلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور مبہم راوی کی وضاحت فرمادی ہے۔ملاحظہ ہو:

المدائني عن محمد بن الحكم عن أبيه أن معاوية رضي الله عنه أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال،كأنه أراد أن يطيب له الباقي لأن عمر رضي الله عنه قاسم عماله .(أنساب الأشراف: ۸۵/۲، تحت ترجمة معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنه).

(وكذا في صحيح تاريخ الطبري ، الخلافة في عهد الأمويين ، للامام أبوجعفر محمد بن جرير الطبري (۲۲۴ـ۳۱۰ھ) ۳۹/۴، ط: دارابن كثير دمشق ، بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طلباء سے جسم دبانے کی خدمت لینے کا حکم:

سوال: بعض طلباء اپنے اساتذۂ کرام کے پاؤں دباتے ہیں، یا سر کو مالش کرتے ہیں، کیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلباء کو اپنے اساتذۂ کرام کی خدمت کرنا نیک بختی اور سعادت مندی کی بات ہے،البتہ نابالغ یا مراہق وغیرہ سے خدمت لینے میں شہوت کا اندیشہ ہوتو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

استاذ محسن ہے اوراحسان کا بدلہ احسان ہے۔حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صنع إليكم معروفاً فكافئوه

فإن لم تجدوا ما تكافئونه فادعوا له حتى تروا أنكم قد كافأتموه. (حديث صحيح، أخرجه أحمد: ۲/۶۸/۹۹، والبخاری فی الأدب المفرد، رقم: ۲۱۶، وابوداود، رقم: ۱۶۷۲، ۵۱۰۹، والنسائی: ۱/۳۵۸، والحاكم: ۱/۴۱۲، وابن حبان، رقم: ۳۴۰۸).

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم پر احسان کرے تو تم اس کا بدلہ چکا دو، اور اگر تم بدلہ نہیں دے سکتے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تمہیں گمان ہونے لگے کہ تم اس کا بدلہ دے چکے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری میں ہے:

عن سلام بن مسكين قال: سمعت ثابتاً يقول: حدثنا أنس رضی اللہ عنہ قال: خدمت النبي صلى الله عليه وسلم عشر سنين فما قال لي أف ولا لم صنعت ولا ألا صنعت. (رواه البخاری، رقم: ۶۰۳۸).

وعن قتادة عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قالت أمي يا رسول الله خادمك أنس ادع الله له قال: اللهم أكثر ماله وولده وبارك له فيما أعطيته. (رواه البخاری، رقم: ۶۳۴۴).

وأخرج الطبراني في الأوسط (۸۰۷۷) **والصغير** (۲۲۶)، **عن عمر رضی اللہ عنہ قال: دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وغلام له حبشي يغمز ظهره فقلت: ماشأنك يارسول الله فقال: إن الناقة اقتحمت بي لم يروه عن زيد بن أسلم إلا هشام بن سعد ولا عن هشام بن سعد إلا أبو القاسم بن أبى الزناد تفرد به عبد الرحمن بن يونس.**

قال الهيثمي: رواه الطبراني والبزار ورجاله رجال الصحيح خلا عبد الله بن زيد بن أسلم وقد وثقه أبو حاتم وغيره وضعفه ابن معين وغيره. (مجمع الزوائد: باب غمز الظهر من الألم).

وأخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى: عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قال: لقد رأيتني مع النبي صلى الله عليه وسلم في ماء من السماء وإني لأدلك ظهره وأغسله. (السنن الكبرى: ۱/۵/۷، باب التطهير بماء السماء والتاريخ الكبير للبخاری: ۲/۱۶۶).

وقال في سبل الهدى والرشاد: روى السلفى فى المشيخة البغدادية عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: اعتل أبى العباس رضی اللہ عنہ فعاده علي رضی اللہ عنہ فوجد في أخمص رجليه فأخذ بهما من يدى وجلس موضعي وقال: أنا أحق بعمي منك إن كان الله عزوجل توفي رسول الله صلى الله

عليه وسلم وعمي حمزة ، فقد أبقى لى العباس، عم الرجل صنو أبيه ، وبره به بره بأبيه ، اللّٰهم هب لعمي عافيتك ، وارفع له درجتك واجعله عندك في عليين . (سبل الهدى والرشاد: ۱۱/۱۰۳،الباب الثالث فى بعض مناقب سيدنا العباس).

(وكذا في شرح المواهب:۴/۴۸۲، وذخائر العقبى: ۱/۲۰۲، والحسن بن على بن أبى طالب رضی اللہ عنہ، ص ۳۲۵، لعلى محمد محمد الصلابى).

قال فى الدر: فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة...وفي رد المحتار: قال ابن القطان: أجمعوا على أنه يحرم النظر إلى غير الملتحى بقصد التلذذ بالنظر ، وتمتع البصر بمحاسنه ، وأجمعوا على جوازه بغير قصده اللذة والناظر مع ذلك آمن الفتنة . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۴۰۷، سعيد).

ہدایہ میں ہے: **وما يباح النظر إليه للرجل من الرجل يباح المس.** (الهداية:۴/۴۶۰).

قال فى الهندية: قال الفقيه أبوجعفر رحمہ اللہ: سمعت الشيخ أبابكر يقول: لا بأس أن يغمز الرجل الرجل إلى الساق ويكره أن يغمز الفخذ ويمسه من وراء الثوب أو غيره ، قال الفقيه أبوجعفر: ونحن نبيح هذا ولا بأس به قال الفقيه أبوجعفر: وكان الشيخ أبوبكر يقول: لا بأس أن يغمز الرجل رجل والدته ولا يغمز فخذ والدته كذا فى الذخيرة والمحيط. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۳، و۳۲۸).

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

جن چھوٹے بچوں کو استاذ کے سپرد کیا جاتا ہے تو ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے اس لیے ان سے اس قسم کا کام لینا جن سے خدمت کا سلیقہ اور عادت ہو جائے اور اپنی بڑائی طبیعت میں نہ آئے درست ہے، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خدمت لینا ثابت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی جب ان کی والدہ نے خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کر دیا تھا یہ خدمت کیا کرتے تھے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۱۱۸، ط: جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدۃ الشکر کے فضائل والی حدیث کی تحقیق:

سوال: یہ بات لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے: سجدۃ الشکر دنیاوآخرت میں کنز کی طرح ہے، یہ خبرسونے کی ہے، اکثر لوگ اس سے محروم ہیں اوراس کی قیمت نہیں جانتے۔ جب ہم سجدۃ الشکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے اور ملائکہ کے درمیان حجاب کھول دیتے ہیں، پھر ملائکہ سے کہتے ہیں میرے بندوں کو دیکھو انہوں نے فرائض ادا کیے اور میرے احکام کی اتباع کی اور میرے لیے سجدہ کیا ان چیزوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جومیں نے ان کو دی ہیں، اے فرشتوں ان کو کیا ملنا چاہیے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اے ہمارے رب ان کو رحمت بخش دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سوال کریں گے: اور کیا؟ فرشتے جواب دیں گے: اے ہمارے رب اپنی جنت دیجیے۔ پھر اللہ تعالیٰ سوال کریں گے: اور کیا؟ فرشتے جواب دیں گے: اے ہمارے رب ان کی پریشانی کو ختم کردیجیے۔ پھر اللہ تعالیٰ سوال کریں گے: اور کیا؟ کوئی خیر کی چیز باقی نہیں رہے گی مگر فرشتے اس کے بارے میں کہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سوال کریں گے: اور کیا؟ تو فرشتے جواب میں کہیں گے اب ہمیں کوئی علم نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جو میرا شکریہ ادا کرتا ہے میں اس کی قدر کرتا ہوں، اور میں اپنے فضل سے متوجہ ہوتا ہوں، اور اپنی رحمت متوجہ کرتا ہوں۔ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: مذکورہ بالا روایت حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی، ہاں شیعہ کی کتابوں میں سندِ ضعیف کے ساتھ موجود ہے، لیکن اس روایت کا اعتبار نہیں۔ شیعہ کی کتابوں کے چند حوالے درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے: **روی أحمد بن أبي عبد اللّٰه عن أبيه عن محمد بن أبي عمير** (مجهول)**عن حريز** (شيعی) **عن مرازم** (شيعی) **عن أبي عبد اللّٰه عليه السلام سجدة الشكر واجبة على كل مسلم، تتم بها صلاتک وترضى بها ربک وتعجب الملائكة منک، وإن العبد إذا صلى ثم سجد سجدة الشكر فتح الرب تبارک وتعالیٰ الحجاب بين العبد وبين الملائكة، فيقول: ياملائكتي، انظروا إلى عبدي، أدى فرضي، وأتم عهدي ثم سجد لي شكراً على ما أنعمت به عليه، ملائكتي ماذا له عندي؟ قال: فتقول الملائكة: ياربنا رحمتک، ثم يقول الرب تبارک و تعالیٰ ثم ماذا له؟ فتقول الملائكة: ياربنا جنتک، فيقول الرب تعالیٰ ثم ماذا؟ فتقول الملائكة: ياربنا كفاه ماهمه، فيقول اللّٰه سبحانه وتعالیٰ ثم ماذا؟ قال: ولا يبقى شيء من**

الخير إلا قالته الملائكة ، فيقول الله تعالىٰ: ياملائكتي ثم ماذا ؟ فتقول الملائكة : ياربنا لا علم لنا ، فيقول الله تعالىٰ: أشكرله كما شكرلي، وأقبل إليه بفضلي وأريه وجهي . (من لايحضره الفقيه للقمى: ١/٢٢٠، باب سجدة الشكر والقول فيها ، دارالكتب الاسلامية ،طهران). (وكذا فى تهذيب الاحكام للطوسى : ٢/١١٠).

سند کی تحقیق ملاحظہ کیجیے:

اس روایت کی سند منقطع ہے حضرت جعفر صادقؒ سے آگے سلسلہ معلوم نہیں ہے۔

اس کی سند میں محمد بن ابی عمیر مجہول راوی ہے۔اورحریز بن ابی حریز شیعی ہے، قال الدارقطني: كان من شيوخ الشيعة . اورمرازم بھی شیعی ہے۔ راجع: (لسان الميزان ،ترجمة: ٧٤٢٩، و٢١٩٩، و٢١٧٣ و٧٦٤٣، مكتب المطبوعات الاسلامية،والمؤتلف والمختلف).

سجدۂ شکر سے متعلق صحیح روایات ملاحظہ کیجیے:

عن أبي بكرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا جاءه أمر سرور أو بشر به خر ساجداً شاكراً لله . (رواه ابوداود،رقم: ٢٧٧٤،والترمذى ١٥٧٨ ،وابن ماجه١٣٩٤).

والبراء بن عازب رضی اللہ عنہ أنه عليه الصلاة والسلام سجد حين جاءه كتاب علي من اليمن بإسلام همدان . (أخرجه البيهقى فى سننه الكبرى:٢/٣٦٩/٣٧٧٨و٣٩٣٢، باب سجود الشكر، دار المعرفة) . وقال: إسناده صحيح .

وعبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ أنه صلى الله عليه وسلم سجد فأطال فلما رفع قيل له في ذلك فقال: أخبرني جبريل أن من صلى على مرة صلى الله عليه عشراً فسجدت شكراً لله. (أخرجه البزار:٣/١٠٠٦/٢١٩، مكتبة العلوم والحكم ، وأحمد في مسنده:١٦٦٤ ،والحاكم ،رقم: ٢٠١٩، دارابن حزم ، وغيرهم). وقد سجد كعب بن مالك حين جاءه خبر توبة الله عليه. (رواه البخارى، ٤٤١٨، ومسلم ، ٢٧٦٩). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی کی ولادت میں خاکِ مدفن کا شامل ہونا:

سوال: کیا یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کی ولادت میں وہ مٹی بھی شامل ہوتی ہے جہاں ان کی قبر ہوتی ہے،

اور جہاں وفات ہوتی ہے وہیں پر قبر بنائی جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس سلسلہ میں ابن ماجہ شریف میں ایک روایت مروی ہے جو صحیح لغیرہ کے قبیل سے ہے اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں لیکن سب ضعیف ہیں۔ ابن ماجہ شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

(۱) حدثنا نصر بن على الجهضمي، أنبانا وهب بن جرير، حدثنا أبي عن محمد بن إسحاق، حدثني حسين بن عبد الله عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لما أرادوا أن يحفروا لرسول الله صلى الله عليه وسلم بعثوا إلى أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه وكان يضرح كضريح أهل مكة، وبعثوا إلى أبي طلحة رضي الله عنه، وكان هو الذي يحفر لأهل المدينة، وكان يلحد، فبعثوا إليهما رسولين، فقالوا: اللّٰهم خر لرسولک، فوجدوا أباطلحة، فجيء به، ولم يوجد أبوعبيدة، فلحد لرسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فلما فرغوا من جهازه يوم الثلاثاء وضع على سريره في بيته، ثم دخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم إرسالاً يصلون عليه، حتى إذا فرغوا أدخلوا النساء، حتى إذا فرغوا أدخلوا الصبيان، ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد، لقد اختلف المسلمون فى المكان الذي يحفر له، فقال قائلون يدفن في مسجده، وقال قائلون يدفن مع أصحابه، فقال أبوبكر رضي الله عنه: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض، قال: فرفعوا فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي توفي عليه، فحفروا له ثم دفن صلى الله عليه وسلم وسط الليل من ليلة الأربعاء. ونزل في حفرته علي بن أبي طالب رضي الله عنه والفضل بن العباس رضي الله عنه وقثم رضي الله عنه أخوه وشقران مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال أوس بن خولى [وهو أبوليلى] لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه أنشدک الله وحظنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له علي رضي الله عنه أنزل، وكان شقران مولاه أخذ قطيفة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبسها، فدفنها فى القبر وقال: والله لا يلبسها أحد بعدک، فدفنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن ابن ماجه: ۱/۱۱۷، ط: قديمى كتب خانه).

فى الزوائد: إسناد فيه الحسين بن عبد الله بن عبيد الله بن عباس الهاشمي تركه أحمد بن حنبل وعلى بن المدينى والنسائى، وقال البخارى: يقال إنه كان يتهم بالزندقة،

وقواه ابن عدى ، وباقي رجال الإسناد ثقات .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح لغيره ، وهذا إسناد ضعيف لضعف حسين بن عبد اللّٰه: وهو ابن عبيد اللّٰه بن عباس بن عبد المطلب المدني، جرير وهوابن أبي حازم الأزدي .

وأيضاً أخرجه أبويعلى في مسنده (رقم:۲۲و۲۳) قال حسين سليم أسد: إسناده ضعيف. والبزار في مسنده (رقم: ۱۸و۶۰)، والآجري في الشريعة (رقم: ۱۷۹۰)، وابن عدى فى الكامل (۳۴۹/۲).

(۲) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" من افترى على اللّٰه كذباً قتل ولا يستتاب ومن سبني قتل ولايستتاب ومن سب أبابكر رضي الله عنه قتل ولا يستتاب ومن سب عمر رضي الله عنه قتل ولايستتاب ومن سب عثمان رضي الله عنه جلد الحد ومن سب علياً رضي الله عنه جلد الحد قيل يا رسول اللّٰه لم فرقت بين أبي بكر وعمر وعثمان وعلي ؟ قال: لأن اللّٰه خلقني وخلق أبوبكر وعمر من تربة واحدة وفيها ندفن .

أخرجه ابن عدى فى الكامل وقال: هذا البلاء من يعقوب بن الجهم والحديث غير محفوظ ولا يعرف من حديث المسعودى ولا من حديث عمر مولى عفرة . (الكامل: ۴۷۶/۸، ط: دارالكتب العلمية).

قال الذهبي فى الميزان ، بعد أن أورده: هذا حديث موضوع ، فقال ابن عدى : البلاء فيه من يعقوب . (ميزان الاعتدال:۲۷۶/۷).

وللمزيد راجع : (الفوائدالمجموعة: ۳۳۹/۱، ط: دارالكتب العلمية ،واللسان : ۵۳۰/۳،مكتب المطبوعات الاسلامية،واللآلى المصنوعة : ۳۰۹/۱،ط: دارالمعرفة).

(۳) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مولود إلا وفي سرته من تربته التي يولد منها فإذا رد إلى أرذل العمر رد إلى تربته التي خلق منها حتى يدفن فيها وإني وأبوبكر وعمر خلقنا من تربة واحدة وفيها ندفن .

أخرجه الخطيب البغدادي في تاريخه (۶۹۹۸/۵۴۲/۳،ط: دارالعرب الاسلامى)، وابن

عساكر في تاريخ مدينة دمشق (رقم: ۹۵۷۶). قال الدارقطني: موسى بن سهل ضعيف .

وأورده ابن الجوزى فى الموضوعات من طريق أخرى عن أحمد بن سعيد الأخميمى ... وقال : لايصح ؛ محمد وأحمد مطعون فيهما ، وفيه مجاهيل ؛ منهم أبواليسع. (الموضوعات: ۲/۷۶، ط: اضواء السلف).

وينظر: (اللسان : ۳/۵۳۰،وسلسلة الضعيفة: ۱۱/۳۸۹).

(۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مامن آدمى إلا ومن تربته في سرته فإذا دنا أجله قبضه اللّٰه من التربة التي منها خلق وفيها يدفن وخلقت أنا وأبوبكر وعمرمن طينة واحدة وندفن جميعاً في بقعة واحدة. (اخرجه ابن عساكرفى تاريخ مدينة دمشق: ۴۴/۱۲۱/۹۵۷۸).

إسناده ضعيف جداً ؛ فيه: أحمد بن الحسن بن أبان المصرى، قال ابن عدى: كان يسرق الحديث ، وقال ابن حبان: كذاب دجال، يضع الحديث على الثقات، وقال الدارقطني : حدثنا عنه وهو كذاب. راجع: (ميزان الاعتدال : ۱/۹۰،والجامع فى الجرح والتعديل: ۱/۳۹، والكامل : ۱/۳۲۴).

ومحمد بن عون الخراساني؛ قال البخارى: منكر الحديث ،وقال أبوزرعة : ضعيف الحديث، ليس بقوى، وقال أبوبشر الدولابي وأبوالفتح الأزدى: متروك الحديث. راجع: (تهذيب الكمال : ۲۶/۲۲۱).

(۵) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مولود إلا وقد ذر عليه من تراب حفرته . قال أبوعاصم: ما تجد لأبي بكر وعمر فضيلة مثل هذه لأن طينتهما من طينة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هذا .

قال أبونعيم: هذا حديث غريب من حديث ابن عون عن محمد، لم نكتبه إلا من حديث أبي عاصم النبيل عنه وهو أحد الثقات الأعلام من أهل البصرة . (حلية الاولياء : ۲/۲۸۰، ط: السعادة).

وأيضاً أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (۴۴/۱۲۲).

(٦) عـن أبي هريرة رضي الله عنه قـال: مـا مـن مـولود يولد إلا بعث الله ملكاً فأخذ من الأرض تـراباً فجعله على مقطع سرته فكان فيه شفاؤه وكان قبره في موضع أخذ التراب منه. (مصنف عبدالرزاق: ٦٥٣٣/٥١٦/٣، ط: المجلس العلمى).

إسـنـاده ضـعيف جداً وموقوف على أبي هريرة رضي الله عنه . فيـه : إبـراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمي، كذاب. راجع : (ميزان الاعتدال : ٥٧/١، ط: دارالفكر).

(٧) عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: يدفن كل إنسان فى التربة التي خلق منها .

(مصنف عبدالرزاق : ٦٥٣١/٥١٥/٣،ط: المجلس العلمى،والضعفاء للعقيلى:١٣٢٨/٤٤/٦).

إسناده ضعيف: فيه عمر بن عطاء بن وراز، ضعيف. راجع:(تهذيب الكمال : ٢١/ ٤٦٣).

(٨) عـن أبي سعيد رضي الله عنه أن الـنـبي صـلـى الـلّـه عـلـيـه وسلم مر بالمدينة فرأى جماعة يحفرون قبراً فسأل عنه فقالوا : حبشياً قدم فمات فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا إله إلا سيـق مـن أرضـه وسـمـائه إلى التربة التي خلق منها . (كشف الاستـارعن زوائد البزار: ٣٩٦/١،ط: مؤسسة الرسالة).

إسـنـاده ضـعيف: قـال الـبـزار: لا نـعـلمه عن أبي سعيد إلا بهذا الإسناد وأنيس وأبوه صـالـحـان حـدث عـن أنيـس حـاتـم بن إسماعيل وعبد العزيز وصفوان بن عيسى وغيرهم وأبونجيح لا نعلم روى عنه غير ابنه .

فيـه : عبـد الـلّـه بـن جعفر بن نجيح ؛ ضعيف الحديث. راجع: (الـكامل :٢٩٠/٥،ط: دارالكتب العلمية).

وأبـوه : جعفر بن نجيح ؛ ذكره أبوجعفر الطوسي في رجال الشيعة. (اللسان : ٤٧٨/١، المطبوعات الإسلاميه).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قـال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف ببعض نواحى الـمدينة فإذا بقبر يحفر فأقبل حتى وقف عليه فقال: لمن هذا قيل لرجل من الحبشة، فقال: لا إلـه إلا الـلّـه سيـق مـن أرضـه وسـمـائه حتى دفن فى التربة التي منها خلق . (نوادرالاصول : ٢١٣/١،ط: مكتبة الامام البخارى).

إسناده ضعيف: فيه : عمر بن أبي عمر، قال الدارقطني: متروك الحديث. ينظر: (الميزان: ۴/۱۱۷).

وللمزيد ينظر: (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۰/۳۴۲۳/۱۰۲۱۴، ط: مؤسسة الريان، والاوسط: ۶/۵۹/۵۱۲۲، ط: مكتبة المعارف، وتفسير الطبری: ۳/۱۱۲، ط: دار المعرفة).

حاصل یہ ہے کہ ان ضعیف روایات سے پتا چلتا ہے کہ مقامِ دفن کی مٹی خلقت میں شامل ہوتی ہے اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وہاں دفن کیے جاتے ہیں جہاں ان کا انتقال ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدارس میں تقریری مسابقہ کا حکم:

سوال: طلباء کو امتحانات، صفائی وغیرہ میں ترغیب دی جاتی ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں نیز تقریر اور قراءت وغیرہ میں مسابقہ ہوتا ہے تو کیا یہ ریاکاری میں تو شامل نہیں؟ اگر ریاکاری ہے تو پھر کرنے کی کیا وجہ ہے اور اگر نہیں ہے تو اس میں اور ریا میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ طلباء کا آپس میں مقابلہ چاہے وہ نعت وقراءت میں ہو یا بیان وتقریر میں ہو یا امتحانات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں یا صفائی ستھرائی میں ہو یہ سب تشجیع وتحریض کے قبیل سے ہیں لہذا اس کی اجازت ہے، یہ مذموم ریا میں داخل نہیں ہے، جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں تشجیعاً فرمایا تھا "من قتل قتيلاً له عليه بينة فله سلبه" اخرجه الشيخان. (بخاری: رقم: ۳۱۴۲، ومسلم، رقم: ۱۷۵۱) جو کسی دشمن کو قتل کردے اس کا سامان اس کو مل جائیگا۔

قال في شرح سنن ابن ماجه: قال في الدر: وندب للإمام أن ينفل وقت القتال حضاً وتحريضاً فيقول: من قتل قتيلاً فله سلبه" فالتحريض نفسه واجب للأمر به . (شرح سنن ابن ماجه: ۱/۲۰۵، رقم: ۲۸۵۳).

وقال في شرح عمدة الأحكام: إعطاء القاتل سلب قتيله من باب التشجيع والتحمس على قتال الأعداء . (شرح عمدة: ۱/۷۴۴).

وأيضاً قال فيه: إعطاء بعض الجيش زيادة على أسهمهم أو تخصيص بعض السرايا بزيادة على غيرهم ، لقصد المصلحة والترغيب والتشجيع . (شرح عمدة الأحكام: ۱/۷۵۱).

ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وفی الحديث جواز قول الشعر وأنواعه خصوصاً الرجز فی الحرب والتعاون على سائر الأعمال الشاقة لما فيه من تحريك الهمم وتشجيع النفوس وتحركها على معالجة الأمور الصعبة. (فتح الباری: ۷/۴۶۷).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تشجیعاً مشاعرہ بھی درست ہے جس میں مفید اشعار کا مقابلہ کیا جائے۔

صحیح مسلم شریف میں روایت ہے:

عن عكرمة وهو بن عمار حدثني إياس بن سلمة حدثني أبي قال: قدمنا الحديبية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن أربع عشرة مائة وعليها خمسون شاة لا ترويها قال: فقعد رسول الله صلى الله عليه وسلم على جبا الركية (فی حديث طويل ،الی ان قال:) ثم أردفني رسول الله صلى الله عليه وسلم وراءه على العضباء راجعين إلى المدينة قال: فبينما نحن نسير قال: وكان رجل من الأنصار لا يسبق شداً قال: فجعل يقول: ألا مسابق إلى المدينة هل من مسابق فجعل يعيد ذلك قال: فلما سمعت كلامه قلت: أما تكرم كريماً ولا تهاب شريفاً قال: لا إلا أن يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قلت: يا رسول الله! بأبي وأمي ذرني فلأسابق الرجل قال: إن شئت قال: قلت: اذهب إليك وثنيت رجلي فطفرت فعدوت قال: فربطت عليه شرفاً أو شرفين استبقى نفسي ثم عدوت في اثره فربطت عليه شرفاً أو شرفين ثم إني رفعت حتى الحقه قال: فأصكه بين كتفيه قال: قلت: قد سبقت والله قال: أنا أظن قال: فسبقته إلى المدينة. (رواه مسلم: ۳/۱۴۳۹، رقم الحديث: ۱۸۰۷،باب غزوة ذی قرد وغيرها).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسابقہ کرنا جائز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسابقہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور یہ ریا کاری میں داخل نہیں ہے۔

شرح المحرر فی الحدیث میں مرقوم ہے:

لا سيما إذا كان الترك أو الفعل الذي ذكر هو من باب التشجيع لا من باب القدح، هو من باب التشجيع، هو يشجع عبد الله بن عمرو (لا تكن مثل فلان). (شرح المحرر فی الحديث

: ۲۹/۲۰، لعبد الکریم بن عبد اللہ).

شرح المؤطا میں مرقوم ہے کہ اگر اولاد میں سے ایک طالب علم دین ہو تو علم کا شوق بڑھانے کے لیے زیادہ دیا جائے تو جائز ہے۔ **قال فی شرح المؤطا: لکن یعطی طالب العلم بالوصف لا بالشخص تشجیعاً علی العلم** . (شرح المؤطا: ۱۳۹/۸).

شرح ابی داود میں مرقوم ہے:

وقد أورد أبوداود حديث أبي بن كعب رضي الله عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً الصبح فقال: أشاهد فلان ؟ قالوا : لا، قال: أشاهد فلان ؟ قالوا: لا، وهذا على جواز مثل هذا العمل ، وذكر أسماء في صلاة الصبح من أجل حث الناس على الحضور وكون الواحد منهم يحذر من التخلف حتى لاينادى به حيث لايكون موجوداً ، فهذا الذى جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يدل على جواز مثل ذلک ، وهو موجود في بعض البلاد، حيث ينادون بعد صلاة الفجر بأسماء أناس كبار من أهل الحي ، وفي ذلک تشجيع وحث على حضور الجماعة وعلى شهود الصلاة . (شرح سنن ابی داود لعبدالمحسن : ۷۶/۱۹).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد چند اشخاص کے نام پکارے کہ حاضر ہیں یا نہیں اس میں ترغیب ہے تا کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کریں۔

الادب النبوی میں مذکور ہے:

المدح على الشيء قد يكون من إشارات الاستحسان ودواعى التشجيع والإجادة واستحثاث الهمم إلى جلائل الأعمال والإشادة بذكر المجد العامل . (الأدب النبوی: ۲۵۱/۱).

قال في شرح رياض الصالحين : نقل المؤلف رحمه الله في كتابه في بيان مدح الإنسان، هل ينبغي للإنسان أن يمدح أخاه بما هو فيه أولا وهذا له أحوال ؛ الحال الأول: أن يكون في مدحه خير وتشجيع له على الأوصاف الحميدة والأخلاق الفاضلة فهذا لا بأس به لأنه تشجيع لصاحبه فإذا رأيت من رجل الكرم والشجاعة وبذل النفس والإحسان إلى الغير فذكرته بما هو فيه أمامه من أجل أن تشجعه وتثبته حتى يستمر على ما هو عليه فهذا حسن

وهو داخل في قوله تعالىٰ : ﴿ وتعاونوا على البر والتقوى ﴾. (شرح رياض الصالحين : ٥٦٣/٦).

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ کسی کے سامنے تعریف کرنے میں اگر اس کی ترغیب مقصود ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔ وللاستزادة راجع: (الاذكار النووية : ٣٤٤/١، والبريقة المحمودية فى شرح الطريقة المحمدية : ٢٥٦/٢، واتحاف السادة المتقين : ٢٨٤/٨).

☆ ریا اور تحریض وتشجیع میں فرق یہ ہے کہ ریا کاری میں آدمی اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور اپنی خوبیاں دوسروں پر جتلانا چاہتا ہے، اور تحریض میں دوسروں کو کارِ خیر کی ترغیب دلانا مقصود ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال فى الحديقة الندية : (باعثاً) لذلک العامل (على مجرد الإظهار) أى إظهار عمله لذلک الغير (للاقتداء) أى متابعته الغير له في ذلک العمل، (ونحوه من النية الصالحة) كقصد شكر الله تعالىٰ أو الرد على المخالفين له بنية نصرة الحق (لها) باعثاً (على نفس العمل) ليمدحه عليه ذلک الغير (فليس)ذلک الإعلام (برياء) بل هو طاعة لله تعالىٰ يثاب عليها قال الإمام المحاسبي فى الرعاية: إظهار العمل ليقتدى به كفعل الأنصارى الذى جاءه بالصرة فتتابع الناس بالعطية لما رأوه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (من سن سنة حسنة فعمل بها كان له أجرها وأجر من اتبعه) فهل تجرى الأعمال هذا المجرى من الصلاة والصيام والحج والغزو وغيره . (الحديقة الندية : ٢/ ٣٤٨).

مزید ملاحظہ فرمایئے: (مقاصد الرعایۃ لحقوق اللہ تعالیٰ:۱/ ۹۷، وبریقۃ محمودیۃ :۲/ ۲۵۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سات آسمان اور سات جنت کے درجوں میں تفاوت:

سوال: سات آسمان اور سات جنت کے درجوں میں کیا فرق ہے؟ یعنی سات آسمان اور سات جنتیں ایک ہیں یا الگ الگ ہیں؟ اور سب سے اوپر جنت الفردوس ہے، ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انبیاء کرام سے ملاقات کی، مثلاً پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے، قرآنِ کریم میں یہ بھی مذکور ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائیں گے، إذا السماء انشقت ، إذا السماء انفطرت ، تو اب میرا سوال یہ ہے کہ سات آسمان اور سات جنتیں ایک ہیں یا سات آسمان پہلے اور اس کے اوپر سات جنتیں، اگر اس طرح ہو تو قیامت کے دن آسمان پھٹ جائیں

گے تو جنتیں بھی ختم ہوجائے گی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں، لیکن ان کے جائے وقوع کے بارے میں روایات مختلف ہیں؛ قرآن میں جنت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: **عرضها كعرض السماء والأرض**، جنت کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے، معلوم ہوا کہ آسمان اور جنت الگ ہیں، ورنہ جب چوڑائی میں دونوں برابر ہوں تو ایک دوسرے میں کیسے سمائیں گے، نیز مشبہ اور مشبہ بہ دونوں الگ ہوتے ہیں۔

مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جنت کہاں ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، اور جنت کی چھت عرش ہے۔

اور جہاں تک فنا ہونے کا مسئلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں فنا ہونے کے لیے بنائی گئی ہیں وہ ہلاک ہوجائیں گی یا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر کے لیے جنت کے پھلوں کو بے نفع کردیا جائیگا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر شئ قابل فنا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔

کچھ دلائل وشواہد ملاحظہ کیجیے:

وسئل مجاهد أين الجنة قال: في أعلى عليين وعن النار فقال: في أسفل السافلين.

(التنبيه والرد على اهل الاهواء والبدع، لابى الحسين محمد بن احمد الشافعى، ص ۱۴۰، ط: القاهرة).

وقال فى "الانتصار فى الرد على المعتزلة" وعندنا أن الجنة والنار مخلوقتان. قال فى الحاشية: ذكر اتفاق أهل السنة على هذا الآجري فى الشريعة (ص: ۳۸۷)، **وأبو الحسن الأشعري في مقالاته** (۱/۱۲۸، ۳۴۹)، **وابن حزم فى الفصل** (۸۱/۴)، **والقاضي أبويعلى فى المعتمد في أصول الدين**، (ص ۱۸۰)، **وابن القيم في حادى الأرواح**، (ص ۱۱)، **والطحاوى وشارح عقيدته**، (ص ۴۷۶)، **وصديق حسن خان في يقظة أولى الاعتبار**، (ص ۳۵).

وقال وإن الجنة فى السماء والنار تحت الأرضين. وقال فى الحاشية: قال الله عزوجل: ﴿ولقد رآه نزلة أخرى عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى﴾ [النجم: ۱۳-۱۵]، **و ثبت فى الحديث الصحيح قوله صلى الله عليه وسلم: إن فى الجنة مائة درجة أعدها الله للمجاهدين في سبيله كل درجتين ما بينهما كما بين السماء والأرض فإذا سألتم الله**

فـاسألوه الفردوس فإنه أوسط الجنة وأعلى الجنة فوقه عرش الرحمن ومنه تفجر أنهارالجنة أخرجه البخارى في كتاب التوحيد (باب وكان عرشه على الماء : ۹/۱۰۱)، من حديث أبي هريرة رضي الله عنه فـالآية والـحـديث يدلان على أن الجنة فى السماء ويدل الحديث على أن سقفها عرش الرحمن .

أما النار فقد روى أبونعيم في صفة الجنة (۱۶۵ ـ ۱۷۰)عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: الجنة فـى السماء السابعة ويجعلها حيث شاء يوم القيامة وجهنم فى الأرض السابعة ، وفي إسناده مـحـمـد بـن عبـد الـلّٰـه الـراوى عـن سـلـمة بـن كهيل ولم أقف على ترجمتـه وفي إسناده أبـو الـزعـراء عبـد الـلّٰـه بن هاني، قال عنه البخارى: لا يتابع في حديثه ، ووثقه العجلى وابن سعد وابن حبان، انظر: (التهذيب : ۶/ ۶۱) . (الانتـصـارفى الردعلى المعتزلة القدرية الاشرارمع الحاشية لابى الحسين يحيى بن ابى الخير العمرانى اليمنى الشافعى(م۵۵۸هـ):۳/۶۵۸).

وقـال فـي لـوامـع الأنـوار البهية : تتـمة فـي ذكر مكان الجنة والنار ، وأين هما على مقتضى الآثار:

اعـلـم أن الـجنة فوق الـسماء السابعة ، وسقفها عرش الرحمن كما قال جل شأنه في مـحـكم القرآن: ﴿ ولقد رأه نزلة أخرى عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى ﴾ وقد ثبت أن سـدرة المنتهى فوق السماء السابعة و سميت بذلک لأنها ينتهى إليها ما ينزل من عند الـلّٰـه فيـقبـض مـنهـا، ومـا يـصـعـد إليه فيقبض منها، وقال تعالىٰ: ﴿وفى السماء رزقكم وما توعدون ﴾ قال ابن أبي نجيح عن مجاهد : هو الجنة وتلقاه الناس عنه... (لوامع الانوار البهية: لشمس الدين السفارينى الحنبلى (م۱۱۸۸ هـ)۲/۲۳۷).

ولـلاستزادة راجع: (روائـع التـفسيـر لـلشيـخ زيـن الدين ابن رجب الحنبلى(م۷۹۵هـ)۲: ۵۴۶، والـعـظـمةلأبي الشيخ الأصبهانى(م ۳۶۹هـ)۳: ۱۱۰۲ ،وصفة الجنة لابى نعيم الاصبهاني (م۴۳۰هـ) ۱/ ۱۵۶، وفيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/ ۳۶۰، ومعالم الطريق الى الله لابى فيصل البدرانى: ۱/ ۱۱۲).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قدمِ عالم کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے:

سوال: فیض الباری میں علامہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی یہ رائے تھی کہ عالم قدیم ہے (ج۴/ ۲۹۹) علامہ زاہد کوثریؒ نے بھی حسن التقاضی (ص۹۹) میں یہ بات لکھی ہے، اور اکفار الملحدین میں علامہ کشمیریؒ نے یہ لکھا ہے:" **فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم لايكون من اهل القبلة**"، تو سوال یہ ہے کہ اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مقام کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فیض الباری اور انوار الباری میں حضرت شاہ ولی اللہ کے رسائل " **الخير الكثير**" و "**التفهيمات الإلٰهية**" کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے یہ لکھی ہے کہ عالم قدیم ہے جبکہ ان کے رسائل کی ورق گردانی سے یہ بات سامنے آئی کہ انہوں نے دونوں رسالوں میں حدوثِ عالم کا عنوان قائم کیا ہے۔ فیض الباری کی عبارت ملاحظہ ہو:

قوله: كان اللّٰه ولم يكن شيء غيره ، ومن لفظه : ولم يكن شيء قبله ، ولا أذكر فيه لفظ: معه ، والأولى اللفظ الأول، فإنه يدل على أن سائر العالم بنقيره وقطميره حادث بخلاف قوله ولم يكن شيء قبله ، فإنه وإن كان صحيحاً في نفسه لكنه لاتستفاد منه المسألة المذكورة ، ثم إن هذه عقيدة الأديان السماوية كلها، وما من دين حق إلا ويعتقد بحدوث الأكوان ، إلا اللّٰه ، واختار الشاه ولي اللّٰه في بعض رسائله قدم العالم وتمسك بما عند الترمذي أنه صلى اللّٰه عليه وسلم سئل أين كان ربنا قبل أن يخلق خلقه ؟ قال: كان في عماء ما فوقه هواء وما تحته هواء . (فيض الباری: ۴/ ۳،۲).

انوار الباری کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ قدمِ عالم کے بھی قائل تھے، جو سب سے بڑا ادا ہیہ والمیہ تھا، اس کو علامہ کشمیریؒ نے فیض الباری باب بدء الخلق میں ان کے بعض رسائل (**الخير الكثير و التفهيمات الالهية**) سے نقل کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات ان کا اس کے لیے حدیث ابی رزین سے استدلال ہے جو عماء کے بارے میں ترمذی میں مروی ہے۔ (انوار الباری: ۱۹/ ۷۷، کتاب التوحید والعقائد، شاہ ولی اللہ کے تسامحات)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے رسائل سے ان کی عبارات ملاحظہ کیجیے:

الخیر الکثیر میں مرقوم ہے:

ونحن نقول: العالم كله زمانه ومكانه وهيولاه حادث بمعنى أنه معلول بالإرادة متدنس بالأدناس يقتضي بنفسه الانتقال والحركة والزمانية والمكانية مسبوق ببعد موهوم ممتد إنما توهمه بإزاء البعدية المقدسة في تمثلات الوهم فاندفع النزاع .

وفصل الخطاب أن الحدوث حدوثان حدوث إنما مناطه التقيد التعين ويسمى حدوثاً لتأخره في سلسلة الكون عن الإلهيات وهو عام على قاطبة الممكنات والحدوث الزماني إنما يحيط بما فى الزمان لا الزمان ولا الأشياء المعاصرة معه، وأهل السنة لايمارون فيما تلونا إذ الحدوث عندهم أمر ما من تماثيل الأول ولكن جعلوا طرفه الوهم فإدراكهم ذلك يشابه إدراك الفلاسفة الماهيات فإنها بذواتها وهيات ولكنها بإزاء الصور النوعية والجنسية المتحققة فى الواقع أو بإزاء خصوصيات الفعليات مسنداً سبلها إلى حقائق الفعليات فتدبر فإن المسألة عميقة . (الخیر الکثیر، ص ۳۳).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدوث کی دو قسمیں ہیں: ایک حدوثِ ذاتی جس میں تمام ممکنات اللہ تعالیٰ اوراس کی صفات کی محتاج ہیں اوردوسرا حدوثِ زمانی جس میں تمام زمانیات شامل ہیں اورخود زمانہ حادث ہے لیکن دوسرے زمانہ کامحتاج نہیں بلکہ ایک وہمی امتداد کامحتاج ہے جیسے اشیاء بغیر حقیقت کے وہم ہیں اوراپنی صورت نوعیہ وجسمیہ کے ساتھ حقیقت ہیں۔

التفہیمات الالٰہیہ میں ہے:

إن قولنا العالم حادث له معنيان عامي وخاصي وهو بكلا المعنيين صادق أما العامى فهو أن ما يرى من الأجسام والأعراض مسبوق بزمان لم يكن موجوداً فيه وأما الخاصى فهو أن كل ذى وضع جسماً كان أو عرضاً أو واحداً من العرش والماء مسبوق إما بزمان لم يكن موجوداً أو بامتداد موهوم ليس هو فيه موجوداً . (التفهيمات الالهيه ، ص ۴۲).

حجۃ اللہ البالغہ میں مرقوم ہے:

فإن القول بحدوث العالم يتوقف على إبطال الهيولى،وإثبات الجزء الذي لايتجزى.

(حجة الله البالغة: ۱/ ۲٦).

رسائل الامام محمد زاہد الکوثری الی العلامۃ محمد یوسف البنوری کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

وقد استغرب الكوثري في هذه الرسالة نسبة قدم العالم إلى شاه ولي الله واستبعد ذلك إلا أنه بعد ذلك كما في كتابه حسن التقاضي، ص ۹۹، أظهر الميل إلى قبول ما ذكره العلامة أنور الكشميري . (رسائل الإمام محمد زاهد الكوثرى، ص : ۷۴). واللہ ﷻ اعلم۔

انسانی شکل میں تجلی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: فیض الباری میں علامہ کشمیری نے لکھا ہے (۴/۴۰۶) کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے کہ انسانی شکل میں تجلی کرے، آگے وہ بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ انسان کے تمام لوازمات کے ساتھ باقی رہے تجلی کے بعد، اس کے مخصوص عضو کے ساتھ (**حقو، فأخذت بحقو الرحمن**) یہ بات بہت حیرت انگیز ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان میں کیسے مناسب ہے؟ علامہ کوثریؒ نے اس کے بارے میں کتاب الاسماء والصفات کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ **تعالى الله عن هذه الوثنيات بعد الإسلام** . (ص: ۳۶۹).

الجواب: شاہ صاحب کشمیریؒ نے جو بات لکھی ہے اس کی تشریح مولانا بدر عالم صاحبؒ نے حاشیہ میں لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جیسے کلامِ نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدیم ہے اور کلامِ لفظی حادث اور کلامِ نفسی پر دال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اسی طرح ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر قسم کی شکل وصورت اور اس کے لوازمات سے پاک ہے، ایک اس کی تجلی ہے جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے اس کے لیے صورت اور شکل ہوتی ہے لیکن وہ دال علی الذات ہے ذاتِ الٰہیہ نہیں، اس کی دوسری مثال لائٹ (light) ہوسکتی ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے نہ سفید ہے نہ سرخ، نہ لمبی ہے نہ چھوٹی، لیکن جب کسی بلب (bulb) یا راڈ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو مختلف اشکال میں ظاہر ہوتی ہے یا جیسے روح نہ سرخ ہے، نہ سفید، نہ لمبی ہے نہ چوڑی، لیکن اجسام میں ظاہر ہونے کے بعد مختلف صفات میں نظر آتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اکچریل سائنس (Actuarial science) پڑھنے کا حکم:

سوال: آج کل یونیورسٹیوں میں ایک فن ہے جس کو ''احصائی علوم'' (اکچریل سائنس Actuarial Sciences) کہتے ہیں، اس علم کو سیکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احصائی علوم (اکچریل سائنس Actuarial Science) سے مراد ریاضیات اور

شماریات کا علم جس سے معاشیات اور مالیات پر مدد حاصل کی جاتی ہے، ان علوم کی حدتام کو کسی ایک مضمون میں سمیٹا نہیں جاسکتا البتہ اس کا اطلاق ریاضی ،شماریات ،معاشیات اور مالیات کے مجموعہ پر ہوتا ہے جس کو احصائی علوم سے موسوم کیا جاتا ہے۔(ملخص از ویب سائٹ:Wikipedia.org)۔

اگران علوم پر عمل کرنے میں حرام کا ارتکاب نہ ہوتو ان پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں اوران کو سیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں تا کہ حلال وحرام کا فرق کر کے حرام سے اجتناب کیا جائے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شب جمعہ ارواح کا گھروں میں آنا:

سوال: بعض کتابوں میں یہ مضمون ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومنین کی روحیں ہر شبِ جمعہ اپنے گھروں میں لوٹ آتی ہیں اوران میں سے ہرایک غمگین آواز سے پکارتی ہے''اے میرے گھر والوں اولاد اور میرے احباب ہمارے نام پر کچھ صدقہ دو،ہمیں یاد کرو اور ہماری تنہائی وبے بسی پر رحم کرو۔(حقوق الوالدین،ص۴۷)۔کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور کیا کسی روایت میں ایسا مضمون وارد ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب: تلاشِ بسیار کے بعد بھی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون نہیں ملا، البتہ ابوالحسن الہکاری نے ہدیۃ الاحیاء میں ایک روایت نقل کی ہے لیکن یہ موضوع ہے،اوراشعۃ اللمعات میں بلاسند وبلاحوالہ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: ودر بعض روایات آمدہ است کہ روحِ میت می آید خانہ خود را شبِ جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کند از وے یا نہ''۔(اشعۃ اللمعات:۱/۶۳۷،باب زیارۃ القبور،المکتبۃ الرشیدیۃ)۔

لیکن حدیث کی معتبر کتابوں میں اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ملی، بلکہ ترمذی شریف میں اس کے خلاف روایت ہے: حدثنا أبوسلمة يحيى بن خلف قال: حدثنا بشر بن المفضل، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن سعيد بن أبي سعيد المقبرى عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قبر الميت (اوقال احدكم) أتاه ملكان أسودان أزرقان يقال لأحدهما المنكر والآخر النكير فيقولان ماكنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول ماكان يقول: هو عبد الله ورسوله أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله فيقولان: قدكنا نعلم أنک تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين ثم ينور له فيه ثم يقال له نم فيقول: ارجع إلى أهلي فأخبرهم ؟ فيقولان نم كنومة العروس الذي لايوقظه إلا أحب أهله إليه حتى

يبعثه الله من مضجعه ذلک وإن كان منافقاً قال: سمعت الناس يقولون فقلت مثله لا أدري فيقولان قد كنا نعلم أنک تقول ذلک فيقال للأرض التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلک . (رواه الترمذی، رقم: ۱۰۷۱، عذاب القبر).

ہاں علامہ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل کے وقت روح فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے پھر جنازہ کے ساتھ فرشتہ چلتا ہے اور پھر قبر میں روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے۔لیکن کسی دن کو متعین کر کے ایصالِ ثواب کرنا بدعت ہے اور اس قسم کی بے دست و پا روایات سے اہل بدعت کے لیے فتنہ وضلالت کا راستہ کھلتا ہے۔ شرح الصدور کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

وأخرج عن حذيفة قال الروح بيد ملک وإن الجسد ليغسل وإن الملک ليمشي معه إلى القبر فإذا سوى عليه سلک فيه فذلک حين يخاطب. وأخرج البيهقي عن حذيفة قال: إن الروح بيد الملک والجسد يقلب فإذا حملوه تبعهم فإذا وضع فى القبر بثه فيه. وأخرج ابن أبى الدنيا عن عبد الرحمن ابن أبي ليلىٰ قال: الروح بيد ملک يمشي به فى الجنازة يقول له اسمع ما يقال لک فإذا بلغ حفرته دفنه معه . و أخرج عن ابن أبي نجيح قال: ما من ميت يموت إلا وروحه في يد ملک ينظر إلى جسده كيف يغسل و كيف يكفن وكيف يمشي به إلى قبره ثم يعاد إليه روحه فيجلس في قبره . (شرح الصدور: ۱/۱۰۱، دار المعرفة، لبنان).

المدخل میں ہے:

ولا بأس بفعله للصدقة عن الميت للمحتاجين والمضطرين لا للجمع عليه مالم يتخذ ذلک شعاراً يستن به...ثم قال: وكذلک يحذر مما أحدثه بعضهم من فعل الثالث للميت وعملهم الأطعمة فيه حتى صار عندهم كأنه أمر معمول به ويشيعونه كأنه وليمة عرس و يجمعون لأجله الجمع الكثير من الأهل والأصحاب والمعارف . (المدخل: ۳/۸ و ۲۷۶).

فتح القدير میں مرقوم ہے:

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فى السرور لا فى الشرور

وهي بدعة مستقبحة . (فتح القدير: ۲/ ۱۴۲، ط: دار الفكر).

وقال في الفتاوى البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة بقراء ة القرآن وجمع الصلحاء، والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص، فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره . (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۴/ ۸۱).

فتاویٰ محمودیہ میں اشعۃ اللمعات کی عبارت نقل کرنے کے بعد مرقوم ہے: مکان پر آنے کی کوئی روایت معتبر نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۰۴)۔ دوسری جگہ مذکور ہے: یہ روایت صحاح میں نہیں بلکہ صحاح کی روایات کے خلاف اور نا قابل تسلیم ہے، ایسی بے سند روایات اہل بدعت کے لیے سامانِ ضلالت اور فتنہ ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۲۱۱)۔

حضرت تھانویؒ نے اغلاط العوام میں لکھا ہے:

عوام کا عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مردوں کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے اگر کچھ ثواب مل گیا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ (اغلاط العوام، ص ۲۶)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۵۵، وفتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۳۴۴، مکتبۃ الاحسان، دیوبند، وامداد الفتاویٰ: ۱/ ۶۱۶، وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۴۳۰)۔

شیخ ابوالحسن الہکاریؒ نے اپنی کتاب " هدية الأحياء للأموات " میں اس بارے میں ایک روایت نقل کی ہے لیکن یہ روایت موضوع ہے، اس کا اعتبار نہیں۔ روایت ملاحظہ ہو:

أخبرنا أبو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن موسى السلمي كتابة قال: ثنا أبو القاسم عبد الله بن محمد النيسابوري عن علي بن موسى البصري، عن ابن جريج ، عن موسى بن وردان ، عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" اهدوا لموتاكم" قلنا: وما نهدى يارسول الله ! الموتى ؟ قال: الصدقة والدعاء ، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إن أرواح المؤمنين يأتون كل جمعة إلى سماء الدنيا فيقفون بحذاء دورهم وبيوتهم فينادي كل واحد منهم بصوت حزين: يا أهلي وولدي وأهل بيتي وقراباتي

أعطفوا علينا بشيء رحمكم اللّٰه، واذكرونا ، ولا تنسونا ، وارحموا غربتنا وقلة حيلتنا، وما نحن فيه ، فإنا قد بقينا في سحيق وثيق ، وغنم طويل، ووهن شديد ، فارحمونا رحمكم اللّٰه ، ولا تبخلوا علينا بدعاء أوصدقة أو تسبيح ، لعل اللّٰه يرحمنا قبل أن تكونوا أمثالنا، فيا حسرتاه واندماه يا عباد اللّٰه ! اسمعوا كلامنا ، ولا تنسونا ، فأنتم تعلمون أن هذه الفضول التى فى أيديكم كانت فى أيدينا، وكنا لم ننفق فى طاعة اللّٰه ، ومنعناها عن الحق صار وبالاً علينا ومنفعته لغيرنا ، والحساب والعقاب علينا، قال: فينادى كل واحد منهم ألف مرة من الرجال والنساء ، اعطفوا علينا بدرهم أو رغيف اوكسرة " قال: فبكى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وبكينا معه ، فلم نستطع أن نتكلم ثم قال: " أولئک إخوانكم كانوا فى نعيم الدنيا ، فصاروا رميماً بعد النعيم والسرور" قال:" ثم يبكون وينادون بالويل والثبور والنفير على أنفسهم يقولون: ياوليتنا لو أنفقنا ماكان فى أيدينا ما احتجنا ، فيرجعون بحسرة وندامة فينادون: ما أسرع ما تبكون أنتم على أنفسكم ثم لم ينفعكم فبادروا قبل أن تلحقوا بنا فتكونوا أمثالنا، وقد نصحنا لكم، مهلاً مهلاً ثم ينادون بأجمعهم إن كنا أيسنا من أهالينا فإن الرحمٰن يذكرنا هو يرحمنا، فإن رحمته وسعت كل شيء ، فقالوا: يانبي اللّٰه ! صف لنا الصدقة للأموات فقال:" إنک لتصدق عن ميتک بصدقة فيجيئه ملک من الملائكة بطبق من نور فيجعلها على الطبق ولها نور ساطع في سبع سمٰوات، فيقوم على شفير قبره فينادي: السلام عليک يا صاحب القبر الغريب إن أهلک أهدوا إليک بهدية فاقبلها، قال: فيدخل اللّٰه في قبره وينور له في قبره ، ويوسع عليه بها، من أعطى صدقة لميت فله عند الله من الثواب ، مثل جبل أحد ، ومثل جبل...وهو في ظل عرش اللّٰه يوم لا ظل إلا ظله، ولاحساب عليه ، فتصدقوا رحمكم اللّٰه على موتاكم فأنتم تنجون يوم القيامة من عذاب اللّٰه وتفرحون في جنة اللّٰه". (هدية الأحياء للأموات ، للشيخ أبى الحسن الهكارى ، ص ۱۷۴، ۱۷۵).

اس روایت کی سند میں شیخ ابوالحسن علی الہکاری اوران کے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی کو متہم بالوضع کہا گیا ہے۔

(۱) أبوالحسن على بن أحمد الهكاري ؛ قال الذهبي فى الميزان : قال ابوالقاسم بن عساكر : لم يكن موثقاً ، وقال ابن النجار: متهم بوضع الحديث وتركيب الأسانيد ، قاله في

ترجمة عبد السلام بن محمد ، انتهى . (ميزان الاعتدال: ۳۲/۴، ترجمة: ۵۷۷۴، ولسان الميزان: ۴۸۳/۵، ترجمة: ۵۳۰۹،ط: مكتب المطبوعات الإسلامية ، وسير أعلام النبلاء مع التعليقات: ۶۷/۱۹).

(۲) أبو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن موسى السلمي؛ قال الذهبي في الميزان قال الخطيب: قال لي محمد بن يوسف القطان: كان يضع الأحاديث للصوفية ... (ميزان الاعتدال: ۴۴۳/۴، ترجمة: ۷۴۱۹، ولسان الميزان: ۹۲/۷ ،ترجمة: ۶۲۹۵،و تاريخ بغداد: ۲۴۸/۲، وسير اعلام النبلاء: ۲۵۲/۱۷). **خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت موضوع ہے اور ارواحِ مومنین کا شبِ جمعہ کو گھر آنا ثابت نہیں ہے، اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ سے متعلق کچھ سوالات:

سوال: (۱) نقشبندی سلسلہ اور باقی سلسلے جاننے کے لیے کونسی کتابیں مفید ہیں۔(۲) سلسلوں کے اصل وظائف کونسے ہیں؟ (۳) مرشدِ عالم کے جانشین کون ہیں؟ (۴) اصلی اور نقلی پیر کو جاننے کا کیا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سلسلوں کے جاننے کے لیے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی دو کتابیں بہت مفید ہیں: (۱) ضیاءالقلوب۔(۲) کتاب ارشادِ مرشد۔ان دونوں کتابوں کو کلیاتِ امدادیہ میں جمع کردیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

اور جتنے سلسلے ولایت کے ہیں سب بواسطہ اہل بیت کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں، چنانچہ نقشبندیہ کے ایک سلسلہ میں حضرت جعفر صادق اور دوسرے میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ وحضرت زین العابدین وحضرت محمد باقر وحضرت موسیٰ کاظم وحضرت علی بن موسیٰ، اور سلسلہ قادریہ میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسن مثنی وحضرت سید عبداللہ محض اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت علیؓ اور سلسلہ سہروردیہ میں حضرت علی موسی رضا واقع ہیں۔پس یہ سب سلاسل اہل بیت کے ہیں، **فهذه السلاسل كشجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها في السماء تؤتي أكلها كل حين بإذن ربها .** (امدادالفتاویٰ: ۱۳۹/۶)۔

(۲) کا جواب: ❁ سلسلہ نقشبندیہ کے وظائف:

کلمہ استغفار: روزانہ سومرتبہ: **أستغفر الله تعالىٰ ربي من كل ذنب وأتوب إليه .**

درودشریف: روزانہ سومرتبہ: **اللّٰهم صلی علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم علیه .**

کلمہ تمجید: روزانہ سومرتبہ: **سبحان اللّٰه والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر .** آخر میں صرف ایک مرتبہ: **ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم .** پڑھا کریں۔(انوارِ شمسیہ،ص۱۰۶)۔

❁ سلسلہ قادریہ کے وظائف:۔

استغفار روزانہ سومرتبہ: **أستغفر الله تعالیٰ ربي من كل ذنب وأتوب إليه .**

درودشریف: روزانہ سومرتبہ: **اللّٰهم صل علی سیدنا محمد وآله وعترته بعدد كل معلوم لک.**

نفی واثبات: روزانہ سومرتبہ: (ذکر ناسوتی) **لا إله إلا الله .**

مجرد اثبات: روزانہ سومرتبہ: (ذکر ملکوتی) **إلا الله .**

مراقبہ قلبی: روزانہ سومرتبہ: (ذکر قلبی) **الله .**

اسمِ ذات لسانی: روزانہ سومرتبہ: (ذکر جبروتی) **الله ، الله .**

اسمِ ذات لسانی: روزانہ سومرتبہ: (ذکر لاہوتی) **هو ، هو .**

اسمِ ذاتِ لسانی: روزانہ سومرتبہ: (ذکر مرکب، ذکر عروجی) **اللّٰه هو ، اللّٰه هو .**

اسمِ ذاتِ لسانی: روزانہ سومرتبہ: (ذکر غیر مرکب، ذکر تنزلی) **هو اللّٰه ، هو الله.**

ذکر لسانی روزانہ سومرتبہ: (ذکر تضرعی) **أنت الهادي أنت الحق ليس الهادي إلا هو .**

(انوارِ شمسیہ،ص۱۰۷)۔

❁ سلسلہ چشتیہ کے وظائف:

ذکر جہری نفی واثبات اور اسمِ ذات کے بیان میں مع ان بارہ تسبیح کے جو حضراتِ چشتیہ کی معمول ہیں۔

ان بارہ تسبیحوں کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ تہجد کی بارہ رکعتیں چھ سلاموں سے پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور نہایت خشوع وخضوع سے تین مرتبہ یا پانچ یا سات بار ہاتھ اٹھا کر: **اللّٰهم طهر قلبي . الخ.** پڑھے اور توبہ واستغفار کے بعد: **أستغفر اللّٰه تعالیٰ ربي من كل ذنب وأتوب إليه،** اکیس بار پڑھ کر درودشریف... تین بار عروج ونزول کے طریقہ پر پڑھے اور چارزانو بیٹھ جائے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی سے رگِ کیماس کو مضبوط پکڑے اور اپنے دونوں ہاتھ زانو پر رکھ دے اور قبلہ

روہو جائے اور لا الٰہ کہتے وقت کلمہ شہادت کی انگلی اٹھاوے اور الا اللہ کہتے وقت انگلی کو رکھ دے اور اپنے کو ساکن و مطمئن رکھے اور خلوصِ نیت اور خوش الحانی سے اعوذ اور بسم اللہ کہکر: **لا إلـه إلا اللّـه محمد رسول اللّٰه** تین بار اور کلمہ شہادت ایک بار پڑھے۔

اس کے علاوہ بہت ساری تفصیلات ہیں ان کو جاننے کے لیے ضیاء القلوب (۱۵) کا مطالعہ کیا جائے۔

(۳) کا جواب: مولانا غلام حبیب نقشبندی کے جانشین نہ مولانا ذوالفقار صاحب ہیں اور نہ مولانا اسماعیل واڈی صاحب ہیں بلکہ ان کے جانشین ان کے اپنے بیٹے ہیں جو چکوال میں قیام پذیر ہیں۔

(۴) کا جواب: جو متبع سنت مرشد ہو اور اپنے شیخ کی تعلیمات کی خدمت کر رہا ہو۔

وظائف مذکورہ لکھنے سے نہیں سیکھے جا سکتے بلکہ کسی مرشد کامل کی تعلیم سے حاصل ہو سکتے ہیں ہر ایک سلسلہ کے مرشدین دنیا کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں ہمارے اکابر دیوبند اکثر چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جملہ مسلمانوں کے لیے استغفار کرنے کا حکم:

سوال: بعض علماء کہتے ہیں کہ جمیع المومنین کے لیے دعا کرنا نصوص کے خلاف ہے، اس لیے کہ بعض مسلمانوں کا معذب ہونا نصوص سے ثابت ہے، آپ بتائیں کہ جمیع المومنین یا تمام گنہگاروں کے لیے دعا کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تمام مومنین مومنات اور تمام گنہگاروں کے لیے دعا کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور جائز ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے: **قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ربنا اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾** [ابراهيم، ۴۱].

قال تعالیٰ: ﴿فاعلم أنه لا إله إلا اللّٰه واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات واللّٰه يعلم متقلبكم ومثوكم﴾ [محمد، ۱۹].

وقال تعالیٰ: ﴿رب اغفر لي ولوالدي ولمن دخل بيتي مؤمناً وللمؤمنين والمؤمنات ولا تزد الظٰلمين إلا تباراً﴾ [نوح: ۲۸].

وقال تعالیٰ: ﴿والذين جاء وا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولاتجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا ربنا إنك رء وف رحيم﴾ [الحشر: ۱۰].

حدیث شریف ملاحظہ ہو:

(۱) أخرج ابن ماجه في سننه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى على جنازة يقول : اللّٰهم اغفرلحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا و كبيرنا وذكرنا وأنثانا اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان ، اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تضلنا بعده. قال الشيخ شعيب: حديث صحيح ؛ وهذا إسناد ضعيف ، محمد بن إسحاق مدلس وقد رواه بالعنعنة ، وفي إسناده اختلاف كما هو مبين فى المسند. (سنن ابن ماجه : ۲/۴۶۷/۱۴۹۸ ،ط: دارالرسالة العالمية).

(۲) وأخرج الإمام أحمد في مسنده عن فضالة بن عبيد الأنصارى، قال: علمنى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رقية وأمرني أن أرقى بها من بدا لي قال لى قل: ربنا اللّٰه الذي فى السمٰوات تقدس اسمك أمرك فى السماء والأرض اللّٰهم كما أمرك فى السماء فاجعل رحمتك علينا فى الأرض اللّٰهم رب الطيبين اغفرلنا حوبنا وذنوبنا وخطايانا وأنزل رحمة من رحمتك وشفاء من شفائك على ما بفلان من شكوى فيبرأ قال: وقل ذلك ثلاثاً ثم تعوذ بالمعوذتين ثلاث مرات . (مسنداحمد: ۳۹/۳۷۹/۲۳۹۵۷،الرسالة).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف ؛ لضعف أبي بكر بن عبد اللّٰه بن أبي مريم و لإبهام الأشياخ الذين روى عنهم .

(۳) وأخرج الإمام النسائي في سننه الكبرى عن خباب بن الأرت قال: سألت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: قلت: يارسول اللّٰه ! كيف نستغفر قال: قل اللّٰهم اغفر لنا وارحمنا وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم.(سنن النسائى الكبرى: ۹/۱۷۳/۱۰۲۲۲ ، الرسالة).

إسناده ضعيف؛ فيه: خالد بن مخلد وسعيد بن زياد وهما ضعيفان. راجع: (الميزان : ۱/۶۴۰، وتهذيب الكمال: ۱۰/ ۴۴۰).

(۴) أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى عن عبيد بن عمير أن عمر رضی اللہ عنہ قنت بعد الركوع فقال: اللّٰهم اغفر لنا وللمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم ، اللّٰهم العن كفرة أهل الكتاب

الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون أولياءك اللّٰهم خالف بين كلمتهم وزلزل أقدامهم وأنزل بهم بأسك الذي لاترده عن القوم المجرمين، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم ، اللّٰهم إنا نستعينك ونستغفرك ونثني عليك ولانكفرك ونخلع ونترك من يفجرك ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم اللّٰهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونخشى عذابك الجد ونرجو رحمتك إن عذابك بالكافرين ملحق . رواه سعيد بن عبدالرحمن بن أبزى، عن أبيه ، عن عمر رضي الله عنه فخالف هذا في بعضه . (إسناده صحيح) . (السنن الكبرى : ۲/۲۹۸/۳۱۴۳،دارالكتب العلمية). واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیخ عبداللہ ہرری کے نزدیک جملہ مومنین کے لیے استغفار جائز نہیں:

سوال: شیخ عبداللہ ہرری حبشی کے نزدیک سب گناہوں سے مغفرت کی دعا سب مسلمانوں کیلئے جائز نہیں، اس لیے کہ قرآنِ کریم اور متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بعض مسلمان یقیناً جہنم میں جائیں گے اور معذب ہوں گے، اس لیے یہ دعا جائز نہیں ہونی چاہئے، کیا شیخ کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ سب مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کا عام معمول ہے؟

شیخ نے یہ بات " المقالات السنية في كشف ضلالات أحمد بن تيمية "ص۴۸۱ پر لکھی ہے اورعنوان یہ لگایا: " مسألتان مهمتان؛الأولى فى تحريم الدعاء للمؤمنين والمؤمنات بمغفرة جميع الذنوب"۔ بینوا توجروا۔

الجواب: شیخ عبداللہ ہرری کا یہ کہنا کہ تمام گناہوں سے مغفرت کی دعا سب مسلمانوں کیلئے جائز نہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز اور درست ہے،اور شیخ کا یہ کہنا کہ بعض مسلمان یقیناً جہنم میں جائیں گے، یہ بات تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ ہمیشہ کے لیے جائیں گے یہ صحیح نہیں ہے۔ جملہ مومنین کے لیے استغفار کرنے کے متعلق دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں۔بعض گنہگار مومن بندے جہنم میں جائیں گے لیکن یہ دخول ابدی نہیں ہے۔ ملاحظہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

قوله : (ثم الخلود مجتنب) أي: من أراد اللّٰه تعذيبه من عصاة المؤمنين فخلوده مجتنب، أي: لا تقول به، ثم اعلم أن المكلفين : (۱) إما كافر، وهو مخلد في النار إجماعاً

(۲) وإما مؤمن لم يذنب قط كالأنبياء فهو في الجنة إجماعاً قطعاً (۳) وإما مؤمن مذنب تاب من ذنوبه، فهو في الجنة قطعاً أو ظناً (۴) وإما مؤمن مذنب لم يتب، والذنب من الكبائر، فمخلد في الجنة، إما ابتداءاً إن حصل العفو أو الشفاعة، أو بعد التعذيب بالنار بقدر الذنب... (ضوء المعالى على منظومة بدء الأمالى).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

نقل الكرمانى تبعاً لمغلطاي عن القرافى: إن قول القائل في دعائه: اللّٰهم اغفر لجميع المسلمين دعاء بالمحال لأن صاحب الكبيرة قد يدخل النار و دخول النار ينافى الغفران و تعقب بالمنع و أن المنافي للغفران الخلود في النار وأما الإخراج بالشفاعة أو العفو فهو غفران فى الجملة وتعقب أيضاً بالمعارضة بقول نوح عليه السلام: رب اغفر لي ولوالدي ولمن دخل بيتي مؤمناً وللمؤمنين والمؤمنات وقول إبراهيم عليه السلام: رب اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب وبأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بذلک في قوله تعالى: واستغفر لذنبک و للمؤمنين والمؤمنات والتحقيق أن السؤال بلفظ التعميم لا يستلزم طلب ذلک لكل فرد فرد بطريق التعيين فلعل مراد القرافي منع ما يشعر بذلک لا منع أصل الدعاء بذلک . (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۱۱/۱۹۸).

وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة لقوله تعالى: فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره، ونفس الإيمان عمل خير لا يمكن أن يرى جزائه قبل دخول النار ثم يدخل النار لأنه باطل بالإجماع فتعين الخروج من النار ولقوله تعالى: وعد اللّٰه المؤمنين والمؤمنات جنات. وقوله تعالى: إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات كانت لهم جنات الفردوس، إلى غير ذلک من النصوص الدالة على كون المؤمن من أهل الجنة مع ما سبق من الأدلة القاطعة الدالة على أن العبد لا يخرج بالمعصية عن الإيمان والكافر مخلد بالإجماع . (شرح العقائد النسفية،ص:۱۱۶، ط: مكتبه خير كثير، كراچى).

سنن ترمذی میں روایت ہے:

حدثنا محمود بن غيلان، أخبرنا أبو داود، أخبرنا شعبة وهشام عن قتادة عن أنس رضی اللہ عنہ

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: قال هشام:یخرج من النار وقال شعبة: أخرجوا من النار من قال لا إلٰه إلا اللّٰہ وکان في قلبه من الخیر ما یزن شعیرة، أخرجوا من النار من قال لا إلـه إلا اللّٰه وکان في قلبه من الخیر ما یزن برة، أخرجوا من النار من قال لا إله إلا اللّٰه وکان في قلبه ما یزن ذرة. وقال شعبة ما یزن ذرة مخففة . وفي الباب عن جابر وعمران بن حصین وهذا حدیث حسن صحیح. (سنن الترمذي:۴/۱۱۱/۲۰/۲۷،ط: دار الفکر).

عبداللہ ہرری اور حافظ ابن حجر کے نقل کردہ اشکال کا جواب یہ ہوا کہ مغفرت کی تین قسمیں ہیں:(۱) جنت کا دخولِ اولین (۲) تخفیفِ عذاب (۳) تقلیلِ عذاب، اور سب مسلمانوں کی دعامیں کسی ایک درجہ کے حصول کی امید یقینی ہے، اس کے شواہد اور نظائر ملاحظہ ہوں:

(۱) جنت کا دخولِ اولین: ملاحظہ ہو: ضوء المعالی میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

...(۴) واما مؤمن مذنب لم یتب ، والذنب من الکبائر، فمخلد فی الجنة ، اما ابتداءً ان حصل العفو اوالشفاعة .(ضوء المعالی).

(۲) تخفیفِ عذاب: ملاحظہ ہو امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں روایت بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: مر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بحائط من حیطان المدینة أو مکة فسمع صوت إنسانین یعذبان فی قبورهما فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: یعذبان، و ما یعذبان في کبیر، ثم قال: بلی کان أحدهما لا یستتر من بوله وکان الآخر یمشي بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین فوضع علی کل قبر منهما کسرة فقیل له یارسول اللّٰه لم فعلت هذا ؟ قال: لعله أن یخفف عنهما ما لم تیبسا أو إلی أن ییبسا. (رواه البخاری ، رقم: ۲۱۶، باب من الکبائر أن لایستتر من بوله).

درج کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تخفیفِ عذاب کا باعث بنا۔

(۳) تقلیلِ عذاب:

حدثنا أبو الربیع العتکي حدثنا حماد بن زید حدثنا معبد بن هلال العنزي ح وحدثناه سعید بن منصور – واللفظ له – حدثنا حماد بن زید حدثنا معبد بن هلال العنزي قال انطلقنا إلی أنس بن مالک وتشفعنا بثابت فانتهینا إلیه وهو یصلي الضحی فاستأذن لنا ثابت

فدخلنا عليه وأجلس ثابتا معه على سريره فقال له يا أبا حمزة إن إخوانک من أهل البصرة يسألونک أن تحدثهم حديث الشفاعة. قال حدثنا محمد -صلى الله عليه وسلم- قال إذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم إلى بعض فيأتون آدم فيقولون له اشفع لذريتک. فيقول لست لها ...إلى قوله... فأقول أنا لها. فأنطلق فأستأذن على ربي فيؤذن لي فأقوم بين يديه فأحمده بمحامد لا أقدر عليه الآن يلهمنيه الله ثم أخر له ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع رأسک وقل يسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع فأقول رب أمتي أمتي. فيقال انطلق فمن كان في قلبه مثقال حبة من برة أو شعيرة من إيمان فأخرجه منها. فأنطلق فأفعل ثم أرجع إلى ربي فأحمده بتلک المحامد ثم أخر له ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع رأسک وقل يسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع فأقول أمتي أمتي. فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجه منها فأنطلق فأفعل ثم أعود إلى ربي فأحمده بتلک المحامد ثم أخر له ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع رأسک وقل يسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع فأقول يا رب أمتي أمتي. فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجه من النار فأنطلق فأفعل . (صحيح مسلم: ۱/۱۲۵، ط:دار الجيل بيروت). اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا خروج من النار کا سبب بنی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آپریشن کے ذریعہ خنثیٰ مشکل کے عیب کے ازالہ کا حکم:

سوال: ایک خنثیٰ ہے جو پوری عورت لگتی ہے، ڈاڑھی بھی نہیں، اور مردوں کی کوئی ظاہری علامت بھی نہیں، البتہ اس کے پاس مرد کا عضو تناسل ہے، جس سے پیشاب کی حاجت پوری ہوتی ہے، لیکن اس میں نہ تو کوئی انتشار ہے اور نہ منی نکلتی ہے، فرج پیدائشی طور پر پوری طرح بند ہے، نہ اس کو حیض آتا ہے اور نہ حمل کا امکان ہے، وہ خود ہمبستری کے لائق نہیں اور نہ اس سے ہمبستری ہوسکتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ عالمہ ہے تفسیر وحدیث اور دیگر فنون پڑھاتی ہے۔

اطباء کی رائے یہ ہے وہ آپریشن کے ذریعہ ٹھیک ہوسکتی ہے، یعنی عضو تناسل کو ختم کر کے فرج کو کھولدیا جائے، اور اس آپریشن کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار رینڈ درکار ہے، زید اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ

نکاح سے پہلے رقم دینے کو تیار نہیں ،صرف نکاح کے بعد دے گا ، کیونکہ اس کو خطرہ ہے کہ آپریشن کے بعد وہ نکاح پر راضی نہ ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کو خنثیٰ مشکل کہیں گے یا ممیّز؟ اور کیا زید کے لیے اس حالت میں اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چند چیزوں کی وضاحت درجِ ذیل ہے:

(۱) ظاہراً وہ لڑکی کی طرح ہے۔(۲)اس کا دل مردوں کے ساتھ ہمبستری چاہتا ہے ۔(۳)پستان لڑکیوں کی طرح ہیں۔(۴) آپریشن کے ذریعہ اس کی شرمگاہ کھولی جائیگی ۔(۵)لڑکیوں کو اس کے لڑکے ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔(۶) آلے سے انتشار پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے کوشش کی گئی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ بینوا بالدلیل تو جروا بالا جرالجزیل۔

الجواب: جس شخص کی شرمگاہیں مردانہ اور زنانہ دونوں طرح کی ہوں۔اس کو خنثیٰ کہتے ہیں، اگر اس میں مردانہ یا زنانہ علامت ظاہر اور غالب ہوجائے تو اس کے مطابق مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کیا جائیگا اور سمجھا جائے گا کہ اس میں ایک زائد تخلیقی عضو موجود ہے، اور اگر اس میں کوئی علامت ظاہر وغالب نہ ہو تو فقہاء اس کو خنثیٰ مشکل کہتے ہیں۔

مرد ہونے کی علامت ڈاڑھی کا نکلنا ہے اور عورت سے ہمبستری کی قدرت ہے ،اور عورت ہونے کی علامت پستان کا اُبھار، حیض وحمل ، دودھ ،اور اس کی شرمگاہ میں ہمبستری کا ممکن ہونا ہے۔ یہ سب علامتیں بلوغ کے بعد کی ہیں ۔قبل از بلوغ پیشاب کا اعتبار ہوگا۔یعنی لڑکے کے آلہ تناسل سے پیشاب کرے تو لڑکا اور لڑکی کے عضو سے پیشاب کرے تو لڑکی ہے۔صورتِ مسئولہ میں بظاہر یہ شکل نہیں ہے بلکہ اس کو خنثیٰ مشکل کہا جائیگا کیونکہ بلوغ کے بعد دونوں علامتیں واضح اور غالب ہیں آلہ تناسل سے پیشاب مرد کی علامت ہے اور پستان کا اُبھار عورت کی علامت ہے۔

پھر خنثیٰ مشکل ہونا یہ ایک عیب ہے بنابریں بعد البلوغ والی ظاہری علامت پر آپریشن کے ذریعہ ازالہ عیب کر کے اس کو لڑکیوں میں شامل کر سکتے ہیں ، اور فتاویٰ میں جو بات لکھی ہے کہ اگر بلوغ کے بعد پستانوں کا اُبھار ہو تو لڑکی مانی جائے گی یہ اس خنثیٰ کے لیے ہے جس کے اندر بلوغ سے پہلے آلہ تناسل اور فرج دونوں ہوں تو بلوغ کے بعد پستان سببِ ترجیح بن جائیں گے،لیکن صورتِ مسئولہ میں صرف آلہ تناسل ہے فرج ظاہر نہیں اس لیے بعد البلوغ دونوں علامتیں متعارض ہوئیں یعنی آلہ تناسل اور سینہ کا اُبھار، تو یہ خنثیٰ مشکل ہے اس لیے آپریشن

سببِ ترجیح بن جائیگا۔ دلائل وشواہد حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

قال فی البدائع: أما الأول فالخنثی من له آلة الرجال والنساء والشخص الواحد لایکون ذکراً وأنثی حقیقة فاما أن یکون ذکراً واما أن یکون أنثی. وأما بیان مایعرف به أنه ذکر أو أنثی، فإنما یعرف ذلک بالعلامة وعلامة الذکورة بعد البلوغ نبات اللحیة وإمکان الوصول إلی النساء وعلامة الأنوثة فی الکبر نهود ثديين کثديي المرأة ونزول اللبن في ثدييه والحیض والحبل وإمکان الوصول إلیها من فرجها لأن کل واحد مما ذکرنا یختص بالذکورة والأنوثة فکانت علامة صالحة للفصل بین الذکر والأنثی، وأما العلامة في حالة الصغر فالمبال لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم: الخنثی من حیث یبول، فإن کان یبول من مبال الذکور فهو ذکر وإن کان یبول من مبال النساء فهوأنثی وإن کان یبول منهما جمیعاً یحکم السبق . (بدائع الصنائع: ۷/۳۲۷، کتاب الخنثی، سعید).

وقال فی الهندیة: وإنما یتحقق هذا الإشکال قبل البلوغ فأما بعد البلوغ والإدراک یزول الإشکال فإن بلغ وجامع بذکره فهو رجل وکذا إذا لم یجامع بذکره ولکن خرجت لحیته فهو رجل کذا فی الذخیرة وکذا إذا احتلم کما یحتلم الرجل أوکان له ثدی مستو ولو ظهر له ثدي کثدي المرأة أو نزل له لبن في ثدییه أوحاض أو حبل أو أمکن الوصول إلیه من الفرج فهو امرأة وإن لم تظهر إحدی هذه العلامات فهو خنثی مشکل وکذا إذا تعارضت هذه المعالم کذا فی الهدایة . وأما خروج المنی فلا اعتبار له لانه قد یخرج من المرأة کما یخرج من الرجل کذا فی الجوهرة النیرة قال: ولیس الخنثی یکون مشکلاً بعد الادراک علی حال من الحالات لأنه إما أن یحبل أویحیض أویخرج له لحیة أویکون له ثدیان کثدیی المرأة وبهذا یتبین حاله وإن لم یکن له شيء من ذلک فهو رجل لأن عدم نبات الثديين کما یکون للنساء دلیل شرعي علی أنه رجل کذا فی المبسوط لشمس الأئمة السرخسیؒ.

(الفتاوی الهندیة: ۶/۴۳۸، الفصل الثانی من کتاب الخنثی).

آپریشن کے ذریعہ علاج کرنے کی گنجائش ہے اور یہ آپریشن ازالہ عیب کے لیے ہے تاکہ مؤنث اور مذکر میں سے ایک جانب متعین ہوجائے، کیونکہ خنثی مشکل ہونا عیب ہے، جیسے کسی شخص کی چھ انگلیاں ہوں تو ایک انگلی

کاٹنے کی اجازت ہے۔ملاحظہ ہوفتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصير ؒ: إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لايفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك .

(الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۶۰،الباب الحادى والعشرون من كتاب الكراهية).(وكذا فى احكام جراحة التجميل فى الفقه الاسلامى ،للدكتورمحمد عثمان شبير،ص ۳۰،ط: جامعة الكويت).

جدیدفقہی مسائل میں مرقوم ہے:

ہاں اگرعام فطرت کے خلاف کوئی عضوزیادہ ہوگیاہومثلاً پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہوگئیں تو آپریشن کے ذریعہ ان کوعلیحدہ کیاجاسکتاہے۔(جدیدفقہی مسائل:۱/۳۱۲)۔

مریض ومعالج کے اسلامی احکام میں مرقوم ہے:

جسمانی اصلاح: **(۱) لا بأس بقطع العضو إن وقعت فيه الآكلة لئلا تسري .**

(عالمگیری:۵/ ۳۶۰) جب کوئی عضوگل جائے تواس عضوکوقطع کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ فساد باقی جسم میں سرایت نہ کرے۔

(۲) إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائداً أو شيئاً آخر ...الخ .

جب آدمی کوئی زائدانگلی یااسی طرح کوئی اورزائدعضوکاٹناچاہےتواگرغلبہ حفاظت کاہوتواس کی گنجائش ہے۔

(۳) عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الإبط. (بخارى ومسلم).

حضرت ابوہریرہ ؓ نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: پانچ باتیں فطرت میں شامل ہیں ختنہ کرنا زیرناف بال صاف کرنا،مونچھیں کترنا،ناخن کاٹنااوربغلوں کے بال صاف کرنا۔

ان حوالجات کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ جسم میں کوئی پیدائشی عیب ہویابعدمیں کسی حادثہ کی بناپرکوئی نقص وعیب واقع ہوگیاہوتوچونکہ اس زمانہ میں فن جراحت (surgery) بڑی ترقی پرہےاورہلاکت ونقصان کا کچھ خوف نہیں ہوتااس لیےان کودورکرنے کے لیے جوآپریشن کیےجائیں وہ جائزہوں گے۔ایسی جراحت کو جراحت برائے اصلاحِ بدن کہاجاتاہے، بہت زیادہ ٹیڑھے دانت جن کوسیدھاکرنے کی خاطرمستقل تار

(fixed braces) لگانے کے لیے چار دانت نکالنے پڑتے ہیں وہ بھی اسی ضابطہ کے تحت آتے ہیں۔

(مریض ومعالج کے اسلامی احکام، ص ۳۶۳)۔

پھر اگر دونوں نکاح پر راضی ہوں تو مرد اس کے ساتھ وعدہ کرے کہ آپ آپریشن کے لیے رقم بطورِ قرض لیں اور اس رقم کو ہم مہر مقرر کریں گے اور آپریشن کے بعد اس سے شادی کرلے، آپریشن سے پہلے شادی درست نہیں ہے پھر شادی کے بعد شوہر مہر ادا کریگا اور یہ وہی پیسے ہوں گے جن کو خنثی قرض میں ادا کردیگا۔

قال فی الدرالمختار: هو (أی النكاح) عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة أی حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى المشكل. وفی الشامی: أی أن إيراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له وكذا على الخنثى لامرأة أو لمثله. (الدرالمختار مع الشامی: ۴/۳، سعید). واللہ ﷻ اعلم۔

شگاف والے کرتہ کے اقرب الی السنہ ہونے کی مختصر دلیل:

سوال: آپ نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ سابع میں اقرب الی السنہ کرتہ کے متعلق مفصل ومدلل مسئلہ لکھا ہے، الحمدللہ میں نے اس کو دیکھا، لیکن لمبی چوڑی بحث میری سمجھ میں نہیں آئی، لہذا آپ سے درخواست ہے کہ مجھے مختصر طور پر یہ بتادیں کہ اقرب الی السنہ کرتہ کونسا ہے؟ اور اس کی مختصر دلیل بھی بتادیں تاکہ جلدی سمجھ میں آجائے اور لمبی بحث پڑھنے کی ضرورت نہ رہے؟ لمبی بحث کو اہل شوق واہل تحقیق کے لیے چھوڑتا ہوں۔

الجواب: فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ سابع میں ہم نے یہی لکھا ہے کہ شق (شگاف) والا کرتہ اقرب الی السنہ ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قمیص میں دخریص ہوتی ہے اور دخریص کی تعریف حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

الدخريص: الشَّقُّ الذي يفعل في قميص الحي ليتسع فی المشي. (التعريفات الفقهية، ص ۱۷۷).

یہاں شَقّ بالفتح ہے، جیسے جیب کی تعریف میں ہے: **الجيب: الشَّقُّ النازل على الصدر.** (التعريفات الفقهية، ص ۱۷۷).

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿على جيوبهن﴾ اس کی تفسیر میں شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الشاذلی الفاسی اپنی مشہور تفسیر ’’البحر المدید‘‘ میں لکھتے ہیں: **الجيب: وهو شَقُّ القميص من ناحية**

الصدر. (البحر المدید: ۱۰۶/۵، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت).

فقہاء نے بھی جیب کی تعریف میں شق کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

قال فی البحر الرائق: والمراد بالجیب الشق النازل علی الصدر. (البحر الرائق: ۱۷۵/۲).

وقال في مراقی الفلاح: وهو (الجیب) الشق النازل علی الصدر. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص۵۷۷، ط: قدیمی).

وقال في فتح القدير: يراد بالجيب الشق النازل على الصدر. (۱۱۵/۲، ط: دار الفکر).

وفي فتاوى الأزهر: ولا جيب، وهو الشق النازل على الصدر لأنه لحاجة الحي.

(فتاوی دار الافتاء المصرية: ۴۵۹/۵).

یہاں شَق کے معنی شگاف اور پھٹن کے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ گریبان میں زائد ٹکڑا لگا کر بند ہوتا ہے، تو قمیص میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

بعض حضرات فقہاء کی عبارت میں شق شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے معنی زائد ٹکڑے کے لیتے ہیں تو یاد رہے کہ شق شین کے کسرے کے ساتھ اس کے دو معنی آتے ہیں: (۱) مشقت، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لم تكونوا بالغيه إلا بشِق الأنفس** وہاں نہیں پہونچ سکتے مگر مشقتِ نفس کے ساتھ، اسی طرح حدیثِ امِ زرع میں آیا ہے ایک عورت نے کہا: **وجدني في أهل غنيمة بشق**، مجھے شوہر نے چند بھیڑ بکریوں میں مشقت کی حالت میں پایا۔

(۲) اور دوسرے معنی ٹکڑے کے ہیں حدیث میں ہے: **اتقوا النار ولو بشق تمرة**، جہنم سے بچو اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہو، اور شق شین کے فتحہ کے ساتھ اس کے معنی پھاڑنے اور چیرنے کے ہیں اور یہ معنی معروف ہے، **ألم تروا إلى الميت إذا شق بصره**، تم میت کو نہیں دیکھتے جب اس کی آنکھیں پھٹ جاتی ہیں، **إذا السماء انشقت**، **اقتربت الساعة وانشق القمر** میں یہی معنی مراد ہیں۔

اب بظاہر فقہاء کے کلام: **الدخريص هو الشق الذى يفعل فى القميص** میں شین کے فتحہ کے ساتھ ہے کیونکہ تعریف میں واضح الفاظ استعمال کرنے چاہیے، ذو معنی مشترک لفظ استعمال کرنا بہتر نہیں اور شق مشترک بن گیا، اور شق پھٹن کے معنی میں ذو معنی نہیں، نیز **يفعل** بھی اس کی دلیل ہے اگر ٹکڑے کے معنی ہوتے تو **يوضع** یا **يخاط** آتا، اور اگر بعض علماء اس پر اصرار فرماویں کہ شق بکسر الشین ہے تو بھی یہ معروف قمیص والوں

کے لیے مضرنہیں کیونکہ شق سے مراد وہ زائد ٹکڑا ہوگا جو چرا ہوا ہو، شق بالکسر ہو یا بالفتح اس میں چیرنے کے معنی ہوتے ہیں، شق مشقت میں بھی اس لیے مستعمل ہے کہ مشقت آدمی کو گویا چیر دیتی ہے اور اس لیے اکابر کی قمیصوں میں پھٹن والی کلی ہی معروف ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قمیص میں دونوں جانب شگاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے چلنے، اُٹھنے بیٹھنے میں آسانی اور راحت ہوتی ہے، اور یہ قمیص ہمارے نزدیک اقرب الی السنہ ہے۔ باقی مدور جس کو عربی جبہ کہتے ہیں اس کا استعمال بھی جائز اور درست ہے ناجائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

امام غزالیؒ کی مغفرت کا واقعہ:

سوال: امام غزالیؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری مغفرت ہوگئی، سائل نے کہا: ان تصنیفات کی وجہ سے جو آپ نے امت کے لیے فرمائی ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں! بلکہ ایک مرتبہ میں لکھ رہا تھا دورانِ تحریر ایک مکھی آئی اور میرے قلم کی نوک پر بیٹھ گئی، میں نے قلم روک لیا، مکھی نے سیاہی چوسی، پھر میں نے لکھنا شروع کیا، میرا یہی عمل مقبول ہوا اور نجات ہوئی، کیا کسی مستند کتاب میں اس کا ذکر ہے یا نہیں؟ حوالہ درکار ہے؟

الجواب: مذکورہ بالا قصہ چند مشہور کتب میں مرقوم ہے۔ عبارات اور حوالجات ملاحظہ کیجیے:

قال في فيض القدير:

ورؤى الغزاليؒ فى النوم فقيل له: ما فعل الله بک فقال: أوقفني بين يديه وقال: بم جئتني فذكرت أنواعاً من الطاعات فقال: ما قبلت منها شيء لكنک جلست تكتب فوقعت ذبابة على القلم فتركتها تشرب من الحبر رحمة لها فكما رحمتها رحمتک اذهب فقد غفرت لک. (فيض القدير بشرح الجامع الصغير: ۱/۴۷۴، دار الفكر).

نیز فیض القدیر میں دوسری جگہ مرقوم ہے:

فائدة: ذكر بعض العارفين من مشايخنا أن حجة الإسلام الغزاليؒ رؤي فى النوم فسئل ما فعل الله به فقال: أوقفني بين يديه وقال: بماذا جئت فذكرت أنواعاً من العبادات فقال: ما قبلت منها شيئاً ولكن غفرت لک هل تدري بماذا؟ جلست تكتب يوماً فسقطت ذبابة

علـى القلم فتركتها تشرب من الحبر رحمة لها فكما رحمتها رحمتک اذهب فقد غفرت لک . (فيض القدير: ۸/۳، ط: دار الفکر).

قال في بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية: قيل: ورؤي الغزالیؒ فی النوم فقيل لـه : مـا فـعل الله بک فقال: أوقفني بين يديه ، فقال: بم جئتني فذكرت أنواعاً من الطاعات فـقـال: مـا قبـلت منها شيئاً لكن جلست تكتب فوقفت ذبابة على القلم فتركتها تشرب من الـحبـر رحمة لها فكمارحمت رحمتک اذهب فقد غفرت لک. (بريقة محمودية: ۹۴/۲،ط: دار الطباعة العامرة تركيا). (وكذا فی فتاوی الخليلی على مذهب الشافعی: ۶۱/۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پھلوں کے چھلکوں کو دانتوں سے کاٹنا بہتر ہے یا چھری، چاقو سے؟

سوال: ہم دیہات میں خربوزہ، تربوز اور آم وغیرہ پھلوں کے چھلکے دانتوں سے الگ کر کے کھاتے ہیں لیکن یہاں جنوبی افریقہ میں اور ری یونین میں چھری چاقو سے چھلکے کو الگ کر کے ان پھلوں کو کاٹ کاٹ کر ہاتھ سے اور اکثر کانٹوں سے لوگ کھاتے ہیں، ان دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ اقرب الی السنہ ہے؟

الجواب: پھلوں کے کھانے کی کیفیت کے بارے میں صراحت کے ساتھ کوئی حدیث دریافت نہیں ہوئی البتہ احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کی بوٹی دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے تھے اور اگر گوشت کا بڑا ٹکڑا ہوتا تھا جیسے بکری کا ہاتھ یا ران جس کا دانتوں سے کاٹنا مشکل ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھری سے کاٹتے تھے جیسے **كتف الشاة**، کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح خربوزے یا تربوز کو چھری سے لوگ کاٹتے ہیں لیکن اگر ایک حصہ چھری سے الگ کر دیا جائے اور وہ حصہ منہ میں آسکتا ہو تو پھر بجائے چھری کے دانتوں سے کاٹنا مناسب ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کو دانتوں سے نوچتے تھے۔ اور یہ طریقہ اقرب الی السنہ کہلائیگا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

حـدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال: أخبرني جعفر بـن عمرو بن أمية أن أباه أخبره أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتز من كتف شاة فدعى إلى الصلاة فألقى السكين فصلى ولم يتوضأ . (رواه البخاری: ۲۰۸/۳۴/۱،باب من لم يتوضأ من لحم الشاة).

احادیث میں پنیر کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری استعمال فرمائی۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بجبنة في تبوك فدعا بسكين فسمي وقطع. (رواه ابو داود: ۲/۱۷۹/۱،۳۸۲۱، باب فی اکل الجبن).

گوشت تناول فرماتے وقت دانتوں سے نوچنے کی روایات ملاحظہ کیجیے؛ بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في دعوة فرفع إليه الذراع وكانت تعجبه فنهس منها نهسة وقال: أنا سيد القوم يوم القيامة... (رواه البخاری: ۱/۴۷۰/۳۳۴۰، ومسلم ،رقم: ۱۹۴ ،باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها).

نہس کا معنی اور مفہوم ملاحظہ کیجیے:

قال العلامة العيني في شرح سنن أبي داود: قوله انتهس: أخذ اللحم بأطراف الأسنان. (شرح سنن ابی داود: ۱/۴۴۳، ط: الریاض).

وقال الإمام النووي في شرح صحيح مسلم: قوله فنهس منها نهسة هو بالسين المهملة، قال القاضي عياض: أكثر الرواة رووه بالمهملة ووقع لابن ماهان بالمعجمة وكلاهما صحيح بمعنى أخذ بأطراف أسنانه قال الهروى: قال أبو العباس: النهس بالمهملة بأطراف الأسنان وبالمعجمة الأضراس . (شرح صحیح مسلم: ۳/۶۶، ط: بیروت).

ونقل ابن بطال في شرحه للبخاري عن أبي زيد وغيره: النهس بمقدم الفم كنهس الحية، وانتشال اللحم نتفه وقطعه . (۹/۴۷۷، ط: مکتبة الرشد، الریاض).

قال في عمدة القاري: باب النهس و انتشال اللحم، أى هذا باب في بيان نهس اللحم ... و جزم الأصمعي والجوهري وهو القبض على اللحم بالفم وإزالته من العظم وغيره . (عمدة القاری: ۱۴/۲/۴۱۲، باب النهس وانتشال اللحم من کتاب الاطعمة، دار الحدیث ملتان).

حدیث شریف میں نوچ کر کھانے کا حکم آیا ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتقطعوا اللحم بالسكين فإنه من صنيع الأعاجم وانهسوه فإنه أهنأ وأمرأ. قال أبوداود وليس هو بالقوى . (اخرجه ابوداود: رقم الحدیث: ۳۷۸۰).

قال الملا علی القاری فی المرقاۃ: واستحب النهس للتواضع وعدم التكبر قلت: لأنه أهنأ وأمرأ... أو المراد بالنهي التنزيه وفعله لبيان الجواز ولذا قال: انهسوه أي كلوه بأطراف الأسنان فإنه أي النهس أهنأ من الهنيء وهو اللذيذ الموافق للغرض وأمرأ من الاستمراء وهو ذهاب كظة الطعام وثقله . (مرقاۃ المفاتیح: ۱۲/۴۶۵، کتاب الاطعمة).

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں مرقوم ہے:

دانتوں سے کاٹ کر کھانے کی ترغیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو کہ اس سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے اور بدن کو زیادہ موافق پڑتا ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ جب گوشت کو دانتوں سے کاٹا یا چبایا جائے گا، جتنا زیادہ اس کو چبایا جائے گا اتنا ہی اس کے اندر ہمارا لعاب دہن شامل ہو جائے گا جو کہ معدہ میں جا کر ہضم ہونے میں دقت نہیں ہوگی اور معدہ کو کام زیادہ نہیں کرنا پڑے گا، اگر گوشت کو دانتوں کے درمیان زیادہ نہ چبائے تو اس میں لعابِ دہن کم ہوگا جو کہ معدہ کے ہضم میں مشکل ہوگی۔

دراصل گوشت کو دانتوں سے کاٹنے کی وجہ سے (silivary glands) کی رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے کہ جو معدہ میں جا کر قوتِ ہاضمہ کو قوی کرتی ہے جس سے انسان بے شمار بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس، جلدِ دوم، ص ۱۳)۔

مذکورہ بالا نقول سے معلوم ہوا کہ پھلوں کے چھلکے دانتوں سے نوچ کر اور اُتار کر کھانا اقرب الی السنہ ہوگا اور یہ طبی اعتبار سے مفید ہوگا اور قوتِ ہاضمہ میں معاون ہوگا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قمری حساب کی جگہ شمسی حساب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: آج کل لوگ قمری حساب کی جگہ شمسی حساب استعمال کرتے ہیں، قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی حساب استعمال کرنا جائز ہے یا خلافِ اولیٰ ہے؟ اور اگر سب لوگ قمری حساب کو چھوڑ دیں تو شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قمری حساب شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس کا ضبط کرنا فرضِ کفایہ ہے اس لیے کہ احکامِ شریعت کا مدار قمری حساب پر ہے، جیسے زکوۃ، صوم، حج، اور عنین کی تاجیل، طلاق کی عدت، بیوہ کی عدت، وغیرہ،

بنابریں مسلمانوں کو قمری حساب استعمال کرنا چاہئے ، ہاں دنیوی معاملات وغیرہ میں شمسی حساب استعمال کرنا جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

المعتبر فی الشرع هو الحساب القمری دون الشمسی: وفيه دلالة أن المعتبر فی الشرع هو الحساب بالأهلة والسنة القمرية دون الشمسية ، قال تعالیٰ: هو الذی جعل الشمس ضياء والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ، فلو كان الهلال مدوراً كالشمس أو ملازماً حالة واحدة لم يكد يتيسر التوقيت به ، ففی التوقيت بالأهلة من اليسر ما ليس فی التوقيت بالشمس، فلا يعجز عنه عالم ولا عامي، بخلاف التوقيت بالشمس فلا يقدر عليه إلا من يطالع دقائق علم الهيئة الموقوفة على إرصاد والزيج و نحوها، فما كان للحنيفية السمحة البيضاء التي كلف بها العباد كلهم حاضرتهم وباديتهم أن تعتبر التوقيت بالشمس والحال هذه، وإنما المناسب أيسرها، وسماحتها اعتبار الحساب بالأهلة فلأجل ذلک جعلت الشريعة مدار الأحكام والعبادات على الحساب القمري، فمنها ما يجب اعتباره فيه كالحج، وصوم رمضان ، وصلاة العيدين ، والزكاة، وعدد الطلاق، وأمثالها ، ومنها ما لا يجب اعتباره فيه ويجوز توقيته بالحساب الشمسي كآجال الديون والإجارات، وإن كان الأولى توقيته بالقمري أيضاً كما لايخفى. (احکام القرآن: ۱/۲۷۸).

امام قرطبی اپنی تفسیر میں آیتِ کریمہ " **إن عدة الشهور** " کے تحت فرماتے ہیں:

هذه الآية تدل على أن الواجب تعليق الأحكام من العبادات وغيرها إنما يكون بالشهور والسنين التي تعرفها العرب دون الشهور التي تعتبرها العجم والروم والقبط وإن لم تزد على اثنى عشر شهراً، لأنها مختلفة الأعداد ، منها ما تزيد على ثلاثين ومنها ما ينقص وشهور العرب لا تزيد على ثلاثين وإن كان منها ما ينقص، والذی ينقص ليس يتعين له شهر وإنما تفوتها فی النقصان والتمام على حسب اختلاف سير القمر فی البروج . (الجامع لأحكام القرآن: ۸/۸۵،التوبة).

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

... عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطورِ فرض متعین کر دیا، اور عام معاملات، تجارات وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادت اسلام کا ذریعہ بھی، اور ایک طرح کا اسلامی شعار بھی، اگر چہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات: روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ قومی وملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط وکتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرضِ کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا، اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (معارف القرآن: ۱/ ۴۶۸)۔

شمسی حساب کے استعمال کی ایک خرابی:

احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں: مکاتبات ومخاطبات، عام بول چال اور دیگر امور میں انگریزی تاریخ کا استعمال بلاضرورتِ شدیدہ قبیح وشنیع ہے، اس میں عیسائیوں کے نظریہ باطلہ کی تائید کا شائبہ اور ان کو خوش کرنے کا مفسدہ پایا جاتا ہے، انگریزی تاریخ کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے ہوئی ہے جبکہ عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا، اس سے اس تاریخ کی ابتدا ہوئی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۲۴۵)۔

علماء فرماتے ہیں کہ قمری حساب کا استعمال فرضِ کفایہ ہے: احکام القرآن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

حكم استعمال الحساب الشمسي فى المكاتبات والمخاطبات والمعاملات؛ ومن هنا علم أن استعمال الحساب الشمسي فى المكاتبات والمخاطبات والمعاملات وإن كان جائزاً فلا ريب أنه خلاف الأولى، لكونه خلاف سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنة أصحابه والسلف الصالحين، وأيضاً فلما كان مدار الأحكام الشرعية والعبادات الدينية على الحساب القمري كان حفظه وضبطه فرضاً على الكفاية، وأحسن طرقه وأيسرها أن يستعمل فى المكاتبات، والمخاطبات، والمعاملات اليومية، ولا يخفى أن الإتيان بفرض الكفاية عبادة، وما كان طريقاً إلى حفظه فهو عبادة أيضاً، فاستعمال الحساب القمري

مطلوب شرعاً، وبعيد من المسلم أن يترك المطلوب الشرعي ويستعمل الحساب الشمسي الذي هو ضده في الجملة ، و بعيد منه كل البعد أن يميل إلى هذا الضد بحيث لايبقى له ميل إلى المطلوب الشرعي بالمرة ،كما هو مشاهد من غوائد أكثرالمسلمين في هذا الزمان بل ومن عادة كثير من العلماء أيضاً، فإلى الله المشتكى من انقلاب القلوب وميلها إلى العيوب ، المؤدية إلى الذنوب ، وكل ذلك مع دعوهم بغض النصارى وقد أشرب قلوبهم حب النصرانية ، أعاذنا الله من ذلك ورزقنا حب السنة النبوية والعوائد الإسلامية إنه سميع مجيب. (احكام القرآن: ۱/ ۲۷۹،۲۸۰).

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

شریعت میں مہینہ اور سال قمری ہی معتبر ہے اوراس کا استعمال مسلمانوں کے لیے فرضِ کفایہ ہے، اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر سب کے سب قمری حساب کو ترک کردیں تو گنہگار ہوں گے جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے۔ (معارف القرآن:۱/۳۸۰)۔

مزید ملاحظہ ہو: (کمالین شرح جلالین:۱/۲۰۹)۔

شمسی حساب کا استعمال اہل کتاب کی عادتِ مستمرہ ہے۔

ملاحظہ ہو ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

وروى الطبراني من حديث ابن أبي الزناد عن أبيه عن خارجة بن زيد عن أبيه قال: ليس يوم عاشوراء باليوم الذي يقول الناس، إنما كان يوم تستر فيه الكعبة وتقاس فيه الحبشة عند النبي صلى الله عليه وسلم وكان يدور في السنة فكان الناس يأتون فلاناً اليهودي يسألونه فلما مات اليهودي أتوا زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ فسألوه وهذا فيه إشارة إلى أن عاشوراء ليس هو في المحرم بل يحسب بحساب السنة الشمسية كحساب أهل الكتاب وهذا خلاف ما عليه عمل المسلمين قديماً وحديثاً وفي صحيح مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعد من هلال المحرم ثم يصبح يوم التاسع صائماً وابن أبي الزناد لايعتمد ما ينفرد به وقد جعل الحديث كله عن زيد بن ثابت وآخره لا يصلح أن يكون من قول زيد رضی اللہ عنہ فلعله من قول من دونه ، والله أعلم. (لطائف المعارف،ص ۵۲).

علامہ ابن القیمؒ زادالمعاد میں فرماتے ہیں:

وصوم أهل الكتاب إنما هو بحساب سير الشمس، وصوم المسلمين إنما هو بالشهر الهلالي، وكذلك حجهم، وجميع ما تعتبر له الأشهر من واجب أو مستحب .
(زادالمعادفی ھدی خیر العباد: ۲/۷۰).

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

ويحتمل أن يكون أولئك اليهود كانوا يحسبون يوم عاشوراء بحساب السنين الشمسية فصادف يوم عاشوراء بحسابهم اليوم الذي قدم فيه النبي صلى الله عليه وسلم المدينة ، وهذا التأويل مما يترجح به أولوية المسلمين وأحقيتهم بموسى عليه الصلاة والسلام لإضلالهم اليوم المذكور وهداية الله للمسلمين له. (فتح الباری : ۴/۲۴۷، باب صیام یوم عاشوراء).

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: **ظفرت بمعناه في كتاب " الآثار القديمة " لأبى الريحان البيروني، فذكر ما حاصله: أن جهلة اليهود يعتمدون في صيامهم ، وأعيادهم حساب النجوم ، فالسنة عندهم شمسية ، لا هلالية .** (فتح الباری: ۴/۲۴۸).

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے جواب میں شمسی تاریخ کا ذکر فرمایا ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ولبثوا في كهفهم ثلاث مائة سنين وازدادوا تسعاً. اس آیت کے تحت مفسرین فرماتے ہیں کہ: **ثلاث مائة سنين أى من السنة الشمسية** اور **وازدادوا تسعاً ،أى من السنة القمرية** اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ ہر سو شمسی سال کے مقابلہ میں ایک سو تین قمری سال آتے ہیں تو تین سو شمسی سال کی کل تعداد تین سو نو قمری سال ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل چند وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو قمری تاریخ استعمال کرنی چاہیے:

☆ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قمری حساب مقرر فرمایا تھا۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے: ...
فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ ...
(اخرجه ابوداود، ۴۶۰۹،وابن ماجه ، ۴۲،والترمذی ،۲۶۷۶،وقال : هذا حديث صحيح ،وابن حبان ، رقم: ۵، وأحمد ،۱۷۱۴۴ ، والبزار، ۴۲۰۱، والحاكم ، ۳۲۹).

☆ تعاملِ ناس کی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ کے کامل دور میں لوگ قمری تاریخ استعمال کرتے تھے۔

☆ نصاریٰ کے عقیدے کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے۔

☆ مسلمانوں میں غیر مسلم سے امتیاز کرنے کی وجہ سے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرکٹ کھلاڑیوں کے لیے ایجنسی کھولنے کا حکم:

سوال: مجھے ایک مسئلہ میں رہنمائی چاہیے: میں کرکٹ کھیلنے والوں کے لیے ایک ایجنسی کھولنا چاہتا ہوں، اس ایجنسی میں ہم مفت میں نوجوان کھلاڑیوں کو تیار کریں گے، اس شرط کے ساتھ کہ مستقبل میں جب کسی ٹیم کے ساتھ اجرت پر کھیلے گا تو اس اجرت کا دسواں حصہ ہماری ایجنسی کو ملے گا، کیونکہ ہم ان کو تیار کرتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا عقد جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ ایجنسی کا مفت کھلاڑیوں کو تیار کرنا یہ تبرع ہے اوراس میں آئندہ اجرت میں سے حصہ لینے کی شرط لگائی ہے، بنابریں اس عقد کو تبرعِ مشروط سے موسوم کرسکتے ہیں جو احادیث اور کتبِ فتاویٰ کی عبارات کی روشنی میں جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ أن جاراً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فارسیاً کان طیب المرق فصنع لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم جاء یدعوہ ، فقال: وھذہ لعائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا فقال: لا، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا، فعاد یدعوہ ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :وھذہ ، قال: لا ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : لا، ثم عاد یدعوہ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: وھذہ ، قال: نعم فی الثالثة ، فقاما یتدافعان حتی أتیا منزلہ.

(رواہ مسلم : ۲/۱۷۶).

حدیثِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ: ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ طعام پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی شرط لگائی اس نے انکار کردیا پھر تیسری مرتبہ میں اجازت دیدی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ تشریف لے گئے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اونٹ کا پالان خریدا اور عازب رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اپنے بیٹے براء رضی اللہ عنہ سے کہدے کہ یہ پالان میرے ساتھ لے

چلے، عازب رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں مگر اس شرط پر کہ آپ ہجرت کا واقعہ سنا دیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا واقعہ سنایا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ پالان لے گئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن البراء رضي الله عنه قال: اشترى أبوبكر رضي الله عنه من عازب رضي الله عنه رحلاً بثلاثة عشر درهماً، فقال أبوبكر رضي الله عنه: لعازب رضي الله عنه مر البراء فليحمل إلي رحلي، فقال عازب: لا، حتى تحدثنا كيف صنعت أنت ورسول الله صلى الله عليه وسلم حين خرجتما من مكة والمشركون يطلبونكم، قال: ارتحلنا...الخ. (رواه البخاري ۱/ ۵۱۵، في مناقب المهاجرين).

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبرعِ مشروط جائز ہے اور تبرعِ مشروط یہ ہے کہ احسان میں کوئی شرط لگانا یا کسی معاملہ میں اپنے فائدہ کی شرط لگانا، صورتِ مسئولہ میں بھی یہی شکل ہے کہ مفت میں کھلاڑی تیار کر کے ان کی اجرت میں سے حصہ کی شرط لگائی گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: امداد الاحکام میں ہے:

پس ارشاد ہوا کہ معاہدہ مذکورہ کہ خریدار کو سال بھر کے برابر چالو مارکو کا مال خریدتے رہنے کی حالت میں دو تین روپیہ سیکڑہ مثلاً سال کے تمام پر رعایت دی جائے اور دورانِ سال دوسری جگہ ایک مرتبہ بھی خریدنے میں بالکل کچھ نہ دیا جائے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ معاہدہ جائز ہے کیونکہ خریدار کو سال تمام پر جو کمیشن ہر سیکڑہ پر دیا جاتا ہے وہ بائع کی طرف سے تبرع ہے خریدار کا حق لازم نہیں، اور تبرع کو کسی شرط سے مشروط کرنا جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۳۸۶).

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

سوال: مدارس میں فیس داخلہ اور فیس ماہواری طلبہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے کیونکہ یہ اجرت نہیں بلکہ چندہ ہے اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس سے جبر لازم نہیں آتا جس کو شرط منظور نہ ہوگی اس کو عدمِ داخلہ کا اختیار ہوگا۔

ودليله أنه عليه السلام قال لمن أضافه وعائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قال: لا، قال: فلا إذن، قال في الثالثة وعائشة رضي الله تعالىٰ عنها قال: نعم۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۶۰۶).

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرنا چاہتا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہاں جانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جانے کی شرط رکھی جس کو تیسری مرتبہ میزبان نے قبول کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لیجانا تبرع تھا جس کو حضرت عائشہؓ کے جانے

کے ساتھ مشروط فرمایا۔

فائدہ: امداد الاحکام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں تحریر شدہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ ماہنامہ ''البلاغ'' جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس میں حضرت نے فرمایا:... حقیقت میں یہ امداد الاحکام حضرت تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ کا تتمہ ہے....(البلاغ، ص۴۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیوٹ کافی کا حکم:

سوال: سیوٹ کافی (civet coffee) یہ ایک قسم کی کافی ہے، اور اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک قسم کی جنگلی بلی (مشک بلاؤ) کو کچھ دانے [جو گوندنی کی طرح ہوتے ہیں] کھلائے جاتے ہیں، پھر سیوٹ بلی سے یہ دانے کچھ ہضم ہو کر اور کچھ اصل دانے کی شکل میں نکلتے ہیں، اور اصل دانے اپنی پوری شکل وصورت میں باقی رہتے ہیں یعنی اوپر کا حصہ جو نرم ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور اندر کا سخت حصہ اسی حالت پر رہتا ہے اور اسی سے کافی بنتی ہے، تو اب ایسی کافی کا استعمال درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر یہ دانہ بعینہٖ اپنی شکل پر نکلتا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوتا یعنی پھولا، پھٹا نہیں تو فقہاء کی عبارات کی روشنی میں تین مرتبہ دھو کر، سکھا کر اس کو کھا سکتے ہیں، ہاں اگر اس میں کچھ تبدیلی آگئی، مثلاً: دانہ پھولا ہوا ہے یا اس کی شکل بدل چکی ہے تو پھر اس کا استعمال ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

شعير في بعر أو روث يؤكل بعد غسله وفي خثى لا. وفي الشامية: قوله: شعير، فى التاتارخانية: إذا وجد الشعير في بعر الإبل والغنم يغسل ويجفف ثلاثاً ويؤكل وفي أخثاء البقر لا يؤكل قال فى الفتح: لأنه لا صلابة فيه، ثم نقل فى التاتارخانية عن الكبرى: أن الصحيح التفصيل بالانتفاخ وعدمه ويستوى فيه البعر والخثى، أى إن انتفخ لا يؤكل فيهما وإلا أكل فيهما وبحث نحوه في شرح المنية وبما ذكرنا علم أن قوله صلب مرفوع صفة ثانية لشعير فافهم. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۳۴۹، سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں مرقوم ہے:

وفيه (الخانية) إذا وجد الشعير في بعر الإبل والغنم يغسل، وفى الحجة: ويجفف ثلاثاً ويؤكل، وإن كان في أخثاء البقر لا يؤكل، وفى الكبرى: الصحيح أن يفصل بالانتفاخ وعدمه، ويستوى بين البعر والخثى. (الفتاوى التاتارخانية: ۱/۳۲۲).

وفيه أيضاً: إذا أصابت الحنطة الخمر إلا أنها تنتفخ من الخمر فغسلت ثلاثاً ولايوجد لها طعم ولا رائحة ذكر في بعض المواضع عن أبي يوسف ؒ أنه لا بأس بأكلها ... (الفتاوى التاتارخانية: ۱/۳۱۲).

وللمزيد راجع: (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۲۷،والفتاوى الهندية: ۵/۳۳۹،و۱/۴۸،والبحرالرائق: ۸/۲۰۸،دارالمعرفة، وفتح القدير: ۱/۲۱۱،دارالفكر).

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سیدزوارحسین صاحب ؒفرماتے ہیں:

اونٹ یا بکری کی مینگنی میں اگر جوہوں تو دھوکر کھائے جاسکتے ہیں یعنی تین باردھوئے اور ہر بار سکھائے، بیل، گائے یا بھینس وغیرہ کے گوبر میں ہوتو نہ کھائے جائیں اس لیے کہ اس میں سختی نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ :۱/۲۸۰)۔

کتبِ شافعیہ میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔چند کتابوں کے حوالے ملاحظہ فرمائیں:

امام نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

قال أصحابنا: إذا أكلت البهيمة حباً وخرج من بطنها صحيحاً فإن كانت صلابته باقية بحيث لوزرع نبت فعينه طاهرة لكن يجب غسل ظاهره لملاقاه النجاسة لأنه وإن صار غذاء لها فمما تغير إلى الفساد فصاركما لو ابتلع نواة وخرجت فإن باطنها طاهر ويطهر قشرها بالغسل وإن كانت صلابته قد زالت بحيث لوزرع لم ينبت فهو نجس. (المجموع شرح المهذب: ۲/۵۷۳).

وللاستزادة راجع: (نهاية المحتاج فى شرح المنهاج: ۱/۲۴۰،واعانة الطالبين: ۱/۹۹، وحاشية الجمل على المنهج: ۱/۵۱۰،ط: دارالفكر،وحواشى الشروانى: ۱/۲۹۴،وتحفة المحتاج فى شرح المنهاج:۳/۲۷۳،والموسوعة الفقهية: ۴۰/۱۰۸،ط: الكويت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں:

سوال: احناف کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ ہیں؛ جبکہ بعض سلفی اس کا انکار کرتے ہیں، تو کیا معتمد حوالوں سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں یہ بات معتمد حوالوں سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو حافظ شمس الدین ذہبی شافعی اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

وقد تفقه ابن المبارك بأبي حنيفة، وهو معدود في تلامذته. (سير أعلام النبلاء: ۸/۴۰۹، ط مؤسسة الرسالة، وتاريخ الإسلام: ۱۲/۲۳۵، دار الكتب العربي، وعمدة القاري: ۱۵/ ۳۷۷، دار الحديث).

امام مزیؒ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت بیان کی ہے: **روى عنه ابن المبارك.** (تهذيب الكمال: ۲۹/۴۲۰، مؤسسة الرسالة، وكذا في تاريخ الإسلام: ۳/۹۹۰، دار الغرب الإسلامي، و التاريخ الكبير للبخاري: ۸/۸۱، دائرة المعارف العثمانية، و شرح أبي داؤد للعيني: ۳/۴۹۸، مكتبة الرشد، والتعليق الممجد، ص: ۳۱، قديمي كتب خانه).

(ابن مبارك) وهو عبد الله المروزي من أصحاب أبي حنيفة. (شرح الشفا: ۲/۴۹۵، دار الكتب العلمية، والعرف الشذي: ۱/۳۳، دارالتراث العربي، و نصب الراية، في ذكر بعض الحفاظ في المقدمة ۴۷، ط: مؤسسة الريان، والفوائد البهية: ۱۰۳، مكتبة خير كثير).

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

لقد كان ابن المباركؒ خير من يعترف لأساتذته بالفضل وحسبه أن قال: لو لا أن الله عزوجل أغاثني بأبي حنيفة وسفيان كنت كسائر الناس. (تهذيب التهذيب ۱۰/ ۴۰۲ دار الكتب العلمية).

لو لا أني لقيت أبا حنيفة لكنت من الفلاسين الذين يبيعون الفلوس ببغداد ولو لا أني لقيت أبا حنيفة لكنت من المبتدعة. (أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري: ۱/۱۴۱، ط:عالم الكتب).

قال ابن المباركؒ: لو لا أن الله قد أدركني بأبي حنيفة وسفيان لكنت بدعياً. (مناقب

أبي حنيفة وصاحبيه: ۱/۳۰، لجنة إحياء المعارف النعمانية، والجواهر المضية: ۲/۱۰، مير محمد كتب خانه).

نیز حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے بہت ساری احادیث اورآ ثار روایت کیے ہیں جوان کے شاگرد ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ چند حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) ثنا ابن المباركؒ قال: سمعت أبا حنيفةؒ يقول: إذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين، وإذا جاء عن الصحابة نختار من قولهم، وإذا جاء عن التابعين زاحمناهم. (مسند أبي حنيفة من رواية أبي نعيم: ۱/۲۲، ط: مكتبة الكوثر، والمدخل للسنن الكبرى للبيهقي: ۱/۱۱۱، ط: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، وإعلام الموقعين: ۴/۹۴، ط: دارالكتب العلمية، والعرف الشذي: ۱/۹۵، ط: ادارة التراث العربي).

(۲) ثنا ابن المباركؒ ثنا أبو حنيفةؒ عن عطاء بن أبي رباحؒ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب. (مسند أبي حنيفةؒ: ۱/۱۳۶، ط: مكتبة الكوثر، و شرح أبي داؤد للعيني: ۳/۴۸۶، وتنقيح التحقيق للذهبي: ۱/۱۵۲، ونصب الراية: ۱/۳۶۷، مؤسسة الريان).

(۳) سمعت ابن المباركؒ يقول: سأل أبو عصمةؒ الإمام أبا حنيفةؒ بمن تأمرني أن أسمع الآثار؟ قال: من كل عدل في هواه إلا الشيعة فإن أصل عقائدهم تضليل أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، ومن أتى السلطان طائعاً، أما إني لا أقول إنهم يكذبونهم أو يأمرونهم بما لا ينبغي، ولكن وطأوا لهم حتى انقادت العامة بهم، فهذان لا ينبغي أن يكونا من أئمة المسلمين. (أصول الدين عند أبي حنيفة للخميس: ۱/۱۰۳، ط: دار الصميعي، السعودية).

(۴) حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا يوسف بن عدي قال ثنا ابن المباركؒ عن هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن أبيه قال سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول فذكر نحوه فذهب قوم إلى أن الإمام إذا فتح أرضاً عنوة وجب عليه أن يقسمها كما يضم الغنائم، وليس له احتباسها كما ليس له احتباس سائر الغنائم، واحتجوا في ذلك بهذا الحديث، وخالفهم في ذلك آخرون، فقالوا: الإمام بالخيار إن شاء خمسها وقسم أربعة أخماسها، وإن شاء تركها أرض خراج ولم يقسمها حدثنا بذلك محمد بن خزيمة قال ثنا يوسف بن عدي قال

ابـن المبارک عن أبي حنيفة وسفيان بذلک. (شـرح معاني الآثار، ۵۲۳۷،باب الأرض تفتتح كيف ينبغي للإمام أن يفعل فيها، كتاب السير).

(۵)وفي الدار قطني في الأشربة (۸۰/۲۶۱/۴)**عن ابن المبارک قال: سأل عبد اللّٰه بن عـمر العمري أبا حنيفة عن الشراب فقال: حدثونا من قبل أبيک رحمه اللّٰه، قال:إن رابكم فاكسروه بالماء فقال له عبد اللّٰه: فإذا تيقنت ولم ترتب.** (نصب الراية:۳۰۴/۴، مؤسسة الريان).

(٦) حـديـث مـن كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة كذا قال ابن المبارک أيضا عن أبي حنيفة مرسلاً. (الدراية على تخريج أحاديث الهداية: ١/١٢٠،ط: المصباح).

اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی بہت سی فقہی روایات بھی مروی ہیں:

(١) قـال الشـافـعيؒ وزفـرؒ وأحمدؒ: لا يصح صوم يومي العيدين ولا النذر بصومهما، وهو رواية أبي يوسف وابن المبارک عن أبي حنيفة وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه إن نذر صـوم يوم النحر لا يصح. (عـمـدة القاري:۲۲۲/۸،ط: دار الحديث،و كشف الأسرار: ١/٢٧٠،ط: دار الـكـتـب الإسـلامـي،و التـقـريـر والتـحبير: ١/ ٣٩٣،ط: دار الكتب العلمية ، وبدائع الصنائع:۵۸۵/۲،ط: دار المعارف ديوبند، والعناية : ۲۹۸/۲،ط: مكتبة رشيدية، ودرر الحكام: ١/٢١١،ط:دار إحياء الكتب العربية).

(۲) وهـكـذا روى ابـن الـمـبـارک عـن أبـي حـنـيـفة رحـمه اللّٰه فى الفصل الثاني أنه يستـحـق سهم الفرسان. (الهـداية :۵۷۴/۲،ط: الـمـصـبـاح، والـمبسوط للسرخسي :۴۴/١٠،ط:إدارة القرآن والعلوم الإسلامية).

(۳) وروى ابـن الـمـبـارک عن أبي حنيفة أنه يعتبر أن يكون الدم في العشر ثلاثة أيام وهو قول زفر. (فـتـح الـقـدير: ١/۵۳،ط:المكتبة الرشيدية ، والمبسوط للسرخسي:۱۸/۲،ط: إدارة القرآن والـعـلـوم الإسـلامية، وتبيين الـحـقـائـق: ١/٦٢،ط: مـكتبة إمدادية ،والبناية: ١/٦٥٧، مكتبة الرشيدية، ودرر الحكام: ١/٤١،ط: دار إحياء الكتب العربية).

(۴) وروى ابن المبارک عن أبي حنيفةؒ أن الأعمى لا يلاعن. (فتح القدير:١١١/۴ ، ط: المكتبة الرشيدية، وتبيين الحقائق:١۵/۳،ط: مكتبة إمدادية).

(۵) روى ابـن الـمـبـارک عن أبي حنيفة أنه تسقط القسامة والدية عن أهل المحلة .

(فتح القدير: ۳۱۹/۹،ط:مكتبة الرشيدية، والمبسوط للسرخسي: ۱۱۴/۲۶،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ،و تبيين الحقائق: ۱۷۰/۶،ط: مكتبة إمدادية، والبناية: ۴۴۰/۱۲،ط: مكتبة الرشيدية،والبحر الرائق: ۳۹۲/۸،ط: المكتبة الماجدية ، ورد المحتار: ۲۲۹/۶،ط: سعيد).

(۶) وروى ابن المبارك عن أبي حنيفة رحمه الله أن الدين يمنع وجوب العشر وبعد التسليم فالعشر مؤنة الأرض النامية كالخراج لا معتبر فيه بغنى المالك. (المبسوط للسرخسي: ۱۶۰/۲،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية).

(۷) قال: رجل مات وله أرض عشرية قد أدرك زرعها قال: يؤخذ منها العشر وروى ابن المبارك عن أبي حنيفة أنه لا يؤخذ منها العشر. (المبسوط للسرخسي: ۲۰۸/۲،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ،ورد المحتار: ۳۳۳/۲،ط: سعيد).

(۸) وروى ابن المبارك عن أبي حنيفة رحمه الله أن العشر على المعير. (المبسوط للسرخسي: ۴۵/۳،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، والمجموع شرح المهذب: ۵۶۳/۵،ط:دار الفكر).

(۹) وحكى ابن المبارك عن أبي حنيفة رحمه الله قال لا تخرج الزكاة من بلد إلى بلد إلا لذي قرابة. (المبسوط للسرخسي: ۱۸/۳،ط:إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ، والمحيط البرهاني: ۴۴۱/۲ ط: مكتبة الرشيدية).

(۱۰) ثم اختلف الروايات في مقدار ما يوقف للحمل من الميراث فروى ابن المبارك عن أبي حنيفة أنه يوقف للحمل أربع بنين. (المبسوط للسرخسي: ۵۲/۳۰،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية،و الاختيار لتعليل المختار: ۱۱۴/۵،ط: دار الدعوة).

(۱۱) وقال: في كلب وقع في ماء وخرج حياً فأعجنوا منه فلا بأس بذلك هكذا روى ابن المبارك عن أبي حنيفة رحمه الله. (المحيط البرهاني: ۱۱۱/۱،ط: مكتبة الرشيدية).

(۱۲) وعن ابن المبارك عن أبي حنيفة رحمه الله في الأبعار الرطبة وبول ما يؤكل لحمه: إذا وقع في البئر يفسد الماء. (المحيط البرهاني ۱۱۵/۱ مكتبة الرشيدية).

مذکورہ بالا تمام نقول سے معلوم ہوا کہ ابن المبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے؛ بہرحال ویسے ان کے شاگرد ہونے نہ ہونے سے امام ابوحنیفہؒ کی جلالتِ شان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اشکال: بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے وفات سے پہلے امام صاحبؒ کی سب روایتوں کو دیوار پر پھینک مارا تھا۔ **أخبرنا العتيقي أخبرنا يوسف بن أحمد الصيدلاني حدثنا محمد بن عمرو العقيلي حدثنا محمد بن إبراهيم بن جناد حدثنا أبو بكر الأعين حدثنا إبراهيم بن شماس قال سمعت ابن المبارك يقول: اضربوا على حديث أبي حنيفة .**

أخبرنا عبيد الله بن عمر الواعظ حدثنا أبي حدثنا عبد الله بن سليمان حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل حدثني أبي حدثنا أبو بكر الأعين عن الحسن بن ربيع قال: ضرب ابن المبارك على حديث أبي حنيفة قبل أن يموت بأيام يسيرة كذا رواه لنا وأظنه عن عبد الله بن أحمد عن أبي بكر الأعين نفسه، والله أعلم. (تاريخ بغداد: ۱۵/۵۷۳).

جواب: اولاً تو یہ قصہ ہی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ علامہ زاہد الکوثریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **في سند الحديث الأول العقيلي ذلك المتعصب الخاسر وشيخه محمد بن إبراهيم بن جناد المنقري لم يوثقه غير ابن خراش ولعله كان على مذهبه .**

وأبو بكر محمد بن أبي عتاب الأعين لم يكن من أهل الحديث كما قاله ابن معين وإبراهيم بن شماس ملأ إهابه التعصب على زهده ، وماذا على أبي حنيفة إذا فرض أن أحد الرواة ضرب على حديث خاص من أحاديثه؟ وقد يكون ذلك من عدم ضبط الراوي عنه.
وفي سند الرواية الأخيرة عبد الله بن سليمان وهو ابن أبي داؤد الكذاب الساقط. (تأنيب الخطيب: ۲۳۶، ط: المكتبة الأزهرية للتراث).

دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب روایتیں خطیب نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب میں مدح وذم دونوں روایتیں ذکر کی ہیں اور مدح کو ذم پر مقدم کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد محض جمع روایات ہے نہ کہ امام صاحبؒ پر جرح کرنا۔ ملاحظہ ہو علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

وفيه: (الخيرات الحسان في مناقب النعمان: ۷۶) **أيضا في الفصل التاسع والثلاثين في رد ما نقله الخطيب في تاريخه من القادحين فيه (أي في أبي حنيفةؒ) علم أنه لم يقصد بذلك إلا جمع ما قيل في الرجل على عادة المؤرخين، ولم يقصد بذلك انتقاصه، ولا حط مرتبته بدليل أنه قدم كلام المادحين وأكثر منه ومن نقل مآثره ثم عقبه بذكر كلام القادحين ومما**

يـدل عـلـى ذلك أيـضـا أن الأسـانيـد التي ذكـرها للقدح لا يخلو غالبها من متكلم فيه أو مـجهـول ولا يـجـوز إجـماعاً ثلم عرض مسلم بمثل ذلك فكيف بإمام من أئمة المسلمين وبـفـرض صـحة مـا ذكره الخطيب من القدح عن قائله لا يعتد به فإنه إن كان من غير أقران الإمـام فهو مقلد لما قاله أو كتبه أعداؤه وإن كان من أقرانه فكذلك لما مر أن قول الأقران بـعـضـهم في بعض غير مقبول وقد صرح الحافظان الذهبي وابن حجر بذلك قالا: لا سيما إذا لاح أنـه لـعـداوة أو لمذهب، إذ الحسد لا ينجو منه إلا من عصمه الله، قال الذهبي: وما عـلـمـت أن عـصـراً سلم أهله من ذلك إلا عصر النبيين والصديقين، وقال التاج السبكي: يـنـبـغي لك أيهـا المسترشد أن تسلك سبيل الأدب مع الأئمة الماضين، وأن لا تنظر إلى كـلام بـعـضـهـم مـن بـعـض إلا إذا أتي ببرهان واضح ثم إن قدرت على التأويل وحسن الظن فـدونـك ، وإلا فاضرب صفحاً عما جرى بينهم وإياك ثم إياك أن تصغي إلى ما اتفق بين أبـي حـنيفة وسفيان الثوري، أو بين مالك وابن أبي ذئب ، أوبين النسائي وأحمد بن صالح أو بين أحمد والحارث بن أسد المحاسبي، وهلم جراً، إلى زمان العز بن عبد السلام والتقي بـن الـصلاح، فإنك إذا اشتغلت بذلك وقعت على الهلاك فالقوم أئمة أعلام ولأقوالهم محامل، وربما لم نفهم بعضها فليس لنا إلا التراضي والسكوت عما جرى بينهم ،كما نفعل فيما جرى بين الصحابة . انتهى . (التعليق الممجد: ٣٢،ط: قديمي كتب خانه). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام ابوحنیفہؒ کی منقبت میں مشہور اشعار کی تحقیق:

سوال: امام ابوحنیفہؒ کی منقبت میں یہ اشعار مشہور ہیں: لـقـد زان البـلاد ومن عليها...الخ، یہ اشعار عبداللہ بن المبارک کے ہیں یا امام شافعیؒ کے؟ اگر اول الذکر کے ہیں تو پھر دیوانِ امام شافعی میں کیسے آگئے؟ اور یہ شعر: فلعنة ربنا أعداد رمل على من رد قول أبي حنيفة ان میں ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شعر ان میں موجود ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ بالا اشعار حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طرف مختلف کتابوں میں منسوب ہیں: چند حوالہ جات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) الوافی بالوفیات۔(للصفدی ۲۷/۹۳ داراحیاالتراث)۔

(۲) آثارالبلادواخبارالعباد۔(للقزوینی ۱/۲۵۲ دارالصادر بیروت)۔

(۳) الفہرست لابن ندیم۔(۱/۲۵۱ دارالمعرفة بیروت)۔

(۴) الدرالمختار۔(۱/۵۹ سعید باکستان)۔

(۵) النجوم الزاہرة۔(۲/۱۵ دارالکتب مصر)۔

اور بعض کتابوں میں یہ سند بھی مذکور ہے:

أنشدنا أبو الحسن العباس بن أحمد بن الفضل الهاشمي قال: أنشدنا أحمد بن محمد المنصوري قال: أنشدنا علي بن محمد النخعي قال: أنشدنا إسحاق بن إبراهيم بن مقراض قال: أنشدنا سويد بن سعيد المروزي قال: سمعت ابن المبارک يقول :

لقد زان البلاد ومن عليها ۞ إمام المسلمين أبو حنيفة

بآثار وفقه في حديث ۞ كآثار الزبور على الصحيفة

فما في المشرقين له نظير ۞ ولا بالمغربين ولا بكوفة

رأيت العائبين له سفاها ۞ خلاف الحق مع حجج ضعيفة

(أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري: ۱/۱۹).

☆ یہ اشعار دیوانِ امام شافعیؒ میں بھی آئے ہیں (ص۴۵ دارالصادر) لیکن کسی نسخے میں اس کی سند مذکور نہیں ہے، اوران اشعار کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کرنے سے محققین نے اعتذار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو دکتور احسان عباس لکھتے ہیں:

والمشكلة بالنسبة للقاريء في ما يتعلق بشعر الشافعي هي تمييز ما ثبتت نسبته له، مما نسب إليه وهو لغيره أي أن الدارس لشعر الشافعي يجد أن من الصعب الحكم على شعره لأنه قد اختلط بأشعار كان يتمثل بها الشافعي ويسمعها منه تلامذته ، وقد وصلتنا هذه الأشعار مختلطة بشعر صحيح النسبة إلى الشافعي وحين اهتم بعض المعاصرين بجمع شعره لم يميزوا الدخيل من الأصيل في ذلک الشعر وحشدوا كل ذلک معاً ظناً منهم أنه

كله صحيح النسبة إلى الإمام الكبير وقد مهدت النظرة التعليمية الأخلاقية لقبول شعر تعليمي كثير وربطه باسم الشافعي حتى امتزج بشعره بعض شعر أبى العتاهية ومحمود الوراق والفقيه المنصور بل وأبيات زهدية تنسب لأبي نواس أو للشاعر الخارجي عمرو القنا العنبري وغيرهم لهذا أصبح تخليص شعر الشافعي من غيره أمراً عسيراً وإني لأعجب من دارس كتب كتاباً في دراسته الناحية الفنية في شعر الشافعي، كيف تأتي له تخليص شعره من غيره ، وحسب أي معيار. (مقدمة ديوان الشافعي مكتبة دار الصادر بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سی مرتبہ شعرا کی مجلس میں بیٹھنے والے اس مغالطہ کا شکار ہوجاتے ہیں کہ شاعر کے خواندہ اشعار کو شاعر کے بنائے ہوئے اشعار تصور کرتے ہیں؛ بلکہ جو اشعار کی حقیقت سے واقف نہ ہوں وہ شاعر کے نثر کو بھی نظم کہتے ہیں یہی معاملہ امام شافعیؒ کے دیوان کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

☆ اور یہ شعر: فلعنة ربنا...الخ، بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔اور الفاظ اور قواعد شعریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر اس قصیدے کا حصہ نہیں ہے۔

ہاں بعض نسخوں میں موجود ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص امام صاحبؒ کے قول کو حقارت واہانت کے ساتھ رد کردے تو اس پر رب کی طرف سے پھٹکار نازل ہو، کیونکہ یہ احکامِ شرعیہ کی توہین کے مترادف ہے؛ ورنہ فقہاء ایک دوسرے کے اقوال احترام کے ساتھ رد کرتے ہی رہتے ہیں۔ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

أي على من رد ما قاله من الأحكام الشرعية محتقراً لها فإن ذلک موجب للطرد والإبعاد لا بمجرد الطعن في الاستدلال لأن الأئمة لم تزل يرد بعضهم قول بعض ولا بمجرد الطعن في الإمام نفسه ، لأن غايته الحرمة فلا يوجب اللعن ، لكن ليس فيه لعن شخص معين فهو كلعن الكاذبين ونحوهم من العصاة فافهم. وفي هذا البيت من عيوب الشعر الإيطاء على أنه لم يذكره فيتنوير الصحيفة كما قاله ابن عبد الرزاق. (مقدمة رد المحتار ٦٣ ، ط: سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عبادت کو کھیل سے تعبیر کرنے کا حکم:

سوال: عبداللہ بن مبارکؒ نے فضیل بن عیاضؒ کو خط میں کچھ اشعار لکھے، ان میں پہلا شعر یہ ہے:

یا عابد الحرمین لو أبصرتنا ❁ لعلمت أنک فی العبادة تلعب

اے حرمین کے عابد! اگر آپ ہم کو دیکھ لیتے تو آپ کو یقین ہوجاتا کہ آپ عبادت میں کھیل رہے ہیں۔

اِس شعر میں عبادت کو کھیل کہنا بظاہر عبادت کی بے ادبی ہے، اور ابن مبارکؒ بہت اہم شخصیت ہیں انہوں نے یہ شعر کیسے کہا؟ اور یہ اشعار کہاں ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ بالا اشعار کی چند توجیہات حسبِ ذیل ہیں، جن کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ جیسی عظیم شخصیت پر غبار نہیں آتا۔

(۱) یہاں لعب مجاز ہے سہولت سے، یعنی مصلے پر عبادت آسان ہے بہ نسبت جہاد کے کہ اس میں مجاہدہ زیادہ ہے اور جب مجاہدہ زیادہ ہے تو یہ علو درجات میں زیادہ معین ومددگار ہے، جیسے عام بول چال میں کہا جاتا ہے کہ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی میرے لیے بہت آسان ہے۔

(۲) لعب بول کر جہاد کے کثرتِ ثواب کو بتلانا مقصود ہے، یعنی عبادت کے مقابلے میں جہاد کا ثواب بہت زیادہ ہے جیسا کہ پورا واقعہ اس کی طرف مشیر ہے، مثلاً: دوسرا شعر ہے:

من کان یخضب خده بدموعه ❁ فنحورنا بدمائنا تتخضب

یعنی تم آنسو بہاتے ہو اور ہم خون بہاتے ہیں اور ظاہر سی بات ہے کہ خون بہانے کا ثواب آنسو بہانے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے، اسی طرح اگلا شعر:

ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا ❁ رهج السنابک والغبار الأطیب

یعنی تم عبادت کرنے کے لیے اچھے عطر مثل عنبر ومشک لگا کر جاتے ہو اور ہمارا مشک وعنبر میدانِ کارزار کا غبار ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

اسی طرح جہنم کی آگ کا جہاد کے غبار زدہ بدن کو نہ چھونا اور شہید کا ابدی زندگی پانا یہ سب فضیلتیں محض عبادتوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔

لا یستوی غبار خیل اللّٰه فی ❁ أنف امرئ ودخان نار تلهب

ولقد أتانا من مقال نبینا ❁ قول صحیح صادق لا یکذب

هذا کتاب اللّٰه ینطق بیننا ❁ لیس الشهید بمیت لا یکذب

علاوہ ازیں فضیل بن عیاضؒ نے اس خط کے جواب میں جو حدیث لکھوائی اس سے بھی اس معنی کی تائید

ہوتی ہے: **وأملى علي الفضيل بن عياضؒ: حدثنا منصور بن المعتمر عن أبي صالح عن أبي هريرةؓ أن رجلاً قال: يا رسول الله! علمني عملاً أنال به ثواب المجاهدين في سبيل الله فقال: هل تستطيع أن تصلي فلا تفتر وتصوم فلا تفطر؟ فقال: يا رسول الله! أنا أضعف من أن أستطيع ذلک، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: فوالذى نفسي بيده لو طوقت ذلک ما بلغت المجاهدين في سبيل الله أو ما علمت أن فرس المجاهد ليستن في طوله فيكتب له بذلک الحسنات.**

یعنی ثوابِ عبادت اور ثوابِ جہاد میں زمین وآسمان کا فرق ہے اگر چہ دونوں اپنی جگہ اہم ہیں۔

(۳) لعب تعبیر ہے قلتِ لذت سے، یعنی رات کو رونے اور آنسو بہانے میں جس طرح ایک مزہ ہے، میدانِ جہاد میں دشمنوں کی کھوپڑیاں اڑانے میں بھی ایک مزہ ہے اور یہ مزہ پہلے والے مزے سے کئی زیادہ ہے، اسی طرح میدانِ جہاد میں پڑھی گئی نماز دوسری جگہوں پر پڑھی گئی نمازوں کے مقابلے میں کئی زیادہ لذت رکھتی ہے۔ اور یہ واقعہ متعدد کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) التاریخ لابن عساکر۔(۳۲/ ۴۴۹، ط: مکتبہ دارالفکر)۔

(۲) تفسیر ابن کثیر۔(۱/ ۴۸۵، ط: مکتبہ دارالسلام)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء۔(۸/ ۴۱۲، ط: مؤسسۃ الرسالہ)۔

(۴) تاریخ الاسلام۔(۴/ ۸۸۲، ط: دارالغرب الاسلامی)۔

(۵) طبقات الشافعیہ للسبکی۔(۱/ ۲۸۶، ط: ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے؟

سوال: درجِ ذیل مقولہ کس کا ہے: **الغبار الذى دخل انف فرس معاوية خير من أويس القرنى وعمر بن عبد العزيز** ؟ اور کہاں مذکور ہے؟ اور جانور کا غبار اولیاء اللہ تابعین سے کیسے بہتر ہے؛ جبکہ مسلمان کی حرمت خانہ کعبہ سے زیادہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ مقولہ کچھ کمی بیشی کے ساتھ اکثر حضرات کے نزدیک عبداللہ بن مبارکؒ کا ہے۔ ملاحظہ ہو درجِ ذیل عبارت بعینہٖ ارشاد الطالبین میں موجود ہے:

عبداللہ بن مبارک از تابعین است می گوید: **الغبار الذی دخل أنف فرس معاویة خیر من أویس القرنی وعمر المروانی،** یعنی غباریکہ در بینی اسپ معاویہ داخل شدہ بہتر است از اویس قرنی وعمر مروانی۔ (ارشاد الطالبین از مولانا ثناء اللہ پانی پتی، ۳۰، ۳۱ مطبع لاہور)۔

یعنی وہ غبار جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا تھا وہ حضرت اویس قرنیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بہتر ہے۔

امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ حقانیہ میں بھی اس عبارت کی نسبت ارشاد الطالبین کی طرف کی گئی ہے۔(امداد الفتاوی:۴/۶۰۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی، وفتاوی حقانیہ:۱/۲۱۳، ناشر دارالعلوم حقانیہ)۔

اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ قول صرف عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں بھی آیا ہے:

وقد سئل عبد اللّٰه بن المبارک عن معاویة وعمر بن عبد العزیز أیهما أفضل؟ فقال: الغبار الذي دخل أنف فرس معاویة أفضل عند اللّٰه من مائة عمر بن عبد العزیز. (الصواعق المحرقة: ۲/۶۱۳، ط: مؤسسة الرسالة، وروح المعاني: ۱۴/۲۸۹، ط: دار الکتب العلمیة، ومرقاة المفاتیح: ۱/۳۴، ط: دار الفکر، والبدایة والنهایة: ۸/۱۳۹، ط: دار الفکر).

اور بعض کتابوں میں اس کی سند بھی بیان کی گئی ہے:

قال الحافظ ابن عساکر في تاریخه: أخبرنا أبو بکر محمد بن محمد أنا أبو بکر الخیاط أنا أبو الحسین السوسنجردي أنا أحمد بن أبي طالب الکاتب حدثني أبي قال: وحدثني السعیدي نا أحمد بن سهل أبو غسان نا القاسم بن محمد من ولد أبي بکر الصدیق قال: سمعت سعید بن یعقوب الطالقاني یقول: سمعت ابن المبارک یقول: تراب في أنف معاویة أفضل من عمر بن عبد العزیز. (تاریخ دمشق: ۵۹/۲۰۷، ط:دار الفکر).

قال الآجري: حدثنا أبو بکر محمد بن الحسین بن شهریار البلخي قال: حدثنا علي بن عبد الصمد قال: حدثني عبد الوهاب الوراق قال: حدثني عبد الرحمن بن عبد اللّٰه بن عمرو قال: سمعت رجلاً بمرو قال لابن المبارک معاویة خیر أو عمر بن عبد العزیز؟ قال: فقال ابن المبارک: تراب دخل في أنف معاویة رضی اللہ عنہ مع رسول اللّٰه ﷺ خیر أو أفضل من عمر بن عبد العزیز. (الشریعة للآجري ص ۲۴۶۶ دار الوطن).

اور بعض کتابوں میں اس قول کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف کی گئی ہے:

سئل الإمام أحمد بن حنبل رضي الله عنه أيهما أفضل معاوية أو عمر بن عبد العزيز فقال: لغبار لحق بأنف جواد معاوية بين يدي رسول الله ﷺ خير من عمر بن عبد العزيز رضي الله عنه، وأماتنا على محبته. (شذرات الذهب: ۱/۶۵، ط: دار ابن کثیر).

(۲) اس عبارت سے صحابی کا مقام سمجھانا مراد ہے کہ غیر صحابی، صحابی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے، جیسے عام طور پر محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم شیخ الہند کے جوتے کے تسمہ کے برابر بھی نہیں، اس کلام سے شیخ الہند کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے، عالم اور جوتے کا مقابلہ مقصود نہیں ہے؛ اس لیے یہ کلام مقامِ صحابیت کی فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے:

أشار بذلك إلى فضيلة صحبته صلى الله عليه وسلم ورؤيته لا يعدلها شيء.

(الصواعق المحرقة: ۲/۶۱۳، ط: مؤسسة الرسالة).

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صحابی کے گھوڑے کی ناک کا غبار بلا واسطہ فضیلت سے عبارت اور کنایہ ہے؛ تو مطلب یہ ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو بلا واسطہ شرفِ صحبت حاصل ہے وہ عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ کو حاصل نہیں؛ کیونکہ ان کا شرف بالواسطہ ہے جیسے حضرت بریرہؓ کے فراق پر ان کے شوہر حضرت مغیثؓ روتے تھے، جو ایک صحابی سے بعید ہے؛ لیکن درحقیقت وہ اس نسبت اور تعلق کے منقطع ہونے پر روتے تھے جو حضرت بریرہؓ کو بیتِ نبوت سے بلا واسطہ حاصل تھی، دیکھیے: **ذلك مغيث عبد بني فلان يعني زوج بريرة كأني أنظر إليه يتبعها في سكك المدينة، يبكي عليها.** (بخاري ۵۲۸۲، ۵۲۸۱، ترمذي ۱۱۵۶، أبو داؤد ۲۲۳۱).

ہاں! اگر اس عبارت کو ظاہر پر محمول کریں تو پھر اشکال ہوگا کہ مسلمان کی حرمت کعبہ سے زیادہ ہے تو غبارِ فرسِ صحابی سے بدرجہ اولیٰ زیادہ ہوگی۔

حدثنا أبو القاسم بن أبي ضمرة نصر بن محمد ابن سليمان الحمصي ثنا أبي ثنا عبد الله بن أبي قيس النصري ثنا عبد الله بن عمرو قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك ما أعظمك وأعظم حرمتك والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه وأن نظن به إلا خيراً. (ابن ماجه ۳۹۳۲، ص ۲۸۲، ط: قدیمی کتب خانه).

وفیہ: نصر بن محمد شیخ ابن ماجة ضعفه أبوحاتم وذكره ابن حبان فی الثقات ، وأخرجه البیهقي في شعب الإيمان (۵/۴۶۵/۵۷۲۵) من طریقین عن حفص بن عبد الرحمن عن شبل عن ابن جریج عن مجاهد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ... وإسناده حسن ، ورجاله ثقات رجال الشیخین غیر حفص وهوصدوق قاله ابن حجر فی التقریب. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قادیانی زندیق ہیں، اور زندیق کا حکم:

سوال: زندیق کون ہے؟ کیا زندیق کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اور موجودہ زمانے کے قادیانی زندیق کے حکم میں ہیں یا اہل کتاب کے حکم میں ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زندیق وہ شخص ہے جو اپنے عقائدِ کفریہ پر اسلام کا لیبل لگاتا ہو، اسی طرح جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں اور عقائدِ کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن وحدیث کے نصوص میں تحریف کرکے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہوں، انہیں زندیق کہا جاتا ہے۔

زندیق مرتد سے بدتر ہے کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے؛ لیکن زندیق کی توبہ قبول ہونے پر اختلاف ہے، بہرحال اگر وہ اپنے باطل مذہب سے تائب ہو جائے اور گرفتاری سے پہلے از خود آکر توبہ کرلے تو اس کی توبہ عنداللہ مقبول ہوگی۔ اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی۔

موجودہ زمانے کے قادیانی زندیق ہیں اس لیے کہ ایسے عقائد رکھتے ہیں جو اسلام کی رو سے خالص کفر ہیں؛ لیکن یہ اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور اپنے کفریہ عقائد پر پردہ ڈالنے کے لیے قرآن وحدیث میں تحریف کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو؛ عمدۃ القاری میں ہے:

قوله: بزنادقة جمع زنديق بكسر الزاي فارسي معرب، وقال السيبويه: الهاء في زنادقة بدل من ياء زنديق، وقد تزندق والاسم الزندقة، واختلف في تفسيره فقيل: هو المبطن للكفر المظهر للإسلام كالمنافق، وقيل: قوم من الثنوية القائلين بالخالقين، وقيل: من لا دين له، وقيل: من هو تبع كتاب زردشت المسمى بالزند، وقيل: هم طائفة من الروافض تدعى السبائية ادعوا أن علياً رضی اللہ عنہ إله ،

وكان رئيسهم عبد الله بن سبأ، بفتح السين المهملة وتخفيف الباء الموحدة وكان

أصله يهودياً...إلى قوله: واختلف في الزنديق هل يستتاب؟ فقال مالك والليث وأحمد وإسحاق: يقتل ولا يقبل توبته. وقول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ مختلف فيه، فمرة قالا: بالاستتابة، ومرة قالا: لا، قلت: روي عن أبي حنيفةؒ أنه قال: إن أتيت بزنديق أستتيبه فإن تاب وإلا قتلته، وقال الشافعي: يستتاب كالمرتد وهو قول عبد الله بن الحسن، وذكر ابن المنذر عن عليؓ مثله، وقيل لمالك: لم تقتله ورسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقتل المنافقين وقد عرفهم، فقال: لأن توبته لا تعرف. (عمدة القاري:۱۶/ ۲۰۰،ح۶۹۲۲، باب حكم المرتد والمرتدة، ط: دارالحديث ملتان).

وفي البحر الرائق: الثالثة لا تقبل توبة الزنديق فيظاهر المذهب وهو من لا يتدين بدين وأما من يبطن الكفر والعياذ بالله تعالى ويظهر الإسلام فهو المنافق ويجب أن يكون حكمه في عدم قبولنا توبته كالزنديق لأن ذلك في الزنديق لعدم الاطمئنان إلى ما يظهر من التوبة إذ كان قد يخفي كفره الذي هو عدم اعتقاده ديناً والمنافق مثله في الإخفاء وعلى هذا فطريق العلم بحاله إما بأن يعثر بعض الناس عليه أو يسره إلى من أمن إليه والحق أن الذي يقتل ولا تقبل توبته هو المنافق، فالزنديق إن كان حكمه ذلك فيجب أن يكون مبطنا كفره الذي هو عدم التدين بدين ويظهر تدينه بالإسلام أو غيره إلى أن ظفرنا به وهو عربي وإلا لو فرضناه مظهرا لذلك حتى تاب يجب أن لا يقتل وتقبل توبته كسائر الكفار المظهرين لكفرهم إذا أظهروا التوبة وكذا من علم أنه ينكر في الباطن بعض الضروريات كحرمة الخمر ويظهر اعتقاد حرمته كذا في فتح القدير وفي الخانية قالوا إن جاء الزنديق قبل أن يؤخذ فأقر أنه زنديق فتاب عن ذلك تقبل توبته وإن أخذ ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۶ باب توبة الساحر، دار الكتب الإسلامي).

وفي الشامي: وحاصل كلامه أن الزنديق لو تاب قبل أخذه: أي قبل أن يرفع إلى الحاكم تقبل توبته عندنا، وبعده لا اتفاقا، وورد الأمر السلطاني للقضاة بأن ينظر في حال ذلك الرجل إن ظهر حسن توبته يعمل بقول أبي حنيفةؒ وإلا فبقول باقي الأئمة وأنت خبير بأن هذا مبني على ما مشى عليه القاضي عياض من مشهور مذهب مالك وهو عدم قبول

تـوبتـه وأن حـكـمه حكم الزنديق عندهم، وتبعه البزاز كما قدمناه عنه وكذا تبعه في الفتح، وقد علمت أن صريح مذهبنا خلافه كما صرح به القاضي عياض وغيره .

(قـولـه وليـكـن التـوفيـق) أي يـحـمـل ما مر عن النتف وغيره من أنه يفعل به ما يفعل بـالـمرتد على ما إذا تاب قبل أخذه وحمل ما في البزازية على ما بعد أخذه، وأنت خبير بأن التـوفيـق غيـر ممكن لتصريح علمائنا بأن حكمه كحكم المرتد ولا شك أن حكم المرتد غيـر حـكـم الزنديق ولم يفصل أحد منهم هذا التفصيل ؛ ولأن البزازية ومن تابعه قالوا إنه لا تـوبة لـه أصـلا سـواء بـعـد الـقدرة عليه والشهادة أو جاء تائبا من قبل نفسه كما هو مذهب الـمالكية والحنابلة، فعلم أنهما قولان مختلفان بل مذهبان متباينان على أن الزنديق الذي لا تـقبل توبته بعد الأخذ هو المعروف بالزندقة الداعي إلى زندقته. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۳۶/۴، سعید).

فـي الـمـغـني لابن قدامة: الفصل الخامس: أن مفهوم كلام الخرقي أنه إذا تاب قبلت تـوبتـه ولـم يـقتـل أي كفر كامل وسواء كان زنديقاً يستسر بالكفر أو لم يكن وهذا مذهب الشـافـعـي والعنبري ويروى ذلک عن علي رضي الله عنه وابن مسعود رضي الله عنه وهـو إحدى الروايتين عن أحـمـد واختيار أبي بكر الخلال وقال: إنه أولى على مذهب أبي عبد الله. والرواية الأخرى لا تـقبـل تـوبة الـزنـديق ومن تكررت ردته، وهو قول مالک، والليث، وإسحاق. وعن أبي حـنيـفة روايتان كهاتين واختار أبو بكر أنه لا تقبل توبة الزنديق لقول الله تعالى: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا وبينوا﴾ (البقرة ۱۶۰).

والزنديق لا تظهر منه علامة تبين رجوعه وتوبته لأنه كان مظهراً للإسلام مسراً للكفر فـإذا وقف على ذلک فأظهر التوبة لم يزد على ما كان منه قبلها وهو إظهار الإسلام وأما من تـكـررت ردته فقد قال الله تعالى: ﴿إن الذين آمنوا ثم كفروا ثم آمنوا ثم كفروا ثم ازدادوا كـفـرا لـم يكن الله ليغفر لهم ولا ليهديهم سبيلا﴾ (النسـاء ۱۳۷). (المغني لابن قدامة: ۶/۹، باب المرتد إذا تاب قبلت توبته ولم يقتل، مكتبة القاهرة).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

وہ لوگ جو دعوی اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن وحدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے، زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی جائے گی یا نہیں؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں وہ بہرحال واجب القتل ہے امام احمدؒ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہرصورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے، حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے ازخود توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور سزائے قتل معاف ہوجائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے لیکن زندیق کی توبہ قبول ہونے پر اختلاف ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/ ۳۶)۔

تحفۂ قادیانیت میں ہے:

قادیانی کیوں زندیق ہیں؟ کیونکہ وہ اپنے کفر پر اسلام کو ڈھالتے ہیں، وہ شراب اور پیشاب پر نعوذ باللہ زمزم کا لیبل چپکاتے ہیں، وہ کتے کا گوشت حلال ذبیحہ کے نام فروخت کرتے ہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ مسلمانوں کا وہ عقیدہ ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن وہ اس کا انکار کرتے ہیں... یہ ہے زندقہ کہ نام اسلام کا لیتے ہیں لیکن اپنے کفریہ عقائد پر قرآن کریم کی آیت کو ڈھالتے ہیں، اسی طرح بہت سے کفریہ عقائد ہیں جن کو یہ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں؛ کہنا یہ ہے کہ قادیانی زندیق ہیں۔ (تحفۂ قادیانیت، از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ص ۶۶۸-۶۷۰)۔

جواہر الفقہ میں ہے:

ابن حبان فرماتے ہیں: **من ذهب إلى أن النبوة مكتسبة لا تنقطع أو إلى أن الولي أفضل من النبي فهو زنديق يجب قتله.** (زرقاني: ۶/ ۱۸۸)

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب وعمل سے حاصل ہوسکتی ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگی یا یہ کہ نبی سے ولی افضل ہے وہ زندیق ہے اس کا قتل واجب ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۱۶۶)۔

اِس زمانے میں اگر کوئی قادیانی یا دین دشمن گرفتاری سے پہلے خود بہ خود آکر اپنے عقائدِ باطلہ سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صاحبِ نسبت ہونے کا مطلب:

سوال: ہم بزرگوں سے اور بعض علما سے سنتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا عالم یا عابد صاحبِ نسبت ہے، تو صاحبِ نسبت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ بعض لوگ جو سمجھتے ہیں کہ نسبت خاص خاص کیفیات کو کہتے ہیں، مثلاً: مجاہدہ وریاضت وغیرہ یہ صحیح نہیں، اسی طرح بعض لوگ نسبت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ کسی شیخ سے بیعت ہونا اور اس کے ساتھ تعلق ہونا یہ تعریف بھی صحیح نہیں۔نسبت کی حقیقت انفاسِ عیسیٰ میں مرقوم ہے ملاحظہ ہو:

نسبت کے لغوی معنی ہے لگاؤ اور تعلق ،اور اصطلاحی معنی ہے بندے کا حق تعالیٰ شانہ سے خاص تعلق (اخلاص کے ساتھ دائمی اطاعت اور غالب ذکر)،اور حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نسبت ایک خاص قسم ونوع کے تعلق کا نام ہے، جس قدر تعلق قوی ہوگا اسی قدر نسبت بھی قوی ہوگی، عمومی تعلق تو ہر مسلمان کو اللہ جل شانہ سے ہے؛ لیکن یہ نسبت خاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا ثمرہ ہے۔ نسبت واحسان میں مذکور ہے:

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلقِ خاص کو نسبت کہتے ہیں۔(نسبت واحسان، ص۲۶)۔

نیز مرقوم ہے: شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ نسبت ایک کیفیت کا نام ہے جو کہ عارف کو حاصل ہوتی ہے، اس سے عارف کو علاقہ قویہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے، اس سے عجیب وغریب آثار پیدا ہوتے ہیں، حضورِ دائمی، ذوق وشوق، تقویٰ وطہارت، ظاہری وباطنی عاجزی وتواضع کا ملکہ پیدا ہوجانا اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کا فرمانبردار ہوجانا، حاصل ہوجاتا ہے، اور نفس ایسا فنا ہوجاتا ہے کہ اپنے آپ کو ایسا سمجھنے لگتا ہے جیسے مردہ بدستِ غسال، اور اِسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں نسبت کہا جاتا ہے۔(نسبت واحسان، ص۲۷)۔

التکشف عن مہمات التصوف میں ہے:

اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیتِ غریبہ لذیذہ پیدا ہوجاتی ہے اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہوجاتا ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں۔

القول الجمیل میں ساتویں فصل کے تحت مرقوم ہے:

مرجع الطرق كلها إلى تحصيل هيئات نفسانية تسمى عندهم بالنسبة لأنها انتساب

وارتباط بالله عز وجل وبالسكينة والنور وحقيقتها كيفية حالة في النفس الناطقة من باب التشبيه بالملائكة أو التطلع إلى الجبروت، وتفصيله أن العبد إذا داوم على الطاعات والطهارات والأذكار حصل له صفة قائمة بالنفس الناطقة وملكة راسخة لهذا التوجه .

ترجمہ: تمام مشایخ کے طریقوں کا مرجع یعنی مقصد، منتہیٰ اور حاصل، ایک کیفیت کی تحصیل ہے، جس کو صوفیہ نسبت کہتے ہیں، جس کے ذریعے بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت اور ارتباط حاصل ہوتا ہے اِسی نسبت کا نام سکینہ ہے اور اِسی کو نور بھی کہا جاتا ہے اور نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو نفسِ ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے، جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا سے باتیں اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جب طاعات، طہارت واذکار وغیرہ پر مداومت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرنے کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی کا نام نسبت ہے۔(ماخوذ از نسبت واحسان)۔

عرفانِ محبت شرح فیضان محبت میں ہے:

(جب یہ خاص قسم کا تعلق حق جل شانہ وبندے کے درمیان ہو جاتا ہے تو) اس بندے کی خلوت وجلوت یادِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے، اور اس کی ایک گھڑی بھی اللہ سے غفلت میں نہیں گزرتی، اور وہ زندگی کی تمام خواہشات اور آرزؤں کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کر ڈالتا ہے، اور اس کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کی یاد رچ بس جاتی ہے۔(جلد اول، ص ۵۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس آدمی کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگی تو وہ جس حال میں بھی ہوگا، جو بھی کام کرے گا، اس وقت حق سبحانہ وتقدس کا جو حکم ہوگا اس کو یاد رکھے گا، اور جس کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس کو صاحبِ نسبت کہا جاتا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شب دو شب میں قرآنِ کریم ختم کرنے کا حکم:

سوال: کیا رمضان المبارک کی ایک رات یا دو راتوں میں قرآن مجید ختم کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: رمضان المبارک میں ایک رات یا دو راتوں میں ختم قرآن کرنا بوجہ ان عوارض کے جو پیش

آتے ہیں اور تقریباً لازم ہیں، مکروہ اور قابل ترک ہے: اولاً: عام طور پر لوگ ریا اور دکھلاوے کیلئے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً: نماز کی طوالت کی وجہ سے نماز سستی اور کاہلی سے پڑھتے ہیں، ثالثاً: حفاظ انتہائی تیزی سے پڑھتے ہیں کہ ترتیل وتجوید کا خیال نہیں کرتے، رابعاً: بعض اوقات عوام الناس سے جبراً چندہ وصول کیا جاتا ہے جن میں غریب اور مفلس بھی ہوتے ہیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی بدنامی کے خوف سے چندہ دے دیتے ہیں، لہٰذا اگر پڑھنے والے اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں اور ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ اور تدبر ممکن ہو اور مذکورہ بالا عوارض بھی نہ پائے جاتے ہوں تو ایک رات یا دو راتوں میں ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو؛ الفتاوی الحدیثیہ میں مرقوم ہے:

و لمنابذة ذلک أيضاً لما هُوَ مَعْرُوف من أَحْوَال السّلف رضوَان الله عَلَيهِم، فَإِن أَكْثَرهم كَانُوا يختمون الْقُرْآن فِي كل سبع لَيَال مرّة، وَكَانَ كثيرُونَ يختمون فِي كل يَوْم وَلَيْلَة ختمة، وَختم جمَاعَة فِي كل يَوْم وَلَيْلَة ختمتين، وَآخَرُونَ فِي كلّ يَوْم وَلَيْلَة ثَلَاث ختمات، وَختم بَعضهم فِي الْيَوْم وَاللَّيْلَة ثَمَان ختمات أَرْبعا بِاللَّيْلِ وأربعاً بِالنَّهَارِ. وَقَالَ النَّوَوِي بعد ذكره لذَلِک: وَمِمَّنْ ختم أَربع ختمات فِي اللَّيْل وأربعاً فِي النهَار السَّيِّد الْجَلِيل ابْن الْكَاتِب الصُّوفِي رَضِي الله عَنهُ وَهَذَا أَكثر مَا بلغنَا فِي الْيَوْم وَاللَّيْل، وروى السَّيِّد الْجَلِيل أَحْمد الدَّوْرَقِي بِإِسْنَادِهِ عَن مَنْصُور بن زَاذَان بن عباد من التَّابِعين رَضِي الله عَنهُم، أَنه كَانَ يخْتم الْقُرْآن فِيمَا بَين الظّهْر وَالْعصر ويختمه أَيْضا فِيمَا بَين الْمغرب وَالْعشَاء. وروى ابْن أبي دَاوُد بِإِسْنَادِهِ الصَّحِيح: أَن مُجَاهدًا رَحمَه الله كَانَ يخْتم الْقُرْآن فِي رَمَضَان فِيمَا بَين الْمغرب وَالْعشَاء. وَأما الَّذين ختموا الْقُرْآن فِي رَكْعَة فَلَا يُحصونَ لكثرتهم فَمنهمْ عُثْمَان بن عَفَّان رَضِي الله عَنهُ، وَتَمِيم الدَّارِيّ، وَسَعِيد بن جُبَير رَضِي الله عَنْهُمَا. وَالْمُخْتَار أَن ذَلِک يخْتَلف باخْتلَاف الْأَشْخَاص فَمن كَانَ لَايظْهر لَهُ دَقِيق الْمعَانِي ولطائف المعارف إِلَّا بِالْقدرِ الْيَسِير اقْتصر عَلَيهِ، وَكَذَا من كَانَ مَشْغُولًا بِمَا هُوَ أهمّ من الإستكثار، كنشر الْعلم وَمن لَيْسَ كَذَلِک فليكثر مَا أمكنه من غير خُرُوج إِلَى حد الْملَل والهَذْرمَة، وَقد كره جمَاعَة من الْمُتَقَدّمين الْختم فِي كلّ لَيْلَة وَيَوْم للْخَبَر الصَّحِيح (لَا يفقه من قَرَأَ الْقُرْآن فِي أقل من ثَلَاث) . هَذَا حَاصِل كَلَام النَّوَوِيّ رَحمَه الله، وَهُوَ يرد مَا يُوهِمهُ مَا ذكر من تِلْک

الْـحَوَاشِي من ذمّ الْإِكْثَار والإفراط من الْقِرَاءَة مُطلقًا، وَلَيْسَ كَمَا زعم إِن أَرَادَ ذَلِک، وَإِنَّمَا الـذمّ خَـاص بِـمـن يـحصل لَهُ ملل أَو عدم تدبر أَو هَذْرمة بِخِلَاف من لَا يحصل لَهُ شَيْء من ذَلِک، وَلَا هُـوَ مَشْـغُـول بـالأهـم، فَيَنْبَغِي لَهُ أَن يستفرغ وُسْعه ويبذل جهده فِي الْإِكْثَار من قِرَاءَة الْقُرْآن فَإِنَّهُ أفضل من سَائِر الْأَذْكَار مَا عدا الَّتِي لَهَا وَقت أَو حَال مَخْصُوص. وَقد كَـانَ الشَّـافِـعِي رَضِـي الـله عَنهُ مَعَ مَا هُوَ عَلَيهِ من الِاشْتِغَال بِتِلْکَ الْعُلُوم الباهرة والمعالي الـظَّـاهِـرَة والكمالات المتكاثرة يخْتم فِي غير رَمَضَان فِي كلّ يَوْم وَلَيْلَة ختمة، وَفِي رَمَضَان ختمة فِي اللَّيْل وختمة فِي النَّهَار، الخ.... (الفتاوى الحديثية: ۱/۴۲، ط: دار الفكر).

فتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے:

أفـضـل القراءة أن يتدبر في معناه حتى قيل: يكره أن يختم القرآن في يوم واحد، ولا يـختـم فـي أقـل مـن ثـلاثة أيام تعظيماً له، ويقرأ بقراءة مجمع عليها، كذا في القنية. وندب لـحـافـظ الـقرآن أن يختم في كل أربعين يوماً في كل يوم حزب وثلثا حزب أو أقل، كذا في التبييـن فـي مسـائـل شتـى . مـن ختـم القرآن في السنة مرة لا يكون هاجراً، كذا في القنية.

(الفتاوى الهندية: ۵/۳۱۷، الباب الرابع في الصلاة).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: تین شخصوں کی جماعت کر کے ایک کلام اللہ ایک ہی شب میں ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ سب شوقین ہیں اور دل لگا کر سنیں تو جائز ہے، اگر شوق نہیں مگر اظہار فخر کے لئے ایسا کریں تو نا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۳۴، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)۔

امداد الفتاوی میں ہے:

ظاہر حدیث سے تو ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جائے۔

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (رواه الترمذي وأبو داؤد والدارمي، ومشكاة المصابيح: ۱/۱۹۴).

اسی بنا پر بعض علما نے اس شبینہ کو مکروہ فرمایا ہے، لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے حتی کہ بعض بزرگوں نے ایک شب و روز میں تین ختم کیے اور بعض نے آٹھ ختم کیے اس لیے مطلقاً تین روز سے کم

میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا نامناسب ہے، بلکہ اقرب الی التحقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں (ایک یا دو راتوں میں پورا) قرآن صاف صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریا مقصود نہ ہو اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب ہو تو یہ جائز ہے،[یہ حکم ہے فعل کا فی نفسہ لیکن ہمارے زمانے میں مفاسد عادتاً مثل لازم کے ہوگئے ہیں لہذا منع ہی کرنا امر ہے]۔اور حدیث مذکور کے معارض نہیں کیونکہ حدیث میں ممانعت عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ اور تدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں۔ چنانچہ عادت بعض سلف کی تحریر ہوچکی، یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں چنانچہ حدیث مذکور کے حاشیہ پر مرقوم ہے:

ظاهره المنع من ختم القرآن في أقل من هذه المدة ولكنهم قالوا قد اختلف عادات السلف في مدة الختم فمنهم من كان يختم في كل شهرين ختمة وآخرون في كل شهر وفي كل عشر وفي أسبوع إلى أربع وكثيرون في ثلاث وكثيرون في يوم وليلة وجماعة ثلاث ختمات في يوم وليلة وختم بعض ثماني ختمات في يوم وليلة والمختار أنه يكره التأخير في الختمة أكثر من أربعين يوماً وكذا التعجيل من ثلاثة أيام والأولى أن يختم في الأسبوع والحق أن تختلف باختلاف الأشخاص. [روى الطحاوي بسنده عن عبد الله بن زبير رضی اللہ عنہ أنه قرأ القرآن في ركعة وعن سعيد بن جبير رحمہ اللہ أنه قرأ القرآن في ركعة في البيت. (۳۴۸/۱).]

(امداد الفتاویٰ:۳۸۳/۱)۔ مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفتاوی:۴۰۷/۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحابہ کرام سے ایک شب میں ختمِ قرآن کا ثبوت:

سوال: کیا صحابہ کرام سے ایک رات میں قرآن کریم ختم کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو باحوالہ سند کے ساتھ بیان کریں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صحابہ کرام سے ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو، مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے:

(۱) حدثنا أبو معاوية (ثقة) عن عاصم (ثقة) عن ابن سيرين (ثقة) أن تميم الداري رضی اللہ عنہ قرأ القرآن كله في ركعة . حدثنا وكيع عن يزيد عن ابن سيرين عن عثمان رضی اللہ عنہ أنه قرأ القرآن في

ركعة في ليلة. (المصنف لابن أبي شيبة:۵/۵۱۳-۵۱۴).

راجع: (تهذيب الكمال:۲۵/۱۳۲، وتقريب التهذيب، ص:۵۰۶، وتهذيب الكمال: ۱۳/۴۸۹، وتقريب التهذيب، ص: ۳۲۱، وتهذيب الكمال، ص ۳۵۱، وتقريب التهذيب، ص: ۵۱۳).

(۲) حدثنا وكيع (ثقة) **عن يزيد** (ثقة) **عن ابن سيرين عن عثمان** رضي الله عنه **أنه قرأ القرآن في ركعة في ليلة.** (المصنف لابن أبي شيبة:۵/۵۱۳-۵۱۴).

راجع: (تهذيب الكمال: ۳۰/۴۸۲، وتقريب التهذيب ص ۶۳۳).

☆ قولی حدیث بھی موجود ہے اوراس کی سند یہ ہے: طبرانی معجمِ کبیر میں روایت ہے:

حدثنا علي بن عبد العزيز (ثقة)، **ثنا مسلم بن إبراهيم** (ثقة) **ثنا هشام الدستوائي**(ثقة)، **عن عطاء بن السائب** (ثقة) **عن أبيه** (ثقة) **عن عبد الله بن عمرو أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم كيف أقرأ القرآن؟ قال: في سبع ليال، قال: فما زلت أناقصه حتى قال: اقرأه في يوم وليلة، لا تزيد على ذلك شيئاً.** (المعجم الكبير: ۱۱/۳۵۳۴/۱۴۴۵۹، ط: مكتبة الاصالة والتراث).

راجع: (لسان الميزان:۵/۵۵۹، والجرح والتعديل:۶/۱۹۶، وتهذيب التهذيب: ۷/۳۶۲، وتهذيب الكمال: ۲۷/۱۹۱، والجامع في الجرح والتعديل:۳/۱۲۳، وتقريب التهذيب ص ۲۰۳، والجامع في الجرح التعديل: ۳/۲۳۸، وتهذيب الكمال: ۲۰/۸۹، وتقريب التهذيب ص ۴۲۲، ولسان الميزان: ۴/۱۴، الجرح والتعديل: ۴/۲۴۲، تهذيب الكمال: ۱۰/۱۹۲، تهذيب التهذيب: ۳/۴۵). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقتِ اذان کتوں کا رونا اور شور مچانا:

سوال: ایک مسجد میں جب مؤذن اذان دینا شروع کرتا ہے تو محلّہ کے کتے بھونکنا اور شور مچانا شروع کرتے ہیں، تو مؤذن کی اذان اور کتوں کے بھونکنے میں کیا مناسبت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صحیح احادیث میں آتا ہے کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان بھاگتا ہے تاکہ اذان کی آواز نہ سنے، اور بعض مرتبہ جانوروں کو شیطان بھاگتا ہوا نظر آتا ہے تو جانور چیخنا چلانا شروع کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں روایت ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أذن بالصلاة أدبر**

الشيطان له ضراط حتى لا يسمع التأذين فإذا سكت المؤذن أقبل فإذا ثوب أدبر فإذا سكت أقبل فلا يزال بالمرء يقول له: اذكر ما لم يكن يذكر حتى لا يدري كم صلى . (رواه البخاري، رقم: ۱۲۲۲ ،باب مايفكر الرجل فى الصلاة).

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

اذان سن کر ایک کتا ہمارے مدرسہ کے سامنے ہمیشہ روتا ہے اور چلاتا ہے، اور جگہ بھی ایسا ہوتا ہے، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، بعض دفعہ بعض جانوروں کو بھی نظر آتا ہے، اس سے گھبرا کر روتے اور آواز کرتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۴۳، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ورخصتی کی عمر پر اشکال اور جواب:

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کی حدیث پر منکرین حدیث اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتے ہیں، متعدد اعتراضات کرتے ہیں، جن میں سے چند اہم اعتراضات یہ ہیں: نو سال کی بچی کے ساتھ ۵۰ سال سے متجاوز آدمی کا جماع اور ہم بستری نامعقول اور سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ اس لیے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کی عمر یہ نہیں ہوسکتی بلکہ زیادہ تھی؟

روشن خیالوں کے دلائل میں سے چند دلائل حسبِ ذیل ہیں:

دلیل (۱) سورۂ نجم اور سورۂ قمر کے نزول سے استدلال:

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ: لقد أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم بمكة وإني لجارية ألعب ﴿بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر﴾. (صحيح البخاري: ۲/۷۲۳/۴۸۷۶).

بعض لوگ اس حدیث کو پیش کر کے استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ قمر کی ہے اور سورۂ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سخت ہوگئی تھی کہ انھوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ محصور ہونا ۷ نبوی کا واقعہ ہے۔

پھر کہتے ہیں: اور دوسرے سورۂ نجم اور سورۂ قمر کا باہم بہت تعلق ہے، جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے اس لئے ان کا (قمر اور نجم کا) نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہیے۔ اور سورۂ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے،

پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی نازل ہوئی، پس ۵ نبوی یا ۶ نبوی میں ان آیات کا نزول ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی، پھران آیات کو سن کر سمجھ کر یاد بھی کرتی تھی۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرینِ قیاس نہیں۔ (سیرتِ عائشہؓ ص: ۳۵۸۔۳۵۹، ط: مکتبہ مدنیہ)

دلیل (۲) عرب میں نکاحِ صغیر کا رواج:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں اور عرب میں چار، پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا، اوراس وقت حضرت عائشہؓ کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے، یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقتِ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔ (سیرتِ عائشہ، ص ۳۶۲)

دلیل (۳) صاحبِ مشکوٰۃ لکھتے ہیں: **وهي أكبر من أختها عائشةؓ بعشر سنين**، حضرت اسماءؓ اپنی بہن حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ (الاکمال فی اسماء الرجال الملحق بمشکوٰۃ المصابیح: ۲/ ۵۸۷، ط: قدیمی)۔

دکتور محمد رمضان ابوبکر محمود جو جامعۃ الازہر مصر کے معین استاذ ہیں، وہ اپنی کتاب ”**رواية الصحيحين لعمر السيدة عائشةؓ عند زواجها**...“ میں اس اشکال کو اس طرح لکھتے ہیں؛ خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

معترضین کا دعویٰ ہے کہ تمام تاریخی مراجع اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں اوراس بات کو بلا اختلاف سب نے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماءؓ کی ولادت ہجرتِ مدینہ سے ۲۷ سال قبل ہوئی تھی اس سے یہ بات مؤکد ہوجاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ابتدائی بعثت میں ۴ سال تھی، اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ آپؓ بوقتِ نکاح ۱۰ نبوی میں ۱۴ سال کی ہوچکی تھیں، پھر رخصتی مزید تین سال اور کچھ ماہ کے بعد ہوئی، تو اب حضرت عائشہؓ کی عمر بوقتِ رخصتی مکمل ۱۸ سال ہوئی اور یہ حقیقی عمر تھی۔ (ملخص از روایۃ الصحیحین، ص ۲۰)

دلیل (۴): حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا تناسب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی عمر سے:

شیخ محمد رمضان کی تحریر میں اس اشکال کی وضاحت ملاحظہ کیجیے؛ خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

معترضین کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت

بنائے کعبہ کے سال ہوئی، جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۵ سال چھوٹی ہیں، تو اس سے خود بخود واضح ہوا کہ بعثت والے سال حضرت عائشہؓ کی ولادت ہوئی اور آپؓ بوقتِ ہجرت مکمل تیرہ سال کی تھیں نہ کہ نو سال کی۔ (روایۃ الصحیحین، ص ۲۳)۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: سوال میں مذکورہ روایت میں رخصتی یا تنہائی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچانے کا ذکر ہے، ہم بستری کا ذکر نہیں؛ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر امت کی خواتین کے لیے ایک دینی جامعہ تھا؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی لڑکی کی ضرورت تھی جو ذہین، ہوشیار، حاضر باش اور حفظ ویادداشت میں ممتاز ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہ صفات مکمل طور پر موجود تھیں اور یہ حاضر باشی نکاح کے بغیر سرانجام نہیں ہوسکتی تھی؛ اس لیے آپ نے ان سے کم عمری میں نکاح اور کم عمری میں تنہائی فرمائی؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہنا چاہتے تھے؛ تاکہ افادہ اور استفادہ کا سلسلہ چلتا رہے اور اسی لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرمادی تھی۔ مرض وفات میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہنے کی تمنا کرتے رہے؛ یہاں تک کہ آپ کی وفات بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے مقصد کی خوب لاج رکھی؛ چنانچہ وہ مکثرین صحابہ جن سے ایک ہزار سے اوپر احادیث مروی ہوں وہ سات ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چوتھا نمبر ہے: ۱-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷۴۔ ۲-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ۲۶۳۰۔ ۳-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۲۲۸۶۔ ۴-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۲۲۱۰۔ ۵-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ۱۶۶۰۔ ۶-حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ۱۵۴۰۔ ۷-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ۱۱۷۰/احادیث مروی ہیں۔

دلیل نمبر ۱ کا جواب: حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ اپنے مقالہ ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر'' میں (ص:۳۵۹) پر رقمطراز ہیں:

اس مرتب دلیل میں کتنے بے بنیاد مقدمات ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو صرف ایک آیت کا نزول اور اس کا یاد رکھنا فرماتی ہیں اور یہ لوگ پوری سورۂ قمر کا احاطہ کرلیتے ہیں، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک میں کبھی ایک آیت، کبھی چند آیتیں، کبھی پوری سورت اتری، کبھی ایک ایک سورت چند سالوں میں متفرق

طور پر نازل ہو کر پوری ہوتی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو، اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آیتِ مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورۂ قمر ایک ساتھ اتری اس وقت تک دلیل تام نہیں ہوسکتی، اگر پوری سورت ایک ساتھ اترتی تو حضرت عائشہ سورۂ قمر کا حوالہ دینے کے بجائے، اخیر کی ایک تنہا آیت کا حوالہ کیوں دیتیں۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ دو متناسب سورتیں ایک ہی زمانہ میں نازل ہوں، سورۂ نساء اور سورۂ طلاق بہت متناسب ہیں، مگر ان کے نزول میں برسوں کا فرق ہے اور سورتوں کا بھی یہی حال ہے، سورۂ انفال اور براءت میں اتنا اتصال اور تناسب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیچ میں فصل کی بسم اللہ بھی نہیں لکھی، مگر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انفال کا زیادہ تر تعلق غزوۂ بدر سے ہے جو ۲ سنہ ھ کا واقعہ ہے اور سورۂ براءت کا تعلق فتح مکہ کے بعد سے جو ۹ سنہ ھ کا واقعہ ہے۔

سورۂ نجم کے نزول کی قطعی تاریخ ۵ نبوی بتانا بھی صحیح نہیں، معترضین یہ زمانہ اس لیے قطعی سمجھتے ہیں کہ یہی وہ سورت ہے جس کو رمضان ۵ نبوی میں تلاوت کرتے وقت (بقولِ بعض مفسرین) آپ نے یا شیطان نے نعوذ باللہ بتوں کی تعریف تلک الغرانیق ملادی تھی اور سب نے مع مسلمانوں اور مشرکوں کے سجدہ کرلیا تھا، اور یہ سن کر مہاجرین حبش نے جنھوں نے رجب ۵ نبوی میں ہجرت کی تھی، شوال ۵ نبوی میں حبشہ سے واپس چلے آئے، اس لیے یہ سورت ۵ نبوی میں اتری، لیکن تمام ناقدین حدیث جانتے ہیں کہ یہ واقعہ تمام تر لغو ہے، سورۂ نجم کی تلاوت اور تمام کفار کے سجدہ کرنے کا ذکر بلا وقت کی تعیین کے اور بغیر اس کے کہ اس میں تلک الغرانیق والا ٹکڑا ہو اور بغیر اس کے کہ یہ واقعہ مہاجرین حبش کی واپسی کا غلط سبب بنے احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے، مگر اس سے معترضین کے استدلال کو کوئی تعلق نہیں، تعلق اسی وقت ہوگا کہ جب اس لغو حصہ کی شمولیت ہو، اور یہ صحیح نہیں، بلکہ اگر چند آیتوں سے پوری پوری سورت پر حکم لگایا جاسکتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ سورۂ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ سلم کا پوری سورت کی اس وقت قراءت کرنا ناممکن ہے، کیونکہ اس سورت کی ابتدا میں معراج کے روحانی مناظر و مشاہد کا ذکر ہے اور معراج کی تاریخیں ۱۱ نبوی یا ۱۲ نبوی ہیں، اس لیے کیونکر ممکن ہے کہ ۵ نبوی میں یہ سورت پوری اتری ہو، اور تلاوت کی گئی ہو۔

معجزۂ شق القمر کے وقوع کے زمانہ کو اس لیے ابتدائی بتانا کہ ۷ نبوی سے تو آپ شعبِ ابی طالب میں چلے گئے (محصور کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آنا جانا، نکلنا، بند نہیں تھا، فقط تعلقات اور خرید و فروخت کی بندش تھی) کیا آپ

شعب ابی طالب میں یا اس سے نکلنے کے بعد ۹ نبوی سے لے کر ۱۴ نبوی تک اس معجزہ کو نہیں دکھا سکتے تھے، یہ کیا لزوم ہے کہ اگر آپ یہ معجزہ دکھا سکتے تو ۵ نبوی یا ۱۰ نبوی ہی تک دکھا سکتے تھے کوئی اور دلیل اس کی ہو تو ہو، مگر یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ایک دو نہیں، بکثرت محدثین اور علمائے سیر نے شق القمر کے معجزہ کی تاریخ ۵ سال قبل ہجرت متعین کی ہے یعنی ۱۰ نبوی (دیکھو فتح الباری:۶/۲۶۴، وقسطلانی: ۷/۴۰۷، وسیرتِ حلبی :۳/ ۴۰۵، وزرقانی برمواہب:۵/۱۲۴، و تاریخ خمیس دیار بکری:۱/ ۲۹۸)، شاید بعض حضرات کو ۵ نبوی اور ۵ قبل ہجرت کے الفاظ میں تسامح اور تشابہ ہو گیا، حالانکہ ان دونوں میں چھ برس کے قریب کا فرق ہے، ان تصریحات کی بنا پر سورۂ قمر کا نزول کم از کم ۱۰ نبوی کا واقعہ ہونا چاہیے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا پانچواں سال ختم یا چھٹا سال شروع ہوگا، اس لیے اس عمر میں کھیل کے وقت ایک اور صرف ایک آیت کا کان میں پڑ کر یاد رہ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، اور خصوصاً ایک تیز اور ذہین اور قوی الحافظہ لڑکی کے لیے، اس لیے اس دلیل سے بھی اس سورت کے بلکہ صحیح یوں کہنا چاہیے کہ اس ایک آیت کے نزول کا وقت ۵ نبوی یا ۶ نبوی ٹھہرانا بے ثبوت ہے۔ (سیرتِ عائشہؓ ص ۳۵۹-۳۶۲)۔

صرف دو عربی عبارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری میں ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

فذكر فيه حديث ابن مسعود وأنس وابن عباس في ذلک وقد ورد انشقاق القمر أي من حديث علي وحذيفة وجبير بن مطعم وابن عمر وغيرهم فأما أنس وابن عباس فلم يحضرا ذلک لأنه كان بمكة قبل الهجرة بنحو خمس سنين وكان ابن عباس إذ ذاک لم يولد وأما أنس فكان ابن أربع أو خمس بالمدينة وأما غيرهما فيمكن أن يكون شاهد . (فتح الباری:۶/ ۶۳۲،ط:دار نشر الكتب الإسلامية).

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں:

وفي رواية عن ابن عباس عند أبي نعيم في الدلائل والفضائل فصار قمرين في زمان النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وابن عباس أيضًا لم يحضر ذلک لأنه كان بمكة قبل الهجرة بنحو خمس سنين، وكان ابن عباس إذ ذاک لم يولد لكن في بعض الطرق أنه حمل الحديث عن ابن مسعود، وانشقاق القمر من أمهات المعجزات وأجمع عليه المفسرون وأهل السُّنّة وروي عن جماعة كثيرة من الصحابة. (ارشاد الساری:۶/ ۷۴،ط: المطبعة الكبرى

الأميرية). (وكذا في تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس: ۱/۲۹۸، والمواهب اللدنية بالمنح المحمدية: ۲/۲۵۴، ط: المكتبة التوفيقية).

دلیل نمبر۲ کا جواب: عرض یہ ہے کہ عرب میں نہ صرف کمسن بچیوں کے پیام ونسبت کا رواج تھا بلکہ شیر خوار بچیوں کے نکاح کا بھی، بلکہ حمل کے اندر جو اولاد ہو اس کے نکاح کا وعدہ بھی مروج تھا، ملاحظہ ہو سنن ابی داود کتاب النکاح باب فی تزویج من لم یولد، کہ جاہلیت میں غیر مولود بچے کا بھی پیام ہو جاتا تھا، عرب میں کم سن لڑکیوں کے نکاح کے عدمِ رواج سے مطلب اگر زمانہ جاہلیت ہے تو یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ زمانہ جاہلیت کے واقعات محفوظ نہیں، جو اس عہد کے عرب کے متعلق آپ نفیاً یا اثباتاً کچھ کہہ سکیں، پھر معلوم نہیں کہ عدمِ رواج کا دعویٰ اس عہد کے متعلق کس دلیل پر مبنی ہے، اور اگر اسلام کے زمانہ کا عرب مراد ہے تو حضرت عائشہؓ کے علاوہ کمسن لڑکیوں کے نکاح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ بطورِ مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) حضرت قدامہ بن مظعون صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نومولود لڑکی سے اسی دن نکاح پڑھایا جس دن وہ پیدا ہوئیں۔ (مرقاۃ ملا علی قاری حنفی: ۳/۴۱۷)۔

(۲) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے کمسن لڑکے سلمہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہیدِ احد کی نابالغ لڑکی سے کر دیا۔ (احکام القرآن رازی حنفی: ۲/۵۵)۔ مستفاد از (سیرتِ عائشہؓ ص: ۳۶۲-۳۶۳)۔

(۳) حضرت معاویہؓ نے اپنی بیٹی ہند کا نکاح عبداللہ بن عامر سے نو سال کی عمر میں کر دیا۔ (تاریخ مدینۃ دمشق: ۷۰/۱۸۸، ط: دار الفکر)۔

(۴) ہشام بن عروہ کا نکاح فاطمہ بنت منذر سے ہوا تھا اور رخصتی کے وقت فاطمہ نو سال کی تھیں۔ (تاریخ بغداد: ۱/۲۲۲، ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

دلیل نمبر (۳) کا جواب: صاحبِ مشکوٰۃ نے اپنے رسالہ "الاکمال فی اسماء الرجال" میں حضرت اسماءؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی تھیں، یہ بات انہوں نے قیل سے بیان کی ہے اور یہ ضعیف ہے، ان کے علاوہ جمہور مؤرخین اور سیرت نگار حضرات نے کوئی حد بیان نہیں کی بلکہ صرف اتنی بات پر اکتفا کیا ہے کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں بڑی تھیں۔ چنانچہ ابن الاثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں: **وكانت (أسماء بنت ابی بكر) أسن من عائشةؓ وهي أختها لأبيها**... (۷/۷، ط: دار الکتب العلمیۃ). مزید دیکھیے: (تاریخ دمشق: ۶۹/۹، ط: دار الفکر، ومعرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۵/۱۸۲/ ۳۷۶۹، دار الکتب العلمیۃ)۔

ہاں امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں ”بضع عشر“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

وكانت أسن من عائشة ببضع عشرة سنة . (سير اعلام النبلاء: ۲/ ۲۸۸،ط: مؤسسة الرسالة).

اور بضع کا لفظ عربی میں ۳ سے ۹ تک کے عدد پر بولا جاتا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ حضرت اسماء سے تقریباً ۱۸ سال چھوٹی تھیں،اور بنا کے وقت نو سال عمر تھی جو احادیثِ صحیحہ کے بالکل موافق ہے۔

البتہ تاریخ کی بعض کتابوں میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے حوالہ سے دس سال کی تحدید مروی ہے۔

ملاحظہ ہو: (سیر اعلام النبلاء:۲/ ۲۸۹،والاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۱/ ۱۸۵،وتہذیب الاسماء:۱/ ۹۱۹)۔

لیکن عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کو بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے **لايحتج به** کہا ہے۔

ملاحظہ ہو: (الجرح والتعدیل:۵/ ۲۵۳،وتہذیب التہذیب:۶/ ۱۷۰،ط: دائرۃ المعارف،وسیر اعلام النبلاء:۴/ ۴۰۸،ط: دارالحدیث)۔

لہٰذا روایاتِ صحیحہ کے مقابلہ میں ضعیف راوی کا قول حجت نہیں۔

دلیل نمبر (۴) کا جواب: معترضین نے اپنے مطلب کی بات اخذ کر لی ہے ورنہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں حضرت فاطمہؓ کی ولادت سے متعلق چند اقوال نقل کیے ہیں،چنانچہ واقدی کے حوالہ سے بنائے کعبہ یعنی بعثت سے ۵ سال قبل،اور ابو عمر کے حوالہ سے میلاد النبی کے ۴۱ ویں سال ولادت والا قول نقل کیا ہے،پھر اپنی رائے لکھی ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت بعثت سے کچھ پہلے (ایک سال یا کچھ زیادہ) ہوئی۔دیکھیے: (الاصابۃ: ۸/ ۲۶۳،دارالکتب العلمیۃ)۔

نیز دیگر مؤرخین نے بھی اس بات کو نقل کیا ہے۔بطورِ مشتے نمونہ از خروارے چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

چنانچہ امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں (۲/ ۱۱۹،ط: مؤسسۃ الرسالۃ) اور احمد بن عبداللہ طبری نے ذخائر العقبیٰ میں (۱/ ۲۶) اور محمد بن یوسف صالحی شامی نے سبل الہدیٰ والرشاد میں (۱۱/ ۳۷،ط: دارالکتب العلمیۃ) اور ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں (۴/ ۱۸۹۳،ط: دارالجیل)،اور ابن عساکر نے تاریخ مدینۃ دمشق میں (۳/ ۱۵۷) اور حافظ مزیؒ نے تہذیب الکمال میں (۳۵/ ۲۴۸،ط: مؤسسۃ الرسالۃ) اور شیخ عصامی نے سمط النجوم العوالی میں (۱/ ۲۱۷)۔وغیرہ۔

ان تمام کتبِ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت سے کچھ پہلے یا بعثت کے بعد ہوئی،اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت کے چار سال بعد ہوئی،اس اعتبار سے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقریباً پانچ سال کا فرق ہے اور حضرت عائشہؓ کی عمر شریف بوقت

ہجرت نوسال تھی جو روایاتِ صحیحہ کے عین موافق ہے۔

مستفاد از (رواية الصحيحين لعمر السيدة عائشةؓ عند زواجها بالنبی صلی الله عليه وسلم بين صدق الحقيقة وافتراء المشككين، ص: ۲۰ ـ ۲۴، للدكتور محمد رمضان ابوبكر محمود استاذ مساعد بجامعة الازهر بمصر وجامعة حائل بالسعودية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے متعلق صحیحین کی روایات پر اشکال اور جواب:

اشکال: بعض روشن خیال لوگ صحیحین کی روایات ''جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اور رخصتی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں'' پر اشکال کرتے ہیں کہ ان کے راوی ہشام عن عروہ ہیں یعنی یہ روایتیں عروہ سے ہشام نے نقل کی ہیں اور ہشام کی مدنی دور کی روایات صحیح ہیں، عراقی دور کی روایات صحیح نہیں، ان میں خلط واختلاط ہوا ہے کیونکہ ان کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا؟

الجواب: سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت عروہ سے صرف ہشام نقل نہیں کرتے بلکہ ان سے روایت کرنے والے ہشام کے علاوہ ؛ عبداللہ مدنی ، امام زہری مدنی ، عبداللہ بن عروہ ہیں، پھر ہشام سے نقل کرنے والے چند حضرات ہیں؛ ابواسامہ ، اسماعیل بن زکریا، عبدہ، عبدالرحمٰن ، علی بن مسہر، سفیان، عبداللہ بن محمد بن یحیی مدنی، وہیب بن خالد، وکیع ، ابومعاویہ اور حماد بن زید۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی فقط عروہ روایت نہیں کرتے بلکہ مزید چند حضرات ہیں جو درجِ ذیل ہیں؛ ابوعبیدہ، اسود، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ، جابر بن زید، قاسم بن محمد، یحیی بن عبدالرحمٰن ، ابن ابی ملیکہ اور عبدالملک بن عمیر، وغیرہ۔

اگر بالفرض ہشام کی عراقی دور کی روایات کو مختلط تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہشام سے مدنی راویوں نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے، چنانچہ عبداللہ بن محمد بن یحیٰی مدنی ہیں[اور عروہ سے ہشام کے علاوہ اس حدیث کو نقل کرنے والے؛ ابوالزناد عبداللہ اور امام زہری یہ دونوں مدنی ہیں]

رواۃ کی تفصیل کے لیے نقشہ ملاحظہ کیجیے:
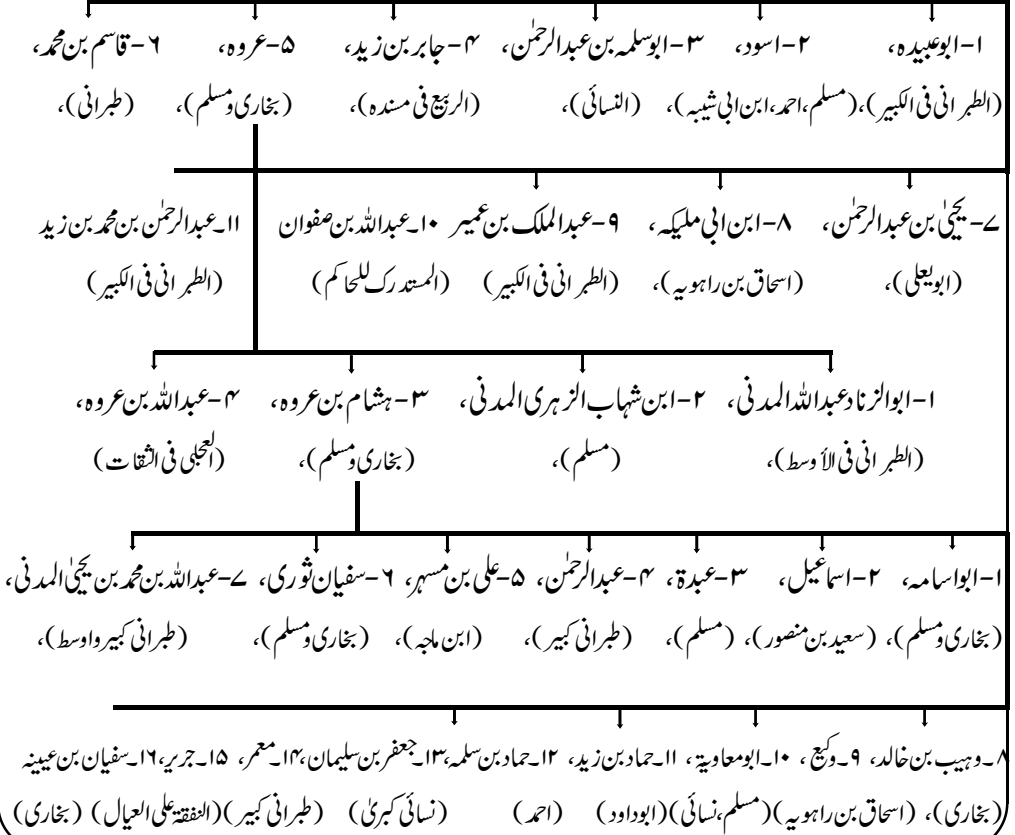
اباضی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ اباضیہ میں جب امام سے نماز میں سہو ہو جائے تو فقط امام سجدۂ سہو کرتا ہے مقتدی اس کی اقتدا نہیں کرتے اسی طرح مقتدی سے سہو ہو جائے تو وہ خود امام کے سلام کے بعد تنہا سجدۂ سہو کرتا ہے، اس صورت میں احناف مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز اباضی امام کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں جب کہ وہ ظہر، عصر کی تمام رکعتوں میں فقط سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں؟ پھر اگر واجب الاعادہ ہو تو کیا احناف کے لیے جائز ہے کہ صورۃً ان کی اقتدا کرے اور حقیقۃً اپنی علیحدہ نماز پڑھے یعنی ان کے امام کی اقتدا کی نیت نہ کرے؟ **أفیدونا مفصلا مدللا تؤجروا بارک اللّٰہ فیکم.**

الجواب: فرقہ اباضیہ خوارج کا ایک فرقہ ہے، اس کا بانی عبداللہ اباض تمیمی تھا، اس نے اپنے ماننے والوں کو باور کرایا کہ وہ خوارج نہیں ہیں، اوران سے خوارج کی نسبت کی نفی کی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ لوگ مکمل خوارج کی طرح نہیں ہیں لیکن بعض مسائل میں ان کے ساتھ ہیں، ان کے چند عقائد حسبِ ذیل ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی صفات کو معطل قرار دینا۔
- آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار کرنا۔
- محشر اور حشر نشر کے بعض مسائل مثلاً: میزان اور پل صراط وغیرہ کی مجازی تاویل کرنا۔
- قرآنِ کریم کو مخلوق قرار دینا۔
- مرتکبِ کبیرہ ان کے نزدیک کافر ہے۔
- گنہگار مومن کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔

و للاستزادة ينظر: (الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة: ۱/۵۸۔۶۲).

اباضی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا حکم:

اباضی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست نہیں، اگر استطاعت ہو تو امامت سے روک دے ورنہ دوسری مسجد میں نماز ادا کرے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

عبداللہ بن اباض کی جانب منسوب جو فرقہ اباضیہ ہے اور وہ خوارج ہی کی شاخ ہے، ان کے عقائد کتابوں میں ملتے ہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

سلف کی کتابوں میں ان کے متعلق مندرجہ ذیل عقائد ہمیں ملے ہیں:

قال العلامة الشيخ محمد كامل بن مصطفى بن محمود الطرابلسى الحنفى سئلت عن اهالى جبل طرابلس الغرب الذين لا يتمذهبون بمذهب من المذاهب الأربعة . ما مذهبهم ومن هو إمامهم ؟ فالجواب أنهم يتمذهبون بمذهب عبد اللّٰه بن اباض وهم اباضية وهم من جملة الخوارج وقد قسم فى المواقف الخوارج إلى سبع فرق إحديها الإباضية ، قال: إنهم قالوا: مخالفونا من أهل القبلة كفار غير مشركين تجوز مناكحتهم وغنيمة أموالهم من سلاحهم وكراعهم حلال عند الحرب دون غيره ودارهم دار الإسلام إلا

معسكر سلطانهم وقالوا : لا تقبل شهادة مخالفيهم ومرتكب الكبيرة موحد غير مومن بناء على أن الأعمال داخلة في الإيمان والاستطاعة قبل الفعل وفعل العبد مخلوق لله تعالىٰ ومرتكب الكبيرة كافر وكفر نعمة لا ملة وتوقفوا في تكفير أولاد الكفار وتعذيبهم وتوقفوا في النفاق أهو شرك أم لا، وفي جواز بعثة رسول بلا دليل ومعجزة وتكليف اتباعه فيما يوحى إليه أي ترددوا في ذلك جائز أم لا وكفروا علياً وأكثر أصحابه وافترقوا فرقاً أربعاً انظرهم في المواقف. والله تعالىٰ أعلم . (فتاوى كاملية ،ص۳، قندهار،افغانستان). ماخوذ از (احسن الفتاویٰ:۱/۱۹۸)۔

وفي فتاوى اللجنة الدائمة : س: هل تعتبر فرقة الاباضية من الفرق الضالة من الفرق الخوارج ، وهل يجوز الصلاة خلفهم مع الدليل ؟

ج: فرقة الاباضية من الفرق الضالة ، لما فيهم من البغي والعدوان والخروج على عثمان بن عفان رضي الله عنه وعلى رضي الله عنه، ولا تجوز الصلاة خلفهم . (فتاوى اللجنة الدائمة : ۲/ ۳۶۹).

وللمزيد راجع: (الموسوعة الميسرة في الاديان والمذاهب والاحزاب المعاصرة: ۱/ ۸۵ـ۶۳، ومقالات الإسلاميين واختلاف المصلين للإمام أبي الحسن الأشعري، ۱۸۳ـ۱۸۹، ط:دار احياء التراث العربي،بيروت، وأصول الدين عند الإمام أبي حنيفة للخميس ،ط: دار الصميعي، السعودية، والإباضية لعبد العزيز بن محمد بن على ، المكتبة الوقفية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس ابراہیمی تھا:

سوال: عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو کرتہ پہننا چاہیے، اور یہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ کفار کا لباس مت پہنو، ورنہ آپ کا شمار ان میں سے ہوگا، پھر یہ بتایا جاتا ہے کہ کرتہ مسلمانوں کا لباس ہے اور سوٹ ٹائی کفار کا، اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام نے کرتہ پہنا تو کفار کیا پہنتے تھے؟ کیا سوٹ ٹائی پہنتے تھے یا سب کرتہ پہنتے تھے تو فرق کیسے کیا جاتا تھا؟ پھر اگر سب کا لباس کرتہ تھا تو صحابہ کرام نعوذ باللہ کفار کی طرح لباس پہنتے تھے؟ وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لباس استعمال ہوتا تھا وہ عرب

کا لباس تھا جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں چلا آ رہا تھا، جیسے بعض دوسری عادات بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترک تھیں، ایسی چیزوں کو احادیث میں فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کا قدیم طریقہ، مثلاً: ختنہ، مضمضہ، استنشاق، استنجاء، ناخن کاٹنا، ڈاڑھی بڑھانا، مونچھوں کا تراشنا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، مسواک کرنا وغیرہ۔

أخرج الإمام مسلم في صحيحه (رقم: ٢٦١) **بسنده عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب وإعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الأظفار وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة زاد قتيبة قال وكيع : انتقاص الماء يعنى : الاستنجاء .**

قال الإمام النوويؒ: وأما الفطرة فقد اختلف في المراد بها هنا فقال سليمان الخطابي ذهب أكثر العلماء إلى أنها السنة وكذا ذكره جماعة غير الخطابي قالوا: ومعناه أنها من سنن الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم .

اب ان امور کو جب مسلمان اختیار کریں تو اس کو مشابہت نہیں کہا جاتا بلکہ یہ عرب کا پرانا طریقہ ہے جس کو ہماری شریعت نے برقرار رکھا، مثلاً: مسلمان قمیص پہنتے ہیں تو قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا ذکر بھی آتا ہے: ” **اذهبوا بقميصي هذا فألقوه على وجه أبي يأت بصيراً** “. [يوسف :۹۳].

جو لوگ شلوار پہنتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شلوار کا ذکر روایات میں موجود ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان اور غیر مسلم تقریباً سب ایک لباس پہنتے تھے جو عرب کا قدیم لباس تھا ہاں بعض لوگ یا بعض عورتیں بے حیائی کا لباس پہنتی تھیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا: حدیث میں آتا ہے: ” **عن أم سلمة قالت: استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فقال: سبحان الله! ماذا أنزل الليلة من الفتن وماذا فتح من الخزائن أيقظوا صواحب الحجر فرب كاسية فى الدنيا عارية فى الآخرة** “. (رواه البخاري، رقم: ١١٥، باب العلم والعظة بالليل).

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب بیدار ہوئے اور فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے اُترے اور خزائن مفتوح ہوئے، ازواجِ مطہرات کو جگادو، دنیا میں بہت سی

لباس میں ملبوس عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔یعنی جس نے تنگ یا باریک لباس پہنا ہو وہ آخرت میں ننگی ہوگی،

لہذا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کے ساتھ مشابہت کرنے والا کہنا غلط ہے، نیز لباس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مسلمانوں کی کوئی خاص علامت بھی نہیں تھی، جیسے ابوجہل کی ڈاڑھی اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ڈاڑھی میں کوئی فرق ثابت نہیں، لیکن بعد میں لباس کی دو قسمیں ہوگئیں؛ بعض لباس مسلمان صالحین کا لباس ہے اور بعض غیر مسلموں کا لباس ہے جس میں حیا اور پردہ کا لحاظ نہیں، تو مسلمان کو صالحین کا لباس اختیار کرنا چاہیے، اور غلط لوگوں کے لباس سے بچنا چاہیے، اور اگر کوئی مسلمان ایسی علامت اختیار کرے جو غیر مسلموں کی دینی نشانی ہو جیسے صلیب اور زنار تو اس کا استعمال بالکل ناجائز ہے، ہاں پتلون شرٹ کا استعمال چونکہ کافروں اور غیر مسلموں میں بہت زیادہ ہے اور اس میں ستر کا بھی زیادہ لحاظ نہیں اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلسلہ نقشبندیہ کی سند کی تحقیق:

سوال: تصوف کے سلاسل میں سے ایک سلسلہ نقشبندیہ بھی ہے، بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کی سند منقطع ہے، آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس سلسلہ کی سند منقطع ہے یا نہیں؟ اگر منقطع ہے تو اس سلسلہ سے منسلک حضرات کیا جواب دیتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سلسلہ نقشبندیہ کی سند درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر منقطع ہے۔لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر منصوص ہے اور منصوص ذکر میں سلسلہ کے بزرگوں کی سند کے اتصال کی ضرورت نہیں اور اس کے طریقے اور تعداد وغیرہ سب اجتہادی چیزیں ہیں تو اگر یہ اجتہادی طریقے سند متصل سے ثابت نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں، جیسے علم کا حصول منصوص ہے اور اس کے طریقے اجتہادی ہیں جس میں ہر ایک مدرسہ کا اپنا اپنا اجتہاد اور طریقہ کار ہے اس لیے یہ طریقہ قابل اعتراض نہیں، مثلاً: اگر اس زمانہ میں بعض حضرات آواز سے آواز ملا کر ذکر کرتے ہیں اور پرانے بزرگ یہ کام نہ کرتے ہوں تو یہ بھی ایک اجتہادی معاملہ ہے اس پر کسی کو ملامت نہیں کر سکتے، کیونکہ آواز ملانے کا مقصد دل لگانا ہوتا ہے۔

سند کے انقطاع کی تفصیل حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عمدۃ السلوک میں بیان فرمائی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی کتاب کا کچھ اقتباس نقل کیا جائے۔ ملاحظہ ہو:

جو سلسلہ عام طور پر پیش کیا جاتا ہے اس میں انقطاع ہے، تفصیل یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ میں دو سلسلے مشہور

ومعروف ہیں۔

(۱) حضراتِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ: یعنی اس طریق میں بعض بزرگوں کو بعض کی ارواحِ مقدسہ سے فیض حاصل ہوا اور اجازت ہوئی ہے....

چونکہ نسبتِ اویسیہ میں واسطے کم ہوتے ہیں اور نسبت قوی اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لیے مشائخ کرامؒ عموماً اسی نسبتِ اویسیت کی سند کو بیان کرتے ہیں اور اسی کا عام رواج ہوگیا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان حضرات کی صحبتِ جسمانی کا سلسلہ منقطع ہے، چنانچہ تمام بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوعلی فارمدیؒ کو باوجود بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہنے کے (مثل ابوالقاسم قشیریؒ وابوالقاسم گورگانیؒ) حضرت ابوالحسن خرقانیؒ سے روحی فیض حاصل ہے اور ان کو حضرت بایزید بسطامیؒ کی روحانیت سے، شیخ ابوالحسن کی ولادت شیخ بایزیدؒ کی وفات کے مدت بعد ہوئی ہے اسی طرح شیخ بایزیدؒ کو حضرت جعفر صادقؓ کی روحانیت سے تربیتِ سلوک حاصل ہے حالانکہ صحیح نقل سے ثابت ہے کہ حضرت بایزیدؒ کی ولادت حضرت جعفر صادقؓ کی وفات کے بعد واقع ہوئی ہے۔ (عمدۃ السلوک، حصہ دوم، ص ۳۵۸۔۳۵۹، ط: زوار اکیڈمی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ انقطاع تین جگہوں پر ہے: (۱) خواجہ ابوعلی فارمدی [جو نقشہ میں نمبر ۸ پر مذکور ہے] ان کی ملاقات خواجہ ابوالحسن الخرقانی سے [جو نمبر ۷ پر مذکور ہے] نہیں ہوئی۔ (۲) پھر خواجہ ابوالحسن الخرقانی کی ملاقات حضرت شیخ بایزید سے [جو نمبر ۶ پر ہے] نہیں ہوئی۔ (۳) حضرت بایزید بسطامیؒ کی ملاقات حضرت جعفر صادق سے [جو نمبر ۵ پر ہے] نہیں ہوئی۔

یہ سلسلہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔
اس میں تین جگہ انقطاع ہے، وضاحت حسبِ ذیل شجرہ میں ملاحظہ کیجیے:

نمبر شمار	اسمائے گرامی حضراتِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ	ولادت یا عمر	وفات
۱	رحمۃ للعلمین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۶۳	دوشنبہ ۱۲/۱۱، ربیع الاول ۱۱ھ
۲	سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶۳	دوشنبہ ۲۳/۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ
۳	سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۵۰/۳۵۰	۱۰/ رجب ۳۳ھ
۴	سیدنا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ	۔	۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۰۸ھ یا ۱۰۶ھ

۵	سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ	۸۰ھ	دوشنبہ ۱۶/ ۱۵ رجب ۱۴۸ھ
❁	(۱) شیخ بایزید کی ملاقات حضرت جعفر سے ثابت نہیں۔	❁	❁
۶	حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۷۳ سال	۱۴/ ۱۵/ ۱۷ شعبان ۲۶۱ھ
❁	(۲) شیخ ابوالحسن کی ملاقات شیخ بایزید سے ثابت نہیں۔	❁	❁
۷	حضرت خواجہ ابوالحسن الخرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۷۳ سال	۱۵ رمضان ۴۲۵ھ
❁	(۳) شیخ ابوعلی کی ملاقات شیخ ابوالحسن سے ثابت نہیں۔	❁	❁
۸	حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۴۳۴ھ	۴/ ربیع الاول ۴۷۷ھ یا ۵۱۱ھ
۹	حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۴۴۰ھ	۲۷/ رجب ۵۳۵ھ
۱۰	حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۱۲/ ربیع الاول ۵۷۵ھ
۱۱	حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	یکم شوال ۶۱۶ھ
۱۲	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۱۷/ ربیع الاول ۷۱۵ھ
۱۳	حضرت خواجہ عزیزانِ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ	۶۵۸ھ	۲۷/ رمضان ۷۱۵ھ یا ۷۲۱ھ
۱۴	حضرت خواجہ محمد باباسماسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۱۰/ جمادی الاخری ۷۵۵ھ
۱۵	حضرت خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۸/ ۱۵ جمادی الاخری ۷۷۲ھ
۱۶	حضرت خواجہ بہاؤالدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۸ یا ۷۰۸	ربیع الاول ۷۹۱ھ
۱۷	حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۲۰/ رجب ۸۰۲ھ
۱۸	حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۵/ صفر ۸۵۱ھ
۱۹	حضرت خواجہ عبیداللہ الاحرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۸۰۶ھ	۲۹/ ربیع الاول ۸۹۵ھ
۲۰	حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ

۲۱	حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۱۹/محرم ۹۷۰ھ
۲۲	حضرت خواجہ محمد امکنگی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۹۱۸ھ	۲۲/۲۳شعبان ۱۰۰۸ھ
۲۳	حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۹۷۲یا۹۷۱ھ	۲۵/ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ
۲۴	حضرت خواجہ مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی رحمہ اللہ	۹۷۱ھ	۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ
۲۵	حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۰۰۷ھ	۹/ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ
۲۶	حضرت خواجہ سیف الدین مجددی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۴۹ھ	۱۹/ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ
۲۷	حضرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۱۱/ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ
۲۸	حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۱۱۱ھ	۱۰/محرم ۱۱۹۵ھ
۲۹	حضرت خواجہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۱۵۸ھ	۲۲/صفر ۱۲۴۰ھ
۳۰	حضرت خواجہ شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۱۹۶ھ	غرہ شوال ۱۲۵۰ھ
۳۱	حضرت خواجہ شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	-	۲/ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ
۳۲	حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ	۱۲۱۶ھ	شبِ دوشنبہ شوال ۱۲۸۴ھ
۳۳	حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۲۴۴ھ	سہ شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ
۳۴	حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۵ محرم ۱۲۹۷ھ	جمعہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ
۳۵	حضرت خواجہ محمد فضل علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۸۴ سال	غرۂ رمضان ۱۳۵۴ھ
۳۶	حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری رحمہ اللہ	۱۳۱۷ھ	جمعہ ۱۹/ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ
۳۷	حضرت مولانا سیدزوار حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۸/ دسمبر ۱۹۱۱ء	۲۲، رمضان ۱۴۰۰ھ ، ۱۹۸۰ء

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والے سلسلہ کو دوسرے طریقہ سے (یعنی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے) متصل کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ حضرت جعفر صادق کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر سے لقا اور اجازت حاصل ہے اور قاسم کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کو حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماعت ہے تو اس طریقہ پر یہ سند بھی متصل ہوجاتی ہے لیکن سلسلہ کی مشہور سند جوصوفی حضرات پڑھتے ہیں وہ منقطع ہے۔

(۲) دوسرا سلسلہ جو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ سلسلہ صحبتِ جسمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ حسب ذیل ملاحظہ کیجیے:

نمبر شمار	اسمائے گرامی حضرات سلسلہ عالیہ نقشبندیہ	وفات
۱	امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	شبِ دوشنبہ یا جمعہ ۱۹/ ۲۱ رمضان ۴۰ھ
۲	سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	جمعہ ۱۰/ محرم سنہ ۶۱ھ
۳	سیدنا حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۸/ محرم ۹۵ یا ۹۴ھ
۴	سیدنا حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	دوشنبہ ۷/ ذی الحجہ ۱۲۵ یا ۱۱۴ھ
۵	سیدنا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	دوشنبہ ۱۵/ رجب یا ۱۶ شوال ۱۴۸ھ
۶	سیدنا حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	جمعہ ۵/ ۱۵/ ۲۵ رجب ۱۸۳ھ
۷	سیدنا حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	جمعہ ۲۱/ رمضان یا ۹ صفر ۸/ ۲۰۳ھ
۸	حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱)	جمعہ ۲/ ۱۰/ ۲۰/ محرم ۲۰۰ھ
۹	حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۳ رمضان ۲۵۳ھ یا رجب ۲۵۸ھ
۱۰	حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	شنبہ ۲۷/ ۶ رجب ۲۹۷ یا ۲۹۸ یا ۳۰۲ھ
۱۱	حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۲۷/ ۱۰ ذی الحجہ ۳۴۲ یا ۳۳۴ھ
۱۲	حضرت شیخ خواجہ ابوالقاسم نصیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۱ شوال/ ۶ محرم ۳۶۷ یا ۳۷۲ھ
۱۳	حضرت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۵ ذی قعدہ یا ۲۰ شوال ۴۰۵ھ

۱۴	حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۶ ربیع الثانی ۴۶۵ھ
۱۵	حضرت شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ (۲)	۴ ربیع الاول ۴۷۷ یا ۵۱۱ھ
۱۶	حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	شنبہ ۲۷/۶ رجب ۲۹۷ یا ۲۹۸ یا ۳۰۲ھ
۱۷	حضرت شیخ ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۲ شوال ۳۲۱ یا ۳۲۲ھ
۱۸	حضرت شیخ ابوعلی کاتب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۲ شعبان ۳۴۶ یا ۳۵۶ھ
۱۹	حضرت شیخ ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۹ شوال یا ۱۱ رجب یا ۲۳ صفر ۳۷۳ھ
۲۰	حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۵ جمادی الاولیٰ یا ۱۰ رجب ۴۵۰ھ
۲۱	حضرت شیخ ابوعلی فارمدی	۴ ربیع الاول ۴۷۷ یا ۵۱۱ھ
۲۲	حضرت شیخ حافظ میر محمد حسن دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۳)	۱۲۱۹ھ

(۱) حضرت شیخ معروف کرخیؒ کا انتساب دوطرف سے ہے۔۱۔حضرت علی بن موسیٰ رضاؒ سے ان کو حضرت موسیٰ کاظمؒ سے ان کو حضرت جعفر صادق سے،۲۔شیخ معروف کرخیؒ کو شیخ داؤد طائیؒ سے ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے ان کو امام الاولیا حضرت حسن بصریؒ سے ان کو حضرت علیؓ سے۔بعض محدثین حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات کو صحیح نہیں کہتے لیکن یہ قول غیر مقبول ہے۔کیونکہ قوت القلوب وتہذیب التہذیب وغیرہما کتب محققین میں ذکر ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت عمرؓ کی خلافت ختم ہونے سے دوسال قبل پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی۔(نوٹ: حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت ہے لیکن لبس خرقہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ثابت نہیں۔المقاصد الحسنہ)۔

(۲) حضرت ابوعلی فارمدیؒ کو دوطرف سے انتساب ہے ا؛ ابوالقاسم قشیریؒ سے،۲: ابوالقاسم گورگانیؒ سے۔

(۳) حافظ میر محمد حسنؒ خواجہ محمد معصومؒ کے خلیفہ ہیں حضرت سید نور محمد بدایونیؒ نے ان کی صحبت سے بہت فیض پایا۔
(مستفاد از عمدۃ السلوک،ص ۳۶۱۔۳۶۲،ط: زوار اکیڈمی)۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (عمدۃ السلوک،ازص ۳۵۵۔۳۸۰،ط: زوار اکیڈمی،اور القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل از ص ۱۹۶۔۱۹۸،ذکر سلاسل طریقت مصنف،وکلیات امدادیہ،وقطب الارشاد،ومشائخ نقشبندیہ کا تذکرہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کفار فروعی احکام کے مکلّف ہیں یا نہیں؟

سوال: کفار فروعی احکام کے مکلّف ہیں یا نہیں؟ یا اس میں اختلاف ہے، اگر مسئلہ مختلف فیہ ہے تو راجح مذہب کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایمانیات میں تو کسی کا اختلاف نہیں دنیا وآخرت دونوں جہاں میں مخاطب ہیں۔ (۲) عقوبات میں بھی بالاتفاق مخاطب ہیں سوائے حد شرب کے۔ لیکن احکامِ اسلام کا التزام یعنی پابندی کا معاہدہ اگر نہ ہو تو ان پر حد جاری نہیں ہوگی۔

(۳) معاملات میں بالاتفاق آخرت میں مخاطب ہیں دنیا میں مخاطب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے: امام زفرؒ کے نزدیک مخاطب ہیں چاہے ذمی ہو یا حربی، لہذا جو معاملات خلافِ شرع کریں گے ان کے فساد کا حکم لگایا جائے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک حربی مخاطب نہیں البتہ اہل ذمہ اس کے مخاطب ہیں کیونکہ معاملات میں انہوں نے احکامِ اسلام کا التزام کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل ذمہ کے خلافِ شرع معاملات پر بھی حکمِ فساد نہ لگایا جائے گا بشرطیکہ وہ معاملات خود ان کے دین کے موافق ہوں کیونکہ اہل ذمہ نے معاملات میں احکامِ اسلام کا التزام اپنے معتقدات کے خلاف میں نہیں کیا۔

(۴) عبادات میں بالاتفاق آخرت میں مخاطب ہیں البتہ دنیا میں مخاطب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے؛ جمہور کے نزدیک اعتقاداً مخاطب ہیں نہ کہ اداءً الا یہ کہ ایمان لے آویں۔ البتہ اکثر شوافع کے نزدیک اعتقاداً واداءً مخاطب ہیں، بعض لوگوں نے ان کے قول کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد ایمان لانے کے بعد اداءً مخاطب ہیں اگر یہ بات صحیح ہو تو پھر شوافع بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

مختصر دلائل ملاحظہ کیجیے:۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

وعن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذاً رضي الله عنه إلى اليمن فقال: ادعهم إلى شهادة: أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله فإن هم أطاعوا لذلک فاعلمهم أن الله قد افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوا لذلک فاعلمهم أن الله

قد افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم . (رواه البخاري، رقم: ۱۳۹۵، باب وجوب الزكاة).

علامہ عینیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

يستدل لمن يذهب إلى أن الكفار غير مخاطبين بشريعة الدين وإنما خوطبوا بالشهادة فإذا أقاموها توجهت عليهم بعد ذلك الشرائع والعبادات لأنه صلى الله عليه و سلم قد أوجبها مرتبة وقدم فيها الشهادة ثم تلا بالصلاة والزكاة . (عمدة القارى: ۳۲۵/۶، دار الحديث ، ملتان).

فتح الملہم میں مرقوم ہے:

وقال علامة عصرنا الفاضل الكشميرى: إن قولهم الكفار مخاطبون بالمعاملات إن كان المراد به ثواباً وعقاباً فى الآخرة فمسلم لاشک فيه وإن كان المراد صحة وفساداً في أحكام الدنيا فليس هذا عندي على الإطلاق...فكما أنهم استثنوا من العقوبات حد الشرب كذلک ينبغي تقييد المعاملات أيضاً بشيء يخرج أمثال هذه الفروع المنصوصة عليها فى كتب الفقه . (فتح الملهم: ۵۴۱/۱،مكتبة دارالعلوم كراتشى).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ امداد الاحکام میں فقہی عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

عباراتِ مذکورہ سے امورِ ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) امام زفرؒ کے نزدیک تمام خطاباتِ عامہ واردہ فی الشرع دربارۂ معاملات کفار کو بھی شامل ہیں خواہ وہ حربی ہوں یا ذمی اور عمومِ خطاب کی وجہ سے حکم بھی عموماً ثابت ہوگا لہذا جو معاملات کفار اہل حرب واہل ذمہ خلافِ شرع کریں گے ان پر حکم فساد لگایا جائے گا، گو اہل حرب سے بوجہ عدمِ ولایت واہل ذمہ سے بوجہ معاہدہ کے تعرض نہ کیا جائے گا۔

(۲) صاحبین کے نزدیک اہل حرب کے معاملات خلافِ شرع ہیں ہر ایک پر حکم فساد نہ لگایا جائے گا کیونکہ انہوں نے احکامِ اسلام کا التزام نہیں کیا گویا ثبوتِ حکم کے لیے ان کے نزدیک عمومِ خطاب کافی نہیں بلکہ التزام بھی شرط ہے اور وہ اہل حرب میں مفقود ہے لیکن اہل ذمہ کے جو معاملات اسلام کے مسائل متفق علیہا کے خلاف ہوں گے ان پر حکم فساد لگایا جائے گا کیونکہ وہ معاملات میں احکامِ اسلام کا التزام کر چکے ہیں۔

(۳) امام اعظمؒ کے نزدیک اہل ذمہ کے بھی معاملات خلافِ شرع پر حکم فساد نہ لگایا جائے گا بشرطیکہ وہ معاملات خود ان کے دین کے موافق ہوں کیونکہ اہل ذمہ نے معاملات میں احکامِ اسلام کا التزام اپنے معتقدات کے خلاف میں نہیں کیا، ہاں اگر کسی معاملہ کی بابت معاہدہ ہی میں ان سے شرط کر لی جائے اس کا التزام ان کی طرف سے ہوگا، باقی معاملاتِ شرعیہ جو ان کے معتقدات کے موافق نہیں اور نہ ان سے ان کے بارے میں کوئی شرط کی گئی ہے، ان میں اہل ذمہ کی طرف سے التزام نہیں پایا گیا لہذا ایسے معاملات جب وہ اپنے مذہب کے موافق کریں گے تو ان کو صحیح مانا جائے گا اور حکم فساد نہ دیا جائے گا...

جواب کا حاصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع فی العقوبات والمعاملات اگرچہ ہیں لیکن حکم بالحرمۃ و الفساد کے لیے خطاب عام کافی نہیں بلکہ التزام بھی شرط ہے، اہل حرب نے تو احکامِ اسلام کا التزام بالکل نہیں کیا نہ اپنے معتقد کے موافق میں اور نہ مخالف میں لہذا وہ تو جس طرح بھی روپیہ کمائیں خواہ ربا سے خواہ غصب سے خواہ بیوعِ باطلہ وفاسدہ سے خواہ اپنے مذہب کے موافق خواہ مخالف طریق سے بہر صورت وہ روپیہ وغیرہ ان کی ملک میں داخل ہو جائے گا اور مسلمان کو تنخواہ میں لینا اس کا جائز ہے اور اہل ذمہ نے احکامِ اسلام کا التزام اپنے معتقدات کے موافقات میں کیا ہے، مخالفات میں نہیں کیا، سوا ان امور کے جن کی شرط ان سے کر لی جائے، پس جو عقد اہل ذمہ اپنے دین کے موافق کریں وشرائطِ معاہدہ کے بھی خلاف نہ ہو اس میں حکم صحت دیا جائے گا گو وہ شریعت کے خلاف ہو البتہ جو عقد ان کے دین کے بھی خلاف ہو یا شرائطِ معاہدہ کے خلاف ہو اس میں حکم فساد دیا جائے گا، **ولعل الحق لا يتجاوز عن ذلك ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً، والله أعلم۔**

(امداد الاحکام: ۴/ ۳۸۹۔۳۹۰)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شیخ ابراہیم حلبیؒ کی کتاب کے نام کی تحقیق:

سوال: شیخ ابراہیم حلبیؒ نے "**منية المصلي**" کی ایک مفصل شرح لکھی ہے اس کا نام بعض کتابوں میں "**غنية المستملي**" لکھا ہے اور بعض کتابوں میں "**غنية المتملي**" لکھا ہے تو صحیح نام کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ ابراہیم حلبیؒ کی کتاب کا صحیح نام "**غنية المتملي في شرح منية المصلي**" ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مصنفؒ نے مقدمہ میں اس کا نام "**غنية المتملي**" لکھا ہے، اور کشف الظنون وغیرہ

کتابوں میں بھی ’’ غنیة المتملی ‘‘ لکھا ہے، نیز معنی کے اعتبار سے بھی ’’ غنیة المتملی ‘‘ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کے معنی ہیں ’’ نفع اٹھانے والوں کے لیے کافی ہے، اور ’’غنیة المستملی ‘‘ کے معنی ہیں: املا کی درخواست کرنے والے کے لیے کافی ہے، یہ معنی زیادہ مناسب نہیں ہے، نیز مؤلفین کا طریقہ ہے کہ وہ کتاب کے نام میں قافیہ بندی اور سجع کی رعایت کرتے ہیں اس اعتبار سے ’’ غنیة المتملي في شرح منية المصلي ‘‘ میں سجع کی رعایت ہے لیکن ’’غنیة المستملی ‘‘ میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے مستملی کا لفظ سہو ہے۔

چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

قال الشيخ حاجی خليفه في كشف الظنون (۱۸۸۶/۲) ثم إن الشيخ إبراهيم بن محمد الحلبي ألف شرحاً جامعاً في مجلد سماه ’’ غنية المتملي ‘‘.

وقال في معجم المؤلفين: الشيخ إبراهيم الحلبيؒ ...له عدة مصنفات من الرسائل والكتب منها... شرح على المنية سماه : ’’ غنية المتملى في شرح منية المصلى ‘‘. (معجم المؤلفين : ۲۵/۱).

(وكذا في أسماء الكتب ،ص ۲۱۹ ،ط: دارالفكر ،و المعجم المطبوعات: ۱۳/۱ ،وهدية العارفين : ۱۴/۱ ، والأعلام للزركلی: ۶۷/۱ ،ط: دارالعلم للملايين، وملاحق تراجم الفقهاء الموسوعة:۱۸/۳ ، وزارة الاوقاف) .

کبیری کے مقدمہ میں خود مصنفؒ فرماتے ہیں:

وكان الكتاب المسمى بـ’’منية المصلى وغنية المبتدى‘‘ من أحسن ما صنف في بيانها...أحببت أن أصنع له شرحاً يكثر فوائده...وسميته ’’غنية المتملى في شرح منية المصلى‘‘ . (غنية المتملى،ص ۲ ، ط: سهيل اكیڈمی).

بعض کتابوں میں سہو ہوا ہے ملاحظہ ہو؛ النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر میں علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں:

وفي ’’ غنية المستملي شرح منية المصلي‘‘ : يوجه الميت إلى القبلة فى القبر...

(الجامع الصغير،ص۱۰۸ ،باب فى المريض يصلى قاعداً، ط:عالم الكتب ،بيروت،لبنان).

وفي تحفة الأحوذي: قال في ’’ غنية المستملي شرح منية المصلي‘‘ بعد ذكر تفسير المجد... (تحفة الأحوذى: ۲۸۲/۱ ،باب فى المسح على الجوربين،والنعلين،ط:دارالكتب العلمية بيروت).

وفي عون المعبود: وكذا في" غنية المستملي". (عون المعبود: ۲۴۶/۳،باب من نسى ان يتشهدوهو جالس يسجدسجدتى السهو،ط: دارالكتب العلمية بيروت).

ارشيف ملتقى اهل الحديث میں اس سہو کو واضح کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے:

تنبيه: قد أخطأ الكثير في اسم شرحه الكبير فسموه" غنية المستملى"وسماه بعضهم "بغية المتملى" ووقع فى بعض الكتب" قنية المتحلى" والصحيح "غنية المتملى" والمتملى معناه: المستمتع. (ارشيف: ۴۵۱/۶۸). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا سے نکاح کی تحقیق:

سوال: بعض نکاح خواں حضرات نکاح کے بعد دعا میں یہ دعا بھی کرتے ہیں" اللّٰهم ألف بينهما كما ألفت بين يوسف وزليخا" کیا حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے ہوا تھا، صحیح روایت سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل۔

الجواب: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زلیخا کے شوہر کے انتقال کے بعد بادشاہ ریان نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے کر دیا تھا اور دو بیٹوں کی ولادت بھی ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ یہ نکاح والی روایت محدثین کے ہاں صحیح اور درست نہیں۔ ملاحظہ ہو:

قرۃ العینین علی تفسیر جلالین میں مرقوم ہے:

ومات العزيز بعد، فزوجه امرأته، وجدها عذراء، وولدت له ولدين ... (قرة العينين، ص: ۳۱۱). وأخرج ابن جرير في تفسيره (۵/۱۳)، قال حدثنا ابن حميد (وثقه ابن معين)،قال: حدثنا سلمة(وثقه ابن معين)، عن ابن إسحاق قال: لما قال يوسف للملک:" اجعلنى على خزائن الأرض إني حفيظ عليم" قال الملک: قد فعلت، فولاه فيما يذكرون عمل إطفير عما كان عليه، يقول الله:" وكذلک مكنا ليوسف فى الأرض يتبوأ منها حيث يشاء"، الآية، قال: فذكر لي والله أعلم أن إطفير هلک في تلک الليالي، وأن الملک الريان بن الوليد، زوج يوسف امرأة إطفير راعيل، وإنها حين دخلت عليه قال: أليس هذا خيراً مما كنت تريدين؟ قال: فيزعمون أنها قالت: أيها الصديق! لا تلمني، فإني كنت امرأة كما

تـری حسنـاً وجـمـالاً نـاعـمـةً فی ملک ودنیا ، وکان صاحبي لا یأتی النساء ، وکنت کما جعـلک اللّٰـه في حسنک وهیئتک ، فغلبتني نفسي علی ما رأیت ، فیزعمون أنه وجدها عذراء ، فأصابها ، فولدت له رجلین : افرائیم بن یوسف ، ومیشا بن یوسف.

یہ قصہ درجِ ذیل کتبِ تفاسیر میں بھی منقول ہے: (الدرالمنثور: ۴/۵۵۳، وروح المعانی: ۱۳/۴، وتفسیر القرطبی : ۹/۱۴۰ ، وتفسیر البغوی : ۲/۴۳۳، وتفسیر ابن ابی حاتم : ۷/۲۱۶۱/۱۱۷۲۳، ط:المکتبة العصریة، وتفسیر ابن کثیر : ۲/۵۲۹، ط:مکتبة دارالسلام، وزادالمسیر:۴/۲۴۴، ط: المکتب الاسلامی، وتفسیر المظهری:۵/۱۷۴ ، ومعارف القرآن : ۵/۷۷و۱۳۸).

لیکن علامہ آلوسیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت درست نہیں ہے ملاحظہ ہو:

وخبر تزوجها أیضاً مما لا یعول علیه عند المحدثین . (روح المعانی : ۵/۱۳).

خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع صحیح حدیث موجود نہیں لہذا اس معاملہ میں توقف کرنا چاہیے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح کی تحقیق:

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام کا نکاح بلقیس سے ہوا تھا یا نہیں؟ کیا کسی مرفوع صحیح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مفسرین کی ایک جماعت نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نکاح بلقیس سے ہوا تھا،لیکن یہ بھی کسی مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے بنابریں اس سلسلہ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو قرۃ العینین علی تفسیر جلالین میں مرقوم ہے:

وأمـا مـا قیـل فـي زواجها أی زواج بلقیس بسلیمان علیه السلام فلم یرد فیه دلیل لا نفیاً و لا إثباتاً فیکون عدم الخوض فیه هو المنهج الصحیح . (قرة العینین علی تفسیر جلالین ، ص: ۴۹۹).

حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین میں مرقوم ہے:

وقیـل: إنهـا لـمـا أسلمت قال لها سلیمان: اختاری رجلاً من قومک حتی أزوجک إیـاه فـقـالـت: ومثلي یا نبي اللّٰه ینکح الرجال وقدکان لي من قومی الملک والسلطان قال:

نعم ، إنه لايكون فى الإسلام إلا ذلك ولاينبغي لك أن تحرمى ما أحل الله قالت: إن كان ولا بد فزوجني ذا تبع ملك عمدان فزوجها إياه وذهب بها إلى اليمن ...الخ. (حاشية الصاوى على الجلالين: ۱۹۸/۳).

لیکن روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے فرمایا ہے کہ بلقیس کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوا تھا۔

ملاحظہ ہو: والمشهور أنه عليه السلام تزوجها وإليه ذهب جماعة من أهل الأخبار وأخرج البيهقي فى الزهد عن الأوزاعي قال: كسر برج من ابراج تدمر فأصابوا فيه امرأة حسناء دعجاء مدمجة كان أعطافها طي الطوامير عليها عمامة طولها ثمانون ذراعاً مكتوب على طرف العمامة بالذهب بسم الله الرحمن الرحيم أنا بلقيس ملكة سبأ زوجة سليمان بن داود عليهما السلام ملكت من الدنيا كافرة ومؤمنة مالم يملكه أحد قبلي ولا يملكه أحد بعدى ...الخ. (روح المعانى : ۲۱۰/۱۹).

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ نکاح کا قصہ درجِ ذیل تفاسیر میں مذکور ہے:

(تفسیر القرطبی: ۲۰۱/۱۹، والدر المنثور: ۳۶۷/۶، وتفسیر البغوی: ۴۲۲/۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت آسیہ اور حضرت مریم کے نکاح کی تحقیق:

سوال: یہ جو مشہور ہے کہ حضرت آسیہ امرأۃ فرعون اور حضرت مریم کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، اس روایت کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بعض ضعیف احادیث سے یہ بات ثابت ہے اور بعض حضرات نے تعددِ طرق کی وجہ سے درجہ حسن میں شامل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر میں ہے:

(۱) حدثنا عبد الله بن ناجية ثنا محمد بن سعد العوفى ثنا أبي ثنا عمي ثنا يونس بن نفيع عن سعد بن جنادة: قال رسول الله عليه وسلم: إن الله زوجني فى الجنة مريم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسى . (اخرجه الطبرانى فى الكبير، رقم: ۵۴۸۵).

قال الهيثمى (۲۱۸/۹): فيه من لم أعرفهم .

(۲) وفي جامع الأحاديث للإمام السيوطي: إن الله قد زوجني فى الجنة مريم بنت

عمران وكلثم أخت موسى وامرأة فرعون . أخرجه الطبراني عن أبي أمامةؓ (۸/۲۵۸/۸۰۰۶)، قال الهيثمي (۹/۲۱۸): فيه خالد بن يوسف السمتي وهو ضعيف .

(۳) أخرج الإمام الطبراني فى الكبير (۲۲/۴۵۱/۱۱۰۰)، عن ابن أبى رواد قال: دخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على خديجةؓ وهي في مرضها الذى توفيت فيه فقال لها: بالكره مني ما الذى أرى منک يا خديجة ؟ وقد يجعل اللّٰه فى الكره خيراً كثيراً أما علمت أن اللّٰه زوجني معک فى الجنة مريم بنت عمران وكلثم أخت موسى وآسية امرأة فرعون قالت: وقد فعل اللّٰه ذلک يا رسول اللّٰه ؟ قال: نعم قالت: بالرفاه والبنين . قال الهيثمي (۹/۲۱۸): منقطع الإسناد ، وفيه محمد بن الحسن بن زبالة ، وهو ضعيف .

(۴) أورده الديلمى فى "الفردوس" (۵/۴۲۳/۸۶۲۰) : يا عائشة أما علمت أن اللّٰه زوجني فى الجنة مريم ابنة عمران وكلثم أخت موسى وآسية امرأة فرعون ، قلت: بالرفاء والبنين يا رسول اللّٰه .

وعلى هامشه : إسناد هذا الحديث في زهر الفردوس (۴/۳۶۶): قال ابن السنى حدثنا أحمد بن إبراهيم المديني بعمان حدثنا أبوسعيد الأشج حدثنا حفص بن غياث عن الأعمش عن أبي إسحاق عن عبد خير عن مسروق عن عائشةؓ قالت:...مرفوعاً .

(۵) تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ طبرانی کبیر روایت موجود ہے: قال أبوالقاسم الطبراني في معجمه الكبير ثنا أبوبكر بن صدقة ثنا محمد بن محمد بن مرزوق ثنا عبد اللّٰه بن أبي أمية ثنا عبد القدوس عن صالح بن حيان عن ابن بريدة عن أبيه (ثيبات وأبكاراً) قال: وعد اللّٰه نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم في هذه الآية أن يزوجه فالثيب آسية امرأة فرعون وبالأبكار مريم بنت عمران . (ابن كثير: ۴/۴۱۲). وفيه: صالح بن حيان وهوضعيف . (تهذيب الكمال: ۱۳/۳۴).

(۶) أخرج ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (۷۰/۱۱۸) بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم دخل على خديجة وهي في مرض الموت فقال: يا خديجة إذا لقيت ضرائرک فأقرئيهن منى السلام ، قالت: يا رسول اللّٰه وهل تزوجت قبلي قال: لا ولكن اللّٰه زوجني مريم بنت عمران وآسية بنت مزاحم وكلثم أخت موسى .

اس حدیث کو ابن کثیرؒ نے ضعیف کہا ہے۔ (ابن کثیر:۴/۴۱۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعددِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کہنا درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا حضرت ابوسفیانؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی مخالفت کی تھی؟

سوال: ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ خلافت کو کیا ہو گیا کہ ایسے لوگوں میں چلی گئی جو قریش میں سب سے قلیل اور ادنی درجہ کے ہیں؛ یعنی ابوبکرؓ، خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو ان کے خلاف فوج تیار کرلوں... الخ۔ یہ حدیث کن کتابوں میں ہے؟ اور اس حدیث کی فنی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جس روایت کا آپ نے حوالہ دیا کہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر میں چاہوں تو ابوبکر کے خلاف فوج تیار کروں۔ یہ روایت مستدرک حاکم (۴۴۶۲/۸۳/۳) اور فضائل الخلفاء لابی نعیم میں (رقم ۱۹۲) ہے، لیکن اس کی سند میں ابوالشعثاء یزید بن مہاصر (فتح الباب فی الکنی والالقاب میں "المہاجر" ہے) الکندی الکوفی مجہول راوی ہے، امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں (۳۸۳/۸) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (۲۸۷/۹) اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن کوئی جرح یا تعدیل مذکور نہیں۔

نیز ابوالشعثاء نامی چند افراد ہیں جن میں (۱) سلیم بن اسود المحاربی الکوفی ثقہ اور بخاری کے راوی ہیں۔ (۲) جابر بن زید تابعی ازدی بصری ابوالشعثاء، یہ بھی بخاری کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ (۳) علی بن حسن بن سلیمان حضرمی واسطی بصری ابوالشعثاء یہ مسلم کے راوی ہیں۔ (۴) یزید بن مہاصر کندی کوفی یہ غیر معروف ہے، امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن مجہول الحال ہے۔ اور بھی چند ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتح الباب فی الکنی والالقاب:۱/۴۲۰، وتہذیب الاسماء ۲۶۲/۷، وسیر اعلام النبلاء:۴/۴۸۱، وتہذیب الکمال:۱۱/۳۴۰)۔

حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

أخبرني عبد اللّٰه بن الحسين القاضي بمرو ثنا الحارث بن أبي أسامة ثنا محمد بن سابق ثنا مالك بن مغول عن أبي الشعثاء الكندي عن مرة الطيب قال: جاء أبوسفيان بن حرب رضي الله عنه إلى علي بن أبي طالب رضي الله عنه فقال: ما بال هذا الأمر في أقل قريش قلة وأذلها ذلة يعني أبابكر والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلاً و رجالاً فقال علي: لطالما عاديت الإسلام

وأهله يا أباسفيان، فلم يضره شيئاً إنا وجدنا أبابكر لها أهلاً .(المستدرک:۴۴۶۲/۷۸/۳).

دوسری روایت مصنف عبدالرزاق (۴۵۱/۵)،تاریخ طبری (۲۰۹/۳)اورالاستیعاب میں (۱۶۷۹/۴) ہے، اس کی سند میں ابن ابجر تبع تابعی ہے اس نے صحابہ کونہیں پایااس لیے یہ روایت منقطع ہے۔

تیسری روایت تاریخ دمشق میں (۴۶۴/۲۳) ہے اوراس کی سند میں زیاد بن عبدالرحمٰن ابوالخصیب مجہول ہے۔(میزان الاعتدال:۹۲/۲)۔

چوتھی روایت بلاذری کی انساب الاشراف میں (۵۸۸/۱) ہے،اس کی سند میں واقدی متروک راوی ہے۔ (میزان الاعتدال:۶۶۵/۳)۔

پانچویں روایت بلاذری کی انساب الاشراف میں (۵۸۸/۱)مذکور ہے،اس کی سند میں ربیع بن صبیح کا شیخ مجہول ہے۔صحابی جلیل کی سیرت اس طرح کی ضعیف روایات سے مخدوش ومجروح نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی اور جرنیل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں یہ اعلان فرمایا تھا:"**من دخل دار أبي سفيان فهو آمن**" جوحضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوجائے اس کو ہماری جانب سے امان ہے،ان کی ایک آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوۂ طائف میں شہید ہوئی تھی اور دوسری آنکھ جنگِ یرموک میں، جنگِ یرموک میں سب آوازیں خاموش تھیں اور ایک آواز بلند ہورہی تھی کہ اے اللہ کی مدد قریب آجاؤ! یہ آواز لگانے والے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے،اس جہاد کا جھنڈا ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے پاس تھا۔(الاصابہ:۳۳۴/۳)۔

تنبیہ: بعض حضرات کوراوی کے بارے میں کچھ مغالطہ ہوا ہے اوراس روایت کوصحیح کہا ہے، چنانچہ بعض نے ابوالشعثاء کی توثیق کی ہے اور بخاری کا راوی تسلیم کرلیا ہے جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے دونوں میں فرق ہے اور بعض نے عبدالرزاق وطبری کی سند میں ابن ابجر کوابن الحر جو کبار تابعین میں سے ہے کہہ کر صحیح قرار دیا ہے حالانکہ یہ وہم ہے۔(تاریخ طبری:۲۳۷/۲،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (المقتنی فی سرد الکنی : ۳۰۵/۱،للامام الذهبی،وتبصير المنتبه بتحرير المشتبه:۱۳۲۶/۴، والكنى والأسماء لمسلم :۱۲۰۰/۴/۸، وتهذيب الأسماء، جلد ۱،۴و۷، وفتح الباب فی الكنى والألقاب : ۴۲۰/۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان بچی کا نام فریال رکھنے کا حکم:

سوال: مسلمان بچی کا نام فریال رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کا کیا معنی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ فریال فارسی لفظ ہے اور دراصل فاء کے فتحہ کے ساتھ آتا ہے، جو فر اور یال سے مرکب ہے، فر کے معنی: نور، حسن وجمال وغیرہ کے آتے ہیں اور ''یال'' کے معنی فارسی میں گردن، چہرہ وغیرہ کے ہیں تو اب فریال کے معنی ہوں گے خوبصورت چہرے والی، لہٰذا شرعاً فریال نام رکھنا جائز اور درست ہے۔

قال فی ''المعجم الذھبی'': فَر: نور، شأن، مکانة، حسن، جمال...ویال: عنق، عضد، ابن، وجه، شجاع ...(المعجم الذھبی، ص۴۲۵، ۶۱۸).

لغاتِ کشوری میں مرقوم ہے: فر: شان، شوکت، دبدبہ، نور، ویال: گردن مجاز گھوڑے کی گردن کے بال۔ (لغاتِ کشوری، ص۳۴۳، ۵۷۹)۔

قاموس الفارسیہ میں مذکور ہے: فر: عظمت، جمال، لیاقت، قدرت۔ (۴۸۹، ۸۲۶)۔

موسوعة الأسماء ومعانیها: فریال: التی جاءت بأمر عجیب وغریب محیر... (۱۰۱).

ترجمہ: فریال، جو حیرت انگیز کارنامے انجام دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فریال کے معنی: خوبصورت، اور حیرت انگیز کارنامے انجام دینے والی، یا شان وشوکت والی لڑکی کے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معذور بچی کی خادمہ کے اخراجات کا حکم:

سوال: ایک شخص کی معذور نابالغ بچی ہے، اس کی عقل کا توازن صحیح نہیں ہے، حتی کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء موجود ہیں، قوتِ سماعت، قوتِ بصارت وغیرہ بھی بہت کمزور ہے، اس کی خدمت کے لیے ایک خادمہ رکھی ہے جو ہر وقت بچی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر والدین اس کے علاج کے لیے یا عمرہ وغیرہ کے سفر پر جائیں تو خادمہ کے اخراجات کس پر لازم ہوں گے؟ کیا بچی کے مال سے وصول کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بچی کے مال میں سے ضروری چیزیں مثلاً: نفقہ وغیرہ کا انتظام کرنا درست ہے لیکن غیر ضروری چیزوں میں بچی کا مال لگانا درست نہیں اور عمرہ سنت ہے ضروری نہیں ہے، بنابریں بچی کے

مال میں سے عمرہ کے اخراجات وصول کرنا درست نہیں، ہاں دوسرے شہر بچی کے علاج کے لیے جانا ہو تو ضروری چیزیں مثلاً: ٹکٹ، نفقہ، سکنی وغیرہ کے اخراجات وصول کرنا درست ہے۔ نابالغ بچی کے مال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

قال في الهندية : ونفقة الصبي بعد الفطام إذا كان له مال في ماله هكذا في المحيط . (۵۶۲/۱)، وفيه أيضاً : ونفقة الإناث واجبة مطلقاً على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة . (الفتاوى الهندية: ۵۶۳/۱).

قال في الدر المختار : النفقة : هي لغة ما ينفقه الإنسان على عياله ، وشرعاً:هي الطعام و الكسوة و السكنى ، وعرفاً:هي الطعام . و في الشامية : و شرعاً هي الطعام ، كذا فسرها محمد بالثلاثة لما سأله هشام عنها كما في البحر عن الخلاصة ، قوله"وعرفاً ، أي في العرف الطاري في لسان أهل الشرع هي الطعام فقط، وكذا يعطفون عليه الكسوة والسكنى والعطف يقتضي المغايرة . وعبارة المتون كالكنز والملتقى وغيرهما على هذا .

(الدر المختار : ۵۷۲/۳،سعيد). (وكذا في اللباب في شرح الكتاب : ۲۹۲/۱، دار الكتاب العربي).

عباراتِ بالا سے واضح ہوا کہ اگر بچی کے پاس مال ہے تو خورد و نوش اور لباس پوشاک وغیرہ ضروری اشیاء کا انتظام بچی کے مال میں سے کرنا درست ہے باپ کے ذمہ لازم نہیں، البتہ بچی کا مال غیر ضروری امور میں صرف کرنا باپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے: جو نابالغ مالک کسی مال کا ہو، اول نفقہ اسی مال میں ہوگا، مال کے ہوتے ہوئے باپ پر واجب نہ ہوگا، پس عطیات اس نابالغ کے ضروری نفقات میں صرف کردئے جائیں۔ (امداد الفتاویٰ:۴۸۰/۳)۔

بچی کے علاج ومعالجہ کے ضروری اخراجات بھی والد کے ذمہ ہیں اور اگر بچی کے پاس مال ہو تو بچی کے مال میں واجب ہوں گے۔ فتاویٰ دار العلوم زکریا میں ہے:

نفقہ میں کھانا، پینا، کپڑے، رہنا، سہنا، دوا، علاج، معالجہ، اسکول کی فیس وغیرہ تمام ضروری اخراجات شامل ہیں۔ وفي" الفقه الحنفي في ثوبه الجديد": النفقة: وهي ما ينفقه الإنسان على عياله و تشمل الطعام والكسوة والسكنى وغيرها من ضروريات الحياة. (۲۳۶/۲،باب النفقة ،

دمشق). (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۴/ ۳۶۵-۳۶۶)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قرآنِ کریم کے یکبارگی نزول سے متعلق روایت کی تحقیق:

سوال: یہ مشہور ہے کہ قرآنِ کریم کا نزول ایک ہی مرتبہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ہوااور اس سلسلہ میں مشہور حدیث ذکر کی جاتی ہے، کیا وہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ کیا انزلنا کے لفظ سے استدلال صحیح ہے؟ کیا انزلنا کے معنی اکھٹا اتارنا اور تنزیل کے معنی آہستہ اتارنا آیا ہے یا نہیں؟ بقاعی نے مصاعد النظر میں یکبارگی نزول کی روایت کو بحوالہ طبرانی ضعیف کہا ہے، کیا یہ روایت ضعیف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کے یکبارگی نزول کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے جس میں طبرانی کبیر کی سند پر کلام ہے لیکن دوسری سند صحیح ہے، اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے قرآنِ کریم کا یکبارگی نزول صحابی سے موقوفاً مروی ہے اور یہ اثرِ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے۔

ہاں انزال سے یکبارگی نزول اور تنزیل سے بتدریج نزول مراد لینا محلِ نظر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ انزلنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول کے وقت شدت کی طرف اشارہ ہو اور تنزیل میں بتدریج نزول کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ بابِ افعال مبالغہ کے لیے اور بابِ تفعیل کا کثرت کے لیے آنا دونوں ابواب کی خاصیات میں مذکور ہے۔ یکبارگی نزول سے متعلق صحیح سند والی روایت ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الحاكم في مستدركه (۲/ ۲۶۲، كتاب التفسير، ط: دارابن حزم) **بسنده عن ابن عباس** ﷺ **قال: نزل القرآن جملة إلى السماء الدنيا ثم نزل بعد ذلك في عشرين سنة ، ... وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .**

یہ روایت مستدرک میں دوسری جگہ (۲/ ۲۷۸، رقم ۲۸۷۸و ۲۸۷۹) بھی موجود ہے اور وہاں بھی صحیح فرمایا ہے۔ بلکہ ایک جگہ **صحيح على شرطهما ولم يخرجاه** فرمایا ہے۔

نیز یہ روایت سنن نسائی کبریٰ میں (۶/ ۴۲۱/ ۱۱۳۰۸) اور بیہقی شعب الایمان میں (۲/ ۴۱۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) اور الاسماء والصفات للبیہقی میں (۲/ ۲۹/ ۴۸۱) اور فضائل القرآن لقاسم بن سلام میں (۲/ ۲۳۳/ ۶۶۹) اور فضائل القرآن لمحمد بن ضریس میں (ص ۱۲۷/ ۱۱۶) موجود ہے۔

درجِ ذیل علماء نے حاکم کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے: علامہ ابن کثیر نے فضائل القرآن میں (۱/ ۳۶، مکتبۃ

ابن تیمیۃ) اورشیخ ابوجعفر احمد بن محمد النحاس نے اعراب القرآن میں (۵/ ۷۸، ط: عالم الکتب، بیروت) اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں (۱/ ۳۹، ۴۰، ط: سہیل اکیڈمی لاہور) اور شیخ زرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن میں (۱/ ۴۴)، اور شیخ مناع القطان نے مباحث فی علوم القرآن میں (۱/ ۱۰۱، ط: مکتبۃ المعارف) علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے البرہان (۱/ ۱۶۵، المکتبۃ العصریۃ) میں حاکم کی تصحیح نقل کی ہے۔ نسائی شریف کی روایت کی تحقیق ملاحظہ کیجیے:

☆ احمد بن سلیمان؛ صدوق، ثقۃ۔ (تہذیب الکمال: ۱/ ۳۲۰، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

☆ یزید بن ہارون؛ ثقۃ۔ (تہذیب الکمال: ۳۲/ ۲۶۶، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)۔

☆ داود بن ابی ہند واسمہ دینار؛ ثقۃ۔ (تہذیب الکمال: ۸/ ۴۶۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)۔

معلوم ہوا کہ سب راوی ثقہ ہیں لہذا السنن نسائی کی روایت صحیح ہے۔ ہاں طبرانی کی روایت پر کلام ہے۔

ملاحظہ ہو: علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا ہے: **رواه الطبراني والبزار باختصار ورجال البزار رجال الصحيح وفي إسناد الطبراني عمرو بن عبد الغفار وهوضعيف.** (مجمع الزوائد: ۷/ ۱۴۰، باب سورة انا انزلناه، دارالفكر).

اسی کلام کو شیخ بقاعیؒ نے بھی مصاعد النظر میں (ص ۲۱۷، ط: الریاض) پر نقل کیا ہے۔

انزال اور تنزیل کے بارے میں وضاحت ملاحظہ کیجیے:

"**وأنزل من السماء ماء**" [البقرة: ۲۲] میں انزال تدریج کے لیے ہے، "**يسئلك أهل الكتاب أن تنزل عليهم كتاباً من السماء**" [النساء: ۱۵۳]، میں تنزیل اکھٹے نزول کے لیے ہے؛ "**يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك**" [البقرة: ۴]، میں سب کتابوں کے لیے انزال آیا ہے، "**ولو نزلنا عليك كتاباً في قرطاس فلمسوه بأيديهم**" [الأنعام: ۷]، میں یکبارگی نزول کے لیے تنزیل آیا ہے، "**وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم**" [النحل: ۴۴]، میں دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (لسان العرب: ۱۱/ ۶۵۶، ط: دارالفكر، والمحكم والمحيط الاعظم، وتاج العروس، و مقدمة المنجد، ص۲۷، وشرح الشافية للرضى: ۱/ ۹۲، ط: دارالكتب العلمية).

شیخ بقاعی کا حوالہ ملاحظہ ہو؛ (مصاعد النظر: ۲۱۷، ۲۱۸، ط: مکتبۃ المعارف، الریاض)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے حوضِ کوثر پلانے کی دعا کا حکم:

سوال: عام طور پر بیان میں یا دعا میں یہ بات سننے میں آتی ہے ''اے اللہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے دستِ مبارک سے جامِ کوثر نصیب فرما۔ تو کیا کسی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے امت کو براہِ راست پلائیں گے؟ بینوا بالدلیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر سے جامِ کوثر پلانے کی تصریح متعدد روایات میں موجود ہے جس کی تفصیل کتبِ حدیث کی ورق گردانی کرنے والے پر مخفی نہیں ہے، البتہ اس بات کی تصریح کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے ہر امتی کو پلائیں گے کہیں دستیاب نہیں ہوئی۔

بظاہر یہ دعائیہ جملہ '' بنی الأمير المدينة '' کے قبیل سے ہے یعنی امیر کے حکم سے اس کے خدام شہر کی تعمیر کرتے ہیں، اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے خدام امت کو حوضِ کوثر پلائیں گے، ممکن ہے کہ اخص الخواص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے پلائیں، لیکن اس کی تصریح نہیں ملی۔

حوضِ کوثر کی احادیث سے متعلق امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قال القاضي عياضؒ: أحاديث الحوض صحيحة والإيمان به فرض والتصديق به من الإيمان وهو على ظاهره عند أهل السنة والجماعة لا يتأول ولايختلف فيه قال القاضي: وحديثه متواتر النقل رواه خلائق من الصحابة . (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۲/ ۲۴۹، باب اثبات حوض نبیناصلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ).

قال القرطبي: أحاديث الحوض متواترة . (فیض القدیر: ۳/ ۵۲۸).

وسقاهم ربهم کے تحت علماء نے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح پلانے کو بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: **البحر المديد** میں مرقوم ہے:

أضيف إليه تعالىٰ للتشريف والتخصيص ، وقيل: إن الملائكة يعرضون عليهم الشراب، فيأبون قبوله منهم ويقولون: قد طال أخذنا من الوسائط ، فإذا هم بكاسات تلاقى أفواههم بغير أكف من غيب إلى عبد . (البحر المدید: ۸/ ۳۰۸، ط: دار الکتب العلمیة). وکذا فی تفسیر النسفی: ۲/ ۳۲۰).

اور تفسیر سمرقندی میں ہے: وسقاهم ربهم شراباً طهوراً يعنى الذى سقاهم خدمهم.
(بحر العلوم: ۳/ ۵۰۶، ط: دار الفكر).

وقال فى المظهري: قال الشيخ الأجل يعقوب الكرخي: إن السابقين المقربين يعطون الكاسات من تحت العرش بلا واسطة والمقتصدين يعنى الأبرار يعطيهم الملائكة وغيرهم من أهل الجنة ...قلت: وهذه الآيات اخبار عن شان الأبرار فلعلهم يعطون الكاسات تارة بتوسط الولدان و تارة بتوسط الملائكة و تارة بلا واسطة و أما المقربون فلعلهم يعطون بلا واسطة غالباً. (التفسير المظهرى: ۱۰/ ۱۶۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خارجِ صلوٰۃ انگلیاں چٹخانے کا حکم:

سوال: نماز سے باہر انگلیاں چٹخانے کا کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نماز میں یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے اور مسجد میں جو نماز کے انتظار میں ہو اس کے لیے بھی مکروہِ تحریمی ہے حدیث شریف میں ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے، البتہ نماز سے باہر اور مسجد سے باہر اگر انگلیوں کو راحت پہنچانے کے لیے ہو تو کراہت نہیں اور ویسے ہی بطورِ عبث ہو تو کراہتِ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ممانعت وارد ہے: عن علي رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تفقع أصابعک وأنت فى الصلاة. (سنن ابن ماجه، رقم: ۹۶۵) قال فى الزوائد: في إسناده: الحارث الأعور وهو ضعيف.

قال في فتاوى الشامي: قوله وفرقعة الأصابع، هو غمزها أو مدها حتى تصوت ... قوله للنهى هو ما رواه ابن ماجه مرفوعاً: لا تفرقع أصابعک وأنت تصلي وروى فى المجتبى: حديثاً أنه نهى أن يفرقع الرجل أصابعه وهو جالس فى المسجد ينتظر الصلاة وفى رواية وهو يمشى إليها...ونقل فى المعراج: الإجماع على كراهة الفرقعة والتشبيک فى الصلاة و ينبغي أن تكون تحريمية للنهى المذكور، حلية و بحر، قوله: و لا يكره خارجها لحاجة المراد بخارجها ما ليس من توابعها لأن السعى إليها والجلوس فى المسجد لأجلها في حكمها. وأراد بالحاجة نحو إراحة الأصابع فلو لدون حاجة بل على سبيل العبث كره

تنزیهاً . (فتاوى الشامي: ۱/ ۶۴۲، سعيد). (وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۲۰). واللہ ﷻ اعلم۔

حدیثِ جساسہ میں دجال کی نشاندہی اور چھ قسم کی مخلوقات:

سوال: حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں دجال کا کسی جزیرے میں قید ہونے کا ذکر ہے اوراس کے ساتھ جساسہ بھی ہے، آج کل دنیا ایک محلّہ کی طرح ہوگئی ہے تو اگر دجال کسی جزیرے میں ہے تو کیوں نظر نہیں آتا؟ اور جساسہ کیا چیز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکورہ بالا سوال کا جواب درجِ ذیل ایک مفید تمہید میں نمبر ۵ ''دجال'' کے تحت مذکور ہے:

بندہ عاجز کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ قسم کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، تین مفردات ہیں اور تین مرکبات۔ مفردات یہ ہیں: ۱۔ انسان، ۲۔ ملائکہ، ۳۔ جنات۔ حدیث کی روشنی میں انسان مٹی سے، ملائکہ نور سے اور جنات نار سے پیدا کیے گئے۔ تین قسمیں جن کو میں برزخ کی طرح سمجھتا ہوں وہ یہ ہیں:

۴۔ حضرت خضر علیہ السلام: حضرت خضر علیہ السلام ملک اور فرشتہ ہیں؛ لیکن انسان کی طرح ہیں، حضرت مولانا حبیب اللہ احمد کیرانویؒ نے حل القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور یہ تفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ملاحظہ فرمائی ہے اور اس پر تقریظ لکھی ہے۔ (حل القرآن: ۲/۲)۔

حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ لکھتے ہیں: اب اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنی ہیں: اول یہ کہ ان بزرگ کا نام حدیث میں خضر لیا گیا ہے؛ لیکن نہ قرآن میں تصریح ہے کہ یہ انسان تھے یا فرشتہ اور نہ حدیث میں؛ لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ نے کسی فرشتے کو آدمی کی شکل میں بھیجا ہو اور امورِ تکوینیہ کا تعلق فرشتوں سے ہے ہی''

آگے لکھتے ہیں: ''لیکن اگر وہ انسان تھے جیسا کہ مشہور ہے، گو بے دلیل ہے''۔ (حل القرآن: ۲/۲)۔

اس تفسیر پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو تقریظ تحریر فرمائی ہے وہ تفسیر کی ابتدا میں چھپی ہے، اس میں لکھا ہے کہ میں نے اس تفسیر کو شروع سے ختم تک حرفاً حرفاً دیکھا ہے اور پھر اس کی دس خصوصیات بیان کرنے کے بعد عوام اور خواص سب کے لیے اس تفسیر کو مفید بتلایا۔

یہ وضاحت اس لیے کرنی پڑی کہ خضر علیہ السلام کو مولانا مودودی صاحب نے بھی فرشتہ قرار دیا ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری صاحب نے ''تقصیراتِ تفہیم'' کے نام سے کتاب لکھی، جس میں مودودی صاحب کی تفسیر کے بعض مقامات پر تنقید فرمائی ہے، ان مقامات میں حضرت خضر علیہ السلام کے فرشتہ ہونے کے قول کو قابل جرح

فرمایا۔ یہ جرح صفحہ ۱۷۵ سے ۱۸۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ہم نے مودودی صاحب کی تقلید میں نہیں، بلکہ مولانا حبیب احمد صاحب کیرانویؒ کی تفسیر ’’حل القرآن‘‘ اور دیگر دلائل کی روشنی میں یہ قول اختیار کیا۔

اور یہ بات کہ انہوں نے کھانا طلب کیا؟ طلب تو کیا، لیکن حضرت خضر علیہ السلام کا کھانا تناول فرمانا ثابت نہیں۔اس بات کی تائید حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت امام احمدؒ کے سفرِ حج کے ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ دورانِ سفر امام احمدؒ بہترین کھانا تناول فرماتے اور حضرت خضر علیہ السلام کھانا نہیں کھاتے۔

چنانچہ قاضی ابویعلی نے طبقات الحنابلہ میں امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ میں حاجیوں کو رخصت کرنے کے لیے قادسیہ تک گیا، میرے دل میں حج کا شدید شوق پیدا ہوا، ساتھ ہی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ میں کیسے حج کے لیے جاسکتا ہوں! میرے پاس سوائے اِن پانچ دراہم کے یا ان کپڑوں کے جن کی قیمت پانچ دراہم ہوسکتی ہے اور کچھ بھی نہیں، اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! آپ کا نام تو بڑا ہے؛ مگر نیت کمزور ہے، کیا آپ میرے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتے ہیں؟ امام احمدؒ نے ہاں میں جواب دیا اور اس شخص کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگئے۔ان کے پاس نہ کوئی کھانا تھا اور نہ کوئی مشروب تھا۔امام احمدؒ کہتے ہیں کہ کھانے کے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ فلاں جگہ سے کھانا اُٹھا کر لاؤ، میں ایک جگہ سے گرم گرم کھانا جس میں سبزیاں اور بہترین سوپ جس میں گوشت کی ہڈیاں گلی ہوئی تھیں اور گرم گرم روٹیوں کی چنگیری اور پانی کا مشکیزہ اُٹھا کر لایا، جب میں نے کھانا حاضر کیا تو وہ شخص نماز میں مشغول تھا، اس نے نماز کو مختصر کر کے کہا: تم کھاؤ؛ لیکن خود نہیں کھایا۔ جب میں نے بچا ہوا کھانا رکھنا چاہا تو اس نے کہا: یہ کھانا ذخیرہ نہیں کیا جاتا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پورے سفر میں اس شخص کا میرے ساتھ یہی معاملہ رہا کہ وہ مجھے بہترین کھانا کھلاتا رہا اور خود نہ کھاتا۔ نیز ہم لمبی مسافت تھوڑے وقت میں طے کرلیتے؛ یہاں تک کہ ہم نے حج مکمل کرلیا اور وہ شخص مجھے اسی جگہ پہنچا کر رخصت ہوگیا جہاں سے اس نے مجھے اپنے ساتھ لیا تھا۔ ملاحظہ ہو: (طبقات الحنابلۃ: ۱/۱۹۱-۱۹۲)۔

اس قصے کے راوی امام ابوالقاسم بغوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

أقول: اگر وہ خضر نہ تھے تو اتنے دن بغیر کھانے کے زندہ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اور ﴿ **آتیناہ رحمۃ من عندنا** ﴾ میں رحمت سے وحی مراد ہے جس کو علم لدنّی کہتے ہیں؛ ﴿ **وعلمنٰہ من لدنا علما** ﴾ [الکھف: ٦٥].

ان کو فرشتہ ماننے سے ان کی حیات کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا اور اولیا کے ساتھ ملاقات بھی قابل تعجب

نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ کشتی میں تختہ اُکھاڑ کر سوراخ کرنے کا تصرف حضرت خضر علیہ السلام نے کیا؛ لیکن کشتی سواروں نے اس ملکی تصرف کو نہیں دیکھا؛ ورنہ شور مچاتے اور پٹائی شروع کرتے۔ بچے کی گردن کو اس کے تن سے جدا کردیا؛ لیکن بچوں نے شور نہیں مچایا کہ ہمارے ساتھی کو قتل کیا۔ دیوار کو ہاتھ سے سیدھا کیا، جو فرشتے کے لیے بہت آسان تھا۔ ان کے ملک ہونے کے اور بھی بعض شواہد ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ محل نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان کا تا قیامت زندہ رہنے کا مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا؛ کیونکہ فرشتے تا قیامت زندہ رہیں گے۔

۵۔ دجال: دجال اصلاً تو جنی اور شیطان ہے؛ لیکن انسانوں کے ساتھ بہت مشابہ یعنی برزخ کی طرح ہے، جبیر بن نفیر، کثیر بن مرہ، ابونعیم شیخ الامام البخاری وغیرہ سے اس کا جنی ہونا مروی ہے۔ محمد رسول برزنجی نے لکھا ہے: " **وعليه فإما أنه شيطان موثق في بعض الجزائر، أوهو من أولاد شق الكاهن المشهور، أو شق نفسة وكانت أمه جنية عشقت أباه فأولدها شقاً** ". (الإشاعة لأشراط الساعة، ۱۸۹، المقام الاول فی اسمه ونسبه ومولده، دارالنمير دمشق).

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں سے کہیں گے کہ دجال کا مقابلہ کرو، تو وہ کہیں گے: یہ شخص جن ہے اس کا مقابلہ مشکل ہے۔ " **ثم ينزل عيسى بن مريم فينادى من السحر فيقول: يا أيها الناس! ما يمنعكم أن تخرجوا إلى الكذاب الخبيث؟ فيقولون: هذا رجل جنى** ...". الحديث. (مسند احمد، رقم: ۱۴۹۵۴.. قال الشيخ شعيب: اسناده صحيح على شرط مسلم).

اگر ایسا ہے تو مودودی صاحب کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ "لوگوں نے مختلف جزیروں کو دیکھا؛ لیکن دجال کا پتا نہیں"؛ اس لیے کہ جب اس میں جنات کا خلط ہے، یا جنی ہے تو اس کا تمیم داری رضی اللہ عنہ پر ظاہر ہونا خلافِ عادت ہوگا اور مخفی رہنا اصل ہے، ہاں قربِ قیامت میں چونکہ عجائبات کا ظہور بہت ہوگا تو دجال کا خروج ہوگا، اور بھی بہت سارے عجیب واقعات ظاہر ہوں گے۔

اگر اس کو جنی مشابہ بہ انسان مان لیا جائے تو اس کی شکل وصورت میں اختلاف روایات کا مسئلہ بھی بہ آسانی حل ہوجائے گا۔ اس کے بارے میں ۴۰/ ذراع اور قصیر دونوں روایات موجود ہیں، بعض روایات میں اعور عین یمنی ہے، اور بعض میں عین یسریٰ کا اعور ہونا ہے۔ اس کے ساتھ شیاطین کا لشکر ہوگا، یہ سب قرائن

بتلاتے ہیں کہ وہ اصلاً جنی ہوگا، کبھی ایک شکل میں اور کبھی دوسری میں ظاہر ہوگا، ہاں آنکھوں کے عیب کے ازالے پر قدرت نہیں رکھے گا، اور قربِ قیامت میں بالکل انسانوں کے بھیس میں ظاہر ہوکر خروج کرے گا، اور جن روایات میں دجال کا حضرت خضر علیہ السلام کو قتل کرنا، اور پھر دوبارہ قتل پر قدرت نہ ہونا مذکور ہے، اس سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دجال بھی برزخی مخلوق ہے اور حضرت خضر کو ابتداءً قتل کرے گا؛ لیکن آخر میں برزخ ملکی غالب آئے گا۔ دجال کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اس کے گدھے یعنی سواری کا ایک قدم تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا، گویا کہ ایک سیکنڈ میں ۸۲ کیلومیٹر مسافت طے کرے گا۔

بحرالکاہل میں شیطانی جزائر اور بحراوقیانوس میں برمودا، دوایسے مقامات ہیں جہاں متعدد بحری اور ہوائی جہاز لاپتہ ہوچکے ہیں، برمودا میں زیادہ اور شیطانی جزائر میں کم، اور وہاں متعدد اُڑن طشتریاں بھی دیکھی گئیں۔ سائنس دانوں نے ان دونوں جگہوں کی شعاؤں کو محفوظ کرلیا ہے، اور بقول ان کے اگر یہ شعائیں کسی کار میں ڈال دی جائیں تو اس کی رفتار لاکھوں گنا زیادہ ہوجائے گی، بہت ممکن ہے کہ ان میں سے ایک جگہ یعنی برمودا شیطان کا مرکز اور دارالامارۃ ہو اور اس پر شیطان نے اپنا شیطانی تخت بچھایا ہو، اور دوسری جگہ دجال کا جیل خانہ یا مستقر ہو۔ دجال کے حالات کی تفصیل کے لیے برادرم ابولبابہ شاہ منصور کی کتاب ''دجال'' لائق مطالعہ ہے۔

فائدہ: دجال کو مسیح بھی کہا جاتا ہے؛ **لأنه يمسح الأرض، يا ممسوح العين اليمنى**، اور دجال کو دجال اس لیے کہا جاتا ہے کہ **دجل** کے معنی **كذب، يا خلط الحق بالباطل** کے ہیں۔ (فتح الباری: ۶/ ۴۷۲، و۱۳/ ۹۱، والنهاية في غريب الحديث والاثر (م س ح). ومرقاة المفاتيح: ۱۰/ ۱۸۷، و۱۰/ ۱۸۴).

دجال کے معنی کا خلاصہ یہ ہے: باطل پر حق کی ملمع کاری اور پالش لگانا، اور حق کو چھپانا۔ دجال اپنے غلط سلط کاموں پر حق کی پالش لگا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا، دجال کے آنے سے پہلے دجال کی جماعت کے لوگوں کا بھی یہی طریقہ ہے کہ باطل پر حق کی پالش لگا کر باطل کو رواج دیتے ہیں۔ رافضیوں سے دوستی پر ان کے مخالف بیانات کی پالش، خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرنے کے باطل پر عرب کی دوستی اور حمایت کی پالش، مسلمانوں کو سودی قرضوں کے باطل پر امداد کی پالش، عرب کے وسائل پر قبضے کے باطل پر ان کے پاس نیوکلیر اسلحہ اور قذافی کے مظالم کی پالش لگاتے ہیں۔ نسوانی پردہ کو مٹانے پر حقوقِ نسوانی کی خلاف ورزی کا پلاستر، اپنے مظالم کو جاری رکھنے کے باطل پر مخالفین پر ٹیررسٹ (دہشت گردی) کے لیبل لگانے کا پلاستر، مسلم آبادی کو کم کرنے کے باطل پر فیملی پلاننگ کا مزین پردہ، گمراہی کی محفلوں کو سجانے کے باطل پر فنون لطیفہ کا حسین پردہ، اسی طرح دجال اپنے

معیوب جسم اور بعض خلافِ عادت کاموں پر اپنی خدائی اور حقانیت کی پالش اور پلاستر لگائیگا۔

۶۔ **دابة الأرض:** دابۃ الارض؛ جو جنات اور حیوانات میں برزخ کی طرح ہے، حیوانی شکل میں ظاہر ہوکر زمین سے نکلے گا۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ یہ اس وقت نکلے گا جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کردیں گے، اور قیامت قریب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نمل میں فرماتے ہیں: ﴿ **وإذا وقع القول عليهم أخرجنا لهم دابة من الأرض تكلمهم أن الناس كانوا بآيٰتنا لايوقنون** ﴾[النمل: ۸۲].

(اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔)

حدیث میں ہے کہ اس دابہ کے پاس خاتمِ سلیمان علیہ السلام اور عصائے موسیٰ علیہ السلام ہوگا۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ **مرفوعاً:" تخرج الدابة ومعها خاتم سليمان بن داود، وعصا موسى بن عمران".** (الحديث). (سنن الترمذی، رقم: ۳۱۸۷، وسنن ابن ماجه، رقم: ۴۰۶۶، وفي إسناده: علی بن زيد، وهو ضعيف، وشيخه أوس بن خالد مجهول). اور سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے باہر ایک بالشت جگہ دکھائی کہ یہاں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ (رقم: ۴۰۶۷) اس کی سند میں خالد بن عبید متروک و متہم بالوضع راوی ہے۔

زمین سے دابہ کا نکلنا، بات کرنا، اور اس کے پاس خاتمِ سلیمان علیہ السلام کا ہونا، یہ اس کے جنی ہونے کی طرف مشیر ہے، پھر اس کی شکل میں مختلف روایات کا آنا بھی عجائب میں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو جساسہ دجال کو دابۃ الارض قرار دیتے ہیں۔ صحیح روایات میں دابۃ الارض کی زیادہ تفصیلات موجود نہیں۔ شیخ محمد احمد کنعان لکھتے ہیں:" **والصحيح أنه لا دليل يعتمد عليه بخصوص هذا الدابة غير ماجاء مجملاً في القرآن الكريم**". (قرة العينين على تفسير الجلالين، ص ۵۰۴) اس لیے یہ ممکن ہے کہ دابۃ الارض جنات کی حیوانی شکل ہو کہ اے بدقسمت انسانو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو تم نے چھوڑ دیا اور ماننے کو بھی چھوڑ دیا، اور اکثر لوگ گمراہیوں میں غرق ہو چکے ہیں اب تم یقین سے بہت دور جا چکے ہو۔

اور یہ عجیب الخلقت متکلم جانور کثیر الشعر ہوگا۔ لوگ اس کی شکل سے خوفزدہ ہوں گے، اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ لوگوں پر اتمامِ حجت کا اعلان کرے گا، اور یہ قربِ قیامت کی علامت ہوگی۔ دین کی تبلیغ ودعوت

کے لیے آج کل بے شمار وسائل: ریڈیو، انٹرنیٹ وغیرہ موجود ہیں۔ اتمامِ حجت کے لیے عجیب الخلقت جانور کو بھی ظاہر کیا جائے گا۔ **إن كان هذا صواباً فمن الله ، وإن كان خطأ فمني ومن الشيطان .**

جساسہ کی وضاحت:

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں جساسہ کو "**دابة أهلب**"، یعنی بہت زیادہ بال والا کہا گیا ہے، اور یہ دجال کی "سی، آئی، ڈی" کی طرح ہے، **لأنه يتجسس الأخبار للدجال**، یعنی دجال کے لیے خبریں فراہم کرنا، بعض لوگوں نے اس کو قربِ قیامت میں ظاہر ہونے والا "**دابة الأرض**" کہا ہے اور صاحبِ بذل المجہود نے اس کو شیطان کی اقسام میں سے ایک قسم شمار کیا ہے۔ (بذل المجہود: ۱۲/ ۳۷۷، ط: دار البشائر الاسلامیۃ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ کون پڑھائے گا؟

سوال: بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھائیں گے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا کسی حدیث شریف میں اس کی صراحت یا اس کی طرف اشارہ موجود ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ احادیث کی ورق گردانی کے باوجود کسی حدیث میں یہ بات دستیاب نہیں ہوئی کہ حضرت مہدیؓ کی نمازِ جنازہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پڑھائیں گے، ہاں ابوداود شریف کی روایت میں فقط اتنی بات مذکور ہے کہ مسلمان ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ البتہ بعض علما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ ابوداود شریف کی روایت ملاحظہ کیجیے:

عن أم سلمةؓ زوج النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة فيأتيه ناس من أهل مكة...فيلبث سبع سنين ثم يتوفى ويصلي عليه المسلمون. قال أبو داود: قال بعضهم عن هشام " تسع سنين" وقال بعضهم:" سبع سنين". (رقم الحديث ،۴۲۸۶).

لیکن شیخ شعیب الارنؤوط نے اپنی تعلیقات میں لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

شیخ مرعی بن یوسف مقدسی حنبلی اپنی کتاب" **فرائد فوائد الفكر**" میں لکھتے ہیں: **قال: ذكر العلماء أن المهدى يستمر مع عيسىٰ عليه السلام إلى بيت المقدس، فيموت بها، ويصلي**

علیه هو ومن معه من المسلمین . (فرائدفوائدالفکر فی الامام المهدی المنتظر، ص ۳۳۳).

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ آثارِ قیامت میں لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ حضرت مہدیؓ کو سات سال عیسائیوں کے فتنہ کو پامال کرنے اور ملک میں عدل وانصاف قائم کرنے میں صرف ہوں گے، اور آٹھواں سال دجال سے جنگ وجدال میں گزرے گا اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گزرے گا، اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال ہوگی، اس کے بعد حضرت مہدیؓ کا وصال ہوجائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے اور آپ کو قبر میں اتاریں گے۔ (آثارِ قیامت، ص ۳۴)۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے حوالہ سے فتاویٰ حقانیہ میں بھی مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۱/۳۰۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا افضل الملائکہ ہونا:

سوال: یہ بات مشہور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام ملائکہ میں افضل ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کی کوئی دلیل موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو برائے مہربانی بتلادیں؟

الجواب: حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں میں افضل ہیں اور یہ بات قرآنِ کریم کی بہت ساری آیات اور احادیثِ کثیرہ سے مستفاد ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کچھ اشعار پڑھے، ان اشعار میں یہ بھی ہیں:

وجبریل رسول اللّٰه فینا ۞ و روح القدس لیس له کفاء

انہوں نے یہ اشعار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے، معلوم ہوا کہ ملائکہ میں حضرت جبرئیل کی مثال نہیں۔ یہ اشعار مسلم شریف جلد ثانی، ص، ۳۰۱، ط: قدیمی، باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں مذکور ہیں۔

طبرانی کبیر میں روایت ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم: ألا أخبرکم بأفضل الملائکة جبریل علیه السلام ... (المعجم الکبیر: ۱۱/۱۶۰/۱۱۳۶۱). **قال الهیثمی** (۲/۱۶۰): **فیه نافع أبوهرمز، وهو ضعیف .**

بخاری شریف میں ہے:

عن معاذ بن رفاعة الزرقی، عن أبیه ، و کان أبوه من أهل بدر، قال: جاء جبریل إلی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: ما تعدون أهل بدرفیکم قال: من أفضل المسلمین ، أو کلمة نحوها ، قال: و کذلک من شهد بدراً من الملائکة . (صحیح البخاری : ۲/ ۵۶۹).

بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے فرشتے دیگر فرشتوں سے افضل ہیں اور بدری فرشتوں کے امیر حضرت جبرئیل تھے،معلوم ہوا کہ وہ فرشتوں میں سب سے افضل ہیں۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے چند روایات نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غزوۂ بدر میں پیش پیش تھے۔ملاحظہ ہو: (فتح الباری:۷/۳۱۳، باب شهود الملائکة بدراً)۔

بخاری شریف کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب ہیں بہ نسبت دیگر فرشتوں کے۔

عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا أحب اللّٰه العبد نادی جبریل إن اللّٰه یحب فلاناً فأحببه فیحبه جبریل فینادی جبریل في أهل السماء إن اللّٰه یحب فلاناً فأحبوه فیحبه أهل السماء ثم یوضع له القبول فی الأرض . (صحیح البخاری:۲/ ۸۹۲).

اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام جس طرح انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی لانے والے رسولِ امین ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان بھی قاصد ہیں۔

نیز معراج سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت جبریل نے فرمائی۔ أخرج أبو داود والترمذي أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أمني جبریل علیه السلام عند البیت مرتین . الخ .

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی فضیلت میں بعض آیاتِ کریمہ ملاحظہ کیجیے:

(۱) قل من کان عدواً لجبریل فإنه نزله علی قلبک بإذن اللّٰه مصدقاً لما بین یدیه وهدی وبشری للمؤمنین . [البقرة: ۹۷].

(۲) اللہ تعالیٰ نے عام فرشتوں کے تذکرہ کے بعد بطورِ خاص حضرت جبریل کا تذکرہ فرمایا:

من کان عدواً للّٰه وملائکته ورسله وجبریل ومیکال فإن اللّٰه عدو للکافرین. (البقرة:۹۸)،

(۳) تنزل الملائكة والروح فيها . (القدر:۴)،

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی عمدہ صفات بیان فرمائی:

إنه لقول رسول كريم ذى قوة عند ذى العرش مكين ، مطاع ثم أمين . (التكوير: ۲۱).

وقال تعالىٰ : وإنه لتنزيل رب العلمين ، نزل به الروح الأمين . (الشعراء:۱۹۵).

وقال: علمه شديد القوى ، ذومرة، فاستوى ، وهو بالأفق الأعلى . (النجم :۷).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آتش فشاں سے پتھر یا راکھ لانے کا حکم:

سوال: دنیا میں جگہ جگہ آتش فشاں پھٹتا ہے، اور وہاں سے آگ نالی کی طرح بہتی ہے، بعض لوگ وہاں سے پتھر یا راکھ وغیرہ لاتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عذاب والی جگہ ہے یہاں سے کچھ نہیں لینا چاہیے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: آتش فشاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے یہ معذب بستیوں کا عذاب نہیں ہے، اور قوموں پر جو عذاب نازل کیے گئے وہ عذاب لوگوں کو ہلاک کرنے والا تھا، آتش فشاں ایسا نہیں، مدینہ منورہ کے اردگرد زمین کو لابۃ سے تعبیر کیا گیا ہے؛ بخاری میں ہے: ”حُرِّمَ ما بين لابتى المدينة على لسانى “۔

اور لغت میں حرۃ اور لابۃ آتش فشاں کے بعد اس کے جمے ہوئے کالے پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں؛

و الحرة أرض بركانية و جمعها حرار، يقال لها : اللابة واللوبة وقد تكونت من فعل البراكين ، ويشاهد منها نوعان : نوع يتألف من فجوات البراكين نفسها ، ونوع يتألف من حممها اللابة[Lava] التي كانت تقذفها فتسيل على جوانب الفتحة،ثم تبرد وتتفتت بفعل التقلبات الجوية. . .الخ. للمزيد راجع؛(مكة والمدينة فى الجاهلية وعهد الرسول صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۵، للشيخ احمد ابراهيم الشريف ط:دارالفكر العربى).

وينظر للمزيد:(لسان العرب : ۲/۲۴۲، ۱۰/۱۸۲،والقاموس :۳/۷۸،والمصباح المنير :۲/۷۲۹).

مذکورہ عبارت میں براکین برکان کی جمع ہے اور برکان آتش فشاں کو کہتے ہیں۔ انظر : (معجم تصحيح لغة الاعلام العربى). اور مدینہ منورہ کے اطراف کی زمینیں ایسی ہی ہیں اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال سے منع نہیں فرمایا۔

نیز فقہ کا قاعدہ ہے: " الأصل في الأشياء الإباحة " یعنی اشیاء میں اصل اس کا مباح اور جائز الاستعمال ہونا ہے۔ زمین سے نہ جانے کتنی دھاتیں اور کانیں نکلتی ہیں اور استعمال میں آتی ہیں، جنگل کی لکڑیاں ہر کوئی جمع کرتا ہے، اسی طرح آتش فشاں کے پتھروں کو استعمال میں لانا جائز ہے، یہ سب مباح الاصل ہیں۔

آتش فشاں کی چند قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم وہ ہے جس میں صرف آگ بہتی ہوئی نالی کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، یہ قسم زیادہ تر نقصان دہ نہیں ہوتی، اور یہ قسم بحرالکاہل کے ایک خوبصورت جزیرے کے ایک پہاڑ میں زیادہ ہے، نیز ریونین کے پہاڑ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کے آتش فشاں کے بعد سبزی اور شادابی زیادہ ہوتی ہے۔ اور آتش فشاں کی جمی ہوئی آگ کی نالیوں میں ایک قسم کا پھول ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس میں ایک قسم کا مادہ پھٹتا ہے، اس کے گیس اور پتھر کے ریزوں سے فضا ملوث ہوجاتی ہے، اور بسا اوقات اتنا کثیر ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز کی پرواز بھی مشکل ہوجاتی ہے۔ نیز آتش فشاں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کبھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، چنانچہ آج تک اس کے پھٹنے سے تقریباً دولاکھ افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔

آتش فشاں کے فوائد: (۱) اس کے پتھروں میں سے کبریت (یعنی گندھک) برآمد ہوتا ہے، جو بے شمار چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (۲) اس کے ذریعہ تھرمل اور بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ (۳) اس کے پتھروں میں بہت قیمتی معدنیات (جیسے: سونا، چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ) ہوتے ہیں۔ (۴) اس کے پتھر بہت سی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، اور تعمیرات میں استعمال ہوتے ہیں۔ (۵) دنیا کے بعض حسین وجمیل مناظر اور قدرتی باغات اسی کے مرہونِ منت ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات درجِ ذیل کتب سے مستفاد ہیں: (الموسوعة العربية العالمية اول واضخم عمل من نوعه وحجمه ومنهجه في تاريخ الثقافة العربية الاسلامية . وعمل موسوعي ضخم اعتمدفي بعض اجزائه على النسخة الدولية من دائرة المعارف، world Book international، تحت مادة "بركان").

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: ریونین ایک پہاڑی علاقہ ہے، اور یہاں ایک آتش فشاں ہے جو بہت دور تک پھیلا ہوا ہے، اس کے قریب بہت سے جلے پتھر پڑے ہیں جو وزن میں ہلکے ہوتے ہیں اور ان کا استعمال بہت سی جگہوں میں

ہوتا ہے، سینٹ لوئیس کے قبرستان کے اندر جو آمدورفت کا راستہ ہے وہاں کیچڑ نہ ہواس لیے یہ پتھر وہاں ڈالتے ہیں، بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ پتھر دوزخ کے پتھروں کی مثال ہے۔اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ (۲) اوپر کے سوال میں درج پتھروں کا استعمال یہاں کے بہت سے مسلمان اپنے مکانوں میں فیشن سمجھتے ہوئے ایک چھوٹا سا آتش فشاں بنواتے ہیں، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) قبرستان کے اندر لوگوں کے چلنے کا جو راستہ ہے اس کو پختہ کرنے کے لیے یہ پتھر لگائے جاسکتے ہیں، قبر کے اندر اور قبر کے اوپر لگانا منع ہے۔(۲) مباح ہے، بنا سکتے ہیں، لیکن فضولیات سے بچنا بہتر ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۴۸۳/۵، ط: مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دورہ کے لیے مشہور مدرسہ میں جانے کا حکم:

سوال: بعض طلباء کسی چھوٹے مدرسہ میں ابتدا سے ہدایہ یا مشکوٰۃ تک تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر موقوف علیہ یا دورہ کے لیے کسی بڑے مدرسہ میں کسی مشہور شخصیت کے پاس جاتے ہیں تو سابقہ مدرسہ کے بعض اساتذہ یا مہتمم صاحب ان کو عاق گردانتے ہیں اور ناراض ہوجاتے ہیں، اس صورت میں طالبِ علم کے لیے جانا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ کام نافرمانی میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ طالبِ علم کے لیے دوسرے مدرسہ میں جانا درست ہے اور یہ نافرمانی میں داخل نہیں ہے۔درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر:

(۱) سابقہ اساتذہ یا مہتمم کا منع کرنا مشورہ کے درجہ میں ہے اور مشورہ کا قبول کرنا واجب نہیں ہے، یہ حکمِ شرعی نہیں ہے۔جیسے حضرت بریرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ قبول نہیں فرمایا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام ناراض نہیں ہوئے۔بخاری شریف میں ہے: **قال النبي صلى الله عليه وسلم لو راجعته قالت: يارسول الله! تأمرني، قال: إنما أنا أشفع قالت: فلا حاجة لي فيه.** (صحيح البخاري، رقم: ۵۲۸۳، باب شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم في زوج بريرة).

(۲) طالبِ علم کے لیے استاذ باپ کے درجہ میں ہے اور باپ کے ایسے حکم کو جس میں نہ باپ کو کوئی ضرر ہو نہ بیٹے کا کوئی نقصان ہو ماننا واجب نہیں ہے۔اسی طرح اگر والد خلافِ اولیٰ یا خلافِ مستحب کا حکم کرے تب بھی ماننا ضروری نہیں، استاذ بھی اسی طرح ہے۔اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین

سے مال آیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ کے چچا تھے اور حدیث میں ہے: "العم صنو أبيه" (مسلم شریف، رقم: ۹۸۳) تشریف لائے اور مال کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا لے لو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اتنا لیا کہ اٹھا نہ سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کسی کو حکم دیجیے کہ میرے کندھے پر ڈال دے آپ نے منع فرمایا، پھر عرض کیا: آپ خود میرے کندھے پر رکھ دیجیے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے مگر اس کے باوجود آپ نے حکم نہیں مانا کیونکہ اتنا سارا مال لینا اولیٰ اور بہتر کام نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں روایت ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بمال من البحرين فقال: انثروه في المسجد وكان أكثر مال أتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم... إذ جاءه عباس رضي الله عنه، فقال: يارسول الله! أعطني فإني فاديت نفسي وفاديت عقيلاً فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذ فحثا في ثوبه ثم ذهب يقله فلم يستطع فقال: يارسول الله! مر بعضهم يرفعه إلي، قال: لا، قال: فارفعه أنت علي، قال: لا، فنثر منه ثم ذهب يقله فقال: يارسول الله! مر بعضهم يرفعه علي، قال: لا، قال: فارفعه أنت علي، قال: لا، فنثر منه ثم احتمله فألقاه على كاهله ثم انطلق فما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يتبعه بصره حتى خفي علينا عجباً من حرصه. (صحيح البخاري: ۱/۶۰، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد، ط: فيصل).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الہندیۃ: ۳/۱۳۶، وبہشتی زیور: ۱۱/ ۱۴۸، دارالاشاعت، واحسن الفتاویٰ: ۸/۱۸۱)۔

نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منع کیا تھا کہ کمزور غلاموں پر مال خرچ نہ کرے لیکن انہوں نے نہیں مانا، اور ہمیشہ خرچ فرمایا۔ ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں روایت ہے:

عن عبد الله بن الزبير رضي الله عنه قال: قال أبو قحافة لأبي بكر: أراك تعتق رقاباً ضعافاً فلو أنك إذ فعلت ما فعلت اعتقت رجالاً جلداً يمنعونك ويقومون دونك فقال أبو بكر: يا أبت إني إنما أريد ما أريد لما نزلت هذه الآيات فيه: فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى... هذا حديث صحيح على شرط مسلم. (المستدرك للحاكم: ۲/۵۲۵/ ۳۹۴۲).

(۳) فقہاء نے ایک مرشد کے بعد دوسرے مرشد سے بیعت کو جائز لکھا ہے اگرچہ پہلا مرشد بظاہر ناراض ہوتا ہوگا، لیکن اگر پہلا مدرسہ بہتر ہو یا دونوں برابر ہوں تو پھر استاذ کا حکم مان لیں اس میں برکت ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

رجل من الصوفية أخذ العهد على رجل ثم اختار الرجل شيخاً آخر وأخذ عليه العهد فهل العهد الأول لازم أم الثاني ؟

الجواب : لا يلزمه العهد الأول ولا الثاني ولا أصل لذلك . (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۶۹/۲). (وكذا في الحاوى للفتاوى للامام السيوطى : ۳۷۲/۱. ونقل عنه الشامي في تنقيح الفتاوى الحامدية).

(۴) امام مسلمؒ اپنے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہلی سے بعض وجوہات کی بنا پر ناراض ہوگئے تھے اور ان کی مرویات کو واپس کردیا تو امام مسلم عاق نہیں ہوئے، تو اگر تلمیذ استاذ کی جگہ دوسرے معلم کو اختیار کرلے تو کیسے عاق شمار ہوگا؟ ملاحظہ ہو حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

قال الخطيب: وقد وقع بين البخارى ومحمد بن يحيى الذهلي في مسألة اللفظ بالقرآن في نيسابور، وكيف نودى على البخارى بسبب ذلك بنيسابور، وأن الذهلي قال يوماً لأهل مجلسه وفيهم مسلم بن الحجاج : ألا من كان يقول بقول البخاري في مسألة اللفظ بالقرآن فليعتزل مجلسنا . فنهض مسلم من فوره إلى منزله ، وجمع ما كان سمعه من الذهلي جميعه وأرسله إليه وترك الرواية عن الذهلي بالكلية فلم يرو عنه شيئاً لا في صحيحه ولا في غيره ، واستحكمت الوحشة بينهما. هذا ولم يترك البخارى محمد بن يحيى الذهلي بل روى عنه في صحيحه وغيره وعذره رحمه الله . (البداية والنهاية: ۴۱/۱۱، الإمام مسلم ، ط:دار المعرفة بيروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دائمی صحت پر اشکال اور جواب:

سوال: الحمدللہ میری صحت بہت اچھی ہے، کبھی کوئی خاص بیماری لاحق نہیں ہوئی مگر میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ جو شخص کبھی بیمار نہ ہوتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ناپسندیدہ بندہ ہے، اس وعید سے مجھے کبھی ڈر لگتا ہے، یہ درست ہے کہ بیماری کفارۂ سیئات ہے لیکن صحت کا شکریہ بھی عبادت اور سعادت ہے، اب آپ میرا خلجان دور

کیجیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہمیشہ تندرست اور صحتمند رہنے کی مذمت میں دو تین روایات مذکور ہیں: (۱) پہلی روایت میں صرف اتنی بات ہے کہ جو کبھی کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا وہ ہمارے طریقہ پر نہیں، یعنی ہمارے مشابہ نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر ابتلاءات اور آزمائشیں آتی ہیں، اس میں صحت کی مذمت نہیں۔

دوسری روایت میں یہ آیا ہے: " **لو أن اللّٰه ابتلاه بمرض يكفر به من سيئاته** " میں بیماری کے کفارۂ سیئات ہونے کا بیان ہے اور روایت بھی مرسل ہے۔

تیسری روایت یوں ہے: " **إن اللّٰه يبغض العفريت النفريت الذي لا يرزأ في ولده ولا يصاب في ماله** ".

اس روایت میں واقعی صحت اور خوشحالی کی مذمت ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت جب کسی امام سے مروی نہ ہو تو راجح قول کے مطابق مقبول نہیں، اس کے بالمقابل صحت اور تندرستی اور خوشحالی پر شکر ادا کرنے والے کی حوصلہ افزائی اور تعریف ہے اس لیے یہی روایات راجح ہیں۔

پہلی روایت ملاحظہ ہو: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن المؤمن إذا أصابه السقم ثم أعفاه اللّٰه منه كان كفارة لما مضى من ذنوبه وموعظة له فيما يستقبل وإن المنافق إذا مرض ثم أعفى كان كالبعير عقله أهله ثم أرسلوه فلم يدر لِمَ عقلوه ولم يدر لِمَ أرسلوه، فقال رجل ممن حوله يا رسول الله! وما الأسقام والله ما مرضت قط، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قم عنا فلست منا...** (سنن ابی داود، رقم: ۳۰۹۱).

قلت: إسناده ضعيف. قال المنذری: في إسناده راوٍ لم يسم.

دوسری روایت ملاحظہ کیجیے: **وعن يحيى بن سعيد قال: إن رجلاً جاءه الموت في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رجل: هنيئاً له مات ولم يبتل بمرض فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ويحك وما يدريك لو أن الله ابتلاه بمرض يكفر به من سيئاته. رواه مالك مرسلاً.** (المؤطا للامام مالک، ص ۷۲۰، باب ماجاء فی اجر المریض).

تیسری روایت ملاحظہ ہو:

عن أبي عثمان النهدي قال: دخل على النبي صلى الله عليه وسلم أعرابي جسيم أو

جسمان عظيم فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: متى عهدك بالحمى ؟ قال: لا أعرفها قال: فالصداع؟ قال: لا أدري ما هو، قال: فأصبت بمالك؟ قال: لا، قال: فرزيت بولدك؟ قال: لا ، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: إن الله يبغض العفريت النفريت الذي لايزرأ في ولده ولا يصاب في ماله. (مسند الحارث ،ص ۳۷۹، رقم:۲۴۷). یہ مرسل روایت ہے۔

صحیح ابن حبان میں روایت ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: دخل أعرابي على النبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أخذتك أم ملدم ؟ قال: وما أم ملدم ؟ قال: حر يكون بين الجلد واللحم ، قال: وما وجدت هذا قط قال: فهل وجدت هذا الصداع ؟ قال: وما الصداع قال: عرق يضرب على الإنسان في رأسه قال: وما وجدت هذا قط فلما ولى قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحب أن ينظر إلى رجل من أهل النار فلينظر إلى هذا. (رواه ابن حبان فى صحيحه ، رقم: ۲۹۱۶).

قال أبوحاتم: قوله صلى الله عليه وسلم: من أحب أن ينظر إلى رجل من أهل النار فلينظر إلى هذا ، لفظة إخبار عن شيء مرادها الزجر عن الركون ألى ذلك الشيء وقلة الصبر على ضده وذلك أن الله جل وعلا جعل العلل في هذه الدنيا والغموم والأحزان سبب تكفير الخطايا عن المسلمين فأراد صلى الله عليه وسلم إعلام أمته أن المرء لا يكاد يتعرى عن مفارقة ما نهى الله عنه في أيامه ولياليه وإيجاب النار له بذلك إن لم يتفضل عليه بالعفو فكان كل إنسان مرتهن بما كسبت يداه والعلل تكفر بعضها عنه فى الدنيا لا أن من عوفي في هذه الدنيا يكون من أهل النار. قال الشيخ شعيب الأرنووط: إسناده حسن. (صحيح ابن حبان :۱۷۸/۷).

خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں صحت وعافیت کی مذمت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ امت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ یہ دنیا ہموم واحزان اور مصائب وپریشانیوں کا گھر ہے، یہاں مصیبتیں آتی ہی ہیں، اور ہر مصیبت پر مومن کو اللہ جل شانہ کی طرف سے گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا تحفہ ملتا ہے، لہٰذا گھبرانے اور جزع فزع کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آگے آنے والی روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد عافیت کامل جانا بہت بڑی نعمت ہے، ہاں جس کی زندگی میں ایمان وصلاح نام کی کوئی چیز نہ ہو اس کے لیے عافیت بڑی نقمت ہے۔

انبیائے کرام پر مصائب اورابتلاءات زیادہ آتی ہیں۔ ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن مصعب بن سعيد عن أبيه قال: يارسول اللّٰه ! من أشد الناس بلاء ؟ قال: الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى العبد على حسب دينه فما يبرح البلاء بالعبد حتى يدعه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة . (اخرجه ابن حبان فی صحیحه،رقم: ۲۹۰۰، والترمذی،رقم: ۲۳۹۸).

قال الإمام الترمذی:هذا حديث حسن صحيح ، وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن .

صحت وعافیت سے متعلق چندروایات ملاحظہ کیجیے:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس؛ الصحة والفراغ . (صحيح البخاری،رقم: ۶۴۱۲).

(۲) عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن رجلاً جاء إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يارسول اللّٰه ! أى الدعاء افضل ؟ قال: سل ربك العافية والمعافاة فى الدنيا والآخرة ثم أتاه فى اليوم الثاني فقال: يارسول اللّٰه ! أى الدعاء أفضل؟ فقال له: مثل ذلك ثم أتاه فى اليوم الثالث فقال له مثل ذلك قال: فإذا أعطيت العافية فى الدنيا وأعطيتها فى الآخرة فقد أفلحت. قال الإمام الترمذي: هذا حديث حسن غريب . (سنن الترمذی،رقم: ۳۵۱۲).

وأخرجه الإمام أحمد في مسنده رقم: ۱۲۲۹۱، وقال الشيخ شعيب: حسن لغيره ، وهذا إسناد ضعيف لضعف سلمة بن وردان المدني .

(۳) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما سئل اللّٰه شيئاً أحب إليه من العافية . (رواه الترمذی ،۵۳۴۸) . **وفيه عبد الرحمن بن أبي بكر المليكى وهو ضعيف .**

(۴) إن معاذ بن رفاعة أخبره عن أبيه قال: قام أبوبكر الصديق على المنبر ثم بكى فقال: قام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عام الأول على المنبر ثم بكى فقال: سلوا اللّٰه العفو والعافية فإن أحداً لم يعط بعد اليقين خيراً من العافية . (رواه الترمذی،رقم:۳۵۵۸).

وأخرجه أحمد في مسنده (رقم : ۳۴) **وقال الشيخ شعيب: إسناده صحيح .**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر صحت وعافیت کی مختلف دعائیں فرمائی، جواحادیث کے صفحات پر محفوظ

ہیں؛ چند حسبِ ذیل مرقوم ہیں:

وعن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، **عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان يكثر الدعاء، يقول: اللّٰهم إني أسألك الصحة والعفة، والأمانة، وحسن الخلق، والرضا بالقدر.** (شعب الايمان ،رقم: ۸۱۸۱).

قال الهيثمي: رواه الطبراني والبزار، وفيه عبد الرحمن بن زياد بن أنعم، وهو ضعيف الحديث، وقد وثق وبقية رجال أحد الإسنادين رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: باب الأدعية المأثورة). **وأخرجه أيضاً: البخارى فى الأدب المفرد** (رقم:۳۰۷).

وعن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: اللّٰهم عافني في جسدي وعافني في بصري واجعله الوارث مني لا إله إلا اللّٰه الحليم الكريم سبحان اللّٰه رب العرش العظيم الحمد للّٰه رب العالمين. هذا حديث صحيح الإسناد إن سلم سماع حبيب من عروة ولم يخرجاه. (المستدرک للحاکم: ۱/۵۲۹/۱۹۴۱).

وعن جبير بن أبي سليمان بن جبير بن مطعم قال: سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہ **يقول: لم يكن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يدع هؤلاء الدعوات حين يمسى وحين يصبح ؛" اللّٰهم إني أسألك العافية فى الدنيا والآخرة، اللّٰهم إني أسألك العفو والعافية في ديني ودنياي وأهلي و مالي، اللّٰهم استر عورتي، وقال عثمان** (ابن ابی شيبة) **" عوراتي وآمن روعاتي اللّٰهم احفظني من بين يدي ومن خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي وأعوذ بعظمتك أن اغتال من تحتي.** (سنن أبي داود، رقم:۵۰۷۶). **وأخرجه ابن حبان في صحيحه** (۹۶۱) **وقال الشيخ شعيب: إسناده حسن.** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آخری دور میں امتِ مسلمہ پر مصائب کی پیشین گوئیاں:

سوال: حضرت مفتی صاحب آپ سے ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں؛ میرے دوست نے مجھے کہا کہ آخری زمانہ میں اِس امت کا حال بہت برا ہوگا، حتی کہ ہرطرف سے دشمن اس پر حملہ آور ہوگا۔ اس کے بارے میں جو روایات اور احادیث مروی ہیں، میں ان کو جاننا چاہتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آخری دور میں امتِ مسلمہ پر شدائد اور مصائب کے بارے میں کچھ احادیث مروی ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آخری زمانہ میں امتِ مسلمہ میں کوئی خیر ہی نہیں رہے گی بلکہ اس کے برخلاف دیگر روایات بھی مروی ہیں جن میں امتِ مسلمہ کی ترقی اور خیر کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔

پہلے وہ روایات ملاحظہ کیجیے جن میں شدائد اور مصائب کا تذکرہ ہے:

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إنه تصیب أمتي في آخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ینجو منه إلا رجل عرف دین اللّٰہ فجاهد علیه بلسانه ویده وقلبه فذلک الذي سبقت له السوابق و رجل عرف دین اللّٰہ فصدق به و رجل عرف دین اللّٰہ فسکت علیه فإن رأی من یعمل الخیر أحبه علیه وإن رأی من یعمل بباطل أبغضه علیه فذلک ینجو علی ابطانه کله. (مشکاۃ المصابیح: ۴۳۸/۲، باب الامر بالمعروف، ط: قدیمی)۔ **أخرجه الإمام البیهقي في شعب الإیمان، رقم: ۷۱۸۱ . إسناده ضعیف .**

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کو آخری زمانہ میں اپنے حکمرانوں کی طرف سے سختیاں اور بلائیں پہنچے گی، اور ان سختیوں سے نجات پانے والا اول تو وہ شخص ہوگا، جو خدا کے دین کو سمجھ کر دین کی سربلندی کے لیے اپنی زبان، ہاتھ اور دل کے ذریعہ جہاد کرے گا، پس یہ وہ شخص ہوگا جو کمالِ ایمان، اجر وثواب اور دنیا وآخرت کی سعادتوں کو پہنچے گا۔ اور دوسرا وہ شخص ہوگا جو خدا کے دین کو سمجھ کر دین کی تصدیق کرے گا، اور اس کو اچھا جانے گا۔ اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو خدا کے دین کو سمجھ کر سکوت اختیار کرے گا، کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوگا اور پسند کرے گا اور برا کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے نفرت کرے گا، پس یہ شخص بھی اپنی پوشیدہ تدبیر پر نجات پا جائے گا۔

(۲) عن عمیر بن هانئ العنسی قال: سمعت عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ یقول: کنا قعوداً عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فذکر الفتن فأکثر في ذکرها حتی ذکر فتنة الأحلاس فقال قائل: یا رسول اللّٰہ ! وما فتنة الأحلاس ؟ قال: هي هرب وحرب ثم فتنة السراء دخنها من تحت قدمی رجل من أهل بیتي یزعم أنه مني ولیس مني وإنما أولیائی المتقون ثم یصطلح الناس علی رجل کورک علی ضلع ثم فتنة الدهیماء لا تدع أحداً من هذه الأمة إلا لطمته لطمة فإذا قیل: انقضت تمادت، یصبح الرجل فیها مؤمناً ویمسی کافراً حتی یصیر

الناس إلى فسطاطين فسطاط إيمان لا نفاق فيه وفسطاط نفاق لا إيمان فيه فإذا كان ذاكم فانتظروا الدجال من يومه أومن غده . (سنن ابی داود،رقم: ۴۲۴۲، باب ذکر الفتن ودلائلها).

قال الشيخ شعيب: رجاله ثقات رجال الصحيح غير العلاء بن عتبة فقد روى له أبوداود ۴۲۴۲، هذا الحديث ووثقه ابن معين والعجلي وقال ابوحاتم: شيخ صالح الحديث وذكره ابن حبان وابن شاهين في الثقات. (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمد، رقم: ۶۱۶۸).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والے) فتنوں کا ذکر شروع فرمایا اور بہت سارے فتنوں کو بیان کیا، یہاں تک کہ فتنہ احلاس کا ذکر شروع فرمایا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ فتنہ احلاس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بھاگ دوڑ اور جنگ وقتال ہے۔ پھر فتنہ سراء ہوگا، اس فتنہ کی تاریکی اور تباہی کا سبب وہ شخص ہوگا جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا، اس شخص کا گمان تو یہ ہوگا کہ وہ میرے اہل بیت میں سے ہے، لیکن در حقیقت وہ میرے اپنوں میں سے نہ ہوگا، بالیقین میرے دوست اور میرے اپنے لوگ وہ ہیں جو پرہیزگار ہوں، بعدازاں لوگ ایک ایسے شخص کی بیعت پر اتفاق کرلیں گے جو پسلی کے اوپر کولہے کی مانند ہوگا، (یعنی غیر اہل کو امیر بنانے کی طرف اشارہ ہے) پھر فتنہ دہیماء رونما ہوگا؛ یہ فتنہ امت میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گا جس پر اس کا طمانچہ نہ لگا ہو، (یعنی یہ فتنہ عالم گیر ہوگا اس کی زد سے کوئی محفوظ نہیں رہیگا)، جب پوچھا جائے گا کہ فتنہ ختم ہو چکا تو اور طول پکڑلے گا، اُس وقت آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اُٹھے گا اور شام کو کافر ہوجائیگا اور یہ صورتِ حال جاری رہے گی تا آنکہ لوگ دو خیموں میں تقسیم ہوجائیں گے: ۱۔ ایک خیمہ ایمان کا ہوگا کہ اس میں نفاق نہیں ہوگا، ۲۔ اور دوسرا خیمہ نفاق کا ہوگا کہ اس میں ایمان نہیں ہوگا، پس جب یہ صورتِ حال ظاہر ہوجائیگی تو اس دن یا اگلے دن دجال ظاہر ہونے کے انتظار میں رہنا۔

(۳) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذٍ قال: بل أنتم يومئذٍ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن اللّٰه من صدوركم المهابة منكم وليقذفن اللّٰه في قلوبكم الوهن . فقال قائل: يارسول اللّٰه ! وما الوهن قال: حب الدنيا و كراهية الموت. (سنن ابی داود، رقم: ۴۲۹۷). قال الشيخ شعيب: إسناده حسن. وهذا اسناد ضعيف

لجهالة أبي عبد السلام. واسمه صالح بن رستم . (التعليقات على سنن ابی داود: ۶/۳۵۵/۴۲۹۷).

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ کفر وضلالت سے بھرپور لوگوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے اور تمہاری شان و شوکت کو مٹانے کے لیے بلائیگا، جیسا کہ کھانے کے دستر خوان پر جمع ہونے والے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کھانے کے قاب کی طرف متوجہ کرتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا! کیا اُس وقت تعداد میں ہم کم ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری تعداد تو اُس وقت بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے پانی کے جھاگ کی سی ہوگی، اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اور ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا فرمادے گا۔ کسی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہن کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری۔

(۴) عن سعد رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بمسجد بني معاوية دخل فركع فيه ركعتين وصلينا معه ودعا ربه طويلاً ثم انصرف فقال: سألت ربي ثلاثاً فأعطاني ثنتين ومنعني واحدة ،سألت ربي أن لا يهلك أمتي بالسنة فأعطانيها وسألته أن لا يهلك أمتي بالغرق فأعطانيها وسألته أن لا يجعل بأسهم بينهم فمنعنيها . (رواه مسلم، ۲۸۹۰).

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بنی معاویہ کی مسجد کے قریب سے ہوا تو آپ مسجد میں تشریف لائے، اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، ہم بھی آپ کے ساتھ شریکِ نماز ہوئے، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی دعا فرمائی، فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے تین چیزیں مانگی، ان میں سے دو چیزیں مل گئیں، اور ایک سے منع کر دیا گیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت قحط سالی میں ہلاک نہ ہو جائے، یہ دعا قبول ہوئی، دوسری درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری امت کو پانی میں غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے، یہ بھی منظور ہوئی، تیسری درخواست یہ کی تھی کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہ کریں، یہ درخواست قبول نہیں ہوئی۔

(۵) عن عبد الرحمن بن عبد رب الكعبة قال: سمعت عبد الله بن عمرو يحدث في ظل الكعبة قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فمنا من ينتضل ومنا من هو

في مجشره ومنا من يصلح خباءه إذ نودى بـ " الصلاة جامعة " فاجتمعنا فإذا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب يقول: لم يكن قبلي نبي إلا كان حقاً على اللّٰه أن يدل أمته على ما هو خير لهم وينذرهم ما يعلم أنه شر لهم وأن هذه الأمة جعلت عافيتها في أولها وسيصيب آخرها بلاء فتجيء فتنة المؤمن فيقول: هذه مهلكتي ثم تجيء فيقول: هذه مهلكتي ثم تنكشف فمن أحب منكم أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتدركه منيته وهو يؤمن باللّٰه واليوم الآخر وليأت الذي يحب أن يؤتى إليه . الحديث. (صحيح ابن حبان،رقم: ٥٩٦١). **قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم .**

اس روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ آخری زمانہ میں امت مصائب اور فتن کا شکار ہوگی۔

مذکورہ بالا روایات سے ناامید اور پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں امتِ مسلمہ کی بہتری اور دین پر قائم رہنے کی بشارتیں بھی ارشاد فرمائی ہیں:

ا۔ عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: " مثل أمتي مثل المطر لايدرى أوله خير أو آخره. (رواه الترمذی، رقم: ٢٨٦٩، وقال: هذا حديث حسن غريب من هذاالوجه).

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا حال بارش کی طرح ہے، جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔

۲۔ عن جعفر عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"أبشروا وأبشروا إنما مثل أمتي مثل الغيث لا يدرى آخره خير أم أوله أو كحديقة أطعم منها فوج عاماً ثم أطعم منها فوج عاماً لعل آخرها فوجاً أن يكون أعرضها وأعمقها عمقاً وأحسنها حسناً كيف تهلك أمة أنا أولها والمهدى وسطها والمسيح آخرها ولكن بين ذلك فيج أعوج ليسوا مني ولا أنا منهم . رواه رزين. (مشكاة المصابيح: ٢/٥٨٣،ط: قديمى).

ترجمہ: حضرت جعفر اپنے والد (محمد باقر) سے اور اپنے دادا (علی زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خوشخبری حاصل کرلو! خوشخبری حاصل کرلو! میری امتِ اجابت کی مثال بارش کی مانند ہے، جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کا آخر بہتر ہے یا اول، یا میری امت کی مثال ایک باغ کی مانند ہے، جس سے ایک سال ایک جماعت نے کھایا اور دوسرے سال ایک جماعت نے کھایا، ممکن ہے

وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے کھایا ہے چوڑائی اور گہرائی میں پہلی کے مقابلہ میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہو، بھلا وہ امت کیونکر ہلاک ہوسکتی ہے جس کا اول میں ہوں، اور درمیان مہدی ہوں گے اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ ہاں ان کے درمیان میں ایک کج رو جماعت پیدا ہوگی، اس جماعت کے لوگ میرے طریقہ پر نہیں ہوں گے اور میں بھی ان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔

۳۔ عن عبد الرحمن بن العلاء الحضرمي قال: حدثني من سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إنه سيكون في آخر هذه الأمة قوم لهم مثل أجر أولهم يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقاتلون أهل الفتن. (اخرجه البيهقى فى دلائل النبوة،رقم: ۲۸۷۴).

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن علاء حضرمیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث ایسے شخص نے بیان کی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اِس امت کے آخری دور میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جس کا ثواب اِس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں کے ثواب کے مثل ہوگا، اس جماعت کے لوگ مخلوقِ خدا کو شرعی امور کی تبلیغ کریں گے، اور خلافِ شریعت باتوں سے باز رہنے کی تلقین کریں گے، اور فتنہ پردازوں سے مقابلہ کریں گے۔

۴۔ عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون. (صحيح البخارى ،رقم: ۷۳۱۱).

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ غالب اور فتحیاب رہے گی، حتی کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور وہ اسی طرح غالب ہوں گے۔ یا یہ جماعت دین پر جمی رہے گی۔

۵۔ عن أبي ثعلبة... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:...: للعامل فيهن مثل أجر خمسين رجلاً يعملون مثل عمله، قالوا: يا رسول الله أجر خمسين منهم؟ قال: أجر خمسين منكم. (أخرجه ابن حبان في صحيحه، رقم:۳۸۵، وأبوداود، رقم:۴۳۴۳، والترمذی، رقم: ۳۰۵۸، وقال:هذا حديث حسن غريب، والبيهقى فى شعب الإيمان، رقم: ۹۲۷۸).

ترجمہ: ان (فتنہ کے) دنوں میں جو شخص دین وشریعت کے احکام پر عمل کرے گا اس کو ان پچاس لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا جو اس شخص جیسے عمل کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ان کے

زمانہ کے پچاس آدمیوں کے اجر کے بقدر؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تمہارے زمانہ کے پچاس آدمیوں کے بقدر ثواب ملے گا۔

نوٹ: بعض احادیث کے ترجمے مظاہرحق جدید سے کچھ ترمیم کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پیرومرشد کے لیے مبالغہ آمیز القاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: بعض حضرات اپنے پیرومرشد کے لیے مبالغہ آمیز القاب استعمال کرتے ہیں؛ جن میں سے چند ذیل میں مذکور ہیں؛ میرے شیخ آپ تجلیاتِ حق سبحانہ ہیں، سراپا نور مطلق... اے نورِ مطلق آپ صرف نبی اور اصطلاحاً صحابی نہیں ہیں باقی سب کچھ ہیں،... آپ کی روحِ عالی طواف کے کروفر کے آگے جملہ ارواحِ اولیاء بلا اعلان ازمنبر بغداد سراسر سرنگوں ہیں... میں جذبات میں نہیں کہہ رہا ہوں میں منجانب اللہ مجبور ہوں،... بعد عشا تا اذانِ فجر عالم بے خودی میں جو اشعار فارسی قلب پر بے ساختہ وارد ہو رہے ہیں... آپ سراپا تجلیاتِ حق نورحق، نورمطلق، نورسیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں... حضرت جی احقر کی نگاہ میں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے، واللہ آپ بے مثل ہیں... شب و روز کے کسی بھی لمحہ میں ایک لفظ بھی یہ غلام مرضی حق کے خلاف نہیں نکال سکتا ہے ...(سوال میں اور بھی الفاظ مذکور ہیں، بسببِ طوالت چھوڑ دیے گئے)

ان عبارات اور ان کے قائل سے متعلق مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پہلی بات یہ ہے کہ اس کے قائل کو مجرم اور حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والا نہیں کہا جائیگا، کیونکہ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں منجانب اللہ مجبور ہوں اور عالمِ بے خودی میں ہوں اور ایسی حالت کے کلمات معاف ہیں اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

للّٰه أشد فرحاً بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان على راحلته بأرض فلاة فانفلتت منه وعليها طعامه وشرابه فأيس منها فأتى شجرة فاضطجع في ظلها قد أيس من راحلته فبينا هو كذلك إذ هو بها قائمة عنده فأخذ بخطامها ثم قال من شدة الفرح : اللّٰهم أنت عبدي وأنا ربك أخطأ من شدة الفرح . (صحيح مسلم : ۳۵۵/۲).

حدیثِ بالا سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوئی کہ شدتِ فرح بھی سلبِ اختیار کا باعث ہے ایسی حالت میں الفاظِ کفریہ کا تکلم مضر اور موجبِ ارتداد نہیں ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے کہ اگر کسی کوذات الجنب کی بیماری لاحق ہوئی یا کوئی چیز کھلا دی گئی اور مسلوب العقل ہوکر بے اختیار کلماتِ کفریہ کا تکلم کیا تو یہ موجب کفر نہیں ہوگا۔جبکہ مذکورہ بالا کلمات کو حد سے تجاوز تو کہہ سکتے ہیں،کلماتِ کفر نہیں۔

قال: من أصابه برسام أو أطعم شيئاً فذهب عقله فهذى فارتد لم يكن ذلک ارتداداً وكذا لو كان معتوهاً أو موسوساً أو مغلوباً على عقله بوجه من الوجوه فهو على هذا كذا فى السراج الوهاج . (الفتاوى الهندية: ۲/۲۵۳)، اس عبارت میں " **أو مغلوباً على عقله بوجه من الوجوه** " قابل غور ہے کہ اسبابِ معلومہ:سکر،جنون،اکراہ،عتہ، کے علاوہ،کبرسنی،مرض،مصیبت،غلبہ خوشی،غلبہ حزن، فرطِ محبت وغیرہ بھی زوالِ عقل یا زوالِ اختیار کے اسباب بن سکتے ہیں،جن کی وجہ سے کلماتِ کفریہ کا تکلم موجبِ ارتداد اور سلبِ ایمان کا باعث نہیں قرار دیا جائیگا۔

شدتِ فرح کی مثال حدیثِ بالا میں مذکور ہوئی،درجِ ذیل واقعہ میں فرطِ حزن کی مثال ملاحظہ کیجیے:

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ مکمل ہو چکا،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ قربانیاں ذبح کرلو اور حلق کرالو،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرطِ حزن میں باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرر وسکرر فرمانے کے،فرمانِ عالی کی تعمیل نہیں کی۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لأصحابه قوموا فانحروا ثم احلقوا قال: فو الله ما قام منهم رجل حتى قال ذلک ثلاث مرات .** (صحيح البخاري: ۱/۳۸۰، رقم: ۲۷۳۲، باب الشروط فى الجهاد).

خوفِ خداوندی بھی زوالِ عقل کا سبب بن سکتا ہے۔صحیح بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے [جس نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی کارِ خیر نہیں کیا تھا] کہا: جب میں مرجاؤں تو جلا دینا اور نصف راکھ کو خشکی میں اور نصف کو سمندر میں ڈال دینا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال رجل لم يعمل خيراً قط: فإذا مات فحرقوه واذروا نصفه فى البر و نصفه فى البحر فو الله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذاباً لا يعذبه أحداً من العالمين فأمر الله البحر ليجمع ما فيه وأمر البر فجمع ما فيه ثم قال: لم فعلت قال : من خشيتک وأنت أعلم فغفر له . (صحيح البخاري: ۲/۱۱۱۷/۷۵۰۶).

حدیثِ بالا میں شخص مذکور کے یہ الفاظ " **لئن قدر الله عليه** " (قدر،قدرت سے مشتق مانے تو) بلاشبہ

الفاظِ کفریہ میں سے ہیں، لیکن اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس کا یہ جواب "مــن خشيتک"، "آپ کے ڈر وخوف نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا" اسے کفر سے بچا کر مغفرتِ خداوندی کا حقدار بنا دیتا ہے۔

فرطِ محبت میں بے اختیار ہونے کی مثال ملاحظہ ہو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل کی مکمل رعایت فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا: "**اللّٰهم ! هذه قسمتي فيما أملک فلا تلمني فيما تملک ولا أملک**". (سنن الترمذی: ۱/۲۱۶/۱۱۴۰).

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! جو میرے اختیار سے باہر ہے یعنی قلبی محبت اس پر مواخذہ نہ فرما۔

ہاں اطرائے ممنوع جو فرطِ محبت سے پیدا ہوتا ہے وہ اختیاری حد تک ممنوع ہے، غیر اختیاری حد تک پہنچ جائے تو یقیناً مرفوع القلم ہوگا۔ حدیث میں "**لا تطروني**"، میں اطراء کی نہی ضرور ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ اطراء کا سبب فرطِ محبت ہی ہو بلکہ جہالت، تعصب، غلط فہمی وغیرہ اسباب بھی موجبِ اطراء ہو سکتے ہیں۔ پس نہی عن الاطراء مستلزم نہی عن غلبۃ المحبت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح غلبہ محبت منحصر فی الاطراء الاضطراری نہیں۔ اس لیے نہی عن الاطراء کو مستلزم نہی عن غلبۃ المحبۃ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حدیثِ مذکور اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ غلبہ محبت بسا اوقات غیر اختیاری طور پر محبوب کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ میلان قابل مؤاخذہ نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ غیر اختیاری ہے اور اس کو غیر اختیاری کس چیز نے بنایا؟ غلبہ محبت نے۔ (مستفاد از کفایت المفتی: ۱/۶۵، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ الفاظ قابل اشاعت ہیں یا نہیں؟ سو بندہ کے نزدیک اس کی اشاعت نہ کی جائے بعض مرتبہ بعض الفاظ حدودِ شریعت میں داخل ہوتے ہوئے بھی فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے قابل اشاعت نہیں ہوتے۔ امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے: "**بـاب مـن خـص بـالـعـلـم قوماً دون قوم كراهية أن لايفهموا**" اور اس کے تحت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اثر نقل کیا ہے۔

وقال علي رضي الله عنه : حـدثـوا الـنـاس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله. (صحیح البخاری: ۱/۲۴). **وفـي عـمـدة القاري: أى كلموا الناس بما يعرفون أى بما يفهمون والمراد كـلـمـوهـم عـلـى قدر عقولهم وفي كتاب العلم لآدم بن أبي إياس عن عبد الله بن داود عن معروف في آخره ودعوا ما ينكرون أى ما يشتبه عليهم فهمه .**

" أن يـكـذب " وذلک لأن الشخص إذا سمع ما لا يفهمه وما لا يتصور إمكانه يعتقد

استحالته جهلاً فلا يصدق وجوده فإذا أسند إلى الله ورسوله يلزم تكذيبهما. (عمدة القارى: ۱/۲۸۹، ط: دارالحديث).

عبارتِ بالا کا حاصل یہ ہے کہ ہرکس وناکس کے سامنے ہرقسم کی بات نہیں کرنی چاہیے بہت سی مرتبہ صحیح بات فہم غلط کی وجہ سے باعثِ فتنہ بن جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ ہرقسم کی بات شائع بھی نہیں کرنا چاہیے، ورنہ کم فہم یا کج فہم کے لیے باعثِ فتنہ ثابت ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بات قابل اشاعت نہیں۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان سے تشریف لے گئے اور کافی دیر ہوگئی صحابہ کرام پریشانی کے عالم میں حضور کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک باغ میں پہنچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرماتھے، آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ کیسے آنا ہوا، میں نے ماجرا بتایا، حضور نے مجھے اپنے نعلین مبارک عنایت فرمائے اور فرمایا: اس باغ کے پیچھے جس سے آپ ملو جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے معبودِ برحق ہونے کی گواہی دیتا ہو اُسے جنت کی خوشخبری سنا دینا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور خوشخبری سنائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دھکا دیا اور حضور سے شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول لوگ اس پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں گے اور اعمال نہیں کریں گے، اُن کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اعمال میں مشغول رہیں، حضور نے فرمایا: ٹھیک ہے چھوڑ دو۔

قال: يا رسول الله! بأبي أنت وأمي أبعثتَ أباهريرة بنعليك من لقي يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبه بشره بالجنة قال: نعم، قال: فلا تفعل فإني أخشى أن يتكل الناس عليها فخلهم يعملون، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فخلهم.(صحيح مسلم: ۱/۴۵).

قال الإمام النووىؒ: وفيه جواز إمساك بعض العلوم التي لا حاجة إليها للمصلحة أو خوف المفسدة. (شرح النووى: ۱/۴۶).

امام نوویؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض غیر ضروری علوم کی اشاعت کسی مصلحت یا خوفِ فتنہ کی وجہ سے روک دی جائے تو ٹھیک ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ارضِ محشر کہاں ہوگی؟

سوال: ارضِ محشر کہاں ہوگی؟ اگر اس دنیا میں ہوتو کونسی جگہ اور اگر اس دنیا میں نہیں تو کسی دوسرے عالم

میں ہوگی؟ کسی روایت میں اس کی نشاندہی کی گئی ہوتو برائے کرم مطلع فرمادیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اولاً یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ کسی صحیح صریح روایت میں ارضِ محشر کی تعیین مذکور نہیں۔ بنابریں اس بارے میں علمائے کرام کے دوگروہ ہیں: ا۔بعض علماء کہتے ہیں کہ ملکِ شام میں لوگوں کو جمع کیا جائیگا۔ یہ حضرات درجِ ذیل چند روایات واقوالِ شراح بطورِ استشہاد واستیناس پیش کرتے ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" يحشر الناس على ثلاث طرائق راغبين، وراهبين ، واثنان على بعير ، ثلاثة على بعير ، أربعة على بعير ، عشرة على بعير ، تحشر بقيتهم النار تقيل معهم حيث قالوا ، وتبيت معهم حيث باتوا ، وتصبح معهم حيث أصبحوا ، وتمسى معهم حيث أمسوا . (رواه البخارى،رقم: ۶۵۲۲،باب كيف الحشر).

قال الحافظ ابن كثيرؒ فى النهاية، بعد أن ساق الحديث : فهذه السياقات تدل على أن هذا الحشر هو حشر الموجودين فى آخر الدنيا من أقطار الأرض إلى محل الحشر، وهي أرض الشام . (النهاية فى الفتن والملاحم: ۱/۱۸۶، يحشر الناس يوم القيامة اصنافاً ثلاثة ، ط: القاهرة).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: قال القرطبي: الحشر الجمع والحشر على أربعة أوجه حشران فى الدنيا وحشران فى الآخرة ؛ أما أحد الحشرين اللذين فى الدنيا فهو المذكور في سورة الحشر ... و كان أول حشر حشروا فى الدنيا إلى الشام وأما الحشر الآخر فهو ما رواه البخارى عن أبي هريرة ...قال عياض هذا قبل قيام الساعة، وأما أحد الحشرين اللذين فى الآخرة فهو حشر الأموات من قبورهم بعد البعث إلى الموقف وأما الحشر الآخر الذى هو الرابع فهو حشرهم إلى الجنة أو النار. (عمدة القارى،كيف الحشر).

المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم میں مذکور ہے: قال: وفى بعض الروايات في غير مسلم: فإذا سمعتم بها فأخرجوا إلى الشام . (۱۵۴/۷،باب فى الحشر وكيفيته،ط: دمشق).

أشراط الساعة میں مرقوم ہے:

وذهب جماهير العلماء إلى أن هذا الحشر يكون فى الدنيا قبل قيام الساعة حيث يحشر الناس أحياء إلى الشام . (ص۲۲۸).

روى أحمد في مسنده (۲۰۰۱۱) ، والحاكم في مستدركه(۳۶۴۶) بإسناد صحيح عن

معاوية بن حيدة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" إنكم تحشرون رجالاً وركباناً وتجرون على وجوهكم ها هنا ، وأومأ بيده نحو الشام".

والأرض التي تحشر النار الناس إليها هي بلاد الشام، ففى كتاب فضائل الشام للربعي عن أبي ذر رضی اللہ عنہ بإسناد صحيح أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الشام أرض المحشر والمنشر " رواه احمد في مسنده وابن ماجه في سننه والربعى في فضائل الشام عن ميمونة بنت سعد . (القيامة الصغرى،ص ۲۳۵).

وقد ذهب بعض أهل العلم إلى أن هذا الحشر يكون فى الآخرة ، وعزا القرطبى القول بذلک إلى الحليمى وأبى حامد الغزالى، وذهب الخطابى والطيبى والقاضى عياض والقرطبى وابن كثير وابن حجر إلى أن هذا الحشر يكون فى آخر عمر الدنيا ، حين تخرج النار من قعر عدن ، تحشر الناس إلى بلاد الشام . (فتح البارى : ۱۱/۳۸۰.۳۸۹، والتذكرة، ص ۲۰۰) . (وكذا فى شرح السنة للامام البغوى : ۱۵/۱۲۵، ط: المكتب الاسلامى).

شاہ صاحبؒ نے فیض الباری میں علامہ طیبیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، یعنی یہ اجتماع سرزمین شام میں ہوگا۔ قال: والأرجح عندى ما ذهب إليه الطيبى. (فيض البارى : ۴/۴۳۳).

البتہ اس قول پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی طرح ہوگی۔ عن أبي سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: تكون الأرض يوم القيامة خبزة واحدة . الحديث. (صحيح البخارى،رقم: ۶۵۲۰).

اس کا جواب یہ ہے کہ ارضِ محشر یہی زمین ہوگی، لیکن اس کی حالت تبدیل ہوجائیگی، چنانچہ قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اسی طرح فرمایا ہے؛ قال عياض : المراد أنها ليس فيها علامة سكنى ولا بناء ولا أثر ولا شيء من العلامات التي يهتدى بها فى الطرقات كالجبل والصخرة البارزة وفيه تعريض بأرض الدنيا وأنها ذهبت وانقطعت العلاقة منها...

وقال أبومحمد بن أبى جمرة... وفيه إشارة إلى أن أرض الموقف أكبر من هذه الأرض الموجودة جداً ... و فيه إشارة إلى أن أرض الدنيا أضمحلت وأعدمت وأن أرض الموقف تجددت ...

و عند عبد من طريق الحكم بن أبان عن عكرمة قال: بلغنا أن هذه الأرض يعني أرض الدنيا تطوى وإلى جنبها أخرى يحشر الناس منها إليها، وفي حديث الصور الطويل: تبدل الأرض غير الأرض والسماوات فيبسطها ويسطحها ويمدها مد الأديم العكاظى لا ترى فيها عوجاً ولا أمتاً ثم يزجر الله الخلق زجرة واحدة فإذا هم في هذه الأرض المبدلة في مثل مواضعهم من الأولى ما كان في بطنها كان في بطنها وما كان على ظهرها كان عليها. (فتح الباری: ۱۱/۳۷۵).

حافظ ابن حجرؒ ان عبارات کوذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فيمكن الجمع بأن ذلک كله يقع لأرض الدنيا لكن أرض الموقف غيرها و يؤيده ما وقع فى الحديث الذى قبله أن أرض الدنيا تصير خبزة . (فتح الباری : ۱۱/۳۷۶).

مفسرین نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتہ کوحکم فرمائیں گے جوصخرۂ بیت المقدس پر کھڑا ہوکرآواز لگائے گا تو اولین وآخرین تمام جمع ہوجائیں گے۔ قال في روح المعاني: إن إسرافيل عليه السلام وفي رواية جبرائيل عليه السلام ينادي على صخرة بيت المقدس أيتها الأجسام البالية والعظام النخرة والأجزاء المتفرقة... (۱۵/۹۳).

دوسری جگہ لکھتے ہیں: والمراد بالداعي داعى الله عز وجل إلى المحشر وهو إسرافيل عليه السلام يضع الصور في فيه ويدعو الناس عند النفخة الثانية قائماً على صخرة بيت المقدس، ويقول: ...هلموا إلى العرض إلى الرحمن فيقبلون من كل صوب إلى صوته. (روح المعانی:۱۶/۲۶۴). (وكذا فى زادالمسير:۵/۴۵،و۸/۲۴،والتفسيرالمظهرى : ۱/۲۳۸۵،طه، والدرالمنثور: ۱۳/۶۴۵، وتفسيرابن كثير:۷/۱۱۴،ق، وتفسيرالبيضاوى: ۱/۱۷، طه ، وتفسير الخازن:۴/۲۸۰، طه، و ق، وتفسيرالسراج المنير: ۲/۳۸۱، طه، وتفسيرالرازى: ۱/۳۰۹۹، طه، وتفسير السمرقندى: ۲/۳۱۵، سورة الإسراء، وتفسير أبى السعود:۶/۴۲، طه، وتفسير النسفى: ۳/۶۰، طه).

مذکورہ بالاعبارات کا ماحصل یہ ہوا کہ اولین وآخرین کا حشر واجتماع اِسی سرزمین پر ہوگا،لیکن صحیح صریح دلائل نہ ہونے کی وجہ سے بالیقین کسی مکانِ خاص کی تعیین مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حشر اِس سرزمین پر نہیں بلکہ کسی اورزمین پر ہوگا جس کی تعیین اوراس کا صحیح علم باری تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔چنانچہ مفتی تقی صاحب لکھتے ہیں:

والأصل أن أحوال الآخرة لا يدرك كُنهها بهذه العقول فى الدنيا، والسبيل الأسلم، الإيمان بما جاء فى النصوص الصحيحة، وترك الخوض في تفاصيله، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بأحوال خلقه . (تكملة فتح الملهم :۶/۱۱۷). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دنیوی علوم حاصل کرنے کا حکم:

سوال: مسلمان کے لیے دنیوی علوم حاصل کرنا اوراسکول جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زندگی کے ہرشعبہ میں مسلمان کوضرورت پڑتی ہےاوراس کے لیے ماہرین کی تلاش ہوتی ہےاگرمسلمان کسی بھی دنیوی شعبہ میں حصہ نہیں لیں گےتو غیرمسلم کے سپرد ہوجائیں گےاوراس کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہوگا،بنابریں دنیوی علوم حاصل کرنااوراس میں ترقی کرنا بھی جائزاوردرست ہے بلکہ اسلام اور اہل اسلام کی خدمت کی نیت ہوتو ماجور ہوگا،البتہ مسلمان بچیوں کے لیے خاص پردہ وغیرہ کااہتمام ہوناچاہیےاور مخصوص بچیوں کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنا زیادہ اولیٰ اورفتنہ سے دورہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں: ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدرِضرورت انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھائے جائیں اورصنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا،جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مددمل سکے،بلاشبہ جائزاورکارِخیراورموجبِ اجروثواب ہےلیکن دینی تعلیم کواوردینی مدارس کی امدادکومقدم سمجھا جائے... دینی تعلیم سے اعراض کرکےاوردینی مدارس کونازک حالت میں چھوڑکر دنیوی تعلیم میں منہمک ہوجانا اچھا کام نہیں ہے،...اولاً بچوں کوقرآنِ پاک کی صحیح اورباقاعدہ تعلیم دی جائے۔شرعی احکام اورضروریاتِ دین سے مناسب طریق سے واقف کیا جائے،اُن کے قلوب میں اسلام کاایسانقش جمایاجائے جس سے اسلامی جذبات اورایمانی احساسات پختہ اورپائیدارہوں تاکہ اُن کوکوئی قوت سرد نہ کرسکےاورعملی حالت کوکوئی طاقت بدل نہ سکے... (فتاویٰ رحیمیہ:۵/ ۱۱۸،مکتبۃ الاحسان،دیوبند)۔

حضرت مفتی محمد فرید صاحبؒ رقمطراز ہیں: لڑکیوں کے لیےاسکول اورکالج میں تعلیم حاصل کرنابذاتِ خودممنوع نہیں ہے۔بذاتِ خودممنوع بےپردگی،اختلاط اورآزادی جیسےامور ہیں۔نیزاصولِ شرعیہ کی بناپروہ امر

بھی ممنوع شمار ہوتا ہے، جو کہ دیگر ممنوعات کا ذریعہ ہو۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۱/۲۰۴، کتاب العلم)۔
مزید تفصیلات کے لیے ہمارا رسالہ ''سبیل الخیرات فی جماعات المتنقبات'' ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پچھنا لگانے کے لیے تاریخ یا دن متعین کرنے کا حکم:

سوال: کیا پچھنا لگوانے کے لیے چاند کی کوئی تاریخ اور دن متعین ہے یا کسی تاریخ اور کسی بھی دن کو لگوا سکتے ہیں؟ کیا چاند کی تاریخ کے حساب سے خون کے دوران میں اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے یا نہیں؟ کسی روایت میں اس کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پچھنا لگوانے کے لیے کوئی خاص تاریخ یا خاص دن متعین نہیں ہے بلکہ جب چاہے لگا سکتے ہیں، ہاں بعض ضعیف روایات کی روشنی میں بعض تاریخوں کو پچھنا لگوانا بہتر ہے۔ مثلاً: قمری مہینہ کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو لگانا زیادہ بہتر ہے، بعض ضعیف اور موضوع روایات میں بعض ایام میں پچھنا لگانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً: سہ شنبہ جب سترہ تاریخ کو واقع نہ ہو، اور بدھ کے دن نہ لگانا بہتر ہے۔
حافظ ابن قیمؒ زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في أوقات الحجامة: روى الترمذي في جامعه من حديث ابن عباس رضي الله عنه يرفعه: أن خير ما تحتجمون فيه يوم سابع عشرة ، أو تاسع عشرة، و يوم إحدى وعشرين . وفيه عن أنس رضي الله عنه : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتجم لسبعة عشر، وتسعة عشر، وفي إحدى وعشرين . وفي سنن ابن ماجه: عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً: من أراد الحجامة فليتحر سبعة عشر، أو تسعة عشر، أو إحدى وعشرين، لا يَتَبَيَّغ بأحدكم الدم ، فيقتله. وفي سنن أبي داود ، من حديث أبى هريرة رضي الله عنه مرفوعاً: من احتجم لسبع عشرة، أو تسع عشرة ، أو إحدى وعشرين، كانت شفاء من كل داء ، وهذا معناه من كل داء سببه غلبة الدم .

وهذه الأحاديث موافقة لما أجمع عليه الأطباء ، إن الحجامة فى النصف الثاني، وما يليه من الربع الثالث من أرباعه أنفع من أوله وآخره ، وإذا استعملت عند الحاجة إليها نفعت أى وقت كان من أول الشهر وآخره . (زادالمعاد: ۴/۵۸، مؤسسة الرسالة).

ایام کی تعین کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں: **وقد ورد في تعيين الأيام للحجامة حديث لابن عمر رضي الله عنه عند ابن ماجه رفعه في أثناء حديث وفيه فاحتجموا على بركة الله يوم الخميس واحتجموا يوم الاثنين والثلاثاء واجتنبوا الحجامة يوم الأربعاء والجمعة والسبت والأحد أخرجه من طريقين ضعيفين وله طريق ثالثة ضعيفة أيضاً عند الدارقطني فى الأفراد وأخرجه بسند جيد عن ابن عمر رضي الله عنه موقوفاً ونقل الخلال عن أحمد أنه كره الحجامة فى الأيام المذكورة و إن كان الحديث لم يثبت وحكى أن رجلاً احتجم يوم الأربعاء فأصابه برص لكونه تهاون بالحديث ، وأخرج أبوداود من حديث أبي بكرة أنه كان يكره الحجامة يوم الثلاثاء وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يوم الثلاثاء يوم الدم وفيه ساعة لا يرقأ فيها .** (فتح الباری : ۱۴۹/۱۰).

اطباء کا کہنا ہے کہ مہینہ کے تیسرے چوتھائی حصہ میں یعنی ۱۵ سے ۲۳ کے درمیان میں پچھنا لگانا زیادہ مفید ہے کیونکہ مہینہ کے شروع میں خون کا دوران زیادہ ہوتا ہے بالکل آخر میں دوران بالکل کم ہوتا ہے اور درمیان میں معتدل ہوتا ہے پس اس وقت پچھنا لگوانا صحت کے لیے زیادہ مفید ہے۔

قال ابن حجرؒ في فتح الباری: وقد اتفق الأطباء على أن الحجامة فى النصف الثانى من الشهر ثم فى الربع الثالث من أرباعه أنفع من الحجامة في أوله وآخره قال الموفق البغدادی: وذلک أن الأخلاط في أول الشهر تهيج و فى آخره تسکن فأولىٰ ما يكون الاستفراغ في أثنائه والله أعلم . (فتح الباری: ۱۵۰/۱۰). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حالتِ اضطرار میں لحم خنزیر کھانے کا حکم:

سوال: حالتِ اضطرار میں لحمِ خنزیر یا لحمِ میتہ کا کھانا واجب ہے یا فقط جائز؟ یعنی اگر نہیں کھایا اور مر گیا تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اضطراری کیفیت اس حد تک پہنچی ہے کہ اگر نہیں کھائے گا تو مر جائے گا یا اکراہ ملجی ہے کہ نہیں کھائیگا تو قتل کیے جانے یا عضو تلف ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں لحمِ خنزیر یا میتہ کا کھانا واجب اور ضروری ہے اگر نہیں کھایا اور مر گیا یا بدن کا کوئی عضو تلف ہو گیا تو گنہگار ہوگا۔

اور اگر اکراہ غیر ملجی ہے یعنی مرنے یا عضو تلف ہونے کا قوی اندیشہ نہیں ہے تو کھانا جائز نہیں۔

قال في الدرالمختار: فإن أكره على أكل ميتة أودم أولحم خنزير أوشرب خمر بإكراه غير ملجئ بحبس أوضرب أوقيد لم يحل إذ لا ضرورة في إكراه غير ملجئ نعم لايحد للشرب للشبهة وإن أكره بملجئ بقتل أو قطع عضو أو ضرب مبرح حل الفعل بل فرض فإن صبر فقتل أثم.

وفي الشامية: قوله حل فعله، لأن هذه الأشياء مستثناة عن الحرمة في حال الضرورة والاستثناء عن الحرمة حل، ابن كمال. قوله أثم، لأن إهلاك النفس أوالعضو بالامتناع عن المباح حرام، زيلعي. (۱۳۴/۶، مطلب في بيع المكره فاسد، ط: سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (احکام القرآن للعلامۃ التھانویؒ: ۱/ ۱۲۸، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جنات کے دخولِ جنت کی کیفیت:

سوال: جنت میں انسان اور جنات میں کیا فرق ہوگا؟ یعنی جنات کے اجسام انسانوں کی طرح ہوں گے یا اور کوئی کیفیت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ بقولِ راجح داخل ہوں گے۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ جنات انسانوں کی طرح جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوں گے۔ ان کے اجسام کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی۔ باقی احوالِ جنت واحوالِ آخرت کو احوالِ دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔ دنیا میں باری تعالیٰ کی رؤیت موجودہ آنکھوں سے ناممکن ہے اور آخرت میں رؤیت یقینی ہے۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

واستدل بالآية على أن الجن يدخلون الجنة ويجامعون فيها كالإنس فهم باقون فيها منعمين كبقاء المعذبين منهم في النار وهو مقتضى ظاهر ما ذهب إليه أبويوسفؒ ومحمدؒ وابن أبي ليلىؒ والأوزاعيؒ وعليه الأكثر كما ذكره العينيؒ في شرح البخاري... فإن ظاهره أنهم كالإنس يوم القيامة... قيل: نراهم ولا يرونا عكس ما كانوا عليه في الدنيا. (روح المعاني: ۲۷/ ۱۱۹، ط: دارالتراث).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی:۳/۹۱۔۱۰۰، ط: ادارۃ القرآن، وآکام المرجان فی احکام الجان للعلامۃ بدرالدین الشبلی)۔واللہ ﷻ اعلم۔

کیا غیبت کے گناہ میں توبہ واستغفار کافی ہے یا متعلقہ شخص سے معاف کرانا ضروری ہے؟

سوال: زید نے عمر کی غیبت کی، اس گناہ سے معافی مانگنے کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ عمر سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے یانہیں؟ اگر غیبت اس شخص تک نہیں پہنچی تب بھی کبائر میں شمار ہے یا نہیں؟ کن جگہوں پر علماء نے غیبت کی اجازت دی ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب: یہ بات طے شدہ ہے کہ غیبت ایک سنگین جرم ہےاورحرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں غیبت سے منع فرمایاہے:﴿ **ولا يغتب بعضكم بعضاً** ﴾اورغیبت کرنے والےکواپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے والاقراردیاہے: ﴿ **أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه** ﴾

[الحجرات: ۱۲].

علماء نے لکھاہے کہ حقوق العباد میں توبہ کی ایک زائد شرط یہ ہے کہ متعلقہ شخص سے معافی مانگی جائے،اس کے بغیر توبہ کی تکمیل نہ ہوگی۔البتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھاہے کہ بعض علماء نے کہاہے کہ جب تک اُس شخص کوغیبت کی خبر نہ پہنچے توحق العبد نہیں ہوتا،لیکن اس صورت میں بھی جس شخص کے سامنے غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرناضروری ہے۔(بیان القرآن:۱۱/ ۴۷، ط: تاج پبلشرز، دہلی)۔

معارف القرآن میں مرقوم ہے: کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہےاس کے لیےاللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرےاوریوں کہے کہ یااللہ! ہمارےاوراس کے گناہوں کومعاف فرما۔(۷/۱۳۳)۔

(وکذافی تفسیرالمظہری:۱۱/ ۴۷،۵۰)۔اسی طرح مظاہرحق جدید میں لکھاہے۔(۵/ ۴۸۰، باب حفظ اللسان، ط: ادارۃ اسلامیات، دیوبند)۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **إذا تاب المغتاب قبل وصولها تنفعه توبته بلا استحلال من صاحبه... وإن بلغته فلا بد له من الاستحلال والاستغفار**. (فتاوی الشامی: ۶/ ۴۱۰،سعید، كتاب الكراهية).

علامہ ابن ملکؒ نے شرح تحفۃ الملوک میں نقل کیاہے کہ متعلقہ شخص کوپہنچنے سے پہلے استغفارکافی ہے کیونکہ گناہ میں شدت آنے سے پہلے معاف ہوچکا،لیکن غیبت پہنچنے کے بعدکافی نہیں۔ **وسئل الإمام**

أبو محمد عمن إذا مات قبل وصول الغيبة إلى المغتاب فيه هل ينفعه توبته ؟ قال: نعم ، ينفعه فإنه تاب قبل أن يصير الذنب ذنباً لأنه إنما يصير ذنباً إذا بلغت إليه . (شرح تحفة الملوک:۲/ ۲۰۹۲).

اس پر محشی صاحب نے اشکال کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ محض ارتکابِ غیبت سے گناہ صادر ہو چکا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ غیبت کرنے سے غیبت کا گناہ ہوا، البتہ علماء نے لکھا ہے کہ جب تک اس شخص کو غیبت نہ پہنچے استغفار کافی ہے۔ قال في شرح الطريقة المحمدية: كفارة أثم غيبة من اغتبته أيها المكلف ! أن تستغفر له ...وهذا إذا لم تبلغه الغيبة . (۲۲۶/۲).

حدیث شریف میں ہے: وعن أنس رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كفارة من اغتبته أن تستغفر له . قال العراقي: ابن أبي الدنيا في الصمت، والحارث بن أبي أسامة في مسنده من حديث أنس رضی اللہ عنہ بسند ضعيف. (تخريج العراقي:۳/۱۵۰/۳۰۲۵). یعنی غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اس شخص کے حق میں مغفرت کی دعا کی جائے جس کی غیبت کی گئی ہے۔گو یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد موجود ہیں۔دیکھیے: المقاصد الحسنہ ، (رقم:۸۰۴)۔

درجِ ذیل چند مواضع میں علماء نے غیبت کی اجازت دی ہے:

۱۔مجہول ہو، ۲۔مخاطب نہ پہچانے، ۳۔مظہر فسق ہو،۴۔مشورہ طلب کیا جائے، ۵۔مسلمانوں کو اس شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لیے، ۶۔ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم کو دفع کر سکے، ۶۔کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے صورتِ حال بتلانا، ۷۔مشتری کے سامنے مبیع (غلام، باندی) کے عیب کو ظاہر کرنا، ۸۔شخصیت کی پہچان کرانا ہو جیسے اعرج، اعور، اعمش، وغیرہ ۹۔رواۃ پر جرح کرنا، اِن کے علاوہ اور بھی مواضع ہیں، علامہ شامیؒ نے فتاویٰ شامی (۴۰۹/۶،سعید) میں تقریباً گیارہ مواضع کا تذکرہ فرمایا ہے پھر اِن کو اشعار میں بھی بیان کیا ہے۔علامہ صنعانیؒ نے بھی بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں اِن مواضع کو اشعار میں بیان کیا ہے۔(سبل السلام:۳۷۰/۴، واعانۃ الطالبین:۵۳۵/۳)۔

مزید ملاحظہ کیجیے: (تفسیر القرطبی:۳۳۷/۱۶، واحیاء علوم الدین:۱۵۰/۳، ومعارف القرآن)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصایا امام ابوحنیفہؒ میں مجالسِ ذکر میں شرکت نہ کرنے کی وصیت:

سوال: الاشباہ والنظائر کی تیسری جلد میں ص ۳۸۰ پر امام ابوحنیفہؒ کی ایک وصیت مرقوم ہے: ” ولا

تحضر مجالس الذکر ’’ اِس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی مجلس میں نہیں جانا چاہیے، حالانکہ ہمارے اکابرؒ مجالس ذکر منعقد کرتے تھے، تواِس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام صاحبؒ کا یہ مقولہ بظاہر احادیثِ مبارکہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ امام صاحبؒ نے مجالس ذکر میں شرکت سے منع فرمایا، کیونکہ خود امام صاحبؒ نے امام ابو یوسفؒ کو نصیحت فرمائی کہ لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ **قال: وأكثر ذكر الله تعالىٰ فيما بين الناس ليتعلموا ذلك منك** . (الاشباہ والنظائر: ۳/۳۷۶، ادارۃ القرآن).

ترمذی شریف کی روایت میں مجالس ذکر میں شرکت کی ترغیب موجود ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ **، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا وقالوا : وما رياض الجنة ؟ قال: حلق الذكر . هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ثابت عن أنس** رضی اللہ عنہ . (سنن الترمذی ،رقم الحدیث : ۳۵۱۰،ابواب الدعوات).

علامہ سید حمویؒ امام صاحبؒ کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں: بعض نسخوں میں **ولا تحضر** کی جگہ **ولا تحقر** آیا ہے، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آگے والا جملہ **ولا تحضر** پر معطوف ہے۔

قال: ولا تحضر مجالس الذكر: كذا في النسخ ومثله في مناقب الكردريؒ وهو مشكل فقد ورد في الحديث: عليكم بحلق الذكر فإنها رياض الجنة ، وفي بعض النسخ ولا تحقر بالقاف وهو غير مناسب للمعطوف فتأمل .(غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر: ۳/ ۳۸۰، ط: ادارۃ القرآن).

آگے والا جملہ ملاحظہ کیجیے: **ولا تحضر مجالس الذكر أو من يتخذ مجلس عظة بجاهك وتزكيتك له .**

(۲) امام صاحب کے اس جملہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس میں دو چیزیں مذکور ہیں: (۱) مجلس ذکر (۲) مجلس وعظ؛ پھر دونوں کے بعد **بجاهك وتزكيتك له** ہے۔ تو یہ قید دونوں کے ساتھ لاحق ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ ہر ایسی مجلس ذکر سے بچو جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو بلکہ آپ کی شرکت کی وجہ سے صاحبِ مجلس اپنا نام بلند کرنا چاہتا ہو اور آپ کی تعریف کی وجہ سے اپنی شہرت کا طالب ہو۔

يعني: لا تحضر مجالس الذكر الذي ينعقد بجاهك وتزكيتك له ولا تحضر إلى

من يتخذ مجلس عظة بجاهك وتزكيتك له . اورایسی مجلس وعظ میں بھی مت جاؤ جس میں صاحبِ مجلس آپ کی شرکت کی وجہ سے اپنا نام بلند کرنا اور اپنی شہرت چاہتا ہو۔

بہت سے جملے ایسے ہیں جن میں دو یا زیادہ چیزیں مذکور ہوتی ہیں پھر آخر میں ایک قید یا علت ہوتی ہے جو ماقبل تمام جملوں کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قال الله تعالیٰ : ﴿ فإذا جاء أجلهم لايستأخرون ساعة ولا يستقدمون ﴾[الأعراف:۳۴]

اکثر مفسرین حضرات نے ”فإذا جاء أجلهم“ کو معطوف اور معطوف علیہ دونوں کے ساتھ لگایا ہے اور پھر یہ اشکال کیا ہے کہ اجل آنے کے بعد تاخیر ممکن ہے لیکن تقدیم کیسے ممکن ہے؟ مثلاً: موت کا وقتِ موعود دن کے بارہ بجے ہے تو یہ ممکن ہے کہ ایک بجے مرجائے، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ گیارہ بجے مرجائے۔ اس کے متعدد جوابات میں سے ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ” إذا قرب أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون“ یعنی مفسرین کے نزدیک یہ قید معطوف ومعطوف علیہ دونوں کے ساتھ ملحق ہے۔ (تفسیر الرازی: ۱۷/۷-۲۷، ط: دارالفکر)۔

فإن قيل: ما معنى قوله: ولا يستقدمون فإن عند حضور الأجل امتنع عقلاً وقوع ذلك الأجل في الوقت المتقدم عليه ، قلنا: يحمل قوله : فإذا جاء أجلهم على قرب حضور الأجل، تقول العرب: جاء الشتاء إذا قارب وقته ومع مقاربة الأجل يصح التقدم على ذلك تارة والتأخر عنه أخرى . (التفسیر الکبیر: ۷/۲۷).

دوسری مثال ملاحظہ کیجیے:

ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة . ولا يزالون مختلفين إلا من رحم ربك، ولذلك خلقهم. جلالین میں اس آیت کے تحت مرقوم ہے: أى أهل الاختلاف له وأهل الرحمة لها. (ص ۱۸۹، قديمی) اس آیت میں ” ولذلك خلقهم“ کو دونوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ یعنی ” ولايزالون مختلفين “ اور ” إلا من رحم ربك “ کے ساتھ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں کی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے اسباب اورصوبہ سندھ کی فتح کی سرگزشت:

سوال: بعض غیر مسلم ممالک میں بے حد ظلم ہوتا رہتا ہے، میں نے علما سے سنا ہے کہ مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی ہے، مظلومین دعائیں کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ظالموں پر آفت نہیں پڑتی، کیا یہ دعائیں رائیگاں جاتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ فوری طور پر دعا قبول نہ ہونے کے کچھ اسباب ہیں، نیز دعا کی قبولیت کی مختلف شکلیں ہیں؛ کبھی اس کی وجہ سے بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے، کبھی آخرت کے لیے ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے، وغیرہ۔ نیز دعا کی قبولیت کی کچھ شرائط بھی ہیں، ان میں سے کوئی شرط مفقود ہوگی تو دعا قبول نہ ہوگی، باقی مظلومین کی مدد ونصرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے لیکن ایفائے وعدہ کے لیے کوئی وقت متعین نہیں فرمایا۔

قبولیتِ دعا کے چند اسباب وشرائط حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

ا۔ کبھی ظالموں کو مہلت دی جاتی ہے، اس مہلت کے درمیان ان کا ظلم وستم حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کی آزمائش اور کچھ مصالح کی وجہ سے نصرت کو مؤخر کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو؛ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

اللہ جل شانہ اپنی رحمت وحکمتِ بالغہ سے بسا اوقات مجرم قوموں کو مہلت دیتے ہیں، اور یہ مہلت بسا اوقات بڑی طویل بھی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے سرکشوں کی جرأت بڑھ جاتی ہے اور پیغمبروں کو ایک گونہ پریشانی پیش آتی ہے (اللہ تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا: ﴿ **حتى إذا استيأس الرسل وظنوا أنهم قد كذبوا جاء هم نصرنا فنجي من نشاء ولا يرد بأسنا عن القوم المجرمين** ﴾ [یوسف: ۱۱۰] یعنی پچھلی اُمتوں کے نافرمانوں کو بڑی بڑی مہلتیں دیں، یہاں تک کہ مدتِ دراز تک ان پر عذاب نہ آنے سے پیغمبر یہ خیال کر کے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے اجمالی وعدۂ عذاب کا جو وقت ہم نے اپنے انداز سے اپنے ذہنوں میں

مقرر کر رکھا تھا اس وقت میں کفار پر عذاب نہ آئے گا اور حق کا غلبہ ظاہر نہ ہوگا اور ان پیغمبروں کو گمانِ غالب ہو گیا کہ وعدۂ الٰہیہ کا اپنے اندازے سے وقت مقرر کرنے میں ہماری فہم نے غلطی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی متعین وقت بتلایا نہیں تھا، ہم نے مخصوص قرائن سے ایک مدت متعین کر لی تھی اسی مایوسی کی حالت میں ان کو ہماری مدد پہنچی ... الخ۔ (معارف القرآن:۵/۱۴۹)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الٓمٓ ، أحسب الناس أن يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لايفتنون، ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكاذبين﴾ [العنكبوت: ۱،۳]، اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصالح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مدد کو مؤخر کرتے ہیں۔

عن خباب بن الأرت قال: شكونا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو متوسد بردة له في ظل الكعبة فقلنا : ألا تستنصرلنا ألا تدعونا ؟ فقال : قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفر له فى الأرض فيجعل فيها فيجاء بالمنشار فيوضع على رأسه فيجعل نصفين ، ويمشط بأمشاط الحديد ما دون لحمه وعظمه فما يصده ذلک عن دينه ، والله ليتمن هذا الأمر حتى يسير الراكب من صنعاء إلى حضر موت لا يخاف إلا الله والذئب على غنمه ولكنكم تستعجلون . (صحيح البخاری،رقم: ۶۹۴۳).

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ مظلوم کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اگرچہ کچھ مصالح کی وجہ سے تاخیر ممکن ہے۔ **ولو بعد حين** ۔ (سنن الترمذی،رقم:۳۵۹۸)۔

۲۔ کبھی غیر مسلم ممالک ایک جگہ کے مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں لیکن وہ اپنے ملک میں مسلمانوں کو خوب راحت پہنچاتے ہیں اور ان مسلمانوں کی قلبی ہمدردی کی وجہ سے ظالم دنیا میں یا کچھ مدت کے لیے محفوظ رہتے ہیں، مثلاً: حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے وہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک اس کے بدن پر کپڑے کا کوئی ٹکڑا باقی رہے۔ ترمذی شریف میں ہے:

عن حصين قال: جاء سائل فسأل ابن عباس رضي الله عنه ، فقال ابن عباس رضي الله عنه للسائل: أتشهد

أن لا إلـه إلا الـلّـه ؟ قـال: نعم ، قال: أتشهد أن محمداً رسول اللّٰه ؟ قال: نعم ، قال: وتصوم رمـضـان ؟ قـال: نـعم ،قال: سألت وللسائل حق ، إنه لحق علينا أن نصلک ،فأعطاه ثوباً ثم قـال: سـمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ما من مسلم كسا مسلماً ثوباً إلا كان فـي حـفـظ مـن الـلّـه مـا دام منه عليه خرقة . هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه. (سنن الترمذی، رقم: ۲۴۸۴).

۳۔ قبولیتِ دعا کے مختلف طریقے ہوتے ہیں: ممکن ہے کہ جو ظالم ظلم کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں اگر مسلمانوں کو حکومت مل جائے تو وہ ان سے بھی بڑے ظالم ہوں گے تو بڑے ظالم سے بچانا بھی دعا کی قبولیت کی ایک شکل ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد میں روایت ہے:

عن أبي سعيد ﷺ أن الـنـبـي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيهـا إثـم ولا قـطـيـعة رحـم إلا أعطاه اللّٰه بها إحدى ثلاث ؛ إما أن تعجل له دعوته ، وإما أن يـدخـرهـا لـه فـى الآخـرة ، وإما أن يصرف عنه من السوء مثلها، قالوا: إذا نكثر ، قال : اللّٰه أكثر. (مسندالامام احمد : ۱۱۱۳۳/۲۱۳/۱۷). (وكذا فى المستدرک للحاكم، قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد الا ان الشيخين لم يخرجاه عن على بن على الرفاعى : ۱۸۱۶/۶۷۰/۱).

۴۔ کبھی بعض مصالح کی وجہ سے ظالم کی پکڑ آخرت کے لیے رکھی جاتی ہے اور دنیا میں ظالم عیاشی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**ولا تـحـسـبن اللّٰه غافلاً عما يعمل الظالمون إنما يؤخرهم ليوم تشـخـص فيه الأبصار**﴾ [ابراهيم: ۴۲]، اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مظلوم کی تسلی اور ظالم کے لیے سخت عذاب کی دھمکی ہے کہ ظالم اور مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل دینے سے بے فکر نہ ہو جائیں، اور یہ نہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے جرائم کی خبر نہیں، اس لیے باوجود جرائم کے وہ پھل پھول رہے ہیں، کوئی عذاب ومصیبت ان پر نہیں آتی، بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، مگر وہ اپنی رحمت اور حکمت کے تقاضے سے ڈھیل دے رہے ہیں۔ (معارف القرآن: ۲۵۹/۵)۔

۵۔ کبھی دعاؤں کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں، چند شرائط درجِ ذیل ہیں:

(۱) کھانا، پینا، لباس وغیرہ کا حلال اور طیب ہونا؛

صحیح مسلم شریف میں روایت ہے: **عن أبي هريرة ﷺ قـال: قـال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:**

أيها الناس، إن اللّٰه طيب لايقبل إلا طيباً ، وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين ، فقال: ﴿يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً، إنى بما تعملون عليم﴾ [المؤمنون: ۵۱]، وقال: ﴿ياأيها الذين آمنوا كلوا من طيبات مارزقناكم﴾ [البقرة: ۱۷۲]، ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب يا رب ، ومطعمه حرام ومشربه حرام و ملبسه حرام وغذى بالحرام ، فأنى يستجاب لذلك . (صحيح مسلم: ۷۰۳/۲، ۱۰۱۵).

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہنا؛ ترمذی شریف میں ہے: عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: والذى نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن اللّٰه أن يبعث عليكم عقاباً منه ثم تدعونه فلا يستجاب لكم. هذا حديث حسن. (سنن الترمذى، رقم: ۲۱۶۹).

(۳) ہمیشہ دعا کرتے رہنا، اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ کی مدد کا منتظر رہنا اور مایوس اور ناامید نہ ہونا؛ صحیح بخاری شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يستجاب لأحدكم ما لم يعجل، يقول: دعوت فلم يستجب لي. (صحيح البخارى، رقم: ۶۳۴۰).

صحیح مسلم شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لا يزال يستجاب للعبد ما لم يدع بأثم أوقطيعة رحم ما لم يستعجل قيل: يارسول اللّٰه! ما الاستعجال؟ قال: يقول: قد دعوت ، وقد دعوت فلم أر يستجيب لي فيستحسر عند ذلك ويدع الدعاء . (صحيح مسلم، رقم: ۲۷۳۵).

۶۔ کبھی مسلمانوں کو غفلت اور ترکِ اسباب کی سزا دی جاتی ہے اور دعا قبول نہیں ہوتی، جیسے اگر کوئی شادی نہ کرے اور اولاد کی دعا کرتا رہے تو دعا قبول نہیں ہوگی، اسی طرح مظلوم لوگ دعا کرتے رہتے ہیں لیکن مسلمان حکمران ظالم کو دفع کرنے اور ظالم کو سزا دینے کے اسباب اختیار نہیں کرتے، اور مظلوم ظلم میں پستے رہتے ہیں۔ مثلاً: راجہ داہر کی پبلک نے جب عراقی مسلمانوں پر ظلم کر کے ان کو لوٹا اور مظلوم نے دعا کی اور حجاج بن یوسف عراق کے گورنر کو یاد کیا تو انہوں نے مظلوم کی دعاؤں کے ساتھ اسباب کو بروئے کار لا کر ظالموں کا قلع قمع کیا۔ فاعتبروا يا أولى الأبصار۔

سندھ سے مسلم خاتون کی فریاد پر حجاج بن یوسف کا عراق سے لبیک کہنا:

واقعہ کی تفصیل درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

کچھ مسلمان سوداگر جزیرۂ سراندیپ میں بحالتِ سفر فوت ہوگئے تھے،ان کے یتیم بچے اور بیوہ عورتیں جو اس جزیرہ میں رہ گئیں تھیں، ان کو سراندیپ کے راجہ نے حجاج بن یوسف ثقفی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کی عنایت اور مہربانی اپنی طرف مبذول کرنے کے لیے بہترین ذریعہ سمجھا،سراندیپ کا راجہ مسلمانوں کی فتوحات کا حال سن سن کر پہلے سے مرعوب اور اپنی نیازمندی کے اظہار کی غرض سے کسی ذریعہ اور حیلہ کا متلاشی تھا، چنانچہ اس نے یتیم بچوں اور بیواؤں کو تعظیم وتکریم کے ساتھ اپنے معتمدوں کے ساتھ اپنے خاص جہازوں میں بٹھا کر حجاج کے پاس روانہ کیا، بہت قیمتی تحائف اور ہدیے حجاج اور خلیفہ ولید کے لیے بھیجے اوران یتیموں اور بیواؤں سے امید رکھی کہ یہ ضرور میری تعریف حجاج سے کریں گے۔

کشتیاں سراندیپ سے روانہ ہوکر ساحل کے قریب قریب سفر کرتی ہوئی خلیج فارس کی طرف روانہ ہوئیں کہ وہاں سے خشکی پر اتر کر معہ تحفہ اور ہدایا حجاج کی خدمت میں کوفہ پہنچیں گے، راستے میں بادِ مخالف کے طوفان نے ان کشتیوں کو سندھ کے بندرگاہ دَیبُل میں لا ڈالا، یہاں سندھ کے راجہ مسمّی داہر کے سپاہیوں نے ان کشتیوں کو لوٹ لیا اور سواروں کو قید کرلیا، یہ حال جب حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے سندھ کے راجہ کو لکھا کہ وہ کشتیاں ہمارے پاس آرہی تھیں، تم لٹیروں کو قرار واقعی سزا دو اور کشتیوں کے آدمیوں کو معہ سامانِ سفر مسروقہ ہمارے پاس بھیج دو، یہاں سے راجہ نے حجاج کو نہایت مغرورانہ اور نامعقول جواب لکھا، حجاج نے اولاً عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا، عبداللہ سندھ پہنچ کر راجہ داہر کی فوج کا مقابلہ کرتا ہوا شہید ہوگیا، اور یہ مہم ناکام رہی، دوسری مرتبہ حجاج نے بدیل نامی سردار کو مامور کیا، وہ بھی چھ ہزار فوج لے کر بدیل پہنچ گیا مگر راجہ جیب کے مقابلہ میں لڑتا ہوا گھوڑے سے گر کر شہید ہوگیا، اس خبر کو سن کر حجاج کو اور بھی زیادہ ملال ہوا۔

تیسری مرتبہ محمد بن قاسم کو جو اس کا داماد بھی تھا اور چھبیس، ستائیس سال کی عمر کا نوجوان تھا، چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا محمد بن قاسم کے ساتھ اس مرتبہ شامی سپاہی اس لیے بھیجے گئے کہ حجاج کو اس بات کا شبہ تھا کہ عراقی اور ایرانی سپاہی، مشرکین سے ساز باز رکھتے ہیں، محمد بن قاسم نے اول صوبہ مکران کو جس پر

مشرکین نے قبضہ کر رکھا تھا فتح کر کے مشرکین کو بھگایا، پھر دیبل پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا، اپنی فوجوں کے آگے خندق کھودی اور بہادرانِ اسلام کی صفیں ترتیب کے ساتھ قائم کر دیں، منجنیق بھی مناسب مقامات پر نصب کر دی گئیں، وسط شہر میں ایک بہت بڑے مندر میں بدھ کا بت تھا، مندر کی شاندار عمارت پر ایک بہت بڑا مینار بنا ہوا تھا، مینار کے برج پر ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا نصب تھا، منجنیق سے اس کو گرایا، تو اہل شہر کی ہمتیں پست ہو گئیں، پھر مسلمانوں نے جوش وخروش کے ساتھ شہر پر حملہ کیا اور فتح کر لیا، پھر نیرون اور برہمن آباد کی طرف بڑھا وہاں کے حاکم نے مصالحت کر لی، اب محمد بن قاسم نے سندھ کی طرف پیش قدمی کی جہاں راجہ داہر تھا، راجہ داہر کے پاس نہ صرف ایرانی لوگ پناہ گزیں تھے بلکہ بہت سے عرب لوگ بھی جو خلیفہ وقت یا عمالِ خلافت سے باغی ہو کر بھاگے تھے، سندھ میں راجہ داہر کے پاس پناہ گزیں تھے، اس لیے بھی سندھ پر حملہ کرنا ناگزیر تھا، راجہ داہر دریائے سندھ کے کنارے دوسرے راجاؤں کے ساتھ عظیم الشان لشکر کے ساتھ تھا، سندھ میں مقابلہ ہوا، مشرکین کی فوج کے آگے ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے، خود راجہ داہر بھی صف کے درمیان ایک سفید ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا، دونوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی، بالآخر راجہ داہر قتل کیا گیا، اور محمد بن قاسمؒ کو فتح حاصل ہوئی، اس کے بعد محمد بن قاسم نے یکے بعد دیگرے سندھ کے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا حتی کہ تمام ملک سندھ اور ملتان اس کے ہاتھ پر فتح ہوا، سندھ کی فتح میں حجاج کی توجہ پورے طور پر محمد بن قاسم کی طرف مبذول رہی، وہ روزانہ خبریں منگواتا اور روزانہ محمد بن قاسم کو ہدایات بھیجتا تھا۔

محمد بن قاسم نے اپنے آپ کو سندھیوں کے لیے نہایت شفیق اور رحم دل فاتح اور رعایا پرور حکمران ثابت کیا، اس نوجوان فتحمند نے جس رواداری، بردباری، سیر چشمی اور عطا کا اظہار کیا اس کی مثال تاریخِ اسلام میں بہت ہی کم دستیاب ہو سکتی ہے۔ (مستفاد از تاریخ اسلام: ۲/۱۷۰، وتاریخ ملت: ۶۰۲/، واسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ، ص ۱۰۷)۔

فتوح البلدان میں ہے:

فحدثني منصور بن حاتم قال: داهر والذى قتله مصوران ببروص. (فتوح البلدان، ص ۴۱۹).

یعنی منصور بن حاتم کا بیان ہے کہ بھروچ میں راجہ داہر اور اس کے قاتل دونوں کی تصویر بنا کر یادگار قائم کی گئی۔ (اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ، ص ۱۱۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بروزِ جمعہ عصر کے بعد خاص درود شریف کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے دن بعد العصر درود شریف جو مشہور ومعروف ہے اور عام مساجد میں اس کے اشتہارات آویزاں کیے جاتے ہیں، کیا یہ درود شریف انہی الفاظ کے ساتھ حدیث میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ اگر وارد ہوا ہے تو سنداً اس حدیث کا کیا درجہ ہے؟ تحقیق مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ سخاویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " **القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع** " میں بحوالہ ابن بشکوال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بعد العصر کی تخصیص کے ساتھ یہ درود شریف نقل فرمایا ہے۔ اور مزید براں حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی نسبت فرمائی ہے کہ ان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ القول البدیع کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

وفي لفظ عند ابن بشكوال من حديث أبي هريرة رضي الله عنه أيضاً : " من صلى صلاة العصر من يوم الجمعة فقال قبل أن يقوم من مكانه: " **اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً** " ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً ، وكتبت له عبادة ثمانين سنة ". ونحوه عن سهل كما سيأتي . (القول البديع ،ص ۳۸۱،ط:مؤسسة الريان).

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ: جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہونے سے پہلے اسی (۸۰) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے: "**اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً** " اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ حدیث شریف پر کلام ملاحظہ کیجئے:

علامہ سخاویؒ نے ابن بشکوال کا حوالہ دیا ہے، اور ابن بشکوال جن کا پورا نام ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن بشکوال ہے، (م۵۷۸ھ) ان کی کتاب " **القربة إلى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين** " ہے جو سید محمد سید اور خلاف محمود عبد السمیع کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان سے شائع ہوئی ہے۔

زیر نظر کتاب کی مراجعت اور ورق گردانی کے باوجود مذکورہ بالا روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ بندہ کو دستیاب نہیں ہوئی۔ بایں وجہ اس روایت پر بندہ مثبت یا منفی انداز میں کلام کرنے

سے قاصر ہے۔ہاں ابن بشکوال نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مذکورہ روایت کے مشابہ ایک روایت کی تخریج فرمائی ہے وہ روایت درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

قال الشيخ أبوالقاسم ابن بشكوال، وقرأت على القاضى أبي بكر بن العربي قال: أنبأنا ابن المبارك بن عبد الجبار حدثنا أبوطالب العشاري حدثنا عمر بن شاهين حدثنا الحسن بن إسماعيل الضبي وأحمد بن عبد الله بن نصر بن بحير قالا: حدثنا سعيد بن تواب حدثنا عون بن عمارة (منكرالحديث) **حدثنا سكن البرجمي عن الحجاج بن سنان** (متروك) **عن علي بن زيد** (ضعيف، رافضي) **عن سعيد بن المسيب أظنه عن أبي هريرة** رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الصلاة علي نور على الصراط، فمن صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً".** (القربة لابن بشكوال، ص ۱۱۱، رقم الحديث: ۱۰۹).

قال المحشي: رواه الخطيب البغدادى فى تاريخه (۴۸۹/۱۳) **من حديث أنس** رضي الله عنه**. وذكره الألبانى فى الضعيفة.**

دونوں روایتوں کے مابین فرق واضح ہے تاہم حدیث پر کلام ملاحظہ ہو:

قلت: إسناده ضعيف جداً؛ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے،اس میں تین رواۃ پر سخت کلام ہے۔

(۱) علی بن زید بن جدعان؛ ضعیف اور رافضی قسم کا آدمی تھا۔(الميزان: ۱۲۷/۳، والتقريب، ص ۴۶۸ مع تحرير التقريب).

(۲) حجاج بن سنان؛ کو حافظ ازدی نے متروک کہا ہے۔(الميزان: ۴۶۳/۱، واللسان: ۵۶۲/۲).

(۳) عون بن عمارہ؛ کو ابوزرعہ اور حاکم نے منکر الحدیث کہا اور امام ابوداود نے ضعیف کہا اور ابن عدی نے کہا کہ ضعف کے باوجود حدیث لکھی جاسکتی ہے،ساجی نے کہا: سچا ہے لیکن اس میں غفلت تھی اور وہم ہو جاتا تھا۔ (التهذيب: ۱۴۸/۸).

نیز اس حدیث کی تخریج ابن شاہین نے الترغیب میں (ص ۹۴) پر اور دارقطنی نے "الافراد" میں اور ابوالشیخ اور الضیاء المقدسی وغیرہ حضرات نے بھی فرمائی ہے۔ **قال الدارقطني: تفرد به حجاج بن سنان عن علي بن زيد فلم يروه عن حجاج إلا السكن بن أبى السكن قال ابن حجر في**

تخريج الأذكار : والأربعة ضعفاء وأخرجه أبو نعيم من وجه آخر وضعفه ابن حجر. (فيض القدير: ۴/۲۴۹).

حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق:

علامہ سخاویؒ نے حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابن بشکوال بیان فرمائی ہے، بنا بریں ہم ابن بشکوال کی کتاب " القربة " سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

قال ابن بشكوال: قال شيخنا أبو القاسم : وروينا عن سهل بن عبد الله : من قال في يوم الجمعة بعد العصر : " اللّٰهم صلِّ على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين سنة ". (القربة لابن بشكوال ،ص ۱۱۴،رقم: ۱۱۴).

پہلی روایت یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اوراس دوسری روایت کے مابین تین فروق ہیں:

الف: پہلی روایت میں: " قبل أن يقوم من مكانه " کے الفاظ موجود ہیں، جب کہ دوسری میں نہیں ہیں۔

ب: پہلی روایت میں: " وسلم تسليماً " ہے، اور دوسری میں " تسليماً " نہیں ہے۔

ج: پہلی روایت میں " كتبت له عبادة ثمانين سنة " ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

مزید براں ابن بشکوالؒ نے اس حدیث کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی ، فقط اپنے شیخ ابو القاسم کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جب کہ شیخ ابو القاسم احمد بن تقی م۵۳۲ھ اور سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مفاوز ہیں، طویل فاصلہ ہے اور سلسلہ سند منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

لہذا اسناد اور رجال کا حال معلوم کیے بغیر اس روایت کے بارے میں کچھ کلام کرنا مشکل ہے اور یہ کہنا کہ علامہ سخاویؒ بہت بڑے آدمی تھے، جرح وتعدیل میں ان کا اونچا مقام تھا، یا شیخ ابن بشکوالؒ بہت بڑے آدمی تھے یا ان کے شیخ ابو القاسم بڑے حضرت تھے، یہ بات فن اصولِ حدیث کی رو سے کسی حدیث کے اثبات کے لیے ناکافی ہے۔ **لأنه لا يشفي العليل ولا يروي الغليل .**

وجہ یہ ہے کہ کثیر تعداد میں محدثین نے حدیث کی کتابیں مرتب فرمائی ہیں اور جملہ محدثین بڑے بزرگ، ثقہ اور ثبت تھے ان کی علمی عملی شان میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی بعض کتابوں میں موضوعات بھی شامل

ہیں۔البتہ اس بارے میں ایک دوسری حدیث مروی ہے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’تاریخ بغداد‘‘ میں ذکر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

قال الخطيب البغدادي : وهب بن داود بن سليمان أبو القاسم المخرمي حدث عن إسماعيل بن علية روى عنه محمد بن جعفر المطيري وكان ضريراً ولم يكن ثقة. أخبرنا أبو طالب عمر بن إبراهيم الفقيه حدثنا عمر بن إبراهيم المقرئ حدثنا محمد بن جعفر المطيري حدثنا وهب بن داود بن سليمان الضرير حدثنا إسماعيل بن إبراهيم حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنت واقفاً بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: من صلى عليّ يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاماً فقيل له كيف الصلاة عليك يا رسول الله قال: تقول: **"اللّٰهم صلِّ على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمي"**، وتعقد واحداً . (تاريخ بغداد:۱۳/۴۸۹/۷۳۲۶).

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے،جس کو امام دارقطنی نے اپنی کتاب ’’الافراد‘‘ میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے جس کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

البتہ خطیب بغدادی کی روایت میں صرف ایک راوی وہب بن داود کو خطیب بغدادی نے ’’لم یکن ثقة‘‘ فرمایا ہے۔اگرچہ شیخ البانی صاحب نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن شیخ البانی صاحب کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کی سند میں کوئی کذاب،وضاع راوی نہیں ہے بلکہ فقط ایک ضعیف راوی ہے اس کی وجہ سے موضوع کہہ دینا بہت بڑی جرأت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث دیگر احادیث کے مقابلہ میں ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے ہاں اس میں جمعہ کے دن بعد العصر کی کوئی تخصیص نہیں ہے لہذا پورے دن میں کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

بروزِ جمعہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تحقیق:

سوال: عام طور پر ایک حدیث شریف ’’من صلى علي يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة‘‘ جمعہ کے دن بیان کی جاتی ہے اور اس پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے۔کیا یہ حدیث شریف،حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو سنداً اس کا کیا درجہ

ہے؟ تحقیق مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ حدیث شریف دو طریق سے مروی ہے (۱) حافظ ابن شاہین کے طریق سے اور اس میں ''یوم الجمعہ'' کے الفاظ نہیں ہیں، اور یہ طریق سنداً ضعیف ہے، علامہ سخاویؒ نے اس کو منکر کہا ہے، اس میں ایک راوی محمد بن عبدالعزیز الدینوری منکر الحدیث ہے۔ اور دوسرا راوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا طریق حافظ ابوالقاسم الاصبہانی کا ہے، اس میں ''یوم الجمعہ'' کے الفاظ موجود ہیں، اور یہ بھی سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری مجہول ہیں، شیخ البانی صاحب نے کہا'' **لم أعرفه** '' پھر کہا: شاید محمد بن سنان ہوگا جو کہ مشہور ضعیف راوی ہے۔

قال الشيخ الألباني: محمد بن عبد الله بن محمد ؛ لم أعرفه ، ولعل الأصل ...عن محمد بن سنان ؛ فإن محمد بن سنان القزاز البصري معروف وهو ضعيف. والله أعلم . (سلسلة الضعيفة: ۱۸۹/۱۱).

اگر اس سند میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری سے مراد محمد بن سنان القزاز البصری ہو جیسا کہ شیخ البانی صاحب نے'' **لعل الأصل** '' سے ذکر کیا ہے تو اس پر سخت کلام ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال ابن الجوزی: محمد بن سنان بن يزيد بن الذيال ، أبوالحسن ، القزاز، البصری؛حدث عن روح بن عبادة . كان أبوداود السجستاني يطلق عليه الكذب ، و قال عبد الرحمن بن خراش: هو كذاب.** (كتاب الضعفاء و المتروكين: ۷۰/۳،و تاريخ بغداد: ۳۴۵/۵).

حافظ ابن الجوزیؒ نے محمد بن سنان بن یزید بن الزیال ابوالحسن القزاز البصری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوداود نے اس کو متہم بالکذب قرار دیا، اور عبدالرحمٰن بن خراش نے کذاب کہا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے محمد بن سنان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام دارقطنیؒ نے '' **لا بأس به** '' فرمایا، یعنی ٹھیک ہے۔

قال الخطيب في تاريخ بغداد: وروى الحاكم أبوعبد الله بن البيع أنه سمع الدارقطني يقول: محمد بن سنان القزاز أصله بصري سكن بغداد لا بأس به . (تاريخ بغداد: ۳۴۳/۵). اور اگر کوئی دوسرا ہو تو پھر وہ مجہول ہے۔

کیونکہ ان کے استاذ قرۃ بن حبیب مشہور محدث ہیں امام مزیؒ نے ان کے ترجمہ میں ان کے ۳۲ شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں محمد بن عبداللہ بن محمد کا نام کہیں مذکور نہیں ہے۔ نیز ان سے روایت کرنے والے جعفر بن محمد بن الحسن ہے ان کے اساتذہ میں بھی محمد بن عبداللہ بن محمد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ دیکھئے: (تہذیب الکمال:۲۳/۴ ۵۷، وتذکرۃ الحفاظ).

اور دوسرا راوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

قال الحافظ فی التقریب: صدوق له أوهام، وقال فی تحریر التقریب: بل ضعیف یعتبر به ؛ ضعفه أبو داود الطیالسی، والنسائی، وأبو أحمد الحاکم، وقال سلیمان بن حرب: عمدت إلی حدیث المشایخ فغسلته ، فقیل : مثل من؟ قال مثل الحکم بن عطیة وقال الترمذی: قد تکلم فیه بعضهم ، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عن الحکم بن عطیة فقال: یکتب حدیثه ، ولیس بمنکر الحدیث، وکان أبو داود یذکره بجمیل، قلت: یحتج به ؟ قال: لا، من ألف شیخ یحتج بواحد، لیس هو بالمتین هو مثل الحکم بن سنان، وقال ابن حبان فی المجروحین: کان أبو الولید شدید الحمل علیه ، ویضعفه جداً ، وکان الحکم ممن لا یدري ما یحدث ، فربما وهم الخبر یجیء کأنه موضوع ، فاستحق الترک ، وانفرد ابن معین بتوثیقه . (تحریر التقریب: ۱/۳۱۰، ۳۱۱) .

محدثین کے ہاں " **فلان یعتبر به** " کا مطلب یہ ہے کہ صرف متابعات وشواہد میں لے سکتے ہیں انفراداً اس کی روایت مقبول نہیں۔

وقال في فتح المغیث: قال ابن الصلاح : واعلم أنه قد یدخل في باب المتابعة والاستشهاد روایة من لایحتج بحدیثه وحده بل یکون معدوداً فی الضعفاء وفي کتابي البخاری ومسلم جماعة من الضعفاء ذکرهم فی المتابعات والشواهد ولیس کل ضعیف یصلح لذلک ولهذا یقول الدارقطني وغیره: فلان یعتبر به وفلان لا یعتبر به . (فتح المغیث : ۱/ ۲۰۹). علامہ سخاویؒ نے اس حدیث کو بھی منکر کہا ہے۔

حافظ ابوحفص عمر بن احمد ابن شاہین البغدادی م ۳۸۵ھ کا طریق ملاحظہ فرمایئے:

حدثنا عمر، نا عثمان بن أحمد ، أنا محمد بن أحمد بن البراء ، أنا محمد بن عبد

العزيز الدينوري(منكرالحديث)،**أنا قرة بن حبيب القنوي، أنا الحكم بن عطية** (ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لايتابع عليها قاله الدارقطني) ، **عن ثابت ، عن أنس بن مالك**رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من صلى علي في يومٍ ألف مرة ، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة"** . (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين، ص۲۲، رقم الحديث : ۱۹).

قال المحشي صالح أحمد : إسناده ضعيف . (ص۱۹). **وأيضاً أخرجه ابن سمعون في أماليه** (رقم:۵۶).

حافظ قوام السنہ ابوالقاسم الاصبہانی م۵۳۵ھ کا طریق ملاحظہ کیجئے:

قال الحافظ أبوالقاسم إسماعيل بن محمد ابن الفضل الجوزي الأصبهاني : أخبرنا محمد بن عبد الله الكاذي ، ثنا الحسين بن محمد الهاشمي ، ثنا أبوعبد الله بن يعقوب القساملي، ثنا محمد بن أستاذ ، ثنا جعفر بن محمد بن الحسن ، ثنا محمد بن عبد الله بن محمد بن سنان القزاز البصري(مجهول)، **ثنا قرة بن حبيب ، ثنا الحكم بن عطية**(ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها قاله الدارقطني) ، **ثنا ثابت ، عن أنس بن مالك** رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من صلى علي في يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة"**. (كتاب الترغيب والترهيب : ۱/۳۸۲،رقم الحديث ۸۸۳).

وقال المحشي: عزاه السيوطي في نور اللمعة (۱۸۲) **للمصنف ، وعزاه ابن القيم في جلاء الأفهام** (ص۳۲) **لابن شاهين. وقال السخاوي** (في القول البديع،ص۲۶۷) **: رواه ابن شاهين في ترغيبه وغيره وابن بشكوال من طريقه وابن سمعون في أماليه وهو عند الديلمي من طريق أبي الشيخ. وأخرجه الضياء في المختارة** [قال الشيخ الألباني: وسقط الحديث من مطبوعة "المختارة" ، وليس فيه ترجمة لـ الحكم ابن عطية عن ثابت عن أنس رضي الله عنه. فالظاهر أنها كانت قصاصة من القصاصات التي كان يلحقها بمكانها ، وقد شاهدت منها الشيء الكثير في نسخة الظاهرية ، وهي بخط المؤلف ، وهذه ربما ضاعت أو لم تصور (سلسلة الضعيفة: ۱۱/۱۹۰)] **وقال: لا أعرفه إلا من حديث الحكم بن عطية . قال الدارقطني: حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها، وقال أحمد: لا بأس به ، إلا أن أباداود الطيالسي روى عنه أحاديث منكرة وقال السخاوي: وبالجملة فهو حديث منكر كما قال**

شیخنا . (التعلیقات علی کتاب الترغیب للشیخ محمد السعید بن بسیونی زغلول: ۱/۳۸۲).

وقال السخاوي فی" القول البدیع" (ص ۳۸۲): وعن أبي عبد الرحمن المقرئ قال: بلغني أن خلاد بن كثير كان فی النزع فوجد تحت رأسه رقعة مكتوب فیها : هذه براءة من النار لخلاد بن كثير، فسألوا أهله : ما كان عمله ؟ فقال أهله: كان یصلي علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم كل یوم جمعة ألف مرة : اللّٰهم صل علی محمد النبي الأمي ، ویروی في ذلک الحدیث الماضي:" من صلی علی یوم الجمعة ألف مرة لم یمت حتی یری مقعده من الجنة "رواه أبوموسی المدینی ، وذكره ابن النعمان وغیره ولم أقف علی أصله ، انتهی .

قلت: أخرجه أبوالشیخ الأصبهاني في طبقات المحدثین بأصبهان (رقم: ۴۸۲). ویحیی بن الحسین الشجري فی "الأمالی الشجریة " (۲/۱۰۵).

خلاصہ یہ ہے کہ یوم الجمعہ کی قید کے ساتھ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔اگراس کی سند میں محمد بن سنان بصری ہوتو اس کوابوداود وغیرہ نے کذاب کہا ہے اوراگر محمد بن عبداللہ بن محمد ہوتو وہ مجہول الذات والعدالۃ ہے اورحکم بن عطیہ کی بھی اکثر نے تضعیف کی ہے۔

علماء نے حدیثِ ضعیف پرعمل پیرا ہونے کی چند شروط تحریر فرمائی ہیں:

(۱)ضعف شدید نہ ہویعنی اس کی سند میں کذاب یا متہم بالکذب راوی موجود نہ ہو۔

(۲)ضعیف حدیث اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہو۔

(۳)ضعیف حدیث کواحتیاط کے درجہ میں تسلیم کیا جائے سنت کے درجہ میں نہیں۔

ملاحظہ ہوتدریب الراوی میں مذکورہے: وذكر شیخ الإسلام له ثلاثة شروط ؛ أحدها : أن یكون الضعف غیر شدید ، فیخرج من انفرد من الكذابین والمتهمین بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائی الاتفاق علیه . الثاني: أن یندرج تحت أصل معمول به . الثالث: أن لا یعتقد عند العمل به ثبوته بل یعتقد الاحتیاط . (تدریب الراوی: ۱/۲۹۸).

(وكذا فی ظفر الامانی ،ص ۱۱۲ ، وفتاوی الشامی: ۱/۱۲۸ ،سعید ، وفتح القدیر: ۲/۱۳۳).

علامہ شامیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگرایسی ضعیف حدیث کوبغیر سند بیان کیا جائے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے، کہنا چاہئے۔علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: وأما

الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله كذا وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا وبلغنا كذا وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما شك في صحته وضعفه كما فى التقريب . (فتاوى الشامي: ١/١٢٨،تحت ادلة الوضو،سعيد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

اجتماعات میں تالیاں بجانے اور نعرۂ تکبیر لگانے کا حکم:

سوال: ا۔عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اجتماعات وغیرہ کے موقعہ پر لوگ تالیاں بجاتے ہیں،کیا بہ نگاہِ شریعت اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ ۲۔اگر خوشی اور جوش دلانے کے لیے نعرۂ تکبیر لگایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ا۔بصورتِ مسئولہ تالیاں بجانا کفارِ مکہ اور مشرکین کا شیوہ تھا اور ان کی شرارت تھی،اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آیت نازل فرمائی:'' وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاء وتصدية''. [الأنفال:۳۵] بیت اللہ شریف کے پاس ان کی عبادت صرف یہ تھی: سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔موجودہ دور میں بھی کفار کا طریقہ کار ہے کہ لہو ولعب کی جگہوں میں تالیاں بجاتے ہیں،مسلمان اپنے اجتماعات وغیرہ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔صحابہ کرام،تابعین اور علماء،صلحاء کا بھی یہ طریقہ نہیں رہا ہے،بنابریں اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی نے اپنی تفسیر میں تالی بجانے کو جاہل غبی کے افعال میں سے شمار کیا ہے:

قال: أى صفيراً وتصفيقاً فعل الجهلة الأغبياء ، الذين ليس في قلوبهم تعظيم لربهم ولا معرفة بحقوقه ، ولا احترام لأفضل البقاع وأشرفها. (تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان،ص ۲۸۲،ط: مؤسسة الرسالة).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رقمطراز ہیں:

تالیاں بجانا لہو ولعب میں داخل ہے،شریعتِ مقدسہ نے عورتوں کو جب کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں اور کوئی ضرورت پیش آئے اجازت دی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر مار کر اپنا نماز میں مشغول ہونا ظاہر کردیں،لیکن ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے کی صورت یہ تعلیم فرمائی کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر ماریں کیونکہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر مار کر

بجانا لہو ولعب کی صورت اور رقاصوں کا فعل ہے نیز اظہارِ مسرت کے لیے مجامع میں تالیاں بجانا کفارِ یورپ کا خاص طریقہ ہے لہذا اہل اسلام کو اول اس وجہ سے کہ لہو ولعب کی صورت ہے دوم اس وجہ سے کہ کفارِ یورپ کی مشابہت ہے تالیاں بجانے سے باز رہنا چاہیے، یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں آئی لاعلمی پر مبنی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے کہ ’’جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا‘‘۔ (کفایت المفتی :۱۱۶/۹، ط: دار الاشاعت)۔

فقہاء نے تالی بجانے کو مکروہ لکھا ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وكره كل لهو، أى كل لعب وعبث...والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتاد من الطنبور...فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار. (فتاوى الشامي: ۳۹۵/۶،سعيد).

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص:۲۱۵،فصل فى صفة الاذكار،والفقه الاسلامى وأدلته:۱۱۶/۲، ط: دار الفكر،السورية،دمشق).

۲۔خوشی کے موقع پر اور جوش دلانے کے لیے نعرۂ تکبیر بلند کرنا جائز اور درست ہے ،یہی مسلمانوں کا طریقہ ہے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشی کے موقع پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرماتے تھے۔چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو خوشی کے مارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

۲۔فتح مکہ کے موقع پر مسلمان نعرۂ تکبیر لگاتے تھے۔

۳۔فتح خیبر کے موقع پر تکبیر بلند کی گئی۔

۴۔فتح قسطنطینیہ کے متعلق پیشین گوئی مروی ہے کہ آخری زمانہ میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے سے فتح ہوگا۔

روایات ملاحظہ کیجیے:

۱۔أخرج ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۱/۴۴) **وأبونعيم في حلية الأولياء** (۴۰/۱،دار الكتاب العربى ،بيروت) **عن ابن عباس رضي الله عنه قال: سألت عمر رضي الله عنه لأى شيء سميت الفاروق ... قال: فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخذ بمجامع ثيابه ثم نثره نثرة فما تمالك أن وقع على ركبتيه فقال: ما أنت بمنته يا عمر قال: فقلت: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله قال: فكبر أهل الدار تكبيرة سمعها أهل**

المسجد ...الخ .

۲۔أخرج ابن عساكر في تاريخ دمشق (۲۳/۴۵۲،تحت ترجمة ابی سفيان) :... فلما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان أول من قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد في بني سليم وهم ألف فيهم لواء يحمله عباس بن مرداس ولواء يحمله خفاف بن ندبة وراية يحملها الحجاج بن علاط قال أبوسفيان رضی اللہ عنہ: من هؤلاء قال العباس: خالد بن الوليد قال: الغلام ، قال: نعم ، فلما حاذى خالد بالعباس وإلى جنبه أبوسفيان رضی اللہ عنہ كبروا ثلاثاً ثم مضوا ثم مضى على اثره الزبير بن العوام فى خمس مائة منهم مهاجرون وأفناء العرب ومعه راية سوداء فلما حاذى أبوسفيان رضی اللہ عنہ كبر ثلاثاً وكبر أصحابه...الخ .

۳۔عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غزا خيبر فصلينا صلاة الغداة بغلس فركب نبي الله صلى الله عليه وسلم ... فلما دخل القرية قال: الله أكبر خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين قالها ثلاثاً . (صحیح البخاری، رقم: ۳۷۱، باب مایذکر فی الفخذ).

۴۔عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتى تكون أدنى مسالح المسلمين ببولاء... فيفتتحون القسطنطينية بالتسبيح والتكبير . (سنن ابن ماجه،ص ۳۰۱،ط:قدیمی). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عوام میں مذاہبِ اربعہ بیان کرنے کا حکم:

سوال: کیا عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے سامنے کسی مسئلہ پر چاروں مذاہب کے اقوال کو بیان کرے؟ کیا اس کی وجہ سے وہ سلفیت وغیر مقلدیت پھیلانے کا سبب تو نہیں بنے گا؟ براہِ کرم حکم شریعت سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ عوام کے مجمع میں اختلافی مسائل اور چاروں مذاہب کے اقوال کو بیان کرے، کیونکہ عام لوگوں میں اتنی صلاحیت واہلیت نہیں ہے کہ وہ براہِ راست کتاب وسنت واختلافی مسائل واقوال کو سمجھ سکیں، یا اس کے متعارض دلائل میں تطبیق وترجیح کا فیصلہ کرسکیں، بہت

سی مرتبہ انکی نااہلی اور کم فہمی کے نتیجہ میں شدید افراتفری اور فتنہ،فساد کا باب مفتوح ہوجاتا ہے۔

ہاں اگر واعظ یا مدرس کے مخاطبین دنیا میں پھیلے ہوئے ہوں یا مجمع میں مختلف مذاہب کے لوگ ہوں تو ان کی خاطر مذاہبِ اربعہ کو بیان کرکے اس انداز میں اپنے مذہب کی ترجیح بیان کرے کہ لوگوں کو تعصب اور تنگ نظری کا شبہ نہ ہو یا اس کے مخاطبین علماء وطلبہ علومِ دینیہ ہوں جو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تب بھی مذاہبِ اربعہ کے اقوال بیان کرنے میں چنداں حرج نہیں۔حدیث شریف میں ہے:

ما حدث أحدكم قوماً بحديث لا يفقهونه إلا كان فتنة عليهم . العقيلي في الضعفاء وابن السني وأبونعيم في الرياء من حديث ابن عباس رضي الله عنه بإسناد ضعيف ولمسلم في مقدمة صحيحه موقوفاً على ابن مسعود رضي الله عنه . (تخريج الاحياء،رقم:۹۶).

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قوله: ﴿فذكر إن نفعت الذكرى﴾ أي: ذكر حيث تنفع التذكرة ، ومن ههنا يؤخذ الأدب في نشر العلم ، فلا يضعه عند غير أهله ،كما قال أمير المؤمنين على رضي الله عنه: ما أنت بمحدث قوماً حديثاً لا تبلغه عقولهم إلا كان فتنة لبعضهم ، وقال: حدث الناس بمايعرفون، أتحبون أن يكذب الله ورسوله ؟ . (تفسيرابن كثير:۴/۱۲۹).

وفي أبجد العلوم : السادسة : أن يقتصر بالمتعلم على قدر فهمه ولا يلقي إليه ما لايبلغه عقله فينفره أو يخبط عليه عقله كما قيل كلموا الناس على قدر عقولهم . (ابجد العلوم: ۱/۱۲۹).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وقال على رضي الله عنه:...وفيه دليل على أن المتشابه لاينبغي أن يذكر عند العامة . ومثله قول ابن مسعود رضي الله عنه ما أنت محدثاً قوماً حديثاً لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة، رواه مسلم،... (فتح البارى : ۱/۲۲۵).(وكذا فى فتح الملهم : ۱/۳۵۴). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شادی کے بعد شوہر کی طرف نسبت کرنے کا حکم:

سوال: کیا شادی کے بعد عورت اپنی نسبت (Surname) بدل سکتی ہے؟ یعنی شوہر کی طرف

اپنے آپ کو منسوب کرسکتی ہے؟ کیا یہ اس وعید میں تو داخل نہیں ہے:" **من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام** ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نسب اور نسبت دونوں میں فرق ہے نسب کی تبدیلی ناجائز ہے جس کی وعید اس روایت میں مذکور ہے، لیکن نسبت بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شادی کے بعد عورتیں عام طور پر اپنی نسبت شوہر کی طرف کرتی ہیں، اس میں بچوں کے کاغذات وغیرہ میں آسانی وسہولت ہوجاتی ہے۔

صحیح بخاری کی شرح میں ابن بطال لکھتے ہیں: **فكان المعروف لأحدهم إذا أراد تعريفه بأشهر نسبه عرفه به من غير انتحال المعروف به ، ولا تحول به عن نسبه وأبيه الذي هو أبوه على الحقيقة رغبة عنه فلم تلحقهم بذلك نقيصه ، وإنما لعن النبي صلى الله عليه وسلم المتبرئ من أبيه والمدعى غير نسبه ، فمن فعل ذلك فقد ركب من الإثم عظيماً وتحمل من الوزر جسيماً ، وكذلك المنتمي إلى غير مواليه** . (شرح صحيح البخارى لابن بطال: ۸/ ۳۸۳، ط: الرياض). مزید ملاحظہ ہو: فتاویٰ دار العلوم زکریا (۷/ ۵۵۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر کا بیوی کو ہدیہ میں پھول دینے کا حکم:

سوال: کیا شوہر بیوی کو یا اولاد، والدین کو ہدیہ میں پھول دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شوہر بیوی یا والدین کا یا رشتہ داروں کا آپس میں ہدیہ لینا دینا جبکہ رسمی لین دین کے طور پر نہ ہو یا یورپ کے رواج اور ان کے مخصوص ایام میں نہ ہو، جائز ہی نہیں بلکہ آپس میں محبت اور الفت کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ترغیب موجود ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تهادوا تحابوا " رواه البخاري فى " الأدب المفرد " (۵۹۴) **وأبويعلى في مسنده** (۶۱۴۸) **بإسناد حسن**. (بلوغ المرام رقم: ۹۳۵).

لہذا صورتِ مسئولہ میں پھول کا تحفہ دینا بھی جائز اور درست ہے، لیکن مغربی تہذیب کی تقلید میں مثلاً شادی کی سالگرہ یا ولادت کی سالگرہ وغیرہ یا مخصوص تاریخوں میں مثلاً: ۱۴ فروری میں، پھول وغیرہ کا ہدیہ دینا جائز اور درست نہیں۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے

گا قیامت کے دن اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا۔

من تشبه بقوم فهو منهم۔(اخرجہ ابوداود:۴/۴۴،ط:بیروت)۔واللہ ﷻ اعلم۔

شمسی ہجری کیلنڈر مرتب کرنے کا حکم:

سوال: واقعاتِ سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل شمسی ہجری کیلنڈر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ۱۹۹۰ء میں پاکستان میں ایک عالمی رؤیتِ ہلال کانفرنس منعقد ہوئی تھی،اس کانفرنس کے مقالہ نگاروں نے امتِ مسلمہ کے لیے قمری ہجری کیلنڈر پر زور دیا تھا۔بعض حضرات نے اپنے مقالہ میں شمسی ہجری کیلنڈر پر زور دیا اور مولانا سید شبیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف کشفِ ہلال میں اسلامی تشخص کو قائم رکھنے،اسلامی تاریخ اور ثقافت کا اظہار کرنے کے لیے شمسی ہجری کیلنڈر مرتب کیا اور یہ اصول بنایا کہ جو واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ترتیب کے لحاظ سے پہلے آتا ہو اس کو مہینوں کی ترتیب میں پہلے لایا جائے۔

نیز قمری ہجری کیلنڈر کے ساتھ ہماری کئی عبادات وابستہ ہیں۔لیکن انتظامی اور تجارتی امور کے لیے عیسوی کیلنڈر ہماری مجبوری بن چکا ہے۔عیسوی کیلنڈر اگرچہ شمسی کیلنڈر کے فوائد لیے ہوئے ہے۔

عیسوی کیلنڈر کے مہینوں کے نام رومی دیوی،دیوتاؤں اور ڈکیٹروں کے ناموں پر مشتمل ہیں،یہ اہل اسلام کے لیے ذہنی اذیت کا باعث ہے۔

قمری کیلنڈر کی طرح شمسی کیلنڈر کی ابتدا بھی ہجرت سے کی جائے۔شمسی کیلنڈر میں مہینوں کے نام سیرتِ طیبہ میں پیش آنے والے واقعات کے نام پر رکھے جائیں،جو واقعہ جس عیسوی ماہ میں پیش آیا اس عیسوی ماہ کا نام اسی واقعہ پر رکھا جائے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر شمسی ہجری کیلنڈر مرتب کرنا اور اس کو رائج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہجری کیلنڈر کو عیسوی کیلنڈر میں تبدیل کرنا ایک مشکل کام ہے،علاوہ ازیں اس کا مقبول ہونا اور نہ ہونا بھی ایک مشکوک امر ہے۔ لہذا اوقاتِ صلوات وغیرہ کے لیے عیسوی کیلنڈر کا استعمال جائز ہے،اس کے استعمال میں چنداں حرج نہیں ہے۔

جنوری،فروری وغیرہ نام اگرچہ اصل میں دیوی دیوتاؤں کے نام ہیں،لیکن یہ حقیقتِ متروکہ مہجورہ کی طرح بن چکے ہیں،کسی کا ذہن بھی ان ناموں سے دیوتاؤں کی طرف منتقل نہیں ہوتا،بلکہ بڑا طبقہ اس کی حقیقت

سے بھی ناواقف ہے۔ وکی پیڈیا سے مہینوں کے اسماء کے معانی ملاحظہ کیجیے:

جنوری: لاطینی لفظ [mensis Ianuarius] سے ہے janus کا مہینہ، رومیوں کا دیوتا ہے جو کواڑ ودروازوں کا اور ابتدا وانتہا کا دیوتا ہے۔

فروری: لاطینی لفظ [mensis Februarius] سے ہے، Februa کا مہینہ، رومیوں کا تطہیر کا تہوار ہے، یہ اور Februus کا مادہ ایک ہے، Februus بعض رومی باشندوں (Etruscan) کے یہاں موت کی دیوی کا نام ہے۔

مارچ: کا مہینہ، لاطینی لفظ [mensis Martius] سے ہے، Mars کا مہینہ، رومیوں کی جنگوں کا دیوتا ہے۔

اپریل: لاطینی لفظ [mensis Aprilis] سے ہے، اس کا معنی حتمی طور پر معلوم نہیں، یہ عام طور پر aperire (کھولنا) کے مشتقات سے لیا جاتا ہے یا Aphrodite سے جو کہ دیوی ہے۔

مئی: کا مہینہ، لاطینی لفظ [mensis Maius] سے ہے، Maia کا مہینہ، رومی دیوی جو نباتات کی دیوی ہے، اس کا مادہ اور لاطینی لفظ magnus (بڑا) اور انگریزی لفظ major (عظیم) کا مادہ ایک ہے۔

جون: لاطینی لفظ [mensis Iunius] سے ہے، juno کا مہینہ، رومی دیوی ہے جو شادی، ولادت اور حکومت کی دیوی ہے۔

جولائی: لاطینی لفظ [mensis Iulius] سے ہے، julius Caesar (ایک بادشاہ کا نام) کا مہینہ اس کی پیدائش کا مہینہ، جس کی ترویج ۴۴ ق م میں ہوئی اس کی جنتری کی اصطلاحات کے تحت۔

اگست: لاطینی لفظ [mensis Augustus] سے ہے، Augustus کا مہینہ، Augustus نے اس کو ۸ ق م میں رائج کیا کیونکہ اس مہینے میں اس کے اقتدار حاصل کرنے کے دوران چند اہم واقعات پیش آئے تھے۔

ستمبر: لاطینی لفظ [mensis September] سے ہے، روم کی جنتری کا ساتواں مہینہ، جو ۱۵۳ ق م سے پہلے رائج تھا۔

اکتوبر: لاطینی لفظ [mensis October] سے ہے، روم کی جنتری کا آٹھواں مہینہ ہے جو ۱۵۳ ق م سے پہلے رائج تھا۔

نومبر: لاطینی لفظ[mensis November] سے ہے، روم کی جنتری کا نواں مہینہ ہے جو ۱۵۳ق م سے پہلے رائج تھا۔

دسمبر: لاطینی لفظ[mensis December] سے ہے، روم کی جنتری کا دسواں مہینہ ہے جو ۱۵۳ق م سے پہلے رائج تھا۔

حقیقتِ متروکہ مہجورہ کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۱۔صلاۃ کے معنی تحریک صلوین، ۲۔بغداد میں بت کے تحفہ وعطیہ کے معنی، ۳۔ **فداک أبي وأمي** کے حقیقی معنی اور ۴۔ **تربت یداک** کے حقیقی معنی؛ یہ سب متروک ہو چکے ہیں اوران الفاظ کا استعمال جائز اور درست ہے، بلکہ احادیث میں بھی وارد ہے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کے لیے **فداک أبي وأمي** فرمایا، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نعوذ باللہ جھوٹ اور گستاخی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین حیات ہی نہیں تھے، نیز والدین کا کسی پر فدا کرنا تو گستاخی ہے تو اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ حقیقت متروک ہو چکی ہے اور یہ شدتِ رضا اور اظہارِ مسرت وخوشی کے معنی میں ہے۔

۱۔ قال في تاج العروس: الصلاة واوية ، مأخوذة من : صلى إذا دعا، قيل: إنها من الصلوين . (۳۸/۴۴۲). **قال أبو البقاء الكفومي: إن الصلاة فى الأصل انعطاف جسماني لأنها من تحريك الصلوين ثم استعمل فى الرحمة والدعاء .** (معجم فى المصطلحات والفروق اللغوية، ص ۸۷۴، مؤسسة الرسالة).

۲۔ قال ابن كثيرؒ فى البداية والنهاية : بغ اسم صنم وقيل : شيطان وداد عطية أى عطية الصنم . (۱۰/۱۰۸، ط: داراحياء التراث). (وكذا في تاريخ بغداد: ۱/۶۰، وتاج العروس :۷/۴۴۲، دار الهداية) .

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں روایت ہے:

۳۔ عن عبد اللّٰہ بن شداد قال: سمعت علياً رضي الله عنه يقول: ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يفدى رجلاً بعد سعد سمعته يقول: ارم فداک أبي وأمي. (صحيح البخاری، رقم: ۲۹۰۵، باب المجن ومن يترس بترس صاحبه).

عن عبد اللّٰہ بن الزبير رضي الله عنه قال: كنت يوم الأحزاب جعلت أنا وعمر بن أبي سلمة فى

النساء فنظرت فإذا أنا بالزبير على فرسه يختلف إلى بني قريظة مرتين أو ثلاثاً فلما رجعت قلت: يا أبت ! رأيتک تختلف قال: أو هل رأيتني يابني ! قلت: نعم، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من يأت بني قريظة فيأتيني بخبرهم فانطلقت فلما رجعت جمع لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أبويه فقال: فداک أبي وأمي. (صحيح البخارى، رقم: ۳۷۲۰، باب مناقب الزبير بن العوام).

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کے لیے "**تربت يداک**" فرمایا، اگر کوئی کہے یہ تو ہلاکت کی دعا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت متروک ہو چکی ہے اور اس کا مطلب توبیخ اور ملامت ہے۔

۴۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداک. متفق عليه. (بلوغ المرام، ص: ۲۹۲ رقم: ۹۶۴).

... فقالت أم سلمة: يارسول اللّٰه ! وتحتلم المرأة فقال: تربت يداک فبم يشبهها ولدها. (صحيح مسلم، رقم: ۳۱۳).

عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: أتاني عمي من الرضاعة...ولم يرضعني الرجل قال: تربت يداک، أو يمينک. (صحيح مسلم، رقم: ۱۴۴۵).

عربی زبان میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک ان مہینوں کے استعمال میں قباحت نہیں۔ کچھ بریلوی اور سلفی ہم پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنحضور کہتے ہیں جس کے معنی حاضر کے ہیں اور تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہیں مانتے، اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہاں آنحضور محترم اور آنجناب اور حاضر فی القلب کے معنی میں ہے اور اصلی معنی متروک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مہینوں کے ناموں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان کے حقیقی معانی متروک ہو چکے ہیں۔

قال في الأشباه: تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة. كذا ذكره فخر الإسلام.

(الاشباه والنظائر: ۱/۹۳، ط: بيروت).

قال الشيخ أحمد الزرقا: لأن الاستعمال والتعارف يجعل إطلاق اللفظ على ما تعورف استعماله فيه حقيقة بالنسبة إلى المستعملين ويجعل إطلاقه على معناه الوضعي

الأصلي في نظرهم مجازاً ، ومن المعلوم أن الأمر إذا دار بين الحقيقة والمجاز تترجح الحقيقة وهي هنا العرف والعادة ويترك المجاز وهو المعنى الوضعى الأصلى فقد قال صاحب جامع الفصولين : مطلق الكلام محمول على المعتاد . (شرح القواعد الفقهية، ص ۱۳۲، ط: دار القلم).

شیخ احمد زرقاؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے استعمال کی وجہ سے عرفی معنی حقیقت کے درجہ میں ہے اور اصلی اور حقیقی معنی مجاز کے درجہ میں ہے۔اور بوقتِ تعارض عرفی حقیقی معنی ہی مقدم ہوں گے۔حاصل یہ ہوا کہ جنوری ،فروری وغیرہ اسماء کا استعمال جائز ہے، کیونکہ عوام وخواص میں ان کے حقیقی معنی عنقاء کی طرح ہو چکے ہیں۔ نیز شریعتِ مطہرہ میں مسائل کا مدار تحقیقاتِ غامضہ پرنہیں بلکہ عرفِ عام میں مستعمل الفاظ ومعانی پر ہوتا ہے۔حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: اس قسم کے مسائل میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عام عرف کا اعتبار کرتا ہے،فنی باریکیوں کونہیں دیکھتا۔(فقہی مقالات:۳/ ۲۱۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑ سے اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ،خودکشی کا ارادہ تھا؟

سوال: ایک روایت کے متعلق تحقیق مطلوب ہے،روایت کا مفہوم یہ ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کیا تھا،لیکن جبرئیل امین نے آ کر روکا تھا، کیا یہ روایت درست ہے اگر درست ہے تو پھر خودکشی کی حرمت کی روایات کے ساتھ متصادم ہونے کی وجہ سے تطبیق یا ترجیح کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا واقعہ دو حضراتِ صحابہ؛ ا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے۔اور۲۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، یہ سنداً صحیح ہے البتہ نفس واقعہ میں امام زہری کی طرف سے ادراج ہے۔

بالفرض والتقدیر اگر روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو دونوں روایات کے مابین تعارض واقع ہونے کی وجہ سے ممانعت والی روایات کو ترجیح ہوگی۔اور تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ **تردی من الجبل** ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے جو منسوخ ہے۔لہذا اس سے خودکشی کے جواز پر استدلال غیر تام ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممانعت والی روایات اصح ہیں اور اس پر عمل درآمد ہے اور **تردی من الجبل** کا

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں پہاڑ پر تشریف لے جاتے کہ بلند مقام سے جلدی نظر آجائے، تو یہ اُترنا اور چڑھنا اور بار بار اوپر دیکھنا گویا اپنے آپ کو گرانے کے مشابہ تھا، جیسے چھت سے چھلانگ لگانے والے کو یہ کہا جائے کہ آپ اپنے کو موت کے منہ میں ڈالتے ہو! تو کبھی حرا اور کبھی ثبیر پر چڑھنا بھی ایسا ہی تھا۔ روایات کی تحقیق ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق: **عن ابن عباس رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما نزل عليه الوحى بحراء مكث أياماً لايرى جبريل فحزن حزناً شديداً حتى كان يغدو إلى ثبير مرة وإلى حراء مرة يريد أن يلقى نفسه منه...الخ.** (الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱/۱۹۶،ط: دارصادر، بيروت).

قلت: إسناده ضعيف؛ فيه : محمد بن عمر الواقدى وهو متهم بالكذب، لكن يعتبر به فى التاريخ والسير، فالحديث ضعيف وليس بموضوع. وإبراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمى أبو إسحاق المدني، كذبه جماعة . للمزيد راجع: سلسلة الضعيفة (۱۰۵۲/۱۶۰/۳).

طبقات ابن سعد کے مقدمہ میں مرقوم ہے:

و يتبين لنا من هذا العرض أن في رواة ابن سعد ثلاثة على الأقل يضعفهم أهل الحديث...ثم الواقدى نفسه فقد اتهموه بأنه أغرب على الرسول بعشرين ألف حديث وأنه كان يروى المناكير . (مقدمة الطبقات الكبرى: ۱/۱۱).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ملاحظہ ہو: **عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: أول ما بدئ به رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصادقة فى النوم ... وفتر الوحي فترة حتى حزن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيما بلغنا حزناً غدا منه مراراً كي يتردى من رؤوس شواهق الجبال فكلما أوفىٰ بذروة جبل لكي يلقى منه نفسه تبدى له جبريل .** (صحيح البخارى ،رقم: ۶۹۸۲،كتاب التعبير).

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں تین مقامات پر ہے: ۱۔کتاب بدء الوحی، ۲۔کتاب التفسیر، ۳۔اِس جگہ

کتاب التعبیر میں۔ اِن تینوں مقامات میں سے صرف اِسی جگہ یتردی من الجبل والا واقعہ مذکور ہے، لیکن محدثین نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کی سند میں امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں اور فیما بلغنا سے مدرج کلام ہے اور بلاغات الزہری محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: والذي عندي أن هذه الزيادة خاصة برواية معمر...ثم أن القائل: فيما بلغنا هو الزهري ومعنى الكلام أن في جملة ما وصل إلينا من خبر رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذه القصة وهو من بلاغات الزهري وليس موصولاً وقال الكرماني: هذا هو الظاهر...فصار كله مدرجاً على رواية الزهري. (فتح الباري:١٢/٣٦٠).

قال الشيخ شعيب: إسناده صحيح على شرط الشيخين دون قوله حتى حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما بلغنا حزناً فهو من بلاغات الزهري وهي واهية. (التعليقات على مسند الإمام أحمد:٤٣/١١٤). وكذا قال في تعليقاته على سير اعلام النبلاء (١١٥/٥/٢، ط: مؤسسة الرسالة).

خلاصہ یہ ہے کہ معمر عن الزہری کے تمام طرق میں اس روایت کو فیما بلغنا سے نقل کیا ہے سوائے ایک طریق کے، جس کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن کثیر ضعیف راوی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباری:١٢/٣٦٠، وسیر اعلام النبلاء:٥/ ٣٣٨، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

یہ روایت مسلم شریف میں تین مقامات پر مذکور ہے لیکن کہیں تردی من الجبل والا قصہ مذکور نہیں۔

راجع: صحیح مسلم۔ (رقم:۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴)۔

"السيرة النبوية" میں شیخ ابوشہبہ لکھتے ہیں:

وهذه الرواية ليست على شرط الصحيح لأنها من البلاغات، وهي من قبيل المنقطع والمنقطع من أنواع الضعيف، والبخاريؒ لا يخرج إلا الأحاديث المسندة المتصلة برواية العدول الضابطين ولعل البخاريؒ ذكرها لينبهنا إلى مخالفتها لما صح عنده من حديث بدء الوحي الذي لم تذكر فيه هذه الزيادة، ولو أن هذه الرواية كانت صحيحة لأولناها تأويلاً مقبولاً، أما وهي على هذه الحالة فلا نكلف أنفسنا عناء البحث عن مخرج لها...

پھر آگے تردی من الجبل کی توجیہ بیان کرتے ہیں:

والتعليل الصحيح لكثرة غشيانه صلى الله عليه وسلم في مدة الفترة رؤوس الجبال

وشـواهـقهـا أن الإنسـان إذا حـصـل لـه خير أو نعمة في مكان ما فإنه يحب هذا المكان ، و يتـلـمـس فيـه مـا افتـقـده ، فلما انقطع الوحي صارصلى الله عليه وسلم يكثر من ارتياد قمم الـجبـال، ولاسيما حراء، رجاء أنه إن لم يجد جبريل في حراء فليجده في غيره، فرآه راوى هذه الزيادة وهو يرتاد الجبال ، فظن أنه يريد هذا، و قد أخطأ الراوى المجهول في ظنه قطعاً ... الخ . (السيرة النبوية: ١/٢٦٥.٢٦٦،ط:دارالقلم، دمشق).

شیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی تردی من الجبل کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد عرضت لأخى الشيخ عبيد الله أمين كردى سانحة حول مسألة التردى ، أحببت أن أثبتها هنا :

فقال: إن التردى المذكور في سياق الآثار الواردة في فترات انقطاع الوحي ، و تأخر ظهور جبريل عليه السلام للنبي صلى الله عليه وسلم، ليس المقصود منه أنه محاولة انتحار منه صلى الله عليه وسلم ولكن المقصود تصوير حال الرسول صلى الله عليه وسلم النفسية والـحـركية ، حيـث كـان يـذهب إلى رؤوس الجبال يتطلع لرؤية جبريل عليه السلام الذي أبـطـأ عـنـه ، ويتشـوف إلى عودة الوحي، الذى استأنس به، وتعلق به روحياً، وهو صلى الله عـلـيـه وسـلـم إنما يبحث عن ذلک في رؤوس الجبال؛ لأن لقائه الأول مع جبريل كان على جبـل حراء ، فمن الطبيعي أن يبحث عنه بعد ذلک فى الذرا لا فى السفوح ، فالتردى ليس مقصوداً ، ولكنه تصوير لحاله صلى الله عليه وسلم أثناء البحث ، حيث إن الإنسان إذا كان يسيـر عـلـى قـمة جبلية وعرة ، غير مستوية السطح، فيجب عليه أن يلاحظ مواطن قدميه ، وممشاه ليضبط توازنه ، فإذا انصرف بصره متقلباً بين السماء ودائرة الأفق متشوقاً متعطشاً لـرؤية شـيء مـا يرتقبه ، فإنه سيتعذر عليه ملاحظة مواطن قدميه ، وممشاه ، وبالتالى سيفقد تـوازنـه وهـذا الأمـر يمكن أن يؤديه إلى التردى، أوالسقوط القسرى، لا الاختيارى. (سيدنا مـحـمـد رسـول الـلّـه صـلـى الله عليه وسلم الأسوة الحسنة، للشيخ الصاغرجى: ١/١٥٨، الباب الثانى: الفصل الأول: فترة بعثته صلى الله عليه وسلم،ط:دارالكلم الطيب،دمشق). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ابوبکر کہنے کی وجہ:

سوال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوبکر کہنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا ان کی اولاد میں بکر نامی کوئی بیٹا تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو اس کے مختصر حالات بیان کریں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام بکر نامی عورت کے ساتھ شادی کی تھی، ام بکر کا اگلے شوہر سے ایک بیٹا تھا اس کا نام بکر تھا، اس وجہ سے اس کی والدہ کو ام بکر اور ماں کے شوہر کو ابوبکر کہا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ام بکر نے ہجرت نہیں کی، اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔

دوسری وجہ تسمیہ علی طنطاوی نے اپنی کتاب ''ابوبکر صدیق'' میں یہ لکھی ہے کہ بکر عرب کے بڑے قبیلہ کے سردار تھے، بنوبکر مشہور قبیلہ تھا، تو ابوبکر کا مطلب یہ ہوا کہ بڑے قبیلہ کے سردار کے والد۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی کا نام بکر نہیں تھا۔ صحیح بخاری شریف میں روایت ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن أبابکر رضی اللہ عنہ تزوج امراة من کلب یقال لها أم بکر فلما هاجر أبوبکر رضی اللہ عنہ طلقها فتزوجها ابن عمها هذا الشاعر الذی قال هذه القصیدة رثی کفار قریش :

وماذا بالقلیب قلیب بدر ❁ من الشیزی تزین بالسنام

وماذا بالقلیب قلیب بدر ❁ من القینات والشرب الکرام

تحیینا السلامة أم بکر ❁ وهل لی بعدقومي من سلام

یحدثنا الرسول بأن سنحیا ❁ و کیف حیاة أصداء و هام

(صحیح البخاری : ۱/۵۵۸/۳۹۲۱).

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

قال ابن إسحاق: وقال أبوبکر واسمه شداد بن الأسود بن شعوب. قلت: وقد ذکر البخاري أنه خلف علی امرأة أبي بکر الصدیق حین طلقها الصدیق و ذلک حرم اللّٰہ المشرکات علی المسلمین واسمها أم بکر: تحیی بالسلامة أم بکر الخ. (البداية والنهاية:

۳/۲۱۴،ط: داراحیاء التراث العربی). (وکذا فی الاصابة فی تمییز الصحابة:۳۸/۷).

مذکورہ عبارت کا مطلب یہی ہے کہ ابتدائے اسلام میں مشرکات کے ساتھ نکاح جائز تھا۔

شیخ علی طنطاوی لکھتے ہیں:

أبوبكر وهو من البكر وهوالفتي من الإبل، أجمع بكار وأبكر وقد سمت العرب بكراً وهو أبوقبيلة عظيمة . (أبوبكر الصديق ،ص ۴۶). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صغیرہ پراصرار کرنے سے کبیرہ کی فہرست میں شامل ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خلافِ اولیٰ پر اصرار کرتا ہے تو یہ گناہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟ کیا صغیرہ گناہ پر اصرار کبیرہ میں شامل کر دیتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ خلافِ اولیٰ جواز اور مباح کے قبیل سے ہے یہ گناہ کی قسم میں شامل نہیں ہے بایں وجہ انبیاء علیہم السلام سے خلافِ اولیٰ کا صدور ہوا، حالانکہ انبیائے کرام من جانب اللہ معصوم ہوتے ہیں۔ ہاں علماء نے لکھا ہے کہ اصرار علی الصغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے یعنی چھوٹے گناہ کو بار بار کرنے سے بڑے گناہ میں شامل ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں خلافِ اولیٰ مکروہ اور گناہ نہیں ہے:

مطلب ترك المندوب هل يكره تنزيهاً وهل يفرق بين التنزيه وخلاف الأولى وهل يكره تنزيهاً في البحر: لا...قال الزيلعي في الأكل يوم الأضحى قبل الصلاة: المختار أنه ليس بمكروه ولكن يستحب أن لا يأكل. وقال في البحر هناك: ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لا بد لها من دليل خاص. أقول: وهذا هو الظاهر إذ لا شبهة أن النوافل من الطاعات كالصلاة والصوم ونحوهما فعلها أولى من تركها بلا عارض ولا يقال إن تركها مكروه تنزيهاً . (فتاوى الشامي: ۱/۱۲۳-۱۲۴، سعيد).

اصرار علی الصغیرہ کبیرہ ہے: **قال ابن الكمال: لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار وكذا بالغلبة على ما أفصح عنه في الفتاوى الصغرى حيث قال: العدل من يجتنب الكبائر كلهاحتى لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته وفي الصغائر العبرة للغلبة أوالإصرارعلى الصغيرة فتصير كبيرة** . (فتاوى الشامي:۴۷۳/۵،سعيد، كتاب الشهادات).(وكذا في الفتاوى لابن تيمية : ۱۳۸/۱۵).

موسوعۃ فقہیۃ کویتیہ میں مرقوم ہے:

الإصرار علی الصغیرة کبیرة ، والإصرار علی الکبائر یؤدی إلی عظم ذنبها وزیادة وزرها. (الموسوعة : ۵/۵۴،ط: وزارة الاوقاف ،الکویت). **وقال في موضع آخر: إن الصغیرة من المعاصي لمن داوم علیها تکبر بالنسبة إلیه؛ لأن ذلک ناشئ عن الإصرار علیها ، والإصرار علی الصغیرة یصیرها کبیرة ، ولذلک قالوا: " لا صغیرة مع إصرار، ولا کبیرة مع استغفار.** (الموسوعة:۸/۳۴).

البتہ کبیرہ حقیقی اورکبیرہ نسبتی دونوں میں فرق ہے۔یعنی جوگناہ اصرارکی وجہ سے کبیرہ میں شامل ہوتا ہے وہ دین اورشریعت میں لاپرواہی کے سبب کبیرہ گناہ کے حکم اوروبال میں شامل ہوتا ہے حقیقۃً وہ کبیرہ نہیں ہے۔

قالفی الموسوعة : واعتبار الإصرار علی الصغیرة کبیرة هو من باب الإلحاق کما قال الرملی ، فهو لا یصیر الصغیرة کبیرة حقیقة ، وإنما یلحقها بها فی الحکم ، وبعبارة بعض الحنفیة من شراح المنار: الإصرار علی الصغیرة هو کبیرة لغیرها ، أما الکبیرة بالضابط الأصلي فهی کبیرة بنفسها. جاء فی حواشی شرح المنار : إن الإصرار تکرار الفعل تکرراً یُشعِرُ بقلة المبالاة بأمرالدین . (الموسوعة: ۱۵۶/۳۴). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کھانا کھلانے کے ذریعہ دین کی طرف مائل کرنے کا حکم:

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی طرف لوگوں کوکس طرح مائل کیا،اس کے ذرائع واسباب کیا تھے؟ کیا سیرتِ نبوی میں یا خلافتِ راشدہ میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن میں لوگوں کوکھانا کھلا کراسلام کی طرف مائل کیا گیا ہو یا جومسلمان تھے ان کوکھانا کھلا کراعمالِ اسلام کی طرف مائل کیا گیا ہو؟ کیونکہ آج کل دینی جلسوں اوردینی پروگراموں کے اختتام پردعوتِ طعام پابندی سے ہوتی ہے ،اوراس کے لیے بڑااہتمام کیا جاتا ہے، جبکہ دینی مقاصد مغلوب اوریہ دعوتیں غالب آچکی ہیں۔لہذا ابرائے مہربانی حکمِ شرع سے مطلع فرما کراجرِعظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کودین اسلام کی طرف بلانے اورمتوجہ کرنے کے لیے مختلف طریقے وذرائع استعمال فرمائے۔جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ دعوت الی اللہ: اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا۔ یہ سب سے اہم طریقہ تھا جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ فرمایا، اس کے قصص اور واقعات لامحدود ہیں۔ تفصیل کے لیے حیاۃ الصحابۃ، جلد اول باب الدعوۃ الی اللہ، ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۲۔ حسنِ اخلاق اور رقتِ قلب: اچھے اخلاق اور نرم دلی؛ یہ ایسی صفت تھی جس کی وجہ سے صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مربوط رہے، منتشر نہیں ہوئے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك** ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]،

ترمذی شریف میں ہے؛ **عن أنس** رضی اللہ عنہ **قال: خدمت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عشر سنين فما قال لي أف قط وما قال لشيء صنعته لم صنعته ولا لشيء تركته لم تركته وكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من أحسن الناس خلقاً...** (رواه الترمذي، رقم: ۲۰۱۵).

ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نرمی اور رحم دلی سے سمجھایا۔ (بخاری شریف: ۶۱۲۸)۔ معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے نماز میں چھینکنے والے کا جواب **يرحمك اللّٰه** سے دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین انداز میں سمجھایا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں: **ما رأيت معلماً قبله ولا بعده أحسن تعليماً منه فو اللّٰه ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني.** (مسلم شریف ۵۳۷) آپ جیسا معلم میں نے نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد، خدا کی قسم نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ڈانٹا۔

۳۔ سخاوت: بعض حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو دیکھ کر مسلمان ہوئے، جیسے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مویشی مع چرواہوں کے ہبہ کیے تو انہوں نے کہا:

ما طابت نفس أحد بمثل هذا إلا نفس نبي أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله وأسلم مكانه . (تاريخ مدينة دمشق: ۱۱۴/۲۴).

۴۔ اکرام واحترام: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کا اکرام واحترام فرماتے تھے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر، مسکین ہو یا وجاہت والا۔ **وأخرج الطبراني عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: دخل عيينة بن حصن** رضی اللہ عنہ **على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعنده أبوبكر** رضی اللہ عنہ **وعمر** رضی اللہ عنہ **وهم جلوس جميعاً على الأرض فدعا لعيينة بنمرقة فأجلسه عليها وقال:" إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه ".** (حياة الصحابة: ۴۱۹/۲، ط: دار الفكر).

آپ مساکین اور فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خصوصی اکرام ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے اوراس کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو: **أحبوا الفقراء وجالسوهم وأحب العرب من قلبك ولترد عن الناس ما تعلم من قلبك** . (المستدرك للحاكم، رقم:۷۹۴۷).

۵۔حلم وبرد باری: حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہودی عالم تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل اور برد باری کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے، حدیث کی کتابوں میں ان کا واقعہ مذکور ہے:

قال عبد الله بن سلام: إن الله تبارك وتعالىٰ لما أراد هدى زيد بن سعنة قال زيد بن سعنة: إنه لم يبق من علامات النبوة شيء إلا وقد عرفتها في وجه محمد صلى الله عليه وسلم حين نظرت إليه إلا اثنتين لم أخبرهما منه: يسبق حلمه جهله ولا يزيده شدة الجهل عليه إلا حلماً...إلى قوله: فأخذت بمجامع قميصه ونظرت إليه بوجه غليظ ثم قلت: ألا تقضيني يا محمد حقي؟ فوالله ما علمتكم بني عبد المطلب بمطل ولقد كان لي بمخالطتكم علم قال: ونظرت إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعيناه تدوران في وجهه كالفلك المستدير ثم رماني ببصره وقال: أى عدو الله أتقول لرسول الله صلى الله عليه وسلم ما أسمع وتفعل به ما أرى؟ فو الذى بعثه بالحق لولا ما أحاذر فوته لضربت بسيفي هذا عنقك ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر إلى عمر في سكون وتؤدة ثم قال:" إنا كنا أحوج إلى غير هذا منك يا عمر أن تأمرني بحسن الأداء وتأمره بحسن التباعة اذهب به يا عمر فاقضه حقه وزده عشرين صاعاً من غيره مكان ما رعته...فقال زيد: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله . الخ. (صحيح ابن حبان ،رقم: ۲۸۸).

۶۔ عفوودرگزر:۔اس صفت کا ظہور کامل اور مکمل طور پر فتح مکہ کے موقع پر ہوا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سخت ترین دشمنوں کو معاف فرمایا، اوران کو عزت بخشی۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" مثلي ومثلكم كما قال يوسف عليه السلام لإخوته : ﴿قال:لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم و هو أرحم الراحمين﴾** [يوسف:۹۲]، راوی کہتے ہیں: **فخرجوا كأنما نشروا من القبور فدخلوا فى الإسلام .** (السنن الكبرى للبيهقي:۹/۱۱۸).

اسلام اورمسلمانوں کے بڑے بڑے دشمن اس صفت کی وجہ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے ،مثلاً:

ابوسفیان بن حربؓ، ابوسفیان بن حارثؓ، ہندؓ، وحشیؓ، عکرمہ بن ابی جہلؓ، وغیرہ۔

۷۔عیادۃ المریض، بیمار کی عیادت: ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت پیش کی ،تو وہ لڑکا مسلمان ہوگیا۔ عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان غلام يهودى يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم فقعد عند رأسه فقال له: أسلم فنظر إلى أبيه وهو عنده فقال له: أطع أبا القاسم فأسلم فخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول: الحمد لله الذي أنقذه من النار. (رواه البخاری، رقم: ۱۳۵۶).

۸۔اطعام الطعام، کھانا کھلانا: کھانا کھلانا بھی قلوب کو مائل کرنے اور محبت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ اوروسیلہ ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت پیدا کرنے کے دو نسخے ارشاد فرمائے: ا۔سلام کرنا۔۲۔کھانا کھلانا۔اورایک حدیث میں اس کو بہترین اسلام بتایا اور جہنم سے دوری اور دخولِ جنت کا سبب قرار دیا۔

إن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أى الإسلام خير قال: تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف . (سنن النسائی ،رقم: ۵۰۰۰).

وفي حديث هانئ بن يزيد أن رجلاً قال: يارسول الله ! دلني على عمل يدخلنى الجنة ويباعدني من النار قال: تطعم الطعام وتفشى السلام ...وفى هذه الحديث : الحض على المواساة و استجلاب قلوب الناس بإطعام الطعام و بذل السلام لأنه ليس شيء أجلب للمحبة وأثبت للمودة منهما. (شرح صحيح البخارى لابن بطال: ۱/۶۳).

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتماعی طور پر لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ وأخرج البيهقي في شعب الإيمان (۵/۷۹/۵۴۶۱) : عن عبد الله بن بشر قال: أهديت للنبي صلى الله عليه وسلم شاة والطعام يومئذٍ قليل فقال لأهله: اطبخوا هذه الشاة ...وكانت للنبى صلى الله عليه وسلم قصعة يقال لها الغراء أو الغرا يحملها أربعة رجال فلما أصبح وسجد الضحى أتى بتلك القصعة والتقوا عليها فلما كثر الناس جثى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أعرابي: ما هذه الجلسة ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله جعلني عبداً كريماً ولم يجعلني جباراً عنيداً ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كلوا من جوانبها وذروا ذروتها يبارك فيها.

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی بکثرت لوگوں کو اجتماعی طور پر کھانا کھلاتے تھے۔ مسلم شریف میں ہے: **قال: (عبد اللّٰہ بن رباح) وفدت وفوداً إلى معاوية** رضی اللہ عنہ **وذلک في رمضان فكان يضع بعضنا لبعض الطعام وكان أبوهريرة** رضی اللہ عنہ **مما يكثر أن يدعونا إلى رحله...** (رواه مسلم: ۱۰۲/۲). مزید واقعات کے لیے حیاۃ الصحابہ، جلد دوم، (ص۱۹۹) کا مطالعہ مفید ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کھانا کھلا کر دین کی طرف مائل کرنا درست ہے، لیکن آج کل لوگ دین کی بات کم سنتے ہیں اور کھانے میں شرکت زیادہ کرتے ہیں، بیانات کے وقت غائب اور کھانے کے وقت حاضر ہوتے ہیں، بڑے بڑے جلسوں میں کھانا کھلانے پر لاکھوں رینڈ خرچ ہوتے ہیں، بلکہ اس نے ایک رسم کی شکل اختیار کرلی ہے، اس لیے اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اور لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے کے لیے دوسرے طریقے اختیار کرنے چاہیے، نیز انفرادی محدود دعوتیں یا چائے پانی کی مختصر دعوت بھی تالیفِ قلوب کے لیے کافی ہے، ایسی مثالیں بھی بہت کم ہیں کہ کسی کو بڑے جلسے کی دعوتِ طعام کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوئی ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فتوح الشام میں خولہ بنت ازور کے واقعہ کی تحقیق:

سوال: فتوح الشام میں حضرت خولہ بنت ازور کے متعلق کیا قصہ مرقوم ہے؟ کیا وہ قصہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور فتوح الشام کس کی کتاب ہے، اس کتاب کا اعتبار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فتوح الشام میں حضرت خولہ بنت ازور کا قصہ مفصل مذکور ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خولہ بنت ازور کو معلوم ہوا کہ ان کے بھائی ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے قید کرلیا تو اسلحہ پہن کر ان کی تلاش میں نکلی، اور تنہا رومیوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ وہ ششدر رہ گئے۔ ملاحظہ ہو: (فتوح الشام: ۴۱/۱)۔

بظاہر یہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا، اس لیے کہ تاریخ کی دیگر کتابوں میں یہ واقعہ جنگِ یرموک کے تحت مذکور نہیں ہے صرف فتوح الشام میں یہ قصہ مذکور ہے، ہاں البدایہ والنہایہ میں فقط اتنی بات ہے: **وقد قاتل نساء المسلمين في هذا اليوم وقتلوا خلقاً كثيراً من الروم**. (البداية والنهاية: ۹/۷، دار ابن كثير).

مزید براں کتبِ تراجم وطبقات اور سیر وتاریخ وغیرہ میں خولہ کا کوئی تذکرہ مرقوم نہیں، صرف فتوح الشام اور اعلام للزرکلی میں ہے۔ ملاحظہ ہو الاعلام میں ہے:

خولة بنت الأزور الأسدى شاعرة كانت من أشجع النساء في عصرها وتشبه بخالد

بن الوليد في حملاتها وهي أخت ضرار بن الأزور لها أخبار كثيرة في فتوح الشام وفي شعرها جزالة وفخر توفيت في آخر عهد عثمان رضي الله عنه . (الاعلام: ۳۲۵/۲).

زرکلی نے ''الاعلام'' میں ان کا تذکرہ بحوالہ '' الدر المنثور في طبقات ربات الخدور'' (ص ۱۸۴) نقل کیا ہے، یہ کتاب زینب بنت علی فواز العاملی المتوفی ۱۳۳۲ھ کی ہے، اوراس میں کوئی حوالہ مذکور نہیں، بظاہر انہوں نے بھی فتوح الشام ہی سے لیا ہوگا۔ فتوح الشام کے بارے میں خود امام زرکلی لکھتے ہیں:

الواقدی [۱۳۰-۲۰۷ھ/ ۷۴۷-۸۲۳م]

وينسب إليه كتاب فتوح الشام ، وأكثره مما لا يصح نسبته إليه . (الاعلام: ۳۱۱/۶).

وللاستزادة انظر: الواقدی وكتابه المغازی منهجه ومصادره للدكتور عبدالعزيز بن سليمان السلومی، ص ۹۳، والجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۲۱/۸، وحاشية القليوبی: ۹۹/۲، دارالفكر .

لیکن بعض حضرات نے فتوح الشام کو واقدی کی طرف منسوب کیا ہے اوراس سے حوالے بھی نقل کیے ہیں۔

ملاحظہ ہو: علامہ تاج الدین السبکی نے الاشباہ والنظائر میں (۱۳۱:۲، دارالکتب العلمیۃ)، ومحقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں (۱۴۵/۲، دارالفکر)، وعلامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں (۳۱۴:۲، موسسۃ الریان)، وابن عساکر تاریخ دمشق میں (۱۴۰/۲۷، دارالفکر)۔ وعلامہ شہاب الدین الحموی نے معجم الادباء میں (۲۵۹۸/۶، دارالغرب الاسلامی)۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کا تذکرہ تراجمِ صحابہ پر لکھی گئی مختلف کتابوں میں مرقوم ہے؛ مثلاً الإصابة (۳۴۰/۵) ومعرفة الصحابة (۲۱/۳، العلمية) والاستيعاب في معرفة الأصحاب (۷۴۶/۲، دارالجيل) ومعجم الصحابه للبغوی (۳۹۵/۳) وأسد الغابة، (۵۲/۳، العلمية)، ان میں سے کسی میں بھی خولہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی حضرت ضرار کی کسی خولہ نامی بہن کا کوئی تذکرہ ہے۔

فتوح الشام، محمد بن عمر واقدی کی طرف منسوب ہے۔ علماء نے ان پر بہت کچھ کلام فرمایا ہے؛ محدثین کے چند اقوال ملاحظہ کیجیے:

قال الإمام الحافظ شمس الدين الذهبي في سير اعلام النبلاء: محمد بن عمر بن واقد الأسلمي مولاهم الواقدی المدينی القاضی ،صاحب التصانيف والمغازی ، العلامة الإمام أبو عبد الله ، أحد أوعية العلم على ضعفه المتفق عليه...وذكره البخاری، فقال: سكتوا عنه ، تركه احمد وابن نمير ، وقال مسلم وغيره : متروك الحديث. وقال النسائی

لیس بثقة .قال محمد بن سلام الجمحی : الواقدی عالم دهره .وقال یونس بن عبد الأعلی قال لی الشافعی: کتب الواقدی کذب . وقال البخاری: ما عندی للواقدی حرف ، وما عرفت من حدیثه ، فلا أقنع به . وقال أبوزرعة : ترک الناس حدیث الواقدی .

(قال الذهبی) وقد تقرر أن الواقدی ضعیف ، یحتاج إلیه فی الغزوات ، والتاریخ، ونورد آثاره من غیر احتجاج ، أما فی الفرائض فلا ینبغی أن یذکر، فهذه الکتب الستة ، ومسند أحمد ، وعامة من جمع فی الأحکام، نراهم یترخصون فی إخراج أحادیث أناس ضعفاء ، بل ومتروکین ، ومع هذا لا یخرجون لمحمد بن عمر شیئاً ، مع أن وزنه عندی أنه مع ضعفه یکتب حدیثه ، ویروی ، لأنی لا أتهمه بالوضع ، وقول من أهدره فیه مجازفة من بعض الوجوه ،کما أنه لا عبرة بتوثیق من وثقه...إذ قد انعقد الإجماع الیوم علی أنه لیس بحجة ، وأن حدیثه فی عداد الواهی . (سیر أعلام النبلاء: ۹/۴۵۴۔ ۴۶۹،ط: مؤسسة الرسالة).

وقال فی مقدمة الموضوعات الکبری: وکتب الواقدی کذب . (ص ۶).

وینظر للمزید: تهذیب التهذیب (۹/۳۱۶،العلمیة). ومیزان الاعتدال (۵/۱۰۸/۷۹۹۳). وهدیة العارفین (۲/۱۰). واقدی کے بارے میں مختلف اقوال کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ سیرۃ المصطفیٰ میں لکھتے ہیں: خلاصہ کلام یہ کہ واقدی کے بارے میں قولِ محقق ،راجح اوراقرب الی الصواب یہ ہے کہ واقدی ضعیف ہے دروغ گواورافسانہ سازنہیں۔ واقدی کی روایت کا وہی حکم ہے جوضعیف راوی کی روایت کا حکم ہے یعنی جب تک کوئی حدیث صحیح اس ضعیف حدیث کے معارض نہ ہواس وقت تک ضعیف حدیث کونہیں چھوڑا جائے گا۔خصوصاً جب کہ وہ ضعیف حدیث متعدد طریق اور مختلف اسانید سے مروی ہو۔(سیرۃ المصطفیٰ:۱/۱۰۲،ط: مکتبہ عثمانیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بھوک ہڑتال (مقاطعہ جوعی) کی شرعی حیثیت:

سوال: بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: بھوک ہڑتال ہمارے بعض اکابرین کے نزدیک جائز نہیں ،اس لیے کہ یہ ایک قسم کی اسٹرائک ہے جوقطع تعلق پرمبنی ہے،پھر اگر بھوک ہڑتال کا مقصد فساد ہے تو اس آیتِ کریمہ کے تحت داخل ہے:

﴿ ویقطعون ما أمر اللّٰہ به أن یوصل و یفسدون فی الأرض﴾ [البقرة: ۲۸].
اوراگر اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا جارہا ہے تو بھی اپنے جسم کو تکلیف دینے اور کلفت پہنچانے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ ملاحظہ ہوالاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

أما الأكل فعلى مراتب: فرض، وهو ما يندفع به الهلاك...ولا تجوز الرياضة بتقليل الأكل حتى يضعف عن أداء الفرائض، ومن امتنع من أكل الميتة حالة المخمصة أو صام و لم يأكل حتى مات أثم . (الاختیارلتعلیل المختار: ۱۸۵/۴، کتاب الکراهیة، دارالکتب العلمیة، بیروت).

وفي الهندية : أما الأكل فعلى مراتب فرض وهو ما يندفع به الهلاك فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى . (الفتاوی الهندية: ۳۳۶/۵).

لیکن اگر یہ اسٹرائک جائز مقصد اور اچھی نیت سے کی جائے تو ٹھیک ہے، جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا: **لا أذوق طعاماً ولا أشرب شراباً أو آتي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم** . (البداية والنهاية: ۴۱/۳، داراحیاء التراث العربی) یعنی میں کوئی چیز نہیں چکھوں گا اور نہ کچھ پیوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملوں۔

نیز حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے فرمایا تھا: **وأيم اللّٰه لا أطعم طعاماً ولا أشرب شراباً حتى أذكر ما قلت لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم** .(تاریخ الاسلام للامام الذهبی: ۴۳۱/۲، دارالکتاب العربی).

کفایت المفتی میں ہے: سوال: مقاطعہ جوعی (بھوک ہڑتال) بطورِ احتجاج برخلاف بدسلوکی کے کیا جائے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: مقاطعہ جوعی اس حدتک کہ ہلاکت کا گمان غالب نہ ہوجائے جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳۰۵/۹، ط: دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبح سویرے تحفیظِ قرآنِ کریم کے حلقے لگانے کا حکم:

سوال: ہمارے ادارے میں صبح کے وقت تحفیظِ قرآنِ کریم کے حلقے لگتے ہیں، اور شام کے وقت دنیوی تعلیم کے حلقے لگتے ہیں، لیکن منتظمین حضرات کا خیال ہے کہ صبح دنیوی تعلیم ہو اور شام کو حفظ کی کلاسیں قائم ہوں تو اس میں آسانی ہے، لیکن حفظ کے اساتذہ صبح کو چاہتے ہیں، اب آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ قرآن

وسنت کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ حفظ کس وقت مؤثر اور مناسب ہے؟

الجواب: ہمارے مشاہدے اور تجربے کے مطابق قرآنِ کریم حفظ کرنے کے لیے صبح کا وقت زیادہ مناسب اور موزون ہے اور طلبہ کے لیے یاد کرنے میں معاون ہے، کیونکہ بوقتِ صبح طبیعت میں نشاط وتازگی ہوتی ہے اسی وجہ سے بہت سارے علمائے کرام نے حفظ کے لیے صبح کے وقت کو پسند کیا ہے، عرب وعجم میں اسی پر عمل درآمد ہے۔ قرآن وسنت سے اس کے شواہد ملاحظہ کیجیے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وقرآن الفجر، إن قرآن الفجر كان مشهوداً﴾ [الاسراء:۷۸]،

(۲) حدیث شریف میں ہے: **عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "اللّٰهم بارک لأمتي في بكورها".** (رواه الترمذی، رقم الحديث: ۱۲۱۲، واحمد: ۱۳۲).

شیخ عبدالرؤف المناوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: **أخذ منه أنه يندب لمن له وظيفة من نحو قراء ة أو ورد أو علم شرعي أو حرفة فعله أول النهار.** (التيسير بشرح الجامع الصغير: ۱/۱۴۱۴).

یعنی جس کے کوئی معمولات وغیرہ ہوں، مثلاً: تلاوتِ قرآن، ذکرواذکار وغیرہ تو مستحب یہ ہے کہ صبح سویرے ان کو پورا کرلیا جائے، کیونکہ اس وقت میں من جانب اللہ خیر وبرکت ہوتی ہے۔

(۳) **عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا أباذر لأن تغدو فتعلم آية من كتاب اللّٰه خيرلک من أن تصلى مائة ركعة ولأن تغدو فتعلم باباً من العلم عمل به أو لم يعمل خير من أن تصلى ألف ركعة.** (رواه ابن ماجه، رقم: ۲۱۹).

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! اگر تم صبح جاکر ایک آیتِ کریمہ سیکھ لو تو سو رکعات نوافل سے بہتر ہے اور اگر علمِ دین کا ایک باب سیکھ لو خواہ وہ اس وقت کا عمل ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نوافل سے افضل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مکان کی قیمت کو تجارت میں لگانے سے بے برکتی کا حکم:

سوال: ایک مولانا صاحب کی تنخواہ بہت کم ہے، گزارہ مشکل سے ہوتا ہے، ان کے پاس دو مکانات ہیں ایک فروخت کرکے اس کی قیمت کسی تجارت وکاروبار میں لگانا چاہتے ہیں، لیکن مولانا صاحب کے سامنے یہ

حدیث آئی کہ مکان کی قیمت مکان یا زمین میں لگانا چاہیے، اگر کسی اور کام میں لگائے گا تو برکت نہیں ہوگی، اب کیا کرنا چاہیے، شرعی حکم کی روشنی میں جو بہتر ہو اس کی رہنمائی فرمائیے، نیز حدیثِ بالا کا کیا درجہ ہے؟ اور حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث ملاحظہ کیجیے: **عن سعيد بن حريث قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:" من باع داراً أو عقاراً فلم يجعل ثمنه في مثله كان قمناً أن لا يبارك فيه .**

(رواه ابن ماجه ،رقم: ۲۴۹۰).

یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں اسماعیل بن ابراہیم راوی ضعیف ہیں۔لیکن شیخ شعیب الارنؤوطؒ نے متابعات وشواہد کی وجہ سے حسن فرمایا ہے۔

قال في مصباح الزجاجة: قلت: ليس لسعيد بن حريث عند ابن ماجه سوى هذا الحديث وليس له رواية في شيء من الخمسة الأصول وإسناد حديثه ضعيف من الطريقين معاً لضعف إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر. (۸۷/۳).

وأخرجه أحمد في مسنده (رقم : ۱۸۷۳۹)، **والدارمي فی سننه** (۲۶۲۵)، **قال حسين سليم أسد: إسناده ضعيف لضعف إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر. قال الشيخ شعيب: حديث حسن بمتابعاته وشواهده ، وهذا إسناد ضعيف لضعف إسماعيل بن إبراهيم ، و اضطرابه فيه ، وقد سلف فی مسند المكيين برقم** (۱۵۸۴۲).

حدیث شریف کا مطلب: **قال سفيان : إن اللّٰه تعالىٰ يقول: ﴿وبارک فيها وقدر فيها أقواتها﴾ يقول: فلما خرج من البركة ثم لم يعدها فی مثلها لم يبارک له .** (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۱۵۰۸/۳۴/۶).

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات ،غذاء، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے، جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھدی ہیں، وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسبِ ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔انسان کا کام صرف یہ رہے گا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکالکر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔(معارف القرآن: ۶۳۸/۷، ادارۃ المعارف کراچی)۔

سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں مرقوم ہے: **بيع الأرض والدور ومصرف ثمنها في المنقولات غير مستحب لأنها كثيرة المنافع قليلة الآفة لا يسرقها سارق ولا يلحقها غارة، ذكره الطيبي.**

(إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجه ص: ۱۷۹).

مذکورہ بالا نقول کی روشنی میں واضح ہوا کہ یہ لازمی اور وجوبی امر نہیں ہے بلکہ ایک امر استحبابی ہے، شارع علیہ السلام کی جانب سے ایک مشورہ ہے کہ اپنی جائیداد فروخت کرکے قیمت اسی کے مثل جائیداد میں صرف کرنی چاہیے کہ اس میں نفع زیادہ ہے اور آفات وغیرہ کے خطرات بھی بہت کم ہیں۔

ہاں زمین فروخت کرکے اس کی قیمت کو زمین یا کسی نفع بخش کاروبار میں لگانا، جیسے فیکٹری، مشین وغیرہ یعنی ایسی چیز جس کی ذات اور فائدہ باقی ہو یہ جائز اور درست ہے، صرف زمین خریدنے کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں۔ لیکن زمین کی قیمت کو کھانے، پینے اور عیاشی میں لگا دے تو یہ درست نہیں، یہ تباہی و بربادی ہے۔

صحابہ کرام کے دور میں بھی زمین فروخت کرنے کی مثالیں ملتی ہیں:

۱۔ امام بخاریؒ نے ’’**باب بركة الغازي في ماله حياً وميتاً**‘‘ کے تحت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جائداد اور دیون کا مفصل واقعہ نقل کیا ہے، حدیث طویل ہے، اختصار کے ساتھ ترجمہ ملاحظہ ہو:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور نقد دینار درہم نہ چھوڑا تھا، البتہ زمینیں چھوڑیں ایک زمین غابہ کی تھی، گیارہ مکانات مدینہ منورہ میں تھے، ایک گھر بصرہ میں، ایک گھر کوفہ میں، ایک گھر مصر میں تھا... حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کا قرض شمار کیا تو بائیس لاکھ نکلا، پھر حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے پوچھا میرے بھائی زبیر رضی اللہ عنہ پر کتنا قرض نکلا؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چھپایا اور کہا ایک لاکھ (کسی مصلحت سے اظہار مناسب نہ سمجھا) حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا میرے خیال میں اتنی رقم کی ادائیگی مشکل ہے، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر بائیس لاکھ قرض ہو تو! حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں سمجھتا تم یہ قرض ادا کرسکو گے اگر تم سے ادا نہ ہوسکے تو مجھ سے مدد لینا، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں لی تھی، عبداللہ نے اسے سولہ لاکھ میں بیچی اور کھڑے ہوکر کہا جن جن لوگوں کا قرض حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہو وہ غابہ میں آکر ہم سے ملے، عبداللہ بن جعفر وہاں آئے ان کے چار لاکھ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر قرض تھے، انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا اگر تم چاہو تو یہ قرض میں معاف کردیتا ہوں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم معاف کرانا نہیں چاہتے، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا اگر چاہو تو میں مہلت دیتا ہوں عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا میں یہ بھی نہیں چاہتا تب عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا غابہ کی

کچھ زمین مجھے دیدو...عبداللہ بن زبیرؓ نے غابہ کی سب زمین اور گھر فروخت کیے اور قرضہ ادا کر دیا اور ساڑھے چار حصے غابہ کی زمین کے بچ گئے، تو عبداللہ بن زبیر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے...حضرت معاویہ نے پوچھا غابہ کی کیا قیمت ملی؟ عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا ہر حصے کے عوض ایک لاکھ، انھوں نے پوچھا اب کتنے حصے باقی ہیں؟ عبداللہ بن زبیر نے جواب دیا ساڑھے چار حصے، منذر بن زبیرؓ نے کہا ایک حصہ ایک لاکھ روپے میں میں لیتا ہوں، عمرو بن عثمان نے کہا ایک حصہ میں لیتا ہوں، حضرت معاویہؓ نے کہا اب کیا باقی رہا؟ عبداللہؓ نے کہا ڈیڑھ حصہ رہ گیا، حضرت معاویہؓ نے کہا ڈیڑھ لاکھ کے عوض وہ میں خرید لیتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے جو حصہ اپنے قرض میں لیا تھا وہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ چھ لاکھ میں بیچا...الخ۔ (بخاری شریف: ۱/۴۴۱، ط: فیصل)۔

اس واقعہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ کی جائداد اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی زمین کو نفع کے ساتھ فروخت کرنے کا ذکر ہے، معلوم ہوا کہ زمین کی بیع میں نفع ملتا ہو تو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جو باغ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے صدقہ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر وہ باغ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو صدقہ کر دیا تھا۔ اس میں سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تھا، اور جب ان پر اشکال کیا گیا کہ آپ نے کیوں بیچ دیا تو کہنے لگے: کیا میں کھجور کا ایک صاع دراہم کے ایک صاع کے ساتھ فروخت نہیں کروں گا۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: لما نزلت ﴿لن تنالوا البرحتی تنفقوا مما تحبون﴾ جاء أبو طلحة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله يقول الله تبارک وتعالیٰ في كتابه...فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بخ يا أباطلحة ذلک مال رابح قبلناه منک ورددناه علیک فاجعله فی الأقربين فتصدق به أبو طلحة على ذوى رحمه قال: وكان منهم أبي وحسان قال: وباع حسان حصته منه من معاوية فقيل له تبيع صدقة أبي طلحة فقال: ألا أبيع صاعاً من تمر بصاع من دراهم، قال: وكانت تلک الحديقة فی موضع قصر بنی حديلة الذی بناه معاوية. (صحيح البخاری، رقم: ۲۷۵۸).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اس باغ میں سے جو حصہ ملا تھا وہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا، وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے محل بنایا جس کا نام قصر بنی حدیلہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اپنی جائداد فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

۳۔طحاوی اور بیہقی کی روایت میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک زمین بیچی تھی۔(نصب الرایۃ:۴/ ۹، ط: بیروت)۔

۴۔ کلیب بن وائل کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے ایک زمین خریدی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خریدنا بہت اچھا کام ہے۔ (السنن الکبری للبیهقی: ۹/ ۱۴۰/ ۱۸۸۶۶).

امام بیہقیؒ نے السنن الکبری میں مزید چند آثار نقل کیے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (۹/ ۲۳۶. ۲۳۷. وکذا فی التلخیص الحبیر : ۸/ ۲۳۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غلط عقائد والے کے یہاں ملازمت کرنے کا حکم:

سوال: مجھے ایک بریلوی مدرسہ میں ملازمت مل رہی ہے، وہاں ان کے اپنے اساتذہ مختلف کتابیں پڑھاتے ہیں، مجھے پڑھانا نہیں ہے، صرف مدرسہ کا نظم ونسق وغیرہ کی ذمہ داری ہے، دفتر میں بیٹھ کر یہ امور انجام دینا ہے، تو کیا میں ایسی ملازمت اختیار کرسکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آپ اصلاح کی نیت سے ملازمت کرسکتے ہو، ہاں ان کی بدعات کی تائید نہ کریں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کافر بادشاہ کی ملازمت فرمائی تھی، ﴿اجعلني على خزائن الأرض﴾ [یوسف: ۵۵] مجھے زمین کے خزانوں کا وزیر بنادیجیے، خصوصاً ان کے بچوں پر اگر محنت کرلی جائے اور بحیثیت نگران اُن سے دین کی بات چیت کرلی جائے تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طالبِ علم کے دیر سے آنے پر سزا دینے کا حکم:

سوال: اگر طالبِ علم دیر سے آئے اور استاذ اس پر غصہ کرے یا اس کو سزا دے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ دیر سے آنے والے طالبِ علم کو سزا دینا جائز اور درست ہے، اور درجِ ذیل حدیث اس کے جواز کی طرف مشیر ہے۔ **عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: بعثني رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في حاجة له فانطلقت ثم رجعت وقد قضيتها فأتيت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فسلمت علیه فلم یرد علي فوقع في قلبي ما اللّٰہ أعلم به فقلت في نفسي لعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وجد علي إني أبطأت علیه ثم سلمت علیه فلم یرد علي فوقع في**

قلبي أشد من المرة الأولى... الخ. (رواه البخاري: ۱/ ۱۶۲، باب لا يرد السلام في الصلاة، ط: فيصل).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، میں دیر سے آیا اور سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا میں نے سوچا شاید میں نے تاخیر کی اس وجہ سے آپ غصہ میں ہیں۔ اِس روایت میں تاخیر سے آنے کو سلام کلام نہ کرنے کا سبب بتلایا۔

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد عکرمہ کے پاؤں میں رسی وغیرہ ڈالتے تھے۔ (صحیح البخاری)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ''تحفۃ العلماء'' میں رقمطراز ہیں:

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں شخص کی نماز اتنی طویل ہوتی ہے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اتنا برافروختہ (خفا) ہوئے کہ کبھی اتنا برافروختہ ہوتے نہ دیکھا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو جو نماز میں امامت کرے اس کو چاہیے کہ تخفیف سے کام لے، اس سے بھی دوامر ثابت ہوئے: ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کیے جائیں اور اس کی شکایت ہو تو شکایت سننا اور تحقیق کے بعد انتظام کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ شکایت کرنے والے کو محض طالبِ علم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، دوسرا یہ کہ اگر شاگرد یا طالبِ علم سے کوئی نامناسب حرکت ہو اور معلوم ہو کہ غصہ ہو کر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو غصہ ہی کرنا افضل ہے۔ (تحفۃ العلماء: ۱/ ۱۴۵، شکایت سننا اور اس پر تنبیہ کرنا)۔

وہ تین صحابی جو غزوۂ تبوک سے بلا عذر رہ گئے تھے ان کے ساتھ ۵۰ دن تک بات چیت نہ کرنے اور بیویوں کے نہ ملنے کا ذکر حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تورات یا بائبل پڑھنے کا حکم:

سوال: تورات یا بائبل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا صحابہ کرام سے پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہ نیتِ ثواب بائبل پڑھنا جائز اور درست نہیں، ہاں دین کے دفاع کے لیے پڑھنا درست ہے اور باعثِ ثواب ہے، صحابہ کرام سے بائبل کا پڑھنا ثابت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ راسخ فی العلم کو بائبل پڑھنا چاہیے، کچے اور کمزور علم والے کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال الحافظ ابن حجرؒ في فتح الباري: والأولى في هذه المسألة التفرقة بين من لم

يتمكن ويصر من الراسخين في الإيمان فلا يجوز له النظر في شيء من ذلك بخلاف الراسخ فيجوز له ولا سيما عند الاحتياج إلى الرد على المخالف. (فتح الباری: ۵۲۵/۱۳).

حدیث کی بعض کتابوں میں ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے تورات پڑھنی شروع کی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور غصہ سے سرخ ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو استغفار کیا۔ یہ واقعہ ضعیف ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کے مختلف طرق جمع کرنے کے بعد سب کی تضعیف کی ہے۔ اور بتقدیر صحت اس کی تلاوت پر محمول ہے۔ حدیث کے مختلف طرق ملاحظہ ہوں:

قال: وقد أخرجه أحمد والبزار واللفظ له من حديث جابر رضی اللہ عنہ قال نسخ عمر رضی اللہ عنہ كتاباً من التوراة بالعربية فجاء به إلى النبي صلى الله عليه وسلم...وفي سنده جابر الجعفي وهو ضعيف، ولأحمد أيضاً وأبي يعلى من وجه آخر أن عمر رضی اللہ عنہ أتى بكتاب من بعض أهل الكتاب فقرأه... وفي سنده مجالد بن سعيد وهو لين وأخرجه الطبراني بسند فيه مجهول و مختلف فيه عن أبي الدرداء رضی اللہ عنہ جاء عمر رضی اللہ عنہ بجوامع من التوراة...وأخرجه أحمد والطبراني من حديث عبد الله بن ثابت... وأخرج أبويعلى من طريق خالد بن عرفطة ... وفي سنده عبدالرحمن بن إسحاق الواسطي وهو ضعيف وهذه جميع طرق هذا الحديث وهي وإن لم يكن فيها ما يحتج به لكن مجموعها يقتضي أن لها أصلاً والذى يظهر أن كراهية ذلك للتنزيه لا للتحريم. (فتح الباری: ۵۲۵/۱۳، دارالمعرفة). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن بصریؒ کو خرقہ پوشی کی تحقیق:

سوال: صوفیہ حضرات اپنے مریدین یا خلفاء کو خرقہ ''پرانا استعمال شدہ جبہ جس میں پیوند لگے ہوں'' پہناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؒ کو خرقہ پہنایا تھا، اس کی کیا حقیقت ہے؟ کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مسئلہ کا مدار اس بات پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقا حضرت حسنؒ سے ثابت ہے یا نہیں۔ تو اکثر محدثین حضرات کے نزدیک لقا ثابت نہیں ہے، (ہاں بعض کے نزدیک لقا ثابت ہے لیکن خرقہ پوشی ثابت نہیں) جب لقا ثابت نہیں تو خرقہ پوشی کا مسئلہ خود بخود حل ہوگیا کہ ثابت نہیں۔ چنانچہ علامہ سخاویؒ، علامہ عجلونی

وغیرہ نے اس روایت کا انکار کیا ہے۔تاریخ ابن خلدون میں مرقوم ہے کہ صوفیوں میں بعض شیعیت اور رافضیت کی طرف میلان رکھتے تھے، بایں وجہ بعض ایسے لوگوں نے خرقہ والی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردی، جبکہ تمام صحابہ کرام تصوف کے امام اور مقتدیٰ تھے اور زہد وتقویٰ کے علمبردار تھے۔

خرقہ پوشی والی روایت ملاحظہ کیجیے؛ علامہ سخاویؒ المقاصد الحسنہ میں فرماتے ہیں:

حديث" لبس الخرقة الصوفية، وكون الحسن البصرى لبسها من علي رضي الله عنه " قال ابن دحية وابن الصلاح إنه باطل وكذا قال شيخنا إنه ليس في شيء من طرقها ما يثبت ولم يرد في خبر صحيح ولا حسن ولا ضعيف، أن النبي صلى الله عليه وسلم ألبس الخرقة على الصورة المتعارفة بين الصوفية لأحد من الصحابة و لا أمر أحداً من أصحابه بفعل ذلک و كل ما يروى في ذلک صريحاً فباطل، قال: ثم إن من الكذب المفترى قول من قال:"إن علياً ألبس الخرقة الحسن البصرى فإن أئمة الحديث لم يثبتوا للحسن من علي رضي الله عنه سَماعاً فضلاً عن أن يلبسه الخرقة .

ولم يتفرد شيخنا بهذا بل سبقه إليه جماعة حتى من لبسها وألبسها كالدمياطي و الذهبي والهكاري وأبي حيان والعلائي ومغلطائي والعراقي وابن الملقن والأبناسي والبرهان الحلبي وابن ناصرالدين وتكلم عليها في جزء مفرد وكذا أفردها غيره ممن توفي من أصحابنا. وأوضحت ذلک كله من طرقها في جزء مفرد بل وفي ضمن غيره من تعاليقي هذا مع إلباسي إياها لجماعة من أعيان المتصوفة امتثالاً لإلزامهم لي بذلک حتى تجاه الكعبة المشرفة تبركاً بذكرالصالحين واقتفاء لمن أثبته من الحفاظ المعتمدين . (المقاصد الحسنة ، ص ۳۳۵، رقم: ۸۵۲،دارالكتب العلمية).

ملاعلی قاریؒ الموضوعات الکبریٰ میں علامہ سخاویؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

إذ ورد لبسهم لها مع الصحة المتصلة إلى كميل بن زياد، وهو صحب علياً كرم الله وجهه اتفاقاً ، وفي بعض الطرق أيضاً اتصالها بأويس القرني، وهو قد اجتمع بعمر وعلى رضي الله تعالىٰ عنهما. قلت: ...وإن عمر وعلياً سلماها إليه، وأنها وصلت إليهم منه ، و هلم جراً ، فغير ثابت، ولو ذكره بعض المشايخ ، فالمدار على طريق الصحة ومتابعة

الکتاب والسنة، ومجانبة الهوى، ومقاربة الهدى، والعاقبة للتقوى. (الاسرار المرفوعة، ص ۱۸۱، رقم: ۱۰۷).

(وكذا في كشف الخفاء: ۲/۱۳۷/۲۰۳۵، وكذا في اسنى المطالب ،۳۴۸،ط: دار الفكر).

امام مزی نے تہذیب الکمال میں نقل کیا ہے کہ کمیل بن زیاد شیعوں کا سردار تھا۔ قال محمد بن عبد الله بن عمار: كميل بن زياد من رؤساء الشيعة، وكان بلاء من البلاء. (تهذيب الكمال: ۲۴/۲۱۸، مؤسسة الرسالة).

تاریخ ابن خلدون میں ہے:

ثم حدث أيضاً عند المتأخرين من الصوفية الكلام في الكشف وفيما وراء الحس و ظهر من كثير منهم القول على الإطلاق بالحلول والوحدة فشاركوا فيها الإمامية والرافضة لقولهم بألوهية الأئمة وحلول الإله فيهم، وظهر منهم أيضاً القول بالقطب والإبدال وكأنه يحاكي مذهب الرافضة في الإمام والنقباء، وأشربوا أقوال الشيعة وتوغلوا في الديانة بمذاهبهم، حتى جعلوا مستند طريقهم في لبس الخرقة أن علياً رضي الله عنه ألبسها الحسن البصري وأخذ عليه العهد بالتزام الطريقة، واتصل ذلك عنهم بالجنيد من شيوخهم، ولايعلم هذا عن علي من وجه صحيح، ولم تكن هذه الطريقة خاصة بعلي كرم الله وجهه بل الصحابة كلهم أسوة في طريق الهدى وفي تخصيص هذا بعلي رضي الله عنه دونهم رائحة من التشيع قوية يفهم منها ومن غيرها مما تقدم دخولهم في التشيع وانخراطهم في سلكه. (تاريخ ابن خلدون: ۱/۱۸۲، المكتبة العصرية بيروت).

علامہ سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوی میں ”اتحاف الفرقة برفو الخرقة“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انھوں نے حضرت حسن بصریؒ کا لقا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت مانا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الحاوی للفتاوی: ۲/۱۲۲۔۱۲۳، ط: ملتان) اسی طرح مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی احسن الفتاویٰ میں ثابت مانا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۵۵۱)۔

بالفرض اگر حضرت حسن بصریؒ کا لقا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت مان لیا جائے تب بھی محدثین کے نزدیک خرقہ پوشی والی روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

لیکن بطورِ تبرک صوفیائے کرام جبہ پہناتے ہیں ،اوراس کی تائید میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں؛ چنانچہ شیخ سہروردی نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ جبہ پہنانے کی اصل موجود ہے؛ ملاحظہ ہو:

ووجه لبس الخرقة من السنة ما أخبرنا الشيخ أبوزرعة عن أبيه الحافظ أبى الفضل المقدسي، قال: أخبرنا أبوبكر أحمد بن على بن خلف الأديب النيسابورى، قال: أخبرنا أبومسلم إبراهيم بن عبد الله المصرى، قال: حدثنا أبوالوليد ، قال: حدثنا إسحاق بن سعيد قال: حدثنا أبي ، قال: حدثتني أم خالد بنت خالدة قالت: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بثياب فيها خميصة سوداء صغيرة ، فقال: من ترون أكسو هذه؟ فسكت القوم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ائتوني بأم خالد ، قالت: فأتى بي فألبسنيها بيده فقال: أبلي وأخلقي، يقولها مرتين، وجعل ينظر إلى علم فى الخميصة أصفر وأحمر ويقول: يا أم خالد هذا سناه ، والسناه هوالحسن بلسان الحبشة . (عوارف المعارف : ۸۳/۱). لیکن اِس روایت کا خلافت کے وقت خرقہ پوشی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ چادر پوشی ہے اوراظہارِ محبت یاضرورت کی وجہ سے ہے۔

قال السيوطي: وقد استنبطت أوضح من هذا الحديث وهو ما أخرجه البيهقي في شعب الإيمان من طريق عطاء الخراساني أن رجلاً أتى ابن عمر رضي الله عنه فسأله عن إرخاء طرف العمامة فقال له عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية وأمر عليها عبد الرحمن بن عوف وعقد لواء و على عبد الرحمن بن عوف عمامة من كرابيس مصبوغة بسواد فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فحل عمامته فعممه بيده وأفضل من عمامته موضع أربعة أصابع أو نحوه فقال: هكذا فاعتم فهو حسن وأجمل، فهذا أوضح في كونه أصلاً للبس الخرقة...وأم خالد كانت صغيرة لا تصلح للمبايعة بخلاف حديث عبد الرحمن بن عوف . (عون المعبود: ۴۷/۱۱،ط: بيروت).

لیکن اِس روایت کا بھی خرقہ پوشی سے کوئی تعلق نہیں ،ہاں دستار بندی سے اس کا تعلق ہے کہ ذمہ داری ڈالنے کے وقت کسی کی دستار بندی کی جائے ،اِس روایت پراسنادی بحث فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد:۱۵۳/۷ پر دیکھ لیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جائز اور مباحات میں شوہر کی اطاعت شیخ پر مقدم ہے:

سوال: شیخ اور شوہر میں اختلاف ہوجائے تو عورت کے لیے شوہر کا اتباع ضروری ہے یا شیخ کا، دونوں میں سے کس کو ترجیح دے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ کی جانب سے واجب اور لازم امور میں تو شریعت کا اتباع ضروری ہے اور خلافِ شریعت امور میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے البتہ مباح اور جائز امور میں شوہر اور شیخ کے درمیان اختلاف ہوجائے تو شوہر کا حق شیخ پر مقدم ہونے کی وجہ سے شوہر کی بات ماننا ضروری ہے۔ بہت ساری روایات سے پتا چلتا ہے کہ شوہر کا حق مقدم ہے۔ روایات درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

أخرج الإمام أبو داود في سننه (۲۱۴۲) **بسنده عن قيس بن سعد، وفيه: قال: لو كنت آمراً أحداً أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق.**

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر کا عورت پر ایسا حق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

ایک حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شوہر اپنی بیوی کو پکارے تو فوراً حکم کی تعمیل کرے اگرچہ تنور کے پاس ہو۔ **أخرج الإمام الترمذي في سننه** (۱۱۶۰) **بسنده عن طلق بن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور.**

ایک حدیث میں ہے: اگر عورت نماز پنجگانہ کی پابندی کرے، شرمگاہ کی حفاظت کرے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے۔

إذا صلت المرأة خمسها، و أحصنت فرجها، و صامت شهرها، وأطاعت بعلها، فلتدخل من أى أبواب الجنة شاء ت. رواه الربيع بن صبيح: عن يزيد الرقاشي، عن أنس رضي الله عنه والربيع ضعيف. (ذخيرة الحفاظ: ۱/۳۳۲/۳۳۷، ومسند احمد، رقم: ۱۶۶۱، وابن حبان، رقم: ۴۱۶۳).

(وكذا اخرجه ابن عدى فى الكامل (۳/۱۳۳). **قال الشيخ شعيب الأرنووط: حسن لغيره وهذا**

إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة . (التعليقات على مسند احمد ، رقم: ١٦٦١).
خلافِ شریعت امور میں کسی کی بات ماننا ناجائز اور گناہ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره ، إلا أن يؤمر بمعصية ، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة . (متفق عليه).

وعن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث جيشاً و أمر عليهم رجلاً فأوقد ناراً وقال: ادخلوها فأرادوا أن يدخلوها وقال آخرون: إنما فررنا منها فذكروا للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال للذين أرادوا أن يدخلوها: لو دخلوها لم يزالوا فيها إلى يوم القيامة وقال للآخرين : لا طاعة في معصية إنما الطاعة فى المعروف . (صحيح البخارى ،رقم: ٧٢٥٧).
آپ کے مسائل اوران کا حل میں مذکور ہے:

اگر ایک کا حکم شرعاً صحیح اور دوسرے کا غلط ہے تو جس کا صحیح ہے اس کا حکم مانا جائے خواہ ماں ہو یا شوہر، اور دونوں باتیں جائز ہوں تو عورت کے لیے شوہر کا حکم مقدم ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:٦/٣٢٠)۔
فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

شادی کے بعد اگر والدین جائز کاموں میں شوہر کی فرماں برداری سے روکیں تو ان کو حق نہیں اور اس حالت میں لڑکی کو ان کی اطاعت بھی لازم نہیں والدین اور شوہر سب کا ہی احترام لازم ہے اور ناحق بات کسی کی بھی ماننا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:١٨/٦٠٠)۔
کفایت المفتی میں ہے:

بیوی پر شوہر کی اطاعت اور حفظ عصمت اور اس کے گھر کی حفاظت لازم ہے اگر باپ اور شوہر دونوں محتاج خدمت ہوں تو شوہر کی خدمت مقدم ہے۔ (کفایت المفتی:٥/٢٣٥، دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمۃ للعالمین کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نعمتوں کو بانٹتے ہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ،یعنی وفات کے بعد رحمتوں کو بانٹنے والے ہیں، کیا یہ مطلب صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ رحمت کا معنی اور مطلب یہ ہے: **الرفقة والتعطف**، (تاج العروس) یعنی نرمی، شفقت وہمدردی، اسی وجہ سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بددعا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "**إني لم أبعث لعاناً وإنما بعثت رحمة**"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت کا اطلاق چند حیثیت سے ہے؛

۱۔ آپ لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لانے والے ہیں۔

۲۔اللہ کے برگشتہ بندوں کو اللہ سے ملانے والے ہیں۔

۳۔انسان کو اخلاقِ حمیدہ اور محاسنِ جمیلہ کی تعلیم دینے والے ہیں۔

۴۔قیامت کے دن؛ میدانِ محشر، حوضِ کوثر وغیرہ سب جگہوں پر آپ امت کے لیے سفارش کریں گے۔

۵۔آپ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تمام مسلمان جنت میں داخل نہ ہوجائیں۔

۶۔اس معنی میں رحمت ہیں کہ اگلی امتوں کی طرح عام عذاب اس امت پر نہیں آئے گا۔

۷۔رحمت بمعنی نعمت ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کی، ایمان لایا، جنت میں جائے گا اور جس نے انکار کیا جہنم میں داخل ہوگا۔ (ان معانی کے لیے کتب تفسیر وشروحاتِ حدیث کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے)۔

اور رحمت کا معنی **إعطاء الرحمة والنعمة** یعنی بخشش کرنے کے معنی لینا درست نہیں ہے؛ کیونکہ لفظ رحمت اگلے انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے؛ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے: ﴿**ولنجعله آية للناس ورحمة منا**﴾، حضرت صالح علیہ السلام کے لیے: ﴿**وآتاني رحمة من عنده**﴾، حضرت خضر علیہ السلام کے لیے: ﴿**وآتيناه رحمة من عندنا**﴾، بلکہ صحابہ کرام کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: ﴿**أشداء على الكفار رحماء بينهم**﴾ وغیرہ مواضع میں کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے کہ انبیاء اور صحابہ رحمت بھیجنے پر قادر ہیں۔ کیونکہ اعطاء الرحمۃ صرف "الرحمٰن" کے ساتھ خاص ہے، اس وجہ سے کہ لغت میں الرحمٰن کے معنی ہیں: **ذوالرحمة التي لا غاية بعدها في الرحمة " فالرحمن الذى وسعت رحمته كل شيء .** اور لفظ "**الرحمن**" یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ **قال الله تعالىٰ** : ﴿**قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن**﴾ [الإسراء:۱۱۰]

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں اس کی تعلیم دی ہے:﴿**ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنک رحمة ، إنک أنت الوهاب**﴾

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے، بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ (بیان القرآن:۳/۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے متعلق مشہور واقعہ کی تحقیق:

شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا وہ مشہور واقعہ اور اس کی تحقیق جس میں شیخ کے دل میں فخر آنے کی وجہ سے وہ ایک مسیحی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوکر مرتد ہو گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے:

سوال: حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ابوعبداللہ اندلسی کا عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے اس میں حیاۃ الحیوان کا حوالہ ہے۔ کیا یہ واقعہ حیاۃ الحیوان میں ہے یا نہیں؟ اور سنداً صحیح ہے یا نہیں؟ میں اس واقعے کو حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی کتاب آپ بیتی سے نقل کر رہا ہوں، آپ اس کی تحقیق کیجیے؟

آپ بیتی میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ لکھتے ہیں: ''ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری کی حیاۃ الحیوان مطبوعہ مصر سے نقل کیا جاتا ہے۔ سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے، آفتابِ نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری، لوگوں میں امانت، دیانت اور تدین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے، اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے، کچھ برسر کار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں، ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علمائے دین اور صلحائے متقین سے آباد نظر آتا ہے، خصوصاً مدینۃ السلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہوکر گلزار بنا ہوا ہے، ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں، تو دوسری طرف علماء اور صلحاء کی مجلسیں، درس وتدریس کے حلقے، ذکر وتلاوت کی دلکش آوازیں، خدائے تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا ایک کافی سامان ہے، فقہاء ومحدثین اور عباد وزہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے، اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہل عراق کے پیر ومرشد اور استاذ محدث ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے، جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ عابد وزاہد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان

کیا جاتا ہے کہ آپ کوتیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کوتمام روایات قراءت کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا، تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہولئے۔ جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس سرہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت امن وامان اور آرام واطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی، ہم نے بستی کا چکر لگایا، اس دوران میں ہم مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے، جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا، اور کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقل اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے، آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنویں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں، اتفاق سے شیخ مرشد ابوعبداللہ اندلسی کی نظر اُن میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں میں ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی، شیخ کی اس سے چار آنکھیں ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا، اس انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہمجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں: یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔

شیخ: پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے کیا وہ اس کے لیے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔

لڑکیاں: کیوں نہیں، مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال ومتاع، حشم وخدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے، اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے نہ پیتے اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں، مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہیں، کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا کہ اے شیخ:

آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں، کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے۔

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہوکر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے، اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء وجوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو چھوڑ دوں۔

حضرت شبلی: اے ہمارے سردار! آپ اہل عراق کے پیرومرشد، علم وفضل اور زہد وعبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہوچکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوانہ کیجیے۔

شیخ: میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہوچکی ہے، مجھ سے ولایت کا لباس سلب کرلیا گیا، اور ہدایت کی علامات اُٹھالی گئیں، یہ کہہ کر رونا شروع کیا ''اے میری قوم! قضاوقدر نافذ ہوچکی ہے، اب کام میرے بس کا نہیں ہے، حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے، یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے، لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ کی زیارت کے لیے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا، ہم نے سارا واقعہ بیان کیا، واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا، شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت اسی غم وحسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کررہے ہیں کہ اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے، اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں، کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔

گاؤں والے: وہ جنگل میں سور چرا رہا ہے۔

ہم: خدا کی پناہ! یہ کیا ہوا۔

گاؤں والے: اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی، اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کرلیا، اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے، آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان

اُمنڈنے لگا، بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے، جہاں وہ سور چرا رہے تھے، دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے، اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ وخطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا، شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا، ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔

شیخ: (کسی قدر دبی زبان سے) وعلیکم السلام۔

شبلی: اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟

شیخ: میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، میرے مولا نے جیسا چاہا، مجھے ویسا کر دیا، اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا، اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو، اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو، اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا، اے میرے مولا! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا، کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا، یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا۔ میرے والد صاحب اس قصہ کو سناتے وقت یہ شعر بھی شیخ کی طرف سے پڑھا کرتے تھے:

بے نیازی نے تری اے کبریا ۞ مجھ غریب وختہ کو کیا کیا کیا

(غالباً یہ کسی عربی شعر کا ترجمہ کسی اردوداں شاعر نے کیا ہوگا) اور شیخ نے آواز دے کر کہا، کہ شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے: **السعيد من وعظ بغيره**) یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

شبلی: (رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجے میں) اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں، ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے، ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔

خنزیران کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹنا تڑپنا اور چلانا شروع کر دیا، اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے، یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا، اُدھر شیخ حسرت کے عالم میں زار زار رو رہے تھے۔

حضرت شبلی: شیخ آپ حافظ قرآن تھے، اور قرآن کو ساتوں قراءت سے پڑھا کرتے تھے، اب بھی اس

کی کوئی آیت یاد ہے؟

شیخ: اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلی: وہ دو آیتیں کونسی ہیں؟

شیخ ایک تو یہ ہے: ﴿ ومن یهن اللّٰه فما له من مكرم ، إن اللّٰه یفعل ما یشاء ﴾ (جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے: ﴿ومن یتبدل الکفر بالإیمان فقد ضل سواء السبیل ﴾ (جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا، تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)۔

شبلی: اے شیخ آپ کو تین ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں، اب اُن میں سے بھی کوئی یاد ہے؟

شیخ: صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی " من بدل دینه فاقتلوه"، (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)۔

شبلی: ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت ویاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا، ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآوازِ بلند شہادتین: " أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً رسول اللّٰه " پڑھتے جاتے تھے، اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت ویاس کا اندازہ ہو۔

شیخ: (قریب پہنچ کر) مجھے ایک پاک کپڑا دو، اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی، ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں، تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم: اس خدائے علیم وقدیر کا ہزار شکر، جس نے آپ کو ہم سے ملایا، اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمادیا، مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکارِ شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

شیخ: میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے، میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خداوندا! مجھے اس جنجال سے نجات دے، میں تیرا خطا کار بندہ ہوں، اس سمیع الدعاء نے بایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیے۔

ہم: شیخ! کیا آپ کے اس ابتلا (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟

شیخ: ہاں! جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی، کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل واحمق ہیں کہ بے حس وبے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ ''یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو، اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں''۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی جانور میرے قلب سے نکل کر اُڑ گیا ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی: اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا سب مریدین شیخ کی زیارت اور اُن کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں، خانقاہیں اور حجرے کھول دیے گئے، بادشاہِ وقت شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، اور کچھ ہدایا پیش کیے، شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہوگئے، اور پھر وہی حدیث وتفسیر، وعظ وتذکیر، تعلیم وتربیت کا دور شروع ہوگیا، خداوندِ عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرما دیا، بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار، اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی، ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر کہ شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ اچانک کسی شخص نے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، میں دروازہ پر گیا، تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں: آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا مقصود ہے؟

آنے والا: اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) چھوڑ کر آئے تھے، آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے، سچ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیتا ہے تو ہر چیز اس سے منہ موڑ لیتی ہے:

چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت۔

میں شیخ کے پاس گیا، واقعہ بیان کیا، شیخ سنتے ہی زرد ہوگئے اور خوف سے کانپنے لگے، اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار زار رو رہی ہے، شدتِ گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: (لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہونچایا؟

لڑکی: اے میرے سردار! جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی، میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہونچی، اس کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے، نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی، میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی، اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی، اسی غنودگی میں، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، جو کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے، اور شیخ کا اتباع کر، اور اپنے دین سے توبہ کرکے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

میں: (اسی خواب میں عالم میں اس شخص کو خطاب کرکے) شیخ کا دین کیا ہے؟

شخص: اس کا دین اسلام ہے۔

میں: اسلام کیا چیز ہے؟

شخص: اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔

میں: تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟

شخص: ذرا آنکھ بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو۔

میں: بہت اچھا یہ کہا اور کھڑی ہوگئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دیدیا۔

شخص: میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دیر چل کر بولے، بس کھول دو۔

میں نے آنکھیں کھولیں، اپنے کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا، اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اُس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کرکے کہا: یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے، وہاں چلی جاؤ۔ اور شیخ سے کہدو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اُس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں مجھے مسلمان کرلیجیے۔

شیخ نے اس کو مسلمان کرکے اپنے پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا، کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد وعبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی، دن بھر روزہ رکھتی ہے اور رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اسی میں مریض ہوگئی، اور مرض اتنا ممتد ہوا کہ موت کا نقشہ آنکھوں

کے سامنے پھر گیا، اوراب اس مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ کیونکہ جس وقت سے اس حجرے میں مقیم ہے، نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ وہ شیخ کی زیارت کرسکی، جس سے آپ چند گھڑی مہمان کی حسرت ویاس کا اندازہ کرسکتے ہیں، آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں۔

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے، جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اُسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبانِ بے زبان یہ کہہ رہی ہے: ؎

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر ✿ سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑائی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا: السلام علیکم۔

شیخ: (شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہو کر خاموش ہوگئی، اوراب یہ خاموشی ممتد ہوئی کہ مہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی، اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی، کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیر آباد کیا۔

شیخ اس کی وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی حضرت شبلی کا بیان ہے کہ چند ہی روز کے بعد شیخ اس عالمِ فانی سے رخصت ہوئے، کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں، اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے، جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے یہی لڑکی ہے اوراب وہ دونوں ابدالآباد کے لیے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔ **ذلک فضل الله يوتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم.** (آپ بیتی، جلدِ اول، از ص ۶۸۱ تا ص ۶۹۱، ط: مکتبہ شیخ زکریا)۔

الجواب: اس واقعے سے متعلق چند امور قابل غور ہیں:

(۱) شیخ ابو عبد اللہ الاندلسی کا مذکورہ واقعہ المستطرف فی کل فن مستظرف، جز اول، صفحہ ۱۵۳-۱۵۵، طبع: مکتبۃ ومطبعۃ المشہد الحسینی، القاہرہ میں موجود ہے، جو بلا سند لفظ ”حكي“ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

عبد الحلیم شرر نے بھی ابو بکر شبلی کی سوانح (ط: لکھنؤ) میں صفحہ ۸۰-۸۲ پر اس واقعے کو المستطرف کے

حوالے سے نقل کیا ہے۔

المستطرف کے حاشیہ میں ابن حجہ الحموی کی کتاب ''ثمرات الاوراق'' بھی چھپی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں بھی یہ واقعہ جز۲، صفحہ ۲۶۷ پر بلا سند لفظ ''حکي'' کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے انفاس عیسی (حصہ دوم، صفحہ ۶۵۲-۶۵۳) میں اس واقعے کو بلاحوالہ ذکر کیا ہے۔

(۲) حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس واقعے کو ضمیمہ آپ بیتی نمبر ۵، صفحہ ۷۱-۸۳ پر حیاۃ الحیوان مطبوعہ مصر کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ حیاۃ الحیوان دمیری سے مفتی محمد شفیع صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حال ناظم دارالعلوم کراچی نے محرم ۷۰ھ میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔

مفتی احسان اللہ شائق صاحب نے حضرت شیخ کی آپ بیتی کے حوالے سے اس واقعہ کو اپنی کتاب ''سبق آموز واقعات'' (ص ۲۸-۳۳) میں نقل کیا ہے۔

(۳) ہم نے ابتداءً حیاۃ الحیوان کے متعدد نسخوں اور بعض مخطوطات میں اس واقعے کو تلاش کیا؛ لیکن نہیں ملا۔ بالآخر ہمیں حیاۃ الحیوان کا وہ نسخہ ملا جو چار جلدوں میں ابراہیم صالح کی تحقیق کے ساتھ دارالبشائر دمشق سے چھپا ہے۔ محقق نے اس کتاب کی تحقیق میں تین نسخوں کو سامنے رکھا ہے:

۱- ایک وہ مخطوطہ ہے جو ۷۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور حیاۃ الحیوان کے نام سے مکتبہ مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق میں نمبر ۱۱۴۹ کے تحت محفوظ ہے۔

۲ دوسرا وہ مخطوطہ ہے جو ۳۴۹ صفحات پر مشتمل ہے اور حیاۃ الحیوان الوسطی کے نام سے مکتبہ مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق میں نمبر ۱۰۷۲ کے تحت محفوظ ہے۔

۳- تیسرا وہ مطبوعہ نسخہ ہے جو مطبع بابی حلبی، قاہرہ میں بولاق سے چھپا ہوا موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ قزوینی کی عجائب المخلوقات بھی چھپی ہوئی ہے۔

محقق نے آخری جلد میں صفحہ ۳۳۴ پر فہرس الاعلام بھی دے رکھی ہے، یعنی اس فہرست میں ان تمام لوگوں کے نام بقید جلد وصفحہ نمبر لکھے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں ایک یا متعدد بار آیا ہے۔ لیکن اس فہرست میں ابو عبداللہ اندلسی کا ذکر نہیں، ہاں جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۹۷ میں صرف ایک جگہ ابوعبداللہ قرطبی کا نام آیا ہے؛ لیکن وہاں یہ قصہ مذکور نہیں، بلکہ وہاں حضرت داود علیہ السلام کے زمانے میں ایک مینڈک کے تسبیح کرنے کا ذکر ہے۔

نیز اس کتاب میں جہاں کہیں اصالۃ یا ضمناً شبلی یا جنید بغدادی کا ذکر آیا ہے وہاں بھی ان کے شیوخ میں ابوعبداللہ اندلسی کا ذکر نہیں۔

(۳) اس قصے میں جن مشہور شخصیات کا ذکر ہے، وہ: ۱-جنید بغدادی، ۲-ابوبکر شبلی ہیں۔

جنید بغدادی کا تیسری صدی ہجری کے آخر میں (۲۹۷ھ) میں انتقال ہوا۔اور ابوبکر شبلی نے چوتھی صدی ہجری کے شروع میں (۳۳۴ھ) میں وفات پائی۔

تیسری صدی ہجری میں اندلس کی مشہور شخصیات میں محمد بن وضاح بن بزیغ ابوعبداللہ اندلسی کا ذکر ملتا ہے جو ۱۹۹، یا ۲۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۸۷ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ قرآن کے قاری اور عالم حدیث ہونے کے ساتھ عابد وزاہد بھی تھے اور طلب حدیث سے زیادہ اہل اللہ کی تلاش میں انھوں نے سفر کیے۔

حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مذکورہ واقعے کے شروع میں شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ مذکورہ واقعے میں جن ابوعبداللہ اندلسی کا ذکر ہے وہ یہی محمد بن وضاح بن بزیغ ہیں؛ کیونکہ ہمیں تیسری صدی ہجری کی اندلس یا اس کے قرب وجوار میں کوئی ایسی شخصیت کتب تاریخ وتراجم میں نہیں ملی جو قاری قرآن، عالم حدیث ہونے کے ساتھ زہد وتقوی کے اعلی مقام پر بھی فائز ہو۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ:

ابن الفرضی (م:۴۰۳ھ) نے تاریخ علماء الاندلس (۲/ ۱۷-۱۹، ترجمہ نمبر ۱۱۳۶) میں محمد بن وضاح ابو عبداللہ الاندلسی کا مفصل تذکرہ کیا ہے؛ لیکن نہ تو ان کے شاگردوں میں جنید وشبلی کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی اس جیسا کوئی قصہ لکھا ہے۔

ابن الفرضی لکھتے ہیں: ”**محمد بن وضاح بن بزيغ مولى الإمام عبد الرحمن بن معاوية رضي اللّٰه عنه، من أهل قرطبة يكنى: أبا عبد الله. روى بالأندلس... ورحل إلى المشرق رحلتين إحداهما: سنة ثمان عشرة ومائتين، لقي فيها سعيد بن منصور، وآدم بن أبي إياس العسقلاني، ويحيى بن معين، وأحمد بن حنبل...، ولم يكن مذهبه في رحلته هذه طلب الحديث، وإنما كان شأنه الزهد، وطلب العُبّاد، ولو سمع في رحلته هذه لكان أرفع أهل زمانه درجة وأعلاهم إسناداً.**

ورحل رحلة ثانية فسمع فيها: من إسماعيل بن أبي أويس، ويعقوب بن حميد بن

كاسب... وعدة الرجال الذين سمع منهم في الأمصار خمس وسبعين و مائة رجلا.

و بمحمد بن وضاح وبقي بن مخلد صارت الأندلس دار حديث. وكان محمد بن وضاح عالما بالحديث، بصيرا بطرقه، متكلما على علله، كثير الحكاية عن العباد، ورعاً، زاهداً، فقيراً، متعففاً، صابراً على الأسماع، محتسباً في نشر علمه، سمع منه الناس كثيراً، ونفع الله به أهل الأندلس". (تاريخ علماء الأندلس ١/١٧-١٩، لعبد الله بن محمد بن يوسف المعروف بابن الفرضي، الناشر: مكتبة الخانجي، القاهرة)

ابن الجزری غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء میں لکھتے ہیں: "محمد بن وضاح بن بزيغ أبو عبد الله الأندلسي القرطبي، إمام زاهد ثقة، روى القراءة عن عبد الصمد بن عبد الرحمن عن ورش،... وروى عنه عدد القرآن على عدد المدني الأول، قال الداني: ومن وقته اعتمد أهل الأندلس على رواية ورش وصارت عندهم مدونة، وكانوا قبل ذلك معتمدين على رواية الغاز بن قيس عن نافع". (غاية النهاية في طبقات القراء، لشمس الدين أبو الخير ابن الجزري ٢/٢٧٥، الناشر: مكتبة ابن تيمية)

اسی طرح جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس (ص٩٣-٩٤، الناشر: الدار المصرية، القاهرة) میں محمد بن فتوح الازدی (م:۴۸۸ھ) نے ابوعبداللہ اندلسی کے حالات لکھے ہیں؛ لیکن اس میں بھی اس قصے کا ذکر نہیں۔

اسی طرح احمد بن یحییٰ الضبی (م:۵۹۹ھ) نے بغية الملتمس في تاريخ رجال أهل الأندلس (ص١٣٣-١٣٤، الناشر: دار الكتاب العربي القاهرة) میں ابوعبداللہ اندلسی کے حالات میں اس قصے کا ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے تاریخ اسلام (۶/ ۸۲۸، تحقیق: بشارعوادمعروف)، تذکرۃ الحفاظ (۲/۱۶۲-۱۶۳، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت) اور سیر أعلام النبلاء (۱۳/ ۴۴۵-۴۴۶، ط: الرسالۃ) میں اور ابراہیم بن علی الیعمر ی (م:۷۹۹) نے "الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (۲/۱۷۹-۱۸۱، ط: دارالتراث، القاہرۃ) میں محمد بن وضاح ابوعبداللہ الاندلسی القرطبی کے مفصل حالات لکھے ہیں اوران سے روایت کرنے والوں کا شمار کرایا ہے؛ لیکن یہاں بھی شبلی وجنید بغدادی کا ذکر نہیں، اورنہ ہی اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی حضرات نے محمد بن وضاح ابوعبداللہ اندلسی کے مختصر و مفصل حالات لکھے ہیں۔ ہم

نے تطویل کے خوف سے مذکورہ حوالوں پر اکتفا کیا۔

نیز ہم نے ابوبکر شبلی اور جنید بغدادی کے حالات بھی کتب تراجم میں دیکھے؛ لیکن تلاش بسیار کے باوجود نہ تو ہمیں ان دونوں حضرات کے شیوخ میں ابوعبداللہ اندلسی کا ذکر ملا اور نہ ہی یہ یا اس جیسا کوئی اور واقعہ۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ عبارات کی روشنی میں چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱- حیاۃ الحیوان میں یہ واقعہ مذکور نہیں۔ یا ہمارے سامنے جو نسخے ہیں ان میں نہیں ہے۔

۲- المستطرف اور ثمرات الاوراق میں یہ واقعہ مذکور ہے؛ لیکن لفظ ''**حكي**'' کے ساتھ ہے، سند مذکور نہیں۔

۳- بعد کے لوگوں میں سے بعض نے المستطرف کا حوالہ دیا ہے، جیسا کہ عبدالحلیم شرر نے ابوبکر شبلی کی سوانح میں۔ اور بعض نے بلا حوالہ ذکر کیا ہے، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے، اور بعض نے حیاۃ الحیوان کا حوالہ دیا ہے، جیسا کہ حضرت شیخ نے آپ بیتی میں؛ لیکن یہ مصنف یا کاتب کی سبقت قلم کا نتیجہ ہے، اور بعض نے حضرت شیخ کی آپ بیتی کا حوالہ دیا ہے، جیسا کہ مفتی احسان اللہ شائق نے سبق آموز واقعات میں۔

۴- واقعے میں ابوعبداللہ اندلسی کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ قرآن کے قاری، حدیث کے عالم اور زہد وتقوی کے امام تھے، یہ سبھی اوصاف محمد بن وضاح ابوعبداللہ الاندلسی القرطبی میں موجود تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعے میں مذکور ابوعبداللہ اندلسی سے یہی محمد بن وضاح مراد ہیں۔

۵- محمد بن وضاح کے حالات کتب تاریخ وتراجم میں مفصل ومختصر موجود ہیں؛ لیکن کسی بھی کتاب میں ہمیں ان کے حالات میں نہ تو ابوبکر شبلی اور جنید بغدادی کا ذکر ملا اور نہ ہی یہ واقعہ ملا، جس کی وجہ سے اس واقعے کی صحت مشکوک ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

علامہ دمیری کی حیاۃ الحیوان پر تبصرہ:

سوال: حیاۃ الحیوان معتبر کتاب ہے یا اس میں رطب ویابس کی بھرتی ہے اور اس کے مصنف کون تھے؟

الجواب: مصنف کا اسم گرامی کمال الدین محمد، کنیت: ابوالبقا، والد کا نام موسیٰ بن عیسیٰ بن علی ہے۔

امام زرکلی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاعلام'' میں رقمطراز ہیں:

محمد بن موسى بن عيسىٰ بن على الدميرى ، أبو البقاء ، كمال الدين : باحث ، أديب ، من فقهاء الشافعية ، من أهل دميرة (بمصر) ولد ونشأ وتوفى بالقاهرة ، كان يتكسب بالخياطة ثم أقبل على العلم وأفتى ودرس ، وكانت له فى الأزهر حلقة خاصة ، وأقام مدة بمكة والمدينة .

من كتبه : "حياة الحيوان " ، مجلدان وحاوى الحسان من حياة الحيوان ، اختصره بنفسه من كتابه (قاله على الخاقاني : في مجلة المجمع العلمى العراقى : ۸/۲۲۷) و "الديباجة " في شرح كتاب ابن ماجه ، فى الحديث ،خمس مجلدات ،و"النجم الوهاج فى شرح منهاج النووى " ، و" أرجوزة فى الفقه" و"مختصر شرح لامية العجم للصفدى ".
(الأعلام للزركلي : ۱۱۸/۷).

قال الشوكاني: ومن مصنفاته حياة الحيوان الكتاب المشهور الكثير الفوائد مع كثرة ما فيه من المناكير . (البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع : ۲۶۴/۲، للشوكاني).

وقال حاجي خليفة : وهو كتاب مشهور فى هذا الفن جامع بين الغث والسمين ، لأن المصنف فقيه فاضل محقق فى العلوم الدينية لكنه ليس من أهل هذا الفن كالجاحظ وإنما مقصده تصحيح الألفاظ وتفسير الأسماء المبهمة . (كشف الظنون : ۶۹۶/۱).

وقال السخاوى : وله تذكرة مفيدة ، وحياة الحيوان وهو نفيس أجاده وأكثر فوائده مع كثرة أستطراده فيه من شيء إلى شيء ، وله فيه زيادات لا توجد في جميع النسخ وأتوهم أن فيها ما هو مدخول لغيره إن لم تكن جميعها لما فيها من المناكير، وقد جردها بعضهم بل اختصر الأصل التقى الفاسى في سنة اثنتين وعشرين ونبه على أشياء مهمة يحتاج الأصل إليها . (الضوء اللامع للسخاوى : ۶۱/۵).

وقال محقق كتاب "حياة الحيوان الكبرى " إبراهيم صالح: والمشكلة الكبرى عند الدميرى: هى التى نراها فى قسم التاريخ ، فقد ترجم فى مادة "الاوز "لكل الخلفاء الراشدين والأمويين والعباسيين، حتى زمنه ؛ وفيه أخطاء كثيرة فى تواريخ الوفيات صححتها وأشرت إلى بعضها ، ثم أتى بعده آخرون. لا نعلمهم. فأضافوا تراجم الخلفاء

العباسيين بالقاهرة ، إلى ما بعد وفاة الدميرى !!! فوصلوا إلى سنة ۸۳۳ هـ بينما وفاة الدميرى سنة ـ ۸۰۸ هـ ، وهو الذى يقول فى خاتمة كتابه: فكان الفراغ من مسودته ، فى شهر رجب الفرد سنة ۷۷۳هـ ؟ (مقدمة حياة الحيوان الكبرى: ۱/۴۲،ط: دار البشائر،دمشق).

ماہنامہ دارالعلوم میں علامہ دمیری اوران کی کتاب حیاۃ الحیوان سے متعلق مفصل تذکرہ شائع ہوا ہے اس کے کچھ ملخصات حسبِ ذیل ہیں: ''اس کتاب نے تمام تصانیف میں عام شہرت حاصل کی ہے اس میں بترتیب حروفِ تہجی حسبِ معلومات اکثر جانوروں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا، کتاب کی خصوصیات یہ ہیں: جانور سے متعلق معلومات اس طرح جمع کی ہیں کہ پہلے لغوی حل، جانوروں کے نام اور کنیتیں، خصوصیات وعادات، احادیث میں ان کا تذکرہ، شرعی حلت وحرمت، ضرب الامثال، طبی فوائد، خواب میں تعبیر، ذیل میں تاریخی واقعات، اشعار اور منظوم کلام، گاہے گاہے اوراد ووظائف تعویذ وعملیات ودیگر فوائد حسنہ زیب قرطاس ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مصنف کی تبحر علمی، وسعتِ معلومات خاص طور پر علمِ حیوان سے دل چسپی کا ثبوت ملتا ہے کتاب کی ترتیب وتبییض سے فراغت رجب ۷۷۳ھ میں ہوئی۔

مؤرخ ابوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں: مصنف کی یہ کتاب تین ہیں: ۱۔کبریٰ، ۲۔وسطیٰ، ۳۔صغریٰ، حیاۃ الحیوان الکبریٰ میں ہرفن کا مظاہرہ کیا گیا ہے، وسطیٰ میں خارجی باتوں کو ترک کردیا گیا ہے اور صغری میں صرف جانوروں سے متعلق مفید معلومات کی تحقیق کی گئی ہے۔(شذرات الذہب: ۷/۹۷)

ملا کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی حیاۃ الحیوان الکبریٰ کا مطالعہ کرے گا مصنف کی تبحر علمی کا قائل ہوجائیگا۔حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ یہ کتاب باوجود حشو زوائد کے مفید اور نفیس کتاب ہے۔عبدالحی فرنگی محلی کہتے ہیں کہ یہ عجائب وغرائب اور معلومات کا بیش بہا مجموعہ ہے۔(الفوائد البہیۃ ،ص ۸۵)

ملا کاتب حیاۃ الحیوان الکبریٰ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ کتاب عجائب وغرائب اور خواص اشیاء میں مشہور ومعروف ہے اسی کے ساتھ رطب ویابس کا مجموعہ بھی، اس لیے کہ امام دمیری فقیہ اور فاضل آدمی تھے، دینی علوم کے ماہر تھے لیکن اس میدان (علم الحیوان) کے آدمی نہیں تھے جس طرح کہ اس سے قبل امام جاحظ نے ایک کتاب ''الحیوان'' لکھی ہے وہ بھی فصاحت وبلاغت کے شہسوار، معانی وبیان کے علمبردار اور علمائے یکتائے روزگار میں تھے لیکن اس فن کے عالم نہیں تھے کتاب الحیوان ان کے مزاج وموضوع سے بالکل

الگ چیز تھی۔

چلپی کہتے ہیں کہ کمال الدین دمیری نے کتاب حیاۃ الحیوان اس مقصد سے لکھی ہے تاکہ مغلق الفاظ کی شرح، پیچیدہ لفظوں کی تصحیح ہوجائے اس لیے کہ بعض عبارتیں دشوار ہوتی ہیں کہ لغات ومعاجم بھی ان کا حل نہیں کرسکتے چنانچہ دمیری خود لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں مغلق الفاظ کی دل نشین شرح اور تفصیل کردی ہے تاکہ کتاب کے مطالعہ کے بعد پیچیدہ عبارتیں حل ہوجائیں۔(از ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' فروری ۱۹۸۱ء)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لیلیٰ مجنون کے قصہ کی حقیقت:

سوال: لوگوں میں لیلیٰ مجنون کا قصہ مشہور ہے، کیا یہ افسانہ اور بے حقیقت ہے یا مبنی بر حقیقت ہے اگر مبنی بر حقیقت ہو تو یہ کون تھے؟ کہاں تھے؟ کب تھے؟ اوران کا نام کیا تھا؟ بینوا بالدلیل تو جروا بالا جر الجزیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ لیلیٰ مجنون دو حقیقی شخصیات تھیں، دونوں بچپن کے ساتھی تھے پھر مجنون لیلیٰ کے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا، اسی وجہ سے اس کو مجنون کہا گیا ورنہ اس کا نام قیس بن ملوح تھا، تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دونوں مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں تھے اوران کا انتقال ۶۸ھ میں ہوا تھا۔ پھر زمانہ گزرتے صدیوں تک ان کی داستانیں چلتی رہیں اور بہت کچھ افسانہ طرازی ہوتی رہی۔

ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء میں ہے:

قيس بن الملوح، وقيل: ابن معاذ، وقيل: اسمه بختري بن الجعد، وقيل غير ذلك من بني عامر بن صعصعة، وقيل: من بني كعب بن سعد؛ الذي قتله الحب في ليلىٰ بنت مهدي العامرية. وقد أنكر بعضهم ليلى والمجنون، وهذا دفع بالصدر، فما من لم يعلم حجة على من عنده علم، ولا المثبت كالنافي، لكن إذا كان المثبت لشيء شبه خرافة، والنافي ليس غرضه دفع الحق، فهنا النافي مقدم، وهنا تقع المكابرة وتسكب العبرة. فقيل: إن المجنون علق ليلىٰ علاقة الصبا وكانا يرعيان البهم...وكان في دولة يزيد وابن الزبير. (سير أعلام النبلاء: ۵/۴، ۷، مؤسسة الرسالة).

دیوان مجنون لیلیٰ میں مرقوم ہے:

۱۔ نسبه الصحيح: هو على ما يقوله من صحح نسبه وحديثه. قيس، وقيل: مهدى

والصحيح قيس بن الملوح بن مزاحم بن عدس بن ربيعة بن جعدة بن كعب بن ربيعة بن عامر بن صعصعة ، ومن الدليل على أن اسمه قول ليلىٰ صاحبته فيه :

ألا ليت شعرى والخطوب كثيرة ❁ متى رحل قيس مستقل فراجع

۲ـ اسمه الصحيح : وأخبرنى الحسن بن على قال: حدثنا أحمد بن زهير قال: سمعت من لا أحصى يقول: اسم المجنون قيس بن الملوح .

۳ـ الاختلاف في وجوده : وأخبرنى الحبيب بن نصر المهلبى وأحمد بن عبد العزيز الجوهرى عن ابن شبة عن الحزامى قال: حدثنى أيوب بن عباية قال: سألت بني عامر بطناً بطناً عن مجنون بني عامر فما وجدت أحداً يعرفه .

وأخبرنا أحمد بن عبد العزيز قال: حدثنا عمربن شبة قال: حدثني عبد اللّٰه بن أبي سعد عن الحزامي قال: ولم اسمعه من الحزامى فكتبته عن ابن أبي سعد قال أحمد: وحدثنا به ابن أبي سعد عن الحزامي قال: حدثنا عبد الجباربن سعيد بن سليمان بن نوفل بن مساحق عن أبيه عن جده قال: سعيت على بني عامر فرأيت المجنون وأتيت به وأنشدني .

۴ـ المجنون فتى من بني أمية : وأخبرني عمي عن الكراني قال: حدثنا ابن أبي سعد عن على بن الصباح عن ابن الكلبي قال: حدثت أن حديث المجنون وشعره وضعه فتى من بنى أمية كان يهوي ابنة عم له ، وكان يكره أن يظهر مابينه وبينها فوضح حديث المجنون وقال الأشعار التى يرويها الناس للمجنون ونسبها إليه .

۵ـ تسميته : أخبرنى الحسن بن على القرشى عن ابن عائشة قال: إنما سمى المجنون بقوله :

ما بال قلبك يا مجنون قد خلعا ❁ في حب من لا ترى في نيله طمعا

الحب والود نيطا بالفؤاد لها ❁ فأصبحا في فؤادي ثابتين معا

حدثنا وكيع عن ابن يونس قال: قال الأصمعى؛ لم يكن المجنون مجنوناً إنما جننه العشق...الخ.

۶ـ ليلىٰ أم مالک : أخبرنى ابن المرزبان عن محمد بن الحسين بن دينار الأحول

عن علي بن المغيرة الأثرم عن أبي عبيدة : إن صاحبة مجنون بني عامر التي كلف بها ليلىٰ بنت مهدى بن سعد بن مهدى بن الحريش، وكنيتها أم مالك وقد ذكر هذه الكنية المجنون في شعره فقال: تكاد بلاد الله يا أم مالك . بما رحبت يوماً على تضيق.

وقال أبوعمرو الشيباني : علق المجنون ليلىٰ بنت مهدى بن سعد من بنى الحريش، وكنيتها أم مالک ، فشهر وعرف خبره فحجبت عنه ، فشق ذلک عليه فخطبها إلى أبيها فرده وأبى أن يزوجه إياها، فاشتد به الأمر حتى جن وقيل له : مجنون بن عامر فكان على حاله يجلس في نادى قومه فلا يفهم ما يحدث به ولا يعقله إلا إذا ذكرت ليلىٰ، وأنشد له أبو عمرو . (ديوان مجنون ليلىٰ ،ص ۲۴۵. ۲۷۲).

وللمزيد راجع : (تاريخ الاسلام : ۶۴/۳، والنجوم الزاهرة : ۱/۱۷۰، وشذرات الذهب: ۱/۲۷۷، ومعجم الشعراء : ۲۰۸/۴). واللہ ﷻ اعلم۔

جوشخص عبادات میں منہمک ہواور کبائر کا مرتکب ہواس کا کیا حکم ہے؟

سوال: جن احادیث میں اعمالِ حسنہ کومکفرات الذنوب بتایا گیاہے ان سے مرادفقط صغائر ہیں یا کبائر بھی؟ اگرفقط صغائر ہیں تواس شخص کا کیا حکم ہے جواچھے اعمال کے ساتھ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ کا اہتمام نہیں کرتا، کیاشریعت کی نگاہ میں مرنے کے بعداس کوفاسق سمجھا جائے گایانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مکفرات سے مرادمتاخرین کے نزدیک صغائر ہیں، اورمتقدمین نے تفویض والاقول اختیارفرمایاہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کبائربھی معاف کرنا چاہےتوبلاتوبہ معاف کرسکتاہے، علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے متقدمین کےقول کوترجیح دی ہے۔ملاحظہ ہوالعرف الشذی میں لکھتے ہیں:

(يخرج من الذنوب الخ) قال المتأخرون: الحسنات مكفرات السيئات الصغائر، وقال المتقدمون: يفوض الأمر إلى الله بلا تقييد بالصغائر والكبائر، وتمسک المتأخرون بما سيأتي" ما لم يغش الكبائر" وأقول: التحقيق أن لا يقيد بالصغائر ، ويتمشى على ألفاظ الأحاديث لغة ، وفي اللغة : الذنوب : العيوب والخطايا ما ليس بصواب ، والمعصية (نافرمانی) والسيئة (برائی)، فالمعاصي في أعلى مراتب الإثم ودونها السيئات ودونها

الخطايا، ودونها الذنوب ، وأشكل الحديث بأنه يدل على خروج الذنوب ، والخروج يقتضي أن يكون الشيء الخارج ذا جرم ، والذنوب أخواتها من المعاني ، فالأصوب التفويض إلى الله تعالىٰ...الخ. (العرف الشذى على هامش سنن الترمذى: ۱/۴، باب ماجاء في فضل الطهور).

پھر جو شخص کبیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہو اور اس پر جما ہوا ہو اور اس پر اس کا انتقال ہو جائے تو یہ آدمی شریعت کی نظر میں عادل نہیں ہے ہاں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرما کر بغیر کسی سزا کے اس کے لیے دخولِ جنت کا فیصلہ فرما دے۔ ملاحظہ ہو شرح العقائد النسفیہ میں ہے:

ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء من الصغائر والكبائر مع التوبة أو بدونها ...الخ.

(شرح العقائدالنسفية ،ص ۱۱۳،ط: قديمى).

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیتِ کریمہ: ”و يغفر ما دون ذلک لمن يشاء“ کے تحت فرماتے ہیں:

چوری کرنا اور تہمت جھوٹی لگانا اگر چہ کبیرہ گناہ تھے، مگر یہ بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چور کو بخش دیتا...الخ۔ (تفسیر عثمانی،ص ۱۲۷)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن (۲/ ۵۴۸) میں بھی اسی طرح کا مضمون نقل فرمایا ہے۔

الفقہ الاکبر میں مذکور ہے:

وما كان من السيئات دون الشرک والكفر ولم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمناً فإنه مؤمن في مشية الله تعالىٰ إن شاء عذبه بالنار وإن شاء عفا عنه ولم يعذب بالنار أصلاً.

(الفقه الأكبر،ص ۷۸،ط: قديمى).

یعنی کفر وشرک کے علاوہ معاصی سے توبہ کرنے سے پہلے ایمان کی حالت پر انتقال ہو جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو گناہوں کی بدولت سزا دیدے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے۔

اسی طرح کا مضمون شرح عقیدۃ الطحاوی میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وأهل الكبائر من أمة محمد صلى الله عليه وسلم فى النار لايخلدون، إذا ماتوا وهم موحدون وإن لم يكونوا تائبين بعد أن لقوا الله عارفين ، وهم في مشيته وحكمه ، إن شاء غفر لهم وعفا عنهم بفضله، كما ذكر عزوجل في كتابه ﴿ ويغفرما دون ذلک لمن يشاء ﴾ وإن شاء عذبهم فى النار بعدله ، ثم يخرجهم منها برحمته وشفاعة الشافعين من أهل طاعته ،

ثم يبعثهم إلى جنته ، وذلك بأن الله تعالىٰ مولى أهل معرفته ، ولم يجعلهم في الدارين كأهل نكرته الذين خابوا من هدايته، ولم ينالوا من ولايته ، اللّٰهم يا ولي الإسلام وأهله ، ثبتنا على الإسلام حتى نلقاك به. (شرح العقيدة الطحاوية ،ص ۳۶۰، ط: اوقاف السعودية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فضولیات میں وقت گزارنا مکروہ ہے:

سوال: کیا فضول باتوں میں لگنا ہر وقت مکروہ ہے یا اس وقت مکروہ ہے جب کہ فرائض وواجبات کے ترک کا باعث بنے، یعنی ایک شخص فرائض وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے پھر فضول باتوں میں لگتا ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز فضول باتوں میں لگنے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟ کیا شریعتِ مطہرہ ذہنی تفریح اور شوق ودلچسپی کی باتوں کی اجازت نہیں دیتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قرآن واحادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لایعنی اور فضولیات اور ایران تران میں لگنا جس میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو اور نہ دنیوی، مکروہ اور گناہ ہے، چاہے آدمی فرائض کی پابندی کرے یا نہ کرے بہر صورت مکروہ ہے۔ ہاں ذہنی تفریح کے لیے وقتاً فوقتاً دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے مزاح کی گنجائش ہے، نیز مفید کھیل جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں جیسے: تیراکی، دوڑ لگانا، تیراندازی وغیرہ ذہنی تفریح کے لیے بہت مفید ہیں، باقی ایسے فضول کام جس میں نہ تو کوئی دنیوی فائدہ ہو اور نہ اخروی، مکروہ اور قابل ترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فلاح پانے والے بندوں کی صفات میں فرماتے ہیں: ﴿**والذين هم عن اللغو معرضون**﴾ [المؤمنون:۳]. دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿**وإذا مروا باللغو مروا كراماً**﴾ [الفرقان:۷۲].

حدیث شریف میں ہے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه .** (سنن الترمذی،رقم: ۲۳۱۷). یعنی اسلام کا حسن اور اس کی خوبی یہ ہے کہ انسان فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ہر انسان سے زندگی خصوصاً نوجوانی کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کی۔ **عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيما أفناه ، وعن شبابه فيما أبلاه ، وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه ، وماذا عمل فيما علم .** (سنن الترمذی ، رقم: ۲۴۱۶).

ایک اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ، مال ضائع کرنے کو اور کثرتِ سوال کو اور زیادہ قیل قال کو پسند نہیں فرماتے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایحب اللّٰہ إضاعة المال ، ولا كثرة السؤال ، ولا قيل و قال. (صحيح البخارى ، رقم: ۲۴۰۸).

لہوولعب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا مگر مفید کھیلوں کی ترغیب فرمائی۔ ملاحظہ ہو: وعن عطاء بن أبي رباح قال: رأيت جابر بن عبد اللّٰه وجابر بن عبيد اللّٰه الأنصاري يرتميان ، فمل أحدهما فجلس فقال له الآخر: كسلت سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: كل شيء ليس من ذكر اللّٰه عزوجل، فهو لهو أو سهو، إلا أربع خصال ، مشي الرجل بين الغرضين، و تأديبه فرسه، وملاعبته أهله ، وتعليم السباحة. (مجمع الزوائد: ۵/ ۲۶۹ ، باب ماجاء فی القسی والرماح).

ہدایہ میں مرقوم ہے: و يكره اللعب بالشطرنج...وكل لهو؛ لأنه إن قامر بها فالميسر حرام بالنص وهو اسم لكل قمار، وإن لم يقامر فهو عبث و لهو . (الهداية: ۴/ ۴۷۵).

فتاویٰ رحیمیہ میں مذکور ہے: گپ شپ میں وقت گزارنا خسران ہی خسران ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۵۷۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۲۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہجری مہینوں کے اسماء سے متعلق چند سوالات اور جوابات:

سوال: (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے مہینوں کے دوسرے اسماء مروج تھے، پھر اسلام کے آنے سے کچھ پہلے وہ نام مشہور ہوئے جو آج کل مسلمانوں میں رائج ہیں، تو پرانے نام کیا تھے؟ (ب) مہینوں کی ترتیب میں ربیع الاول اور ربیع الآخر کے بعد جمادی الاولیٰ اور جمادی الثانیہ ہیں، میرا سوال یہ ہے کہ ربیع کے بعد موسمِ گرما آتا ہے اور جمادی کے معنی پانی کے یخ بستہ اور جم جانے کے ہیں، جو سردی میں ہوتا ہے تو ربیع کے بعد موسمِ سرما کیسے آ گیا؟ (ج) ربیع الآخر میں خاء پر فتحہ ہے یا کسرہ؟ مشہور کسرہ ہے۔ (د) جمادی کا صحیح تلفظ عوالی کی طرح ہے یا سکاریٰ کی طرح ہے؟ لوگوں میں مشہور پہلا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (الف) علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مہینوں کے پرانے اسماء کی ترتیب درجِ ذیل رقم فرمائی ہے: وأسماء الشهور فى الجاهلية : المؤتمر وهوالمحرم . وصفر وهو ناجر. وشهر ربيع الأول وهو خَوَّان ، وقالوا: خُوَّان. وربيع الآخر وهو وَبُصَان. وجمادى الأولى: الحنين

وجمادى الآخرة : رُبَّى. ورجب: الأصم. وشعبان: عادل. ورمضان : ناتِق . وشوال: وَعِل. وذوالقعدة : وَرْنَة. وذوالحجة : بُرَك .

وفى الصحاح : يقال : إنهم لما نقلوا أسماء الشهور عن اللغة القديمة سموها بالأزمنة التي وقعت فيها فوافق شهر رمضان أيام رمض الحرفسمى بذلك . (المزهرفى علوم اللغة وانواعها : ا/۱۷۴).

كتب عبد الرزاق بن قداح الصاعدي: كانت أسماء الشهور فى الجاهلية على النحو التالى...وثمة من خالف جمهور العلماء في أسماء هذه الشهور، فقد ذكر البيرونى أنها كما يلي: المؤتمر و ناجر وخوان وصوان وحنتم وزباء والأصم وعادل ونافق وواغل و هواع وبرك ، ونظمها الصاحب بن عباد فى قوله :

أردت شهور العرب فى الجاهلية ۞ فخذها على سرد المحرم تشترك

فمؤتمر يأتي ومن بعد ناجر ۞ وخوان مع صوان يجمع في شرك

حنين وزبا والأصم وعادل ۞ ونافق مع واغل ورنة مع برك

والموازنة بين بعض هذه الأسماء ، وما يقابلها فى الروايتين ترجح أن ثمة تصحيفاً أو تحريفاً في بعض أسمائها، قارن مثلاً بين وبصان وصوان ، والحنين وحنتم ، ورنى وربى وزباء ، وعاذل وعادل ، وناتق ونافق ، ووعل وواغل . (موت الالفاظ فى العربية : ا/۳٦۸).

وكذا فى الأزمنة وتلبية الجاهلية (ا/۴۷) لمحمد بن مستنير الشهير بقطرب (م۲۰٦)، وفي جمهرة اللغة (۳/۱۳۱۱) لأبي بكرمحمد بن الحسن بن دريد الأزدى (م ۳۲۱)، وفى المخصص (۲/۳۸۷) لأبى الحسن المرسى (م ۴۵۸).

مہینوں کے پرانے سریانی نام ملاحظہ ہو:

قال المسعودى: وأما شهور الروم فهى موافقة لشهور السريانيين فى العدد وذلك إن أول شهور الروم يواريوس وهو كانون الثانى ، وقد قدمنا أن في أول يوم منه يكون القلندس، وشباط فبراريوس، وازار مارتيوس ، ونيسان إبريليس ، وايار مايوس ، وحزيران يونيوس، وتموز يوليوس، وآب اغسطوس ،وايلول سبطمبر ، وتشرين الاول اقطوبر،

وتشرين الثاني نوفمبر، وكانون الاول عشمير. (مروج الذهب: ۲۴۸/۱). وقد ذكر الشيخ البنوری فی كتابه "معارف السنن" نبذا من هذه الأسماء. (۵۰/۲).

الجواب: (ب) ربیع کے معنی معتدل موسم کے ہیں، یہ موسمِ بہار اور موسمِ خزاں دونوں میں ہوتا ہے، نیز بارش بھی دونوں موسموں میں ہوتی ہے اور بارش کو بھی ربیع کہتے ہیں، جب مہینوں کو منتقل کیا تھا اس وقت ربیع بمعنی خریف تھا اور خریف کے بعد موسمِ سرما ہی آتا ہے اور موسمِ سرما میں عرب کے بعض علاقوں میں پانی جم جاتا ہے تو اس کے بعد جمادی کا آنا معقول ہے۔

قال الأزهری: وسمعت العرب يقولون لأول مطر يقع بالأرض أيام الخريف ربيع، ويقولون إذا وقع ربيع بالأرض: بعثنا الرواد وانتجعنا مساقط الغيث؛ وسمعتهم يقولون للنخيل إذا خرقت وصرمت: قد تربعت النخيل، قال: وإنما سمى فصل الخريف خريفاً لأن الثمار تخترف فيه، وسمته العرب ربيعاً لوقوع أول المطر فيه. (لسان العرب: ۱۰۳/۸).

وكلهم مجمعون على أن الخريف هو الربيع؛ قال أبوحنيفة: يسمى قسما الشتاء ربيعين: الأول منهما ربيع الماء والأمطار، والثانی ربيع النبات لأن فيه ينتهی النبات منتهاه، قال: والشتاء كله ربيع عند العرب من أجل الندى، قال: والمطر عندهم ربيع متى جاء. (لسان العرب: ۱۰۳/۸، وتاج العروس: ۳۴/۲۱).

الجواب: (ج) ربیع الآخر میں خاء کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔

قال أبوالهلال العسكرى (م ۳۹۵): الفرق بين الآخِر والآخَر أن الآخر بمعنى ثان وكل شیء يجوز أن يكون له ثالث وما فوق ذلک يقال فيه آخَر ويقال للمؤنث أخرى وما لم يكن له ثالث فما فوق ذلک قيل: الأول والآخِر ومن هذا ربيع الآخِر. (الفروق اللغوية: ۲۹۴/۱).

آخِر: ربيع الآخِر: الشهر الرابع من شهور السنة الهجرية، يلى ربيع الأول ويأتى بعده جمادى الأولى. (معجم اللغة العربية المعاصرة: ۷۱/۱).

وفي معجم الصواب اللغوى (۲۹۸/۱) الآخَر: الجذر: أ خ ر؛ مثال: شهر ربيع الآخَر الرأي: مرفوضة عندبعضهم. السبب: لأن الكلمة بهذا الضبط لا تؤدى المعنى المراد فی هذا التعبير. المعنى: الشهر الرابع فی التقويم الهجرى بعد ربيع الأول وقبل جمادى

الأولى . الصواب والرتبة : شهر ربيع الآخِر [فصيحة]. التعليق: لأن الآخَر بفتح الخاء تعني الواحد المغاير ، أما الآخِر بكسر الخاء فتعني خلاف الأول .

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر دو میں سے دوسرے کے لیے آخر بفتح الخاء کا استعمال کیا گیا ہے، اس لیے دو ربیع میں سے بھی دوسری ربیع کے لیے ربیع الآخَر کا استعمال صحیح ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

قال الشيخ التويجري : يجب علينا أن نقول ربيع الآخَر، بدلاً من قولنا ربيع الثانى لأنه لا يوجد سوى ربيعين .

۱۔ قال تعالىٰ: ﴿قال أحدهما إني أراني أعصر خمراً وقال الآخَر إني أراني أحمل فوق رأسي خبزاً﴾ . [يوسف: ۳۶].

۲۔ وقال تعالىٰ : ﴿ فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي﴾. [الحجرات: ۹].

۳۔ وقال تعالىٰ : ﴿ فتقبل من أحدهما ولم يتقبل من الآخَر﴾. [المائدة: ۲۷].

۴۔ وقال تعالىٰ: ﴿فتذكر إحداهما الأخرى﴾ . [البقرة: ۲۸۲]. (ارشيف منتدى الفصيح: ۳، رقم: ۴۴۴۰۸).

الجواب: (د) جُمادَیٰ کا صحیح تلفظ سکاریٰ کی طرح ہے جو غیر مشہور ہے۔

تاج العروس میں ہے: **جمادی (کحباری: من أسماء الشهور) العربية .** (۵۱۹/۷).

الجوهري: جمادى الأولى وجمادى الآخرة ، بفتح الدال فيهما ، من أسماء الشهور، وهو فعالى من الجمد. (لسان العرب: ۱۳۰/۳). **وكذا فى الأزمنة وتلبية الجاهلية للقطرب:** (۴۵/۱، ومعجم ديوان العرب: ۴۷۵/۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شیخین کو سلام پہنچانے کا حکم:

سوال: عام طور پر حرمین جانے والے کو یہ کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے سلام پہنچا دینا، تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ ’’شیخین کو بھی ہماری طرف سے سلام کہنا‘‘؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حرمین شریفین کے زائر کو یہ کہنا درست ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہماری طرف سے سلام کہہ دینا، اور زائر کا سلام پہنچانا بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو غنیۃ الناسک میں مذکور ہے:

ثم يتأخر كذلك قدر ذراع فيسلم على عمر رضي الله عنه لأن رأسه من الصديق من النبي صلى الله عليه وسلم، فيقول: السلام عليك يا أمير المؤمنين... و يزيد عليه وينقص إن ضاق الوقت ويبلغ سلام من أوصاه به . (غنية الناسک فی بغية المناسک ،ص۲۰۵).

جواہر الفقہ میں جہاں شیخین کو سلام کرنے کا تذکرہ کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ: جس نے کہہ دیا ہو اس کا سلام پہنچادے۔ (جواہر الفقہ :۴/۱۷۵)۔

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر وقت تنگ ہو یا اس قدر یاد نہ ہو تو ان دونوں حضرات کے سلام کے الفاظ میں کمی کرسکتا ہے اور وقت ہو اور دیگر الفاظ یاد ہوں تو زیادہ بھی کرسکتا ہے، اور اگر کسی نے سلام پہنچانے کے لیے کہا ہو تو اس کا سلام بھی دونوں حضرات کو پہنچادے۔ (عمدۃ الفقہ :۴/۲۹۵، وکذا فی فضائل ومسائل حج لمفتی رشید احمد قاسمی، ص۸۶)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شہنشاہ کا لفظ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بار بار شہنشاہ کا لفظ استعمال کرتا ہے، معاصر علماء اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لفظ ملک الملوک کے معنی میں ہے، اس کو استعمال نہ کریں۔ کیا اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی بڑے بادشاہ کے ہیں، سب بادشاہوں کے بادشاہ کے نہیں۔ اب شریعت کی نگاہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شہنشاہ کے معنی ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) کے ہیں اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ بعض علماء نے اس کو تاویل کے ساتھ استعمال کیا ہے، کہ زمین کے بادشاہوں کا بادشاہ لیکن حدیث کے مقابلہ میں یہ تاویل درست نہیں، ابوعبداللہ صمیری اور قاضی ابوالطیب طبری اور تمیمی حنبلی نے اس کو اس تاویل سے جائز کہا کہ جب زمین میں مختلف بادشاہ ہوں اور درجہ میں ایک دوسرے سے اوپر ہوں تو اوپر والے کے لیے ملک الملوک کا لفظ استعمال کرسکتے ہیں، لیکن حدیث اور محققین علماء کے کلام کی روشنی میں یہ جائز نہیں ہے۔ لغت کی کتابوں سے حوالے ملاحظہ کیجیے:

القاموس الجدید میں ہے: شہنشاہ؛ ملک الملوک۔ (القاموس الجدید:۱/۶۷۱)۔

القاموس الوحید میں ہے: الشاہنشاہ: بڑا بادشاہ، ملکِ اعظم۔ (القاموس الوحید:۱/۸۹۵)۔

دوسری جگہ ہے: شاہنشاہ: بادشاہوں کا بادشاہ، شاہِ اعظم۔ (القاموس الوحید:۱/۹۰۰)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ کے معنی بڑے بادشاہ کے بھی ہیں لیکن حدیث میں ممانعت وارد ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه رواية قال: أخنع اسم عند الله وقال سفيان غير مرة: أخنع الأسماء عند الله رجل تسمى بمَلِك الأملاك قال سفيان: يقول غيره: تفسيره شاهان شاه.

(صحيح البخارى: ۲/۹۱۶، رقم: ۶۲۰۶).

مستدرک حاکم میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن أخنع الأسماء عند الله يوم القيامة رجل تسمى ملك الأملاك شاهان شاه، قال سفيان: إن العجم إذا عظموا ملكهم يقولون شاهان شاه: إنك ملك الملوك. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه لأن جماعة من أصحاب سفيان رووه عنه بإسناده عن أبي هريرة رضي الله عنه يبلغ به.

(المستدرك على الصحيحين: ۴/۳۳۶).

عمدة القارى میں مرقوم ہے: **(شاهان شاه) ومعناه بالعربى: ملك الأملاك، لأن شاهان الأملاك لأنه جمع شاه، ويجمع عندهم بالألف والنون في بنى آدم، وشاه مفرد ومعناه الملك، ولكن من قاعدة العجم تقديم المضاف إليه على المضاف وتقديم الصفة على الموصوف، وشاهان بسكون النون لا بكسرها.** (عمدة القارى: ۱۵/۳۲۶).

فتح الباری میں ہے: **واستدل بهذا الحديث على تحريم التسمى بهذا الاسم لورود الوعيد الشديد... ويلتحق به أيضاً من تسمى بشيء من أسماء الله الخاصة به كالرحمن والقدوس والجبار.** (فتح البارى: ۱۰/۵۹۰).

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: **وأما شاهنشاه فهو من خصائص الله تعالىٰ بدون وصف الأعظم لايجوز وصف العباد به.** (فتاوى الشامى: ۲/۱۵۰، سعيد). (وكذا فى نصاب الاحتساب، ص۱۸۸).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تكملة فتح الملهم: ۴/۲۱۷، وتحفة المودود بأحكام المولود ص۷۳).

بعض جواز کی طرف مائل ہوئے ہیں ان کے حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

البدایہ والنہایہ میں مرقوم ہے: **أبو شجاع بن ركن الدولة أبو على الحسين بن بويه الديلمى، صاحب ملك بغداد وغيرها ، وهو أول من تسمى شاهنشاه ، ومعناه ملك الملوك.**

(البداية والنهاية: ١١/٣٦٠).

یعنی اسلام آنے کے بعد تاریخ میں سب سے پہلے جس کو شاہنشاہ کے لقب سے پکارا گیا وہ ابوشجاع بن رکن الدولہ تھا۔ البدایہ میں ایک اور مقام پر مرقوم ہے:

فيها كان بدو ملك السلاجقة ، وفيها استولى ركن الدولة أبو طالب طغرلبك محمد بن ميكائيل بن سلجوق ، على نيسابور ... وفي رمضان منها لقب جلال الدولة شاهنشاه الأعظم ملك الملوك ، بأمر الخليفة ، وخطب له بذلك على المنابر ، فنفرت العامة من ذلك ورموا الخطباء بالآجر ، ووقعت فتنة شديدة بسبب ذلك ، واستفتوا القضاة والفقهاء في ذلك فأفتى أبو عبد الله الصميرى أن هذه الأسماء يعتبر فيها القصد والنية ، وقد قال تعالىٰ ﴿إن الله قد بعث لكم طالوت ملكاً﴾ [البقرة:٢٤٧]، **وقال:﴿وكان وراء هم ملك﴾**[الكهف: ٧٩]، **وإذا كان فى الأرض ملوك جاز أن يكون بعضهم فوق بعض وأعظم من بعض، وليس في ذلك ما يوجب النكير والمماثلة بين الخالق والمخلوقين .**

وكتب القاضي أبو الطيب الطبرى: إن إطلاق ملك الملوك جائز، ويكون معناه ملك ملوك الأرض، وإذا جاز أن يقال كافى الكفاة ، وقاضى القضاة ، جاز أن يقال: ملك الملوك ، وإذا كان فى اللفظ ما يدل على أن المراد به ملوك الأرض ، زالت الشبهة ، ومنه قولهم : اللّٰهم أصلح الملك ، فيصرف الكلام إلى المخلوقين .

وكتب التميمى الحنبلى نحو ذلك ، وأما الماوردى صاحب الحاوى الكبير فقد نقل عنه أنه أجاز ذلك أيضاً ، والمشهور عنه ما نقله ابن الجوزى والشيخ أبومنصور بن الصلاح في أدب المفتي أنه منع من ذلك وأصرعلى المنع من ذلك ، مع صحبته للملك جلال الدولة ، وكثرة ترداده إليه ، ووجاهته عنده وأنه امتنع من الحضور عن مجلسه حتى استدعاه جلال الدولة في يوم عيد ، فلما دخل عليه ، دخل وهو وجل خائف أن يوقع به

مكروهاً فلما واجهه قال له جلال الدولة : قد علمت أنه إنما منعك من موافقة الذين جوزوا ذلك مع صحبتك إياى ووجاهتك عندي ، دينك واتباعك الحق ، وأن الحق آثر عندك من كل أحد ، ولو حابيت أحداً من الناس لحابيتني، وقد زادك ذلك عندي صحبة ومحبة ، وعلومكانة .

قلت: والذى حمل القاضى الماوردى على المنع هوالسنة التى وردت بها الأحاديث الصحيحة من غير وجه . (البداية والنهاية : ۱۲/ ۴۸۹،۴۹۰).

بعض بریلوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شہنشاہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ بریلویوں کے مقتدیٰ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”فقہ شاہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ“ موصوف نے اس کتاب میں لفظ شاہنشاہ کے استعمال کے جواز کے بہت سارے دلائل پیش کیے ہیں، اور مولانا رومی کے اشعار اور شیخ سعدی کی عبارت بھی ذکر کی ہے؛ ملاحظہ کیجیے وہ لکھتے ہیں: مثنوی میں ہے:

تا سمرقند آمدند آن دو امیر ☆ پیش آں زرگرز شاہنشہ بشیر (مثنوی معنوی دفتر اول، ص۲۰)۔

اورگلستانِ سعدی میں ہے: المؤيد من السماء المنصور على الأعداء عضد الدولة القاهرة سراج الملة جمال الأنام مفخر الإسلام سعد بن الأتابك الأعظم شهنشاه المعظم مالك رقاب الأمم مولى ملوك العرب والعجم سلطان وارث ملك سليمان مظفر الدين أبوبكر بن سعد بن زنگى أدام الله إقبالهما وضاعف إجلالهما وجعل إلى كل خير مآلهما. (گلستان سعدی، ص۱۲)۔ ماخوذ از (فقہ شاہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، ص۱۶).

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے تاویل کر کے استعمال کیا ہے لیکن حدیث شریف کی روشنی میں راجح اور صحیح بات یہ ہے غیر اللہ کے لیے اس کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا علماء کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون کے برابر ہے؟

سوال: کیا کسی حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ علماء کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون کے برابر ہے؟ اگر ہے تو اس حدیث کا کیا درجہ ہے؟ اور ہمارے اکابر نے اس کو کہیں نقل کیا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علماء کی فضیلت شہداء پر یا علماء کی روشنائی کی فضیلت شہداء کے خون پر ہونے

کے بارے میں بہت ساری روایات مروی ہیں لیکن اکثر ان میں سے یا تو سخت ضعیف ہیں یا موضوع ،محدثین کے یہاں پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتیں ، بنابریں ان روایات کا اعتبار نہیں ،اور ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف قرآن میں (۵۲۳/۳)اس روایت کو نقل کیا ہے،لیکن یہ روایت غیر معتبر ہے۔

یہ حدیث مختلف صحابہ کرام سے مختلف سند سے مروی ہے۔ملاحظہ کیجیے:

۱۔حضرت ابوالدرداءؓ: اس روایت کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم وفضلہ(۱۳۸/۱) میں بیان کیا ہے،لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن ابی زیاد پر کلام ہے ابن حبان نے دجال کہا ہے اور حافظ عراقی نے بھی اس سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔(تخریج الاحیاء:۱۳/۱).

۲۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ: اس روایت کو ابونعیم الاصبہانی نے اخبار اصبہان (رقم:۱۷۱۸) میں ،اور دیلمی نے مسند الفردوس (۹۶/۲) میں بیان کیا ہے،لیکن اس کی سند میں بھی اسماعیل بن ابی زیاد ہے،ابن جوزیؒ نے یہ روایت العلل المتناہیہ(۸۱/۱) میں دوسرے طریق سے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

۳۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ: دیلمی نے مسند الفردوس میں بیان کیا ہے،لیکن اس کی سند میں اسحاق بن قاسم اور ان کے والد قاسم دونوں مجہول ہیں ،اور خطیب بغدادیؒ نے تاریخ بغداد(۱۹۳/۲) میں بیان کیا ہے، نیز ابن جوزیؒ نے العلل المتناہیہ(۸۰/۱) میں خطیب بغدادیؒ کے طریق سے بیان کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں، نیز خطیب بغدادیؒ نے بھی کلام کیا ہے۔

۴۔حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت: مرہبی نے فضل العلم میں بیان کیا ہے جس کو علامہ سیوطی نے الدرالمنثور (۴۲۳/۳) میں نقل کیا ہے،لیکن اس کی سند میں احمد بن محمد بن قاسم موذن طرسوس مجہول راوی ہیں۔

۵۔ حضرت انسؓ کی روایت: اس کو لسان المیزان (۲۲۶/۵، بیروت) میں ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے،اور اس کی سند میں جراب کذاب ہے،لہذا اس کا بھی اعتبار نہیں۔

علامہ سخاویؒ نے مختصر المقاصد الحسنہ میں اس روایت کو حسن بصریؒ کا مقولہ قرار دیا ہے،یعنی مرفوع نہیں ہے۔اور اس کی تعلیق میں دکتور محمد الصباغ لکھتے ہیں: **ومتنه منكر تأباه الآيات القرآنية والأحاديث الصحيحة وروح الشريعة وما أحسب أن الحسن البصري على جلال قدره يقول مثل هذا القول والله أعلم** . (مختصر المقاصد الحسنة، ص ۲۰۲). یعنی اس حدیث کے متن میں نکارت ہے اور قرآن اور صحیح احادیث کے خلاف ہے نیز مزاجِ شریعت سے بھی ہم آہنگ نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآن وحدیث سے چلہ کشی کا ثبوت:

سوال: ایک پیر صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ چلہ کشی اور خلوت میں گزرتا ہے، بعض ساتھیوں نے اس پر اشکال کیا کہ غارِ حرا کی چلہ کشی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کے ساتھ میل ملاپ کی زندگی گزاری، آپ سے گزارش ہے کہ کیا قرآن وحدیث سے یا صحابہ کرام کی سیرت سے خلوت اور چلہ کشی ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے چلہ کشی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وإذ واعدنا موسى أربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده وأنتم ظالمون﴾، [البقرة: ۵۱]. امام قرطبیؒ اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: **وبهذا استدل علماء الصوفية على الوصال وأن أفضله أربعون يوماً**. (تفسیر القرطبی: ۱/۳۹۶، ط: القاهرة).

حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں: یہ آیت اہل سلوک کے چلہ کی اصل ہے اور گو یہ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے لیکن جب اس کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں کیا گیا تو یہ ہمارے لیے حجت ہو گیا خصوصاً جب کہ اس باب میں حدیث بھی آئی ہے۔ (بیان القرآن: ۱/۳۰)۔

اللہ تعالیٰ اصحابِ کہف کے قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وإذ اعتزلتموهم وما يعبدون إلا اللّٰه فأووا إلى الكهف ينشر لكم ربكم من رحمته ويهيئ لكم من أمركم مرفقا﴾، [الكهف: ۱۶] جب تم کافروں اور ان کے تمام معبودوں سے سوائے اللہ کے الگ ہو جاؤ تو ایک غار میں جا کر ٹھکانہ بناؤ، اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں برسائے گا، اور ہر کام میں تمہارے لیے سہولت پیدا فرمائے گا۔

حدیث شریف ملاحظہ کیجیے: **" من أخلص للّٰه أربعين يوماً ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه " رواه أبو نعيم بسند ضعيف عن أبي أيوب**. (كشف الخفاء، رقم: ۲۳۶۱).

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يوشك أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر، يفر بدينه من الفتن.

(صحيح البخارى: ۱/۱۳، باب من الدين الفرار من الفتن).

صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے خلوت اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو سیر الصحابہ میں ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب عہدِ رسالت کا دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کرلی تھی۔ عمران بن حطان کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے، میں نے کہا ابوذر تنہائی کیوں اختیار کرلی، فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہم نشیں سے بہتر ہے۔ (سیر الصحابہ، حصہ دوم، ص۸۰)۔

عن صدقة بن أبي عمران بن حطان، قال: أتيت أباذر فوجدته في المسجد مختبئاً بكساء أسود وحده، فقلت: يا أباذر! ما هذه الوحدة؟ فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الوحدة خير من جليس السوء، والجليس الصالح خير من الوحدة، وإملاء الخير خير من السكوت، والسكوت خير من إملاء الشر. (المستدرک للحاکم، رقم: ۵۴۶۶، ط: بیروت).

انفاسِ عیسیٰ میں ہے: خلوت پسندی بھی عین سنت ہے، **في حديث الوحي: حبب إليه صلى الله عليه وسلم الخلاء.** (البخاری، رقم: ۳)، (انفاسِ عیسیٰ، ص۲۹۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اہل بیت کون لوگ ہیں اور کیا ازواجِ مطہرات اہل بیت میں شامل ہیں یا نہیں؟

سوال: شیعہ ہم سے کہتے ہیں کہ تم اہل بیت کو نہیں مانتے بقول ان کے اہل بیت: علیؓ، حسنؓ، حسینؓ اور فاطمہؓ ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ڈالی تھی وہی لوگ اہل بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات اہل بیت یا آلِ بیتِ رسول نہیں۔ ہمارے مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شیعہ کی یہ بات صحیح اور درست نہیں کہ اہل بیت وہی لوگ ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ڈالی تھی، بلکہ دلائلِ کثیرہ اس بات پر شاہد ہیں کہ ازواجِ مطہرات اہل بیت رسول میں داخل ہیں۔ چند دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ **قال الله تعالىٰ: ﴿إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيراً﴾** [الأحزاب: ۳۳] اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة.** (الدر المنثور:

۶/۶۰۳، ط:بیروت).

محقق ابن کثیرؒ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهـذا نـص فـي دخـول أزواج النبي صلى الله عليه وسلم في أهل البيت هاهنا، لأنهن سبب نـزول هـذه الآية ، وسبـب الـنـزول داخل فيه قولاً واحداً ، أما وحده على قول أو مع غيره على الصحيح .

وروى ابن جريرعن عكرمة أنه كان ينادي فى السوق: ﴿ إنما يريد الله ليذهب عنكم الـرجس أهل البيت ويطهركم تطهيراً ﴾ نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة ، وهـكـذا روى ابـن أبـي حـاتـم قال: حدثنا على بن حرب الموصلى، حدثنا زيدبن الحباب، حـدثنا حسين بن واقد ، عن يزيد النحوى ، عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قوله :إنما يريد الـلّـه الخ...قال: نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة. (تفسير ابن كثير : ۶/۳۶۴، ط: دارالكتب العلميه،وكذا فى روح المعانى : ۱۱/۱۹۴،ط: بيروت).

مفتی سعید پالنپوری صاحب چادروالی روایت کے تحت لکھتے ہیں: **حضرت فاطمہؓ،حسنؓ،حسینؓ،اورعلیؓ** کی اہل بیت میں شمولیت دعائے نبوی کی برکت سے ہوئی ہے، کیونکہ اہل بیت کا **اصل مصداق ازواجِ مطہراتؓ** ہیں، کیونکہ سورۂ احزاب میں آیاتِ تخییر کے بعد پانچ آیتوں میں ازواج ہی کے لیے ہدایات،نصائح اورفضائل بیان ہوئے ہیں ان کے درمیان میں یہ آیت آئی ہے: **إنـمـا يـريـد الـلّـه ليـذهب عنكم الرجـس أهل البيـت** ،الخ، اہل البیت میں الف لام عہدی ہے،اور مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہےاورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے مراد آپ کی ازواج ہیں،اوراس کا قرینہ یہ ہے کہ پورے رکوع میں خطاب ازواج ہی سے ہے،مگر یہ آیت عام ہے،کیونکہ **عنكم** اور **يطهركم** میں مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں،اس لیے نزولِ آیت کے ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چارلوگوں کوایک کمبل میں لے کردعا کی ''کہ اے اللہ یہ بھی میرے گھر والے ہیں، یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔(تحفۃ الالمعی :۷/۳۹۶)۔

شرح سنن ابی داودللعبادی میں مرقوم ہے:

فى الحديث دليل على أن المراد بآل النبي صلى الله عليه وسلم أزواجه ، حيث قال: (فـمـا كـان حـاجتک أمـس إلـى آل مـحـمد) والقرآن جاء بهذا، وهومن أوضح الأمور في

ذلک لأن الخطاب في آيات سورة الأحزاب هو لزوجات النبي صلى الله عليه وسلم، وقد قال: إنما يريد الله...الخ. وقد ذكر خطابهن قبل هذه الجملة وبعدها، ولكن لم يأت فى القرآن الخطاب لهن على سبيل التحديد، ما قال: إن الله أذهب عنكن الرجس أهل البيت ، لأن أهل البيت، يشملهن ويشمل غيرهن، وهذا التطهير لهن ولغيرهن ، ولهذا جاء فى السنة بيان أن علياً وفاطمة والحسن والحسين من أهل البيت ، والقرآن صريح في أن أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل البيت . (شرح سنن ابی داود: ۱۲/۵۷۵).

مذکورہ عبارت سے بھی واضح ہوا کہ آیتِ کریمہ میں اہل بیت کا اولین مصداق ازواجِ مطہرات ہیں، پھر حدیث کے ذریعہ دیگر چار حضرات کو شامل کرنے کی دعا فرمائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

فتاویٰ محمودیہ میں (۶۲/۲) پر بھی اسی طرح لکھا ہے۔

نیز آل تین طریقوں پر استعمال ہوتا ہے: (۱) ازواجِ مطہرات کے معنی میں؛ مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ما شبع آل محمد صلى الله عليه وسلم من خبز مأدوم . (مسند احمد ،رقم: ۲۵۵۴).

۲۔ اللّٰهم اجعل رزق آل محمد كفافاً . (صحيح ابن حبان ،رقم: ۶۳۴۳).

۳۔ من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى إذا صلى علينا أهل البيت: فليقل: اللّٰهم صل على محمد النبي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته . (شعب الايمان ،رقم: ۱۴۱۹).

(۲) اقارب کے معنی میں ؛ یعنی بنو ہاشم اور شافعیہ کے نزدیک بنوالمطلب ؛ یاد رہے کہ ہاشم، مطلب، نوفل اور عبدشمس چار بھائی تھے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے: إن الصدقة لا تحل لمحمد ولا لآل محمد . (مسند الشافعی ،رقم: ۹۶۱).

۲۔ جب آیتِ تطہیر ﴿إنما يريد الله ليذهب...الخ.﴾ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چادر میں لے کر کہا: اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي وخاصتي، اذهب عنهم الرجس. (سنن الترمذی، رقم: ۳۷۸۶).

(۳) تابعدار کے معنی میں۔ ملاحظہ ہو: ۱۔ عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم من آل محمد فقال: كل تقي...الخ. (المعجم الصغیر للطبرانی ،رقم: ۳۱۸) اس روایت میں نوح ابن ابی مریم پر بہت کلام ہے۔

۲۔ قال تعالیٰ : ﴿إلا آل لوط﴾ [الحجر: ۵۹]، أی أتباع لوط عليه السلام .

۳۔ قال تعالیٰ : ﴿أدخلوا آل فرعون أشد العذاب﴾ [غافر: ۴۶]، أی أتباع فرعون.

واللہ ﷻ اعلم۔

آل اوراہل میں فرق:

سوال: آل اوراہل بیت ایک ہے یا علیحدہ؟ یعنی دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب: عربی لغت کے اعتبار سے آل اوراہل کے درمیان فرق یہ ہے کہ آل وہ لوگ بھی سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگاراورمتبع ہوں، خواہ وہ اس کے رشتہ دارہوں یا نہ ہوں، اوراہل اس کے رشتہ دار کو کہتے ہیں چاہے وہ اس کے ساتھی اورمتبع ہوں یا نہ ہوں۔ ملاحظہ ہو معجم الفروق میں مذکور ہے:

الفرق بين الأهل والآل؛ أن الأهل يكون من جهة النسب والاختصاص فمن جهة النسب قولك أهل الرجل لقرابته الأذنين، ومن جهة الاختصاص قولك أهل البصرة وأهل العلم والآل خاصة الرجل من جهة القرابة أوالصحبة تقول آل الرجل لأهله وأصحابه ولا تقول آل البصرة وآل العلم وقالوا آل فرعون أتباعه وكذلك آل لوط، وقال المبرد: إذا صغرت العرب الآل قالت: أهل، فيدل على أن أصل الآل الأهل، وقال بعضهم: الآل عيدان الخيمة وأعمدتها وآل الرجل مشبهون بذلك لأنهم معتمده، والذى يرفع فى الصحارى آل لأنه يرتفع كما ترفع عيدان الخيمة، والشخص آل لأنه كذلك . (معجم الفروق اللغوية ۱/۱۸۲، ط: القاهرة، مصر).

لفظ اہل وآل کے متعدد فروق ہیں، جس کی پوری تفصیل مولانا موسیٰ روحانی بازیؒ نے اپنی کتاب لطائف البال میں بیان کی ہے۔ اس میں چند حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

۱۔ إن الآل لا يضاف إلا إلى الأشرف فى الدين أوالدنيا بخلاف الأهل حيث يضاف إلى الأشرف وغيره، فلا يقال آل الضعيف المسكين ويقال: آل النبى، ويقال أهل المسكين كما يقال أهل النبى .

۲۔ ما ذكره العلامة الآلوسيؒ (فى روح المعانى: ۱/۲۵۴) إن الأهل القرابة والآل القرابة أو من يوافقك في رأي أو مذهب أوحرفة، حيث قال: وقيل ليس الآل بمعنى الأهل، لأن

الأهل القرابة، والآل من يؤل إليک في قرابة أو رأي أو مذهب، فألفه بدل من واو، ولذلک قال يونس فی تصغيره أويل.

۳۔ ما روى أبوعمر غلام الإمام ثعلب النحوی كما ذكر في بعض الكتب المعتمد عليها؛ إن الأهل القرابة كان لها تابع أو لا، والآل القرابة بتابعها فهو أخص من الأهل، هذا.
(لطائف البال، ص۱۸۔۴۰، ط: ادارة التصنيف والادب، لاهور).

لسان العرب میں لکھا ہے کہ لفظ آل دراصل اہل تھا ہاء کو ہمزہ سے بدلا تو أأل ہوگیا، ہمزہ ماقبل مفتوح کو الف سے بدل دیا تو آل ہوگیا۔ ملاحظہ ہو: أصلها أهل ثم أبدلت الهاء همزة فصارت فی التقدير أأل، فلما توالت الهمزتان أبدلوا الثانية ألفاً. (لسان العرب: ۱۱/۳۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حدیث میں ازواجِ مطہرات کے اہل بیت سے ہونے کی نفی ہے اس کا جواب:

سوال: مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟ روایت یہ ہے: عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ قال: دخلنا عليه فقلنا له لقد رأيت خيراً لقد صاحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم وصليت خلفه وساق الحديث بنحو حديث أبي حيان غير أنه قال: ألا وإني تارک فيكم ثقلين أحدهما كتاب الله عزوجل هو حبل الله من اتبعه كان على الهدى ومن تركه كان على ضلالة وفيه فقلنا من أهل بيته نساؤه قال: لا، وأيم الله أن المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر ثم يطلقها فترجع إلى أبيها وقومها أهل بيته أصله وعصبته الذين حرموا الصدقة بعده. (صحيح مسلم: ۲/۲۸۰).

الجواب: مذکورہ بالا روایت میں ازواجِ مطہرات سے ان اہل بیت کی نفی ہے جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی کہ آدمی سے اقارب جیسے ابن العم ابن الاخ کی نفی نہیں ہوسکتی اور اہل بیت بمعنی الازواج کی نفی ہوسکتی ہے اور جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی وہ بنو ہاشم ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک بنو مطلب اور بنو ہاشم دونوں ہیں۔

ملاحظہ ہو شرح مسلم میں مرقوم ہے:

قوله فی الرواية الأخرى فقلنا من أهل بيته نساؤه قال: لا، هذا دليل لإبطال قول من قال هم قريش كلها فقد كان فی نسائه قرشيات وهن عائشة وحفصة وأم سلمة وسودة وأم

حبيبة رضى الله تعالىٰ عنهن وأما قوله فى الرواية الأخرى نساؤه من أهل بيته ولكن أهل بيته من حرم الصدقة قال: وفى الرواية الأخرى فقلنا من أهل بيته نساؤه قال: لا، فهاتان الروايتان ظاهرهما التناقض والمعروف في معظم الروايات في غير مسلم أنه قال: نساؤه لسن من أهل بيته فتتناول الرواية الأولى على أن المراد أنهن من أهل بيته الذين يساكنونه ويعولهم وأمر باحترامهم وإكرامهم وسماهم ثقلاً ووعظ في حفظ حقوقهم وذكر فنساؤه داخلات في هذا كله ولايدخلن فيمن حرم الصدقة وقد أشار إلى هذا فى الرواية الأولى بقوله نساؤه من أهل بيته لكن أهل بيته من حرم الصدقة فاتفقت الروايتان. (شرح صحيح مسلم للامام النووی: ۱۵/ ۱۸۰، ط: بیروت).

اسی کے ہم معنی مضمون تکملہ فتح الملہم میں (۱۱۴/۵) پر نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں: ۱۔ اہل وعیال، گھر میں رہنے والے، جن کے احترام اور اکرام کا حکم ہے ان میں ازواجِ مطہرات شامل ہیں، اورآیتِ تطہیر کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ازواجِ مطہرات ہی کو خطاب ہے۔

۲۔ اہل بیت کا دوسرا مفہوم وہ حضرات ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے، ان میں ازواجِ مطہرات شامل نہیں، یہ بات مسلم شریف کی حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ورق اُلٹتے وقت لعاب والی انگلی کتاب پر لگانے کا حکم:

سوال: لوگ عادتاً جب کتاب کے اوراق اُلٹتے ہیں تو شہادت کی انگلی پر لعاب لگا کر استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کرنے میں کتاب کی اہانت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا کرنے میں نہ کتاب کی اہانت ہے اور نہ اہانت مقصود ہوتی ہے بلکہ یہ محبت کی علامت ہوسکتی ہے، ہاں اگر کوئی اہانت کی نیت کرے تو پھر جائز نہیں۔

اظہارِ محبت کے چند شواہد ملاحظہ کیجیے:

❁ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں پر لعاب لگا کر کھولا، تکلیف دور ہوگئی، تو کتاب کے ورق کو لعاب لگا کر کھولتے وقت یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے

ظاہر کے ساتھ اس کے باطن کو بھی ہم پر کھولدے۔

۞ **سور المؤمن شفاء** یعنی مومن کے لعاب میں شفا ہے، اگر چہ یہ حدیث نہیں لیکن اس کا معنی بہت ساری روایات سے ثابت ہے۔

۞ لعاب قابل نفرت چیز نہیں، ہاں بلغم قابل نفرت ہے اس لیے جب بلغم نکلے تو بائیں طرف تھوکنے کا حکم ہے لیکن لعاب قابل محبت چیز ہے۔

۞ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی: **بسم اللّٰہ تربة أرضنا، بريقة بعضنا، يشفى به سقيمنا، بإذن ربنا**، اس دعا سے معلوم ہوا کہ لعاب میں شفا ہے لعاب قابل نفرت یا قابل عیب نہیں ہے۔

۞ حدیث میں آتا ہے کہ جب تم کوئی مشروب پیو تو بقیہ دائیں جانب والے کو دو، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی دائیں جانب والے کو دیتے تھے، اس میں اکرام کا پہلو ہے اگر چہ مشروب میں لعاب بھی لگا ہوا ہوتا ہے لیکن اس کو قابل نفرت یا قابل اہانت نہیں فرمایا۔

۞ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرما کر لعاب ملا ہوا پانی بعض بچوں پر ڈالا تھا۔ حوالہ جات درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول يوم خيبر: لأعطين الراية رجلاً يفتح اللّٰه على يديه فقاموا يرجون لذلك أيهم يعطى فغدوا وكلهم يرجو أن يعطى فقال: أين علي، فقيل: يشتكي عينيه فأمر فدعى له فبصق في عينيه فبرأ مكانه حتى كأنه لم يكن به شيء ...الخ. (صحيح البخارى: ۱/۵۲۵، رقم: ۲۹۴۲).

المقاصد الحسنة میں علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: **حديث ريق المومن شفاء، معناه صحيح، ففى الصحيحين أنه صلى الله عليه وسلم كان إذا اشتكى الإنسان الشيء، أو كانت به قرحة أو جرح، قال بأصبعه يعني سبابته الأرض ثم رفعها وقال: بسم اللّٰه تربة أرضنا، بريقة بعضنا... وأما ما على الألسنة من أن: سؤر المؤمن شفاء، ففى الافراد للدارقطني من حديث نوح بن أبي مريم عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ رفعه من التواضع أن يشرب الرجل من سور أخيه.** (المقاصد الحسنة، ص۳۷۳). **وينظر:** (كشف الخفاء: ۱/۴۹۸).

وعن عائشةؓ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول للمريض: بسم اللّٰه، تربة

أرضنا، بريقة بعضنا، يشفى سقيمنا، بإذن ربنا. (صحيح البخارى : ۲/۸۵۵).

وعن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ أن رسـول الـلّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أتى بشراب فشرب منه، وعن يمينه غلام، وعن يساره الأشياخ ، فقال للغلام: أتأذن لي أن أعطى هؤلاء؟ فقال الغلام: لا والـلّٰـه يـا رسـول الـلّٰـه ! لا أوثر بنصيبي منك أحداً ، قال: فتله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في يده . (صحيح البخارى: ۲/۸۴۰).

وعن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أتى بلبن قد شيب بماء ، وعـن يـمـيـنـه أعـرابي، وعن شماله أبوبكر رضی اللہ عنہ، فشـرب ثـم أعـطى الأعرابي، وقال: الأيمن فالأيمن . (صحيح البخارى : ۲/۸۴۰).

عـن ابـن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع قال: وهو الذي مج رسول اللّٰه صلى الـلّٰـه عـلـيـه وسـلم في وجهه وهو غلام من بئرهم وقال عروة عن المسور وغيره يصدق كل واحـد مـنـهـمـا صـاحـبـه وإذا تـوضأ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كادوا يقتتلون على وضوئه . (صحيح البخارى ،رقم: ۱۸۹ ،باب استعمال فضل وضوء الناس). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ کہ ”حجام سے چند مسائل سیکھے“ اس کی تحقیق:

سوال: بعض حضرات بیان میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے حجام سے ۴ یا ۵ مسائل سیکھے تھے۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ روایت امام بخاریؒ نے ”التاریخ الصغیر“ میں حمیدی کے واسطہ سے نقل کی ہے، اور حمیدی کا لقا امام ابوحنیفہؒ سے ثابت نہیں ہے بلکہ امام صاحبؒ کی وفات کے وقت وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بنابریں یہ روایت منقطع ہے، اور اس کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ امام بخاری التاریخ الصغیر میں فرماتے ہیں:

قـال أبـو حـنـيـفـةؒ : قـدمت مكة فأخذت من الحجام ثلث سنن لما قعدت بين يديه قال لـي: استقبل القبلة ، فبدأ بشق رأسى الأيمن وبلغ إلى العظمين . قال الحميدى: فرجل ليس عـنـده سـنـن عـن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا أصحابه فى المناسک وغيرها كيف يـقـلـد أحكام اللّٰه فى المواريث والفرائض والزكاة والصلاة وأمور الإسلام . (التاريخ الصغير،

ص ۱۵۸، والتاريخ الاوسط : ۴۳/۲).

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے مقدمہ اعلاء السنن میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد درجِ ذیل جواب دیا ہے:

قلت: أراد الحميدي أن ينقصه ، ولكنه قد مدحه من حيث لا يدرى، فإن أباحنيفةؒ كان حيياً كريماً شاكراً لمن فعل معه الجميل ، أو علمه شيئاً ولو حرفاً واحداً ، ولم يكن يكتم إحسان الناس به... ونعمتهم عليه ، فلما حصل الشيء من أمور الدين على يد حجام حدث بمعروفه ، وأظهر كونه معلماً له أداء لحقه ، ويا عجباً من الحميدى أن إمامه الشافعيؒ يقول: حملت عن محمد بن الحسن وقر بعير كتباً، ويقول: أعانني الله فى الحديث بابن عيينة ، وفى الفقه بمحمد ، ومعلوم أن علوم محمد تابعة عن علم أبي حنيفةؒ ، وقال الإمام الشافعيؒ : من أراد الفقه فليلزم أباحنيفةؒ وأصحابه ، وقال: كل من أراد الفقه فهو عيال أبي حنيفةؒ ، ومع ذلک لا يشكر الحميدى ، نعمة الإمام الذى وشيخ شيخه ، يسيء أدبه ، وينكر نعمته .

والجواب عن قوله : رجل ليس عنده سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم...الخ. أن هذه الواقعة أى قدوم الإمام بمكة ، وتعلمه من الحجام السنن الثلث لعلها كانت في حداثة الإمام وصغر سنه، فإنه كان حج مع أبيه وهو صغير، ولا يبعد تعلم الصغير من أحد شيئاً من الأحكام لم يكن له علم قبل ذلک ، لا سيما وقد كان اشتغال الإمام بالعلم بعد بلوغه كما ذكره في رد المحتار، على أنه يمكن أن يكون هذا الحجام من أجلة العلماء الكرام وأكابر التابعين العظام، فإن الزمان كان زمان شباب الإسلام وبلوغ العلم أعلى ذروة السنام، حتى فاز فيه الموالى، والعبيد ، والجوارى، والتجار، والزراع، وأهل الصنائع بحفظ الأحاديث والآثار، فكان الإمام تعلم هذه السنن من عالم من علماء التابعين كان يحترف بالحجامة ، ولا عيب فيه بلا ريب ...الخ. (مقدمة اعلاء السنن : ۲۱/۳۴.۳۵).

شیخ عبد الفتاح ابوغدہ صاحبؒ علامہ تھانویؒ کی پوری تقریر نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے اس کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو: **انتهى ماقاله شيخنا التهانويؒ ، وهو كلام وجيه للغاية .**

وبدا لي في (خبر الحجام) هذا شيء آخر غير ما قاله شيخنا، وهو أن الحميدى

(عبداللہ بن الزبير القرشی المکی) قال في روايته الخبر: (قال أبوحنيفةؒ ...)، ولم يذكر عمن نقله . ولم أقف أن الحميدی لقي أباحنيفةؒ ،حتى يحمل عليه سماعه منه، ولم يذكر للحميدی تاريخ ولادة ، حتى يعرف منه أنه عاصر أباحنيفةؒ، والذی ذكروه في ترجمة الحميدی أنه توفي بمكة سنة ۲۱۹ھ ، ولم يذكروا كم عاش من العمر .

ونقل التاج السبكی في طبقات الشافعية الكبرى (۱۴۰/۲) في ترجمته عن ابن حبان قال: وجالس الحميدی ابن عيينة عشرين سنة ، انتهى. وجاء في تهذيب التهذيب (۲۱۵/۵) في ترجمته أيضاً قال الحميدی: جالست ابن عيينة سبع عشرة سنة أو نحوها. انتهى .

ومعنى هذا أنه جالس سفيان بن عيينة إلى وفاته، وابن عيينة ولد بالكوفة سنة ۱۰۷ھ هو سكن مكة إلى وفاته بها سنة ۱۹۸ھ ، فيكون الحميدی جالسه من سنة ۱۷۸ھ على رواية مجالسته له (عشرين سنة)، فإذا قدرناه كان له من العمر آنذاک على أوسع حد ۱۵ سنة إلى نحو ۲۰ سنة، لأنهم كانوا يبكرون بسماع الحديث من الشيوخ ، تبين لنا أنه لم يكن ولد عند وفاة أبي حنيفةؒ في سنة ۱۵۰ھ، ولو كان عمره أكبر لكانت مجالسته لابن عيينة أكثر، لأن الحرص على ذلک قائم ، ولأنهما في بلد واحد .

وعلى هذا فيكون هذا الخبر منقطعاً، إذ لم يعلم ممن سمعه الحميدی، وماصفة من أخبره به من الضبط والعلم؟ فيكون الخبر ضعيفاً بسبب انقطاعه ، وكفينا امره ، ويؤيد هذا الانقطاع و يزيده شدة ، ما ذكره الحافظ الخطيب البغدادی في تاريخ بغداد ... الخ .

(التعليقات على الرفع والتكميل ،ص۳۹۷۔۳۹۸).

علامہ شامیؒ نے بھی یہ روایت بحوالہ ملتقط نقل کی ہے لیکن اس پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے: وأقول يوافقه ما فی الملتقط عن الإمام حلقت رأسي فخطأنی الحلاق في ثلاثة أشياء لما أن جلست قال: استقبل القبلة وناولته الجانب الأيسر فقال: ابدأ بالأيمن فلما أردت أن أذهب قال: ادفن شعرک فرجعت ودفنته، أی فهذا يفيد رجوع الإمام إلى قول الحجام ولذا قال فی اللباب هو المختار. (فتاوی الشامی :۵۱۶/۲،سعید).

اس واقعہ کو علامہ ابن الجوزی نے مثیر الغرام الساکن میں ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

أخبرنا أبومعمر الأنصاری أنبانا جعفر بن أحمد أنبانا أبومحمد الخلال أنبانا أحمد بن محمد بن قاسم الرازی حدثنا أحمد بن محمد الجوهری أنبانا إبراهيم بن سهل المدائنی حدثني سيف بن جابر القاضي عن وكيع قال لي أبوحنيفة النعمان بن ثابت أخطأت في خمسة أبواب من المناسک فعلمنيها حجام وذلک أني حين أردت أن أحلق رأسي وقف علي حجام فقلت له بكم تحلق رأسي؟ فقال أعراقي أنت ؟ قلت نعم ، قال: النسک لايشارط عليه ، اجلس. فجلست منحرفاً عن القبلة فقال لي حول وجهک إلى القبلة فحولته وأردت أن أحلق رأسي من الجانب الأيسر فقال لي أدرالشق الأيمن من رأسک فأدرته فجعل يحلق وأنا ساكت، فقال: كبر، فجعلت أكبر حتى قمت لأذهب فقال لي إلى أين تريد؟ قلت: رحلي، فقال لي ادفن شعرک ثم صل ركعتين ثم امض، فقلت له من أين لک ما أمرتني به ؟ فقال: رأيت عطاء بن أبي رَباح يفعل هذا، انتهى. (مثیرالغرام الساکن الی اشرف الاماکن،ص ۲۲۵).

مذکورہ روایت اگر چہ منقطع نہیں لیکن اس کی سند میں تین روات مجہول ہیں:۱۔احمد بن محمد بن قاسم الرازی، ابراہیم بن سہل المدائنی اورسیف بن جابر، یہ تینوں مجہول ہیں۔اوراحمد بن محمد جوہری شیعہ ہیں،اگر چہ پہلے تین ثقہ ہیں،لیکن مجاہیل اورشیعہ کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (لسان الميزان : ۱/ ۳۰۵،و تاريخ الاسلام ،ص ۵۵۹،و طبقات الشافعيين، ص ۵۰۱، وسير أعلام النبلاء ،۶ ۳۹، وتاريخ بغداد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چادر استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا چادر کا استعمال سنت ہے یا مستحب یا مباح ؟ اور چادر کی لمبائی وچوڑائی کتنی مناسب ہے، اور نماز میں اس کا استعمال کس درجہ میں ہے مباح یا مستحب؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چادر کا استعمال انبیائے کرام علیہم الصلاۃ السلام کا طریقہ تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چادر استعمال فرمائی ہے اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص زیادہ پسند تھی، علماء نے منقش یمنی چادر کے استعمال کو مستحب قرار دیا ہے۔نماز میں چادر کا استعمال سنت نہیں لیکن اولیٰ وبہتر ہے ہاں گرمی ہو یا عام

لوگ استعمال نہ کرتے ہوں تو استعمال نہ کرے۔ دلائل اور شواہد حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاریؒ نے چادر سے متعلق باب قائم فرمایا ہے؛ **باب الأردية وقال أنس رضي الله عنه جبذ أعرابي رداء النبي صلى الله عليه وسلم...وبسنده عن على بن الحسين أن حسين بن علي رضي الله عنه أخبره أن علياً رضي الله عنه قال: فدعا النبي صلى الله عليه وسلم بردائه فارتدى به ثم انطلق يمشي واتبعته أنا و زيد بن حارثة حتى جاء البيت الذي فيه حمزة فاستأذن فأذنوا لهم**. (صحيح البخاری: ۸۶۲/۲، رقم: ۵۵۶۵). اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا ذکر ہے۔

دوسری جگہ مذکور ہے: **عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قلت له أى الثياب كان أحب إلى النبي صلى الله عليه وسلم أن يلبسها قال: الحبرة**. (صحيح البخاری: ۸۶۵/۲،رقم: ۵۵۸۴، باب البرود والحبرة). **وفي عمدة القاري: قوله: حبرة، برد هو يمان يقال: برد حبير... وقيل: الحبرة ما كان من البرود مخططاً موشياً**. (عمدة القارى: ۲۷/۱۵،دار الحديث، ملتان).

وعن عائشةؓ قالت: خرج النبي صلى الله عليه وسلم ذات غداة وعليه مرط مرحل من شعر أسود. (صحيح مسلم: ۱۹۴/۲). **قال النووى: أما المرط: هو كساء يكون تارة من صوف وتارة من شعر او كتان او خز**. (شرح صحيح مسلم للإمام النووى: ۱۹۴/۲).

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ بالوں کی چادر کا استعمال فرمانا ثابت ہے مگر اس پر مداومت ثابت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۱/۸)۔

شمائل کبریٰ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چادر اوڑھنا ایمان کی نشانی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھتے تھے۔ (شمائل کبریٰ، جلد اول، ص ۱۶۷، ط: زمزم، کراچی)۔

چادر کی لمبائی اور چوڑائی۔ ملاحظہ کیجیے:

چادر کی لمبائی چار ذراع اور چوڑائی ڈھائی ذراع مناسب ہے نیز لمبائی چھ ذراع اور چوڑائی تین ذراع بھی ہوسکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کی مقدار تقریباً اتنی ہی تھی۔

ملاحظہ ہو امتاع الاسماع میں مرقوم ہے:

كان رداء النبي صلى الله عليه وسلم أربعة أذرع ونصف في ذراعين ونصف. (امتاع الأسماع: ۳۸۳/۳).

وللمزيد ينظر: (المواهب اللدنية: ۲/۱۹۹، وسبل الهدى والرشاد: ۷/۳۰۷).

وقال الواقدی: إن بردة النبي صلى الله عليه وسلم كانت يمانية طول ستة أذرع في ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طوله أربعة أذرع وشبر في عرض ذراعين وشبر، كان يلبسهما يوم الجمعة والعيدين، ثم يطويان. (المختصر الكبير فی سيرة الرسول للشيخ عزالدين بن جماعة الكتانی: ۱/۱۲۹).

شمائل کبریٰ میں مرقوم ہے: امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حضرمی چادر تھی جس کی لمبائی چار ہاتھ، چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی، ابن سعید سے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ مقدار نقل کی ہے۔ ابن ملقن نے واقدی سے نقل کیا ہے آپ کے پاس ایک چادر تھی جس کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ تھی۔ (شمائل کبریٰ، جلدِ اول، ص ۱۶۷، ط: زمزم، کراچی)۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دھاری دار چادر تھی جس کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ ایک بالشت تھی۔ (۱/۵۱)۔

نماز میں چادر کا استعمال مباح ہے۔ ملاحظہ کیجیے: بخاری شریف میں ہے:

عن محمد بن المنكدر، قال: دخلت على جابر بن عبد الله: وهو يصلي في ثوب ملتحفاً به، ورداؤه موضوع، فلما انصرف قلنا: يا أبا عبد الله تصلي ورداؤک موضوع، قال: نعم، أحببت أن يرانی الجهال مثلكم، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي هكذا. (صحيح البخاری: ۱/۵۳).

انوار الباری میں لکھا ہے: حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں بغیر چادر کے نماز اس لیے پڑھی کہ تعلیم مقصود تھی، کیونکہ عام لوگ سنن وآداب ومستحبات کے ساتھ بھی واجب جیسا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک کو اپنے اپنے مرتبہ میں رکھنا چاہیے لہذا تعلیم ضروری تھی اور بہ نسبت محض قول کہ عملی تعلیم سے زیادہ فائدہ ہوا کرتا ہے۔ (انوار الباری: ۱۱/۱۵۷)۔

لامع الدراری میں مذکور ہے: دفع الشيخ بذلک ما يرد أن الصلاة فی الثوب الواحد وإن كان جائزاً لكنه خلافاً للأولی لا سيما عند تعدد الثياب كما يدل عليه قوله: ورداءه موضوع. (لامع الدراری: ۱/۱۴۵، سعيد كمپنی).

فقہاء نے تین کپڑوں میں نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے ہاں ایک کپڑے میں بھی نماز جائز ہے۔ قال فی الهندية : والمستحب أن يصلى الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة ، أما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به تجوز صلاته من غير كراهة وإن صلى في إزار واحد يجوز و يكره . (الفتاوى الهندية: ١/ ٥٩). (وكذا في البحر الرائق: ٢/ ٢٧).

شمائل کبریٰ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح نماز پڑھ رہے تھے اور سفید چادر میں ملبوس تھے۔ (شمائل کبریٰ، جلدِاول، ص۱۶۴، ط: زمزم، کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چار ماہ سے زیادہ بیوی کو چھوڑنے کا حکم:

سوال: حیاۃ الصحابہ میں مذکور حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو بیوی چھوڑ کر ۴ یا ۶ مہینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہیں نکلنا چاہیے۔ اب سوال یہ ہے کہ شادی شدہ علماء ایک سال کی جماعت میں جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح غیر شادی شدہ علماء کے لیے ایک سال کی جماعت میں جانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شادی شدہ علماء جو سال کی جماعت میں جاتے ہیں وہ اپنے گھر والوں کی اجازت سے جاتے ہیں اور یہ جانا اس طرح ہے جیسے دوسرے ممالک میں ملازمت کے لیے لوگ آپس کی رضامندی اور اجازت سے جاتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ملاحظہ کیجیے: مصنف عبدالرزاق میں ہے: عبد الرزاق عن ابن جريج قال: أخبرني من أصدق أن عمر رضی اللہ عنہ وهو يطوف سمع امرأة وهي تقول:

تطاول هذا الليل وأخضل جانبه ۞ وأرقني إذ لا خليل ألاعبه

فلولا حذار الله لا شيء مثله ۞ لزعزع من هذا السرير جوانبه

فقال عمر رضی اللہ عنہ : فما لک قالت: أغربت زوجي منذ أربعة أشهر وقد اشتقت إليه ، فقال: أردت سوءاً ، قالت: معاذ الله ،قال: فأملكي نفسك ، فإنما هو البريد إليه فبعث إليه ثم دخل حفصة فقال: إني سائلک عن أمر قد أهمني فأفرجيه عنه ،كم تشتاق المرأة إلى زوجها فخفضت رأسها فاستحيت فقال: إن الله لا يستحيي من الحق فأشارت ثلاثة أشهر

وإلا فأربعة فكتب عمر ﷺ ألا تحبس الجيوش فوق أربعة أشهر. (مصنف عبدالرزاق، رقم: ۱۲۵۹۳، باب حق المرأة على زوجها وفى كم تشتاق).

اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، لیکن دوسری روایت ٹھیک ہے۔ ملاحظہ ہو: **عن عبد اللّٰه بن دينار عن ابن عمر ﷺ قال: خرج عمر بن الخطاب ﷺ من الليل فسمع امرأة تقول: ...فقال عمر بن الخطاب ﷺ لحفصة بنت عمر: كم أكثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت: ستة أو أربعة أشهر، فقال عمر ﷺ: لا أحبس الجيش أكثر من هذا.** (السنن الكبرى للبيهقى ۲۹/۹، باب الامام لايجمر بالغزى).

علماء نے اس واقعہ کی دو توجیہات بیان کی ہیں: (۱) حضرت عمر ﷺ نے کسی فوجی کو رہنے پر مجبور کرنے سے منع فرمایا تھا، اور یہ حدِ فاصل مقرر کردی تھی، یعنی چار مہینے کے بعد شوہر کو باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے ہاں آپس کی رضامندی سے باہر رہے تو کوئی حرج نہیں۔

(۲) یہ واقعہ مبنی براحتیاط ہے اور ہر شخص کے حالات کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا کہ ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ہر شخص کو اپنے حالات لکھ کر مشورہ کرنا چاہیے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۰۴/۸)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اگر صاحبِ حق خود معاف کردے، یا اس کے حق کا معاوضہ دے کر اللہ تعالیٰ معاف کرادیں تو ان بلافیس وکیلوں کے پاس کیا حجت رہے گی؟ اور یہ بھی کہ یہ حق تلفی ان کو دین ہی کے کام میں کیوں یاد آتی ہے؟ لوگ بیویوں کو چھوڑ کر دنیا کا کوڑا جمع کرنے کے لیے کئی کئی سال کافر ملکوں میں گزار آتے ہیں، اس وقت کسی کو حق تلفی کا فلسفہ کیوں یاد نہیں آتا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۹۱/۸)۔

محمود الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

دین کا سیکھنا، سکھانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے، دین سیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی عربی مدارس میں داخلہ لے کر باقاعدہ پورا نصاب پڑھ کر اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرے، اور جس کے پاس اتنا وقت نہیں یا اتنی مالی وسعت نہیں یا عمر زائد ہوچکی ہے یا دیگر اعذار ہیں، اس کے لیے دین سیکھنے کی ایک صورت تبلیغی جماعت میں نکلنا بھی ہے، جس طرح پہلی صورت میں ایک سال یا نو سال یا کم وبیش وقت کے لیے آدمی کا گھر سے نکلنا جائز و درست اور اسلاف واکابر کے متواتر عمل سے ثابت ہے اسی طرح دوسری صورت میں بھی درست و

جائز ہے۔ (محمود الفتاویٰ:۵/۱۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشہور عارف باللہ شیخ عبدالرحمٰن جامی سنی تھے یا شیعہ؟

سوال: مشہور عارف عبدالرحمٰن جامی جوشرحِ جامی اور یوسف اورزلیخا کے مصنف ہیں اور شیخ عبیداللہ احرار کے مرید اور خلیفہ تھے۔وہ سنی تھے یا شیعہ تھے؟ تفصیل درکار ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ملا جامیؒ (م۸۹۸ھ) کی شخصیت ان متنازع فیہ لوگوں میں سے تھی جن پر شیعہ،سنی دونوں ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ دونوں طرف کے لوگ انہیں اپنا ہم مذہب اور اپنا ہم نوا سمجھتے ہیں،اوراس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں شیعہ،سنی دونوں قسم کے عقائد ملتے ہیں۔شیعہ اپنے عقائد پیش کرکے ان کو شیعہ کہتے ہیں اور سنیوں کے موافق عبارتوں کو بر سبیل تقیہ کہتے ہیں،دوسری طرف سنی حضرات انہیں سنی باور کراتے ہیں اوران کی شیعہ مائل عبارتوں کو تدسیس اورالحاق قرار دیتے ہیں،اور بعض لوگ انہیں شیعہ مائل سنی یا برعکس کہتے ہیں۔ پہلے شیعوں کی کتب سے حوالے نقل کیے جاتے ہیں؛

چنانچہ شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی کتاب الکنی والالقاب میں لکھا ہے:

۱۔ الجامی المولی عبد الرحمن بن أحمد بن محمد الدشتی الفارسی الصوفی النحوی الصرفی الشاعر الفاضل المنتهی نسبه إلی محمد بن الحسن الشیبانی تلمیذ أبي حنیفةؒ ویقال له: الجامی لأنه ولد ببلدة جام من بلاد ماوراء النهر سنة ۸۱۷ھ قال مشیراً إلی ذلک في شعره :

مولدم بام ورشحہء قلم ۞ جرعه جام شیخ الاسلامی است

لا جرم در جریدة اشعار ۞ بدو معنی تخلصم جامی است

له تألیفات کثیرة سوی دیوانه منها کتاب نفحات القدس...وهل هو من علماء السنة کما هو الظاهر منه بل من المتعصبین کما هوالغالب علی بلاد أهل ترکستان وما وراء النهار ولذا بالغ فی التشنیع القاضی نوراللّٰه مع مذاقه الوسیع، أو أنه کان ظاهراً من المخالفین وفی الباطن من الشیعة الخالصین، ولم یبرز ما في قلبه تقیة کما یشهد بذلک بعض أشعاره ، منها ما عن سبحة الأبرار قوله:

پــنــجــه وكـن اسـد الٰهـى را ☆ بيـخ پـركـن دوسـه روبـاهى را

واعتـقـده السيد الأجل الأمير محمد حسين الخاتون أبادى سبط العلامة المجلسى وينـقـل حـكـاية فـي ذلـك مسـنـداً وحـاصلها أن الشيخ على بن عبد العالى، كان رفيقاً مع الجامى في سفر زيارة أئمة العراق عليهم السلام وكان يتقيه فلما وصلوا إلى بغداد ذهبا إلى سـاحـل الدجلة للتنزة فجاء درويش قلندر، وقرأ قصيدة غراء في مدح مولانا أمير المؤمنين عـليه السلام ولما سمعها الجامى بكى وسجد وبكى في سجوده ،ثم أعطاه جائزة ثم قال فى سبـب ذلـك: اعـلـم أنـي شيعي من خلص الإمامية ، ولكن التقية واجبة وهذه القصيدة مني وأشكـر الـلّٰـه أنهـا صـارت بـحيـث يقرأها القارئ في هذا المكان، ثم قال الخاتون أبادى: وأخبرني بعض الثقاة من الأفاضل نقلاً عمن يثق به إن كل من كان في دار الجامى من الخدم والـعيـال والعشيرة كانوا على مذهب الإمامية ، ونقلوا عنه أنه كان يبالغ فى الوصية بأعمال التقية سيما إذا أراد سفراً واللّٰه العالم بالسرائر. (كتاب الكنى والالقاب: ۱۳۸/۲).

۲۔ وفـي خـلاصة عبـقات الأنوار (۲۸۵/۳) زيـد بـن أرقـم أيـضـاً مـمن كتم الشهادة بـحـديـث الـغدير، قال ابن المغازلي: أخبرنا أبوالحسن على بن عمربن عبد اللّٰه بن شوذب قـال: حـدثـنـي [أبـى قال: حدثنا محمد بن الحسين الزعفرانى حدثنى] أحمد بن يحيى بن عبـد الـحميد حدثنى أبو إسرائيل الملائى عن الحكم بن [عن] أبي سليمان المؤذن عن زيد بـن أرقـم قـال: نشـد على الناس فى المسجد [قال] أنشد [اللّٰه] رجلاً سمع النبى صلى اللّٰه عـليـه وآلـه وسـلم يقول: من كنت مولاه فعلى مولاه ، اللّٰهم وال من والاه وعاد من عاداه ، فـكـنـت أنـا فيـمـن كتم، فذهب بصرى . ورواه الحلبى فى السيرة (۳۳۷/۳) والـجامى فى [شواهد النبوة] فى كرامات الإمام عليه السلام . (۲۰۶).

۳۔ ونـحـوه مـا رواه عبد الرحمن الجامي في(شـواهد النبوة ،ص۲۰۷) مـن دعاء الإمام عليه السلام على من كان يكتب بأخباره إلى معاوية فعمي.

۴۔ مـن أمثـلة دعـاء أميـر الـمـؤمـنيـن (ع) ومـن أمثلة دعاء أميرالمؤمنين على عليه السـلام: مـا ذكـره خـواجه پارسا بقوله: روى الإمام المستغفرى رحمه اللّٰه بإسناده أن أمير

المؤمنين علياً رضى اللّٰه تعالىٰ عنه سأل رجلاً عن حديث فى الرحبة فكذبه ، فقال: إنک كذبتني، قال: ما كذبتک ، قال: فادعو اللّٰه سبحانه عليک إن كنت كاذباً أن يعمى بصرک، قال: فادع اللّٰه عزوجل ، فدعا عليه أمير المؤمنين على رضى الله تعالىٰ عنه فعمى بصره ، فلم يخرج من الرحبة إلا وهو أعمى ، ورواه عبد الرحمن الجامى عن المستغفرى كذلک . (خلاصة عبقات الانوار: ۸/ ۳۱،ونفحات الانس ،ص ۲۵،وشواهدالنبوة،ص ۲۰۵).

۵۔ علامہ جامیؒ بارہ ائمہ کے قائل تھے جو خالص شیعہ عقیدہ ہے: وقد حمل الشيعة الاثنى عشر على أنهم من أهل بيت النبوة متوالية أعم من أن تكون لهم خلافة حقيقة أو استحقاقاً ، فأولهم على ، فالحسن ، فالحسين ، فزين العابدين ،فمحمد الباقر ، فجعفر الصادق ،فموسى الكاظم ، فعلى الرضا، فمحمد التقى، فعلى النقى، فحسن العسكرى ، فمحمد المهدى، رضوان اللّٰه عليهم أجمعين، على ما ذكره زبدة الأولياء خواجه محمد بارسا فى كتاب (فصل الخطاب) مفصلة ، وتبعه مولانا نورالدين عبدالرحمن الجامى فى أواخر شواهد النبوة ، و ذكر فضائلهم و مناقبهم و كراماتهم و مقاماتهم مجملة ، و فيه رد على الروافض حيث يظنون بأهل السنة أنهم يبغضون أهل البيت لاعتقادهم الفاسد ووهمهم الكاسد، وإلا فأهل الحق يحمون جميع الصحابة ، وكل أهل البيت لا كالخوارج الأعداء لأهل بيت النبوة و لا كالروافض المعادين لجمهور الصحابة و أكابر الأمة . (مرقاة المفاتيح:۵۹۸۳،باب مناقب قريش ، وشواهدالنبوة للجامى،۱۹۵ . ۲۶۳).

۶۔ ملا جامی نے اپنی کتاب میں ایک یہودی کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لانے کا واقعہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے یہ کلمہ پڑھا: أشهد لا إله إلا اللّٰه وأن محمداً عبده ورسوله وأشهد أنک على وصى رسول اللّٰه . (شواهدالنبوة،ص ۲۰۲).

۷۔ اسی طرح علامہ جامیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی جعدہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر زہر دیا تھا۔ (شواہد النبوۃ،ص۲۱۲)۔

۸۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک شعر لکھا ہے جس سے نعوذ باللہ صحابی رسول کا فاسق ہونا لازم آتا ہے۔ جمعے از بیعتش ابا کردند ☆ وندراں سرکشی خطا کردند

۹۔ شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ولایت کو نبوت سے افضل مانتے تھے۔

وقد ذكر الشريف العلامة في شرح المواقف وذكر السعد العلامة في شرح المقاصد فى الترتيب إيماء إلى تفضيل الشريف على السعد ، والأكثر على عكسه ، أن الإجماع منعقد على أن الأنبياء أفضل من الأولياء ، بل نبى واحد أفضل من جميع الأولياء وما نقل عن بعض العارفين أن الولاية أعلى من النبوة فقيل في بيان مراده عن المعارف الجامى أن جهة ولاية نبي أعلى من جهة نبوة ذلك إذ كل نبى لا يكون نبياً مالم يكن ولياً إذ الولاية كسبية ، والنبوة وهبية ، والكسبية أفضل من الوهبية بل قيل: إن النبوة إنما تحصل بالتهيؤ ، والاستعداد لها وذلك بإكمال الولاية وإتمامها فدرجة جهة الولاية قبيل وقوع النبوة أقوى و أكمل من درجات سائر الأولياء كلها إذ ولايتهم لن تعدهم إلى النبوة فافهم.

(بريقة محمودية فى شرح طريقة محمدية : ۱/ ۲۴۰).

۱۰۔ شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ نے شواہد النبوہ میں لکھا ہے کہ: امیرالمؤمنین امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک دن محمد بن حنفیہؒ حضرت زین العابدینؒ کے پاس آئے اور فرمایا: میں چونکہ بہ لحاظ عمر تم سے بڑا ہوں اور تمہارا چچا بھی ہوں اور امامت کا تم سے زیادہ حقدار اور سزاوار ہوں پس تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار میرے حوالہ کردو یہ سن کر امام زین العابدینؒ نے کہا: چچا! اللہ سے ڈرو جس کا تمہیں حق نہیں ہے اس میں جھگڑا مت کرو...پس بحث و تمحیص کے بعد دونوں نے حجر اسود کو حکم مانا اور اس سے فیصلہ طلب کیا، حجر اسود نے امام زین العابدینؒ کی ولایت وامامت کی گواہی دی۔ (الصوارم المہرقۃ،ص۳۰۲، وشواہد النبوۃ،ص۲۱۹)۔

۱۱۔ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے: ان تمام دلائل کے باوجود جوان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں، ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں، یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان وقلم سے اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے اور پھر اپنے مدعا کی تائید میں وہی سفر والی روایت نقل کی ہے جو ماقبل میں گزری اور جس کا راوی علی بن عبدالعال ہے۔ (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش،ص۶۱)۔

مذکورہ بالا عقائد سے واضح ہوتا ہے کہ اگر علامہ جامیؒ کے یہ عقائد تھے تو ان کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ،اور اگر کسی سبائی نے ان کی کتاب میں یہ چیزیں داخل کردی ہیں اور اپنی طرف سے کتابیں لکھ کر ان کی طرف منسوب کردی ہیں تو یہ بات ناممکن بھی نہیں۔ کیونکہ اہل تشیع اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں خصوصاً صوفیہ کرام کی

کتابوں میں دست درازی کرنا ان کا شیوہ ہے؛ تاکہ صوفیت کا لبادا اوڑھ کر مشائخ صوفیہ کی آڑ میں مسلمانوں کے درمیان کفر والحاد کے بیج بوسکیں۔

صوفیائے کرام کی کتابوں کو خصوصاً نشانہ بنانے اوران میں تحریف کرنے کی دووجوہات ہیں؛

(۱) جب کوئی بات شیخ سے نقل کی جاتی ہے تو ان کے مریدین بلاچوں وچرا اس کو قبول کرلیتے ہیں اور زیادہ تحقیق میں نہیں پڑتے، اوراگرکوئی یہ کام کرے تو اسے گستاخی اور بےادبی گردانتے ہیں۔

(۲) فرقِ ضالہ نے اسلام کو مٹانے کی گھناؤنی سازش صوفیت کے لباس میں کی اوراپنی تائید کے لیے بڑے بڑے مشائخ کے اقوال نقل کیے اور سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے باطل عقائد کی ترویج کے لیے بڑے مشائخ کا سہارا لیا اور باطل عقائد کو ان کی طرف منسوب کیا۔ شیخ جامی کا فارسی قصیدہ بھی مشہور ہے اس کے بارے میں الانوار البہیۃ میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الأستاذ الأكبر المحقق البهبهانی ؒ، قال جدی: وذكر عبد الرحمن الجامی فی سلسلة الذهب هذه القصيدة منظومة بالفارسية، وذكر أن كوفية رأت فی النوم الفرزدق و قالت له: ما فعل الله بك، قال: غفر الله لي بقصيدة علی بن الحسين عليهما السلام، قال الجامی: وبالحری أن يغفر الله للعالمين بهذه القصيدة، مع اشتهاره بالنصب والعداوة.

(الانوار البهية، ص۱۹۷).

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ شیعوں نے اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں دست درازی کی ہے تو یہ ایک تفصیل طلب مستقل موضوع ہے جس کے بیان کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت ہے البتہ چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے شیعوں نے اہل سنت والجماعت علماء خصوصاً صوفیا کی کتابوں میں دست درازی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

ومنهم من أدخل على الدين من الفساد ما لايحصيه إلا رب العباد، فملاحدة الإسماعيلية، والنصيرية، وغيرهم من الباطنية المنافقين من بابهم دخلوا، وأعداء المسلمين من المشركين، وأهل الكتاب بطريقهم وصلوا، واستولوا بهم على بلاد الإسلام وسبوا الحريم، وأخذوا الأموال، وسفكوا الدم الحرام، وجرى على الأمة بمعاونتهم من فساد الدين والدنيا ما لايعلمه إلا رب العالمين إذ كان أصل المذهب من احداث الزنادقة

المنافقين الذين عاقبهم في حياته على أمير المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنه، فحرق منهم طائفة بالنار، وطلب قتل بعضهم، ففروا من سيفه البتار. (منهاج السنة النبوية: ۱/۳،فی مقدمة الكتاب).

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا، چنانچہ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ان کے حالات میں لکھتے ہیں: بعض غیرمحتاط ومتعصب مصنفین نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی، جوعام عقیدۂ اہل سنت اور جمہور کے مسلک کے مطابق موجبِ کفر ہیں اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کیے گئے، جن سے مقامِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سوءادب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ (اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین منہ) یہ معاملہ تنہا امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ نہیں کیا گیا، دوسرے اکابرِامت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں ان کی طرف نہ صرف ان اقوال وعقائد کی نسبت کی گئی، جن سے وہ بالکل بری تھے، بلکہ ان کی کتابوں میں ایسے مضامین شامل کیے گئے جو موجبِ کفروضلال تھے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:۲/۱۵۷)۔

مولانا سیدسلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب ''سیرتِ ام المؤمنین عائشہؓ ''(۱۴۲) میں لکھاہے: بعض شیعی مؤرخین نے لکھاہے کہ حضرت عائشہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہوکر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لیے نکلیں ... یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں، جو ہندوستان میں بھی چھپ گیاہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا ،طبری کے اس فارسی ترجمہ میں درحقیقت بہت سے حذف واضافے ہیں۔تبصرہ نگار لکھتے ہیں: میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے سے مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قرآن کریم کو چھوڑ کر دشمنانِ اسلام نے ہر علم وفن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف واضافے کا مقدس فریضہ سرانجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص وتوہین و تحقیر ہے۔ **أعوذ بالله من هذه الخرافات. انتهىٰ .**

بایں وجہ بعض صوفیہ مائل بہ تشیع ہوئے۔ چنانچہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں:

ثم حدث أيضاً عند المتأخرين من الصوفية الكلام فى الكشف وفيما وراء الحس و ظهر من كثير منهم القول على الإطلاق بالحلول والوحدة فشاركوا فيها الإمامية والرافضة لقولهم بألوهية الأئمة وحلول الإله فيهم ، وظهر منهم أيضاً القول بالقطب والإبدال وكأنه

یحاكي مذهب الرافضة فى الإمام والنقباء ، وأشربوا أقوال الشيعة وتوغلوا فى الديانة بمذاهبهم ، حتى جعلوا مستند طريقهم في لبس الخرقة أن علياً رضي الله عنه ألبسها الحسن البصري وأخذ عليه العهد بالتزام الطريقة ، واتصل ذلک عنهم بالجنيد من شيوخهم، ولايعلم هذا عن علی من وجه صحيح ، ولم تكن هذه الطريقة خاصة بعلى كرم الله وجهه بل الصحابة كلهم أسوة في طريق الهدى وفي تخصيص هذا بعلي رضي الله عنه دونهم رائحة من التشيع قوية يفهم منها ومن غيرها مما تقدم دخولهم فى التشيع وانخراطهم في سلكه . (تاريخ ابن خلدون: ۱/ ۱۸۲، المكتبة العصرية بيروت).

ملا جامی سنیوں کی نظر میں: سنیوں کے نزدیک ملا جامی سنی صوفی ،نعت گوشاعر،لغت وادب کے امام اورنقشبندی سلسلہ کی ایک اہم کڑی تھے۔ چند عبارات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ الجامي، عبد الرحمن بن نظام الدين أحمد الغلامى نورالدين الجامى شيخ الإسلام الهروى الأديب الصوفى ولد سنہ ۸۱۷ھ وتوفى سنة ۸۹۸ھ ثمان وتسعين وثمانمائة . (هدية العارفين : ۱/۵۳۴، استانبول).

۲۔ ولما حصل له الفراغ من العلوم رأى فى المنام بعض الأكابر يقول له: اتخذحبيباً يهدک فلما استيقظ حصل له التأثر فانتقل من سمرقند إلى خراسان وخدم خواجه عبيد الله النقشبندى و صار ببركة صحبته من أعيان الصوفية . (الفوائدالبهية ،ص۸۸، كراتشي).

۳۔ وفيها الإمام العارف بالله تعالىٰ عبد الرحمن بن أحمد الجامى. (شذرات الذهب في أخبار من ذهب : ۹/۵۴۳،دارابن كثير).

۴۔ عبد الرحمن بن أحمد بن محمد الشيرازى المشهور بالجامى. (نورالدين، ابوالبركات) عالم مشارک فى العلوم العقلية والنقلية . (معجم المؤلفين :۵/۱۲۲).

۵۔ شیخ زکریا رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں اپنے والد صاحب کی زبانی ،مولانا جامی رحمہ اللہ کی ایک مشہورنعت جو یوسف وزلیخا کے شروع میں ہے(ص ۱۱ مطبع لکھنؤ) کے متعلق ایک قصہ نقل کیا ہے: مولانا جامی یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے توان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے

ہوکراس نظم کو پڑھیں گے، جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر نے خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو یہ اِرشاد فرمایا کہ اس کو(جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔امیر مکہ نے ممانعت کردی،مگراُن پر جذب وشوق اِس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے،امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو،امیر نے آدمی دوڑائے اوران کوراستہ سے پکڑ واکر بلایا،اُن پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا،اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے کا ارادہ کررہا ہے،اگرایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا،اس پراُن کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز اوراکرام کیا گیا۔ قصیدہ فارسی زبان میں ہے اس کے ابتدائی چنداشعار یہ ہیں:

زمہجوری برآمد جانِ عالم ❁ ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمینی ❁ زمحروماں چراغافل نشینی

زخاک اے لالہء سیراب برخیز ❁ چونرگس خواب چنداز خواب برخیز

(فضائل درود شریف،ص ۱۹۷،و۲۰۰،ط: بیروت)۔

۶۔ ملا جامی کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

در دلہائے بستہ کشاید ❁ دوبیت از پیرومی یاز جامی

(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش،ص ۶۰)۔

۷۔ ملا جامی کے سنی ہونے کی تائیدان کی ایک کتاب سے ہوتی ہے جو شیعہ کے خلاف لکھی ہے جس کا نام: ’’**سلسلة الذهب في ذم الروافض**‘‘ ہے۔(ہدیۃ العارفین:۱/۵۳۴،استانبول،شذرات الذہب:۹/۵۴۳،دار ابن کثیر)۔ یہ رسالہ مخطوطہ کی شکل میں مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ ریاض سعودی عرب میں محفوظ ہے۔

۸۔ کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے: جوکچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمایل نسبت بہ شیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں،کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابوطالب کو کافر کہا ہے۔

(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش،ص ۶۲)۔

۹۔ نیز ملا جامی نے شرحِ جامی کے مقدمہ میں صحابہ کرامؓ پر درود بھیجا ہے جوان کے سنی ہونے کی دلیل ہے

الحمد لوليه، والصلاة على نبيه، وعلى آله وأصحابه، المتأدبين بآدابه. (الفوائد الضيائية، ص ۲).

۱۰۔ ملا جامیؒ نے اپنے منظومہ رسالہ عقائد میں خلفائے راشدین کی وہی مشہور ترتیب لکھی ہے جو اہل سنت والجماعت کے نزدیک ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (اعتقاد نامہ منظوم لمولانا جامی، ص ۲۶)۔

۱۱۔ ملا جامیؒ نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (مثنوی خرد نامہ اسکندری، وسلسلۃ الذہب، ولیلیٰ مجنون)۔

بعض لوگ ملا جامیؒ کو سنی صوفی مائل بہ تشیع یا تفضیلی شیعہ کہتے ہیں:

الفرقة الثانية الشيعة التفضيلية: وهم عبارة عن الذين يفضلون الأمير كرم الله وجهه على سائر الصحابة من غير إكفار واحد منهم ولا سب ولا بغض، كأبى الأسود الدؤلى ... و لبعض متأخرى الصوفية قدست أسرارهم كالفاضل الجامى كلمات ترشح بالتفضيل، وانسلاكهم فى هذا القبيل . (مختصر التحفة الاثنى عشرية، ص ۵، المكتبة السلفية القاهرة).

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا جامیؒ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں پر ان کی کتابیں سنی عقائد و نظریات کی بھی حامل ہیں، بایں وجہ ناقدین کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوئے، مزید براں اکابر اہل سنت و الجماعت ہمیشہ مولانا جامیؒ کو ایک سنی صوفی اور مسلمان نعت گوشاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں، اور ان کا ذکر مقامِ مدح میں کرتے ہیں، لہٰذا ہم بھی مولانا جامیؒ کے حق میں ان رافضی خرافات کو تسلیم نہیں کرتے، اور جہاں تک ان کے شیعی عقائد کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

سبائیہ، باطنیہ اور دشمنانِ صحابہ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ ودانستہ ایسے شبہات پیدا کردیے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہوجائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اسی طرح (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہوجائے گا) انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہوجائے گا۔ (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص ۶۳)۔

بیسی (چِٹھی) کے مسئلہ پر سود ہونے کا اشکال اور جواب:

سوال: ہند وپاک کے دیہات میں خواتین میں ایک معاملہ معروف اور مشہور ہے کہ خواتین ایک

خاتون کے پاس مثلاً: ایک ہزار روپے جمع کرتی ہیں پھر ہر مہینے قرعہ ڈالا جاتا ہے، اگر ۲۴ خواتین جمع کرتی ہیں تو پہلے ۲۴ ہزار ایک خاتون کو مل جاتے ہیں لیکن آئندہ یہ خاتون روپے جمع کرتی رہے گی تاکہ ۲۴ ہزار جمع ہو جائیں، اس میں سود نہیں ہوتا ہے، صرف تقدیم وتاخیر ہوتی ہے، ہمارے ہاں بعض علماء اس کو کمی بیشی نہ ہونے کی وجہ سے جائز کہتے ہیں اور بعض مفتیانِ کرام ''**کل قرض جر نفعاً فھو ربا**'' کہہ کر اس معاملہ کو ناجائز کہتے ہیں، اس لیے کہ بعض کو قرض دینے کی وجہ سے یکمشت زیادہ ملنے کا فائدہ ہوا مثلاً: ۲۴ خواتین نے ہزار ہزار روپے جمع کیے اور ۲۴ ہزار جمع ہو گئے اور قرعہ اندازی سے ایک خاتون کو ۲۴ ہزار مل گئے جن کو وہ بعد میں جمع کرتی رہے گی، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔کئی مفتی حضرات نے اس کی تصریح فرمائی ہے؛ ا۔مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے جدید فقہی مسائل میں،۲۔مولانا یوسف لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل میں اور ۳۔فتاویٰ حقانیہ میں بھی جواز مرقوم ہے۔عبارات ملاحظہ کیجیے:

جدید فقہی مسائل میں مرقوم ہے:

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک خاص رقم متعین ہوتی ہے، چند افراد اس کے ممبر بنتے ہیں، وہ مقررہ تناسب کے مطابق ہر ماہ رقم ادا کرتے ہیں اور مجموعی رقم ہر ماہ قرعہ اندازی یا باہمی اتفاق رائے سے کسی ایک کو دیدی جاتی ہے۔مثلاً: دو ہزار کی چٹھی ہو، دس آدمی شریک ہوں تو دس ماہ تک ہر شخص دوسو روپے جمع کریگا اور ہر ماہ کسی ایک کو یکمشت رقم مل جایا کریگی۔یہ صورت مباح ہے، اس لیے کہ اس کے نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو شخص مدت کی تکمیل سے پہلے چٹھی کی رقم حاصل کرتا ہے اس کی حیثیت مقروض کی ہے اور دوسرے ارکان کی قرض دہندہ کی، قرض دینے والا اس کو ایک مدت کی مہلت دیتا ہے، اسی طرح اس پر کوئی نفع حاصل نہیں کرتا، یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ انسانی ہمدردی اور اسلامی اخلاق کا تقاضہ بھی ہے۔(جدید فقہی مسائل:۱/۳۷۲)۔

فتاویٰ حقانیہ میں مرقوم ہے:

چند افراد کا اس طرح ہر ماہ برابر برابر رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک کو دینا امدادِ باہمی اور قرض ہے، اس میں تملیک اور تملک نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک شریک چاہتا ہے کہ اس بار جمع کی گئی رقم مجھے مل جائے، تو رفعِ نزاع اور خوش دلی کے لیے قرعہ اندازی کر لیتے ہیں، جہاں سب شرکاء کے حقوق مساوی ہوں وہاں طیبِ خاطر کے لیے قرعہ ڈالنا جائز ہوتا ہے۔(فتاویٰ حقانیہ:۶/۲۰۰)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں مذکور ہے:

سوال: جولوگ کمپنی کے نام پر دس آدمی ۳۲ روپیہ فی کس جمع کرتے ہیں، مہینے کے بعد قرعہ اندازی کر کے ممبران میں سے جس کا نام نکل آئے تو مبلغ ۶۰۰۰ روپئے دے دیتے ہیں، جبکہ اس کی جمع شدہ رقم ۹۶۰ روپئے ہوتی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ جس ممبر کی کمیٹی نکل آئی وہ یومیہ ۳۲ روپے دیتا رہتا ہے اس وقت تک جب تک ۶۰۰۰ روپے پورے نہیں ہوتے؟

جواب: یہ کمپنی کا طریقہ قرض کے لین دین کا معاملہ ہے میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۷/ ۳۷۵، طبع جدید)۔

کل قرض جر نفعاً کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد میں مشروط نفع ممنوع ہے جو غیر مشروط ہو وہ ممنوع نہیں اور یہاں تو سرے سے نفع ہے ہی نہیں ہاں تقدیم تاخیر ہے وہ بھی قرعہ اندازی کا نتیجہ ہے۔ مشروط نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تبیین الحقائق کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

قوله ومن وضع درهماً عند بقال، قال الكرخيؒ في مختصره في كتاب الصرف: وكل قرض جر منفعة لا يجوز، مثل أن يقرض دراهم غلة على أن يعطيه صحاحاً أو يقرض قرضاً على أن يبيع به بيعاً ؛ لأنه روى أن كل قرض جرمنفعة فهو ربا، وتأويل هذا عندنا أن تكون المنفعة موجبة بعقد القرض مشروطة فيه ، وإن كانت غيرمشروطة فيه فاستقرض غلة فقضاه صحاحاً من غير أن يشترط عليه جاز، وكذلک لو باعه شيئاً ، ولم يكن شرط البيع في أصل العقد جاز ذلک، ولم يكن به بأس إلى هنا لفظ الكرخي في مختصره ، و ذلک لأن القرض تمليک الشيء بمثله فإذا جر نفعاً صار كأنه استزاد فيه الربا فلا يجوز؛ ولأن القرض تبرع وجر المنفعة يخرجه عن موضعه ،وإنما يكره إذا كانت المنفعة مشروطة فى العقد، وإذا لم تكن مشروطة فيه يكون المقترض متبرعاً بها فصار كالرجحان الذى دفعه ـــ صلى اللّٰه عليه وسلم ـــ في بدل القرض، وقد روى عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يستقرض فإذا خرج عطاؤه أعطاه أجود مما أخذ . (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ٦/ ٢٩).

مزید ملاحظہ ہو: (فقہ المعاملات ''جدید معاملات کے شرعی احکام: ۱/ ۱۸۳، ومنتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۱۹۵، وکتاب الفتاویٰ: ۵/ ۳۴۳)۔

اشکال اور جواب:

معترضین کہتے ہیں کہ یہ قرض کا معاملہ ہے جس میں مقرض نے رقم دیکر فی الحال زیادہ حاصل کیا اگر چہ بعد میں مقرض حاصل شدہ رقم ادا کریگا اور یہ قرعہ کے ساتھ مشروط ہے جس کا قرعہ نکلا اس کو اس وقت ادا شدہ رقم سے زیادہ ملے گا اگر چہ بعد میں برابر کر دیا جائے گا؟

الجواب: ا۔ اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ قرعہ کے ذریعہ سے تقدیم تاخیر میں اہل تقدیم کو قرض کا فائدہ ملا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے اور جو رقم کسی ایک آدمی کے پاس جمع ہوتی ہے وہ قرض نہیں بلکہ امانت ہے اور اکثر وبیشتر ہر ایک کی رقم کو الگ الگ نہیں رکھتے بلکہ ملا کر رکھتے ہیں تو جب امانت کو مودع کی اجازت سے ملا دیں تو یہ بہت سارے فقہاء کے نزدیک شرکت بن جاتی ہے تو یہ رقم جمع کرنے والوں کے درمیان مالِ شرکت بن گئی جس سے شرکاء قرعہ اندازی کے ساتھ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں جیسے مختلف حضرات آپس میں کھجوروں کو ملا کر کے کھاتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

۲۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے اور اجازت کے ساتھ دوسرے کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ اس کو قرض کہتے ہیں اور صاحبینؒ اس کو شرکت کہتے ہیں اور بہت سارے فقہاء نے صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اس معاملہ میں لوگوں کے عرف وعادت کی وجہ سے صاحبینؒ کا قول ہی بہتر ہے، مجلۃ الاحکام العدلیۃ جو خلافتِ عثمانیہ کا قانون تھا اس میں صاحبینؒ کے قول کو لیا ہے، اسی طرح تنویر الابصار، درمختار، صاحبِ بحر، ابن ہمام، صاحبِ منحۃ الخالق نیز مولانا فتح محمد صاحب نے عطر ہدایہ میں ص ۲۰۸، پر اور مولانا احسن نانوتوی نے حاشیہ کنز الدقائق میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کر کے اس کو شرکت تسلیم کیا ہے۔

دلائل اور حوالہ جات ملاحظہ کیجیے: قرعہ اندازی کا حکم:

جب حقوق مساوی ہوں تو تقدیم تاخیر کے لیے قرعہ اندازی جائز اور درست ہے ہاں ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لیے ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو صاحب درمختار فرماتے ہیں:

ويكتب أساميهم ويقرع لتطييب القلوب فمن خرج اسمه أولاً فله السهم الأول ومن خرج ثانياً فله السهم الثاني إلى أن ينتهي إلى الأخير. وفي الشامي: قوله لتطييب القلوب أشار إلى أن القرعة غير واجبة ...الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/۲۶۲، سعید).

وقال في مجمع الأنهر: وإنما يقرع لتطييب القلوب ونفي تهمة الميل عن نفسه فلا يكون ذلك في معنى القمار . (مجمع الانہر: ۳/۳۷۳، ط: بیروت).

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے: ومنها أن يقرع بينهم بعد الفراغ من القسمة ويشترط عليهم قبول من خرج سهمه أولاً فله هذا السهم من هذا الجانب من الدار ومن خرج سهمه بعده فله السهم الذى عليه يليه هكذا ثم يقرع بينهم ، لا لأن القرعة يتعلق بها حكم بل لتطييب النفوس ولورود السنة بها، ولأن ذلک أنفى للتهمة فكان سنة . (بدائع الصنائع : ۱۹/۷ ،کتاب القسمة ، سعيد).

بہت سارے فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مودِع کی اجازت سے مال ملانے سے مودَع شریک بن جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: قال فى الدرالمختار: وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر بغير إذن المالک بحيث لا تتميز إلا بكلفة كحنطة بشعير ودراهم جياد بزيوف...وإن بإذنه اشتركا شركة أملاک. (الدرالمختار: ۶۶۸/۵ ،سعید).

فتح القدير میں ہے: وإن اتفقا على الخلط ورضيا به، وهو جنس واحد مكيل أو موزون صار عيناً مشتركة . (فتح القدير:۳۹۴/۵، مكتبة رشيديه كوئٹه).

وقال فى البحر: وإن خلطها بإذنه كان شريكاً له . (البحرالرائق:۲۷۶/۷، کوئٹہ).

مولانا محمد احسن نانوتوی نے کنز کے حاشیہ میں بحوالہ فتح القدیر اس کو شرکت تسلیم کیا ہے۔ (کنز، حاشیہ۴، ص۳۴۸)۔

وللمزيد راجع: (شرح المجلة للشيخ محمد خالد الأتاسی:۲۶۷/۳ ،وفتح القدير : ۳۷۸/۵، و حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۵۱۲/۲ ،وردالمحتار: ۳۰۰/۴ ،سعید،والبحرالرائق: ۱۶۷/۵).

وفي رد المحتار: قوله الهلاک على مالكه ، فلا يرجع بنصف الهالک على الشريک الآخر حيث بطلت الشركة ولو الهلاک فى يد الآخر؛ لأن المال في يده أمانة ، بخلاف ما لو هلک بعد الخلط؛ لأنه يهلک على الشركة لعدم التمييز ، ط عن الاتقانى .

(ردالمحتار: ۳۱۵/۴، وكذافى ملتقى الابحر: ۳۶۹).

وقال فى المبسوط: وكل واحد منهما أمين في يده من مال صاحبه واشتراط الضمان على الأمين باطل. (المبسوط : ۱۵۷/۱۱ ،ط ادارة القرآن).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں مرقوم ہے: سوال: میرے پاس لوگوں کی بیسیاں جمع ہوتی ہیں، یعنی کمیٹیاں، بہت سے لوگ یا میری سہیلیاں قرض مانگتی ہیں، یعنی وہ قرض ادا کرنے کے لیے، یا بیماری میں علاج

کے لیے، اسکول وکالج کی یا امتحان کی فیس کی ادائیگی کے لیے یا اور کسی مد میں، میں ان کو دے دیتی ہوں، وہ بھی حسبِ وعدہ واپس مل جاتا ہے، کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے کیونکہ رقم دوسروں کی ہوتی ہے؟

جواب: آپ کے پاس بیسی کی رقم جو جمع ہوتی ہے، وہ امانت ہے اگر آپ تمام حصہ داروں سے یہ اجازت لے لیں کہ آپ اس رقم کو خرچ کرسکتی ہیں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۲۱۱)۔

ضرورت اور تعامل کی وجہ سے فقہاء نے صاحبینؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے، اور بوقتِ ضرورت یہ جائز ہے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ شامی میں ہے: **لا يعدل عن قول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة**. (فتاوى الشامي: ۱/۳۵۹، ط: سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۱/۲۴۶)۔

نیز صاحبین کا قول بھی امام صاحب کے قول سے خارج نہیں بلکہ عینِ قولِ ابی حنیفہؒ ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں: **إن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة عن مذهبه، فقد نقلوا عنهم أنهم ما قالوا قولاً إلا هو مروى عن الإمام كما أوضحت ذلک فی شرح منظومتی فی رسم المفتی**. (فتاوى الشامى: ۴/۳۶۲، ط: سعيد. وكذا فى العقود الدريه فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۰۹). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآنِ کریم کی آیات کی صحیح تعداد:

سوال: لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتوں کی تعداد ۶۶۶۶ ہے، کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ مستند کتابوں میں کیا لکھا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قرآن کی آیات کی گنتی میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ۶۶۱۶ نقل فرمائی ہے۔ علامہ ابوعمر والدانی سے منقول ہے کہ چھ ہزار پر سب کا اتفاق ہے اس کے اوپر کی گنتی میں اختلاف واقع ہوا ہے، بعض چھ ہزار ہی کہتے ہیں، اہل کوفہ ۶۲۳۶، اہل بصرہ ۶۲۰۴، اہل شام ۶۲۲۶، اہل مکہ ۶۲۱۹ اور اہل عراق ۶۲۱۴ شمار کرتے ہیں۔

متاخرین علماء میں سے بعض حضرات نے برصغیراور مدینہ منورہ کے مطبوعہ مصاحف کی آیات کوشمار کر کے ۶۲۳۸ کا عدد بیان کیا جو اہل کوفہ کی گنتی پر دو زائد ہے۔نیز اس اختلاف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآنِ کریم میں کم وبیش آیات درج ہیں بلکہ شمار اور گنتی کا اختلاف ہے یعنی بعض نے دو کو ایک شمار کیا،بعض نے ایک کو دو شمار کیا،بعض نے بسم اللہ کو شمار نہیں کیا،بعض نے صرف فاتحہ میں شمار کیا باقی سورتوں میں نہیں کیا،بعض نے تمام سورتوں میں شمار کیا۔

مشہور قول کے مطابق آیات کی تعداد ۶۶۶۶ ہے،علماء نے اس کی تقسیم اس طرح کی ہے: آیاتِ وعدہ ۱۰۰۰،آیاتِ وعید ۱۰۰۰،آیاتِ نہی ۱۰۰۰،آیاتِ امر ۱۰۰۰،آیاتِ مثال ۱۰۰۰،آیاتِ قصص ۱۰۰۰،آیاتِ تحلیل ۲۵۰، آیاتِ تحریم ۲۵۰،آیاتِ تسبیح ۱۰۰،اور آیاتِ متفرقہ ۶۶،اس حساب سے کل آیات ۶۶۶۶ ہوتی ہیں۔

لیکن مشہور قول کی تعداد کسی طرح صحیح نہیں بنتی اسلام آباد میں مقیم ایک عالمِ دین نے بتایا کہ ایک شیعہ افسر سنی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ ارشاد الشیعہ ''مولفہ مولانا سرفراز خان صفدر'' کی آیات کی تعداد ۶۶۶۶ کا ثبوت فراہم کیا جائے مگر سوائے ندامت کے اس کا جواب نہیں دیا جاسکا۔(مروان بن الحکم،شخصیت وکردار،ص ۳۴۴).

تفسیر قرطبی میں مرقوم ہے؛ **وقال الفضل: عدد آی القرآن فی قول المکیین ستة آلاف آية و مائتاآية وتسع عشرة آية ،(۶۲۱۹)، قال محمد بن عیسیٰ: عدد آی القرآن فی قول الکوفیین ستة آلاف آية ومائتاآية وثلاثون وست آيات(۶۲۳۶) وهو العدد الذی رواه سليم ، والكسائی عن حمزة وأسنده الكسائی إلى علی رضی اللہ عنہ ، قال محمد: وجميع عدد آی القرآن في عدد البصريين ستة آلاف ومائتان وأربع آيات (۶۲۰۴) وهو العدد الذی مضی عليه سلفهم حتى الآن ، وأما عدد أهل الشام ، فقال يحيی بن الحارث الذماری : ستة آلاف ومائتان وست وعشرون (۶۲۲۶) في رواية ستة آلاف ومائتان وخمس وعشرون (۶۲۲۵) نقص آية قال ابن ذکوان: فظننت أن يحيی لم يعد ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ قال أبوعمرو: فهذه الأعداد التي يتداولها الناس تأليفاً ويعدون بها سائر الآفاق قديماً وحديثاً .** (تفسیرالقرطبی : ۱/۴۷، مقدمة المؤلف ،ط: دارالکتب العلمیة بیروت).

تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے:

فأما عدد آيات القرآن فستة آلاف آية ، ثم اختلف فيما زاد على ذلک على أقوال،

فمنهم من لم يزدعلى ذلك ، ومنهم من قال ومائتى آية وأربع آيات، وقيل: وأربع عشرة آية ، وقيل: ومائتان وتسع عشرة ، وقيل: ومائتان وخمس وعشرون آية ، أوست وعشرون آية ، وقيل: ومائتاآية ، وست وثلاثون آية ، حكى ذلك أبوعمرو الداني، في كتاب البيان . (تفسيرابن كثير : ۱/۸، مقدمة مفيدة ،ط: مكتبة دارالسلام).

ويقول الفيروزآبادى: اعلم أن عدد آيات القرآن عند أهل الكوفة (٦٢٣٦)آية ، هكذا مسند المشايخ من طريق الكسائى إلى علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ. (جمال القراء ، وكمال القراء ات ، عبدالحق : ۲/۴۹۴).

وورد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن عدد آيات القرآن الكريم(٦٢١٦)آية . (التعريف بالإسلام: ۱/۳۰).

امام سیوطیؒ الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

و عن ابن عبا س رضی اللہ عنہ قال: جميع آى القرآن ستة آلاف آية وستمائة آية وست عشرة آية . قال الداني: أجمعوا على أن عدد آيات القرآن ستة آلاف آية ثم اختلفوا فيما زاد على ذلك فمنهم من لم يزد ومنهم من قال: ومائتاآية واربع آيات وقيل: وأربع عشرة وقيل: وتسع عشرة وقيل: وخمس وعشرون وقيل: وست وثلاثون. (الاتقان فى علوم القرآن: ۱/۱۸۸، النوع التاسع عشر ، ط: بيروت).

شرح مختصرالخليل میں مذکور ہے:

جملة ما فى القرآن من الآى ستة آلاف وستمائة وست وستون آية (٦٦٦٦) ألف منها أمر وألف منها نهي وألف منها وعد وألف منها وعيد وألف منها عبر والأمثال وألف منها قصص وأخبار وخمسمائة لتبيين حلال وحرام ومائة دعاء وتسبيح وست وستون ناسخ ومنسوخ . (شرح مختصرالخليل للخرشى: ۲/۱۱، فصل فى بيان صلاة النافلة ، دارالفكر بيروت،و نهاية الزين : ۱/۳۴).

قال الشيخ أبوإسحاق الثعلبي: إن عدد آيات القرآن ستة آلاف وستمائة وست وستون آية ، فما هو أمر ألف آية...الخ. (نهاية الايجاز فى سيرة ساكن الحجاز : ۱/۴۴۰).

شرح لمعة الاعتقاد میں مرقوم ہے:

أما الآيات فقد اختلف فيها ، لكن أجمعوا ، أى السلف، على أن القرآن ستة آلاف آية و يزيد، إنما اختلفوا فى الزيادة ، وليس سبب اختلافهم اختلافهم فى ذات القرآن، سبب اختلافهم فى العدد بعد الستة آلاف فى مفهوم الآية وما يدخل فى الآيات وما لايدخل فيها ، فمثلاً : بعضهم ادخل " بسم الله الرحمن الرحيم " آية من كل سورة فزاد عنده العدد وبعضهم عدها آية فى الفاتحة ولم يعدها في بقية السور، وبعضهم عدها آية في سائرالقرآن ولم يعدها في سورة (براء ة) وهكذا . وبعضهم جعل الكلمة الواحدة ليست آية مثل قوله عزوجل: ﴿ مدهامتان ﴾ [الرحمن].

فمن هنا اختلف العدد اختلافات كثيرة ، من أشهرها: قول من قال: إن القرآن ستة آلاف و مائتان و أربع عشرة آية . و منهم من قال : مائتان و ست وعشرة آية بعد الستة آلاف. و منهم من قال: ستة آلاف ومائتان وست وثلاثون آية ، أو أربع وثلاثون آية ، أو خمس وعشرون آية ، أوتسع عشرة آية ، أوستة آلاف ومائتان وأربع آيات ؛كل ذلك ذكره أهل العلم كالسيوطى وابن كثير وغيرهم .(شرح لمعة الاعتقاد، ناصرالعقل :۳/۱۰).

البرهان فی علوم القرآن میں ہے:

وعدد آياته في قول على رضی اللہ عنہ ستة آلاف ومائتان وثمان عشرة وعطاء ستة آلاف و مائة وسبع وسبعون وحميد ستة آلاف ومائتان واثنتا عشرة وراشد ستة آلاف ومائتان وأربع . (البرهان فی علوم القرآن: ۱/۲۵۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عیسائیت اور یہودیت کو اللہ تک پہنچنے کا دوسرا راستہ قرار دینے کا حکم:

سوال: امریکہ میں ایک مولوی صاحب نے یہ کہا کہ یہ سب غیر مسلم ہمارے بھائی ہیں اور ہمارا دین ایک ہے،مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت ، یہودیت اور اسلام یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں،مولوی صاحب کی اس بات سے بہت سارے مسلمان شکوک وشبہات کا شکار ہوئے۔اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے کچھ روشنی ڈالیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام ایسامذہب ہے جواپنے عقیدہ پر ثابت قدمی کے ساتھ دوسرے مذاہب سے رواداری کے سلوک کی تعلیم دیتاہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی بچہ کی بیماری پراس کی عیادت کی ہے، غیر مسلموں کو تحفہ تحائف دئے ہیں اوران کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کیاہے، غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوحسن سلوک فرمایا تمام اہل سیر نے اس کا ذکر کیاہے اس لیے غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے اس پر بھی اجروثواب ہے لیکن اس رواداری کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ انسانی اخلاق وسلوک میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیاجائے اوران کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے بچاجائے ان کے دیویوں، دیوتاؤں اور بزرگوں کو برا بھلانہ کہاجائے البتہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان عقیدہ اور مذہب کے معاملہ میں ''لواوردو'' کارویہ اختیار کریں کیونکہ اسلام کے تمام احکام کی بنیاد ''توحید'' پر ہے اوراس میں ادنیٰ درجہ کی گنجائش اور مشرکانہ عقیدہ کا استقبال کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۱/ ۳۰۸)۔

قرآنِ کریم کااعلان ہے کہ دین برحق صرف اسلام ہے، باقی سب باطل ہیں: " إن الدين عند الله الإسـلام ". (آل عمران:۱۹). اورمولوی صاحب کے کہنے کے مطابق یہودیت، عیسائیت اوراسلام تینوں دین برحق ہیں یہ قرآنی اعلان کے خلاف ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً ودوا ماعنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفي صدورهم أكبر، قد بينا لكم الآيات إن كنتم تعقلون ﴾ [آل عمران:۱۱۸].

اے ایمان والو: ایمان کامقتضی یہ ہے کہ اپنے غیروں کواپناراز داراوربھیدی نہ بناؤ یعنی غیر مسلموں کواپنا ہمدم، رفیق اورراز دار نہ بناؤ اوراس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں: اول: یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اورتمہیں تباہ کرنے میں کوئی کسرنہیں چھوڑتے۔ دوم یہ کہ ہروقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اورضرر میں مبتلا ہوجاؤ ہروقت تمہاری مصیبت کے خواہشمند رہتے ہیں۔ سوم یہ کہ ان کے دل تمہاری عداوت سے لبریز ہیں کہ بعض مرتبہ دلی بغض اوراندرونی عداوت بلا اختیاران کہ منہ سے ظاہر ہوجاتی ہے۔ چہارم یہ کہ وہ بغض اورعداوت جوان کے سینوں نے اپنے اندر چھپارکھاہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جوعداوت ان سے ظاہر ہوجاتی ہے اگرتم کوعقل ہے توسمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیرخواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں۔ پنجم یہ کہ تم ایسے نادان اورغفلت شعار کیوں ہو کہ تم ان کو دوست رکھتے ہواوروہ تمہیں دوست نہیں رکھتے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی سب کتابوں پرایمان رکھتے ہواوران

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہوجانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہیے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے کیونکہ تم تو اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہوگیا...الخ. (معارف القرآن:۲/ ۳۹،ازمولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ،مکتبۃ المعارف)۔

دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: ﴿ **یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض ومن یتولھم منکم فإنه منھم إن اللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین** ﴾ [المائدۃ: ۵۱].

معارف القرآن میں ہے:

ان آیات میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم ان سے محبت نہ کرنا جو ان سے محبت کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا کیونکہ محبت اور صحبت کا بڑا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے محبت کا اثر ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبّ کی نظر میں محبوب ہوجاتی ہے جذام اور سرطان کی طرح کفر اور شرک ایک روحانی مرض ہے دلی میل جول سے اس کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے باغیوں کی دلی محبت اور میل جول سے رفتہ رفتہ انہیں کا مذہب اختیار کرلیتا ہے فی الحال اگرچہ باعتبار باطن کے ان میں سے نہیں لیکن ان کی محبت اور صحبت سے اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر انہیں میں سے نہ ہوجائے یعنی اسلام سے مرتد نہ ہوجائے جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانونِ حکومت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانونِ شریعت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت اور اس کا پیش خیمہ ہے اور اگر وہ اس کو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اس کی وفاداری مشکوک ہوجاتی ہے۔(معارف القرآن:۲/ ۸،۵۱۷،کاندھلوی)۔

قال عزوجل: ﴿ **ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم قل إن ھدی اللّٰہ ھو الھدی ولئن اتبعت أھواء ھم بعد الذی جاء ک من العلم ما لک من اللّٰہ من ولي ولا نصیر** ﴾ [البقرۃ: ۱۲۰].

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم ان یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کی فکر چھوڑ دو جب تک تم بھی ان ہی کی طرح خدا کے دین میں شک میں پڑ کر بے راہ نہ ہوجاؤ تب تک یہود و نصاریٰ تم سے راضی نہیں ہوسکتے اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ نے جو راہِ ہدایت تم پر واضح فرمادی ہے اس پر چل پڑو، ورنہ یاد رکھو کہ خدا کو ناراض کرکے تم کسی اور ولی و ناصر کا سہارا لے

کر اس کے غضب سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔

کمالاتِ اشرفیہ میں ہے:

رضا بالکفر بھی کفر ہے فرمایا کہ رضا بالکفر کفر ہے خواہ اپنے کفر سے رضا ہو یا غیر کے کفر سے یعنی اگر کوئی شخص اپنے لیے تو کفر پسند نہ کرے مگر دوسرے کے کفر سے راضی ہو تو یہ راضی ہونے والا فوراً ہی کافر ہو جائے گا۔

(کمالاتِ اشرفیہ، ص ۴۶، بحوالہ اشرف الاحکام، ص ۴۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فالمدبرات امراً کی تفسیر میں بعض تفاسیر سے استمداد بغیر اللہ کا شبہہ ہوتا ہے اس کا جواب:

سوال: بعض تفاسیر جیسے تفسیر البیضاوی (۲۸۲/۵) اور تفسیر مظہری (۱۸۶/۱۰) وغیرہ میں فالمدبرات امراً کی تفسیر ارواحِ فاضلہ سے کی گئی ہے جس سے استمداد بغیر اللہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

فالمدبرات أمراً ، بصفاء النفوس الفاضلة حال المفارقة فإنها تنزع عن الأبدان غرقاً أى نزعاً شديداً من إغراق النازع فى القوس، وتنشط إلى عالم الملكوت وتسبح فيها فتسبق إلى حظائر القدس فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات أمراً . (تفسیر البیضاوی: ۵ / ۲۸۲، وتفسیر مظہری: ۱۸۶/۱۰)۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ علامہ آلوسیؒ نے اس تفسیر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تفسیر اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کوفی سے مروی ہے اور اس پر شیعہ ہونے کی تہمت ہے۔ مزید علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: اس تفسیر کو لینے میں غلط عقیدہ کی صحت کا وہم ہوتا ہے، کہ کم عقل لوگ اولیاء اور بزرگوں کو انتقال کے بعد متصرف فی الامور سمجھتے ہیں مثلاً: بیمار کو شفا دینا، ڈوبتے ہوئے کو بچانا، دشمنوں کے خلاف مدد کرنا وغیرہ، مزید براں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اِن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا ہے، تو یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

قال: وكذا في حملها على النفوس الفاضلة المفارقة إيهام صحة ما يزعمه كثير من سخفة العقول من أن الأولياء يتصرفون بعد وفاتهم بنحو شفاء المريض وإنقاذ الغريق و النصر على الأعداء وغير ذلك مما يكون في عالم الكون والفساد على معنى أن اللّٰه تعالىٰ فوض إليهم ذلك ومنهم من خص ذلك بخمسة من الأولياء والكل جهل وإن كان الثاني أشد جهلاً . (روح المعانی: ۲۵/۳۰)۔ (میزان الاعتدال: ۲۳۶/۱، وتقریب التہذیب، ۳۴)۔

اہل سنت والجماعت کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ متصرف فی الاموراور مدبرالامرصرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کام میں کوئی دوسرا شریک نہیں؛ **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ قل من یرزقکم من السماء والأرض أمن یملک السمع والأبصار ومن یخرج الحي من المیت ویخرج المیت من الحي ومن یدبر الأمر فسیقولون اللّٰہ ، فقل أفلا تتقون﴾** [یونس: ۳۱].

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا: **لا شریک لہ في وجوب الوجود ولا في استحقاق العبادۃ و لا فی الخلق والتدبیر فلا یستحق العبادۃ أی أقصی غایۃ التعظیم إلا ہو ولایشفی مریضاً ولایرزق رزقاً ولایکشف ضراً إلا ہو بمعنی أن یقول لشيء کن فیکون لابمعنی التسبب العادی الظاہری کما یقال شفی الطبیب المریض ورزق الأمیر الجند فھذا غیرہ وإن اشتبہ فی اللفظ.** (التفھیمات الالٰھیہ: ۱/۱۴۴).

فقہاء نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ میت کو متصرف فی الامور سمجھنا کفریہ عقیدہ ہے۔ملاحظہ ہو: **ومنھا إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر.** (البحرالرائق: ۲/۳۲۱، وفتاوی الشامی : ۲/۴۳۹، ط: سعید، وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۶۹۳).

علاوہ ازیں قرآنِ کریم اوراحادیث کی نصوصِ کثیرہ اس بات پر شاہد ہیں کہ مدبرالامراور متصرف فی الامور صرف اورصرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفسیرعثمانی میں وایاک نستعین کی تفسیر پراشکال کا جواب:

اشکال: شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے "**إیاک نعبد وإیاک نستعین**" کا ترجمہ یوں کیا ہے، تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔(موضح القرآن) اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد جائز نہیں، ہاں اگرکسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیرمستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔(تفسیرعثمانی،ص۲)۔

حضرت شیخ الہند کی اس عبارت پرمعترضین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگراستعانتِ ظاہری سے مراد مافوق الاسباب ہے تو یہ استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھرغیراللہ سے یہ استعانت کیسے جائز ہے؟ اوراگر

استعانتِ ظاہری سے دعا کی درخواست کرنا ہوتو اس میں غیر مستقل کی قید لگانے کی کیا ضرورت ہے داعی اور سائل تو غیر مستقل ہی ہوتا ہے، اس اشکال کا کیا حل ہے؟

الجواب: بعض مرتبہ عوام الناس اولیاء اور بزرگوں کو محتاج اور داعی ہونے کے باوجود بااختیار سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کورد نہیں کرسکتے، تو بعض جاہل محتاج ہونے کے باوجود ان کو مستقل سمجھتے ہیں جیسے کوئی بادشاہ بعض مخصوص وزراء کی بات کورد نہیں کرسکتا کہ حکومت کو گرادیں گے یا کوئی عاشق اپنے محبوب کی بات کورد نہیں کرسکتا کہ محبوب ناراض ہوجائیگا۔ تو شیخ الہندؒ نے اس عبارت میں ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی کہ اگر کوئی کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرتا ہو اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اس کی دعا شفاعت قہری کی طرح ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرنے میں بے بس اور مجبور کی طرح ہے تو یہ بھی مشرکانہ عقیدہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شاہ عبدالعزیزؒ مستقل اور غیر مستقل محض واسطہ کی تفصیل یوں کرتے ہیں:

ایک قسم یہ ہے کہ اس طریقہ سے زندہ بزرگانِ دین سے بھی استمداد کرتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ ان بزرگان کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اکثر قبول ہوتی ہے اور اس خیال سے ان کو اپنے مطالب کی درخواست کے لیے واسطہ قرار دیوے اور صرف یہ سمجھے کہ یہ بزرگان صرف واسطہ اور بمنزلہ آلہ کے ہیں اور اس کے سوا اور کوئی دوسرا خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ یہ بزرگان قادر مطلق ہیں بلکہ ان کو صرف بمنزلہ عینک کے سمجھے اور یہ بلاشبہ جائز ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مستقل طور پر اپنی مراد بزرگان دین سے چاہے اور یہ سمجھے کہ مراد حاصل کرادینے میں یا خود مراد پوری کرنے میں ان کو بالاستقلال اختیار ہے اور یہ جانے کہ یہ بزرگان حق تعالیٰ کے قرب کا ایسا مرتبہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اپنی مرضی کے تابع کرسکتے ہیں اور یہی طریقہ ہے کہ عوام جس طریقہ سے استمداد کرتے ہیں...اور یہ طریقہ خالص شرک ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۰، و ۱۷۵، ط: سعید کمپنی)۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شفاعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ شفاعت بالوجاہۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے نظامِ مملکت کو بچانے کے لیے کسی صاحبِ وجاہت و دبدبہ وزیر کی شفاعت اور سفارش کو اپنی مرضی کے خلاف مانتا ہے کہ اگر نہ مانے تو نظامِ مملکت میں خلل اور گڑبڑ پیدا ہو جائیگی، یہ شفاعت منفی اور معدوم ہے۔

۲۔ شفاعت بالمحبۃ: کہ کوئی شخص کسی محبوب کی سفارش کو اپنی مرضی کے خلاف اس لیے مانتا ہے کہ محبوب

ناراض نہ ہوجائے، تو دل کی مجبوری کی وجہ سے شفاعت مانتے ہیں، یہ شفاعت بھی معدوم ہے۔

۳۔ تیسری قسم شفاعت بإذنی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی نبی اور ولی کو شفاعت کی اجازت دیں گے، یہ شفاعت ثابت ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۳۴-۴۰، باب الشرک فی التصرف)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۴۱، وامداد المفتین، ص ۱۸۱، وکفایت المفتی: ۱/۱۷۰، وتفسیر جواہر القرآن: ۱/۱۰)۔

ہم نے سنا ہے کہ سعودی حکومت نے تفسیر عثمانی کے چھاپنے اور تقسیم کرنے پر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر و تشریح کی وجہ سے پابندی لگائی ہے یہ ان کی قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے ورنہ اس میں دعا کی ایک قسم کو شرک میں شامل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رشاد خلیفہ اور اس کی جماعت کے عقائدِ کفریہ:

سوال: امریکہ میں ایک جماعت ہے اس کا نام ”United submitters international“ ہے، اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے کیا عقائد ہیں؟ کیا اس جماعت کے ماننے والے مسلمان ہیں؟ کیا ان کے ساتھ رشتہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ امریکہ میں رشاد خلیفہ (۱۹۳۵ء-۱۹۹۰ء) کے نام سے ایک مصری آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اس نے ایک جماعت تیار کی تھی جو اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے تھے، بلکہ (فرماں بردار) کہتے تھے، یہ لوگ حدیث کے منکر ہیں، امریکہ کے شہر Arizona (اریزونا) میں ان لوگوں کی ایک مسجد ہے، وہیں سے رشاد خلیفہ نے اپنا کام شروع کیا تھا۔ اس جماعت کے درجِ ذیل چند عقائد ہیں:

۱۔ رشاد خلیفہ کو ”عہد نامہ میں خدا کا رسول“ کہا جاتا ہے جس کو قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کی تصحیح کے لیے بھیجا گیا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن بگاڑ دیا گیا۔

۳۔ رشاد خلیفہ نے قرآنِ کریم کا ترجمہ لکھا ہے جو ۱۴۰۰ سال میں سب سے خالص قرآن ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

۵۔ احادیث اور سنن یہ سب شیطانی بدعت ہے۔

۶۔ اگر چالیس سال کی عمر سے پہلے کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔

۷۔ خنزیر کی چربی کھانا جائز ہے۔

۸۔ معراج روحانی تھی نہ کہ جسمانی۔

۹۔ نمبر ۱۹ قرآن کا محور ہے اور یہی قرآن کی صحت پر دال ہے۔

۱۰۔ سورۂ توبہ کی آیتیں: **لقد جاء کم رسول من أنفسکم الخ.** اور **فإن تولوفقل حسبی الله الخ.** موضوع ہیں۔ اس لیے رشاد نے اپنے مستند قرآن سے ان دونوں کو نکالدیا۔

۱۱۔ مسلمان جو بھی کرتا ہے وہ غلط ہے۔

۱۲۔ شہادت، تشہد، اذان، وضواور حج کے وقت یا دیگر عبادتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام لینا بت پرستی کی طرح ہے۔

۱۳۔ ۲۲۸۰ء میں دنیا ختم ہو جائے گی۔

۱۴۔ آدم علیہ السلام جنت میں تھے اس وقت انسان اور جنات سب نے ملکر اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی، اس لیے ان کو دنیا میں بھیج دیا گیا تا کہ ان کو اپنے کرتوت کی سزا مل جائے، کیونکہ جنت میں وہ شیطان کے ساتھ تھے۔

۱۵۔ جنت میں شیطان نے اللہ تعالیٰ کے اقتدار کو چیلینج کیا تھا اسی وجہ سے جنت میں فساد ہوا۔

۱۶۔ دنیا میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن صرف قرآن پہنچانا تھا، تشریح کرنا نہیں تھا، تشریح کے لیے بعد میں رشاد خلیفہ کو بھیجا گیا۔

۱۷۔ یا جوج ماجوج کی قوم ۲۲۷۱ء میں نکلے گی۔

۱۸۔ حدیث تاریخ کا ماخذ ہے، لیکن اس کو دینی تعلیم کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہے۔

۱۹۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس وسیع زمین میں عارضی الہ بنایا۔

۲۰۔ نبی عیسیٰ کی وفات ہوگئی اور وہ دوبارہ نہیں آئیں گے۔

۲۱۔ کثرتِ ازدواج صرف اس وقت جائز ہے جب رشاد خلیفہ کی دی ہوئی تین شرائط پائی جائے۔

۲۲۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔

۲۳۔ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک گھڑی ہوئی بات ہے۔

۲۴۔ چوری کی سزا میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مسروقہ چیز کی قیمت دیدینا کافی ہے۔

۲۵۔ قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، فدیہ دیدینا کافی ہے۔

۲۶۔ زانی کو رجم نہیں کیا جائے گا، بلکہ صرف ۱۰۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن بگاڑنے والے کے خلاف جنگ لڑرہے تھے، یہ ایک وجہ ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنی۔

۲۸۔ ادنیٰ جنت دو ہیں، اور اعلیٰ جنت بھی دو ہیں، ایک مؤمنین کے لیے اور ایک جنات کے لیے۔

۲۹۔ جہنم اب موجود نہیں ہے، بلکہ اس کو قیامت کے دن بنایا جائے گا۔

۳۰۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو قرآن میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ، فرشتے، نبی محمد، اور رشاد خلیفہ مراد لیا ہے۔

۳۱۔ جنت اور جہنم کے علاوہ بھی ایک ایسی جگہ ہے جو نہ جنت ہے اور نہ جہنم۔

۳۲۔ قرآن کے مطابق مذہبِ اسلام میں تین انبیاء ہیں: ابراہیم علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور رشاد خلیفہ۔

۳۳۔ رشاد خلیفہ ۱۹۷۱ء کے حج کے ایام میں معراج میں گیا تھا اور تمام انبیاء سے ملاقات ہوئی۔

۳۴۔ جو رشاد خلیفہ کی نبوت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

۳۵۔ سود لینا جائز ہے جبکہ وہ بہت زیادہ نہ لے۔

۳۶۔ عورت کے لیے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

(ماخوذ از انٹرنیٹ ویب سائٹ: islamicreed.wordpress.com)۔

رشاد خلیفہ کی جماعت کا حکم:

اگر اس جماعت کے یہی عقائد ہیں جو مذکور ہوئے، تو پھر رشاد خلیفہ اور اس کے ماننے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ایسے عقائد رکھنے والے اسلام سے خارج ہیں۔ احادیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں روایت ہے:

عن ثوبان رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...وأنه سيكون في أمتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي وأناْ خاتم النبيين لا نبي بعدي. (رواه أحمد في مسنده: ۵/ ۲۷۸).

قال ابن کثیرؒ: وقد أخبر اللّٰہ تبارک وتعالیٰ في کتابه و رسوله صلی اللّٰہ علیه وسلم فی السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعدي، لیعلموا أن کل من ادعی هذا المقام فهو کذاب وأفاک، دجال، ضال، مضل. (تفسیر ابن کثیر: ۵۴۳/۳).

و من ادعی النبوة، أوصدق من ادعاه، فقد ارتد؛ لأن مسیلمة لما ادعی النبوة فصدقه قومه صاروا بذلک مرتدین. و کذلک طلیحة الأسدي ومصدقوه، وقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تقوم الساعة حتی یخرج ثلاثون کذابون کلهم یزعم أنه رسول اللّٰہ. (المغنی لابن قدامة: ۱۰۳/۱۰، کتاب المرتد، فصل: حکم من ادعی النبوة، ط: دارالفکر بیروت).

و دعوی النبوة بعد نبینا صلی اللّٰہ علیه و سلم کفر بالإجماع. (شرح الفقه الأکبر، ص ۱۶۴، ط:قدیمی کتب خانه).

والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً فإن کان حراماً لغیره کمال الغیر لا یکفر وإن کان لعینه فإن کان دلیله قطعیاً کفر، وإلا فلا. (ردالمحتار: ۲۲۳/۴،سعید).

ولا یجوز للمرتد أن یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا کافرة أصلیة وکذلک لا یجوز نکاح المرتدة مع أحد. (الفتاوی الهندیة: ۲۸۲/۱).

المجمع الفقه الإسلامی کا فیصلہ: چوتھا فیصلہ رشاد خلیفہ کا کفر:

اجلاس میں رشاد خلیفہ امام مسجد توسان امریکہ سے متعلق فائل پرغور کیا گیا جس میں رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل کے نام اس کا خطاب بھی ہے، اور دیگر اس کے دعوے، تصرفات اور شائع شدہ چیزوں کا ذکر ہے، تحقیق کے بعد اجلاس کے سامنے یہ ثابت ہوگیا کہ رشاد نامی شخص نے بالکل جھوٹے دعوے کیے ہیں جن میں سے بعض دعوے یہ ہیں:

اول: قرآنِ کریم کی بعض آیات کا انکار۔

دوم: سنتِ نبوی شریف کا انکار۔

سوم: مسلمانوں کی نماز کے بارے میں مشرکین کی نماز ہونے کا دعویٰ۔

چہارم: رسالت کا دعویٰ۔

مذکورہ بالا دعووں میں سے ہر ایک دعویٰ اپنی جگہ پر اسلام سے خارج اور کافر قرار دیتا ہے، یہ تمام امور

اسلام کے بنیادی امور ہیں، لہٰذا المجمع طے کرتا ہے کہ رشاد خلیفہ نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے اس کی بنیاد پر وہ مرتد ہو چکا ہے، وہ اسلام سے خارج اور کافر ہے، مسلمان اس سے چوکنا اور اس کی خباثت سے ہوشیار رہیں، اس کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کریں، اس شخص کے پیچھے نماز باطل ہوگی، اور اس مرتد کے جھوٹے دعوے قادیانیوں اور بہائیوں جیسے دوسرے مرتدین ہی کے دعووں کا تسلسل ہے، جن کی تردید اور انکار پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور مسلم علماء ان کی تردید میں تفصیل کے ساتھ جو جوابات لکھتے رہے ہیں وہی اس مجرم مرتد کے جھوٹے دعووں کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یریدون أن یطفئوا نور اللّٰہ بأفواھھم ویأبی اللّٰہ إلا أن یتم نورہ ولو کرہ الکافرون“ [التوبۃ: ۳۲] اس فیصلے پر مجلس المجمع الفقہی کے رئیس، نائب رئیس اور ۱۵ ممبران حضرات کے دستخط ثبت ہیں۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ترتیب از قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ، ص۲۲۴۔۲۲۵، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیہ، کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا دل کفر سے پاک، صاف نہیں ہوا تھا:

سوال: امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیتِ کریمہ ﴿فقاتلوا ائمۃ الکفر﴾ کے تحت لکھا ہے: قولہ: فقاتلوا ائمۃ الکفر، روی ابن عباس ومجاھد أنھم رؤساء قریش و قال قتادۃ: أبوجھل و أمیۃ بن خلف و عتبۃ بن ربیعۃ و سھیل بن عمرو و ھم الذین ھموا بإخراجہ، قال أبوبکر: ولم یختلف في أن سورۃ براءۃ نزلت بعد فتح مکۃ وأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم بعث بھا مع علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ لیقرأھا علی الناس في سنۃ تسع وھی السنۃ التي حج فیھا أبوبکر وقد کان أبوجھل وأمیۃ بن خلف وعتبۃ بن ربیعۃ قد کانوا قتلوا یوم بدر ولم یکن بقي من رؤساء قریش أحد یظھر الکفر في وقت نزول براءۃ وھذا یدل علی أن روایۃ من روی ذلک في رؤساء قریش وھم، اللّٰھم إلا أن یکون المراد قوماً من قریش قد کانوا أظھروا الإسلام وھم الطلقاء من نحو أبي سفیان وأحزابہ ممن لم ینق قلبہ من الکفر فیکون مراد الآیۃ ھولاء دون أھل العھد من المشرکین الذین لم یظھروا الإسلام وھم الذین کانوا ھموا بإخراج الرسول من مکۃ وبدرھم بالقتال والحرب بعد الھجرۃ و جائز أن یکون مرادہ ھولاء الذین ذکرنا و سائر رؤساء العرب الذین کانوا

معاضدين لقريش على حرب النبي صلى الله عليه وسلم وقتال المسلمين فأمر الله تعالىٰ بقتالهم وقتلهم إن هم نكثوا أيمانهم وطعنوا في دين المسلمين . (احكام القرآن : ۸۶/۳).

اس تحریر میں امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا دل کفر سے پاک صاف نہیں ہوا تھا، ان کی یہ تحریر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے، نیز اس میں وہ منفرد نہیں بلکہ تقریباً ۱۵ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ابوسفیانؓ اور دیگر روٴساء کفر کے بارے میں نازل ہوئی، جن میں علامہ آلوسیؒ، ابن جوزیؒ، ابن حاتم رازیؒ، علامہ سیوطیؒ وغیرہ شامل ہیں، لیکن اس قول کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ یہ آیتِ کریمہ ایک قول کے مطابق غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور اسلام پر جانثار وفداکار ثابت ہوئے، اسلام میں ان کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں، جن کا تذکرہ ماقبل میں گزرا۔ لہذا یہ بات ناقابل قبول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی جب مشرکین کی طرف سے عہد شکنی ہوئی تھی، تو اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوگئے تو کوئی اشکال کی بات ہی نہیں۔ ملاحظہ ہو درجِ ذیل تفسیروں میں یہ بات مرقوم ہے:

(الدر المنثور: ۱۳۵/۴، ۱۳۶، وتفسير ابن أبي حاتم: ۱۷۶۱/۶، وتفسير الطبرى: ۱۵۴/۱۴، وتفسير الخازن: ۳۳۸/۲، وتفسير المظهرى: ۱۴۳/۴، وروح المعانى: ۵۹/۱۰، وزاد المسير: ۲۴۰/۲، وفتح القدير: ۳۸۸/۲، ومختصر تفسير البغوى، ص ۱۷/۴، والكشف والبيان: ۱۶/۵، والسراج المنير: ۵۹۲/۱، وتفسير السمعانى: ۲۹۲/۲، وتفسير الصنعانى، وتفسير المنار: ۱۷۳/۱۰).

البتہ تفسیر المنار میں اس کا جواب یہ دیا ہے: وذلك من الغفلة بمكان لأن السورة نزلت بعد غزوة تبوك وبعد فتح مكة وفي اثنائه أسلم أبو سفيان رضی اللہ عنہ. (تفسير المنار: ۱۷۳/۱۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا امام ابوبکر جصاص رازیؒ معتزلی تھے؟

سوال: کیا امام ابوبکر جصاصؒ معتزلی تھے، بعض حضرات سے سنا ہے کہ وہ معتزلی حنفی تھے کیا یہ بات صحیح

ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام ابوبکر جصاص رازی فقہ حنفی میں علامہ اور مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں، اور متقدمین فقہاء واصولیین میں سے ہیں، ان کی تفسیر احکام القرآن اکابر علماء کی نظر میں بہت معتبر سمجھی جاتی ہے، ہاں بعض مسائل میں وہ مذہبِ اعتزال کی طرف مائل تھے، جیسا کہ درجِ ذیل حوالہ جات سے پتا چلتا ہے، اس میں بعض نے توقیل سے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حافظ شمس الدین ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

أبوبکر الرازی ؛ الإمام ، العلامة ، المفتی، المجتهد، عالم العراق ، أبوبکر، أحمد بن علی الرازی الحنفی، صاحب التصانیف،...عرض علیه قضاء القضاة فامتنع منه ...وقیل : کان یمیل إلی الاعتزال، وفی توالیفه ما یدل علی ذلک في رؤیة الله وغیرها، نسأل الله السلامة . (سیر أعلام النبلاء:۱۶/۳۴۰، مؤسسة الرسالة).

دکتور محمد حسین الذہبی التفسیر والمفسرون میں لکھتے ہیں:

تأثر الجصاص بمذهب المعتزلة : کذلک نجد الجصاص یمیل إلی عقیدة المعتزلة ویتأثر بها في تفسیره ، فمثلاً عند ما تعرض لقوله تعالیٰ فی الآیة [۱۰۲] من سورة البقرة : ﴿واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان﴾...الآیة ، نجده یذکر حقیقة السحرو یقول: إنه متی أطلق فهو اسم لکل أمر هو باطل لا حقیقة له ولا ثبات ، کما ینکر حدیث البخاري في سحر رسول الله صلی الله علیه وسلم، ویقر أنه من وضع الملاحدة .

ومثلاً : عند ما تعرض لقوله تعالیٰ فی الآیة [۱۰۳] من سورة الأنعام : ﴿لا تدرکه الأبصار﴾...الآیة ، نجده یقول: معناه لا تراه الأبصار، وهذا تمدح بنفی رؤیة الأبصار کقوله تعالیٰ فی الآیة [۲۵۵] من سورة البقرة : ﴿ لا تأخذه سنة ولا نوم ﴾ وما تمدح الله بنفیه عن نفسه فإن إثبات ضده ذم ونقص ، فغیر جائز إثبات نقیضه بحال...فلما تمدح بنفی رؤیة البصر عنه لم یجز إثبات ضده ونقیضه بحال، إذ کان فیه إثبات صفة نقص، ولا یجوز أن یکون مخصوصاً بقوله تعالیٰ فی الآیتین [۲۲،۲۳] من سورة القیامة : ﴿ وجوه یومئذ ناضرة ، إلی ربها ناظرة ﴾ ؛ لأن النظر محتمل لمعان : منها انتظار الثواب ، کما روی عن جماعة من السلف ، لما کان ذلک محتملاً للتأویل لم یجز الاعتراض به علی مالایساغ

للتأويل فيه ، والأخبار المروية فى الرؤية إنما المراد بها العلم لوصحت، وهو علم الضرورة الذى لا تشوبه شبهة ، ولا تعرض فيه الشكوك ، لأن الرؤية بمعنى العلم مشهورة فى اللغة. (التفسير والمفسرون: ۲/ ۴۴۱).

دوسری جگہ امام جصاص کی تعریف کی ہے: **وعلى الجملة فقد كان الجصاص من خيرة العلماء الأعلام ، وإليه يرجع كثير من الفضل فى تدعيم مذهب الحنفية على البراهين والأدلة . هذا وقد ذكره المنصور بالله في طبقات المعتزلة .** (۲/ ۴۴۰).

نیز دکتور محمد حسین الذہبی کی بات بھی زیادہ وزنی نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے امام جصاصؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو باغی جماعت میں شامل کیا۔ ملاحظہ ہوالتفسیر والمفسرون میں ہے: **كما أننا نلاحظ على الجصاص أنه تبدو منه البغضاء لمعاوية رضي الله عنه ويتأثر في ذلك في تفسيره ... و في سورة الحجرات عند قوله تعالىٰ فى الآية : وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا ... الآية ، نجده يجعل علياً رضي الله عنه هو المحق في قتاله أما معاوية رضي الله عنه ومن معه فهم الفئة الباغية ، وكذلك كل من خرج على علي رضي الله عنه .** (التفسير والمفسرون: ۲/ ۴۴۳).

جبکہ امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں صراحةً کہیں ایسی بات لکھی ہو ہمیں نہیں ملی۔ علاوہ ازیں کتبِ تراجم وطبقات میں سے کسی کتاب میں ان کے بارے میں معتزلی ہونا مرقوم نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بروزِ جمعہ ناخن کاٹنے اور صفائی کرنے کا حکم:

سوال: لوگوں کی عادت ہے کہ جمعہ کے دن ناخن، مونچھ، زیر بغل اور زیر ناف وغیرہ کی صفائی کرتے ہیں کیا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ نیز یہ صفائی قبل الجمعہ ہے یا بعد الجمعہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بروزِ جمعہ نمازِ جمعہ سے پہلے ناخن کاٹنا اور زائد بالوں کو صاف کرنا وغیرہ مستحب اور بہتر ہے، متعدد مرفوع وموقوف روایات سے ثابت ہے، اگر چہ ان میں بعض ضعیف بھی ہیں، نیز فقہاء نے بھی جمعہ کے دن ناخن کاٹنے اور صفائی کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ **مرفوع روایات ملاحظہ کیجیے:**

۱۔ **عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقلم أظفاره، ويقص شاربه ، يوم الجمعة ، قبل أن يروح إلى الصلاة .** (اخرجه الطبرانی فی الاوسط : ۱/ ۴۶۶، والبیهقی

فی شعب الایمان :۴/۲۷۴/۲۵۰۸،وقال فی هذا الاسنادمن یجهل ، وقال محشیه : اسناده ضعیف).

وقال الهيثمي: رواه البزاروالطبراني فى الأوسط وفيه إبراهيم بن قدامة ، قال البزار: ليس بحجة إذا تفرد بحديث وقد تفرد بهذا ، قلت: ذكره ابن حبان فى الثقات. (مجمع الزوائد:۲/۱۷۰).

وللمزيد راجع: (مسندالبزار: ۱/۲۹۹/۶۲۳،واخلاق النبی لابی الشیخ ، رقم:۲۷۷،وفتح الباری لابن رجب الحنبلی :۳/۳۵۹،والاستیعاب فی معرفة الاصحاب :۳/۹۵۴/۱۶۱۴).

۲۔ أخرج أبونعيم الأصبهاني في" أخبار أصبهان" (۹۰۹): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: من قلم أظافيره يوم الجمعة قبل الصلاة أخرج اللّٰه منه كل داء ، وأدخل مكانه الشفاء والرحمة . وفيه طلحة بن عمرو وهو ضعيف . (راجع : تهذیب الکمال مع الحاشیة:۱۳/۴۲۷.۴۳۰).

۳۔ عن عبد اللّٰه بن عمرو، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأخذ أظفاره وشاربه كل جمعة . (رواه البغوی فی شرح السنة :۱۲/۱۱۳/۳۱۹۷).

قال الشيخ شعيب وزهيرالشاويش في تعليقه: محمد بن سليمان المسمولى ضعيف كشيخه.

وأيضاً أخرجه أبوالشيخ الأصبهاني في أخلاق النبي صلى اللّٰه عليه وسلم (ص ۳۶۱، رقم:۷۵۷).

۴۔ عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قلم أظفاره يوم الجمعة وقي من السوء إلى مثلها. أخرجه الطبراني فى الأوسط (رقم :۶۲۴۷) وقال: لم يرو هذا الحديث عن أيوب إلا يزيد بن زريع ولا عن يزيد بن زريع إلا العلاء بن هلال تفرد به فرخويه . قال الهيثمي: وفيه أحمد بن ثاقب ويلقب فرخويه وهو ضعيف .

(مجمع الزوائد : ۲/ ۳۸۴،باب الاخذ من الشعر والظفر یوم الجمعة).

اوربھی چندروایات ہیں لیکن حافظ ابن حجرؒ اورابن عدیؒ وغیرہ حضرات نے فرمایا کہ مناکیر ہیں ان میں سےکوئی بھی صحیح نہیں۔ راجع: (فتح الباری :۱۰/۳۴۶،والکامل فی ضعفاء الرجال: ۱/۲۶۱،وفتح الباری

لابن رجب :۳۵۹/۵).

موقوف روایات اورآثار ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه كان يقلم أظفاره ويقص شاربه في كل جمعة . (أخرجه البيهقى فى السنن الكبرى:۲۴۴/۳، وفى معرفة السنن والآثار:۵۲۶/۲، والبغوى فى شرح السنة:۱۱۴/۱۲). وإسناده صحيح .

۲۔ عن ابن حميد بن عبدالرحمن عن أبيه أنه قال فيمن قلم أظفاره يوم الجمعة ؛ أخرج الله منها الداء ، وأدخل فيها الشفاء . (مصنف ابن ابى شيبة :۱۸۰/۴) وإسناده صحيح .

۳۔ التقليم يوم الجمعة يدخل الشفاء ويخرج الداء والوضوء قبل الطعام وبعده يجلب اليسر وينفى الفقر . (أبوالشيخ عن ابن عباس ، و جامع الأحاديث للسيوطى: ۴۰۷/۱۱).

۴۔ عن معاوية بن قرة قال: كان لي عَمّان قد شهدا الشجرة يأخذان من شواربهما وأظفارهما كل جمعة . (السنن الكبرى للبيهقى :۲۴۴/۳، وشرح السنة :۱۱۴/۱۲).

۵۔ عن عمران بن أبى عطاء ، قال: رأيت ابن الحنفية ، ينقي أظفاره في كل جمعة . (مصنف ابن ابى شيبة :۱۸۰/۴).

۶۔ عن إبراهيم قال: ينقى الرجل أظفاره في كل جمعة . (مصنف ابن ابى شيبة :۱۷۹/۴).

۷۔ قال مكحول: من قص شاربه وأظفاره يوم الجمعة لم يمت من الماء الأصفر . (فتح البارى لابن رجب :۵۶۰/۵).

البتہ ناخن یازائد بال وغیرہ بڑھ جائے تو جمعہ تک انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ مستحب یہی ہے کہ فوراً صفائی کرلی جائے۔ملاحظہ ہوالہدیۃ العلائیہ میں محمد علاء الدین لکھتے ہیں:

يستحب قلم أظافيره متى طالت، والأفضل يوم الجمعة إلا إذا طالت فلا ينتظره . (الهدية العلائية،ص ۲۱۰).

فتح الباری میں ابن حجر لکھتے ہیں:

قال القرطبي فى المفهم ذكر الأربعين تحديد لأكثر المدة ولا يمنع تفقد ذلك من الجمعة إلى الجمعة والضابط في ذلك الاحتياج وكذا قال النووي: المختار أن ذلك كله

يضبط بالحاجة وقال في شرح المهذب: ينبغي أن يختلف ذلك باختلاف الأحوال والأشخاص والضابط الحاجة في هذا وفي جميع الخصال المذكورة ، قلت: لكن لا يمنع من التفقد يوم الجمعة فإن المبالغة فى التنظيف فيه مشروع . (فتح البارى : ۱۰/ ۳۴۶).

قال السيوطي: وبالجملة فأرجحها دليلاً ونقلاً يوم الجمعة ، والأخبار الواردة فيه ليست بواهية جداً بل فيها متمسك ، خصوصاً الأول، وقد اعتضد بشواهده مع أن الضعيف يعمل به في فضائل الأعمال. (شرح الزرقانى على المؤطا: ۴/ ۲۸۴).

فقہاء کی عبارات سے بھی پتا چلتا ہے کہ جمعہ کے دن صفائی مستحب اور بہتر ہے:

قال فى الدرالمختار : ويستحب قلم أظافيره يوم الجمعة . (الدرالمختار: ۶/ ۴۰۵،سعيد).

وقال في حاشية الطحطاوي: وفي استحسان القهستاني عن الزاهدي: يستحب أن يقلم أظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه في كل أسبوع مرة و يوم الجمعة أفضل. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۵۲۴، ط: قديمى كتب خانه).

وقال فى الهندية: الأفضل أن يقلم أظفاره ويحفى شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة فإن لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً ولا يعذر في تركه وراء الأربعين فالأسبوع هو الأفضل والخمسة عشر الأوسط والأربعون الأبعد ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد كذا فى القنية . (الفتاوى الهندية:۵/ ۳۵۸).

(وكذا فى المحيط البرهانى : ۶/ ۱۲۰،وتكملة البحرالرائق:۸/ ۲۰۴،والفتاوى الولوالجية : ۱/ ۱۴۱، والعقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۱۹، وفتاویٰ رحيميه: ۵/ ۴۳۷).

پھر جمعہ کے دن نمازِ جمعہ سے پہلے صفائی مستحب اور بہتر ہے، یہی راجح اور اصح ہے:

قال فى التاتارخانية ؛ الولوالجية : ويستحب لمن حضر الجمعة أن يمس طيباً إن وجده ويلبس أحسن ثيابه ، وإن اغتسل فهو أفضل، وفي جامع الجوامع: ويقص الشارب ويقلم الأظافير . (الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۸۰).

امدادالفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سوال: ناخن کٹوانا، حجامتِ خط بنوانا وغیرہ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد افضل لکھا ہے، اور بہشتی گوہر میں قبل

جمعہ بہتر لکھا گیا ہے۔ جواب: شامیؒ نے بعد الجمعہ کے قول پر اعتراض کیا ہے، وهو مخالف لما نذكره قريباً في الحديث، پھر آگے حدیث بیہقی کی نقل کی ہے جس میں قبل أن يروح إلى الصلاة مصرح ہے، پس ترجیح قبل الجمعہ کو ہوئی۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۲۹۔ ۲۳۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکافل شرعی یا امدادِ باہمی کا حکم اور انشورنس اور تکافل کے درمیان فرق:

سوال: غیر شرعی بیمہ اور انشورنس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے مقابلے میں مفتیانِ کرام اور علمائے عظام نے تکافل اسلامی یا مواساۃِ اسلامیہ کے نام سے ایک نظام بنایا ہے، اس کی حقیقت کا خلاصہ کیا ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: غیر شرعی بیمہ کی حقیقت چاہے وہ لائف انشورنس کی شکل میں ہو یا جنرل انشورنس ایک ہی ہے، اور یہ ناجائز ہے، مختصراً اس کی حقیقت یہ ہے کہ حوادثات کا خطرہ رکھنے والا شخص جسے اصطلاح میں بیمہ ہولڈر کہتے ہیں کسی بیمہ کمپنی کے پاس جا کر یہ کہتا ہے کہ میں فلاں فیکٹری میں مشین پر کام کرتا ہوں اور مجھے ہر وقت حادثہ کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں مشین پر کام کرتے کرتے میری جان نہ چلی جائے یا میرا کوئی عضو نہ کٹ جائے جس کی وجہ سے میں بیکار ہو جاؤں، اور پھر میرے بیوی بچوں کی دیکھ بھال اور ان کا خرچہ سنبھالنے والا کوئی نہ ہو، اس لیے میں اپنی زندگی یا اپنے اعضا کا بیمہ کرانا چاہتا ہوں؛ تاکہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش آجائے تو کم از کم میرے پاس ایک آسرا باقی ہو۔ یہ مثال تو لائف انشورنس یا جانی بیمہ کی تھی۔

مالی بیمہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً: ٹیکسی چلاتا ہے اور اس کے پاس کوئی اور آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، اب اس کو یہ فکر ہے کہ اگر کبھی کسی حادثہ میں ٹیکسی تباہ ہوگئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی اور میں بے سہارا رہ جاؤں گا، اب وہ بیمہ کمپنی کے پاس آ کر یہ کہتا ہے کہ اگر میں کسی حادثہ کا شکار ہو جاؤں تو مجھے ایسا تعاون مل جائے جس سے میری اور میرے بیوی بچوں کی زندگی چل سکے اور اس کے لیے جو معاوضہ تم کو دینا ہو میں ابھی دے دیتا ہوں۔

اب کمپنی اپنے خاص حساب کتاب کے تحت اس کو کہتی ہے کہ فلاں بیمہ کے لیے ماہانہ پانچ ہزار رینڈ دینے ہوں گے اور حادثہ کی صورت میں ہم تمہیں فلاں بیمہ کے بدلے میں ایک لاکھ اور فلاں بیمہ کے بدلے میں پچاس ہزار رینڈ دیں گے، واضح رہے کہ جتنے لوگ کمپنی میں حصہ لیتے ہیں اور کمپنی کو پیسے دیتے ہیں اتنے لوگوں پر

حوادثات پیش نہیں آتے، اس لیے بعض نقصانوں کو پورا کرنے کے بعد بھی مجموعی طور پر کمپنی کے پاس بے شمار لوگوں کے پیسے رہ جاتے ہیں جسے کمپنی اپنا نفع شمار کرتی ہے اور یہی کمپنیوں کے نفع کا راز ہے۔

مروجہ بیمہ کمپنیوں کی خرابیاں شرعی نقطہ نظر سے:

۱۔ اس میں سود پایا جاتا ہے، وہ اس لیے کہ اگر کوئی حادثہ کا شکار ہو جائے تو اس کو ادا کردہ رقم سے بہت زیادہ رقم ملتی ہے، اور یہ سود ہے، کیونکہ سود اسی کو کہا جاتا ہے کہ معاوضہ دیتے وقت ایک عاقد حاصل شدہ سے زیادہ ادا کرے، ہدایہ میں مرقوم ہے: ''**الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه**''. (الهداية: ۷۸/۳).

۲۔ اس میں قمار پایا جاتا ہے: وہ اس طرح کہ دونوں فریق اپنے مال کے ڈوب جانے کے خطرے میں رہتے ہیں؛ کیونکہ اگر حادثہ پیش نہیں آیا تو بیمہ کرانے والے کا مال ضائع ہو جائے گا، اور اگر حادثہ پیش آیا تو کمپنی کا نقصان ہو جائے گا؛ کیونکہ کمپنی کو جو اس آدمی سے ملا ہے وہ اس مال سے بہت کم ہے جو اس کو ادا کرنا پڑے گا، اور بعینہٖ اسی کو قمار کہتے ہیں: **لأن القمار هو تعليق ملك على الخطر والمال من جانبين.** (معجم لغات الفقهاء، ص ۳۶۹).

۳۔ ایک اور خرابی یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا شخص سود کی لالچ میں آکر اپنی املاک جن کا اس نے انشورنس کرایا ہے خود ہلاک کر کے پیسہ حاصل کر لیتا ہے۔

اس کے بالمقابل علمائے کرام نے تکافل اسلامی کے نام سے ایک نظام بنایا جس میں سود اور قمار جیسی لعنتوں سے چھٹکارا ہے۔

تکافل اسلامی کی ضرورت:

اس رواں دواں زندگی میں انسان مشکلات کا سامنا کرتا ہی رہتا ہے، عام طور پر چھوٹی چھوٹی رکاوٹوں سے تو وہ کسی طرح نجات پالیتا ہے، لیکن کبھی بڑے بڑے ناگہانی حادثات کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے، اور کبھی آدمی اتنا تہی دامن ہوتا ہے کہ اپنی سالوں کی محنت کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھ کر زندگی سے مایوس ہونے لگتا ہے، ایسے حالات میں مصیبت زدہ پر رحم کھانا انسانی فطرت نیز عقل وشرع کا بھی تقاضا ہے، شریعتِ اسلامیہ میں اس کی تاکید اور فضائل کے بیان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے، اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ حادثہ کے شکار لوگوں کے تعاون اور جبر نقصان کے لیے کبھی عام طور پر یا کبھی کسی خاص علاقہ یا خاص پیشے کے لوگ آپس میں مل کر ایک امدادی فنڈ

قائم کر کے مصیبت زدہ کا تعاون کرتے ہیں، لیکن یہ امداد وتعاون عموماً حادثہ پیش آنے کے بعد ہی ہوتا ہے، مگر اس میں مطالبہ کا حق نہ رہنے کی وجہ سے مصیبت زدہ کو شرم کے ساتھ لینا پڑتا ہے، نیز وہ باضابطہ اور یقینی نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی کبھی مصیبت زدہ کو مانگنا پڑتا ہے، اور کبھی تو مانگنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا، بہر حال مصیبت زدہ کو ان سب باتوں سے بچانے کے لیے امداد باہمی کی ایک احسن صورت نکالی جاسکتی ہے کہ خطرہ کا اندیشہ رکھنے والے لوگ آپس میں مل کر اپنے اپنے چندوں کے ذریعہ ایک امدادی فنڈ پہلے ہی قائم کرلیں، پھر فنڈ تیار کرنے والے ممبروں میں جو کوئی حادثہ کا شکار ہو جائے تو اس کی مدد قاعدے کے مطابق فنڈ میں سے کی جائے، اس صورت میں چونکہ فنڈ پہلے ہی سے قائم ہوگا اس لیے مصیبت زدہ کو ایک طرح کا اطمینان ویقین رہے گا پھر چونکہ یہ فنڈ اپنے نجی چندوں سے تیار کیا گیا ہے اور کسی خاص ممبر کی ملکیت باقی نہیں ہے، لہذا حادثہ کے بعد اس فنڈ سے امداد کا مطالبہ کرنے اور امداد حاصل کرنے میں نہ مانگنے والے کے مشابہ ہوگا اور نہ ہی شرم کی بات ہوگی، یہ فنڈ گویا ایک چھوٹا سا بیت المال ہوگا جس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوگی اور قاعدے کے مطابق مختلف قسم کے لوگوں کو امداد کے مطالبہ کا حق رہے گا۔

امدادی فنڈ قائم کرنے کی شرعی نظیر:

خطرے سے پہلے اس طرح کے امدادی فنڈ قائم کر کے اطمینان حاصل کرنے کا تصور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا، صحیحین کی ایک حدیث ہے:

عن أبي بردة عن أبي موسى قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد، ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم". (صحيح البخاري، رقم: ۲۴۸۶، باب الشركة في الطعام).

یعنی جب جنگ وقتال میں اشعری لوگوں کا سامان ختم ہو جاتا ہے یا اپنے شہر میں رہتے ہوئے کھانے کی کمی محسوس ہوتی ہے تو ہر ایک کے پاس جو کھانا یا سامان ہوتا ہے اس کو ایک کپڑے میں اکھٹا کر لیتے ہیں، پھر ایک برتن کے ذریعہ آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں، سو یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے: **عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أنه قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثاً قبل الساحل فأمر عليهم أباعبيدة بن الجراح**

وهم ثلاث مائة وأنا فيهم فخرجنا حتى إذا كنا ببعض الطريق فني الزاد فأمر أبوعبيدة بأزواد ذلك الجيش فجمع ذلك كله فكان مزودي تمر فكان يقوتنا كل يوم قليلاً قليلاً حتى فني فلم يكن يصيبنا إلا تمرة تمرة . (صحيح البخاري ، رقم: ۲۴۸۳ ،باب الشركة في الطعام).

امام بخاریؒ نے اس نوع کے چند واقعات اپنی صحیح میں ذکر کیے ہیں، ان سب واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل اس وقت کیا جب مجاہدین یا قبیلہ میں سامان کی کمی تھی اور ہر ایک کے پاس سامانِ ضرورت موجود نہیں تھا، بلکہ بعض کے پاس تھا اور بعض کے پاس نہیں تھا، چنانچہ جب یہ اندیشہ ہوا کہ جن کے پاس ضرورت سے کم سامان ہے ان کا سامان ختم ہونے پر مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے، اور جن کے پاس زیادہ سامان ہے ان کو خبر بھی نہ ہوگی: کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مشقت میں پڑے ہوئے ساتھی سوال کی ذلتی سے بچنے کے لیے اپنی حالت دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کریں، اور پھر اگر ان کو کسی طرح اطلاع مل بھی گئی تب بھی یہ خطرہ باقی ہے کہ اس وقت اس کا حل منظّم طریقے سے نہ ہوسکے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زیادہ سامان رکھنے والے ساتھی اس سے پہلے ہی سے وسعت کے ساتھ خرچ کر کے اپنا سامان کافی تعداد میں ختم کر چکے ہوں گے، اس لیے اگر پہلے سے انتظام کرلیا جاتا تو سامان والے بقدر کفاف خرچ کرتے اور مابقیہ سے بے سروسامان لوگوں کی مدد کرسکتے تھے؛ چنانچہ مذکورہ واقعات میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا گیا اور خطرہ واقع ہونے سے پہلے ہی سب کا سامان اکھٹا کرلیا گیا، پھر سب میں برابر تقسیم کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں بے سامان یا کم سامان والوں کا خطرہ زائل ہو گیا اور راحت ومشقت میں سب یکساں شریک ہوگئے، اور بعض کے مصیبت میں وقت گزارنے اور بعض کے چین و سکون سے رہنے کی مذموم حالت پیش نہ آتی۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ پیش کردہ امدادی فنڈ کے من وعن مشابہ نہیں ہے بلکہ صرف تائید کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس کی ایک اور مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ملتی ہے، کہ انہوں نے قحط سالی سے پہلے ملک کی پیداوار کو جمع کیا اور حسبِ ضرورت تقسیم فرمایا جس سے لوگ ہلاکت کے خطرے سے بچ گئے، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت سے لوگ اس قحط سالی میں ہلاک ہوجاتے جبکہ دوسرے بعض افراد عیش وعشرت میں زندگی بسر کرتے جو کہ عقل وشرع میں مذموم ہے۔

بہرحال شریعتِ غرا کے مذکورہ بالا نظریہ کو سامنے رکھ کر اگر حادثہ کا خطرہ رکھنے والے لوگ آپس میں مل کر حادثہ پیش آنے سے پہلے ہی مشترکہ چندہ سے کوئی امدادی فنڈ تیار کرلیں، پھر حادثہ واقع ہونے کے بعد مصیبت

زدہ ممبر کو حسبِ ضابطہ امداد فراہم کرلیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کام اور انتظام شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ناجائز نہ ہوگا، بلکہ یہ ایک مستحسن کام و نظام شمار کیا جائے گا، پھر جب اس کے ذریعے سے لوگ مغربی بیمہ کے سود و قمار کی لعنت سے بھی بچ جائیں گے، تو اس کا حسن اور بھی بڑھ جائے گا اور اس کے جواز و استحسان میں کسی کو کوئی کلام باقی نہیں رہے گا۔

مواساتِ اسلامی کے چند تدریجی اقدامات:

یوں فرض کرلیا جائے کہ ایک ہزار بسیں چلانے والے اکھٹے ہوگئے اور سب نے خطرات کے پیشِ نظر مل کر ایک فنڈ قائم کیا، سب سے پہلے تو یہ اندازہ لگایا کہ سال میں عموماً کتنی گاڑیاں حادثات کا شکار ہوتی ہیں، چنانچہ یہ اندازہ لگایا گیا کہ سال میں تقریباً دو گاڑیاں حادثہ کا شکار ہوتی ہیں، اور دو گاڑیوں میں سے ہر ایک کی قیمت اگر بیس لاکھ روپے ہوں تو دو کی قیمت چالیس لاکھ ہوگی، لہذا تنظیم قائم کرنے سے پہلے ان کو چالیس لاکھ جمع کرنے ہوں گے، اور اس کے علاوہ باقی خرچ آفس، عملے وغیرہ کے لیے مزید کچھ رقم جمع کرنی ہوگی، نیز جو حساب حادثہ کا لگایا گیا ہے وہ کم یا زیادہ ہوسکتا ہے لہذا مثلاً پچاس لاکھ جمع کرنا طے پایا، اب ہزار آدمیوں پر پچاس لاکھ تقسیم ہوئے تو ہر ایک کے ذمہ پانچ ہزار آئے، اس کو جمع کرکے فنڈ بنالیا گیا، اور اتنی تھوڑی مقدار کا چندہ دینے میں عام طور سے کسی کو دقت نہیں ہوگی خصوصاً جبکہ اس کا فائدہ انہیں کو پہنچ رہا ہے، چنانچہ شرکاء میں سے جب کوئی حادثہ کا شکار ہوگا اس کو اس تبرع فنڈ سے جبرِ نقصان کرکے دے دیا جائیگا، اور حوادث کا سامنا کرنے کا اندیشہ ہر ایک کو ضرور ہے، لہذا یہ تھوڑا سا مال دینے کے لیے وہ کیوں تیار نہ ہوگا۔

لیکن اس تنظیم کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مزید چند امور انجام دینے ہوں گے، تبرع فنڈ کی حفاظت، تنظیم کے ممبروں میں جو بھی نقصان کا شکار ہوگا اس کے ساتھ تنظیم کی جانب سے رابطہ رکھنا، ان کاموں کی انجام دہی کے لیے ایک آفس کا قیام، اور آفس سنبھالنے کے لیے ضروری عملہ۔ اب ظاہر ہے کہ تبرع فنڈ کی مقدار محدود ہے اور یہ سب خرچے برداشت کرنے کے بعد کچھ ہی دنوں بعد یہ فنڈ خالی ہو جائے گا اس لیے ہوشیاری کا کام یہ ہوگا کہ اس کو کسی حلال تجارت میں لگایا جائے، جس سے ملازمین کو تنخواہ بھی ملتی رہے گی اور جو منافع باقی رہے وہ اصل فنڈ میں جمع ہوکر اس کو مضبوط کرتے رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو تجارت میں کس طرح لگائیں؟ ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ آفس کے عملے میں سے ہی کسی کو یہ کام سپرد کیا جائے، کہ ایک طرف وہ تکافل کے کام کی نگرانی کریں، دوسری طرف تجارت

کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دیانت دار ہوشیار آدمی کے پاس اس فنڈ کے پیسے کو مضاربہ یا مشارکہ کے طور پر اس طرح حوالہ کیا جائے کہ اس کے منافع کا ایک حصہ اس کو ملے اور باقی فنڈ کو ملے اور اگر نقصان ہو جائے تو فنڈ اس کو برداشت کرے گا۔ چنانچہ کوئی ایسا آدمی ڈھونڈا جائے جو دیانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت میں بھی ماہر ہو اور آفس کی نگرانی کے لیے بھی تیار ہو، چنانچہ وہ تجارت کر کے نفع کمائے اور باقی فنڈ میں ڈال دے اور ساتھ ساتھ فنڈ کا نظام بھی چلائے۔ اور اسی صورت میں اگر شرکائے تامین اسلامی کاروبار کی تقویت کے لیے، فنڈ کے علاوہ اس شخص کو اپنی طرف سے بھی کچھ سرمایہ بہ طور مضاربت دے دیں جس کا نفع وہ آپس میں تقسیم کریں، اور اس میں انہیں سب کا نفع نظر آتا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

مواساتِ اسلامیہ کی غیر شرعی بیمہ پر فوقیت اور دونوں کے مابین فرق:

مغربی طرز کی بیمہ کمپنیوں میں پریمیم یا قسط کا جو پیسہ بیمہ کرانے والا جمع کرتا ہے، کمپنی اس کی مالک بن جاتی ہے (یعنی کمپنی قائم کرنے والے افراد) اور کمپنی اس کو اپنا نفع شمار کرتی ہے، پھر جب قسط جمع کرنے والا حادثہ میں واقع ہوتا ہے اور کمپنی کو جبر نقصان کرنا پڑتا ہے تو وہ یہی سمجھتی ہے کہ وہ اپنے مال سے جبر نقصان کر رہی ہے اور اس کو اپنا نقصان شمار کرتی ہے، اس لیے مغربی بیمہ کمپنیاں ہمیشہ اسی کوشش میں رہتی ہیں کہ کسی طرح حادثہ کے شکار لوگوں کو ان کے مطالبہ سے محروم کیا جا سکے، اور جبر نقصان نہ دینا پڑے؛ کیونکہ جتنا کم جبر نقصان دینا پڑے گا اتنا ہی کمپنی کا نفع ہوگا، اسی لیے دن بدن ایسی کمپنیاں اپنی شرائط وقیود میں اضافہ کرتی رہتی ہیں اور اپنے طریقہ کار کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بناتی رہتی ہیں، اس کے برعکس اسلامی تامین کے قیام کا اصل مقصد ہی مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا ہے اور یہ مدد اس امدادی فنڈ سے ہوگی جو کمپنی کی ملکیت میں ہے ہی نہیں، لہذا کمپنی کبھی بھی اس کے حبس کرنے کی کوشش نہیں کرے گی کیونکہ اس میں ان کا فائدہ نہیں ہے اور خوب دل کھول کر مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرے گی۔

مواساتِ اسلامیہ کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کمپنیوں کے پاس جو فنڈ موجود ہوں گے (امدادی اور تجارتی) ان دونوں میں سے کمپنی کسی کی بھی مالک نہیں ہوگی، کمپنیوں کے منافع صرف اور صرف دونوں فنڈ کی تجارت سے حاصل ہوں گے، اس لیے مواساتِ اسلامیہ کی کمپنیاں ہمیشہ کوشش کریں گی کہ اس پیسے کو زیادہ سے زیادہ سودمند تجارت میں لگایا جائے یا اس کے ذریعہ سے فیکٹریاں قائم کر کے نفع حاصل کیا جائے، کیونکہ اس کے

بغیران کوکوئی چارہ ہی نہیں ہے، لہذا اسلامی تامین کاایک بڑا سرمایہ جب تجارت یا فیکٹری کی شکل میں حرکت میں آئے گا تواس کا فائدہ چاروں طرف پھیل جائے گا، جس سے بیک وقت کمپنیاں، بیمہ ہولڈرز، اس تجارت سے منسلک عمل اور فنڈ منتفع ہوں گے، بخلاف مغربی طرز کی بیمہ کمپنی کے، کیونکہ ان کا نفع لوگوں کی جمع کی ہوئی قسطیں ہیں جن کے وہ مالک بن گئے ہیں اور ہروقت مصیبت زدہ لوگوں کومحروم کرکے اسے ہضم کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔

مواساتِ اسلامیہ کے پیش کردہ خاکے پر چند سطحی شبہات:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیرشرعی بیمہ میں اوراسلامی تامین میں نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق نظرنہیں آتا، کیونکہ وہاں زیادہ پیسہ وصول کیا جاتا ہے اس کوسود کہتے ہیں اور یہاں بھی زیادہ پیسہ وصول کیا جاتا ہے لیکن اس کو منافع کہتے ہیں، وہاں بھی حادثہ نہ ہونے کی صورت میں کچھ نہیں ملتا اور حادثہ ہونے کی صورت میں مصیبت زدہ اپنی رقم کے ساتھ دوسروں کی رقم بھی وصول کرتا ہے، بعینہ یہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی رقم لے لیتا ہے۔

سطحی نظر سے دیکھنے میں اگرچہ تامین اسلامی میں سوداور قمار کی مشابہت نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں اس میں نہ سود ہے نہ قمار، کیونکہ مذکورہ تعاونی فنڈ کی بنیاد اور حقیقت ہی الگ الگ ہے، سود میں رقم دے کر اجل کے عوض میں زائد لیا جاتا ہے، جبکہ تامین اسلامی میں کوئی کسی کو پیسہ نہیں دیتا بلکہ پیسہ چندہ کے طور پر چھوڑ دیتا ہے جس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ حادثہ کے بعد فنڈ تیار کرنے کے بجائے حادثہ سے پہلے ہی کرلیا جائے، نیز سود میں دینے والے کا مقصد منافع لینا ہوتا ہے، اور یہاں کوئی یہ نہیں چاہتا کہ وہ حادثے میں گر کر مشقت اٹھا کر فنڈ سے پیسہ وصول کرے بلکہ ہرایک چاہتا ہے کہ حادثہ پیش ہی نہ آئے، اس کی ہم ایک مثال دیتے ہیں؛ فقہاء کے نزدیک بیع الدرہم بالدرہم نسیئۃً سود اور حرام ہے، لیکن دراہم کو قرض پر دے کر دراہم وصول کرنا نسیئۃً سب کے نزدیک جائز ہے۔ حالانکہ نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں دراہم کا تبادلہ نسیئۃً پایا گیا، تو بعض علماء کے نزدیک قرض اس بیع الدراہم بالدراہم نسیئۃً سے مستثنیٰ ہے ضرورت کی وجہ سے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دیکھنے میں دونوں ایک جیسے لگتے ہیں لیکن دونوں کی حقیقت بالکل الگ الگ ہے؛ چنانچہ بیع الدراہم میں مقصد نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور قرض میں مقصد نفع پہنچانا ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ سود میں مقصد نفع کا حصول ہوتا ہے اور تامین اسلامی میں نفع پہنچانا۔ اور یہ فرق

خود ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے جن کو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں جن میں سب ساتھیوں سے سامان جمع کر کے ان میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا تھا تو بعض کو ان کے دیے ہوئے مال سے کم ملا اور بعض کو زیادہ لیکن کسی نے اس کو ربا نہیں کہا بلکہ اس کو حسن معاشرہ و مدارات کے باب میں شمار کیا گیا، چنانچہ دیکھیے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث فضيلة الأشعريين وفضيلة الإيثار والمواساة وفضيلة خلط الأزواد فى السفر وفضيلة جمعها في شيء عند قلتها فى الحضر ثم يقسم وليس المراد بهذا القسمة المعروفة في كتب الفقه بشروطها ومنعها فى الربويات واشتراط المواساة وغيرها وإنما المراد هنا إباحة بعضهم بعضاً ومواساتهم بالموجود . (شرح النووى على مسلم: باب من فضائل الاشعريين: ۳۰۳/۲، ط: فيصل). (وكذا فى فتح البارى: ۱۳۰/۵).

اسی طرح تامین اسلامی اور قمار کی حقیقت میں بھی بہت بڑا فرق ہے؛ قمار کہتے ہیں: **تعليق الملک على الخطر والمال فى الجانبين.** (قواعد الفقه، ص ۴۳۴، ط: دار الكتاب، ديوبند)، اور اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور قمار کرنے والے کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ جیت جائے اور اپنے مال سمیت دوسروں کا مال بھی لے لے، اور جب وہ ہارتا ہے تو اس پر ندامت وافسوس طاری ہوتا ہے اور پیسے دینے کے لیے اس کا دل نہیں چاہتا ہے اور یہی بات آخر میں جا کر دونوں میں بغض وعداوت کا سبب بنتی ہے اور یہی قمار کی روح اور اصل ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوا: ﴿ **إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة و البغضاء فى الخمر و الميسر و يصدكم عن ذكر الله و عن الصلاة فهل أنتم منتهون** ﴾ [المائدة: ۹۱]. جبکہ دوسری طرف اسلامی تامین میں یہ سب باتیں نہیں پائی جاتیں، چنانچہ کسی کی بھی خواہش نہیں ہوتی کہ وہ حادثہ میں گرفتار ہو کر سارا مال لے جائے، اسی طرح اگر کسی دوسرے آدمی کو وہ مال مل جائے تو کسی کو بھی افسوس نہیں ہوتا کہ مجھے نہیں ملا، کیونکہ اس نے شروع سے ہی مال بہ طورِ تبرع دیا تھا، اور وہ اس کی ملکیت سے نکل گیا تھا، اور بعض اوقات تو دوسرے کو ملنے پر خوشی ہوتی ہے کہ ہم نے پریشان حال مفلوک لوگوں کی مدد میں حصہ لیا۔ (مستفاد از اساس مواساتِ اسلامیہ، مؤلفہ مفتی کفایت اللہ بنگلہ دیشی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ اور انشورنس سود اور قمار کا مجموعہ ہے جس میں بیمہ کرانے والا اور کمپنی کے مالکان سب اپنا اپنا فائدہ ڈھونڈتے ہیں اور تکافل اسلامی میں ممبران کی طرف سے چندہ جمع رہتا ہے جو بوقتِ ضرورت شرکاء

کے کام آتا ہے یا یوں کہئے کہ بیمہ میں کمپنی کو قرض دیکر ’’ **کل قرض جر نفعاً** ‘‘ بن گیا، اور تکافل میں کسی کو قرض نہیں دیا بلکہ چندہ جمع کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہوائی جہاز کے حادثے میں شہید ہونے والوں کے ورثہ کا انشورنس کمپنی سے خون بہا وصول کرنے کا حکم:

سوال: گزشتہ سال ایک ملک میں ایک جہاز گر گیا اور کافی سارے لوگ شہید ہوگئے، بین الاقوامی قانون کے مطابق ان وارثین کو ہر شہید پر ۵۰ لاکھ روپے ملیں گے، یہ رقم جہاز کے مالکان نہیں دیتے بلکہ جہاز کی کمپنی انشورنس کمپنی سے لے کر ادا کرے گی (انشورنس کمپنی غیر مسلم ہے اور جہاز کے مالکان مسلمان ہیں) اور بین الاقوامی قانون کے تحت ہر جہاز کمپنی کے لیے انشورنس کرانا لازم ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ رقم شرعاً لینا جائز ہے یا نہیں؟ گھر کے سرپرست کی شہادت کے بعد یہ رقم وارثین کے گزارے کا ایک ذریعہ ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جہاز سے گر کر شہید ہونا قتل خطا کے حکم میں ہے اور قتل خطا میں خون بہا کی ذمہ داری اصل عاقلہ پر عائد ہوتی ہے، لیکن فی زماننا چونکہ عاقلہ کا نظام نہیں ہے اس لیے تاوان کی ذمہ دار انشورنس کمپنی ہی عاقلہ کے قائم مقام ہے، کیونکہ اس نے ذمہ داری قبول کی ہے، اور جہاز کے مالکان اور کمپنی کے درمیان معاہدہ ہوا ہے چنانچہ معاہدہ کے تحت کمپنی تاوان کی ذمہ دار بن گئی۔ ہاں اس پر یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ جہاز مالکان اور انشورنس کمپنی کے درمیان سودی معاملہ ہوتا ہے اس لیے اگر جہاز مالکان ان سے رقم وصول کر کے مسلمانوں کو دیں تو جہاز مالکان کی جمع شدہ رقم سے زائد لینا درست نہیں ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انشورنس کمپنی شہداء کے اولیاء کو براہ راست دیدے تو اس کی گنجائش ہونی چاہیے کیونکہ ان کے اور انشورنس کمپنی کے درمیان کوئی معاملہ نہیں ہوا ہے۔ بہر حال دوسرے مفتی حضرات کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔

معاہدہ کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا۔ ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

فالضمان عليه أى على الوكيل بالصلح كالوكيل بالنكاح إلا أن يضمنه لأنه حينئذٍ هو مؤاخذ بعقد الضمان لا بعقد الصلح . (الهداية: ۳/ ۲۵۰، باب التبرع بالصلح).

والخطأ على نوعين:...وموجب ذلك الكفارة والدية على العاقلة. (الهداية: ۴/ ۵۶۱، ط: شركة علمية).

الجنایات فی الفقہ الاسلامی میں مذکور ہے:

يشترط أن يقع من الجاني أو بسبب منه ، فعل على المجنى عليه ، سواء أكان الجاني أراد الفعل وقصده ، كما لو أراد أن يرمي صيداً ، فأصاب إنساناً ، أو وقع الفعل نتيجة إهماله وعدم احتياطه ، دون أن يقصده، كمن ألقى ماء ساخناً من مكان عالٍ، ولم يرى المجنى عليه، فوقع عليه فمات. والعقوبة الأصلية الأولى: الدية ...واتفق الفقهاء على أن دية القتل الخطأ على العاقلة ، مؤجلة في ثلاث سنين... (الجنايات فی الفقه الاسلامی،ص ۲۰۳).

والعاقلة اهل الديوان ان كان القاتل من اهل الديوان ...واهل الديوان اهل الرأيات ... لأن العقل كان على أهل النصرة وقدكانت بأنواع بالقرابة والحلف والولاء والعد ... ولهذا قالوا لوكان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة . (الهداية: ۶۴۵/۴،شركة علمية).

قال الإمام أبوحنيفةؒ : إن العاقلة هم الذين يتناصربهم القاتل...ولنا قضية عمر رضی اللہ عنہ ، فالحاصل أن قضاء عمر رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابة دل على أن الحكم كان مناطه النصرة فيتغير بتغيره ويمكن أن يقال في عصرنا: أن التناصر أصبح للعمال بوفاتهم الذى يسمى "تريد يونين" فينبغي أن تكون عاقلة عامل وفاقه... (تكملة فتح الملهم : ۳۷۹/۲،کراچی).

اسلامی فقہ میں ہے:

اگر موٹر ریل اتفاق سے لڑ جائے یا ہوائی جہاز حادثہ کا شکار ہو جائے یا کسی انسان یا بہت سے انسانوں کی جان چلی جائے تو اس جانی نقصان کی ذمہ داری ڈرائیور یا پائلٹ پر نہیں ہوگی بلکہ وہ کمپنی یا حکومت پر ہوگی اس لیے ایسے اتفاقی حادثات کی دیت (خون بہا) کی ذمہ داری فقہاء عاقلہ پر ڈالتے ہیں، ابتدائے اسلام میں اہل دیوان یعنی ایک صنف کے لوگوں کے لیے جو رجسٹر ہوتا تھا وہ سب ایک دوسرے کے عاقلہ تھے، پھر اس کے بعد خاندان اور قبیلہ و برادری وغیرہ پر اس کی ذمہ داری ڈالی گئی ،لیکن اب یہ صورت بھی بدل گئی ہے، اب کمپنی، کارخانہ اور حکومت پر یہ ذمہ داری ہونی چاہیے، فقہاء نے اسے قتل خطا پر محمول کیا ہے، کمپنی یا کارخانہ دار یا حکومت، ڈرائیور اور پائلٹ کو سزا تو دے سکتی ہے، لیکن ان پر دیت یعنی خون بہا کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتی، بہر حال یہ نئے مسائل ہیں، ان پر علماء کو مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔ (اسلامی فقہ، جلدِ دوم، ص ۶۴۳، بعنوان بے جان سواریوں کا حکم)۔

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

اصل ہرجانہ ٹرک ڈرائیور کے ذمہ لازم تھا، جس کے بقدر دیت مطالبے کا حق تھا، اس سے زائد مطالبے کا حق نہیں، لیکن قاتل خطا خود زائد دے تو لینا جائز ہے، رہا انشورنس کمپنی سے وصول کرنا، تو انشورنس کرانے والے نے اب تک کسی بھی مد میں جتنا پریمیم جمع کرایا ہو اس حد تک تو وصول کرنا بے غبار طور پر جائز ہے، اس سے زائد میں یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ انشورنس کمپنی اس کی عاقلہ کے قائم مقام سمجھی جائے، اس کو عاقلہ بنانے کے لیے جو عقد ناجائز کیا گیا وہ دونوں کا عمل ہے جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، لیکن جب عرفاً وقانوناً وہ عاقلہ کے قائم مقام بن گئی تو اس سے وصول کرنے کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اگرچہ انشورنس کمپنی کا مال اکثر عقودِ فاسدہ کی وجہ سے حرام ہونے کا بھی گمان غالب ہے، لیکن کفار اہل حرب کے مخاطب بالفروع نہ ہونے کی بنا پر گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اس پر پورا جزم نہیں، غور کرلیا جائے، اور دوسرے علماء سے بھی رجوع کرلیا جائے۔ (فتاویٰ عثمانی:۳/۵۴۴)۔

اصل مالِ حرام کا مصرف مالکین کو پہنچانا ہے لیکن اگر مالک کا پتا معلوم نہ ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔

قال العلامة الشامي: ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه . (فتاوى الشامي: ۶/۳۸۵،سعید).

لیکن اگر کافر کے پاس سود کا مال آجائے تو کافر اس مال کا مالک بن جائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۵/۳۹۳)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ایکسیڈنٹ میں رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

...دیت شرعاً عاقلہ پر لازم ہوتی ہے مگر اس زمانہ میں عاقلہ پر لازم کرنا بہت مشکل ہے اس کے لیے تو شرعی قاضی چاہیے جس کے پاس قوتِ نافذہ ہو، فی زماننا ہمارے علم کے مطابق ایسی رقم عدالت بیمہ کمپنی سے دلواتی ہے اگر بیمہ کمپنی رقم ادا کرتی ہو تو چونکہ بیمہ کمپنی کی آمدنی زیادہ سودی کاروبار سے حاصل ہوتی ہے لہذا اگر اس کے ورثاء بے حد محتاج اور ضرورت مند ہوں تو ان کے لیے بیمہ کمپنی سے رقم لے کر بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور زائد از ضرورت غرباء کو دے دیں اور اگر وہ محتاج نہ ہو تو پوری رقم غرباء اور مساکین کو دے دی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۹/۳۱،دار الاشاعت)۔ لیکن ماقبل میں جو لکھا گیا ہے، مفتی عبد الرحیم صاحب مرحوم نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینے کا حکم:

سوال: میری عادت ہے کہ کھانے میں کثرت سے پانی پیتا ہوں، بعض لوگوں نے مجھ پر اشکال کیا کہ طبی اعتبار سے نیز دینی اعتبار سے بھی کھانے کے کافی دیر بعد پینا چاہیے، تو کیا میرا طریقہ غلط ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کتبِ طب اور کتب علمِ دین سے پتا چلتا ہے کہ عام حالات میں کھانے کے دوران پانی پینا مضر اور ناپسندیدہ چیز ہے، البتہ بعض صحیح روایات سے کھانے کے ساتھ ساتھ یا کھانے کے بعد پانی پینے کا ثبوت ملتا ہے بنا بریں کھانے کے دوران یا کھانے کے بعد پانی پینے کو صحیح اور اوفق بالا حادیث کہا جائے گا۔

پہلے وہ عبارات ملاحظہ کیجیے جن سے کھانے کے دوران کثرت سے پانی پینا مضر صحت معلوم ہوتا ہے؛

القانون فی الطب میں ہے: **ولا يشرب مع الطعام بل يتقدم الطعام بزمان ويصير زمان ساعتين ثم يشرب لأن من يشرب الشراب على الطعام أو يأكل الطعام على الشراب فإنه من أضر الأشياء ويورث أمراضاً رديئة أخفها الجرب .** (القانون فی الطب: ۳/۴۷۵).

غذاء الالباب میں مرقوم ہے:

قال الإمام الحافظ ابن الجوزي: ولا يشرب الماء في أثناء الطعام ، فإنه أجود فی الطب، قال ابن مفلح فی الآداب: وينبغي أن يقال: إلا أن تكون عادة . وقد ذكر بعض الأطباء في تدبير الشرب قال: ينبغي أن لا يشرب ماء على المائدة ولا على الريق، ولا بعد الأكل إلا أن يخف أعالی البطن إلا بمقدار ما يسكن به العطش، ولا يروى منه رياً واسعاً .

(غذاء الالباب فی شرح منظومة الآداب : ۲/۱۴۰).

علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

وأن لا يكثر الشرب في أثناء الطعام إلا أذا غص بلقمة أو صدق عطشه ولم يكن من هديه أن يشرب على طعامه فيفسده ، ولا سيما إن كان الماء حاراً أو بارداً ، فإنه ردئ جداً ، قال الشاعر:

لا تكن عند اكل سخن و برد ۞ و دخول الحمام تشرب ماء

فإذا ما اجتنبت ذلک حقاً ۞ لم تخف ماحييت فی الجوف داء

(الطب النبوی ،ص ۱۶۶، وزاد المعاد في هدى خير العباد: ۴/۲۲۴).

جامع صغیر کی شرح میں علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: **قال بعض الأطباء : وأضر الطعام طعام بين شرابين و شراب بين طعامين .** (التيسير بشرح الجامع الصغير: ۱/۱۶۰).

درجِ ذیل احادیث سے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد پانی پینے کا ثبوت ملتا ہے؛

مجمع الزوائد میں ہے: **عن علي رضي الله عنه قال: جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو قال: دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم من بني عبد المطلب فيهم رهط كلهم يأكل الجذعة و يشرب الفرق قال: فصنع لهم مداً من طعام فأكلوا حتى شبعوا وبقى الطعام كما هو كأنه لم يمس ثم دعا بغمر فشربوا حتى شبعوا وبقى الشراب كأنه لم يمس أو لم يشرب فقال: يا بني عبد المطلب إني بعثت إليكم خاصة وإلى الناس بعامة وقد رأيتكم من هذه الآية ما رأيتكم فأيكم يبايعني على أن يكون أخي وصاحبي؟ قال: فلم يقم إليه أحد ، قال: فقمت إليه وكنت أصغر القوم ، فقال: اجلس، ثلاث مرات كل ذلك أقوم إليه فيقول لي: اجلس حتى إذا كان في الثالثة ضرب بيده على يدي . رواه أحمد ، ورجاله ثقات.** (مجمع الزوائد: ۸/۳۰۲، دارالفكر).

صحیح مسلم شریف میں روایت ہے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم أو ليلة فإذا هو بأبي بكر رضي الله عنه وعمر رضي الله عنه فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة قالا: الجوع ، يارسول الله ! قال: وأنا والذي نفسي بيده لأخرجنى الذى أخرجكما قوموا فقاموا معه فأتى رجلاً من الأنصار فإذا هو ليس في بيته فلما رأته المرأة قالت: مرحباً وأهلاً فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: أين فلان قالت: ذهب يستعذب لنا من الماء إذ جاء الأنصارى فنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبيه ثم قال: الحمد لله ما أحد اليوم أكرم أضيافاً مني قال: فانطلق فجاء هم بعذق فيه بسر وتمر ورطب فقال: كلوا من هذه وأخذ المدية فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياك والحلوب فذبح لهم فأكلوا من الشاة ومن ذلك العذق وشربوا فلما أن شبعوا ورووا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بكر وعمر: والذي نفسي بيده لتسألن عن هذا النعيم يوم القيامة**

أخرجكم من بيوتكم الجوع ثم لم ترجعوا حتى أصابكم هذا النعيم . (رواه مسلم: ۱۷۶/۲،رقم ۲۰۳۸).

ان دونوں روایتوں میں یہ مذکور نہیں کہ کھانے کے بہت بعد پیا بلکہ کھانے کے بعد متصلاً پینے کا اشارہ ملتا ہے۔

سنن ابی داود میں روایت ہے: عن عبد الله بن بسر من بني سليم قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أبي فنزل عليه فقدم إليه طعاماً فذكر حيساً أتاه به ثم أتاه بشراب فشرب فناول من على يمينه وأكل تمراً فجعل يلقى النوى على ظهر إصبعيه السبابة والوسطى فلما قام قام أبي فأخذ بلجام دابته فقال: ادع الله لي، فقال:" اللّٰهم بارک لهم فيما رزقتهم واغفر لهم وارحمهم". (رواه ابوداود: ۱۶۸/۲).

دوسری روایت میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن الديلمي عن أبيه قال: أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يارسول اللّٰه ! قد علمت من نحن ومن أين نحن فإلى من نحن قال: إلى الله وإلى رسوله ، فقلنا يارسول الله! إن لنا أعناباً ما نصنع بها قال: زببوها، قلنا: ما نصنع بالزبيب، قال: انبذوه على غدائكم واشربوه على عشائكم وانبذوه على عشائكم واشربوه على غدائكم وانبذوه في الشنان ولا تنبذوه في القلل فإنه إذا تأخر عن عصره صار خلاً . إسناده صحيح.

(ابوداود: ۵۴۵/۵، باب في صفة النبيذ).

اور ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح شام کھانے کے بعد نبیذ نوش فرمانے کا ذکر ہے:

عن عمرة عن عائشةؓ أنها كانت تنبذ للنبي صلى الله عليه وسلم غدوة فإذا كان من العشي فتعشى شرب على عشائه وإن فضل شيء صببته أو فرغته ثم تنبذ له بالليل فإذا أصبح تغدى فشرب على غدائه ، قالت: نغسل السقاء غدوة وعشية فقال لها أبي، مرتين في يوم قالت: نعم . (رواه ابوداود: ۵۴۶/۵).

قرآنِ کریم میں بھی کھانا پینا ساتھ ساتھ مذکور ہے: قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فكلى واشربى وقرى عيناً﴾ تفسیر شعراوی میں ہے: فبدأ بالطعام قبل الشراب ، لماذا ؟ لأن الإنسان عادة يأكل أولاً، ثم يشرب ، فالماء مع أهميته ، إلا أنه يأتي فى العادة بعد الطعام ، فسبحان من هذا كلامه .

(تفسیر الشعراوی: ۱۵/ ۹۰۶۹).

بذل المجهود کی تعلیق میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں: **هذا نص في شربه عليه الصلاة والسلام على الطعام، ويؤيده أيضاً ما تقدم من شرب النبيذ على الغداء والعشاء ويخالفه ما قال ابن القيمؒ: لم يكن من هديه أن يشرب على طعامه فيفسده، انتهى.** (بذل المجهود في حل سنن ابی داود: ۱۱/ ۴۵۹).

الدرالمنضود میں اس حدیث کے تحت مرقوم ہے: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کھانے کے ساتھ ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟ اس روایت میں " **فقدم إليه طعاماً** " کے بعد ہے: **ثم أتاه بشراب فشرب**، اس پر حضرت شیخ حاشیہ بذل میں فرماتے ہیں: **هذا نص في شربه عليه الصلاة والسلام على الطعام، ويخالفه ...** یعنی اس حدیث سے کھانے کے بعد ساتھ ساتھ پانی پینے کا پتا چل رہا ہے گویا آپ کھانے کے بعد ساتھ ہی پانی بھی نوش فرماتے تھے، لیکن حافظ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ یہ کہ آپ کا معمول کھانے پر پانی پینے کا نہ تھا اس لیے کہ یہ مضر ہے، انہوں نے زادالمعاد میں صرف اتنا ہی لکھا ہے، لیکن آپ کے معمول کے ثبوت اور تائید میں کسی حدیث یا روایت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اس کی تائید میں ایک شاعر کا قول لکھا ہے، اس میں قدیم اطباء کی رائے بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے، کہ ان کی رائے اس بارے میں کیا ہے، مشہور یہی ہے کہ وہ اس میں تاخیر شرب کے قائل ہیں، اور یہ کہ وہ ہضمِ طعام میں مفید ہے، میرے والد صاحب حکیم ایوب مرحوم مغفور باقاعدہ طبیب حاذق تھے ان کا معمول تو کھانے کے ساتھ ہی پینے کا تھا اسی طرح ہمارے حضرت شیخ بھی۔ (الدرالمنضود: ۶/ ۴۵)۔

اور ہم بھی اِن بزرگوں کی اِن غیر اختیاری افعال میں تابعداری کی برکت سے کھانے کے ساتھ پانی پیتے رہتے ہیں۔ **رزقنا الله تعالىٰ حبهم واتباعهم. آمين.** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ملاح کے بے قابو ہونے سے ہلاک ہونے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کشتی چلا رہا ہو اور کشتی ملاح کے قابو سے باہر ہوگئی اور ایک آدمی اس میں سے گر کر مر گیا تو فقہاء کے نزدیک اس پر تاوان نہیں، کیوں نہیں؟ کس صورت میں نہیں؟ اور کار میں بیٹھنے والے اور ڈرائیور کی ڈرائیونگ کے نتیجے میں مرنے والے کا کیا حکم ہے؟ دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسئلہ اولیٰ میں ملاح پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوگا، وجہ یہ ہے کہ آدمی کا تاوان جنایت (جرم) کے نتیجہ میں لازم ہوتا ہے اور یہاں اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ ان کے درمیان عقدِ اجارہ ہوا ہے اور مستاجر کی طرف سے اجازت ہے تو جرم نہیں بن سکتا، ہاں اگر ملاح کی طرف سے تعدی ثابت ہوجائے تو پھر تاوان یعنی دیت واجب ہوگی۔

لیکن اگر ڈرائیونگ کی وجہ سے کوئی شخص مرگیا تو ڈرائیور پر تاوان آئیگا، دونوں کے مابین وجہ فرق یہ ہے کہ ڈرائیور مباشر ہے اور ملاح متسبب ہے اور قاعدہ یہ ہے مباشر پر بہرصورت تاوان آتا ہے اور متسبب پر فقط تعدی کی صورت میں تاوان آتا ہے۔ کیونکہ گاڑی ڈرائیور کے زیرقابو ہوتی ہے جبکہ کشتی میں ہوا اور پانی کے زور کا بڑا دخل ہوتا ہے اور ملاح بے قابو ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر اتفاقی حادثہ ہوجائے جس میں ڈرائیور کا کوئی دخل نہ ہو تو پھر ڈرائیور پر تاوان نہیں آئیگا۔ ملاحظہ ہو عقدِ اجارہ سببِ ضمان نہیں بن سکتا:

قال العلامة الحصكفي: لأن الآدمي لا يضمن بالعقد بل بالجناية ولا جناية لإذنه فيه أى من المستاجر أصيلاً أو ولياً لعبد أو صغير. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٦٨،سعيد،وحاشية الطحطاوى على الدر: ٤/٣٧).

وفى الهداية : أنه لا يضمن به بني آدم ممن غرق فى السفينة أو سقط من الدابة وإن كان بسوقه وقوده ، لأن الواجب ضمان الآدمي وأنه لا يجب بالعقد وإنما يجب بالجناية ولهذا يجب على العاقلة وضمان العقود لا تتحمله العاقلة . (الهداية:٣/٣٠٩،ط :المصباح، وتبيين الحقائق: ٥ /١٣٦ ،مكتبة امدادية).

ہاں بسببِ تعدی ضمان واجب ہوگا۔ چنانچہ صاحبِ کفایہ علامہ خوارزمی فرماتے ہیں:

ولا يقال إن ضمان بني آدم يجب بالتسبب وقد وجد لأن المسبب إنما يضمن إذا تعدى وكلامنا فيما إذا لم يوجد التعدى . (الكفاية :٨/٦٧،ط: رشيديه).

مباشر اور متسبب کے درمیان فرق ملاحظہ ہو:

وحد المباشر أن يحصل التلف بفعله من غير أن يتخلل بين فعله والتلف فعل مختار، وحد المسبب هو الذي حصل التلف بفعله وتخلل بين فعله والتلف فعل مختار. (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر: ١/٤٠٤، ادارة القرآن،وشرح القواعد الفقهية للشيخ احمد الزرقا،ص٤٤٧،

دار القلم، والفتاوى الولوالجية :۳/ ۳۱۰، دار الكتب العلمية).

بحوث في قضايا فقهية معاصرة میں مرقوم ہے:

الأصل أن سائق السيارة مسئول عن كل ما يحدث بسيارته خلال تسييره إياها، و ذلك لأن السيارة آلة في يده و هو يقدر على ضبطها فكل ما ينشأ عن السيارة فإنه مسئول عنه، والذي يظهر لي أن هناك فرق كبير بين الدابة والسيارة من حيث أن الدابة متحركة بنفسها بخلاف السيارة فإنها لا تتحرك إلا بفعل من السائق، ومن هذه الجهة أرى أن ما ذكره الفقهاء من الفرق بين ما أصابته الدابة بفمها أو يدها وبين ما نفحته برجلها أو بذنبها، لايتأتى في السيارة؛ فإنهم ضمنوا الراكب في الحالة الأولى ولم يضمنوه في الحالة الثانية، لأن راكب الدابة لا يمكنه التحرز عما تفعله الدابة برجلها اوبذنبها .

أما السيارة فلا تتحرك بنفسها فجميع السيارة آلة للراكب و هو يقدر على جميع أجزائها؛ لأن أجزائها متماسكة بعضها مع بعض ليس لجزء منها حركة مستقلة عن حركة الآخر، ولذا، فيجب أن يضمن سائق السيارة لكل ضرر ينشأ عنها سواء نشأ ذلك الضرر من أجزاء السيارة المتقدمة أو من أجزائها المؤخرة، أو من أحد جانبيها لأن كل ذلك تحت تصرف السائق و ليس شيء منها يتحرك بنفسه . (بحوث في قضايافقهية معاصرة : ۱/ ۳۱۰، مكتبة دار العلوم كراتشي).

ہاں بعض حالات میں ڈرائیور بالکل بے بس ہوجاتا ہے تو ایسی صورتوں میں تاوان نہیں آئے گا۔

وہ صورتیں درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ آدمی گاڑی چلا رہا تھا اور کوئی اچانک گاڑی کے سامنے دوڑ آیا اور ڈرائیور گاڑی روک نہ سکا تو اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

۲۔ گاڑی اشارہ پر کھڑی ہے اور سبز بتی کا انتظار ہے اور کوئی پیچھے سے آکر مار دے اور اس کی گاڑی آگے والی گاڑی سے ٹکرا جائے تو اس صورت میں درمیان والے کی طرف مباشرت کی نسبت مشکل ہے، لہٰذا تاوان نہیں آئے گا۔

۳۔ گاڑی صحیح سالم تھی، اور معروف طریقے پر چلا رہا تھا، اور اچانک کوئی خرابی واقع ہوئی اور گاڑی بے

قابو ہوگئی تو بھی تاوان نہیں آئیگا۔

۴۔ آدمی گاڑی قانون کے موافق چلا رہا تھا کہ اچانک سامنے والے نے بریک لگادی اور نقصان ہوا تو اس صورت میں بھی تاوان نہیں آئیگا۔

فإن كان السائق متعدياً في سيره بمخالفة قواعد المرور، مثل أن يسوق السياره بسرعة غير معتادة في مثل ذلك المكان أو لم يلتزم بخطه فى الشارع وما إلى ذلك من قواعد المرور الأخرى فلا خفاء في كونه ضامناً ، لأن الضرر إنما نشأ بتعديه ، والمتعدى ضامن في كل حال .

أما إذا لم يكن متعدياً فى السير بأن ساق سيارته ملتزماً بجميع قواعد المرور، فهل يضمن الضرر الذي أصاب رجلاً آخر بسيارته في هذه الحالة ؟ قد اختلف فيها أنظار العلماء في عصرنا ، فمنهم من يقول: إنه يضمن لكونه مباشراً ، والمباشر يضمن ولو لم يكن متعدياً ، ومنهم من يقول: لا يضمن لأن ما يحدث بعد الالتزام بقواعد المرور حادثة سماوية لايمكن الاحتراز عنها ، والمباشر إنما يضمن فيما يمكن الاحتراز منه لا فيما لا يمكن ، والذي يظهر لي في ضوء القواعد والجزئيات الفقهية التي ذكرتها فيما قبل، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم ، أن السائق يضمن الضرر الذى باشره وإن لم يكن متعدياً لأنه قد تقرر بإجماع الفقهاء أن المباشر لا يشترط لتضمينه أن يكون متعدياً ؛ ولكن يجب أن تتحقق منه مباشرة الضرر على الوجه الذي ذكرناه في تفسير القاعدة الثانية ، فيجب لتضمينه أن تصح نسبة المباشرة إليه بدون مزاحم على وجه معقول، وعلى هذا الأساس لا يضمن فى الصور الآتية :

۱۔ إذا كان السائق يسوق سيارته ملتزماً بجميع قواعد المرور ولكن دفع شخص رجلاً أمام سيارته فجأة بحيث لم يمكن له أن يوقف السيارة قبل أن تدهسه فدهست السيارة ، فههنا لا يضمن السائق و إنما يضمنه الدافع ، و هذا كما نخس أحد دابة فقتلت رجلاً فالضمان على الناخس دون الراكب ، لأن نسبة المباشرة لا تصح إلى السائق لأن تأثير الدفع ههنا أقوى من تأثير الراكب ، أوكما قال صاحب الهداية : الدافع متعد والسائق

غير متعد .

۲ ۔ إذا وقف سيارته أمام إشارة المرور منتظراً إشارة فتح الطريق فصدمت سيارة من خلفه ودفعتها إلى الأمام فصدمت سيارته أحداً فليس الضمان على سائق السيارة الأمامية؛ بل الضمان على سائق السيارة التي صدمتها من خلفها ، لأنه لا تصح نسبة المباشرة إليه ، فإنها مدفوعة بمنزلة الآلة للسيارة الخلفية ، وبهذا أفتت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية في قراراتها المنشورة في مجلة البحوث الإسلامية .

وينظر: (مجمع الضمانات: ۱/۴۰۲،ط: دارالسلام).

۳۔ إذا كانت السيارة سليمة قبل السير بها وكان السائق يتعهدها تعهداً معروفاً ثم طرأ عليها خلل مفاجئ في جهاز من أجهزتها حتى خرجت السيارة من قدرة السائق ومكنته من ضبطها فصدمت إنساناً فقد أفتت اللجنة الدائمة بأنه لا ضمان على السائق وكذلك لو انقلبت بسبب ذلك على أحد أو شيء فمات أو تلف فلا ضمان عليه .

ويمكن أن تخرج هذه الفتوى على ما قدمنا فى القاعدة الثانية من نص الفقهاء على أن الدابة إن جمحت وخرجت من قدرة الراكب فلا ضمان عليه ، وذلك لأن ما حصل بالسيارة بعد خروجها من ضبط السائق بحادثة حدثت بجهاز من أجهزتها لا تصح نسبتها إلى السائق ولا يقال إن السائق مباشر للإتلاف وغاية ما يقال فيه إنه مسبب للهلاك وبما أنه مسبب ، فيشترط لتضمينه التعدي، فإن كان يتعهد السيارة تعهداً معروفاً ، ويسيرها ملتزماً بقواعد المرور سيراً عادياً ، فلا ضمان عليه لعدم التعدى، نعم ؛ إن أخل بشرط من هذه الشروط ، مثل عدم تعهده للسيارة أو تسييرها مع خلل ظاهر في جهاز من أجهزتها أو سوقها سوقاً عنيفاً ، فإنه يضمن في كل ذلك ، وإن خرجت السيارة من ضبطه ، لأنه متسبب لانفلات السيارة بتعديه ، و ربما يشهد لهذه الفتوى جزئية ذكرها الكاساني فى البدائع (كتاب الجنايات: ۱۰/۳۴۷،ط: ديوبند).

۴ ۔ إذا ساق إنسان سيارة في شارع عام ملتزماً السرعة المقررة ، ومتبعاً خط السير حسب النظام ، ومتبصراً في سوقه حسب قواعد المرور، فقفز رجل أمامه فجأة ، فصدمته

السيارة رغم قيام السائق بما وجب عليه من الفرملة ونحوها ، فإن اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء في المملكة العربية السعودية أبدت في هذه الصورة احتمالات مختلفة ولم تبت فيها شيء و نص قرارها في هذه الصورة...الخ. (بحوث فی قضایافقهية معاصرة : ۱/۳۱۱.۳۱۵،مکتبه دارالعلوم کراتشی).

اگر ڈرائیور نے قصداً کوئی زیادتی کی مثلاً: غلط راستہ اختیار کیا اور گاڑی اُلٹ گئی یا بہت زیادہ تیز چلا رہا تھا مثلاً: دوسو سے زیادہ کی رفتار پر یا بالکل بے پرواہی سے چلا رہا تھا، یا گاڑی چلانے کے دوران فون پر گیم وغیرہ کھیل رہا تھا تو ان تمام صورتوں میں ڈرائیور اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اسی پر تاوان آئیگا۔ لیکن اگر صورتِ حال اس سے مختلف تھی یعنی ڈرائیور اپنی پوری ذمہ داری سے چلا رہا تھا، ناگہانی طور پر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو ڈرائیور اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا اس پر کسی قسم کا تاوان نہیں آئے گا، ہاں اگر باہر کسی آدمی کو ٹکر ما کر ہلاک کر دیا تو پھر دیت واجب ہوگی۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۴/ ۶۰۹)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ:۲/۶۴۲، والجنایات فی الفقہ الاسلامی، ص۲۲۳، وتکملہ فتح الملہم :۲/۵۲۳)۔

اگر پوری ذمہ داری کے ساتھ چلانے کی صورت میں ایکسیڈنٹ ہوا اور مخالف سمت سے آنے والے کی کوتاہی تھی، اور ڈرائیور کا والد مر گیا تو ڈرائیور بیٹا میراث سے محروم نہ ہوگا، اس لیے کہ میراث سے محرومی کا سبب وہ قتل ہے جس میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو۔ ملاحظہ ہو: (السراجی، ص۶، وفتاویٰ ہندیہ:۶/۴۵۴، وفتاویٰ حقانیہ: ۶/ ۵۲۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لمبی عمر کی فضیلت میں واردشدہ احادیث کی تحقیق:

سوال: بعض احادیث میں لمبی عمر پانے والوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے، وہ احادیث کیا ہیں؟ اور ان کا درجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ لمبی عمر کی فضیلت میں چند احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض ضعیف۔ خصوصاً جن روایات میں مخصوص عدد کا ذکر ہے وہ انتہائی ضعیف ہیں۔

روایات کی تفصیل اور تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

حدیث نمبرا: **أخرج الإمام الترمذي بسنده ، عن عبد الرحمن بن أبی بكرة عن أبيه ،**

أن رجلاً قـال: يـارسـول الـلّٰه ! أى الناس خير، قال: من طال عمره وحسن عمله، قال: فأى الـنـاس شـر ؟ قـال: مـن طال عمره وساء عمله. قال ابوعيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذی: ۲/ ۵۹،مكتبه ديوبند).

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے بہتر کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو، پھر پوچھا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور عمل برا ہو۔

قـال الشيـخ شـعيـب : حديث حسن ، وهذا إسناد ضعيف لضعف على بن زيد : وهو ابن جدعان وباقى رجاله ثقات. (مسنداحمد، رقم: ۲۰۴۸۱).

وفـي روايـة له عن عبد الله بن بسر، أن أعرابياً قال: يارسول اللّٰه من خير الناس؟ قال: من طال عمره وحسن عمله . قال أبوعيسىٰ : هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه. (سنن الترمذی: ۲/ ۵۹،مكتبه ديوبند).

قال الشيخ شعيب : إسناده صحيح . (مسند احمد رقم: ۱۷۶۹۸).

حدیث نمبر۲: أخـرج ابن حبان في صحيحه، بسنده، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسـول الـلّٰـه صـلـى الله عليه وسلم يقول: ألا أنبئكم بخياركم ؟ قالوا: بلى، يا رسول اللّٰه ! قـال: خيـاركم أطولكم أعماراً وأحسنكم أعمالاً . قال الشيخ شعيب: إسناده قوى. (صحيح ابن حبان ،رقم: ۲۹۸۱).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم کو اچھے لوگوں کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیں، آپ نے فرمایا: تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جن کی عمریں لمبی ہوں اور اعمال اچھے ہوں۔

مزید ملاحظہ ہو: (مسند احمد، رقم: ۹۲۳۵، والمستدرک للحاکم: ۱/ ۴۴۸/ ۱۲۵۵، والبیہقی فی سننہ الکبری: ۳/ ۳۷۱، دار المعرفۃ).

حدیث نمبر۳: أخـرج الإمـام أحـمـد بسنده عن الحارث بن أبي يزيد قال: سمعت جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ يقول: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: لا تمنوا الموت، فإن هول المطلع شديد وإن من السعادة أن يطول عمر العبد ويرزقه اللّٰه الإنابة. (مسند أحمد، ۱۴۵۶۴).

قال الشيخ شعيب: حسن لغيره وهذا اسنادمحتمل للتحسين .

عبدالرحمٰن بن حارث کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی تمنامت کرو، اس لیے کہ موت کی سکرات بڑی سخت ہیں، اور یہ سعادت اور نیک بختی میں سے ہے کہ بندے کی عمر لمبی ہواور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع نصیب فرمائے۔

حدیث نمبر۴: أخرج الإمام الطبراني بسنده عن عبد الرحمن بن عبد اللّٰه عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للّٰه عباداً يضن بهم عن القتل، يطيل أعمارهم في حسن العمل ويحسن أرزاقهم ويحييهم في عافية ويقبض أرواحهم في عافية على الفرش فيعطيهم منازل الشهداء . (المعجم الكبير: ١٠/٢١٧/١٠٣٧١).

حفص بن سليمان الأسدى أبوعمروالبزار، قال الحافظ: متروك، وقال ابن خراش: كذاب ، متروك يضع الحديث ، فهذا علة الحديث ، فالحديث ضعيف جداً. (التعليقات على الطبرانى للشيخ حمدى عبد المجيد السلفى).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے چند بندے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قتل سے بچاتے ہیں، اچھے اعمال کے ساتھ لمبی عمر نصیب فرماتے ہیں، اوران کے لیے روزی کا اچھا انتظام فرماتے ہیں، اوران کی زندگی عافیت وسلامتی والی کردیتے ہیں، اور عافیت کے ساتھ بستر پر ان کی روحیں قبض فرماتے ہیں، اوران کوشہداء کے درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

حدیث نمبر۵: أخرج البزار بسنده عن حذيفة رضی اللہ عنہ أنه قال: يا رسول اللّٰه ! أنبئنا بأعمار أمتك قال: ما بين الخمسين إلى الستين، قالوا: يارسول اللّٰه ! فابناء السبعين، قال: قل من يبلغها من أمتي رحم اللّٰه أبناء السبعين ورحم اللّٰه أبناء الثمانين . وهذا كلام لا نعلمه يروى عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بهذا اللفظ إلا عن حذيفة بهذا الإسناد وعثمان بن مطر هذا رجل من أهل البصرة ليس بالقوى. (مسندالبزار، رقم: ٢٨٤٢).

قال الحافظ فى التقريب: عثمان بن مطر الشيبانى: ضعيف. (التقريب،٣٨٦).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمیں آپ کی امت کی عمریں بتلادیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس ساٹھ کے درمیان، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ستر سال کی عمر

پانے والے، آپ نے فرمایا: میری امت میں سے بہت کم اس عمر تک پہنچتے ہیں، اللہ تعالیٰ ستر سال اور اسی سال کی عمر پانے والوں پر رحم فرمائے۔

حدیث نمبر۶: أخرج الإمام أحمد بسنده عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمره الله ستين سنة فقد أعذر الله إليه في العمر. (مسند الإمام أحمد، رقم: ۹۳۹۴). **قال الشيخ شعيب: إسناده صحيح على شرط الشيخين.**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر نصیب کر دی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عمر کی حجت تام ہوگئی۔

حدیث نمبر۷: أخرج أبويعلى بسنده عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمره الله أربعين سنة في الإسلام كف الله عنه أنواع البلاء: الجذام، والبرص، وختر الشيطان، ومن عمره الله خمسين في الإسلام لين الله عليه الحساب يوم القيامة، ومن عمره الله ستين سنة في الإسلام رزقه الله الإنابة إلى الله بما يحب الله، ومن عمره الله سبعين سنة في الإسلام أحبه أهل السماء وأهل الأرض، ومن عمره الله ثمانين سنة في الإسلام محا الله عنه سيئاته وكتب حسناته، ومن عمره الله تسعين سنة في الإسلام غفر الله ذنوبه، وكان أسير الله في أرضه، وشفع لأهل بيته يوم القيامة. (مسند أبي يعلى الموصلي، رقم: ۴۲۴۸)

و في تعليقه: أبوعبيدة بن الفضيل؛ قال الذهبي في الميزان: فيه لين، قال ابن الجوزي: ضعيف، وقال في المغني: تكلم فيه، وقال الحافظ في لسان الميزان ۷/۹: وقد وثقه الدارقطني فلا يلتفت إلى تضعيف ابن الجوزي بلا سبب، وذكره ابن حبان في الثقات، وأخرج حديثه في صحيحه، وكذلك الحاكم.

وعبد الرحمن بن أبي الموالي، واسمه زيد، وقيل: أبوالموالي جده، أبومحمد، مولى آل علي صدوق ربما أخطأ. (التقريب، ۴۰۲۱)، **ومحمد بن موسى الفطري، مدني صدوق رمي بالتشيع، من السابعة.** (التقريب، ۴۲۴۸). **وأخرجه البزار في مسنده،** (رقم: ۶۱۸۳).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کی حالت میں چالیس سال کی عمر نصیب فرماتے ہیں، تو اُس سے مختلف قسم کی مصیبتوں کو دور فرمادیتے ہیں: جیسے: جذام، برص، اور شیطان کا غدر ومکر۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کی حالت میں پچاس سال کی عمر نصیب کرتے ہیں تو اس کے لیے قیامت کے دن حساب، کتاب آسان فرمادیتے ہیں، اور جس شخص کو اسلام کی حالت میں ساٹھ سال کی عمر نصیب فرماتے ہیں، تو اس کو اپنی طرف رجوع نصیب فرماتے ہیں، اور جس شخص کو اسلام کی حالت میں ستر سال کی عمر نصیب فرماتے ہیں، تو اُس سے آسمان اور زمین والے محبت کرتے ہیں، اور جس کو اسلام کی حالت میں اَسی سال کی عمر نصیب فرماتے ہیں، تو اس کے سیئات کو مٹا کر حسنات لکھدیتے ہیں، اور جس شخص کو اسلام کی حالت میں نوے سال کی عمر نصیب فرماتے ہیں، تو اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں، اور وہ اللہ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کا قیدی ہوتا ہے، اور قیامت کے دن اپنے گھر والوں کے لیے شفاعت کریگا۔

حدیث نمبر ٨: أخرج الإمام أحمد في مسنده عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: إذا بلغ الرجل المسلم أربعين سنة آمنه الله من أنواع البلايا؛ من الجنون والبرص والجذام وإذا بلغ الخمسين لين الله عزوجل عليه حسابه وإذا بلغ الستين رزقه الله إنابة يحبه عليها وإذا بلغ السبعين أحبه الله وأحبه أهل السماء وإذا بلغ الثمانين تقبل الله منه حسناته ومحا عنه سيئاته وإذا بلغ التسعين غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر وسمى أسير الله فى الأرض و شفع في أهله. (مسند أحمد، رقم: ٥٦٢٦). قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف جداً لضعف فرج بن فضالة وله شواهد لا يفرح بها . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حدیث میں آتا ہے مردہ زائر کا سلام سن کر جواب دیتا ہے، اس کی تحقیق:

سوال: ایک حدیث لوگوں میں مشہور ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی قبر پر زیارت کے لیے جاتا ہے، اور سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردہ کو اس قابل بنادیتے ہیں کہ زائر کو پہچان کر سلام سنے اور اس کا جواب دے، یہ حدیث کہاں تک صحیح ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حدیثِ بالا تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: ١۔ حضرت ابوہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے، اِس روایت کی سند ضعیف ہے۔۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، اِس روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اِس روایت کی سند کو حافظ عراقیؒ، علامہ عینیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، امام قرطبیؒ، شیخ عبدالحق الاشبیلیؒ، علامہ شوکانیؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ حضرات نے صحیح کہا ہے۔ نیز اِس باب میں اِن کے علاوہ اور بھی روایات موجود ہیں، جن کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''شرح الصدور'' میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت: ملاحظہ کیجیے:

قال ابن عبد البر في الاستذكار: أخبرنا أبو عبد الله عبيد بن محمد (ثقة) **قراءة مني عليه سنة تسعين وثلاثمائة في ربيع الأول قال: أملت علينا فاطمة بنت الريان** (لم أجد من ترجمها) **المستملي في دارها بمصر في شوال سنة اثنتين وأربعين وثلاث مئة قالت: حدثنا الربيع بن سليمان المؤذن صاحب الشافعي** (الحافظ) **قال: حدثنا بشر بن بكير** (ثقة) **عن الأوزاعي** (شيخ الإسلام) **عن عطاء** (أحد الأعلام وهو ابن أبي رباح) **عن عبيد بن عمير** (مجمع على ثقته) **عن ابن عباس** رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" ما من أحد مر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام".** (الاستذكار: ۲/۱۶۵).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پر سلام کرتا ہے، تو مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

حدیثِ بالا کو صحیح کہنے والے حضرات کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) علامہ بدرالدین عینیؒ نے صحیح کہا ہے:

قال العلامة العيني: وعند ابن عبد البر، بسند صحيح: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام. (عمدة القارى: ۶/۹۵).

(۲) شیخ عبدالحق اشبیلیؒ نے صحیح کہا ہے:

قال عبد الحق الاشبيلي: وذكر أبو عمرو بن عبد البر في الاستذكار من حديث ابن عباس رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان**

يعرفه فى الدنيا فسلم عليه، إلا ورد عليه السلام . إسناده صحيح. (الأحكام الوسطى:۱۵۲/۲).

(۳) حافظ عراقیؒ نے صحیح کہا ہے:

وأفاد الحافظ العراقي أن ابن عبد البر أخرجه فى التمهيد والاستذكار بإسناد صحيح من حديث ابن عباس رضي الله عنه وممن صححه عبد الحق بلفظ: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام . (فيض القدير: ۴۸۷/۵).

(۴) علامہ شوکانیؒ نے صحیح کہا ہے:

قال الشوكاني: وقد صح عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً : ما من أحد يمر على قبر أخيه المؤمن وفي رواية : بقبر الرجل كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه . (نيل الأوطار: ۲۹۵/۳).

(۵) امام قرطبیؒ نے صحیح کہا ہے:

قال القرطبي: وقد ذكر أبوعمر بن عبد البر حديثاً صحيحاً عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً: قال: ما من مسلم يمر بقبر أخيه المسلم كان يعرفه فى الدنيا، فيسلم إليه ، إلا رد عليه السلام من قبره. (المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم: ۵۰۰/۱، ط:دمشق ،بيروت).

(۶) علامہ ابن تیمیہؒ نے صحیح کہا ہے:

وأما علم الميت بالحي إذا زاره وسلم عليه ففي حديث ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم:" ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام ". قال ابن المباركؒ ثبت ذلک عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وصححه عبد الحق صاحب الأحكام . (مجموع الفتاوى :۳۳۱/۲۴).

(۷) صاحبِ عون المعبود محمد شمس الحق عظیم آبادی نے صحیح کہا ہے:

وقد صح عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً: ما من أحد يمر على قبر أخيه المؤمن وفي رواية: بقبر الرجل كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه . (عون المعبود:۲۶۱/۳،ط: دارالكتب العلمية ،بيروت).

(۸) علامہ ابن کثیرؒ نے ابن عبدالبر سے تصحیح نقل کی ہے:

قال: والصحيح عند العلماء رواية ابن عمر رضي الله عنه، لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة ، من أشهر ذلك مارواه ابن عبد البر مصححاً له عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً : ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم ،كان يعرفه فى الدنيا ، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه ، حتى يرد عليه السلام . (تفسيرابن كثير:٣/٤٨٢،سورة الروم، مكتبة دارالسلام).

(٩) شیخ ابن علان الشافعی نے دلیل الفالحین میں صحیح کہا ہے:

كما دل عليه الخبر الصحيح: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام . (دليل الفالحين :٥/١٠).

(١٠) علامہ سید احمد طحطاویؒ نے صحیح کہا ہے:

وروى الحديث بألفاظ مختلفة وأخرج ابن عبد البر فى الاستذكار والتمهيد بسند صحيح عن ابن عباس رضي الله عنه قوله: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص،فصل فى زيارة القبور،ص ٦٢١،قديمى كتب خانه).

(١١) شیخ ابن حجر ہیتمیؒ نے صحیح کہا ہے:

وصح حديث: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن...الخ. (الفتاوى الفقهية الكبرى: ٢/٢٩، ط: دارالفكر).

(١٢) شیخ زکریا انصاریؒ شافعی نے حسن کہا ہے:

فقد روى ابن عبد البر بإسناد حسن: ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن...الخ. (اسنى المطالب :٢/٣٤٥،كتاب الجنائز، ط: دارالكتب العلمية).

اِس حدیث پر اشکالات اور جوابات:

(١) اشکال: الاحکام الوسطیٰ اور علل متناہیہ کی تعلیقات اور دیگر بعض کتب میں یہ مرقوم ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن عمیر مجہول ہے؟ ملاحظہ ہو الاحکام الوسطی کی تعلیقات میں ہے:

رواه ابن عبد البر فى الاستذكار (١/٢٣٤) وعبيد بن محمد شيخ ابن عبد البر ذكره الحميدى في جذوة المقتبس (ص٢٧٧) فقال: كن رجلاً صالحاً يضرب به المثل فى الزهد ،

ولم نجد من وثقه ، وأحاديث الزهاد لا اعتداد بها، وشيخته فاطمة بنت الريان لا ذكر لها في كتب الرجال، فهي لا تعرف ، وعبيد بن عمير هو مولى ابن عباس رضی اللہ عنہ وهومجهول كما قال الحافظ فى التقريب ، فكيف يكون إسناده صحيحاً ؟ (التعليقات على الاحكام الوسطى للشيخ صبحي السامرائي: ١٥٢/٢). اِس عبارت میں محشی صاحب نے شیخ عبدالحق الاشبیلی کی تصحیح پر تین اشکالات کیے ہیں: ١۔ ابن عبدالبر کے شیخ صوفی ہیں اورصوفیاء کی روایت مقبول نہیں۔٢۔ فاطمہ بنت ریان مجہولہ ہے۔٣۔ عبیدبن عمیر یہ مولی ابن عباس ہےاوروہ مجہول ہے۔ ہرایک کا جواب ملاحظہ کیجیے:

جواب: عبیدبن عمیر مولی ابن عباس مجہول ہے وہ دوسرا شخص ہے،اور اِس روایت کی سند میں عبیدبن عمیر بن قتادہ لیثی ہیں جوکتبِ ستہ کے راوی ہیں؛ صحیح بخاری شریف میں متعددروایات ان سے مروی ہیں،مثلاً: حدیث نمبر٢٠٦٢،١١٦٩، ٤٥٣٥، ٤٩١٢، ٥٢٦٧، ٦٦٩١، ٧٣٥٣ وغیرہ۔ نیز عبیدبن عمیرلیثی کے مشائخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہےاورشاگروں میں عطاء کا تذکرہ ہے،جبکہ عبیدبن عمیرمولی ابن عباس کے شیخ ابن عباس ہیں لیکن شاگروں میں عطا کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ واضح قرینہ ہے کہ اس روایت کی سند میں عبیدبن عمیرلیثی ہے جوثقہ راوی ہے۔ ملاحظہ ہوتہذیب الکمال میں مرقوم ہے:

عبيد بن عمير:(خ م د ت س ق) عبيد بن عمير بن قتادة بن سعد بن عامر بن جندع بن ليث الليثى ثم الجندعى، أبوعاصم المكي قاص أهل مكة . روى عن عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ . قال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين، وأبوزرعة: ثقة . قال: ومات عبيد بن عمير قبل ابن عمر رضی اللہ عنہ ، وروى له الجماعة. (تهذيب الكمال : ٣٧٣٠/٢٢٣/١٩).

تقریب میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: **عبيد بن عمير بن قتادة الليثى أبوعاصم المكي ولد في عهد النبي صلى الله عليه وسلم قاله مسلم وعده غيره من كبار التابعين وكان قاص أهل مكة مجمع على ثقته .** (تقريب التهذيب،ص ٤٤١).

اشکال (٢) اوراس کا جواب: ایک اشکال یہ بھی کیا تھا کہ ابن عبدالبر کے شیخ صوفی ہیں اورصوفیاء کی احادیث غیرمعتبر ہیں،تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ عام نہیں ہے بلکہ بہت سارے صوفیاء میں سے محدث ہوئے ہیں،اوران کی روایات معتبر سمجھی جاتی ہیں؛ مثلاً: فضیل بن عیاض مشہورصوفی تھےاورمشہورثقہ محدث تھے (انظر: التقريب، ٥٤٣١)،اسی طرح ابن عبدالبر کے شیخ بھی ثقہ ہیں،علامہ قاسم بن قطلو بغانے ان کوثقہ کہا ہے:

ملاحظہ ہو: **فقال: عبيد الله بن محمد بن قاسم ، أبومروان الكديمی، له رواية عن أبی محمد القاسم بن خلف الجبيری ، وغيره ،حدث عنه ابن عبدالبر وقال: كان من ثقات الناس وعقلائهم** . (الثقات ممن لم يقع فی الكتب الستة : ۷/ ۳۸/ ۷۴۸۶).

تاریخ الاسلام میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: **أبوعبد اللّٰه عبيد بن محمد ، وكان شيخاً صالحاً متعبداً مجاهداً ، سمع الناس منه كثيراً** . (تاريخ الاسلام :۲۷/ ۲۰۰،ط: المكتبة التوفيقية).

اشکال: (۳) اس روایت کی سند میں فاطمہ بنت ریان مجہولہ ہے؟

جواب: فاطمہ بنت ریان سے دوثقہ راوی روایت کرتے ہیں ؛اورمحدثین کے یہاں قاعدہ ہے کہ جب کسی غیرمعروف راوی سے دوثقہ راوی روایت کریں تو جہالتِ ذات مرتفع ہوجاتی ہے۔ ا۔عبید بن محمد، **قال: أملت علينا فاطمة بنت الريان في دارها بمصر** . (الاستذكار).

۲۔ ابن النحاس، امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں درجِ ذیل الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ **قال: الشيخ ، الإمام ، الفقيه ، المحدث ، الصدوق ، مسند الديار المصرية ، أبومحمد عبد الرحمن بن عمر بن محمد بن سعد التجيبی ، المصری ، المالكی ، البزاز ، المعروف بابن النحاس ، وسمع بمصر من ... وفاطمة بنت الريان ، وعدة** . (سيراعلام النبلاء :۱۷/ ۳۱۴، مؤسسة الرسالة).

قال الدارقطنيؒ: من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته ، وثبتت عدالته . (فتح المغيث: ۲/ ۵۴).

امام ذہبی میزان میں لکھتے ہیں: **وما علمت فی النساء من اتهمت ولا من تركوها**. (ميزان الاعتدال : ۶/ ۲۷۸، وكذا فی لسان الميزان:۷/ ۴۹۷).

جہاں تک جہالتِ حال کی بات ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ اگرسلف نے اس راوی سے روایت لی ہواوراس کی حدیث کوصحیح قرار دیا ہوتواس کی روایت بھی مشہورراوی کی روایت کے مثل ہے۔

ملاحظہ ہوامام بزدویؒ اورمحقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: **أما المجهول: فإنما نعنى به المجهول في رواية الحديث ، بأن لم يعرف إلا بحديث أو حديثين ، فإن روى عنه السلف وشهدوا له بصحة الحديث صار حديثه مثل حديث المعروف ، وإن سكتوا عن الطعن بعد النقل: فكذلک ،**

وإن اختلف فيه مع نقل الثقات عنه : فكذلك عندنا... (مستفاد من اصول البزدوی : ١/٢٠٤، والتحريرفی الاصول :٢/٢٤٩).

قال الشيخ محمد عوامة: إن الجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة، ولم يات بما ينكر عليه ؛ فحديثه صحيح ، أقره الحافظ فی حق من لم يوثقه أحد . (دراسات الكاشف : ١/٥٥).

وأما مجهول الحال فقد ذهب ابن القيمؒ إلى أن الجهالة تزول عنه ويحتج بحديثه :
١- إذا روى عنه ثقتان ، ٢- ولم يعلم فيه جرح ولا قدح . (ابن القيم الجوزية وجهوده فی خدمة السنة : ١/٤٧٧).

قال ابن رجب الحنبلي في شرح علل الترمذی: وقد اختلف الفقهاء وأهل الحديث في رواية الثقة عن رجل غير معروف ، هل هو تعديل له أم لا؟ وحكى أصحابنا عن أحمد في ذلک روايتين ، وحكوا عن الحنفية أنه تعديل، وعن الشافعية خلاف ذلک ، والمنصوص عن أحمد يدل على أنه من عرف منه أنه لا يروى إلا عن ثقة فروايته عن إنسان تعديل له ، و من لم يعرف منه ذلک فليس بتعديل ، وصرح بذلک طائفة من المحققين من أصحابنا وأصحاب الشافعي .

قال أحمد في رواية الأثرم : إذا روى الحديث عبد الرحمن بن المهدی عن رجل فهو حجة ، ثم قال: كان عبد الرحمن أولاً يتساهل فی الرواية عن غير واحد ثم تشدد بعدها ، و كان يروی عن جابر ثم تركه .

وقال فی رواية أبي زرعة : مالک بن أنس إذا روى عن رجل لا يعرف فهو حجة .

وقال يعقوب بن شيبة : قلت ليحيى بن معين : متى يكون الرجل معروفاً ؟ إذا روى عنه كم ؟ قال: إذا روى عن الرجل مثل ابن سيرين والشعبی ، وهؤلاء أهل العلم فهو غير مجهول. قلت: فإذا روى عن الرجل مثل سماک بن حرب وأبي إسحاق ؟ قال: هؤلاء يروون عن المجهولين ، انتهى .

وهذا تفصيل حسن ، وهو مخالف إطلاق محمد بن يحيى الذهلی الذي تبعه عليه

المتأخرون أنه لا يخرج الرجل من الجهالة إلا برواية رجلين فصاعداً عنه . (شرح علل الترمذی : ۱/۸۰.۸۲).

جبکہ مذکورہ بالا روایت کوشیخ عبدالحق الاشبیلیؒ نے صحیح فرمایا ہے، اورشیخ عبدالحق فن جرح وتعدیل کے نامور علماء میں سے ہیں، چنانچہ خود سلفی حضرات بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو بلوغ المرام کے آخر میں ائمہ حدیث کے حالات کے تحت مرقوم ہے:

هو الحافظ ، العلامة ، الحجة ، أبومحمد عبد الحق بن عبد الرحمن بن عبد الله بن حسين بن سعيد الأزدى، الاشبيلى،سكن بجاية فنشربها علمه ،وصنف التصانيف، واشتهر اسمه ، و بعد صيته ، ولى خطابة بجاية ، وكان فقيهاً حافظاً عالماً بالحديث وعِلَلِه عارفاً بالرجال موصوفاً بالخير والصلاح والزهد والورع ولزوم السنة والتقلل من الدنيا ،مشاركاً فى الأدب ، وقول الشعر ، ولد سنة : ۵۱۰ھ وتوفي بجاية في ربيع الآخر سنة ۵۸۱ھ .

(الموجز عن الائمة الاعلام الملحقة مع بلوغ المرام للشيخ صفى الرحمن المباركفورى،ص۴۶۸).

وانظر للمزيد : (الديباج المذهب فى معرفة اعيان علماء المذهب: ۱/۱۰۳،لابن فرحون المالكى، و تذكرة الحفاظ للإمام الذهبي: ۴/۹۷،ط: بيروت).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ضعیف ہے: ملاحظہ کیجیے:

أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (۱۱/۴۷۳/۸۸۵۷) **قال: ونا أبوبكر بن أبى الدنيا نا محمد بن قدامة الجوهرى نا معن بن عيسى القزاز أنا هشام بن سعد نا زيد بن أسلم عن أبي هريرة ﷺ قال: إذا مر الرجل بقبر يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام . إسناده ضعيف؛ فيه زيد بن أسلم لم يسمع من أبي هريرة ﷺ . قال الإمام الترمذي: ولا نعرف لزيد بن أسلم سماعاً من أبي هريرة ﷺ ، وهو عندي حديث مرسل .** (سنن الترمذی، رقم: ۳۸۴۶، باب مناقب خالد بن الوليد). وكذافى تاريخ ابن معين : ۳/ ۲۴۴) .

یہ روایت موصولاً بھی مروی ہے لیکن صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو العلل المتناہیہ میں ہے:

أنا أبومنصور القزاز قال: أنا أبوبكر أحمد بن على الحافظ قال: أنا أبوالقاسم

عبدالرحمن بن محمد بن عبد الله السراج قال: حدثنا أبوالعباس محمد بن يعقوب الأصم قال: نا الربيع بن سليمان قال: نا بشر بن بكر قال: نا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن عطاء بن يسار عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من عبد يمر على قبر رجل يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام . قال المؤلف: هذا حديث لا يصح وقد أجمعوا على تضعيف عبد الرحمن بن زيد قال: ابن حبان: كان يقلب الأخبار وهو لا يعلم حتى كثر ذلک في روايته من رفع المراسيل وإسناد الموقوف فاستحق الترک . (العلل المتناهية: ۲/۱۱۹).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بھی ضعیف ہے۔ملاحظہ ہو:

عن عائشةؓ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من رجل يزور قبر حميمه فيسلم عليه و يقعد عنده إلا رد عليه السلام و آنس به حتى يقوم عنده . (ذكره الديلمى فى الفردوس بماثور الخطاب،رقم: ۶۰۵۵).

وذكره الغزالى في إحياء العلوم ، وقال العراقى: أخرجه ابن أبى الدنيا فى القبور وفيه عبد الله بن سمعان ولم أقف على حاله، ورواه ابن عبد البر فى التمهيد من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ نحوه وصححه عبد الحق الاشبيلي . (المغنى: ۴/۲۷۵/۴۴۳۵،مكتبة طبرية).

مذکورہ بالا حدیث کے چند مؤیدات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو مردوں کو خطاب کرکے ”السلام عليكم يا أهل القبور“ کہو، اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو سلام کا پتا چلتا ہے اور وہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

أخرج الإمام الترمذى بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه ،فقال: السلام عليكم يا أهل القبور ! يغفر الله لنا ولكم ، أنتم سلفنا ونحن بالأثر. قال أبوعيسى: حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ حديث حسن غريب.

(سنن الترمذى ، رقم: ۱۰۵۳).

اگر کوئی یہ کہے کہ السلام علیکم یہ دعا کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنی سلامتی نازل کرے، خطاب کے معنی میں نہیں ہے، تو اصل بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا قبرستان میں پڑھنے کے لیے بتلائی ہے

اگر یہ محض دعا ہی ہوتی تو پھر کسی بھی جگہ سے کی جاسکتی تھی ،قبرستان جانے کی ضرورت نہ ہوتی،تو معلوم ہوا کہ یہ اصل میں خطاب ہے اور قبرستان والوں کو سلام کرنا ہے۔علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

وقد شرع النبي صلى الله عليه وسلم لأمته إذا سلموا على أهل القبور أن يسلموا عليهم سلام يخاطبونه فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل ولولا ذلک لكان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم والجماد. (كتاب الروح ، ص۵).

حاشية الطحطاوی میں مرقوم ہے: **قال ابن القيمؒ: الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر حين جاء ، علم به المزور ، وسمع سلامه ، وآنس به ، ورد عليه ، وهذا في حق الشهداء وغيرهم ، وأنه لا توقيت في ذلک .** (حاشية الطحطاوی ،ص ۶۲۰).

وللمزيد انظر: (كتاب الروح لابن القيم الجوزية ، المسألة الأولى وهي هل تعرف الأموات زيارة الأحياء و سلامهم أم لا (۱/۲۳) و شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، للإمام السيوطي ، باب زيارة القبور و علم الموتى بزوارهم و رؤيتهم لهم (۸۴) و روح المعانی :۲/۵۰۷ ، و التفسير المظهری: ۲/۱۵۳ ، وفيض الباری: ۲/۴۶۷، وفتح الملهم ، وتفسير ابن كثير:۳/۴۳۸، ونيل الأوطار:۳/۲۶۴ ، و سماعِ موتی لمولانا سرفراز خان صاحب). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اشکال اور جواب:

بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ ﴿**إنک لا تسمع الموتی**﴾ قطعی آیت ہے اور سماعِ موتی کی نفی میں صریح ہے اس کے مقابلہ میں ابن عبدالبر والی روایت یا **خفق النعال** کی روایت یا **ما أنتم بأسمع منهم** کی روایات خبر واحد ہیں، وہ قطعی آیت کا مقابلہ نہیں کرسکتی؟

اس کا جواب یہ ہے؛﴿**إنک لا تسمع الموتی**﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ازلی کفار مردوں کی طرح ہیں جیسے مردوں میں قبول والا سننا نہیں یعنی مردہ سے کہا جائے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، تو وہ اس کو قبول کرکے عمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اسی طرح ازلی کفار میں بھی قبول کرنے کی صلاحیت نہیں" **سمع الله لمن حمده** " میں سماعِ قبول مراد ہے ازلی کفار سنتے ہیں مانتے نہیں ہاں ایمان والے قبول کرتے ہیں، مردے اور کفار قبول نہ کرنے میں برابر ہیں، سماعِ قبول دونوں میں نہیں اس لیے یہ نفی سماع میں صریح نہیں نفی قبول میں صریح ہے ،اور اگر سماعِ قبول پر محمول نہیں تو پھر آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار اور مردے عدمِ سماع میں برابر ہیں

مردوں میں سماع الاذن نہیں اور کفار میں سماع القبول نہیں، اس کی تائید البدایہ والنہایہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے **فسمع عمر صوته فقال یارسول الله ! أتناديهم بعد ثلاث ، وهل يسمعون؟ يقول الله تعالىٰ: إنک لا تسمع الموتى .** (٣/٣٩٤) حضرت عمرؓ نے سماع کو سماع الآذان پر محمول کیا اور حضرت عائشہؓ نے بھی یہی کیا، اور یہ ہوسکتا ہے کہ مشبہ مشبہ بہ میں باہم اشتراک کے باوجود آپس میں کچھ فرق ہو جیسے ﴿ **إذا رأيتهم تعجبک أجسامهم... کأنهم خشب مسندة** ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ منافقین اوپر سے خوبصورت اور اندر سے کھوکھلے اس طرح ہیں جیسے لکڑیوں کے ڈھانچے پر خوبصورت لباس ڈالا جائے چنانچہ مشبہ عاقل متحرک اور مشبہ بہ بے حس و بے حرکت ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کفار مردوں کی طرح ہیں یہ آپ کی بات نہیں سنتے، ہاں اللہ تعالیٰ سنا دیں تو الگ بات ہے جیسے سلام سناتے ہیں؛ مفتی تقی صاحب لکھتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ مردوں میں موت کے بعد سننے کی طاقت نہیں ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں تصریح ہے لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کسی مصلحت سے انہیں کوئی آواز سنانا چاہے تو سنا دیتا ہے حدیث میں جو جوتیوں کی آواز سننے کا ذکر ہے وہ اسی پر محمول ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: ١/٦٢)۔

رہا سلام کا معاملہ تو ابن عبد البر کی روایت کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے، **السلام عليكم يا أهل القبور أنتم سلفنا إنا إن شاء الله بكم لاحقون** ، مردوں کو خطاب ہے اور اس خطاب کو کھنڈرات کے خطاب کی طرح یا صرف دعا سمجھنا بعید ہے۔ مثلاً شاعر کہتا ہے:

أيا منزلي سلمىٰ سلام عليكما ۞ هل الأزمن اللاتى مضين رواجع

وهل يرجع التسليم أويكشف العمى ۞ ثلاث الأثافي والديار البلاقع

(الزهرة لابن داؤد الاصبهانى، ص: ٨٤، وديوان ذو الرمة، ص ٧٨).

اے سلمٰی کے مکانات السلام علیکم، کیا گزرا ہوا زمانہ واپس آئیگا۔ اور کیا اس کے تین ہانڈی رکھنے کے پتھر (چولھے) اور ویران خالی گھر سلام کا جواب دیں گے؟ بلکہ یہاں ملاقات والا سلام ہے، اس لیے **السلام عليكم يا أهل القبور** دعا کے ساتھ ساتھ خطاب بھی ہے اگر صرف دعا مقصود ہوتی تو پھر گھر بیٹھ کر یا دور سے **السلام عليكم يا أهل القبور** بھی کہا جاسکتا تھا، جبکہ یہ ثابت نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں ﴿ **والذين تدعون من دونه ما يملكون من قطمير، إن تدعوهم لايسمعوا دعائكم ولوسمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم ولاينبئک**

مثل خبیر﴾ [فاطر: ۱۳، ۱۴]، اس آیتِ کریمہ میں إن تدعوهم لایسمعوا دعاء کم مذکور ہے اس کے جواب میں مثبتین سماع کہتے ہیں کہ مردے مدد مانگنے کی آواز نہیں سنتے، ہم خلافِ عادت اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سلام کے سننے کے قائل ہیں، ہر کلام کے سننے کے قائل نہیں، مردوں سے مدد مانگنا حرام ہے۔

بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ إنک لا تسمع الموتی میں سماع الموتی اسماع کا مطاوع اور نتیجہ ہے جب اسماع نہیں تو اس کا مطاوع سماع بھی نہیں، لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ آیتِ کریمہ میں اسماع المخاطب کا ذکر ہے اور اس کا مطاوع سماع المیت من المخاطب تحت الأسباب کی نفی ہے اسماع رب العباد اور اس کے نتیجے میں سماع کی نفی نہیں ہے جیسے کسی سے کہا جائے أنت لا تطیق حمل هذه الصخرة تو اس میں مخاطب کے اُٹھانے اور اس کے نتیجے میں صخرہ کے اٹھنے کی نفی ہے اس کی نفی نہیں کہ شاول بھی اس کو نہیں اٹھا سکتا بلکہ شاول کا اٹھانا اور اس کے نتیجے میں اٹھنا ثابت ہوگا۔

یاد رہے کہ سماع موتی کا مسئلہ سلفاً وخلفاً مختلف فیہ رہا ہے خود احناف میں اس بارے میں اختلاف رہا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی مشکوٰۃ کی تقریر بمعہ تعلیقات "التقریر الرفیع" کے نام سے مولانا سید محمد شاہد کے اہتمام سے چھپی ہے اس میں حضرت شیخ اور اس کے نیچے صاحبِ تعلیقات مولانا رضوان اللہ بنارسی لکھتے ہیں:

قال الشيخ فى التقرير الرفيع: اختلفوا في سماع الموتى وفيها تفاصيل، والمجمل أن الله تعالىٰ يسمعهم ما شاء ولا يسمعون ما يشاء ون بأنفسهم. قال النووى: لايصح السماع، ورواية قليب بدر مخصوص بالنبى صلى الله عليه وسلم، ورجحه ابن الهمام تحت قول الهداية: ودفن الميت، وقال القاضى عياض بسماعهم.

وفي تعليقاته: قوله اختلفوا فى سماع الموتى: قلت: فيه ثلاثة مذاهب: الأول إنكار السماع كما هو رأى عائشة رضي الله عنها وقتادة والنووى، وابن الهمام من الحنفية. والثانى إثباته: قال به عمر وأبوطلحة وابن عمر وعبد الله بن مسعود وغيرهم من الصحابة رضي الله عنهم، وجمهور الأمة وأكثر مشايخ ديوبند. وقال الكشميرى: والأحاديث فى سماع الأموات قد بلغت مبلغ التواتر فالإنكار في غير محله، وقال نقلاً عن رسالة غير مطبوعة للقارى: إن أحداً من أئمتنا لم يذهب إلى إنكاره، والثالث: إثبات السماع الجزئى، ذهب إليه القاضي عياض،

والعلامة محمود الآلوسی والعلامة الکشمیری، والشیخ شبیر أحمد العثمانی، رحمهم الله تعالیٰ، وأجیب عن دلائل منکری السماع بالفرق بین السماع والإسماع والمنفی فی الآیتین هو الثانی دون الأول .

وللبسط راجع " لامع الدراری"(۱۳۴/۲)، "وفیض الباری"(۴۶۷/۲)و"فتح الملهم" وغیرها من الشروح . (التقریرالرفیع مع التعلیقات: ۱۴۸/۱، باب اثبات عذاب القبر،مکتبة الشیخ ،سهارنفور).

تنبیہ: مولانا ابراہیم واعظ دہلوی نے عدمِ سماعِ اموات پر"کشف مغالطات درمسئلہ سماعِ اموات"کے نام سے رسالہ لکھا تھا،اس پر بعض دیوبندی اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے دستخط ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

کنیسہ کومسجد میں تبدیل کرنے کا حکم اور کیا سلطان محمد فاتح نے آیاصوفیا کے گرجے کومسجد میں تبدیل کرکے ظلم کیا تھا؟:

سوال: کسی جنگ میں لڑائی کرکے ایک غیر مسلم ملک کو فتح کیا گیا،تو کیا مسلم گورنر کے لیے یہ جائز ہے کہ ایک کنیسہ یا گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل کردے؟ اور اگر کسی ملک کو بہ طور صلح فتح کیا ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے؟ یہ سوال اس لیے اٹھتا ہے کہ جب سلطان محمد فاتح عثمانی رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا تو آیا صوفیا کو مسجد میں تبدیل کردیا تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کوئی شہر فتح ہوجائے اور اس کے رہنے والے مسلمان بن جائیں، نیز اس شہر کے مذہبی رہنما بھی مسلمان ہوجائیں تو پھر اس شہر کے کنیسہ کو مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے، اگر جائز نہ ہو تو پھر کیا اس کنیسہ میں جنات نماز پڑھیں گے؟ اور یہ بات ہمیں سنن نسائی اور مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وفد آیا اور کہا کہ ہم مسلمان ہوچکے ہیں اور ہمارا ایک گرجہ ہے، اب ہم کیا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گرجے کو توڑ کر مسجد بنادو۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اپنے وضو کا مستعمل پانی دے دیں تاکہ ہم گرجے میں اس کو چھڑک دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور پانی دے دیا، پھر وفد کے شرکاء نے کہا کہ راستے میں گرمی ہے یہ پانی سوکھ جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں مزید پانی ڈالتے رہو۔ وہ لوگ واپس اپنی بستی پہنچے اور اپنے گرجے کو مسجد میں تبدیل کیا۔

اِسی طرح جب محمد فاتح عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسطنطنیہ یعنی استنبول کو فتح کیا اور آیا صوفیہ کے گرجے میں

آئے،تو وہاں بہت مسیحی جمع تھے،جن میں اُن کے علماء،مشائخ،گوشہ نشین اور مرشد بھی موجود تھے۔وہ سب دعائیں پڑھ رہے تھے۔جب محمد فاتح قریب پہنچے تو اندر موجود نصاریٰ ڈر گئے،ایک راہب نے دروازہ کھولا،تو محمد فاتح نے اس سے درخواست کی کہ آپ لوگوں کو خاموش کرادیں اور اطمینان رکھیں،اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔اس پر لوگ مطمئن ہوگئے۔بعض گوشہ نشین مشائخ گرجے کی سرنگوں میں چھپے ہوئے تھے،جب انہوں نے سلطان کے عفو وکرم کا معاملہ دیکھا تو وہ نکل آئے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔پھر اس کے بعد سلطان فاتح نے کنیسہ کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور آئندہ جمعہ کی نماز اس میں ادا کرنے کا حکم فرمایا۔صلیبوں،تصویروں اور مجسموں کو مٹادیا گیا اور خطیب کے لیے منبر بنایا گیا۔اس لیے استنبول میں پرانے زمانے سے مسیحی نہیں بلکہ اکثریت مسلمانوں کی ہے؛ کیونکہ وہاں کے مسیحی مسلمان ہوگئے تھے،اور اگر کسی نے اس کے خلاف لکھا ہوگا تو وہ تحریر تعصب پر مبنی ہوگی۔

دلائل ملاحظہ فرمایئے:

في المعجم الكبير: عن قيس بن طلق عن أبيه طلق قال خرجنا ستة وفدا إلى النبي صلى الله عليه وسلم، خمسة من بني حنيفة والسادس رجل من بني ضبعة بن ربيعة حتى قدمنا على نبي الله صلى الله عليه وسلم، فأتيناه وصلينا معه، وأخبرناه أن بأرضنا بيعة لنا، و استوهبناه من فضل طهوره، فدعا بماء فتوضأ منه وتمضمض ثم صبه لنا في إداوة قال: اذهبوا بهذا الماء، فإذا قدمتم بلدكم فاكسروا بيعتكم، ثم انضحوا مكانها من الماء، و اتخذوا مكانها مسجداً، فقلنا: يا نبي الله، البلد بعيد والماء ينشف، قال: فمدوه من الماء، فإنه لا يزيد إلا طيباً. فخرجنا حتى قدمنا بلدنا ، ففعلنا الذي أمرنا وراهبنا ذلک اليوم من طيء ، فنادينا بالصلاة ، فقال الراهب: دعوة حق، ثم هرب فلم نره بعد. (المعجم الكبير للطبراني: ۸/۳۳۲، ۸۲۴۱).

وفي مسند أحمد: حدثنا عبد الله بن بدر، وسراج بن عقبة، أن عمه قيس بن طلق حدثه، أن أباه طلق بن علي حدثه: أنه انطلق وفد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتوه، فأخبروه أن بأرضهم بيعة، واستوهبوه من طهوره فضله، فدعا بماء فتوضأ وتمضمض، ثم صبه في إداوة، وقال: اذهبوا بهذا الماء، فإذا قدمتم بلدكم، فاكسروا بيعتكم وانضحوا

مكانها من هذا الماء، واتخذوها مسجداً، قال: قلنا: يا نبي الله، إنا نخرج في زمان كثير السموم والحر، والماء ينشف قال: فمدوه من الماء، فإنه يبقى منه شديد كثير رطب، قال: فخرجنا حتى بلغنا بلدنا، فكسرنا بيعتنا، ونضحنا مكانها بذلك الماء، واتخذناها مسجداً. وقال الشيخ شعيب في تعليقه: إسناد حسن. (مسند أحمد: ٣٩/٢٦٢). (وكذا في سنن النسائي: ٢/٣٨/١٠٧، باب اتخاذ البيع مساجد، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية).

وفي نيل الأوطار: والحديث يدل على جواز اتخاذ البيع مساجد، وغيرها من الكنائس ونحوها ملحق بها بالقياس. (نيل الأوطار: ٢/١٧٠).

قال الصلابي في كتابه "الدولة العثمانية": توجه محمد الفاتح إلى كنيسة آيا صوفيا وقد اجتمع فيها خلق كبير من الناس ومعهم القسس والرهبان الذين كانوا يتلون عليهم صلواتهم وأدعيتهم، وعند ما اقترب من أبوابها خاف النصارى داخلها خوفاً عظيماً، وقام أحد الرهبان بفتح الأبواب له، فطلب من الراهب تهدئة الناس وطمأنتهم والعودة إلى بيوتهم بأمان، فاطمأن الناس وكان بعض الرهبان مختبئين في سراديب الكنيسة، فلما رأوا تسامح الفاتح وعفوه خرجوا وأعلنوا إسلامهم، وقد أمر الفاتح بعد ذلك بتحويل الكنيسة إلى مسجد وأن يعد لهذا الأمر حتى تقام بها أول جمعة قادمة، وقد أخذ العمال يعدون لهذا الأمر، فأزالوا الصلبان والتماثيل وطمسوا الصور بطبقة من الجير وعملوا منبراً للخطيب. (الدولة العثمانية عوامل النهوض وأسباب السقوط لعلي محمد محمد الصلابي: ١٠٠). واللہ ﷻ اعلم۔

حضرت دانیال علیہ السلام کے بچپن کے ایک قصہ کی تحقیق:

سوال: میں نے ایک عالم سے دانیال علیہ السلام کا ایک واقعہ سنا کہ جب قاضیوں نے ایک بے گناہ عورت کے رجم کا حکم دیا تھا، اور بادشاہ وغیرہ سب اس کے بچانے میں حیران تھے؛ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا تو دانیال علیہ السلام جو اس وقت بچے تھے، انہوں نے بچوں کی مجلس میں ایسی تدبیر بتائی جس کی وجہ سے بے گناہ عورت بچ گئی اور قاضی سنگسار کیے گئے، یہ قصہ صحیح ہے یا نہیں، اور کونسی کتاب میں ہے؟

الجواب: یہ قصہ علامہ ابن القیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے اپنی کتاب الطرق الحکمیہ میں ذکر کیا ہے:

ثـم حـدثهـم (علي رضي الله عنه): أن دانيال عليه السلام كان يتيماً، لا أب له ولا أم، وأن عـجـوزاً مـن بـنـي إسـرائـيـل ضـمـتـه وكفلته، وأن ملِكاً من ملوك بني إسرائيل كان له قـاضـيـان. وكـانـت امـرأة مهيبة جميلة، تأتي الملك فتناصحه وتقص عليه، وأن القاضيين عشـقـاهـا. فراوداها عن نفسها فأبت، فشهدا عليها عند الملك أنها بغت. فدخل الملك مـن ذلک أمـر عـظـيـم فاشتد غمه، وكان بها معجباً. فقال لهما: إن قولكما مقبول، وأجلها ثـلاثة أيـام، ثـم تـرجمونها. ونادى في البلد: احضروا رجم فلانة، فأكثر الناس في ذلک، و قـال الـمـلـک لثقتـه: هل عندک من حيلة؟ فقال: ماذا عسى عندي؟ يعني وقد شهد عليها الـقـاضـيـان. فـخـرج ذلک الـرجل في اليوم الثالث، فإذا هو بغلمان يلعبون، وفيهم دانيال، وهـو لا يـعـرفه ، فقال دانيال: يا معشر الصبيان تعالوا حتى أكون أنا الملک، وأنت يا فلان الـمـرأة العابدة ، و فلان و فلان القاضيين الشاهدين عليها . ثم جمع تراباً وسيفاً من قصب، وقال للصبيان: خذوا بيد هذا القاضي إلى مكان كذا وكذا ففعلوا، ثم دعا الآخرفقال له: قل الـحـق، فـإن لـم تـفعل قتلتک، بأي شيء تشهد؟ والوزير واقف ينظر ويسمع، فقال: أشهد أنها قد بغت، قال: متى؟، قال: في يوم كذا وكذا. قال: مع من؟ قال: مع فلان بن فلان. قال: فـي أي مـكـان؟ قـال: فـي مكان كذا وكذا. قال: ردوه إلى مكانه، وهاتوا الآخر. فردوه إلى مـكانه، وجاؤوا بالآخر، فقال: بأي شيء تشهد؟ قال: بغت. قال: متى؟ قال: يوم كذا وكذا. قـال: مـع مـن؟ قـال: مـع فـلان بـن فـلان. قـال: وأيـن؟ قال: في موضع كذا وكذا، فخالف صـاحـبـه، فـقـال دانيال: الله أكبر، شهدا عليها والله بالزور، فاحضروا قتلهما. فذهب الثقة إلـى الـمـلـک مبـادراً، فأخبره الخبر، فبعث إلى القاضيين، ففرق بينهما، وفعل بهما ما فعل دانيال. فاختلفا كما اختلف الغلامان. فنادى الملک في الناس: أن احضروا قتل القاضيين، فقتلهما. (الطرق الحكمية في السياسة الشرعية: ٦١).

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کرنے کے بعد یہ قصہ سنایا: دانیال علیہ السلام یتیم تھے، اور بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کی پرورش میں تھے، اُس زمانے میں جو بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا اس کے دو قاضی تھے۔ بادشاہ کے پاس ایک خوبصورت عورت آتی تھی جو بادشاہ کو نصیحت کرتی، اور مختلف قصے سناتی تھی۔ دونوں قاضی

اس کے عاشق تھے، انھوں نے اس عورت کو پھسلانا چاہا لیکن عورت نے انکار کردیا، اس پر ان دونوں نے بادشاہ کے سامنے اس کی بدکاری کی گواہی دی۔ بادشاہ یہ سن کر بہت پریشان اور غمگین ہوگیا کیوں کہ اسے وہ عورت بہت پسند تھی۔ بہر حال بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، تمہاری گواہی قبول ہے، اور اس عورت کو تین دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد اس کو رجم کردیا جائے گا۔ اور شہر میں منادی کرادی کہ سب شہر والے فلاں عورت کے رجم میں حاضر ہوجائیں۔ پھر بادشاہ نے اپنے ایک معتمد وزیر کو بلایا اور پوچھا: کیا تمہارے پاس اس عورت کی جان بچانے کی کوئی ترکیب ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس کیا ترکیب ہوگی، جبکہ دو قاضی اس کے خلاف گواہی دے چکے ہیں۔ اتفاق سے تیسرے دن وزیر کسی کام سے باہر نکلا، اس نے دیکھا چند لڑکے کھیل رہے ہیں، اور ان میں دانیال علیہ السلام بھی ہیں۔ وزیر دانیال علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: اے بچو! سب جمع ہوجاؤ، اور میں بادشاہ بنتا ہوں، اور تم فلاں عبادت گزار عورت بن جاؤ، اور فلاں فلاں دو قاضی بن جائیں، پھر مٹی جمع کی اور لکڑی کی ایک تلوار بھی بنالی، پھر بچوں سے کہا: ان میں سے ایک قاضی کو فلاں فلاں جگہ لے جاؤ، چناچہ وہ اس کو لے گئے، پھر دوسرے قاضی کو بلاکر پوچھا کہ سچ سچ بتانا ورنہ قتل کردیے جاؤ گے، تم کس چیز کی گواہی دیتے ہو، (وزیر یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا)۔ قاضی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت نے بدکاری کی تھی، بادشاہ نے پوچھا: کب کی تھی؟ قاضی نے کہا: فلاں فلاں دن۔ بادشاہ نے پوچھا: کس کے ساتھ اور کہاں کی تھی؟ قاضی نے جواب دیا: فلاں فلاں کے ساتھ فلاں فلاں جگہ پر کی تھی۔ بادشاہ نے کہا: لے جاؤ اس کو اور دوسرے کو لاؤ، چناچہ پہلے قاضی کو لے جایا گیا اور دوسرے قاضی کو حاضر کیا گیا، بادشاہ نے اس سے بھی وہی سوال پوچھے جو پہلے قاضی سے پوچھے تھے۔ اس نے پہلے قاضی سے بالکل مختلف جواب دیے۔ دانیال علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ ان دونوں نے اس عورت کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ لہذا سب ان کے قتل کی سزا میں حاضر ہوجاؤ۔ وزیر جو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا تیزی سے بادشاہ کے پاس پہنچا، اور اس کو یہ سارا ماجرا سنایا، بادشاہ نے فوراً دونوں قاضیوں کو بلایا اور ان دونوں کو الگ کرکے سوالات کیے، اور جیسے دانیال علیہ السلام نے کیا تھا بالکل ویسے ہی کیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے بالکل مختلف جواب دیے۔ بادشاہ نے لوگوں میں منادی کرادی کہ سب لوگ ان کے قتل کی سزا میں حاضر ہوجائیں؛ چناچہ وہ دونوں قتل کردیے گئے۔

اسی طرح اس قصے کو داؤد بن عمر الانطاکی المعروف بالاکمہ (م ۱۰۰۸ھ) نے اپنی کتاب **تزیین الأسواق فی أخبار العشاق** (۱/۱۱۵) میں، اور زینب بنت علی (م ۱۳۳۲ھ) نے اپنی کتاب **الدر المنثور**

في كتاب طبقات ربات الخدور (۲۵۴/۱) میں بھی ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ قصہ تورات میں سفرِ دانیال میں موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجتماعی قرآن خوانی کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں کسی بزرگ کی وفات پر اجتماعی قرآن خوانی ہوتی ہے۔ کیا قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمیں تلاشِ بسیار کے بعد ایک روایت ایسی ملی جس میں یہ ذکر ہے کہ انصار مدینہ میں یہ طریقہ جاری تھا کہ میت کے پاس سورۂ بقرہ اور سورۂ یٰس پڑھا کرتے تھے؛ اگرچہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہؒ اور بعض محدثین نے باب ما يقال عند المريض إذا حضر میں بیان کیا ہے؛ لیکن اس حدیث کے دوسرے طرق میں بعد الموت کے الفاظ آتے ہیں؛ اسی وجہ سے دوسرے محدثین نے اس کو قراءت عند القبور کے باب میں بیان کیا ہے۔ روایت ملاحظہ کیجیے:

حدثنا حفص بن غياث (ثقة)، **عن المجالد** (ليس بالقوي)، **عن الشعبي** (أحد الأعلام)، **قال: كانت الأنصار يقرؤون عند الميت بسورة البقرة.** (مصنف ابن أبي شيبة: ۱۰۸۴۸/۱۱۲/۲).

قال أبو بكر الخلال: أخبرني أبو يحيى الناقد (ثقة)، **قال حدثنا سفيان بن وكيع** (ضعيف)، **قال: حدثنا حفص** (ثقة)، **عن مجالد** (ليس بالقوي)، **عن الشعبي** (أحد الأعلام)، **قال: كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرؤون القرآن.** (القراءة عند القبور ۳۱۱/۸۹/۱).

أخبرنا أحمد (ثقة وهو أبو الحسن العتيقي)، **حدثنا علي بن عمر السكري** (الشيخ)، **حدثنا عبد الله بن محمد** (حافظ)، **حدثنا محمد بن حسان السمتي** (صدوق، لين الحديث)، **حدثنا إسماعيل بن مجالد** (صدوق)، **حدثنا مجالد** (ليس بالقوي)، **عن الشعبي** (أحد الأعلام) **قال: إن سنة كانت في الأنصار؛ إذا مات المسلم لا يدفن حتى يقرأ عند رأسه سورة يس.** (الطيوريات لأبي الطاهر السلفي: ۴۸۹/۵٦۸/۲).

☆ **مجالد بن سعيد بن عمير الهمداني الكوفي: روى عنه سفيانان، وشعبة، وابن**

المبارک وغيرهم. قال البخاري: كان يحيى بن سعيد يضعفه.

وكان عبد الرحمن بن مهدي لا يروي عنه شيئاً.

وكان أحمد بن حنبل لا يراه شيئاً يقول: ليس بشيء.

وقال علي بن المديني: قلت ليحيى بن سعيد: مجالد؟ قال: في نفسي منه شيء .

وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم: حدثنا أحمد بن سنان، قال: سمعت عبد الرحمن بن مهدي يقول: حديث مجالد عند الأحداث: يحيى بن سعيد، وأبي أسامة ليس بشيء، ولكن حديث شعبة، وحماد بن زيد، وهشيم وهؤلاء القدماء، يعني أنه تغير حفظه في آخر عمره.

وقال النسائي: ثقة. وقال في موضع آخر: ليس بالقوي.

قال أبو أحمد بن عدي: له عن الشعبي عن جابر أحاديث صالحة، وعن غير جابر من الصحابة أحاديث صالحة، وعامة ما يرويه غير محفوظ. روى له مسلم مقرونا بغيره، والباقون سوى البخاري. (تهذيب الكمال: ٥٧٨٠/ ٢٧/ ٢١٩) .

☆ سفيان بن وكيع بن الجراح : كان صدوقاً، إلا أنه ابتلى بوراقه، فأدخل عليه ما ليس من حديثه فنصح فلم يقبل فسقط حديثه. من العاشرة. ت ق. (تقريب التهذيب: ٢٤٥٦).

☆ محمد بن حسان السمتي: قال الدارقطني: ليس بالقوي.

وقال أبو يعلى: قال ابن معين: لا بأس به.

وقال أبو حاتم: ليس بالقوي.

وقال الدارقطني: أيضا: ثقة. يحدث عن الضعفاء. (ميزان الاعتدال: ٥١٢/٣).

انفرادی طور پرقرآن پڑھ کر بخشنے کے بارے میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کی سند پر اگر چہ کچھ کلام ہے؛ لیکن سب کو ملانے سے کم ازکم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے۔ اور ویسے بھی فضائل میں ثواب کی نیت سے ان پر عمل کرنا درست ہے، جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

حدثنا أحمد بن إبراهيم بن شاذان، ثنا عبد اللّٰه بن عامر الطائي، حدثني أبي، ثنا علي بن موسى، عن أبيه موسى، عن أبيه جعفر، عن أبيه محمد، عن أبيه علي، عن أبيه الحسين،

عن أبيه علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. (فضائل سورة الإخلاص: ۱/۱۰۲/۵۴).

وفيه عبد الله بن أحمد بن الطائي متكلم فيه. وللحديث طريق آخر:

أخرج الرافعي في أخبار قزوين بسنده (۲/۲۹۷) ثنا داؤد بن سليمان الغازي أنبأ علي بن موسى الرضا حدثني أبو موسى بن جعفر عن أبيه جعفر بن محمد عن أبيه محمد بن علي عن أبيه علي بن الحسين عن أبيه الحسين بن علي عن أبيه علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مر على المقابر فقرأ فيها إحدى عشر مرة قل هو الله أحد ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. وفيه داؤد بن سليمان الغازي وهو كذاب. وكذا أخرجه المستغفري في فضائل القرآن (۱۰۷۵، ۲/۷۱۸).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

حدثنا أبو أسامة عبد الله بن محمد بن أبي أسامة الحلبي، ثنا أبي، ح وحدثنا إبراهيم بن دحيم الدمشقي، ثنا أبي، ح وحدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا علي بن بحر، قالوا: مبشر بن إسماعيل، حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه، قال قال لي أبي: يا بني إذا أنا مت فألحدني، فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم سن علي الثرى سنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ذلک. (المعجم الكبير: ۱۹/۲۲۰). رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون. (مجمع الزوائد: ۴۲۴۳، ۳/۴۴، ط:دارالفکر).

وفي تعليق إعلاء السنن: وله شاهد من حديث عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة. رواه البيهقي في شعب الإيمان(۸۸۵۴، ۱۱/۴۷۱). وقال: الصحيح أنه موقوف عليه. وفي الأذكار للنووي (۴۹۳): و روينا في سنن البيهقي بإسناد حسن أن ابن عمر رضي الله عنه استحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن

أول سورة البقرة و خاتمتها . وهو موقوف في حكم المرفوع، فإنه غير مدرك بالرأي. (۸/ ۳۴۲) .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

قال أبو إسحاق الثعلبي (۴۲۷): أخبرني الحسين بن محمد الثقفي (ثقة)، قال: حدثنا الفضل بن الفضل الكندي (صدوق)، قال حدثنا حمزة بن الحسين بن عمر البغدادي (ثقة)، قال حدثنا محمد بن أحمد الرياحي(صدوق)، قال حدثنا أبي(ثقة)، قال حدثنا أيوب بن المدرك (ضعيف، متروك)، عن أبي عبيدة (ثقة، مدلس وهو حميد ابن أبي حميد البصري)، عن الحسن (الإمام)، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات . (الكشف والبيان عن تفسير القرآن:۸/۱۱۹). وفيه أيوب بن مدرك متروك .

☆ أيوب بن مدرك: قال ابن معين: ليس بشيء. وقال مرة: كذاب .

وقال الدارقطني: شامي متروك.

وقال ابن عدي: يتبين على رواياته أنه ضعيف.

وقال ابن حبان: يروي المناكير عن المشاهير ويدعي شيوخا لم يرهم.

وقال أبو حاتم والنسائي: متروك. (لسان الميزان: ۱۳۸۲، ۲/۲۵۴).

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

ذكر أبو الحسن الهكاري (۴۸۶): باب في أن ثواب القرآن يصل إلى الموتى:

أخبرنا أبو القاسم أحمد بن علي بن المظفر بن الطوسي المقري بالموصل (لم أجد)، أنبأ نصر بن أحمد المرجي (ثقة)، ثنا أبو يعلى أحمد بن علي المثنى(وهو الموصلي صاحب المسند)، ثنا أبو همام الوليد بن شجاع(حافظ)، ثنا الوليد بن وهب (ثقة لعله عبد الله بن وهب)، قال أنبأ أبو يحيى بن أيوب (صالح الحديث وهو الغافقي)، عن زياد بن فائد (متكلم فيه وهو زبان)، عن سهل بن معاذ (متكلم فيه)، عن أبيه (صحابي)، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن وعمل بما فيه ألبس والداه بالذي عمل تاجاً يوم القيامة . (هدية الأحياء للأموات وما

يصل إليهم من النفع والثواب على ممر الأوقات، رقم:١٣). وفيه زبان بن فائد متكلم فيه.

☆ سهل بن معاذ: لا بأس به إلا في روايات زبان عنه. (تقريب التهذيب: ٢٦٦٧).

☆ زبان بن فائد: ضعيف الحديث مع صلاحه وعبادته. (تقريب التهذيب: ١٩٨٥).

وقال ابن حبان: منكر الحديث جداً، يتفرد عن سهل بن معاذ بنسخة كأنها موضوعة، لا يحتج به . (تهذيب التهذيب: ٣٠٨/٣).

☆ نصر بن أحمد المرجي: قال الذهبي: وما علمت فيه جرحاً. (سير أعلام النبلاء: ١٧/١٧).

☆ أبوالحسن على بن أحمد الهكاري ؛ قال الذهبي فى الميزان : قال ابوالقاسم بن عساكر : لم يكن موثقاً ، وقال ابن النجار: متهم بوضع الحديث وتركيب الأسانيد ، قاله في ترجمة عبد السلام بن محمد ، انتهى . (ميزان الاعتدال:٣٢/٤، ترجمة:٥٧٧٤، ولسان الميزان: ٤٨٣/٥، ترجمة: ٥٣٠٩،ط: مكتب المطبوعات الإسلامية ، وسير أعلام النبلاء مع التعليقات: ٦٧/١٩).

(وأيضاً أخرجه الإمام أبوداود ، رقم: ١٤٥٣ ، وأبويعلى الموصلي في مسنده ، رقم: ١٤٩٣).

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

أخبرنا أبو منصور محمد بن أحمد بن القاسم بثغر آمد (له ترجمة في تاريخ الإسلام)، قال: أنبأ أبوبكر محمد بن عربي بن علي المنقري بالبصرة (له ترجمة في تاريخ الإسلام وهو ابن عدي)، قال: ثنا أبو أحمد إسحاق بن عبد الجبار (لم أجد)، قال: ثنا عبد الله بن جعفر بن بركة الإسكندارني(ثقة وهو ابن تركة كما في توضيح المشتبه لابن ناصر الدين)،قال ثنا إبراهيم بن نصر (لم أجد)، ثنا شعبة (أمير المؤمنين في الحديث)، عن داؤد بن أبي هند (حافظ)، عن زرارة (ثقة وهو ابن أوفى)، عن تميم الداري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من مؤمن يقرأ آية الكرسي فيجعل ثوابها لأهل القبور إلا لم يبق على وجه الأرض قبر إلا أدخل الله فيه معروفاً ووسع عليهم قبورهم مد البصر، وأعطاه الله بقراءتها ثواب ألف شهيد، ورفع له ألف درجة، وكتب له بكل كلمة ألف حجة، وألف عمرة، وخلق الله بكل حرف ملكين يسبحان لله عزوجل إلى يوم القيامة وكان ثوابهم له. (هدية الأحياء للأموات وما يصل إليهم من النفع والثواب

على ممر الأوقات،٦١). وفيه من المجاهيل من لم أعرفهم .

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

حدثنا محمد بن العلاء ومحمد بن مكي المروزي المعنى قالا: حدثنا ابن المبارك عن سليمان التيمي، عن أبي عثمان، وليس بالنهدي عن أبيه عن معقل بن يسار قال قال النبي صلى الله عليه وسلم: اقرؤوا يس على موتاكم. وهذا لفظ ابن العلاء.(سنن أبي داؤد رقم ٣١٢١).

وأبو عثمان ذكره في الكمال في الكنى فقال: أبو عثمان روى عن أبيه روى عنه سليمان التيمي، قال علي بن المديني: لم يرو عنه غير التيمي، وهو إسناد مجهول. وقال أبو عبيد الآجري عن أبي داؤد هو أبو عثمان السلي. وذكره ابن حبان في الثقات ٦٦٤/٧. وقال الذهبي: لا يعرف أبوه ولا هو ولا روى عنه سوى سليمان التيمي (١٠٤٠٩/٤)، وقال ابن حجر في التقريب ٨٢٤٠: مقبول. (تهذيب الكمال مع التعليقات: ٧٥/٣٤).

قال القرطبي في حديث إقرؤوا على موتاكم يسٓ، هذا يحتمل أن تكون هذه القراءة عند الميت حال موته ويحتمل أن تكون عند قبره. (التذكرة: ٢٨٧/١). قلت: وبالأول قال الجمهور كما تقدم في أول الكتاب، وبالثاني قال ابن عبد الواحد المقدسي في الجزء الذي تقدمت الإشارة إليه وبالتعميم في الحالين. (شرح الصدور: ٣٠٤/١).

امام عامر بن شرحبیل شعبیؒ کی روایت:

قال أبو بكر الخلال: أخبرني أبو يحيى الناقد(ثقة)، قال حدثنا سفيان بن وكيع (ضعيف)، قال: حدثنا حفص (ثقة)، عن مجالد(ليس بالقوي)، عن الشعبي(أحد الأعلام)،قال: كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرؤون القرآن . (القراءة عند القبور ١/ ٨٩/ ١١٣).

أخبرنا أحمد (ثقة وهو أبو الحسن العتيقي)، حدثنا علي بن عمر السكري(الشيخ)، حدثنا عبد الله بن محمد (حافظ)، حدثنا محمد بن حسان السمتي (صدوق، لين الحديث)، حدثنا إسماعيل بن مجالد (صدوق)، حدثنا مجالد (ليس بالقوي)، عن الشعبي (أحد الأعلام) قال: إن سنة كانت في الأنصار؛ إذا مات المسلم لا يدفن حتى يقرأ عند رأسه سورة يسٓ. (الطيوريات لأبي الطاهر السلفي ٣٨٩/٥٦٨/٢).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو اللّٰه أحد وألهكم التكاثر ثم قال إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى اللّٰه. رواه أبو القاسم سعد بن علي. (شرح الصدور: ۱/۳۰۳). لم أجد سنده .

اس لیے شیخ شمس الدین المقدسی الحنبلی اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں:

الدليل الثامن: أن المسلمين يجتمعون في كل مصر، ويقرؤون ويهدون لموتاهم ولم ينكره منكر، فكان إجماعاً، واستدل المخالف بالآية وقد سبق الكلام عليها بما يغني عن إعادته. (الكلام على وصول القراءة للميت، وكذا في شرح الصدور للسيوطي ۱/۳۰۲).

قال الملا علي القاري: وبالأحاديث المذكورة وهي إن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلاً ، وأن المسلمين ما زالوا في كل مصر وعصر يجتمعون ويقرؤون لموتاهم من غير نكير، فكان ذلك إجماعاً، ذكر ذلك كله الحافظ شمس الدين بن عبد الواحد المقدسي الحنبلي في جزء ألفه في المسألة، ثم قال السيوطي: وأما القراءة على القبر فجزم بمشروعيتها أصحابنا وغيرهم. قال النووي في شرح المهذب: استحب لزائر القبور أن يقرأ ما تيسر من القرآن، ويدعو لهم عقبها، نص عليه الشافعي، واتفق عليه الأصحاب، وزاد في موضع آخر: وإن ختموا القرآن على القبر كان أفضل. (مرقاة المفاتيح: ۳/۱۲۲۹).

فقہائے احناف کے یہاں بھی قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے:

وعليه عمل المسلمين من لدن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى يومنا هذا من زيارة القبور و قراءة القرآن عليها و التكفين و الصدقات و الصوم و الصلاة و جعل ثوابها للأموات، ولا امتناع في العقل أيضاً؛ لأن إعطاء الثواب من اللّٰه تعالى إفضال منه لا استحقاق عليه، فله أن يتفضل على من عمل لأجله بجعل الثواب له كما له أن يتفضل بإعطاء الثواب من غير عمل رأساً. (بدائع الصنائع: ۳/۲۸۵).

وكره أبو حنيفة قراءة القرآن عند القبور لأنه لم يصح عنده في ذلك شيء عن النبي صلى الله عليه وسلم، ولا يكرهه محمد، وبه نأخذ لما فيه من النفع للميت لورود الآثار بقراءة آية الكرسي و سورة الإخلاص و الفاتحة و غير ذلك عند القبور. (الاختيار لتعليل المختار: ۱۹۱/۴).

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قراءة قرآن أو الأذكار إلى غير ذلك من جميع أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه. (تبيين الحقائق: ۸۳/۲).

(صلاة) يعني سواء كان جعل ثواب عمله لغيره صلاة (أوصوما أو صدقة أو غيرها) كالحج وقراءة القرآن والأذكار. (البناية: ۲۶۶/۴).

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق: ۶۳/۳).

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قراءة قرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر ويصل ذلك إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح: ۲۲۹/۱).

صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية، بل في زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. (رد المحتار: ۲۴۳/۲).

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان أو صوما أو صدقة أو غيرها كالحج وقراءة القرآن والأذكار وزيارة قبور الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والشهداء والأولياء والصالحين وتكفين الموتى وجميع أنواع البر، كذا في غاية السروجي شرح الهداية. (الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۱).

اور جب فی نفسہٖ قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا ثابت اور مباح ہے، تو اس کے لیے تداعی اور اعلان بشرطیکہ اعلان ہی ہو، مباح ہوگا۔ اور جب دونوں کام جائز ہیں تو پھر اس کے لیے اجتماع بھی جائز ہوگا؛ لیکن واضح رہے کہ یہ جواز اسی وقت ہوگا جبکہ اس اجتماع کو کوئی دین کا حصہ یا ضروری نہیں سمجھے نیز دیگر خرافات سے بھی پاک ہو۔ اجتماعی قرآن خوانی کو بعض علمائے دیوبند نے مکروہ لکھا ہے اور اس کو ایک قابلِ ترک رسم بتلایا ہے:

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کے ایصال ثواب کے لیے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جائے تو جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لیے کہنا کیسا ہے؟ جواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لیے جو بدعت اور مکروہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۶۲۱)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو اس کے لیے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر تلاوت کر سکتا ہے، اجتماع کی کیا ضرورت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۳۶۱)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اپنے طور پر ہمیشہ آدمی اپنے اکابر کو، متعلقین کو، احباب کو ثواب پہنچانے کا اہتمام رکھے، اور دوسرے حضرات اگر کسی وقت جمع ہو جائیں تو بغیر اہتمام کے وہ بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن قرآن خوانی کے لیے کوئی وقت مقرر کرنا، اور اس پر لوگوں کو بلانا، شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی، اور جو چیز شریعت سے ثابت نہ ہو اس کو اپنی طرف سے شروع کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۴/ ۴۳۱)۔

فتاویٰ قاسمیہ میں ہے:

ختم قرآن بہت مبارک اور باعثِ خیر و برکت ہے، اور ختم قرآن کریم کے ذریعہ ایصالِ ثواب بھی جائز اور اس کا ثواب میت کو پہنچنے کی قوی امید ہے؛ لیکن ختم شریف کے لیے تداعی اور اعلان کو امداد الفتاویٰ، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ اور نفع المفتی والسائل میں مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۱۰/ ۲۲۶)۔

نظام الفتاویٰ میں ہے:

قرآن خوانی اکھٹا ہو کر جہراً کرنا ممنوع ہے، لترک الانصات والاستماع الواجب، خواہ مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی نہ ہو، جب بھی مکروہ ہے تو جس وقت مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی منضم ہو جائے تو کراہت

میں شدت ہوجاتی ہے۔(نظام الفتاویٰ:۱/ ۴۱۸)۔

فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

الاستفسار: ما تعارف في بلادنا، أن الوارث في يوم موت المورث من كل سنة يجمع القراء، والحفاظ، ويأمر بقراء ة القرآن؛ لهدية الثواب إلى الميت، فيقرأ كل جزءاً واحداً أو جزئين جهراً، هل يكره ذلک؟

الاستبشار: يكره إن قرؤوا جهراً لإخلاله باستماع القرآن، وهو فرض. في خزانة الروايات: في التتارخانية: عن المحيط: من المشايخ من قال: إن ختم القرآن بالجماعة جهراً، أو يسمى بالفارسية سيباره خواند مكروه. وفي القنية عن شرح السرخسي: يكره للقوم أن يقرؤوا جملة لتضمنها ترک الاستماع والإنصات بهما. وعن فتاوى أبي فضل الكرماني: لا بأس به. في البناية: من المشايخ من قال: قراء ة القرآن بالأجزاء الثلاثين مكروهة لما فيه من الغلط. وفي المجتبى: والعامة جوزوه بدعة حسنة لما فيه من إحراز فضل الختم في ساعة. انتهى. (نفع المفتي والسائل: ۴۳۰).

دیگر علمائے دیوبند کی رائے یہ ہے کہ اگر قرآن خوانی کی مجلس منکرات سے خالی ہو تو اس کے لیے جمع ہونا جائز اور مباح ہے: فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

اگر بلا تعین یوم کے جمع ہو کر ختمِ قرآن کریں یا کلمہ طیبہ، اور ایصال ثواب اس کا کریں تو جائز ہے، اکثر علماء کے نزدیک اگر چہ علامہ مجد الدین فیروزآبادی ایصالِ ثواب میت کے اجماع کو بھی بدعت لکھتے ہیں سفر السعادت میں۔(فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۳۷، ط: اسلامی کتب)۔

کفایت المفتی میں ہے:

قرآن خوانی کے لیے بستی کے مسلمانوں کو بلا تخصیص یوم کے احیانا جمع کر لینا مباح ہے؛ بشرطیکہ ان کو اجرت نہ دی جائے، بلکہ پڑھنے والے لوجہ اللہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں۔ (کفایت المفتی: ۵/ ۵۹۶)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

رسم ورواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ کے بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کیے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام بغیر میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز واقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر

قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے ممنوع نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۱/۵۹۱)۔

لباب الفتاویٰ میں ہے:

نفسِ قرآن خوانی کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے؛ البتہ آج کل کے رائج شدہ طریق کے مطابق قرآن خوانی کئی وجوہ سے قابلِ اجتناب ہے۔ (لباب الفتاویٰ:۴۳۱)۔

انکار کرنے والے علماء نے موجودہ زمانے کی خرافات کے علاوہ دو علتیں بیان کی ہیں: (۱) تداعی لغیر المقصود، (۲) خلط الاصوات وترک الاستماع۔ ان دونوں کا جواب درج ذیل ہے:

(۱) مستحب اس کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جس کے لیے بلانا اور تداعی ثابت ہے جیسے: دعوتِ ولیمہ وغیرہ، اور دوسری مستحب کی قسم وہ ہے جس کے لیے تداعی وجمع ہونا ثابت نہ ہو، جیسے: نفل نماز کے لیے جماعت بہ طور دوام ثابت نہیں، ہاں احیانا کو علامہ شامیؒ نے جائز لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن مستحبات کے لیے جمع ہونا اور اعلان کرنا ثابت نہ ہوا گر اس کے لیے جمع ہونے کو سنت وعبادت سمجھ کر اعلان کرے تو یہ بدعت ہے، اور اگر ایسے اجتماع کو سنت وعبادت یا مقصد نہ سمجھے اور لوگوں کو جمع کرنا ایک مصلحت اور مفید شی سمجھ کر ہو، اور نہ جمع ہونے والوں پر لعن طعن نہ ہو، اور ان کو قابلِ ملامت نہ سمجھے تو اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہم اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تا کہ مسئلہ خوب ذہن نشین ہو جائے اور شرح صدر ہو جائے: علامہ ابن تیمیہؒ نے حلق کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک حلق بدعت بھی ہے، جو عام حالت میں مباح ہے؛ لیکن اگر اس کو عبادت سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے، بالکل اسی طرح کسی مستحب کام کے لیے اجتماع اور خاص ہیئت کو اگر کوئی عبادت اور سنت سمجھ لے تو وہ قابلِ مذمت ہے۔

مختلف قسم کے جلسے اور کانفرنسیں جیسے جلسہ دستار بندی، تبلیغی اجتماع، شب گزاری کا اجتماع، پرانوں کا جوڑ، دار العلوم دیوبند کا صد سالہ جلسہ، مظاہر العلوم کے پرانے زمانے کے جلسے جس میں حضرت تھانویؒ خود تشریف لاتے تھے۔ تصوف کے سلسلوں سے منسلک حضرات کے اصلاحی جلسے، اہلِ سنت کانفرنس، انگلینڈ والوں کی توحید وسنت کانفرنس، سلفیوں کی سعودی عرب میں مختلف کانفرنسیں، حسن قراءت جلسہ، ختمِ بخاری کے اجتماعات اور فقہی کانفرنسیں وغیرہ وغیرہ۔ مذکورہ بالا سب اجتماعات پر مستحب کی تعریف [جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے] صادق آتی ہے۔ اس کو کرنے والے اچھا کام سمجھتے ہیں؛ اس لیے ان پر قوم یا حکومتیں لاکھوں ڈالر خرچ کرتی ہیں۔

یہ اجتماعات نبوت کے عہد زریں سے ثابت نہیں؛ لیکن چونکہ ہمارے علماء اور مشائخ ان کو سنت ومقصود نہیں؛ بلکہ مصلحت اور مفید سمجھتے ہیں؛ اس لیے یہ کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرتے ہیں، اور نہ کرنے والوں پر ذرہ برابر بھی تنقید نہیں کرتے۔ (مستفاد از فتاویٰ دارالعلوم زکریا :۷/ ۸۰۷)۔

(۲) قرآن کریم کا سننا نماز میں لازم اور نماز سے باہر مستحب ہے، اور یہی قول آسان اور راجح ہے۔اور خصوصاً جب ایک ساتھ تلاوت ہورہی ہو تو ایک دوسرے کا سننا واجب نہیں۔ایک ساتھ مل بیٹھ کر اجتماعی تلاوت کرنا اس طرح پر کہ جہر مفرط نہ ہو روایات سے ثابت ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۷/ ۵۸۷)۔

روایات ملاحظہ کیجیے:

حدثنا أحمد بن إسحاق الأهوازي، قال نا الحسين بن الحسن، قال: نا أبو يعقوب الثقفي (متكلم فيه)، **عن عاصم بن كليب، عن أبيه، قال: كان علي في المسجد أحسبه قال: مسجد الكوفة فسمع ضجة شديدة فسأل ما هؤلاء؟ فقالوا: قوم يقرؤون القرآن أو يتلون القرآن، فقال: أما إنهم كانوا أحب الناس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن علي، إلا من هذا الوجه ولا نعلم رواه عن عاصم بن كليب، إلا أبو يعقوب الثقفي، وأبو يعقوب هذا رجل مشهور روى عنه عبيد الله بن موسى، وحسين بن الحسن وغيرهما.** (مسند البزار: ۳/۹۵/۸۷۴).

حدثنا محمد بن العباس الأخرم، ثنا محمد بن حرب النشائي، ثنا علي بن يزيد الأكفاني، عن حفص الغاضري (متروك وهو ابن سليمان)، **عن عاصم بن كليب، عن أبيه قال: سمع علي بن أبي طالب، ضجة في المسجد، يقرؤون القرآن ويقرؤون، فقال: طوبى لهؤلاء، هؤلاء كانوا أحب الناس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. لم يرو هذا الحديث عن عاصم بن كليب إلا حفص الغاضري، تفرد به: علي بن يزيد.** (المعجم الأوسط: ۷/۲۱۴/ ۷۳۰۸).

رواه الطبراني في الأوسط، والبزار بنحوه، وفي إسناد الطبراني حفص بن سليمان الغاضري وهو متروك، ووثقه أحمد في رواية، وضعفه في غيرها، وفي إسناد البزار إسحاق بن إبراهيم الثقفي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد: ۷/ ۱۶۲).

مذکورہ بالا روایات اور فقہائے کرام کی عبارات اور فتاویٰ کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کرنا یا کم از کم یس پڑھوانا درست ہے؛ بشرطیکہ اس میں خلافِ شرع قید و پابندی نہ ہو، چاہے وہ مسجد میں ہو یا گھر میں۔ زمانۂ سلف سے اس کا معمول جاری ہے؛ چناچہ مدارسِ دینیہ میں بھی کسی شخصیت کے انتقال پر اگر قرآن خوانی ہوتی ہے تو وہ مذکورہ قیود و پابندیوں سے خالی ہوتی ہے؛ اس لیے ایسی پاکیزہ قرآن خوانی کے جائز بلکہ مستحسن ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اکابر علمائے دیوبند اور اسلاف کے واقعات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، مثلاً: مولانا قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے ریاست دکن کے قاضی مولانا محمد احمد نانوتویؒ کا جب انتقال ہوا، تو اس وقت برصغیر کے سینکڑوں مدارس میں ہزاروں کبار علماء کی موجودگی میں ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے دارالعلوم دیوبند کی سالانہ روائیداد) لہذا بعض اہل علم کا ایصالِ ثواب کے لیے مطلقاً اجتماعی قراءتِ قرآن کو بدعت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (ماخوذ از ایصال ثواب اور مروجہ قرآن خوانی کا حکم مع التغیرات، مؤلفہ: مفتی رشید احمد فریدی، مفتاح العلوم، تراج، سورت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈیجیٹل تصویروں کے متعلق فتاویٰ دارالعلوم زکریا کے ایک فتوے پر بعض علماء کے اشکالات کے جوابات:

شناختی کارڈ، آئی ڈی، پاسپورٹ، ملازمت اور تعلیمی کاغذات کے لیے تصویر لینے اور بنوانے کی گنجائش پر دورِ حاضر کے سب علماء اور مفتی حضرات متفق ہیں، پھر پاسپورٹ کے ساتھ جس نوع کا بھی سفر کیا جائے، فرض حج کا سفر ہو یا نفلی حج اور عمرہ کا سفر ہو یا ملاقاتی یا سیاحتی سفر ہو ہر قسم کا سفر اس میں شامل ہے پھر اگر مباح یا سیاحتی یا مستحب سفر کے لیے پاسپورٹ وغیرہ بنوایا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مندوب اور مباح کام کے لیے حرام یا ناجائز کو کیسے برداشت کیا گیا، اس لیے جو حضرات اس کو حقیقی تصویر مانتے ہیں ان کے نزدیک ایک مستحب کام کے لیے حرام یا ناجائز عمل سے گزرنا ہوگا جو شرعاً درست نہیں۔ ہاں اس کا حل بعض مفتی حضرات نے یہ نکالا ہے کہ حقیقی تصویر تشبیہ المصنوع بالمخلوق ہے جس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں تصویر کے لیے صراحت کے ساتھ تشبیہ کے الفاظ وارد ہیں، اور مروجہ تصویر حبس ظل المخلوق ہے اس لیے یہ تصویر حقیقی تصویر نہیں مشابہ بالتصویر ہے تو اگر اس میں ضررِ شرعی نہ ہو اور دینی فائدہ ہو اور ضرورت اور حاجت ہو اور عیاشی یا لذتِ نظر کے لیے نہ ہو اور بدنظری کا پہلو نہ ہو تو موجودہ زمانہ میں بعض مفتی حضرات کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔

یادرہے کہ حقیقی تصویر نہ ہونے کا مطلب اس تصویر کی کھلی چھٹی دینا نہیں، لہذا اس میں ضررِ شرعی کو دیکھنا چاہیے اگر ضررِ شرعی ہو تو یہ مشابہ بالتصویر بالکل ممنوع ہونی چاہیے، جیسا عام طور پر لوگ فضول تصاویر کھینچتے ہیں یا مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع کی تصویریں لیتے ہیں یا کسی عام جلسہ یا تقریب کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں، اور اگر اس میں دینی فائدہ ہے تو پھر بعض علماء کے نزدیک یہ عمل جائز ہوگا، مثلاً: نفلی حج وعمرہ کا سفر یا بیرونِ ملک ملاقاتی سفر کے لیے تصویر لینے کی گنجائش ہوگی، تو بعض علماء کے اس قول کو نقل کرنے سے میرا مقصد اس کے مضر ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ میرا مقصد احادیث میں واردشدہ وعیدوں سے بچنے کی راہ تلاش کرنا ہے، مثلاً: **أشد الناس عذاباً یوم القیمة المصورون، یقال لهم أحیوا ما خلقتم**" (مسند أحمد، رقم: ۴۷۹۲، قال الشیخ شعیب: صحیح وهذا اسناد ضعیف لضعف عاصم بن عبید اللّٰه بن عاصم بن عمر) سب سے شدید ترین عذاب والے مصورین ہیں ان سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا اس کو زندہ کرو، **أشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق اللّٰه**، (صحیح البخاری، رقم: ۵۹۵۴، باب ماوطئ من التصاویر، وصحیح مسلم، رقم: ۲۱۰۷)، **من صور صورة فی الدنیا کلف یوم القیامة أن ینفخ فیها الروح**، (صحیح البخاری، رقم: ۵۹۶۳، باب من صور صورة، وصحیح مسلم، رقم: ۲۱۱۰) اِن وعیدوں سے بچانے کی ایک تدبیر تھی، ورنہ اگر فرشتے سوال کریں کہ ایک مباح اور مندوب سفر کے لیے آپ نے اتنی بڑی وعید کو اپنے سر پر کیوں لیا تو اس کا یہ جواب تو آسان ہے کہ یہ تصویر شرعی نہیں، یعنی میں نے مصنوع کو خدا کی مخلوق کے مشابہ نہیں بنایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سایہ کو میں نے بٹن دبا کر محفوظ کیا ہے، اور اس میں دینی فائدہ ہے کوئی ضرر نہیں یا حق سفر استعمال کرنے کا ایک راستہ ہے، ہاں اگر بے فائدہ کسی مجلس کی تصویر بنالی جائے، اگر چہ اس کا نام یادگار رکھ لیں تو بھی یہ درست نہیں۔

جن دینی پروگرام میں علمائے کرام جدید کیمرہ کے ساتھ تصویر کی اجازت دیتے ہیں ان میں نفلی حج وعمرہ کے علاوہ حکومتی دستاویزات وسندات، چوروں کی شناخت کے لیے کیمرا نصب کرنا شامل ہے، نیز بعض ممالک میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں ان کی تصویر شائع کرنے سے ظالموں کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے اور مظلومین کی مدد کے لیے راہ ہموار ہوجاتی ہے، ان کی تصاویر سے دنیا کی مسلم اور غیر مسلم اقوام ان کی امداد کی طرف متوجہ ہوجاتی ہیں، اور مظلومین کو پناہ مل جاتی ہے، اور ہم نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ہفتم میں بعض مفتیانِ کرام کے اقوال کی روشنی میں دینی پروگراموں کے لیے گنجائش لکھی ہے اس سے مراد اس قسم کا دینی

پروگرام ہے عام دینی جلسے جلوس نہیں جن کی تصویر سازی میں فائدہ نہیں اور مضرت ہے ہماری سابقہ تحریر کو اِس تحریر کی روشنی میں پڑھنا چاہیے۔

یہ بھی سنا ہے کہ بعض ممالک جیسے پاکستان، ہندوستان وغیرہ کا کوئی آدمی اگر امریکہ اور کینیڈا میں رہائش پذیر ہوا اور اس کی شادی اپنے ملک پاکستان، ہندوستان میں ہو جائے تو جب تک مجلس نکاح کی ویڈیو تصویر نہ ہو اس وقت تک یہ ممالک لڑکی کو ویزا نہیں دیتے، اسی طرح بعض امدادی تنظیموں کو لوگ چندہ دیتے ہیں پھر وہ تنظیمیں غذائی اجناس اور دوسری چیزیں مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کرتی ہیں، اور ان کی تصویریں اتاری جاتی ہیں تاکہ چندہ دہندگان مطمئن ہو جائیں کہ ہمارا چندہ صحیح جگہ پر خرچ ہو رہا ہے۔ اسی طرح بعض افریقی ممالک کے اربابِ حکومت یہ شکایت کرتے ہیں کہ مالدار مسلمان ایشیا میں اپنے ممالک میں صدقات خرچ کرتے ہیں اور اپنی سکونت کی جگہ افریقہ میں خرچ نہیں کرتے تو افریقیوں میں صدقات تقسیم کرنے کی تصویروں سے وہ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یہاں بھی کام ہو رہا ہے، تو بعض دیوبندی علماء جو ڈیجیٹل تصویروں کی اجازت یا گنجائش کے قائل ہیں وہ ایسی جگہوں پر قائل ہیں، شوقیہ تصویروں، یادگار تصویروں یا ہر دینی جلسہ جلوس کی تصویروں یا مخلوط مجالس کی تصویروں یا صرف واہ واہ کرنے کے لیے کسی اجتماع کی تصویروں کے قائل نہیں۔

آمدم برسر مطلب: پاکستان صوبہ پختونخواہ کے ایک عالمِ دین نے تصویر کی حرمت پر مختلف علماء اور مفتیوں کے دستخطوں سے مزین کر کے ایک رسالہ شائع کیا اس میں ہمارے فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی بعض عبارتوں کو بھی نشانہ تنقید بنایا ہے یہ رسالہ بقرہ عید کی چھٹیوں میں بندہ عاجز کو اس وقت مرتب صاحب نے بھیجا کہ میں جنوبی افریقہ کے سفر کے لیے پابہ رکاب تھا، یہ تنقیدی مضمون مجھے ہمارے دوست اور رشتہ دار مولانا محبوب سلطان دامت برکاتہم کی وساطت سے ملا، تنقیدی مضمون میں نے اپنے پاس رکھا اور یہ سوچا کہ اگر اس میں قابل قبول باتیں ہوں تو میں قبول کرلوں گا اور اگر قابل جواب مضمون ہو تو اس کا مختصر جواب لکھدوں گا، یہ مضمون کافی دنوں تک رکھا رہا اور میں سوچتا رہا کہ بعض باتوں کا جواب لکھوں یا نہ لکھوں۔ کبھی ذہن میں آتا نہ لکھنا بہتر ہے اس لیے کہ حالی نے بہت پہلے یہ شعر کہا ہے:

جھگڑوں میں اہل دین کے نہ حالی پڑیں بس آپ ۞ قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائیگا

پھر ذہن میں بات آئی کہ مولانا صاحب کے اس مضمون سے میرے بارے میں بعض غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ میں ہر قسم کی تصویر کو درست سمجھتا ہوں حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ میں نے ذکر کیا نیز جوابی مضمون میں

بعض مفید باتیں بھی ناظرین کے سامنے آجائیگی اس لیے مختصر جواب لکھنے کا ارادہ کرلیا۔ جواب سے پہلے یہ بات عرض کروں کہ مولانا صاحب کے نزدیک جب امر مندوب اور مباح کے لیے حرام کا ارتکاب جائز ہے جیسے اپنا حق وصول کرنے کے لیے جس کا وصول کرنا لازم نہیں رشوت دینا جائز ہے تو اگر کسی مولانا صاحب کو کوئی کمیٹی والے تقریر کے لیے بلائے اور یہ بھی کہدے کہ اس میں فوٹوگرافی ہوگی تو بقول مرتب کے مولانا صاحب کو جانے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جلسہ امر مندوب ہے یعنی **ما یکون فعله أولى من ترکه.** (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص ۷۵، فصل من آداب الوضوء ،قديمی، و فتاوی الشامی: ۱/۱۰۲ ،سعيد، ذکر اجتماعی جہری شریعت کے آئینہ میں،ص ۲۶۳، ط: زمزم)، تو اس کے لیے بقول مولانا صاحب کے ناجائز کا ارتکاب جائز ہونا چاہیے حالانکہ مولانا صاحب اس کے قائل نہیں اور فقہاء کی عبارات صرف دلائلِ الزامیہ نہیں بلکہ دلائلِ واقعیہ بھی ہیں اس لیے امر مسنون یا مندوب کے لیے حرام کا ارتکاب کہاں جائز ہوسکتا ہے؟

اب ہم اصل مدعی کی طرف آتے ہیں جو قانون یا ضابطہ ہم نے بیان کیا کہ مندوب اور مسنون کے لیے حرام کا ارتکاب جائز نہیں اس قانون کو متعدد فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ خزانۃ الروایات مخطوطہ میں مرقوم ہے: **فی الذخيرة : أن المسلم يختتن ما لم يبلغ فإذا بلغ لم يختتن لأن ستر عورة البالغ فرض و الختان سنة فلا يترک الفرض للسنة و الكافر إذا أسلم يختتن بالاتفاق لمخالفته دين الإسلام وهو بالغ .** (خزانة الروايات ،ص ۳۶۱، مخوطة)، خزانۃ الروایات کے مخطوطہ کی فوٹو کاپی ہمارے دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ عبارت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں بھی نقل فرمائی ہے اردو ترجمہ والے مجموعۃ الفتاویٰ میں عبارت یوں ہے؛ سوال: بالغ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو یا کافر جو مسلمان ہوا ہو ان کا ختنہ ضروری ہے یا نہیں؟ جواب: ختنہ فرض نہیں ہے بلکہ زیادہ صحیح قول کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے لہذا جوان کے ختنہ کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر بالغ خود ختنہ کرائے یا جاریہ ختانہ مول لے یا زن ختانہ کے ساتھ نکاح کرے اور اپنا ختنہ کرائے تو مباح ہے اور جو کافر مسلمان ہوا ہو اس کا ختنہ کروانا چاہیے۔ (خزانۃ الروایات،ص ۳۶۱)۔از (معلم الفقہ اردو ترجمہ مجموعۃ الفتاویٰ :۲/۸۵،ط: آرام باغ کراچی)،خزانۃ الروایات کی اس عبارت میں صراحت کے ساتھ یہ قانون مذکور ہے کہ سنت کو ادا کرنے کے لیے ترکِ فرض یعنی ارتکابِ حرام نہیں کیا جائیگا اور یہ ضابطہ دوسرے مذاہب کی کتابوں میں بھی مذکور ہے جس کو ہم بعد میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔صلح خصومت اور صریح فیصلے کے مقابلہ میں بہتر اور مندوب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ والصلح خير ﴾ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب فضل الإصلاح بين الناس. (۳۷۳/۱) اور دوسرا باب باندھا ہے باب إذا أشار الإمام بالصلح فأبى حكم عليه بالحكم البين. (۳۷۳/۱).

اور علامہ عینی نے بخاری کی کتاب الصلح کی ابتدا میں لکھا ہے: ذكر هذه الآية في بيان فضل الإصلاح بين الناس وأن الصلح أمر مندوب إليه. (۵۷۲/۹)، قرآنِ کریم میں صلح کو خیر کہا گیا ہے اور تفسیر سمرقندی میں لکھا ہے: والصلح خير من الخصومة ، [النساء :۱۲۸]، یعنی صلح مقدمہ بازی سے بہتر ہے، لیکن فقہاء نے صلح کے لیے جھوٹ بولنے کو منع کیا بلکہ کنایات واشارات استعمال کرنے کو کہا ہے تاکہ مندوب کام کے لیے حرام کا ارتکاب نہ ہو۔ سکب الانہر (۲۲۱/۴)، والدر المختار مع رد المحتار (۴۲۷/۶، طسعید) پر مذکور ہے: والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة وفي الصلح بين اثنين في إرضاء الأهل وفي دفع الظالم عن الظلم والمراد التعريض لأن عين الكذب حرام، اس عبارت میں صریح جھوٹ سے اور حرام کے ارتکاب کو کسی اچھے کام جیسے صلح کے لیے منع کیا گیا ہے اور جہاں صریح جھوٹ کی اجازت بعض حضرات دیتے ہیں وہ یا مرجوح ہے یا کسی مظلوم کو قتل سے بچانے کے لیے ہوگی۔

۳۔ امام بخاریؒ نے ان روایات کو ذکر کیا ہے جن میں کپڑوں اور بالوں کو سمیٹ کر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے مگر اسی کے ساتھ اگر کسی کا کپڑا چھوٹا ہے تو اس کو سمیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ کشفِ عورت حرام ہے تو سنت یا مندوب کی تکمیل کے لیے حرام کا ارتکاب نہیں کیا جائیگا اس لیے امام بخاریؒ نے باب عقد الثياب باندھا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے تراجم الابواب کی شرح میں لکھا ہے: والغرض من عقد هذا الباب ههنا أن ماسيأتي من النهي عن كف الثياب محمول على الأمن من الكشف أما إذا خاف كشف العورة فلا بد من عقدها ،لأن الفرض أهم من المستحبات . (الأبواب و التراجم لصحيح البخاری، ص۹۵، ط:سعيد). اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے: أن في ضم الثوب أمناً من كشف العورة. (عمدة القاری: ۱۶۵/۴، ط:دارالحديث ،ملتان)، اِس عبارت میں علامہ عینیؒ اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے صاف طور پر اس قانون کو ذکر فرمایا ہے کہ ستر عورت فرض ہے تو کشفِ عورت حرام ہے اس لیے مستحب کی تکمیل کے لیے حرام کام نہیں کیا جائیگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو

أحل حراماً... إسناده صحيح. (سنن الترمذي، رقم ۱۳۵۲، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين المسلمين) ،اس حدیث کوفقہاء نے اپنی کتابوں میں مختلف جگہوں پر ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کہ جس سے حرام حلال ہوجائے یا اس کے بالعکس یعنی صلح کے لیے حرام کو حلال نہ بنایا جائے یا بہ الفاظِ دیگر حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

اشکالات اور جوابات: آمدم برسر مطلب: تصویروں کے بارے میں فتاویٰ مرتب کرنے والے مولانا صاحب نے فتاویٰ دار العلوم زکریا کی تحریر پر ایک اشکال یہ فرمایا ہے کہ بالغ کے ختنہ کے لیے کشفِ عورت سنت کے لیے حرام کا ارتکاب ہے، بالفاظِ دیگر یہ اصول صحیح نہیں ہے کہ مندوب اور سنت کے لیے حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بالغ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔نومسلم بالغ ؛اس کا ختنہ بہر حال ضروری ہے، الا یہ کہ وہ متحمل نہ ہو تو پھر چھوڑ دیا جائے گا، چونکہ وہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا تو اس کے لیے کفر کی علامات کو چھوڑ کر کفر کے خول سے مکمل نکلنا ضروری ہے، اس پر کفر کی کوئی علامت نہیں ہونی چاہیے اس لیے ختنہ اس کے لیے مؤکد ہے، اس کے ختنہ کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لیے یہ نومسلم کفر کی علامات سے مکمل بے زاری کا مظاہرہ کرے، لہذا اس کے لیے ختنہ ضروری ہے یعنی یہاں سنت کے ساتھ شعائر اسلام اور علاماتِ کفر کا ازالہ مل گیا اس لیے ختنہ ضروری ہوا اور کشفِ عورت جائز ہوا جیسے اگر کوئی بستی والے اذان کو ترک کریں تو ان سے قتال کیا جائیگا اس لیے کہ اذان سنتِ مؤکدہ ہونے کے ساتھ شعائر اسلام میں شامل ہے تو اس کے چھوڑنے پر قتال ہے۔نومسلم کو: ﴿**يا أيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة**﴾ [البقرة:۲۰۸]، کا حکم ہے۔ایسا نہ کرے جیسے بعض نومسلموں نے کہا تھا کہ ہم شریعتِ موسویہ پر عمل کر کے اونٹ کا گوشت ترک کریں گے اور ہفتے کے دن کی تعظیم بھی کریں گے اور اسلام کے احکام پر بھی عمل کریں گے تو ان کے بارے میں یہ آیت: ﴿**يا أيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة**﴾ [البقرة:۲۰۸]، نازل ہوئی۔یہ فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتویٰ کا خلاصہ ہے۔

ہاں اگر غیر مسلم میں ختنہ کے برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو تو ختنہ چھوڑ دیا جائے گا، **الشيخ الضعيف إذا أسلم ولا يطيق الختان إن قال أهل البصر لا يطيق يترك لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة أولى كذا في الخلاصة.** (الفتاوى الهندية: ۳۵۷/۵).

خلاصہ یہ ہے کہ نومسلم اگر تحمل کر سکتا ہو تو اس کا ختنہ ضروری ہے اور اگر پیدائشی مسلمان کا ختنہ نابالغ ہونے

کے زمانہ میں نہیں ہوا اب بالغ ہونے کے بعد اس کا ختنہ ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: ۱۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا ختنہ نہیں ہوگا۔ ہاں خود اپنا ختنہ کرسکتا ہو یا اس کی بیوی کرسکتی ہو تو ختنہ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، اس قول کو صاحبِ ذخیرہ صاحبِ خزانۃ الروایات اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے؛ اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ سنت کے لیے کشفِ عورت اور حرام کا ارتکاب نہیں کیا جائیگا اور یہی قول مالکیہ نے اختیار کیا۔

حاشیۃ العدوی علی شرح کفایت الطالب الربانی میں مذکور ہے: **والنظر لعورة الكبير المراهق أو البالغ حرام لقول اللخمي المناهز ككبير ولا يرتكب محرماً لفعل سنة ويظهر أنه يؤمر بختن نفسه لأن المكلف مأمور بفعل ما تم له إسلامه** . (۱/۵۹۶، دار الفكر)، اور اسہل المدارک شرح ارشاد السالک فی مذہب امام الائمۃ مالک۔ (۳/۳۶۴، دارالفکر) میں مذکور ہے: **أما الكبير فإنه يومر باختتان نفسه إن أمكن كمن أسلم بعد البلوغ بحرمة نظر عورة البالغ** ، اور **بلغة السالك لاقرب المسالك** میں ہے **ولا يجوز للبالغ أن يكشف عورته لغيره لأجل الختان بل إن لم يمكنه الفعل بنفسه سقطت السنة** . (حاشية الصاوی: ۲/۱۵۲، دارالمعارف).

ہاں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چونکہ ختنہ لازم ہے تو اس کے لیے بالغ کا کشفِ عورت صحیح ہے، التہذیب فی فقہ الامام الشافعی میں ہے: **و يجوز كشف عورة المختون لأجل الختان و لولا وجوبه لما جاز ترك الواجب لأجله** . (۱/۲۱۸)، اور امام نوویؒ **المجموع شرح المهذب** میں لکھتے ہیں: **فلو كان الختان سنة لما كشفت العورة المحرم كشفها له** . (۱/۳۰۰، باب السواک، دار الفكر).

دوسرا قول یہ ہے کہ بالغ کا ختنہ ہوگا، ختنہ احناف کے نزدیک اصح قول میں سنتِ مؤکدہ ہے لیکن چونکہ یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے اور شعائرِ اسلام واجبات کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں اس لیے ختنہ کیا جائے گا، درمختار مع الشامی میں ہے: **الأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر الإسلام، وخصائصه فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام فلا يترك إلا لعذر و عذر شيخ لا يطيقه ظاهر** . (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۶/۷۵۱، مسائل شتى، ط:سعيد).

امداد الاحکام میں ہے: ختنہ کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بالغ کا ختنہ کرنا اور بقدرِ ضرورت بدن کا دیکھنا چھونا جائز ہے البتہ ضرورت سے زائد بے پردگی جائز نہیں، اس لیے ختان کے سوا کوئی نہ دیکھے اور باقی بدن

کوختان سے بھی چھپائے رہے اور ختنہ صرف سنت ہی نہیں بلکہ شعائرِ اسلام میں سے بھی ہے۔ (امدادالاحکام لمولانا ظفراحمد تھانویؒ: ۴/ ۴۲۸، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: اگرچہ چار سال کے بچہ کا ستر دیکھنا بھی بلاضرورت جائز نہیں مگر بضرورتِ تداوی ستر کھولنا جائز ہے اور ختنہ تو شعائرِ اسلام ہے اس کے لیے ستر کھولنا بطریق اولیٰ جائز ہے، بالغ اور نومسلم کا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر خود ختنہ کرسکتا ہو یا زوجہ یا امہ سے کرواسکتا ہو تو غیر کے سامنے کشفِ عورت جائز نہیں، اگر کسی وجہ سے مشقتِ ختنہ کا تحمل نہ ہو تو یہ حکم ساقط ہو جائیگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/ ۶۱، ط: سعید)۔

کفایت المفتی میں ہے:

بالغ غیر مختون کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا: اگر ایسا شخص خود ختنہ نہیں کرسکتا اور آج کل باندیاں بھی نہیں ہیں جو ختنہ کرسکیں تو وہ اپنا ختنہ کرا سکتا ہے۔ (۱۲/ ۳۵۱، ط: جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ختنہ سنتِ مؤکدہ ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے بلا عذرِ شدید بالغ سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔ (۱۹/ ۴۶۶، جامعہ فاروقیہ)۔

مبسوط میں تارکین اذان سے قتال کے بارے میں لکھا ہے کہ جو شعائرِ اسلام میں سے ہو اس کا ترک دین کی بے عزتی ہے، اس کے ترک پر قتال کیا جائیگا، علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں: **وقال محمد: ما كان من أعلام الدين فالإصرار على تركه استخفاف بالدين فيقاتلون على ذلك** . (المبسوط للسرخسي: ۱/ ۱۳۳، ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشي).

شامی مع الدر المختار میں ہے:

والقتال عليه لما أنه من أعلام الدين . (فتاوى الشامي مع الدر: ۱/ ۳۸۴، سعيد).

درمختار (۱/ ۳۸۴) میں: **وهي كالواجب** لکھا ہے۔ نیز درمختار میں دوسری جگہ لکھا ہے: **ينظر الطبيب إلى موضع مرضها بقدر الضرورة إذ الضرورات تتقدر بقدرها، وكذا نظر قابلة وختان،** (الدر المختار: ۶/ ۳۷۰، سعيد) اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا يمكن تركها** . (فتاوى الشامي: ۶/ ۳۷۱، سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ مستحب کے لیے حرام کا ارتکاب درست نہیں اس لیے بالغ یا مراہق کے ختنے کو بعض فقہاء کے ہاں چھوڑا جائیگا، اور بعض فقہاء کے نزدیک اس کا ختنہ کیا جائیگا، اس لیے کہ ختنہ سنتِ مؤکدہ ہونے کے

ساتھ شعائر اسلام میں سے ہے اور یہ واجبات کے ساتھ ملحق ہے اس لیے اس کے لیے کشفِ عورت کو برداشت کیا گیا، شامی میں ترکِ اذان کے بارے میں لکھا ہے: **لو اجتمع أهل بلدة على تركه قاتلهم عليه و لو تركه واحد ضربته وحبسته وعامة المشايخ على الأول (أى كونه سنة) والقتال عليه لما أنه من أعلام الدين** . (فتاوى الشامى: ١/٣٨٤، سعيد).

دوسرا مسئلہ: جس سے ہماری تحریر پر تنقید کرنے والے مولانا صاحب نے مستحب کے لیے حرام کا ارتکاب کرنے پر استدلال کیا ہے وہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت کا دینا ہے مولانا فرماتے ہیں: رشوت حرام ہے اور اس سے بچنا فرض ہے لیکن اپنے حق کو جس کا حاصل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب ہے رشوت دے سکتے ہیں: **إذا دفع الرشوة خوفاً على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع** . اپنا حق وصول کرنے کے لیے یا ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دینے والے کے لیے یہ وعید نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۴۶۳، جامعہ فاروقیہ)۔

مولانا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حق حاصل کرنا بالکل لازم نہیں اور اس کے لیے رشوت دینے یعنی حرام کا ارتکاب جائز ہے تو مندوب ومسنون کے لیے ارتکابِ حرام بقول ان کے صحیح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے حق کے وصول کے لیے کچھ دینا یہ بظاہر رشوت ہے لیکن حقیقت میں رشوت نہیں اس لیے کہ رشوت کی ایک تعریف جو عام طور پر مشہور ہے: **الرشوة ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل** . (التعريفات للجرجانى، ص ١١١، ط: دار الكتب العلمية).

جو مال اپنے حق کے حاصل کرنے کے لیے دیا جائے اس کا دینا رشوت میں نہیں آتا یا حرام کے مد میں نہیں آتا، علامہ ابن عابدین شامیؒ کے صاحبزادے علامہ علاء الدین شامیؒ جو بڑے محقق عالم تھے اور المجلۃ العدلیۃ کے مرتبین اور مصنفین میں شامل ہیں اور شامی کا تکملہ انہوں نے مرتب کیا انہوں نے ایک مفید کتاب نوجوانوں کے لیے مرتب فرمائی ہے اس کا نام: **الهدية العلائية** ہے، اس میں مرحوم فرماتے ہیں: **دفع المال للحاكم الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله أو استخراج حق له لا يتوصل إليه إلا به ليس برشوة في حق الدافع**. (الهدية العلائية، ٢١٩، ط: دار ابن حزم).

ظالم حاکم کو ظلم دفع کرنے کے لیے مال دینا جس حق تک بغیر مال کے آدمی نہیں پہنچ سکتا دینے والے کے لیے رشوت نہیں۔ الرسائل الزینیۃ فی المذہب الحنفیۃ میں مذکور ہے: **أما الرشوة في اصطلاح الفقهاء**

فقد عرفها الجرجاني بأنها ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل، وقال النوویؒ: الرشوة محرمة على القاضي وغيره من الولاة مطلقاً لأنها تدفع إليه ليحكم بحق أو ليمتنع من ظلم وكلاهما واجب عليه فلا يجوز أخذ العوض عليه. وأما دافع الرشوة فإن توصل بها إلى باطل فحرام عليه وهو المراد بالراشي وإن توصل بها إلى تحصيل حق ودفع ظلم فليس بحرام. (الرسائل الزينية فی مذهب الحنفية، ص ۲۰۵، ط: دارالسلام، وفقه المعاملات: ۴/۷۷، والفتاوى الاقتصادية: ۱/۸۸) امام نوویؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی کے لیے رشوت لینا جائز نہیں کیونکہ قاضی پر صحیح فیصلہ کرنا یا ظلم سے لوگوں کو بچانا لازم ہے اس پر عوض لینا ناجائز ہے اور رشوت دینے کا مقصد اگر ناجائز کام کا حصول ہو تو دینا حرام ہے اور اگر اپنے حق کا حصول یا دفع ظلم ہو تو دینا حرام نہیں۔ فتح القدیر کتاب الصلح وقرۃ عین الاخیار میں اس کی مزید تفصیل ہے، تطویل سے بچنے کے لیے ہم نے ان کتابوں اور دوسری کتابوں کی عبارات چھوڑ دی۔

مذکورہ بالا تفصیل اور عبارات سے معلوم ہوا کہ اپنے حق کے حصول کے لیے جو مال دیا جاتا ہے وہ رشوت میں داخل ہی نہیں اور اگر بظاہر داخل ہو تو حرام نہیں حرام سے مستثنیٰ ہے، لہذا غیر واجب کے لیے حرام کا ارتکاب نہیں پایا گیا۔

تیسرا اشکال: جو مولانا صاحب نے کیا ہے کہ علاج سنت ہے اور ستر عورت فرض ہے لیکن فقہاء نے علاج کی خاطر کشفِ عورت کی اجازت دی ہے یہ سنت کے لیے حرام کا ارتکاب ہے، پھر فقیہ ابواللیث اور فتاویٰ حقانیہ، فتاویٰ نوازل وغیرہ کے حوالے نقل کیے ہیں کہ اگر کھانا نہ کھانے کی وجہ سے کوئی مرجائے تو عاصی اور گنہگار ہوگا اور اگر علاج نہ کرنے کی وجہ سے کوئی مرگیا تو گنہگار نہیں ہوگا، اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا کہ سنت کو ادا کرنے کے لیے حرام کام کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر حالت میں علاج کو سنت کہنا اور لازم اور ضروری نہ کہنا محل نظر ہے فقہاء کرام بے شک تحریر فرماتے ہیں: قال الفقيه أبو الليث: ولو مرض ولم يعالج حتى مات لم يأثم بخلاف الجائع إذا لم ياكل حتى مات بالجوع يأثم به. (فتاوى النوازل، ص ۲۰۰، كتاب الكراهية، ط: آرام باغ كراتشي). لیکن فقہاء کا کلام اس پر محمول ہے کہ جب علاج کی کامیابی یقینی نہ ہو ہاں اگر علاج کا تیر بہدف ہونا اور موت سے بچنا یقینی ہو یا قریب بالیقین ہو تو علاج بھی لازم ہے امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں لکھتے ہیں:

أحدهما أن معالجة الجوع والعطش بالماء والخبز جلي واضح يدركه كافة الناس ومعالجة الصفراء بالسكنجبين يدركه بعض الخواص فمن أدرک ذلک بالتجربة التحق في حقه بالأول. (إحياء علوم الدين: ۲۷۸/۴) یعنی بھوک اور پیاس کا علاج پانی اور روٹی سے ہونا واضح ہے سب لوگ اس کو جانتے ہیں یعنی یقینی ہے اور سکنجبین سے صفراء کا علاج اگر بعض خواص اچھی طرح جانتے ہوں تو علاج ان کے لیے کھانے پینے کی طرح یقینی بن گیا۔اور جدید فقہی مباحث کی کتاب جو قاضی مجاہد الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں مرتب ہوئی اس میں لکھا ہے موت کا آنا امر موہوم ہے اور آپریشن کے ذریعہ صحت کی بحالی امر متیقن یا ظن غالب کے درجہ میں ہے اس لیے امر موہوم کی خاطر آپریشن کو ترک نہیں کیا جائیگا ورنہ ضرر عام لازم آئیگا، جس کا دفعیہ ضروری ہے۔(جدید فقہی مباحث: ۲۴۱/۱۰، ط: ادارۃ القرآن)۔

اور شیخ الہندؒ کی تقریر انوار المحمود علی سنن ابی داود میں ہے: قال الإمام الغزالي لو علم المريض أنه إن لم يتداو يموت وإذا داوى بدواء مخصوص يصح فإن مات ولم يداو فهو عاصٍ كالجائع الذى مات وعنده طعام ولم يأكل. (انوار المحمود علی سنن ابی داود: ۴۱۶/۲، جامع ومرتب: مولانا محمد صدیق، ط: ادارۃ القرآن)۔

اس لیے علاج کبھی ضرورت کے درجہ میں ہوتا ہے تو جان بچانے کی خاطر کشفِ عورت کی گنجائش ہوئی اس صورت میں سنت کے لیے حرام کو اختیار نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں اگر علاج میں جان بچانے کی بات نہ ہو اور سنت کے درجہ میں ہو تو مسئلہ سنت اور فرض کا نہیں بلکہ درد اور تکلیف اور بیماری کی شدت کا ہے اس سے قطع نظر کہ علاج فرض ہے یا سنت یا مستحب ہے ایک آدمی تڑپ رہا ہے بیماری کی شدت سے بے قرار ہے اس کی وجہ سے گھر والے پریشان ہیں مریض کی نیند حرام ہو چکی ہے تو ایسی حالت میں کشفِ عورت ضرورتِ طبعیہ کی وجہ سے ہے اور یہ ضرورتِ طبعیہ ضرورتِ شرعیہ کی قائم مقام ہے اور بحر کی عبارت سے واضح ہے کہ اگر کوئی عورت معالجہ نہ ہو تو مرد عورت کا معالج بن سکتا ہے اور وہ صرف مقام مرض کو دیکھ سکتا ہے باقی جگہوں سے غض بصر کریگا: لأن ما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها. (تكملة البحر الرائق: ۳۵۳/۸). یہ حوالہ مولانا صاحب نے نقل کیا اور محیط وغیرہ کے حوالے بھی مولانا صاحب کی تحریر میں موجود ہیں، ایسی حالت میں کشفِ عورت کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے تو علاج کے لیے حرام کا ارتکاب نہیں ہوا۔ بدائع الصنائع میں لکھا ہے اگر کوئی عورت بیمار ہے اور معالج عورت نہیں ملتی اور شدید درد ہے یا موت کا خوف ہے تو یہ تحریر فرمایا ہے: يداويها الرجل، لكن لا يكشف عنها إلا موضع الجرح، ويغض بصره ما استطاع لأن الحرمات الشرعية جاز أن يسقط اعتبارها

شرعاً لمكان الضرورة كحرمة الميتة وشرب الخمر حالة المخمصة والإكراه . (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۴، سعيد).

ملاحظہ فرمائیں صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ ایسی مجبوری کی حالت میں حرمتِ شرعیہ ساقط ہوجاتی ہے جیسے شدید بھوک اور اکراہ میں خمر اور میتہ کی حرمت ساقط ہوجاتی ہے۔ علاء الدین ابن عابدین لکھتے ہیں: **ولو خيف هلاك المريضة من جرح في فرجها أو وجع لا تحتمله ولا توجد امرأة تعلم، يغض بصره ما استطاع .** (الهدية العلائية، ص ۲۰۴، دار ابن حزم)، دوسری جگہ لکھتے ہیں: **يجوز التداوي بالمحرم إن علم يقيناً أن فيه شفاء .** (ص ۲۰۸، ط: دار ابن حزم). ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی مجبوری میں کشفِ عورت کی حرمت ساقط ہوجاتی ہے عالمگیریہ میں ہے: **يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه .** (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۵).

الضرورات تبيح المحظورات کا قانون تو فقہاء کے نزدیک بہت مشہور ہے فتح القدیر کے تکملہ میں کتاب الصلح میں (۷/۳۸) پر مکتوب ہے اور قواعد فقہیہ کی سب کتابوں میں یہ قانون مذکور ہے میرے سامنے ترتیب اللآلی فی سلک الامالی تالیف الشیخ محمد بن سلمان المشہور بناظر زادہ ہے جو گیارہویں صدی کے فقیہ ہیں، انہوں نے لکھا ہے: **ولذا جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر مكرهاً .** (۲/۸۰۵) اور **الضرر مدفوع بقدر الإمكان** کا قانون بھی (۲/۸۱۰) پر ذکر فرمایا ہے۔

مولانا صاحب نے نفلی حج اور عمرہ کے لیے تصویر کے جواز میں یہ نکتہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس کی وجہ سے بیت اللہ آباد ہوگا کیونکہ حرمین شریفین کا عبادت سے خالی رہنا بھی ایک عذر ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ بیت اللہ کی آبادی کے لیے آپ کے فارمولے کی ضرورت نہیں اگر آپ جیسے حضرات نفلی حج اور عمرہ کے لیے تصویر کی وجہ سے نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں بہت سارے مقامی لوگ آئیں گے نیز عرب کے مفتی حضرات اور بعض عجمی مفتی جدید کیمرے کی تصویر کو حرام تصویر نہیں سمجھتے تو بہت سارے عرب اور غیر عرب آتے رہیں گے۔

فتاویٰ علماء البلد الحرام (۴۲۴)، پر مرقوم ہے: **نوع فوري لا يحتاج الإنسان فيه إلى عمل فهذا لا يدخل في التصوير المحرم لأن الرجل لم يصور حقيقة قاله العلامة ابن عثيمين** یعنی

جو تصویر فی الفور تیار ہوتی ہے اس کی صفائی وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تصویر محرم میں شامل نہیں، ہاں شرعاً مضر ہو تو اس کو وہ حضرات بھی ناجائز سمجھتے ہیں نیز بقول آپ کے تصویر کو بیت اللہ کی آبادی کا ذریعہ سمجھنا بھی تعجب خیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خانہ کعبہ سے تصاویر کو مٹوایا؛ **وأمر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أن يأتي الكعبة فيمحو كل صورة فيها فلم يدخلها حتى محيت الصور .** (محمد رسول الله ،لأسعد محمد ساغرجي : ١/ ٤٨١) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ داخل ہو جاؤ اور ہر قسم کی تصویر کو کعبہ میں مٹاؤ تو جب تک تصویریں نہیں مٹائی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوئے۔

نیز بیت اللہ کی تعمیر کا جمہور کے نزدیک یہ مطلب نہیں کہ وہاں ایسی بھیڑ لگی رہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حج تمتع اور قران نہیں ہونا چاہیے تاکہ پورا سال لوگ عمرہ کے لیے آیا کریں لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک تمتع اور قران جائز ہے بلکہ احناف کے نزدیک قران بہتر ہے اور بیت اللہ کی کشش کی وجہ سے لوگوں کی آمد ورفت ہوتی رہے گی مولانا صاحب نے اپنی تحریر میں بٹن دبانے کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ بندہ عاجز کے نزدیک بٹن دبانے والے کا فعل اور دبانا کالعدم ہے بٹن دبانے کا کوئی اعتبار نہیں حالانکہ بٹن دبانے کے نتیجہ میں تصویر کا وجود میں آنا ایک بدیہی حقیقت ہے اس کا انکار کون کرسکتا ہے۔
اصل بات یہ ہے کہ یہ بٹن دبانا حبس ظل المخلوق کے لیے ہے یا تشبیہ المصنوع بالمخلوق کے لیے اگر یہ حبس ظل المخلوق ہے اور یہ ضرورت یا حاجت کے درجہ میں ہے تو اس کے بنانے کی گنجائش ہوگی اس لیے بٹن دبانے سے انسانی دخل کا انکار کون کرسکتا ہے ہاں صفائی میں انسانی دخل نہ ہونے کا ذکر ہے نیز حلق لحیہ کو بطورِ مثال ذکر کیا گیا، کہ اگر بالفرض کسی مستحب کام کے لیے حلق لحیہ کو لازم قرار دیا جائے تو کیا اس کا ارتکاب کیا جائے گا یقیناً نہیں کیا جائیگا اس لیے مندوب کے لیے ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب نہیں کیا جاتا۔ یہ چند سطور ہم نے اپنے موقف کی وضاحت اور شبہات کو دور کرنے کے لیے لکھیں، مناظرانہ گفتگو مقصود نہیں اور نہ اس کی ہمت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ملازم کے لیے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصد مقرر کرنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب کے متعدد بیٹے ہیں، دو بیٹے والد کے ساتھ تجارت میں مشغول ہیں اور کچھ بیٹے چھوٹے ہیں اور کچھ دینی کاموں میں مشغول ہیں، جو بیٹے کام کرتے ہیں والد صاحب ان کے لیے ان کے عمل کے بدلہ میں تنخواہ مقرر کرنا چاہتے ہیں، لیکن عرف وعادت کے موافق وہ صرف تنخواہ پر خوش نہیں بلکہ تنخواہ کے ساتھ

ساتھ کچھ فیصد بھی چاہتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ملازم کے لیے تنخواہ کے علاوہ فیصد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فیصد مضارب یا شریک کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور یہ ملازم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ملازم کے لیے تنخواہ کے علاوہ فیصد مقرر کرنا ظاہر الروایہ کے مطابق تو جائز نہیں ہے، البتہ متاخرین علما نے تعامل ناس کی وجہ سے اور ملازموں کو رغبت دینے کے لیے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو جدید معاشی نظام میں قانونِ اجارہ میں مرقوم ہے:

دوسری صورت یہ ہے کہ آجر اور اجیر کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہو اور یہ طے پا جائے کہ آجر تنخواہ کے علاوہ (profit) میں سے مثلاً: تین فیصد اجیر کو ادا کرے گا، تو اس صورت میں تنخواہ کے علاوہ نفع میں سے رقم بھی اجرت ہی کا ایک حصہ سمجھا جائے گا، مستاجر کے ادا نہ کرنے کی صورت میں اجیر کو اس رقم کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، اور عدمِ ادائیگی کی صورت میں اجیر کو عدالتی چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا، یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے اور اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب اجرت کا ایک حصہ فیصد کے حساب سے متعین ہوا ہے اور فیصد کے حساب سے جو رقم بنے گی، اس کا ابھی حتمی علم نہیں ہے، تو اس طرح اجرت میں جہالت ہوئی، اور اجرت میں جہالت سے عقد میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، لہذا یہاں بھی عقد اجارہ میں فساد پیدا ہوگا، جس کی وجہ سے عقد فاسد ہونا چاہیے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر طرح کی جہالت موجبِ فساد نہیں ہے بلکہ وہ جہالت جو کہ مفضی الی النزاع (یعنی لڑائی جھگڑے کا سبب) ہو وہ موجبِ فساد ہوتی ہے، لہذا اس مسئلہ میں اگرچہ اجرت میں جہالت ہے کیونکہ اجرت کا ایک حصہ فیصد کے حساب سے متعین ہے جس کی حتمی مقدار پتہ نہیں ہے، لیکن یہ جہالت باہمی نزاع کی طرف لے جانے والی نہیں ہے، کیونکہ اس جہالت پر تعامل جاری ہے۔

چنانچہ فقہاء کرام نے ایسی بہت ساری صورتوں کو جن میں اجرت حقیقۃً مجہول ہے مگر عرفِ عام میں اسے مجہول نہیں سمجھا جاتا، اور اس سے نزاعات پیدا نہیں ہوتے، جائز قرار دیا ہے، مثلاً: دلال کی اجرت کسی خاص عدد کے ساتھ مقرر نہیں کی جاتی، بلکہ فیصد کے تناسب سے طے کی جاتی ہے، مگر اس جہالت کے باوجود یہ معاملہ فقہاء کرام نے اسی لیے جائز قرار دیا کہ وہ باہمی نزاع کا سبب نہیں اور لوگوں میں اس کا بکثرت رواج ہے۔

جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں فرمایا ہے:

قال في التاترخانية : وفى الدلال والسمسار: يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم وفى الحاوى: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان فى الأصل فاسداً لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز و جوزوه لحاجة الناس إليه. (رد المحتار: ۶/۶۳، سعید).

پھر تفصیلی بحث کے بعد آخر میں مرقوم ہے: لہٰذا مستاجر کے منافع میں اجیر کی حصہ داری والا معاملہ بھی جائز ہوگا۔ (جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ، از ص ۱۹۴۔۲۰۵، ط: ادارۃ المعارف کراچی)۔

مالی معاملات پر غرر کے اثرات، میں مرقوم ہے:

فیصد اجرت مقرر کرنے کی ایک صورت اجر ''ملازم رکھنے والا'' کے منافع میں حصہ داری کی ہے، اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ آجر اپنے منافع میں کچھ فیصد اجیر کو بھی دیتا ہے۔ مثلاً: ایک شخص نے کسی کو اپنے کاروبار میں اس شرط پر ملازم رکھا کہ اتنی تنخواہ کے علاوہ حاصل ہونے والے نفع میں سے بھی پانچ فیصد دیا جائے گا اور یہ رقم بھی اجرت کا حصہ سمجھی جائے گی۔ عام طور پر تاجر حضرات اپنے کاروبار کو زیادہ ترقی دینے کے لیے یہ صورت اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے ملازم کاروبار کو ترقی دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔

اجیر کو اس طرح نفع میں شریک کرنے کی دو صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت یہ ہے کہ آجر انعام کے طور پر اجیر کو نفع کی کچھ مقدار دے اور پہلے سے یہ انعام ان کے درمیان طے نہ ہو، یہ صورت جائز ہے کیونکہ یہ مالک کی طرف سے دیا گیا انعام ہے لہٰذا اگر آجر کسی وقت یہ انعام نہ دے تو اجیر کو مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی اجیر عدالتی چارہ جوئی کر سکے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آجر اور اجیر کے درمیان باقاعدہ یہ معاہدہ طے ہو کہ آخر ماہ میں تنخواہ کے علاوہ نفع میں سے کچھ فیصد مثلاً: پانچ فیصد اجیر کو ادا کیا جائیگا۔ اس صورت میں تنخواہ کے علاوہ یہ رقم بھی اجرت کا حصہ سمجھی جائے گی اور نہ ادا کرنے کی صورت میں اجیر کو عدالتی چارہ جوئی کا حق بھی حاصل ہوگا۔

اس صورت میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے لیکن چونکہ فیصد کے حساب سے اجرت مقرر کرنا باہمی نزاع کا باعث نہیں بنتا اس لیے یہ صورت بھی جائز ہے۔ (مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص ۹۱، از ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب، ط: ادارۃ المعارف)۔

ہر جہالت مفسدِ عقد نہیں بلکہ جو نزاع کا سبب بنے وہ مفسدِ عقد ہے ملاحظہ ہو جمہرۃ القواعد میں ہے:

الجهالة لسيت مانعة لذاتها، بل لكونها مفضية إلى النزاع، وهذا أصل مهم ينبغي التعويل عليه في الأحكام، فإن به حل كثير من المشكلات ، وليعلم أن أحكام المعاملات الشرعية على أصلين عادلين :

الأول: منع كل ما فيه ظلم وأكل لأموال الناس بالباطل .

الثاني: منع ما يؤدي إلى الاختلاف والنزاع بسبب الجهالة ، فإذا انتفى ما يؤدي إلى الظلم والنزاع بسبب الجهالة ، صح التعامل ، والعرف أصل عظيم يرجع إليه في ذلك بعد الشرع . (جمهرة القواعد الفقهية في المعاملات المالية : ۱/۳۱۹ ، تحت القاعدة : الجهالة إنما توجب الفساد إذا كانت مفضية الى النزاع المشكل). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ماہانہ کرایہ کے ساتھ منافع میں سے متعین فیصد بطورِ کرایہ دینے کا حکم:

سوال: ہم بہت ساری ریٹیل دکانیں چلاتے ہیں، اوراس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہم زمینداروں سے تین سال کے لیے متعین کرائے پر زمین لیتے ہیں جس میں معاہدے کے تحت سالانہ سات فیصد کرائے کا اضافہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ زمیندار ہم سے اپنے کاروباری منافع میں سے ایک متعینہ فیصد کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگر دو فیصد کاروباری منافع، متعینہ ماہانہ کرایہ سے زیادہ ہوجائے تو زیادتی ادا کرنی پڑتی ہے اوراگر کم ہوجائے تو صرف کرایہ دینا ہوگا۔کیا شریعت کی نگاہ میں ایسا معاملہ کرنا ہمارے لیے جائز ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقتِ عقد یہ طے ہوجائے کہ سالانہ سات فیصد کرایہ بڑھایا جائے گا تو یہ درست ہے، نیز کرایہ کے علاوہ متعینہ فیصد کا مطالبہ بھی باہمی رضامندی طے ہوجائے تو یہ بھی جائز اور درست ہے پھر زمیندار جو بھی رقم وصول کریں گے وہ سب کرایہ ہی کا ایک حصہ ہوگا۔

اصل مذہب اس بارے میں عدمِ جواز کا ہے لیکن ضرورتِ زمانہ اورلوگوں میں اس کا عام رواج ہونے کی وجہ سے نیز آپس میں رضامندی کے سبب مفضی الی النزاع نہ ہونے کی وجہ سے ایسا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو اسلامی قانونِ اجارہ میں مرقوم ہے:

’’الف‘‘ اپنا گھر پانچ سال کی مدت کے لیے’’ب‘‘ کو کرایہ پر دیتا ہے، پہلے سال کا کرایہ دو ہزار ماہانہ مقرر

کیا گیا ہے اور یہ بھی طے پا گیا ہے کہ ہر اگلے سال کا کرایہ پچھلے سال سے دس فیصد زیادہ ہوگا، تو یہ اجارہ صحیح ہے۔ (اسلامی قانونِ اجارہ، ص۲۷۶)۔

فی " مجلة الأحكام " : يشترط في صحة الإجارة رضا العاقدين . (المادة: ۴۴۸).

رہی بات کرایہ کے معلق بالشرط اور دو چیزوں کے درمیان دائر ہونے کی، تو اگر دونوں جانب کا کرایہ متعین ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک ایسا عقد کرنا صحیح ہے، اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

في درر الحكام شرح مجلة الأحكام : ويصح ترديد الأجرة على صورتين أو ثلاث و تسمية أجرة لكل صورة غير أجرة الصورة الأخرى ، و يعتبر البيع في جميعها دفعاً للحاجة وبما أن الإجارة بيع منافع فتقاس على بيع العين (مجمع الأنهر) . (درر الحكام شرح مجلة الأحكام: ۵۸۰/۱، المادة : ۵۰۶).

وفي شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسي: والحكم المذكور فيها، وهو صحة الإجارة مع اعتبار الشرطين هو قولهما ، وعند أبي حنيفةؒ يصح الشرط الأول، ولا يصح الشرط الثاني، فلو خالطه فى اليوم الأول يجب المسمى في ذلك اليوم اتفاقاً ، وإن خالطه فى اليوم الثاني، فعندهما وهو الذى مشت عليه المجلة ، يجب المسمى فيه. (شرح المجلة : ۵۹۷/۲).

اسی طرح زائد کرایہ کو فیصد کے اعتبار سے متعین کرنا، اس میں گو ایک قسم کی جہالت ہے کہ معلوم نہیں وہ زائد فیصد کتنی رقم بنے گی؛ لیکن چونکہ جہالتِ یسیرہ ہے اور مفضی الی النزاع بھی نہیں ہے، اس لیے اس کا عقد پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

في شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسي: ومن فسادها: جهالة الأجرة...فلم تكن الجهالة مفضية إلى النزاع ، والجهالة ليست مانعة لذاتها بل لكونها مفضية إلى النزاع . (شرح المجلة : ۵۳۸/۲، المادة : ۴۶۰).

وفي " إعلاء السنن ": الحاصل: أن الجهالة اليسيرة عفو في ما جرى به التعامل، لكونها لا تفضى إلى النزاع عادة . (اعلاء السنن : ۲۰۲/۱۶، ادارة القرآن).

قاموس الفقہ میں مذکور ہے:

آج کل مختلف تجارتوں میں کمیشن کا طریقہ مروج ہوگیا ہے، یعنی کمپنی اپنا مال فروخت کرنے والوں کو بجائے تنخواہ متعین کرنے کے فیصد متعین کردیتی ہے ...بہت سے دینی اور عصری اداروں میں جو لوگوں کے تعاون پر چلاتے ہیں، انہیں متعینہ تنخواہ دینے کے بجائے کچھ فیصد اجرت دے دی جائے، اور اس میں مدرسہ والے اپنے لیے عافیت سمجھتے ہیں...اس لیے یہ مسائل موجودہ دور میں علماء کے لیے گہرے فکر اور توجہ کے طالب ہیں...احناف میں مشائخ بلخ نے عرف کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے۔ (قاموس الفقہ :۱/ ۴۹۹)۔

آج کل اسی قسم کا ایک اور معاملہ ہوتا ہے جس کو (پارٹسپیشن فنڈ) آجر کے منافع میں حصہ داری سے تعبیر کرتے ہیں اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ مستاجر اپنی تنخواہ کے علاوہ آجر سے فیصد کے اعتبار سے کچھ نفع بھی لیتا ہے، اور اس قسم کے عقد کو دورِ حاضر کے بعض علماء جائز کہتے ہیں، ماقبل میں اس کے دلائل گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیا سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کے دن عرفہ ہو تو اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے، اس حدیث کی مزید تحقیق:

سوال: عوام اور خواص میں یہ مشہور ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کا دن ہو تو اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے اور یہ سب سے بہتر دن ہے، اور یہ روایت بیان کی جاتی ہے: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة"۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۳/ ۳۸۵، ط: بمبئی) میں بحوالہ ملا علی قاریؒ اس روایت کو ضعیف کہا گیا ہے، میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ یہ بے اصل روایت ہے اس کو بیان نہیں کرنا چاہیے۔ کیا بعض علماء کا یہ فرمان صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل۔

الجواب: علامہ مناویؒ نے بعض حفاظِ حدیث سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالے "الحظ الأوفر" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے لیکن دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وأما ما ذكره بعض المحدثين في إسناد هذا الحديث بأنه ضعيف فعلى تقدير صحته لايضر فى المقصود فإن الحديث الضعيف معتبر في فضائل الأعمال عند جميع العلماء، و أما قول بعض الجهال: إن هذا الحديث موضوع، فهو باطل مصنوع مردود عليه، ومنقلب إليه لأن الإمام الرزين بن معاوية العبدرى من كبراء المحدثين ومن عظماء المخرجين ونقله سند معتمد عند المحققين فإن لم يكن رواية صحيحة فلا أقل من أنها ضعيفة كيف وقد

اعتضد بما ورد أن العبادة تضاعف في يوم الجمعة مطلقاً بسبعين ضعفاً بل بمائة ضعف.

(مجموع رسائل العلامة الملا على القارى: ۴/۸۳، ط: دار اللباب).

جمع الفوائد میں ہے:

طلحة بن عبد الله بن كريز (ثقة) أرسله: أفضل الأيام يوم عرفة وإذا وافق يوم جمعة فهو أفضل من سبعين حجة في غير يوم جمعة وأفضل الدعاء دعاء يوم عرفة وأفضل ما قلته أناْ والنبيون من قبلي: لا إله إلا الله وحده لا شريک له. لرزين (كان عالماً بالحديث ربما يروى الموضوعات). (جمع الفوائد: ۲/۴۴۴).

قال الإمام المزي: طلحة بن عبيد الله بن كريز الخزاعي، الكعبي، أبو المطرف الكوفي، ذكره محمد بن سعد فى الطبقة الثانية من أهل البصرة، وقال: كان قليل الحديث. وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه: ثقة، وكذلک قال النسائى، وذكره ابن حبان في كتاب الثقات... روى له مسلم، وأبو داود، حديثاً واحداً، وقد وقع لنا عالياً عنه. (تهذيب الكمال: ۱۳/۴۲۵).

قال الذهبى فى السير: رزين بن معاوية بن عمار الامام المحدث الشهير، أبو الحسن العبدرى الأندلسي السرقسطى صاحب كتاب تجريد الصحاح ...قلت: أدخل كتابه زيادات واهية، لو تنزه عنها لاجاد، توفى بمكة فى المحرم، سنة خمس وثلاثين وخمس مائة وقد شاخ. (سير اعلام النبلاء: ۲۰/۲۰۴، رقم الترجمة: ۱۲۹).

وفي بغية الملتمس: توفي سنة أربع وعشرين وخمس مائة بمكة زادها الله شرفاً.

(بغية الملتمس، ص ۲۹۳، رقم الترجمة: ۷۴۱).

وقال ابن بشكوال: كان رجلاً صالحاً عالماً فاضلاً عالماً بالحديث وغيره وله تواليف حسان...وتوفي رحمه الله في صدر سنة أربع وعشرين وخمس مائة. (الصلة فى تاريخ ائمة الاندلس، ص ۱۸۵).

وقال الشوكاني فى الفوائد: ولقد أدخل يعنى رزين في كتابه الذي جمع فيه بين دواوين الإسلام بلايا وموضوعات لا تعرف، ولا يدرى من أين جاء بها، وذلک خيانة

للمسلمين ، وقد أخطأ ابن الأثير خطأً بيناً بذكر ما زاده رزين في جامع الأصول، ولم ينبه على عدم صحته في نفسه إلا نادراً ، كقوله بعد ذكر هذه الصلاة يعنى ما لفظه: هذا الحديث مما وجدته في كتاب رزين، ولم أجده في واحد من الكتب الستة والحديث مطعون فيه . (الفوائد المجموعة ،ص ۴۹).

أوجز المسالک میں مذکور ہے:

قال الزرقاني: وقع في (تجريد الصحاح) لرزين بن معاوية الأندلسي زيادة في أول هذا الحديث هي (أفضل الأيام يوم عرفة وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجة في غير يوم الجمعة ، الخ ، قال الحافظ: حديث لا أعرف حاله لأنه لم يذكر صحابيه ولا من خرجه بل أدرجه في حديث (المؤطا) هذا ، وليست هذه الزيادة في شيء من (المؤطآت) فإن كان له أصل احتمل أن يريد بالسبعين التحديد أو المبالغة فى الكثرة وعلى كل حال منهما تثبت المزية ، انتهى . (اوجزالمسالک : ۲۱۲/۸).

تحفۃ الاحوذی میں ہے:

تنبيه: قد اشتهر بين العوام أن يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة كان الحج حجاً أكبر ولا أصل له نعم روى رزين عن طلحة بن عبيد الله بن كريز أرسله أفضل الأيام يوم عرفة وإذا وافق يوم جمعة فهو أفضل من سبعين حجة في غير يوم جمعة كذا في مجمع الفوائد وهو حديث مرسل ولم أقف على إسناده . (تحفة الاحوذی :۲۳۰/۳).

زاد المعاد میں علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

ما استفاض على ألسنة العوام أن وقفة الجمعة تعدل اثنتين وسبعين حجة فباطل لا أصل له عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن أحد من الصحابة والتابعين . (زادالمعاد : ۶۵/۱).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وأما ما ذكره رزين فى جامعه مرفوعاً خير يوم طلعت فيه الشمس يوم عرفة وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غيرها فهو حديث لا أعرف حاله لأنه لم يذكر

صـحـابيه ولا من أخرجه بل أدرجه في حديث المؤطا الذي ذكره مرسلاً عن طلحة بن عبيد الله بن كريز وليست الزيادة المذكورة فى شيء من المؤطآت ...الخ. (فتح البارى : ٨/ ٢٧١، دار المعرفة).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

مـطـلـب فـي فـضـل وقفة الجمعة (قوله لوقفة الجمعة) فى الشرنبلالية عن الزيلعي: أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة ؛ وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة رواه رزيـن بـن مـعـاوية في تجريد الصحاح ، لكن نقل المناوى عن بعض الحفاظ أن هذا حديث باطل لا أصل له . (فتاوى الشامى : ٢/ ٦٢٢ ،سعيد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”حُسْنُ الْنيْلِ وَالنَّوَالِ

لِلمُوَسِّعِ فِيْ عَاشُورَاءَ

عَلى الْأَهْلِ وَالْعِيَالْ“

عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر فراخی رزق کا ثبوت

احادیث، فقہائے کرام کی عبارات اوراکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں:

سوال: عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعتِ رزق کے بارے میں کوئی حدیث مروی ہے یا نہیں؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں روزے کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں، اور وسعت والی روایت بھی صحیح نہیں، وہ سب روایات موضوع اور نا قابل اعتبار ہیں؟ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ آپ روایات ذکر کر کے ان کا درجہ بھی بتلا دیں کہ موضوع ہیں یا ضعیف؟ نیز علمائے کرام اور اکابر سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول ہو تو اس کو بیان کریں۔ **بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل.**

الجواب: بصورتِ مسئولہ عاشورا کے دن اپنے گھر والوں پر رزق میں وسعت اور فراخی کے بارے میں مرفوعاً وموقوفاً چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں۔ بعض ان میں سے صحیح یا حسن ہیں اور بعض ضعیف، لیکن بقولِ محدثین مجموعی اعتبار سے صحیح علی شرط مسلم یا حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ضرور ہیں، بنابریں قابل اعتبار ہیں۔ نیز علمائے کرام اور فقہائے عظام نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے اور اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔ روایات کی تفصیل، تخریج وتحقیق حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبرا: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موقوف روایت:

علامہ ابن عبدالبرؒ نے الاستذکار میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت نقل فرمائی ہے

جو بالکل صحیح ہے اس کے رواۃ سب ثقات ہیں۔ روایت ملاحظہ کیجیے:

أخرج ابن عبد البر فی الاستذکار (۳/ ۳۳۱،دارالکتب العلمیة،بیروت) **حدثنا قاسم بن أصبغ** (الإمام) **قال: حدثنا أبووضاح** (صدوق) **قال: حدثنا أبومحمد العابد** (ثقة) **عن بهلول بن راشد**(ثقة) **عن اللیث بن سعد** (ثقة) **عن یحیی بن سعید** (ثقة)**عن سعید بن المسیب** (ثقة) **قال: قال عمر بن الخطاب** رضي الله عنه **: من وسع علی أهله یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر السنة ، قال یحیی بن سعید جربنا ذلک فوجدناه حقاً .**

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص عاشورا کے دن اپنے گھر والوں پر کھانے وغیرہ میں فراخی کریگا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ پورے سال وسعت کا معاملہ فرمائیں گے، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: ہم نے اس نسخہ کو آزمایا تو بالکل سچا پایا۔

رجال کی تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

☆ **قاسم بن أصبغ : الإمام ، انظر:** (سیراعلام النبلاء :۱۵/ ۴۷۲،وتاریخ الاسلام : ۷/ ۳۸۷، و لسان المیزان:۶/۲۶۷).

☆ **أبو وضاح أبوعبد الله ، محمد بن وضاح ؛ صدوق .راجع:** (سیراعلام النبلاء: ۱۳/ ۴۴۵، وتاریخ الاسلام:۶/۸۲۸).

☆ **أبومحمد العابد، خلف بن محمد ؛ ثقة . راجع:** (طبقات علماء افریقیة،ص۱۱۶).

☆ **بهلول بن راشد، أبومحمد الزاهد؛ ثقة . راجع:** (التاریخ الکبیر: ۲/۱۴۵،وتاریخ الاسلام : ۴/۷۱۸).

☆ **اللیث بن سعد بن عبدالرحمن الفهمی ؛ ثقة .راجع:** (سیرأعلام النبلاء :۸/۱۳۶، وتاریخ الاسلام :۴/۱۰۷).

☆ **یحیی بن سعید بن قیس بن عمرو الأنصاری ؛ ثقة .انظر:** (سیر اعلام النبلاء: ۵/۴۶۸، وتاریخ الاسلام :۳/۱۰۰۹ ،والتاریخ الکبیر: ۸/۲۷۵).

☆ **سعید بن المسیب بن حزن القرشی المخزومی ؛ انظر:** (سیراعلام النبلاء :۴/ ۲۱۷ ،

و تاریخ الاسلام : ۱۱۰۳/۲، وجامع التحصیل ،ص ۱۸۴).

مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں علامہ عراقیؒ نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، البتہ سعید بن مسیّب کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے لیکن حافظ مزیؒ نے بحوالہ امام احمد بن حنبل سماع کو ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

قال العراقي: وإسناده جيد. سعيد بن نصر ، وقاسم بن أصبغ ثقتان ، ومحمد بن وضاح صدوق تكلم فيه ، وأبومحمد العابد اسمه خلف بن محمد من أهل إفريقية ، قال ابن يونس: وهو رجل معروف بالمغرب. وبهلول بن راشد روى عنه جماعة . وقال أبوزرعة : ثقة لا بأس به. وقال ابن يونس: كانت له عبادة وفضل. وذكره ابن حبان فی الثقات . وباقيهم رجال الصحيح . نعم في سَماع ابن المسيب من عمر خلاف. فقال أحمد : رآه وسمع منه . وقال أبوحاتم: لا يصح له سماع منه إلا رؤية . (التوسعة على العيال لأبی زرعة ، ص ۱۳، ۱۴، وتحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل،ص ۱۲۹).

قال الإمام المزيؒ : وقال أبوطالب: قلت لأحمد بن حنبل: سعيد بن المسيب؟ فقال: ومن مثل سعيد بن المسيب ، ثقة من أهل الخير. قلت: سعيد عن عمر حجة ؟ قال: هو عندنا حجة ، قد رأى عمر وسمع منه، وإذا لم يقبل سعيد عن عمر فمن يقبل. (تهذيب الكمال: ۷۳/۱۱ ، ط: مؤسسة الرسالة).

البتہ بعض حضرات کے نزدیک سماع ثابت نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ مرسلاتِ سعید بن المسیب محدثین کے نزدیک صحیح اور حجت ہیں۔ قال الذہبی فی السیر :

قال أحمد بن حنبلؒ، وغير واحد: مرسلات سعيد بن المسيب صحاح. (سیر اعلام النبلاء : ۲۲۲/۴، وكذافی تهذيب الكمال: ۷۳/۱۱).

وقال فی مقام آخر: ومراسيل سعيد محتج بها. (سیراعلام النبلاء:۲۲۱/۴).

وأما الشافعيؒ فنص على أن مرسلات سعيد بن المسيب ،حسان، قالوا: لأنه تتبعها فوجدها مسندة . (الباحث الحثيث،ص ۶). **قال الخطيب فی الكفاية : قال يحيى بن معين : أصح المراسيل مراسيل سعيد بن المسيب وعن الإمام أحمد بن حنبل قال: مرسلات سعيد**

بن المسيب أصح المراسيل. (الكفاية ،ص ۴۰۴،المدينة المنورة . وكذا فى تدريب الراوى: ۱/۲۰۳).

ہاں بعض حضرات نے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابومحمد العابد شیخ ابن وضاح کو مجہول کہا ہے (انظر: التعليق للاعتصام: ۲/۲۵۵ ،السعودية) لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوالعرب نے طبقات علماء افریقہ میں ثقہ کہا ہے۔ راجع: (طبقات علماء افريقة :۱/۱۱۶)۔

حدیث نمبر۲ :۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت:

أخرجه ابن عبدالبر فى الاستذكار (۳/۳۳۰، دار الكتب العلمية) **قال: حدثنا أحمد بن قاسم**(الشيخ) **محمد بن إبراهيم**(ثقة) **ومحمد بن حكم** (ثقة) **قالوا: حدثنا محمد بن معاوية** (ثقة) **قال:حدثنا الفضل بن الحباب** (ثقة) **قال:حدثنا هشام بن عبد الملك الطيالسي** (ثقة) **قال: حدثنا شعبة** (الإمام) **عن ابى الزبير** (ثقة ، قيل هو مدلس ولم يثبت تدليسه عند معاصريه وأول من نسب إليه التدليس الإمام النسائى) **عن جابر** رضی اللہ عنہ **قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من وسع على نفسه وأهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته ، قال جابر** رضی اللہ عنہ **جربناه فوجدناه كذلك ، وقال أبوالزبير وقال شعبة مثله .**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے اور اپنے گھر والوں پر عاشوراء کے دن وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت رکھیں گے۔ رجال کی تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

☆ **أحمد بن قاسم بن عبدالرحمن التاهرتى ، الشيخ المحدث ، مسند الأندلس ... وكان ذا زهد وتعبد وانقباض مع الثقة والعلم .** (سير اعلام النبلاء:۱۷/۷۹،وتاريخ الاسلام : ۸/۷۴۸).

☆ **محمد بن ابراهيم بن سعيد : ثقة . راجع:** (جذوة المقتبس ۱/۴۱،وبغية الملتمس، ص ۵۶، و تاريخ الاندلس للحميدى).

☆ **محمد بن عبدالله بن حكم الاموى : ثقة . انظر:** (الثقات لقاسم بن قطلوبغا: ۸/۳۷۴،وجذوة المقتبس،ص ۶۵ ،وبغية الملتمس ،ص ۹۰).

☆ **محمد بن معاويه المعروف بابن الاحمر احد رواة سنن النسائى عنه، ثقة. راجع:**

(سير اعلام النبلاء: ۱۶/ ۶۸،وتاريخ الاسلام: ۸/ ۱۳۰).

☆ وأبوخليفة الفضل بن الحباب: ثقة . راجع: (سير اعلام النبلاء: ۱۴/ ۷، وميزان الاعتدال: ۳/ ۳۵۰،ولسان الميزان: ۴/ ۴۳۸).

☆ أبوالوليد الطيالسى هشام بن عبد الملك ثقة ، راجع: (سير اعلام النبلاء: ۱۰/ ۳۴۱، وتهذيب الكمال: ۳۰/ ۲۲۶).

☆ شعبة بن الحجاج : الإمام ، انظر: (سير اعلام النبلاء: ۷/ ۲۰۲، وتاريخ الاسلام: ۴/ ۱۷).

اس روایت کے بارے میں جلداول میں لکھا تھا کہ اس کی سند میں ابوالزبیر کا عنعنہ ہے اور وہ مدلس ہیں۔ لیکن یہ بات شیخ محمد عوامہ صاحب کے نزدیک درست نہیں اور اس کی درجِ ذیل چند وجوہات ہیں:

۱۔ شعبہ ان سے "عــن" کے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ شعبہ تدلیس کے سخت مخالف ہیں، اور ان کے بارے میں امام مزیؒ نے بحوالہ عبدالرحمٰن مہدی نقل کیا ہے کہ وہ صرف لفظِ "حدثنی" یا "حدثنا" سے روایت کرتے ہیں بنابریں اس روایت میں "عن" بمعنی "حدثنی" ہے۔ راجع: (تہذیب الکمال: ۱۲/ ۴۹۲).

۲۔ صحیح مسلم میں ابوالزبیر عن جابر کی روایات بکثرت موجود ہیں، اگر وہ مدلس ہوتے تو مدلس کی روایت ضعیف ہے، امام مسلم ضعیف روایات کو اپنی صحیح میں جگہ نہ دیتے، صحیح مسلم میں ابوالزبیر عن جابر تقریباً ۱۵۳ روایات ہیں، ان میں سے ایک کو بھی کسی نے ضعیف نہیں کہا۔ قال العلامة العراقيؒ: وقد أخرج مسلم في صحيحه أكثر من مائة وأربعين حديثاً ، رواية أبى الزبير، عن جابرؓ بعضها معنعن، وبعضها بـ حدثنا، أو أخبرنا. وأما البخارى فلم يخرج من رواية أبى الزبير عن جابرؓ إلا حديثين: حديث فى المخابرة فيه أبوالزبير مقرون بغيره ، وقد ذكر له البخارى حديثاً آخر لم يقرن معه غيره ، ولكنه ذكره تعليقاً مجزوماً به ، وهو حديث يعنى جابراً .(التوسعة على العيال لأبى زرعة ، مخطوطة للامام زين الدين العراقى، رقم الحديث ۲).

۳۔ شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے الکاشف کی تعلیقات میں ابوالزبیر سے تدلیس کی تہمت کی نفی فرمائی ہے، چنانچہ شیخ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

أما أقدم من وصفه بالتدليس: فهو الإمام النسائى، في حين أن السابقين له، والمعاصرين ، واللاحقين بعده بنحو قرن ونصف القرن إلى عصرابن حزم لم يذكروه

بالتدليس أبداً، ثم أخذت كلمة النسائي بالتسليم، وتروولت من المتأخرين، مع أن الساجي قال: (بلغني عن يحيى بن معين أنه قال: استحلف شعبة أبا الزبير بين الركن والمقام : أنک سمعت هذه الأحاديث من جابر؟ فقال: والله سمعتها من جابر يقول ثلاثاً).

وهذا وإن كان بلاغاً غير متصل إلا أن الساجي في مقام الجرح والتعديل، لذلک صدر كلامه فيه بقول: (صدوق حجة فى الأحكام، قد روى عنه أهل النقل، وقبلوه، واحتجوا به) ثم قال: وبلغنى عن يحيى بن معين ...

وهذه القصة تتلاء م أيضاً مع حال شعبة المتشدد الحريص على معرفة ماعند شيوخه من مسموع وغيرمسموع ، ومواقفه وأقواله فى التدليس والمدلسين معروفة ، وقد نقلت عنه كلمات كثيرة في أبى الزبير ليس في واحدة منها وصفه بالتدليس، مع أن التدليس من الجرائم العظام عند شعبة مما يدل على بعد أبى الزبير عن التدليس، ولوكان فيه شيء منه لوصفه به شعبة ، ويدل أيضاً على اطمئنان شعبة إلى نفي أبى الزبير تهمة التدليس عن نفسه. والله أعلم. (التعليقات على الكاشف: ۲/ ۲۱۸).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: سب سے پہلے امام نسائیؒ نے ابوالزبیر کی طرف تدلیس کی نسبت کی ،جبکہ ابوالزبیر کے ہم زمانہ یاان سے پہلے والے یابعدوالوں میں سے ایک ڈیڑھ صدی تک حتی کہ ابن حزم کے زمانہ تک کسی ایک فرد نے بھی ان کو مدلس نہیں کہا ، پھر بعد میں امام نسائی کی بات مشہور ہوگئی، حالانکہ امام ساجیؒ نے بحوالہ یحیٰی بن معین نقل کیا ہے کہ امام شعبہ نے ابوالزبیر سے حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان تین مرتبہ قسم دے کر پوچھا کہ آپ نے یہ احادیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنی ہیں تو ابوالزبیر نے اس کا اقرار کیا۔

نیز امام ساجیؒ فن جرح وتعدیل کے امام ہیں اس لیے ان کی بات حجت ہے اورخود امام ساجی نے ابوالزبیر کے بارے میں یہ کہا کہ: وہ سچے ہیں، احکام میں ان کی روایات قابل استدلال ہیں، بڑے محدثین نے ان سے روایات قبول کی ہیں۔

مزید براں امام شعبہ کا موقف تدلیس اور مدلس کے بارے میں اہل فن پر مخفی نہیں ہے، اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو اس کو ضرور بتلا دیتے ، کیونکہ تدلیس امام شعبہ کے نزدیک بڑا جرم سمجھا جاتا تھا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شعبہ ابوالزبیر کے بارے میں بالکل مطمئن تھے۔

۴۔ ائمہ جرح وتعدیل کی اکثریت نے ابوالزبیر کو ثقہ اور قابل استدلال راوی بتلایا ہے۔
بطورِ مشتے نمونہ از خروارے چند اقوال ملاحظہ کیجیے:

أبو الزبير محمد بن مسلم بن تدرس، ثقة . فقد وثقه ابن سعد فى الطبقات الكبرى (۴۸۱/۵)، **وابن معين في تاريخه** (۵۳۸/۲)، **والنسائى** (تهذيب الكمال: ۴۰۹/۲۶)، **والعجلى فى تاريخ الثقات**(ص ۴۱۳)، **وابن المدينى فى الجرح والتعديل** (ص۸۷).

وقال أحمد ليس به بأس، (الجرح التعديل: ۷۶/۸)، **وفي رواية ابن هانى، قال: هو حجة احتج به** (شرح علل الترمذى لابن رجب: ۵۷۳/۲) **وقال يعقوب بن شيبة :ثقة، صدوق، وإلى الضعف ما هو** (تهذيب الكمال: ۴۰۸/۲۶). **وقال ابن عدى: وروى مالك عن أبى الزبير أحاديث، وكفى بأبى الزبير صدقاً أن يحدث عنه مالك ، فإن مالكاً لايروى إلا عن ثقة ، ولا أعلم أحداً من الثقات تخلف عن أبى الزبير إلا قد كتب عنه، وهو في نفسه ثقة ، إلا أن يروى عنه بعض الضعفاء ، فيكون ذلك من جهة الضعيف ، وأبو الزبير يروى أحاديث صالحة ، ولم يتخلف عنه أحد ، وهو صدوق وثقة، لا بأس به.** (الكامل: ۱۲۱/۶).

قال الذهبي : ثقة (الكاشف: ۲۱۶/۲) **و قال: صدوق،** (تذكرة الحفاظ: ۱۲۶/۱) **وقال: مشهور .** (المغنى فى الضعفاء: ۳۷۳/۲).

ہاں ترمذی شریف کی ایک روایت جس میں ابوالزبیر عن جابر کے الفاظ مذکور ہیں، اس کا مضمون یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ رات کو سونے سے پہلے الم تنزیل اور سورۂ ملک پڑھتے تھے، محدثین کی تصریح کے مطابق صرف یہ روایت ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی بلکہ صفوان بن عبداللہ کا واسطہ ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا حديث رواه غير واحد عن ليث بن أبي سليم ، مثل هذا ورواه مغيرة بن مسلم ، عن أبى الزبير، عن جابر رضي الله عنه ، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا ، وروى زهير، قال: قلت لأبى الزبير: سمعت من جابر رضي الله عنه يذكر هذا الحديث ؟ فقال أبو الزبير: إنما أخبرنيه صفوان أو ابن صفوان ،كأن زهيراً أنكر أن يكون هذا الحديث عن أبى الزبير عن جابر رضی اللہ عنہ .

(سنن الترمذى :۱۵/۵ ،بيروت). مزید ملاحظہ ہو: (سنن الترمذى :۴۷۵/۵، كتاب الدعوات،وتعليقات الشيخ

بشار عواد علی تهذيب الكمال: ٢٦/١٠ ٤، وتعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط على سنن الترمذی: ١٦١/٥).

مذکورہ بالاعبارت سے پتا چلا کہ جن روایات کے بارے میں ابوالزبیر کے مشہور تلامذہ کو معلوم تھا کہ ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنی ہیں ان کے متعلق تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، ہاں ترمذی والی روایت کے متعلق زہیر کو معلوم تھا بلکہ ابوالزبیر نے بتلایا ہوگا کہ یہ روایت بالواسطہ ہے اس لیے زہیر نے ابوالزبیر سے دریافت کیا اور ابوالزبیر نے صراحت کردی کہ یہ روایت میں نے بالمشافہہ نہیں بلکہ بالواسطہ سنی ہے اور بہت ممکن ہے کہ امام نسائیؒ نے اس روایت کی وجہ سے ابوالزبیر کو مدلس کہا ہوا گرچہ تدلیس ان کی عادت نہیں تھی، جیسا کہ امام حاکم ابوعبداللہ صاحبِ مستدرک معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:

النوع الحادی عشر من علوم الحديث؛ هذا النوع من هذه العلوم هو معرفة الأحاديث المعنعنة وليس فيها تدليس، وهي متصلة بإجماع أئمة أهل النقل على تورع رواتها عن أنواع التدليس؛ مثال ذلک ماحدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا بحربن نصر الخولانی حدثنا عبدالله بن وهب أخبرني عمروبن حارث عن عبدربه بن سعيد الأنصاری عن أبی الزبير عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برئ بإذن الله عزوجل. قال الحاكمؒ: هذا حديث رواته بصريون ثم مدنيون ومكيون وليس من مذاهبهم التدليس، فسواء عندنا ذكروا سماعهم أو لم يذكروه، وإنما جعلته مثالاً لألوف مثله. (معرفة علوم الحديث، ص ٤٣، دائرة المعارف العثمانية).

حدیثِ جابرؓ پر بعض حضرات کے اشکالات اوران کے جوابات:

حدیث جابرؓ جو علی شرط مسلم صحیح ہے اس پر دو اشکالات ہیں؛ ایک اشکال شیخ البانی نے تمام المنہ میں کیا کہ ابوالزبیر مدلس ہیں ان کا عنعنہ قبول نہیں، اس کا جواب شافی شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے دیا جو ہم نے نقل کیا نیز یہ بھی نقل کیا کہ اکثر محدثین ابوالزبیر کی توثیق کے قائل ہیں۔

دوسرا اشکال: حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں فضل بن حباب بن محمد کے ترجمہ میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ ابن الاحمر نے ابوخلیفہ فضل بن حباب سے یہ حدیث ان کی کتابوں کے جلنے کے بعد سنی ہو۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے خود فضل بن حباب کو ثقہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال في لسان الميزان (٤٣٨/٤۔ ٤٤٠): الفضل بن الحباب بن محمد بن شعيب بن

عبد الرحمن أبو خليفة الجمحی مسند عصره بالبصرة، يروى عن القعنبی ومسلم بن إبراهيم والكبار، وتأخر إلى سنة خمس وثلاث مائة ورحل إليه من الأقطار وكان ثقة عالماً ما علمت ليناً إلا ما قال السليمانی فيه أنه من الرافضة فهذا لم يصح عن أبي خليفة ... وذكره ابن حبان فی الثقات. وقال أبو علی الخليلی: احترقت كتبه منهم من وثقه ومنهم من تكلم فيه وهو إلى التوثيق أقرب...وقال مسلمة بن قاسم كان ثقة مشهوراً كثير الحديث ... قلت: روى عنه ابن عبد البر فی (الاستذكار) من طريقه حديثاً منكراً جداً ما أدری من الآفة فيه (قال) أخبرنا أحمد بن قاسم ومحمد بن إبراهيم ومحمد بن حكم قالوا: حدثنا محمد بن معاوية حدثنا الفضل بن الحباب حدثنا هشام بن عبد الملك الطيالسی حدثنی شعبة عن أبی الزبير عن جابر ؓ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم...وشيوخ ابن عبد البر الثلاثة موثقون وشيخهم محمد بن معاوية هو ابن الأحمر راوی السنن عن النسائي وثقه ابن حزم وغيره فالظاهر أن الغلط فيه من أبي خليفة فلعل ابن الأحمر سمعه منه بعد احتراق كتبه، واللّٰہ أعلم.

نیز فضل بن حباب کو جلیل القدر محدثین نے مکمل طور پر ثقہ کہا ہے، ان کے احتراق کتب کی بات صرف ابو علی خلیلی نے نکالی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو بطورِ احتمال اور تخمینہ ذکر کیا ہے۔ کسی اور نے ان کی کتابوں کے جلنے کی بات نہیں کی اور حدیثِ توسعہ کو منکر کہنا بھی سمجھ میں نہیں آتا جبکہ یہ متعدد اسانید اور مختلف ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

أبو خليفة، الإمام العلامة، المحدث الأديب الأخباری، شيخ الوقت، أبو خليفة، الفضل بن الحباب...ولقی الأعلام، وكتب علماً جماً...وكان ثقة صادقاً مأموناً، أديباً فصيحاً مفوهاً، رحل إليه من الآفاق. (سير اعلام النبلاء: ۱۴/۷،۸). (وكذا فی تذكرة الحفاظ للذهبی: ۲/۶۷۰، وميزان الاعتدال: ۳/۳۵۰، وتاريخ الاسلام: ۲۳/۱۶۶).

اس لیے حدیثِ جابر علی شرط مسلم صحیح ہے جبکہ سفیان بن عیینہ جیسے محدث اس پر اپنا تجربہ بیان کر رہے ہیں، جربنا ذلك فوجدناه كذلك. الاستذكار، كتاب الصوم، باب صوم عاشوراء.

ولحديث جابر طريق آخر أخرجه البيهقی فی "الشعب" (۳۵۱۲): من طريق عبد اللّٰہ

بن إبراهيم الغفاری (متروک): حدثنا عبد اللّٰه بن أبي بكر ابن أخي محمد بن المنكدر، عن محمد بن المنكدر (الامام) عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً به . وقال: إسناده ضعيف.

عبد اللّٰه بن إبراهيم الغفاري، أبو محمد المدنی، متروک، ونسبه ابن حبان إلى الوضع . قال ابن حبان: كان يأتي عن الثقات بالمقلوبات ، وعن الضعفاء بالملزقات.

وقال ابن عدى: عامة ما يرويه لا يتابع عليه ، وقال الدارقطني: حديثه منكر. راجع: (الضعفاء: ۲/۲۳۳، والکامل: ۴/۱۵۰۶، والمیزان: ۲/۳۸۸).

☆ عبد اللّٰه بن أبی بكر ابن أخي محمد بن المنكدر؛ لم أجد من ذكره .

والحديث ذكره السيوطی في الدر المنثور (۸/۵۰۰) ونسبه إلى لمؤلف فقط. انظر: اللآلی المصنوعة (۲/۱۱۲) .

حدیث نمبر۳: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت:

أخرجه الطبراني فی "الكبير" (۱۰/۹۴/۱۰۰۰۷)، والبيهقي فی "الشعب" (۱۵۱۳)، وفي "فضائل الأوقات" (۲٤٤)، وابن عدي فی "الكامل" (٥/۲۱۱، ترجمة: ۱۳٦٤)، والعقيلي فی "الضعفاء". من طريق هيصم بن شداخ (ضعيف جداً)، عن الأعمش (ثقة)، عن إبراهيم (ثقة)، عن علقمة (ثقة، ثبت)، عن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من وسع على عياله يوم عاشوراء لم يزل في سعة سائر سنته .

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن وسعت کرے گا وہ سارا سال وسعت میں رہے گا۔

قلت: إسناده ضعيف؛ فيه هيصم بن شداخ ؛قال العقيلي: مجهول، وقال الازدى: منكر الحديث، ذاهب. وقال الهيثمي: ضعيف جداً. وينظر للمزيد: الضعفاء (۳/۲۵۲)، الميزان (۴/۳۲٦)، لسان الميزان (٦/۲۱۲).

حدیث نمبر۴: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت:

یہ روایت دو طرق سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

الأول: عن محمد بن إسماعيل الجعفری (منكر الحديث)**: ثنا: عبد اللّٰه بن سلمة الربعی**(منكر الحديث)، **عن محمد بن عبداللّٰه بن عبدالرحمن بن أبي صعصعة** (ثقة)، **عن أبيه**(ثقة) **عن أبي سعيد الخدری** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وسع على عياله في يوم عاشوراء أوسع اللّٰه عليه سنته كلها. لا يروى هذا الحديث عن أبي سعيد الخدري إلا بهذا الإسناد، تفرد به إسماعيل الجعفري.**

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سارے سال وسعت رکھیں گے۔

أخرجه الطبراني فی "الأوسط"(۹۲۹۸/۱۴۰/۱۰)**. وإسناده ضعيف.**

☆ **محمد بن اسماعيل الجعفری: قال ابوحاتم: منكرالحديث. وقال ابونعيم الأصبهانی: متروک، وذكره ابن حبان فی الثقات، وقال: روی عنه احمد بن سعيد الدارمی والناس، يغرب. انظر: ميزان الاعتدال** (۴۸۱/۳)**لسان الميزان** (۵۶۸/۶) **ديوان الضعفاء** (۳۴۲).

☆ **عبد اللّٰه بن سلمة الربعي: قال أبوزرعة: منكرالحديث متروک.** (لسان الميزان: ۴۸۹/۴).

والثاني: عن خالد بن خداش (صدوق)، **حدثناعبداللّٰه بن نافع** (ثقة)، **حدثني أيوب بن سليمان بن ميناء**(متكلم فيه)، **عن رجل**(مجهول)، **عن أبي سعيد الخدری**رضی اللہ عنہ **مرفوعاً به.**

☆ **أيوب بن سليمان بن ميناء: ذكره ابن حبان فی الثقات، وقال: يغرب، وقال ابونعيم: متروک. راجع:** (لسان الميزان: ۷۸/۵، وتعليق الدكتور عبدالعلی على شعب الايمان).

أخرجه البيهقي فی "الشعب" (۳۵۱۴)**، وفي "فضائل الأوقات"** (۲۴۵)**. قال ابن حجر فی "أماليه"** (۲۸)**: ولولا الرجل المبهم لكان إسناده جيد، لكن يقوي بالذي قبله.**

حدیث نمبر۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت: ملاحظہ ہو:

أخرجه البيهقي فی "الشعب" (۳۵۱۵)**، وأبونعيم في "أخبار أصبهان"** (۷۰۷)**، وابن عدي**

فـی ''الکامل'' (٦/٢٠٠) **مـن طریق حجاج بن نصیر** (ضعیف)**: حـدثنا محمدبن ذکوان** (الأزدی، ضعیف)، **عن یعلی بن حکیم** (ثقة)، **عـن سلیمان بن أبي عبد اللّٰه**(مقبول)، **عن أبي هریرة** رضی اللہ عنہ **أن رسـول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من وسع علی عیاله وأهله یوم عاشوراء وسع اللّٰه علیه سائر سنته.**

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سارا سال وسعت رکھیں گے۔ **قلت: إسناده ضعیف؛ فیه ضعیفان.**

وقـال الإمـام البیهـقـي فی ''الشعب'' (٣/٣٦٦/٣٥١٥) **بـعـد ذکـر هذه الأسانید: ''هذه الأسانید وإن کانت ضعیفة فهي إذا ضم بعضها إلی بعض أخذت قوة''.**

ورواه البیهـقـي فی ''الشعب'' (٣٥١٦)**، وغیـره عـن إبـراهیـم بـن مـحـمد بن المنتشر مرسلاً وإسناده قوي، رجاله موثقون.**

حدیث نمبر ٦: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت:

قـال الإمـام الذهبي فی المیزان (٤/٣١٢/٩٢٦٥) **: هـلال بـن خالد. عن مالک، عن نـافع، عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **مـرفـوعـاً: من کان ذا جدة فوسع علی عیاله یوم عاشوراء أوسع اللّٰه عـلیـه سـنتـه. قـلـت: هذا باطل. قال الخطیب: لا یثبت عن مالک في رواته غیر واحد من المجهولین.** (وکذا فی لسان المیزان: ٦/٢٠١/٧٢١٤، والتوسعة علی العیال لابی زرعة، ص ١١).

(وکذا أورده الإمام السیوطی فی اللآلی المصنوعة: ٢/٩٦، دار الکتب العلمیة).

ولـه إسـنـاد آخـر، قـال الدارقطني فی الافراد: حدثنا محمد بن موسی ثنا یعقوب بن خـرة الدباغ ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن أبیه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عـلیـه وسـلـم: من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع اللّٰه علیه سائرسنته. قال الدارقطنی: منکر من حدیث الزهری... (التوسعة علی العیال لابی زرعة، ص ١٠، الیواقیت الغالیة: ١/٣٢٩).

بندہ عاجز کے خیال میں تمام اسانید کی روشنی میں یہ حدیث علی شرط مسلم صحیح ہونی چاہیے۔
شیخ البانی نے سلسلہ احادیث ضعیفہ میں یہ کہا کہ سلف کا اس پر تعامل نہیں تھا، یہ بات صحیح نہیں۔

موضوعات کی کتابوں میں بھی اس حدیث کوثابت مانا ہے۔

موضوعات کی کتابوں کی چند عبارات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

وأما حديث التوسعة على العيال فأخرجه الطبراني عن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعاً: من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته. وفي سنده الهيضم بن شداخ مجهول، وأخرجه البيهقي في شعب الإيمان وقال: تفرد به هيضم عن الأعمش، وأخرجه ابن عدي عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً: من وسع على عياله وأهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته . وفي سند سليمان بن أبي عبد الله الراوي عن أبي هريرة مجهول،كذا ذكره ابن الجوزي في الموضوعات .

وقال المنذري في كتاب الترغيب والترهيب: رواه البيهقي من طرق عن جماعة من الصحابة، وقال البيهقي: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة . انتهى . وقال زين الدين العراقي في أماليه: ورد هذا الحديث من طرق صحح بعضها الحافظ ابن ناصر وسليمان الذي قال فيه ابن الجوزي: مجهول، ذكره ابن حبان في الثقات، فالحديث حسن على رأيه . وقد روي من حديث أبي سعيد رضي الله عنه عند البيهقي في شعب الإيمان، وابن عمر رضي الله عنه عند الدار قطني في الأفراد، وجابر رضي الله عنه ورواه البيهقي من رواية ابن المنكدرعنه، وقال: إسناده ضعيف، ورواه ابن عبد البر في الاستذكار من رواية أبي الزبير عنه، وهي على شرط مسلم، قال البيهقي: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أحدثت قوة. هذا مع كونه لم تقع له رواية أبي الزبير عن جابر التي هي أصح طرق الحديث. وقد ورد موقوفاً على عمر رضي الله عنه ، أخرجه ابن عبد البر بسند رجاله ثقات، لكنه من رواية ابن المسيب عنه، وقد اختلف فى سماعه منه.

ورواه في الشعب من قول إبراهيم بن محمد بن المنتشر، وأما قول الشيخ تقي الدين ابن تيمية إن حديث التوسعة ما رواه أحد من الأئمة، وأن أعلى ما بلغه من قول ابن المنتشر،

فهو عجب منه، كما ترى، وقد جمعت طرقه في جزء، انتهى كلام العراقي .

وفي جواهر العقدين في فضل الشرفين لنور الدين السمهودي لا يلزم من قول أحمد في حديث التوسعة إنه لا يصح أن يكون باطلاً ، فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به، إذ الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف. انتهى.

وفي تنزيه الشريعة قول الإمام أحمد: لا يصح لا يلزم منه أن يكون باطلاً ، كما فهمه ابن القيم ، فقد يكون الحديث غير صحيح ، وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسناً. انتهى. قلت: بهذا كله بطل قول الشوكاني في الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة بعد نقل شيء من كلام العراقي، ذكره ابن الجوزي في الموضوعات، وابن تيمية في فتوى له، فحكما بوضع الحديث من تلك الطرق، والحق ما قالاه. انتهى كلامه .

وجه البطلان أنه كيف يكون ما قال ابن الجوزي وابن تيمية حقاً مع كونهما من المتشددين المتعنتين في الحكم بالوضع على ما بسطته في رسالتى الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، وفي تعليقات تحفة الطلبة في مسح الرقبة المسماة بـ تحفة الكملة، وقد تعقبهما جمع من العلماء المحققين، وأثبتوا كون الحديث حسناً، إما لذاته ببعض أسانيده، وإما لغير بجمع أسانيده بالبراهين، لا بمجرد الظن والتخمين فانظر ما قال، ولا تنظر إلى من قال .

وكذا بطل الحكم الكلي في قول ابن تيمية في منهاج السنة ما يذكرون من فضائل عاشوراء، وما ورد من التوسعة على العيال، وفضائل المصافحة والحناء والخضاب والاغتسال ونحو ذلك، ويذكرون فيها صلاة. كل ذلك كذب على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يصح في عاشوراء إلا في فضل صيامه. انتهى.

وذلك لأن كون أحاديث الحناء والاغتسال ونحو ذلك كذبا وإن كان صحيحاً، لكن كذب حديث التوسعة على العيال ليس بصحيح، بل هو حسن محتج به، فهو في الحكم الكلي كاذب، كذبه من جاء بعده، فاحفظه هذا كله ينفعك في الدنيا والآخرة .

(الآثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة المندرجة فى مجموعة رسائل اللكنوى،ص ۱۰۰ ـ ۱۰۲ ، بتحقيق محمد سعيد).

عبارتِ بالا کا خلاصہ ملاحظہ ہو: علامہ ابن جوزیؒ نے موضوعات میں لکھا ہے کہ: عاشورا کے دن اہل

وعیال پر وسعت کرنے کی فضیلت والی حدیث طبرانی اور بیہقی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس کی سند میں ہیضم بن شداخ مجہول ہیں۔ ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں بھی سلیمان بن ابی عبداللہ مجہول ہیں۔ حافظ منذریؒ نے الترغیب والترہیب میں ذکر کیا ہے کہ امام بیہقیؒ نے صحابہ کی ایک جماعت سے اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا: یہ سب سندیں اگر چہ ضعیف ہیں؛ لیکن سب طرق کو جمع کرنے سے حدیث میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

علامہ عراقیؒ نے اس حدیث کے بہت سارے طرق ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ شیخ ابن تیمیہؒ کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث کسی امام سے مروی نہیں، اور زیادہ سے زیادہ یہ ابن المنتشر کا قول ہے، نہایت عجیب اور مضحکہ خیز ہے؛ حالانکہ میں اس حدیث کے تمام طرق کو ایک رسالہ میں جمع کر چکا ہوں۔

نور الدین سمہودیؒ اپنی کتاب جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں فرماتے ہیں: امام احمدؒ کا "**لا یصح**" کہنا، اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث بالکل ہی باطل اور نا قابل عمل ہے جیسا کہ ابن قیمؒ وغیرہ نے سمجھا؛ بلکہ کبھی حدیث صحیح کی جگہ حسن ہوتی ہے اور قابلِ حجت ہوتی ہے۔ تنزیہ الشریعۃ میں بھی اسی قسم کی بات نقل کی گئی ہے۔ (لیکن شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ کی آنے والی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات موضوعات کی کتب میں نہیں چلتی)

میں یہ کہتا ہوں (علامہ لکھنویؒ): اس تقریر سے علامہ شوکانیؒ کی وہ بات بالکل باطل ہو جاتی ہے جو انہوں نے الفوائد المجموعۃ میں ذکر کی ہے کہ: ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور وہ اس بارے میں بالکل حق بجا ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ وضع کا حکم لگانے میں نہایت ہی متشدد تھے، اور اس حدیث کے بارے میں بھی بہت سے محققین نے ان دونوں کا تعاقب کیا ہے، اور بہت سے طرق جمع کر کے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث یا تو حسن لذاتہ ہے ورنہ کم از کم حسن لغیرہ تو ہے ہی۔

اس پوری تقریر سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ابن تیمیہؒ نے مجموعہ فضائل عاشوراء والی احادیث پر جو کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم لگایا ہے وہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ ٹھیک ہے کہ عاشورا کے دن مہندی لگانے مصافحہ کرنے اور نہانے کے فضائل سب جھوٹے ہیں؛ لیکن اہل وعیال پر وسعت کرنے کی فضیلت حدیثِ حسن سے ثابت ہے؛ چنانچہ ابن تیمیہؒ سب احادیث پر ایک مجموعی حکم لگانے کے بارے میں غلطی پر ہیں، اور ان کی اس غلطی کو بعد میں آنے والوں نے واضح کیا ہے۔

۲۔ أبو الحسن ابن عراق الکنانی تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأحادیث الشنیعة میں

لکھتے ہیں:

[حديث] من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائرسنته (طب) من حديث ابن مسعود رضي الله عنه وفيه هيصم بن شداخ (عد)من حديث أبي هريرة رضي الله عنه وفيه سليمان بن عبد الله مجهول قال العقيلي والحديثان غير محفوظين (تعقب) بأن حديث ابن مسعود رضي الله عنه أخرجه الطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب وحديث أبي هريرة رضي الله عنه قال الحافظ العراقي في أماليه ورد من طرق صحح بعضها الحافظ ابن ناصر وسليمان الذي قال ابن الجوزى مجهول ذكره ابن حبان في الثقات قال: فالحديث حسن على رأى ابن حبان وقد روي من حديث أبي سعيد رضي الله عنه وجابر رضي الله عنه أخرجهما البيهقي في الشعب وقال فيهما وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه وابن مسعود رضي الله عنه أسانيدها ضعيفة ولكنها إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة انتهى، ولحديث جابر طريق آخر غيرالذى أخرجه منه البيهقى وهو على شرط مسلم أخرجه ابن عبد البر في الاستذكار من حديث شعبة عن أبى الزبير عن جابر رضي الله عنه فذكره ثم قال قال جابر: جربناه فوجدناه كذلک وقال أبوالزبير مثله وقال شعبة مثله (قلت)قال الحافظ ابن حجر منكر جداً ورجاله موثوقون والظاهر أن الغلط فيه من أبي خليفة الفضل بن الحباب فلعل ابن الأحمر سمعه منه بعد احتراق كتبه والله أعلم، وورد من حديث ابن عمر رضي الله عنه أخرجه الدارقطني في الافراد وقال: منكر وموقوفاً على عمر رضي الله عنه أخرجه ابن عبد البر في الاستذكار بسند رجاله ثقات إلا أنه من رواية ابن المسيب عن عمر رضي الله عنه وقد اختلف في سماعه منه عن إبراهيم بن محمد بن المنتشرقال كان يقال فذكره أخرجه البيهقى في الشعب قال العراقي: وأما قول الشيخ تقى الدين ابن تيمية إن حديث التوسعة مارواه أحد من الأئمة وإن أعلى ما بلغه فيه قول ابن المنتشر فهو عجيب منه فهوكما ذكرته في عدة من كتب الأئمة وقد جمعت طرقه في جزء انتهى. (وقال) عبد الملک بن حبيب أحد أئمة المالكية...وهذا من هذا الإمام الجليل دليل على ثبوت الحديث عنده (قلت) وقول الإمام أحمد لا يصح لا يلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيم رحمه الله فقد يكون الحديث غيرصحيح وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسناً ، والله تعالىٰ أعلم. (تنزيه الشريعة

المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة : ٢/ ١٥٧،دارالكتب العلمية بيروت).

ابن عراقؒ نے جو امام احمدؒ کے کلام کی تشریح فرمائی ہے اس پر شیخ عبد الفتاح صاحبؒ فرماتے ہیں:

قال عبد الفتاح: هذا الحمل لكلام الإمام أحمد إنما يتأتى إذا كان مراده بقوله: (لايصح) نفي الاصطلاحية ، أما إذا كان مراده بقوله (لايصح) نفي ثبوته بالمرة، فيكون بمثابة قوله فيه: (باطل) أو (موضوع)، فلا وجه لهذا الحمل. ومن المقرر أنهم إذا قالوا فى الحديث في باب أحاديث الأحكام :(لايصح) أو (لايثبت) ونحوهما ، فالمراد به نفي الصحة الاصطلاحية ، وحينئذٍ لا يلزم من نفيها نفي الحسن أوالضعف عن الحديث ، وإذا قالوا فى الحديث: في باب الأحاديث الموضوعات:" لايصح " فهو بمعنى قولهم فيه : (باطل) أو (موضوع) على السواء ،كما أوضحته موسعاً بالشواهد الكثيرة في تقدمة "المصنوع في معرفة الحديث الموضوع" لعلى القارى،ص ٢٧- ٣٨، وفي آخر الرفع والتكميل للكنوى، ص ١٩١-١٩٥ ، فانظره فإنه مما يستفاد. (حاشية المنار المنيف ،ص١١٣ ، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية).

٣- ملا علی قاریؒ ''الموضوعات الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں:

حديث: من وسع على عياله في يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها، وفي رواية سائر سنته ، قال الزركشي: لا يثبت، إنما هو من كلام محمد بن المنتشر. قال السيوطي: كلا، بل هو ثابت صحيح، أخرجه البيهقى فى"الشعب"من حديث أبي سعيد الخدرى وأبى هريرة و ابن مسعود و جابر رضى الله عنهم و قال : أسانيد ه كلها ضعيفة ، ولكن إذا ضم بعضها إلى بعض أفاد قوة . وقال الحافظ أبو الفضل العراقى في "اماليه" [حديث أبى هريرةؓ هذا ورد من طرق صحح بعضها أبو الفضل بن ناصر، وأورده ابن الجوزى فى الموضوعات من طريق سليمان بن أبى عبد الله عنه، وقال: سليمان مجهول، وسليمان ذكره ابن حبان فى الثقات، وقال: فالحديث حسن على رأيه ، قال: وله طرق عن جابر على شرط مسلم، أخرجها ابن عبد البر فى الاستذكار، من رواية أبى الزبير عنه وهي أصح طرقه ، قال: وقد ورد أيضاً من حديث ابن عمر رضي الله عنه أخرجه الدارقطني فى"الافراد"موقوفاً على عمر رضي الله عنه ، وقد

أخرجه ابن عبد البر بسند جيد ، ورواه البيهقي في الشعب، عن محمد بن المنتشر قال: كان يقال ، فذكره ، وقد جمعت طرقه في جزء] هذا كلام العراقي في أماليه ، نقله السيوطي وقال : لقد لخصت الجزء الذي جمعه في "التعقبات على الموضوعات". (الموضوعات الكبرى، ص ۲۴۴. ۲۴۵، ط: قديمي كتب خانه).

۴۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ احادیث کی تخریج اور منکرین کی عبارات پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: فهؤلاء الأئمة أحمد بن حنبلؒ والعقيليؒ وابن طاهرؒ وابن الجوزيؒ وابن تيميةؒ وابن القيمؒ وابن العزؒ والمجد الفيروزآباديؒ ينكرون الحديث .

وخالفهم جماعة وقدوتهم الإمام البيهقي فمالوا إلى ثبوته .... اس کے بعد مثبتین کی عبارات اور دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **وأعظم المثبتين البيهقيؒ والمنذريؒ والعراقيؒ وابن حجرؒ وتبعهم من جاء بعدهم .** پھر بحث وتمحیص کے آخر میں بطورِ قولِ فیصل رقمطراز ہیں:

والحق عندي : أن الحديث معلول بجميع طرقه والسند الذي زعمه العراقي على شرط مسلم وتبعه السخاويؒ والسيوطيؒ والقاريؒ معلول ، قد نص ابن حجرؒ في اللسان على نكارته ، وأجود طرقه عند مارواه البيهقيؒ من طريق إسحاق بن راهويهؒ بسنده عن أبي سعيد الخدريؓ وهو أيضاً معلول للرجل المبهم، فأعلى أحوال الحديث أنه ضعيف، والله أعلم.

(اليواقيت الغالية في تحقيق وتخريج الاحاديث العالية: ۱/ ۳۲۶. ۳۳۳، مجلس دعوة الحق).

لیکن شیخ یونسؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی لسان المیزان والی عبارت کے پیش نظر حدیث کو معلول قرار دیا ہے ہم نے ''حدیثِ جابرؓ پر اشکالات اور ان کے جوابات'' کے تحت واضح کیا کہ حدیث معلول نہیں فضل بن حباب کو سب نے بغیر کسی قید کے ثقہ کہا ہے احتراقِ کتب کی بات صرف ابو علی خلیلی نے کی ہے، جو جمہور کے مقابلہ میں معتبر نہیں، معاصر علماء میں سے مفتی رضوان نے بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ صرف ابو علی خلیلی کے کلام کی بنیاد پر لسان المیزان میں مذکور احتمال کی وجہ سے اس حدیث کو منکر قرار دینا درست نہیں کیونکہ ابو خلیفہ کی اکثر محدثین نے توثیق فرمائی ہے اور ان کو اپنے وقت کا شیخ، امام، علامہ، محدث، وغیرہ قرار دیا ہے۔ (ماہِ محرم کے فضائل واحکام، ص ٦٣)۔

۵۔ شیخ نجم الدین محمد بن محمد الغزی م ۱۰۶۱ھ فرماتے ہیں:

من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها. (ط،ش) عن أبي سعيد (هـ) عنه وعن جابرؓ وابن مسعودؓ وعن أبي هريرةؓ. قال ابن الجوزى: موضوع. وليس كذلك، فقد أشار (هـ) إلى تقويته، بل قال العراقى في أماليه: لحديث أبي هريرةؓ طرق صحح بعضها الحافظ ابن ناصر. وله طرق عن جابرؓ على شرط مسلم أخرجه ابن عبد البر فى الاستذكار وهو أصح طرقه.

وأخرجه هو و(قط) فى الأفراد بإسناد جيد عن عمرؓ موقوفاً ويروى أيضاً عن ابن عمرؓ وأخرجه (هـ) وغيره من طريق صحيح عن محمد بن المنتشر قال: كان يقال ــ وهو تابعى ثقة جليل ــ و مثل ذلک لا يقال رأياً و لما أورد السيوطى قال الزركشى عقيب هذا الحديث: لا يثبت إنما هو من كلام محمد بن المنتشر قال: كلا بل هو ثابت صحيح. و حسن السخاوى الطريق الذى أورده به ابن الجوزى فى موضوعاته.

قلت: وأخبرني ثقة عن والدي أنه كان يقول: إنه حديث صحيح ويتحرى العمل به.

(إتقان ما يحسن من الأخبار الواردة على الألسن، ص۴۹۸/۲۰۷۴،ط:دارالكتب العلمية بيروت).

مزید تفصیل کے لیے درجِ ذیل کتبِ موضوعات کی مراجعت بہت مفید ہے:

۶ ــ اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة للإمام جلال الدين السيوطى: ۲/۹۵-۹۶، بيروت، لبنان.

۷ ــ كشف الخفاء و مزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، للشيخ إسماعيل بن محمد العجلونى: ۲/۲۸۳،۲۸۴/۲۶۴۲،ط: بيروت، لبنان.

۸ ــ المقاصد الحسنة فى بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، للإمام الشيخ شمس الدين السخاوى، رقم الحديث: ۱۱۹۳، دارالكتاب العربى.

۹ ــ الشذرة فى الأحاديث المشتهرة، للشيخ محمد بن طولون الصالحى: ۲/۱۹۹، رقم: ۱۰۲۳،ط: بيروت، لبنان.

۱۰ ــ أطراف الغرائب والأفراد، للشيخ محمد بن طاهر المقدسى: ۳/۷۰/۲۹۴۸، دارالكتب العلمية.

۱۱۔ تذکرة الموضوعات للشیخ الفتنی، ص۱۱۸.

۱۲۔ الدرر المنتشرة فی الأحادیث المشتهرة علی هامش الفتاوی الحدیثیة: ۱/ ۲۰۸، للإمام جلال الدین السیوطی.

۱۳۔ الرد الوافر، للشیخ ابن ناصر، ص۱۰۸.

۱۴۔ تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی ألسنة الناس من الحدیث للشیخ ابن عمر الشیبانی الاثری الشافعی، ص۱۷۶.

۱۵۔ التوسعة علی العیال لأبی زرعة للامام العلامة زین الدین العراقی. (مخطوطة).

مذاہبِ اربعہ میں توسیع علی العیال کا حکم اور اس کی ترغیب؛

☆ فقہائے احناف کی عبارت ملاحظہ کیجیے؛

۱۔ علامہ حصکفیؒ الدرالمختار میں فرماتے ہیں:

وحدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء صحیح. (الدرالمختار: ۲/ ۴۱۸، باب مایفسد الصوم، سعید).

یعنی عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر فراخی اور وسعت والی حدیث صحیح ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جب روایت صحیح ہے تو اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا درست ہے)

۲۔ خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ اپنی مایہ ناز کتاب فتاویٰ شامی میں رقمطراز ہیں:

قوله وحدیث التوسعة الخ، وهو من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها، قال جابر: جربته أربعین عاماً فلم یتخلف. (فتاوی الشامی: ۲/ ۴۱۸، مطلب فی حدیث التوسعة علی العیال والاکتحال یوم عاشوراء، ط: سعید).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: فی الحدیث بقوله: من وسع علی عیاله فی یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنته فأخذ الناس منه أن وسعوا باستعمال أنواع من الحبوب وهو مما یصدق علیه التوسعة، وقد رأیت لبعض العلماء کلاماً حسناً محصله: أنه لایقتصر فیه علی التوسعة بنوع واحد بل یعمها فی المأکل والملابس وغیر ذلک وأنه أحق من سائر المواسم بما یعمل فیها من التوسعات الغیر المشروعة فیها کالأعیاد ونحوها... قلت: والحاصل أنه

وردت التوسعة فيه بأسانيد ضعيفة وصحح بعضها يرتقى بها الحديث إلى الحسن وتعقب ابن الجوزى في عده من الموضوعات، والتوسعة على من وسع مجربة نقل ذلک المناوى عن جابر وابن عيينة . (فتاوى الشامى: ۶/۴۳۰،سعيد).

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ ”من وسع على عياله وسع الله عليه“ اِس حدیث کی روشنی میں لوگوں نے غذائی اجناس کی مختلف اقسام میں فراخی شروع کی، بے شک یہ حدیث کا مصداق ہے اور بعض علماء نے بہت اچھی بات فرمائی ہے کہ فراخی کو ایک قسم کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ مطعومات، مشروبات ملبوسات سب کو شامل ہونا چاہیے،اور خوشی کے دوسرے مواقع پر جیسے عیدین میں لوگ فراخی کرتے ہیں جس کا ثبوت شرعاً نہیں ہے اس کے مقابلہ میں عاشورا میں فراخی زیادہ مناسب ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ضعیف اسانید کے ساتھ بلکہ بعض کی تصحیح ہوچکی ہے یہ حدیث حسن سے کم بالکل نہیں اور ابن جوزی کا اس کو موضوعات میں شمار کرنا قابل اعتراض ہے اور فراخی کرنے والے پر فراخی مجربات میں سے ہے جس کا تجربہ مناویؒ نے حضرت جابرؓ اور سفیان بن عیینہؒ سے نقل کیا ہے۔

۳۔علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وحديث التوسعة صحيح ؛ قال أبو السعود: وله طرق أسانيدها كلها ضعيفة ولكن انضم بعضها إلى بعض أفادت قوة وصحح بعضها الحافظ ابن ناصر وأقره الزين العراقى قال وهو حسن عند ابن حبان وله طرق على شرط مسلم وهى أصح طرقه فقول ابن الجوزى إنه موضوع ليس في محله...وأما حديث التوسعة فرواه الثقات. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/۴۶۰،۴۶۱،وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۲۸۱،قديمى).

۴۔علامہ ابن الشحنہ حلبیؒ شرح منظومہ ابن وہبان میں تحریر فرماتے ہیں:

والذى في حفظي أنه يثاب للتوسعة على عياله المندوب إليها فى الحديث بقوله : من وسع على عياله فى النفقة يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته. فأخذ الناس منه أن وسعوا باستعمال أنواع من الحبوب وهومما يصدق عليه التوسعة ، وقد رأيت لبعض العلماء كلاماً حسناً فى التوسعة يوم عاشوراء على العيال. محصله : أنه لا يقتصر فيه على التوسعة بنوع واحد بل يعمها فى المأكول والملابس وغير ذلک ممايحصل به التوسعة ، وأنه أحق من

سـائـر الـمواسم مما يعمل فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كالأعياد ونحوها، والله أعلم . (شرح منظومة ابن وهبان : ۱۷۳/۲ ، كتاب الكراهية،ط:الوقف المدنى).

۵۔علامہ شامیؒ کے صاحبزادے شیخ محمد علاء الدین بن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں:

التـوسعة على العيال يوم عاشوراء مندوبة فى المأكل والملابس وغير ذلک ، ومما يـصـدق عـليـه التـوسـعة استـعـمـال أنـواع مـن الـحـبـوب ، أما ماروى في فضل الاكتحال والاختـضـاب والاغتسـال يـوم عـاشـوراء فـمـوضـوع لا يصح، بل يكره . (الهدية العلائية لتلاميذالمكاتب الابتدائية فى الفقه الحنفى،ص ۲۲۳،ط: دارابن حزم).

☆ فقہاء مالکیہ کی عبارات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ ابن الحاج المالکی المدخل میں فرماتے ہیں:

الـمـوسـم الـثـالـث مـن المواسم الشرعية وهو يوم عاشوراء فالتوسعة فيه على الأهل والأقـارب واليتـامـى والـمسـاكـيـن و زيـادة النفقة و الصدقة مندوب إليها بحيث لا يجهل ذلک، لـكـن بشـرط وهو ما تقدم ذكره من عدم التكلف ومن أنه لايصير ذلک سنة يستن بهـا لابـد مـن فعلها فإن وصل إلى هذا الحد فيكره أن يفعله سيما إذا كان هذا الفاعل له من أهل العلم وممن يقتدى به . (المدخل : ۲۸۹/۱،يوم عاشوراء ،ط:دارالفكر).

خلاصہ یہ ہے کہ عاشورا میں اپنے اہل وعیال ،رشتہ داروں اور فقراء پر فراخی مستحب ہے جس سے غافل وجاہل نہیں ہونا چاہیے لیکن اس میں تکلّفات نہیں ہونا چاہیے اوراس کو لازم نہیں سمجھنا چاہیے خصوصاً علماء کو تکلفات اورضروری سمجھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ابن الحاج مالکیؒ جوردِ بدعات میں متشدد مشہور ہیں وہ اس کو موسمِ شرعی یعنی شرعی تہوار قرار دیتے ہیں اور فراخی میں اہل وعیال کے ساتھ اقارب اور مساکین کو بھی شامل فرماتے ہیں۔

۲۔ التـاج والاكـلـيـل لـمختصرالخليل میں ابوعبداللہ محمد بن یوسف العبدری المالکی (م۸۹۷ھ) رقمطراز ہیں: **وجاء الترغيب فى النفقة فيه على العيال وقد روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قـال:" مـن وسـع على أهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائرالسنة " وإن أهل مكة والمدينة يتـحـرون ذلک حتـى كأنه يوم عيد ، انتهى نص ابن يونس، وقال ابن العربى: أما النفقة في**

یوم عاشوراء والتوسعة فمخلوفة باتفاق وأنه يخلف الله بالدرهم عشرة أمثاله ورأيت لابن حبيب :

لا تنس لا ينسک الرحمن عاشوراء ۞ واذكره لا زلت فی الأخيار مذكوراً
قال الرسول صلاة اللّٰه تشمله ۞ قولاً عليه وجدنا الحق والنورا
من بات في ليل عاشوراء ذا سعة ۞ يكن بعيشه فی الحول محبوراً
فارغب فديتک فيما فيه رغبنا ۞ خير الورى كلهم حياً و مقبوراً

اس کا حاصل یہ ہے کہ فراخی کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور حرمین کے لوگ اس کا عید کی طرح اہتمام کرتے ہیں اور ابن عربی نے کہا کہ عاشورا میں خرچ کرنے کا بدل بالاتفاق ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ایک درہم کے عوض دس درہم دیتے ہیں، اور میں نے ابن حبیب کے یہ اشعار دیکھے ہیں:

ترجمہ: آپ عاشورا کو نہ بھولیں، ربِ رحیم آپ کو نہیں بھولے گا۔
عاشورا کو یاد رکھو آپ ہمیشہ متقیوں میں مشہور رہوں گے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔
(انہوں) نے ایسا قول فرمایا جس کو ہم نے سچا اور پرنور پایا۔
جو صاحبِ وسعت عاشورا کی رات کو فراخی کرے گا۔
اس کا گزارہ پورا سال بہتر طریقے پر ہوگا۔
میری جان آپ پر قربان ہو آپ اس کام میں رغبت کریں جس کی ترغیب
اس نبی نے دی ہے جو تمام لوگوں میں حیاً ومیتاً بہتر ہیں۔

وأنشدني شيخی الأستاذ أبوعبد الله المنثوری جدد الله عليه رحمته قال: أنشدنی الخطيب أبو بكربن جزی يوم عاشوراء قال: أنشدنی الخطيب أبوعلی القرشی يوم عاشوراء قال: أنشدنی الخطيب أبوعبد اللّٰه بن رشيد لنفسه يوم عاشوراء وذكر أنه نظمه يوم عاشوراء ؛

صيام يوم عاشوراء أتى فضله ۞ فی سنة محكمة قاضيه
قال النبی المصطفی إنه ۞ تكفيرذنب السنة الماضيه
ومن يوسع يومه لم يزل ۞ فی عامه فی عيشة راضيه

(التاج والاكليل على هامش مواهب الجليل: ۳/۳۱۳، ط: دارالكتب العلمية بيروت).

۳۔ مواهب الجليل لشرح مختصر خليل میں شیخ ابوعبداللہ مغربی فرماتے ہیں:

الرابع : قال ابن حبيب: يستحب في يوم عاشوراء التوسعة على العيال...وفى الأثر الذى ذكره عمر التوسعة على الأهل فى ليلة عاشوراء وفى الأحاديث السابقة التوسعة على الأهل في يوم عاشوراء ، فينبغي أن يوسع على الأهل فيهما. وقال الشيخ زروق في شرح القرطبية : فيوسع يومه وليلته من غير إسراف ولا مراء اة ولا مماراة ، وقد جرب ذلك جماعة من العلماء فصح ، انتهى. وقال الشيخ يوسف بن عمر في باب جمل من الفرائض: ويستحب التوسعة فى النفقة على العيال ليلة عاشوراء ، واختلف هل هي ليلة العاشر أو ليلة الحادى عشر انتهى. (مواهب الجليل: ۳/۳۱۴،۳۱۷، كتاب الصيام ، دارالكتب العلمية بيروت).

۴۔ علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ محمد بن عبدالبر النمری المالکیؒ نے احادیث اورتابعین کے اقوال نقل فرمائے ہیں:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من وسع على نفسه وأهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته. قال جابر رضی اللہ عنہ: جربناه فوجدناه كذلك. وقال أبوالزبير وقال شعبة مثله. وعن سعيد بن المسيب قال: قال عمر بن الخطاب: من وسع على أهله يوم عاشوراء وسع الله سائرالسنة. قال يحيى بن سعيد: جربنا ذلك فوجدناه حقاً وروى ابن عيينة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر قال: من وسع على أهله فى عاشوراء وسع الله عليه سائر السنة . قال سفيان : جربناه ذلك فوجدناه كذلك . (الاستذكار: ۱/ ۱۶۷۱، باب صيام عاشوراء).

☆ فقہائے شافعیہ کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ تحفة المحتاج في شرح المنهاج میں مرقوم ہے:

ويسن التوسعة على العيال في يوم عاشوراء ليوسع الله عليه السنة كلها كما فى الحديث الحسن وقد ذكر غير واحد من رواة الحديث أنه جربه فوجده كذلك ... وورد من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها وطرقه وإن كانت كلها ضعيفة لكن اكتسبت قوة بضم بعضها لبعض بل صحح بعضها الزين العراقى كابن ناصر الدين

وخطئ ابن الجوزی في جزمه بوضعه . (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج: ۸۰/۱۴،باب صوم التطوع).

۲۔ وکذا فی حواشی الشروانی والعبادی (۴۵۵/۳).

۳۔ قال الشیخ ابن حجر الهیتمی المکی:

وورد من طرق صحح بعضها بعض الحفاظ خلافاً لمن زعم أنها موضوعة: من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع اللّٰه علیه السنة کلها . (الفتاوی الفقهیة الکبریٰ: ۶۸/۲،کتاب الصوم، ط: دارالفکر).

۴۔ قال شیخ الإسلام زکریا الإنصاری في أسنی المطالب في شرح روض الطالب :

وأوقات التوسعة علی العیال کیوم عاشوراء . (اسنی المطالب: ۵۷۴/۱،ط:بیروت).

(وکذافی الاقناع للشربینی : ۵۸۷/۲،ط:دارالفکر،وحاشیة البجیرمی علی الخطیب : ۱۳ / ۲۰۲، ومغنی المحتاج :۳۱۰/۴،دارالفکر).

☆ فقہائے حنابلہ کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ قال الشیخ ابراهیم بن محمد ابن مفلح الحنبلی(م۸۸۴ھ)فی المبدع شرح المقنع:

فائدة : ینبغي فیه التوسعة علی العیال ، سأل ابن منصور أحمد عنه قال:نعم ، رواه سفیان بن عیینة عن جعفر الأحمر عن إبراهیم بن محمد بن المنتشر وکان من أفضل أهل زمانه أنه بلغه أن من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع اللّٰه علیه سائر سنته، قال ابن عیینة قد جربنا منذ خمسین سنة أو ستین فما رأینا إلا خیراً . (المبدع شرح المقنع : ۴۵۷/۲،باب صوم التطوع،ط: عالم الکتب ، الریاض).

۲۔ وقال فی الروض المربع شرح زاد المستقنع فی اختصار المقنع:

ویسن فیه التوسعة علی العیال . (الروض المربع: ۱۶۶/۱ ،باب صوم التطوع،ط:دارالفکر).

۳۔ وقال الشیخ منصور بن یونس بن إدریس البهوتی (م۱۰۵۱ھ)في شرح منتهی الإرادات:

وینبغی التوسعة فیه علی العیال . (شرح منتهی الارادات: ۴۹۳/۱،ط:عالم الکتب).

۴۔ وکذا في کشاف القناع (۳۳۹/۲،باب صوم التطوع ،ط:دارالفکر).

۵۔ وقال الشيخ مصطفى السيوطى الرحيبانى (م۱۲۴۳ھ) في مطالب أولى النهى في شرح غاية المنتهي: قال فى الاختيارات : وينبغى فيه التوسعة على العيال . (مطالب اولى النهى: ۲/ ۲۱۸،ط: المكتب الاسلامى).

شارحینِ حدیث نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اوراس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

چند شراحِ حدیث کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ علامہ عبدالرؤوف زین الدین مناویؒ فرماتے ہیں:

(من وسع على عياله) وهم في نفقته (في يوم عاشوراء) عاشر المحرم (وسع الله عليه في سنته كلها) دعاء أو خبر وذلک لأن الله سبحانه أغرق الدنيا بالطوفان فلم يبق إلا سفينة نوح بمن فيها فرد عليهم دنياهم يوم عاشوراء وأمروا بالهبوط للتأهب للعيال في أمر معاشهم بسلام وبركات عليهم وعلى من في أصلابهم من الموحدين فكان ذلک يوم التوسعة والزيادة في وظائف المعاش فيسن زيادة ذلک في كل عام ذكره الحكيم وذلک مجرب للبركة والتوسعة ، قال جابر الصحابي رضي الله عنه: جربناه فوجدناه صحيحاً ، وقال ابن عيينة : جربناه خمسين أو ستين سنة ...الخ. (فيض القدير: ۶/ ۳۰۶، ط: بيروت ، لبنان).

۲۔ شیخ ابوالحسن ابن بطال بکری قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وليوم عاشوراء فضائل منها:...وروى شعبة ، عن أبى الزبير ، عن جابرؓ ، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من وسع على نفسه وأهله يوم عاشوراء ، وسع الله عليه سائر السنة ، قال جابرؓ وابوالزبير وشعبة: جربناه فوجدناه كذلک، وقاله يحيى بن سعيد وابن عيينة أيضاً . (شرح صحيح البخارى : ۴/ ۱۴۵ ، كتاب الصيام ،ط: مكتبة الرشد الرياض).

۳۔ شیخ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

وعن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من

وسع علی عياله في النفقة يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته أى باقيها أو جميعها قال سفيان ...قال العراقي له طرق صحح بعضها وبعضها على شرط مسلم وأما حديث الاكتحال يوم عاشوراء فلا أصل له وكذا سائر الأشياء العشرة ما عدا الصوم والتوسيع .

(مرقاة المفاتيح : ٦/ ٢٢٠،باب فضل الصدقة).

۴۔ شیخ عطیہ بن محمد سالم لکھتے ہیں: (یادرہے کہ شیخ عطیہؒ سلفی العقیدہ تھےاور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کےمشہوراستاذ تھے)

وذكر ابن عبد البر آثاراً عن التابعين في يوم عاشوراء وذكر حديثاً يقول عنه المنذرى: إن سنده ضعيف وهو: من وسع على عياله... ويذكر ابن عبد البر عن بعض السلف أنه قال: قد جربناه وكان صحيحاً . (شرح بلوغ المرام ، بيان ان صوم يوم عاشوراء كان واجباً في اول الاسلام).

۵۔ شیخ دکتور تقی الدین ندوی بذل المجہود کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

ويشكل الجمع بينه (أى حديث صوم عاشوراء) وبين حديث التوسعة على العيال، قال صاحب الدرالمختار: وهو حديث صحيح ، ويمكن الجمع بينهما بأن التوسعة بالفلوس لا ينافى الصوم ، أو المراد بالعيال الأطفال والذريات غير الصائمين، أو يكون التوسع عند الإفطار وهو أيضاً داخل في اليوم مجازاً وحكماً ، أو يهيء المأكل والمشارب في النهار ويستعمل بعد الإفطار . (تعليق بذل المجهود: ٢٦٦/٨،باب فى فضل صومه).

۶۔ شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

بدانکہ آنچہ ثبوت رسیدہ است نزد محدثین از اعمالِ روز عاشورا صوم است وتوسع طعام وحدیث صوم صحیح است وحدیثِ توسع ضعیف ولیکن بتعد دِطرق وکثرتِ آں بمرتبہ حسن رسیدہ ودر کتاب ما ثبت بالسنہ فی ایام السنہ احادیث واردہ درروز عاشوراء از صحاح وحسان وضعاف وموضوعات بہ تفصیل ذکرکردہ ایم ، واللہ اعلم ۔(اشعۃ اللمعات:۲/۶۶،باب فضل الصدقۃ،ط:المکتبۃ الرشیدیۃ)۔

فارسی عبارت کا خلاصہ: واضح ہوکہ عاشورا کے اعمال میں سے فقط دو چیزیں محدثین کے نزدیک پایہ ثبوت تک پہنچتی ہیں؛ عاشورا کا روزہ اوراہل وعیال پر وسعت وفراخی،اورروزہ کی حدیث صحیح ہے،اورفراخی اوروسعت والی حدیث ضعیف ہے،لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔ہم نے اپنی کتاب ما ثبت بالسنہ

میں عاشوراء کی احادیث اوراس کے مختلف طرق صحیح ،ضعیف وموضوع سب کوتفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیاہے۔واللہ اعلم۔

۷۔مظاہر حق میں نواب محمد قطب الدین دہلویؒ لکھتے ہیں:

حدیث اوراس کا ترجمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: بیہقیؒ نے اس روایت کوضعیف کہاہے لیکن انہوں نے یہ بھی کہاہے کہ اگر چہ اس کے طرق ضعیف ہیں مگر ایک کودوسرے سے تقویت حاصل ہوجاتی ہے۔ بعض لوگوں نے عاشورا کے دن سرمہ لگانے کے بارے میں جوحدیث نقل کی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسی طرح عاشورا کے دن اوردس افعال کے سلسلہ میں جوحدیث نقل کی جاتی ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے،البتہ عاشورا کے دن صحیح احادیث کے ذریعہ صرف روزہ رکھنا اورکھانے میں وسعت اختیار کرنا ثابت ہے۔(مظاہر حق جدید:۲/ ۵۸۸، باب فضیلت صدقہ،ط:ادارۂ اسلامیات دیوبند)۔

اکابر اور دیگر علمائے کرام کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔علامہ عبدالحی لکھنویؒ صاحب نے مجموعۃ الفتاویٰ میں تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایاہے،اس کا آخری حصہ پیش خدمت ہے: عراقی نے اپنی امالی میں روایت کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے کئی صحیح طریقے ہیں،الحاصل عاشورا کے دن روزے اورعیال واحباب پر توسیع طعام کے علاوہ کہ یہ دونوں احادیث سے ثابت ہیں اورکچھ نہ کرنا چاہیے،واللہ اعلم۔(مجموعۃ الفتاویٰ:۲/ ۲۰۴،کتاب الحظر والاباحہ،ط:میر محمد کتب خانہ)۔

۲۔مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

یوم عاشورا اسلام سے پہلے بھی ایک محترم اورمعظم دن تھا،یہود اس کی تعظیم کرتے اوراس دن روزہ رکھتے تھے...حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز روزہ رکھا اورمسلمانوں کوروزہ رکھنے کی ترغیب دی،عاشورا کے دن اچھا کھانا پکانا اوراپنے بال بچوں اورعزیزوں اورپڑوسیوں کوکھلانا مسنون ومستحب ہے۔(کفایت المفتی :۱/ ۲۵۲،ط:دار الاشاعت)۔

۳۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں:

دریں روز جز صیام ازعبادت وتوسیع علی العیال از عادت چیزے دیگر درشریعت واردنشدہ لہذا زیادت بریں ہرچہ باشد بدعت باشد۔(امداد الفتاویٰ:۵/ ۲۹۶،مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

فارسی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بروزِ عاشورا روزہ از قبیل عبادت اور توسیع علی العیال از قبیل عادت کے سوا اور کوئی چیز شریعت میں ثابت نہیں ہے بنابریں ان کے علاوہ جو چیز کی جائے گی وہ بدعت ہوگی۔

۴۔فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ صاحب فرماتے ہیں:

اس دن کھانے میں کچھ وسعت کردینا برکت کا باعث ہے، روزہ رکھنا بھی مستحب ہے مگر ایک دن پہلے ملالے یا بعد میں۔ بقیہ چیزیں اس دن صحیح روایات سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳/۲۷۳، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: یومِ عاشورا میں روزہ اور خرچ کی کشادگی کی فضیلت دیگر کتب میں بھی ہے، اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، باقی جملہ امور مذکورہ کی خصوصیت اس روزے کے ساتھ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳/۲۷۵، جامعہ فاروقیہ)۔

۵۔حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ فرماتے ہیں:

اس دن کے متعلق شریعت نے خاص دو چیزیں بتلائی ہیں؛ (۱) روزہ رکھنا (۲) اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت کرنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے یومِ عاشورا کو اپنے بال بچوں پر کھانے پینے کی وسعت کی تو خدائے تعالیٰ پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۲/۲۸، ط:مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

۶۔حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

محرم کی دسویں تاریخ جسے یومِ عاشورا کہا جاتا ہے اس دن بہت سے دینی کام ہوئے ہیں، اس لیے وہ بڑا مبارک دن شمار ہوتا ہے اسلام سے پہلے کفار اور یہود بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور کفارِ مکہ اس دن کعبہ کو غلاف پہناتے تھے، جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے روزہ کا حکم دیتے رمضان کے روزے فرض ہوجانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک اس دن کا روزہ رکھتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عاشورا کا روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ کردیتا ہے اور اس دن گھر والوں کو اچھا کھلانے پلانے سے پورے سال رزق میں برکت اور فراخی کی بشارت بھی آپ نے دی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ۴۰ سال سے اس پر عمل کرتا ہوں جس میں کبھی تخلف نہیں ہوا، غرباء فقراء کو بلا کر خیر خیرات وغیرہ کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ عاشورا کی رات یا دن میں کوئی خاص نماز پڑھنا یا قبرستان جانا یا راستہ میں نظر آنے والی چیونٹیوں کو آٹا ڈالنا شریعت سے ثابت نہیں ہے، لہذا یہ امور کرنا یا انہیں ضروری سمجھنا جائز نہیں بدعت ہے اور بدعت کے کام میں ذرا بھی ثواب نہیں بلکہ عذاب ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف، فتح

الباری، عینی، مرقاۃ، مجالس الابرار، شامی اوردرمختار وغیرہ دیکھیں۔فقط، واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم۔

(فتاویٰ بسم اللہ، جلدِ سوم، ص ۲۵۹، کتاب البدعات)۔

منکرین کے دلائل اوران کے جوابات:

ہاں احمد بن حنبل، عقیلی، ابن طاہر صاحب تذکرۃ الموضوعات، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، ابن ابی العز، مجدالدین فیروزآبادی اس حدیث کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں جس کی تفصیل شیخ محمد یونسؒ نے الیواقیت الغالیہ میں ص ۳۲۶ سے ۳۳۱ تک بیان فرمائی ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: **لا أصل له**، الغماز علی اللماز، ص۱۸۹، رقم:۲۳۳، دارقطنی کہتے ہیں **إنما یروی من قول محمد بن المنتشر ولا یثبت هذا عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی حدیث مسند**، التذکرۃ للزرکشی، الباب الخامس فی الفضائل، حدیث ۱۸۱.

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: **موضوع مکذوب علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ...وروایة هذا کله عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم کذب ولکنه معروف من روایة سفیان بن عیینة عن إبراهیم بن محمد بن المنتشر عن أبیه قال: بلغنا أنه من وسع علی عیاله الخ، وإبراهیم بن محمد بن المنتشر من أهل الکوفة، وأهل الکوفة کان فیهم طائفتان؛ طائفة رافضة یظهرون موالاة أهل البیت، وهم فی الباطن إما ملاحدة زنادقة وإما جهال، وأصحاب هوی. وطائفة ناصبة تبغض علیاً، وأصحابه، لما جری من القتال فی الفتنة ما جری.** (مجموع فتاوی: ۲۵/۳۰۰، ۳۰۱).

دوسری جگہ (۲۵/۳۱۳) پر بھی اس مسئلہ پر مفصل گفتگو فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سفیان بن عیینہؒ نے کہا ہم نے اس نسخہ کو ساٹھ سال سے آزمایا اس میں ابراہیم بن محمد کوفی ہے انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ انہوں نے کن سے یہ روایت سنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبتدعین نے بدعت کا مقابلہ بدعت سے اور جھوٹ اور باطل کا مقابلہ باطل سے کیا، شیعوں کے جھوٹ کے مقابلہ میں جھوٹ ایجاد کیا، باقی سفیان بن عیینہؒ کو اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی سے نوازا لیکن یہ ضروری نہیں کہ یوم عاشوراء میں اہل وعیال پر فراخی کا نتیجہ ہو، اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو اپنے فضل وکرم سے نوازا لیکن رزق کی فراخی یوم عاشوراء کے عمل کا نتیجہ نہیں تھا۔

اور شیخ البانی نے لکھا ہے کہ بیہقی کی یہ بات درست نہیں کہ توسیع کی روایات کو جب آپس میں ملایا جائے تو اس میں قوت آ گئی۔

” هـذه الأسـانيد وإن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة . (شعب الايـمـان: ۳۶۶/۳) شیخ البانی نے تمام المنہ میں لکھا کہ بیہقی کی رائے صحیح نہیں اس لیے کہ حدیث ضعیف اس وقت تعددِ طرق سے قوی ہو جاتی ہے جب ان میں متروک اور متہم راوی نہ ہو اور اس روایت کے طرق میں متروک و متہم راوی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ولا نـراه صـوابـاً لأن شـرط تقوى الحديث بكثرة الطرق وهو خلوها من متروك أو متهم لم يتحقق في هذا الحديث. (تمام المنة، ص ۴۱۰)

مذکورہ بالا عبارت کے بارے میں محدثین، فقہاء اور اکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں قارئین خود فیصلہ کریں گے کہ یہ روایات موضوع ہیں یا صحیح اور حسن ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا جواب علامہ عراقیؒ کی عبارت کی روشنی میں:

جہاں تک علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں علامہ عراقیؒ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: ولـقـد تـعـجـبـت مـن وقـوع هـذا الـكلام من هذا الإمام الذي يقول أصحابه إنه أحاطت بالسنة علماً وخبرة ...

فـأمـا قـولـه : إنـه لـم يستـحـب أحـد مـن ائـمة الإسلام توسيع النفقة على العيال يوم عـاشـوراء ، فـلـيـس كـذلـک . فـقـد قـال بـذلـک : عـمر بن الخطابؓ . وجابر بن عبد اللهؓ ومـحـمـد بن المنتشر و ابنه إبراهيم ، وأبوالزبير وشعبة ، ويحيى بن سعيد وسفيان بن عيينة وغيرهم من المتأخرين ...

وأمـا قـولـه: إن أعلى ما بلغه في ذلک قول ابن المنتشر ، فقد أنصف من وقف عند ما بلغه ، ولكن لا ينبغي لمن لم يبلغه أن ينفي وجود ما لم يبلغه كما فعل في أول كلامه ، وما لم يـبـلـغـه فهـو أولى وأعلى مما بلغه. ففى الباب أحاديث مرفوعة ، بعضها صحيح ، أوحسن ، وفى الباب:قول عمر بن الخطابؓ ، والمرفوع والموقوف أعلى من المقطوع الذى ذكره.

وأمـا قـولـه : وابـن الـمـنتشر من أهل الكوفة ، ثم أخذ يذمها بكثرة الكذب وأن فيها الـرافـضـة ، والناصبة . فكلام عجيب . أ يرد كلام رجل ثقة لكونه من أهل الكوفة ؟ وإن كان

فيهـا الـرافـضة ، والـنـاصبة ؟ فـفيهـا أيـضـاً الفقهاء المرضيون أصحاب على بن أبي طالب ؓ وعبـدالـلّٰه بن مسعودؓ كإبراهيم النخعي ، والأسود ، والأعمش، وغيرهم من الأئمة ... ولو تركنا حديث أهل الكوفة لسقط كثير من السنن الصحيحة .

حاصل کلام یہ ہے کہ جس کو جو بات پہنچی ہے اس پر اکتفا کرنا انصاف ہے لیکن جو بات نہیں پہنچی اس کی نفی کرنا صحیح نہیں اور جو احادیث اس کو نہیں پہنچیں ان کا درجہ بہت اونچا ہے ان میں صحیح ،حسن ،مرفوع اور موقوف احادیث ہیں ،اور یہ کہنا کہ اہل کوفہ یا رافضی ہیں یا ناصبی جو بکثرت جھوٹ بولتے ہیں تو یہ بہت عجیب بات ہے، کوفہ میں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ ہیں؛ ابراہیم نخعی ،اسود، اعمش وغیرہ ائمہ ہیں اگر ہم کوفیوں کی احادیث کو چھوڑ دیں گے تو بہت ساری احادیث سے ہاتھ دھولیں گے۔

وقـولـه : فـلـعله سمعه من شيعة قتلة الحسينؓ . فهذا هوالذى هو قول بلا علم ، وظن مـخـطـئ ، وليـس هـذا بـأولـى من قولنا ، لعله سمعه من الثقات المأمونين الذين سمع منهم بـالـكـوفة ، كـمسـروق بـن الأجـدع ، وعـمـرو بـن شرحبيل، أو سمعه ممن سمع منهم من الصحابة : كعائشةؓ، وابن عمرؓ ، وروايته عنها فى الصحيح ، وهوثقة احتج به الائمة الستة ، وتبعه أحمد بن حنبل ، وابن حبان وغيرهما .

اور یہ بات کہ محمد بن منتشر نے قاتلین حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کلام سنا ہوگا یہ رجم بالغیب ہے،اس کے مقابلہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید انہوں نے کوفہ میں مسروق بن اجدع ،عمرو بن شرحبیل سے سنا ہو یا ان حضرات سے سنا ہو جنہوں نے حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ جیسے صحابہ سے سنا ہو۔

وأما قوله: جربناه ستين سنة ، فإن اللّٰه إذا وسع على عبد طول عمره، لم يعلم بذلك أن سببـه مـا فـعـلـه يـوم عـاشوراء فهذا لو لم يرد على الصادق المصدوق لكان أمراً مظنوناً يـحتمل الوقوع ولكن لما ورد عن الصادق تبين أن سبب التوسع ما فعله يوم عاشوراء وكان هذا ظناً مصيباً مستنداً إلى أمر وردت به السنة ...

اور علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ کہنا کہ کبھی کسی پر رزق کے دروازے کھلتے ہیں حالانکہ اس کو معلوم بھی نہیں کہ اس کا سبب عاشورا کے دن توسیع ہے تو توسیع کا سبب اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان نہ فرماتے تو ابن تیمیہؒ کے قول کی گنجائش گمان کے درجہ میں تھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسعت کا سبب مروی ہے اور کوئی

شخص اس سبب کو مان لے تو یہ گمان صحیح باسند ہے بے سند نہیں۔

ومن هنا نورد الأحاديث الواردة في استحباب التوسع يوم عاشوراء وقد ورد ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم من طريق جماعة من الصحابة منهم: جابر بن عبد اللهؓ. و عبد الله بن مسعودؓ، وأبوهريرةؓ، وأبوسعيد الخدريؓ، وعبد الله بن عمر بن الخطابؓ. اس کے بعد ہر ایک روایت کی تخریج اور تحقیق فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو: (التوسعة على العيال لأبي زرعة).

وأيضاً ينظر: (مواهب الجليل لشرح مختصر خليل: ۳/۵ ۳۱ - ۳۱۶، كتاب الصيام، دارالكتب العلمية بيروت).

ابن ابی العز نے ابن تیمیہ کی اتباع میں یہاں تک لکھا ہے کہ چونکہ شیعوں نے یومِ عاشوراء کو ماتم اور غموں کا دن بنایا تو اس کے مقابلہ میں بعض جاہل سنیوں نے اس دن کو خوشی اور کھانے پینے کا دن بنایا اور اپنی طرف سے روایات گھڑ لی۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحبؒ نقل فرماتے ہیں:

قال الشيخ محمد يونس الجونفوریؒ: وقال العلامة ابن العز: لم يصح عن النبی صلى الله عليه وسلم في عاشوراء غير صومه وإنما الروافض لما ابتدعوا إقامة الماتم وإظهار الحزن يوم عاشوراء لكون الحسين رضى الله تعالىٰ عنه قتل فيه ابتدع جهلة أهل السنة إظهار السرور واتخاذ الحبوب والأطعمة والاكتحال ونحو ذلک ورووا أحاديث موضوعة فی الاكتحال والتوسعة على العيال فيه. (اليواقيت الغالية: ۱/ ۳۳۰).

حدیثِ توسعہ کا سہارا لیتے ہوئے بدعات کی ترویج جائز نہیں:

لیکن احادیث کے ثبوت کے بعد اِن حضرات کا انکار بے جا ہے۔ ہاں اس کو ضروری یا واجب کا درجہ نہ دیا جائے، نیز فراخی رزق والی حدیث کا سہارا لیتے ہوئے بدعات اور خرافات کو رواج نہ دیا جائے جن کا ہمارے اکابرؒ نے شدت سے انکار کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (تالیفاتِ رشیدیہ، ص۱۳۱، ط: ادارۂ اسلامیات، لاہور، وکفایت المفتی، وامداد الفتاویٰ، وفتاویٰ محمودیہ وغیرہ)۔

المدخل میں ابن الحاج المالکی لکھتے ہیں: **لكن بشرط و هو ما تقدم من عدم التكلف ومن أنه لايصير ذلک سنة يستن بها لا بد من فعلها فإن وصل إلى هذا الحد فيكره أن يفعله سيما**

إذا كـان هـذا الـفـاعل له من أهل العلم وممن يقتدى به لأن تبيين السنن وإشاعتها وشهرتها أفضل من النفقة في ذلك اليوم ولم يكن لمن مضى فيه طعام معلوم لا بد من فعله ، وقد كان بعض العلماء يتركون النفقة فيه قصداً لينبهوا على أن النفقة فيه ليست بواجبة . (المدخل : ١/ ٢٨٩،دار الفكر). والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف "لا يصح هذا الحديث" کی نسبت کی تحقیق:

حدیث" من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته" کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کی طرف عدمِ صحت کی نسبت مشہور ہے، لیکن ہمیں کسی صحیح سند سے یہ بات دستیاب نہیں ہوئی۔ ہاں حافظ ابن القیمؒ نے المنار المنیف میں فرمایا ہے: " قال الإمام أحمد: لا يصح هذا الحديث" یعنی امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اسی کو شیخ ابن العراقؒ نے تنزیہ الشریعہ میں نقل کیا ہے اور علامہ لکھنویؒ نے بحوالہ شیخ ابن العراق نقل کیا ہے، نیز ملا علی قاریؒ نے بھی بحوالہ ابن القیم نقل کیا ہے پھر ان حضرات نے عدمِ صحت سے صحتِ اصطلاحی کی نفی مراد لی ہے یعنی حدیث ثابت ہے لیکن حسن یا ضعیف ہے، لیکن شیخ عبد الفتاح صاحبؒ نے المنار کی تعلیق میں فرمایا ہے کہ یہ بات موضوعات کی کتابوں میں نہیں چلتی، نیز شیخ یونس جونپوریؒ نے بھی الیواقیت میں بحوالہ ابن القیم نقل کیا ہے۔ نیز احادیث القصاص (رقم:۴۷) میں علامہ ابن تیمیہؒ نے بحوالہ حرب کرمانی امام احمدؒ سے " لا أصل له"، نقل کیا ہے، اسی طرح شیخ ابو الحسن نور الدین سمہودیؒ نے الغماز علی اللماز (ص ۱۱۸، رقم: ۲۳۹) میں بحوالہ مکحولؒ امام احمدؒ سے " لا أصل له " نقل کیا ہے لیکن دونوں حضرات نے کوئی سند یا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

لیکن دوسرے حضرات نے اِس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے بعد کلام بھی کیا لیکن امام احمد کا حوالہ نہیں دیا۔ چند حضرات کے اسماء درجِ ذیل ہیں:

۱۔ علامہ سیوطیؒ (اللآلی المصنوعہ)۔

۲۔ علامہ سخاویؒ (المقاصد الحسنہ)۔

۳۔ شیخ عجلونیؒ (کشف الخفاء)۔

۴۔ علامہ عراقیؒ (التوسعہ علی العیال لابی زرعہ)۔

۵۔ علامہ زرکشیؒ (نے ''التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ'' میں لا یثبت کہا لیکن امام احمد کے حوالہ سے نہیں)۔

۶۔ علامہ شوکانیؒ (نے ''الفوائدالمجموعہ''، میں موضوع کہا لیکن ابن جوزی اورابن تیمیہ کے حوالہ سے)۔

۷۔ شیخ محمد بن درویش (اسنی المطالب، بحوالہ ابن رجب: لا یصح کہا)۔

۸۔ محمد بن طاہرالمقدسی (اطراف الغرائب)۔

۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی (تذکرۃ الموضوعات)۔

۱۰۔ شیخ نجم الدین الغزی (اتقان ما یحسن من الاخبار الواردۃ)۔

۱۱۔ شیخ محمد بن طولون الصالحی (الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ)۔

۱۲۔ شیخ ابن عمر الشیبانی الشافعی الاثری (تمییز الطیب من الخبیث)۔

۱۳۔ شیخ ابن ناصر (الردالوافر)۔ وغیرہ حضرات میں سے کسی نے امام احمدؒ کا حوالہ نہیں دیا۔

اب معلوم نہیں کہ ابن القیمؒ نے کہاں سے یہ بات امام احمدؒ کی طرف منسوب کی جبکہ حضرت امام احمدؒ کے صاحبزادے ابوالفضل صالح ''مسائل الامام احمد بن حنبل'' میں امام احمدؒ سے اس کے خلاف نقل کرتے ہیں؛

ملاحظہ ہو: [رواية في توسيع النفقة على العيال يوم عاشوراء] ۴۰۰ـ حدثنا صالح قال: حدثني أبي، حدثنا سفيان بن عيينة قال: حدثني جعفر الأحمر (صدوق)، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر قال أبي: ثقة صدوق، أنه بلغه أنه: من وسع على عياله يوم عاشوراء أوسع الله عليه سائر سنته. (مسائل الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۴۱۸، ط: الدار العلمية، دهلی، الهند).

امام احمدؒ کی یہ روایت قوی ہے اوراس حدیث کی اصل موجود ہے لہذا اِس سے علامہ ابن قیمؒ کی امام احمدؒ کی طرف عدمِ صحت والی نسبت بھی مشکوک ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ایک اشکال اوراس کا جواب:

اشکال: محرم کی دسویں تاریخ کواپنے ماتحتوں اوراہل وعیال پر وسعت کرنا رزق کی فراخی کا سبب ہے؛ لیکن بہت سارے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اوران کے رزق میں تنگی ہوتی ہے؛ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی بات سچی اور پکی ہوتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: رزق کی فراخی کے اسباب دو قسم کے ہیں: اسباب ظاہر یہ اور اسباب باطنیہ۔ ظاہری اور ظنی سبب جیسے رزق حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا دوڑ دھوپ کرنا اور دوسرے ظاہری وسائل کا اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

رزق حاصل کرنے کے ظاہری اسباب

رزق کے ظاہری اسباب کی چھ قسمیں ہیں: (۱) تجارت، (۲) زراعت، (۳) صنعت، یعنی نئی چیز بنانا جیسے کپڑے جوتے وغیرہ، (۴) اجارے کی اجرت، (۵) حرفت یعنی کسی پرانی چیز کو ٹھیک کرنا اور اس کی مرمت کرنا، (۶) ملازمت، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی سبب کو اختیار کرے گا تو ان شاء اللہ بھوکا نہیں رہے گا، ہاں عاشورا کے دن وسعت کرنے کے نتیجے میں رزق میں مزید برکت اور فراخی ہوگی۔

رزق کے چھ ظاہری اسباب کی قرآن وحدیث سے مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ **تجارت:** ﴿**یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراضٍ منکم**﴾ [النساء: ۲۹]، ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے تجارت ہو۔

﴿**رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله وإقام الصلوٰة وإیتاء الزکوٰة یخافون یوماً تتقلب فیه القلوب والأبصار**﴾ [النور: ۳۷]، ترجمہ: ایسے آدمی ہیں جنہیں سوداگری اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔

عن أبی المنهال، یقول: سألت البراء بن عازبؓ و زیدبن أرقمؓ عن الصرف، فقالا: کنا تاجرین علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم... (البخاری، باب التجارة فی البر، رقم: ۲۰۶۰).

ترجمہ: عمرو بن منہال کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ سے صرف کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے بتایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تجارت کیا کرتے تھے۔

عن صخر الغامدي، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: " اللّٰهم بارک لأمتي في بکورها " وکان إذا بعث سریة أوجیشاً بعثهم من أول النهار وکان صخر رجلاً تاجراً، و

کان یبعث تجارته من أول النهار فأثری و کثر ماله . قال أبوداود: وهو صخر بن وداعة .

(سنن أبی داود ، باب فی الابتکار فی السفر، رقم: ۲۶۰۶).

ترجمہ: حضرت صخر الغامدیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری امت کے لیے دن کے شروع میں کام کرنے میں برکت عطافرما،اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اول صبح روانہ فرماتے،اور صخر ایک تاجر پیشہ آدمی تھے اور وہ اپنی تجارت کا مال اول روز میں بھیجتے۔ پس وہ مالدار ہوگئے اوران کا مال بہت بڑھ گیا۔اکبرالہ بادی نے کہا ہے:

لفظِ تاجر خود ہے اے اکبرؔ ثبوت ۞ دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

۲۔زراعت:

﴿ أفرأیتم ما تحرثون ، ء أنتم تزرعونه أم نحن الزارعون﴾ [الواقعة۶۳،۶۴]، ترجمہ: بھلا دیکھوجوتم بوتے ہو،کیاتم اسے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

﴿قال تزرعون سبع سنین داباً﴾ [یوسف:۴۷]، ترجمہ: کہا:تم سات برس لگا تارکھیتی کروگے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ما من مسلم یغرس غرساً ، أو یزرع زرعاً ، فیأکل منه طیر أو إنسان أو بهیمة ، إلا کان له به صدقة . (البخاری ، باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منها،رقم: ۲۳۲۰).

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جوبھی میوہ داردرخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہےاوراس سے پرندے،آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں اس کا ثواب اس کوملتا ہے،

عن عائشةؓ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: التمسوا الرزق في خبایا الأرض قال الشیخ أحمد: ومعناه : الحرث وإثارة الأرض للزرع. (الآداب للبیهقی: ۱/۷۱۳).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:تم زمین میں چھپی ہوئی چیزوں (بیج) میں رزق تلاش کرو،شیخ احمدؒ کہتے ہیں:اس سے مرادکھیتی باڑی اورزراعت کی ترغیب دیناہے۔

۳۔ صنعت:

﴿ وعلمناه صنعة لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم فهل أنتم شاکرون﴾ [الأنبیاء۸۰].

ترجمہ: ہم نے انہیں (یعنی داؤد علیہ السلام کو) تمہارے لیے زرہیں بنانا بھی سکھایا تا کہ تمہیں لڑائی میں محفوظ رکھیں پھر کیا تم شکر کرتے ہو، یعنی شکر کرو۔

"في ظلال القرآن": تلک هي صنعة الدروع حلقاً متداخلة ، بعد أن كانت تصنع صحيفة واحدة جامدة ، والزرد المتداخل أيسر استعمالاً وأكثر مرونة ، ويبدو أن داود عليه السلام هو الذى ابتدع هذا النوع من الدروع بتعليم الله ، والله يمن على الناس أن علم داود هذه الصناعة لوقايتهم فى الحرب : ﴿لتحصنكم من بأسكم﴾ وهو يسألهم سؤال توجيه وتحضيض: ﴿فهل أنتم شاكرون؟﴾ (فى ظلال القرآن: ۲۳۹۰/۴).

ترجمہ: پہلے زمانہ میں زرہیں ایک تختے کی طرح ہوتی تھیں۔ داؤد علیہ السلام نے کڑیاں بننے کا عمل جاری کیا، اس کا استعمال بہت آسان ہے اور اس کے بہت مؤثر ہونے کا تجربہ ہے۔ اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صنعت کو سب سے پہلے حضرت داود علیہ السلام کو سکھایا، اور انسانیت پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کو جنگ کے میدان میں سامانِ حفاظت مل گیا، اسی کی طرف " لتحصنكم من بأسكم" میں اشارہ ہے، پھر نعمت گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو شکر پر آمادہ کرتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ کیا تم اب بھی میرا شکر ادا نہیں کرتے؟ یعنی اتنی بڑی نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كان زكريا نجاراً . (مسلم، باب فضائل زكريا عليه السلام، رقم: ۲۳۷۹)، ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ (نسباً اسرائیلی اور پیشہ کے لحاظ سے بڑھئی تھے)۔

۴۔ اجرت (یعنی زمین یا مکان کرایہ پر دینا جس میں مزارعت بھی آتی ہے):

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره: أن النبى صلى الله عليه وسلم عامل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع . (البخارى: باب المزارعة بالشطر ونحوه، رقم: ۲۳۲۸).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے وہاں کی زمین میں پھل، کھیتی اور جو بھی پیداوار ہو اس کے آدھے حصے پر معاملہ کیا تھا۔

۵۔ حرفت:

عن خباب ﷺ، قال: كنت قيناً فى الجاهلية. (البخاری ،باب ذكر القين والحداد،رقم: ۲۰۹۱).

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا۔

عن ابن عباس ﷺ قال: احتجم النبي صلى الله عليه وسلم، وأعطى الحجام أجره. ولو علم كراهية لم يعطه . (البخاری ، باب خراج الحجام،رقم: ۲۲۷۹).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور پچھنا لگانے والے کو اس کی اجرت عطا فرمائی؛ اگر اس کو مکروہ سمجھتے تو نہ عطا فرماتے۔

عـن أنـس بـن مـالک رضي الله تعالىٰ عنه يقول: إن خياطاً دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعه . (البخاری، باب ذكر الخياط، رقم: ۲۰۹۲).

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر دعوت دی تھی۔

عـن عـلـي رضـي الـله تعالىٰ عنه قال: واعدت رجلاً صواغاً من بني قينقاع أن يرتحل مـعـي، فـنـأتي بإذخر أردت أن أبيعه من الصواغين ، وأستعين به في وليمة عرسي . (البخارى ، باب ماقيل فى الصواغ،رقم: ۲۰۸۹).

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بنی قینقاع کے ایک سنوار سے طے کیا کہ میرے ساتھ چلے اور ہم لوگ اذخر لے آئیں ،جس سے میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس کو سنار کے پاس بیچ کر اپنی شادی کے ولیمہ میں اس سے مدد لوں گا۔

جاء رجل من الأنصار، يكنى أباشعيب، فقال لغلام له قصاب....الخ. (البخاری ، باب ما قيل فى اللحام والجزار، ۲۰۸۱).

ترجمہ: ایک انصاری صحابی جن کی کنیت ابوشعیب تھی آئے اور اپنے غلام سے کہا جو قصاب تھا۔

۶: ملازمت:

﴿قـال إنـى أريـد أن أنـكـحـک إحـدى ابـنـتي هٰتين على أن تأجرني ثمٰني حجج فإن أتممت عشراً فمن عندک﴾ [القصص: ۲۹]، ترجمہ: کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کردوں اس شرط پر کہ تو آٹھ برس تک میری نوکری کرے پھر اگر تو دس پورے کردے تو تیری طرف سے احسان ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها، زوج النبي صلی الله علیه وسلم، قالت: واستأجر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وأبوبکر رجلاً من بني الدیل هادیاً خریتاً... (صحیح البخاری، باب إذا استأجر أجیراً ،رقم: ۲۲۶۳).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورابوبکرؓ نے بنی دیل کے شخص کو جو راہبر تھا راستہ بتانے کے لیے مزدوری پر مقرر کیا۔

عن أبي موسی رضي اللّٰه تعالیٰ عنه ، عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، قال: مثل المسلمین والیهود والنصاری ،کمثل رجل استأجر قوماً یعملون له عملاً یوماً إلی اللیل، علی أجر معلوم ...(صحیح البخاری ،باب الاجارۃ من العصر الی اللیل،رقم: ۲۲۷۱).

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں، یہوداورنصاریٰ کی مثال اس شخص کی ہے جس نے کچھ آدمیوں کوکام پرلگایا کہ صبح سے رات تک ایک مقررمزدوری کے عوض کام کریں۔

عن أبي هریرة رضي الله عنه، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: ما بعث الله نبیاً إلا رعی الغنم فقال أصحابه: وأنت ؟ فقال: نعم ، کنت أرعاها علی قراریط لأهل مکة . (صحیح البخاری ، باب رعی الغنم علی قراریط،رقم: ۲۲۶۲).

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اورآپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط میں چرایا کرتا تھا۔

عن أبي مسعود رضي الله عنه قال: لما نزلت آیة الصدقة ، کنا نحامل، فجاء رجل فتصدق بشيء کثیر، فقالوا : مراء ، وجاء رجل فتصدق بصاع، فقالوا: إن اللّٰه لغني عن صاع هذا، فنزلت: الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین في الصدقات والذین لا یجدون إلا جهدهم. (التوبة: ۷۹). (رواه البخاري ومسلم: باب الحمل أجرة یتصدق بها، والنهي الشدید عن تنقیص المتصدق بقلیل،۱۴۱۵).

ترجمہ:حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ صدقہ نازل ہوئی تو ہم بوجھ اٹھانے کا کام

کیا کرتے تھے، (تا کہ جومزدوری ملے اسے صدقہ کردیا جائے)، اسی زمانے میں ایک شخص آئے اورانہوں نے صدقہ کے طور پر کافی چیزیں پیش کیں۔ اس پرلوگوں (منافقین) نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ آدمی ریا کار ہے۔پھر ایک شخص تشریف لائے اورانہوں نے ایک صاع کھجور صدقہ کی۔اس پرلوگوں نے کہا کہ اللہ تعالی کواس ایک صاع کی کیا حاجت ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وہ لوگ جومؤمنوں پرعیب لگاتے ہیں جوصدقہ زیادہ دیتے ہیں اوران پر بھی جومحنت اورمشقت سے مال کما کرلاتے ہیں۔

حدثنا أبو الزنباع روح بن الفرج المصري، ثنا يحيى بن بكير، حدثني رفيع بن خالد العائشي، عن محمد بن إبراهيم بن عنمة الجهني، عن أبيه، عن جده قال: خرج النبي صلى الله عليه وسلم ذات يوم فلقيه رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله، بأبي وأمي أنت إنه ليسوؤني الذي أرى بوجهك وعن ما هو؟ قال: فنظر النبي صلى الله عليه وسلم إلى وجه الرجل ساعة ثم قال: الجوع. فخرج الرجل يعدو أو شبيها بالعدو حتى أتى بيته فالتمس فيه الطعام فلم يجد شيئا، فخرج إلى بني قريظة فآجر نفسه بكل دلو ينزعها تمرة، حتى جمع حفنة أو كفا من تمر، ثم رجع بالتمر حتى وجد النبي صلى الله عليه وسلم في مجلس لم يرم فوضعه بين يديه، وقال: كل أي رسول الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: من أين لك هذا التمر؟ فأخبره الخبر، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني لأظنك تحب الله ورسوله؟ قال: أجل والذي بعثك بالحق، لأنت أحب إلي من نفسي وولدي وأهلي ومالي فقال: أما لا فاصطبر للفاقة، وأعد للبلاء تجفافاً، فوالذي بعثني بالحق لهما إلى من يحبني أسرع من هبوط الماء من رأس الجبل إلى أسفله. (المعجم الكبير للطبراني: ۱۸/۸۳/۱۵۵).

ترجمہ: عنمہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اورآپ کی ملاقات ایک انصاری سے ہوئی، اس انصاری نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ آپ کے چہرے پرکس چیز کا اثر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر ان کو دیکھا پھر فرمایا کہ بھوک ہے۔ وہ انصاری دوڑتے ہوئے اپنے گھر گئے تو وہاں کچھ بھی نہ ملا، وہ بنوقریظہ قبیلے کے پاس گئے اور وہاں مزدوری کی اور ہر ڈول کے بدلے میں ایک کھجور پر معاملہ طے پایا، جب ان صحابی کے پاس ایک ہاتھ بھر کھجوریں جمع ہوگئیں تو وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اورکہا: اے اللہ کے رسول! نوش فرمایئے۔حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کہاں سے لائے؟ اس پر انہوں نے پوری کارگزاری سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لگتا ہے تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ انصاری نے کہا: جی ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپ مجھے اپنی جان، اپنے گھر والے اور مال ودولت سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر فقر وفاقہ اور مصیبتوں کے لیے تیار رہنا؛ اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان لوگوں کے پاس جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اتنی تیزی سے آتی ہیں جتنا تیزی سے پانی ڈھلوان سے نیچے اترتا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مسند ابویعلی الموصلی (۲۸۳۰، ۵/۲۱۴) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

قال ابن الجوزي (۵۹۷هـ): وفي الحديث السابع والعشرين بعد المائة: (كان زكريا عليه السلام نجاراً).

اعلم أن الأنبياء لما بعثوا للخلق إلى الحق عزوجل لم يطلبوا من الخلق جزاء، ولم يكن بد من الجريان مع الأسباب، فاشتغل كل منهم بسبب، فكان آدم حراثاً، ونوح نجاراً، وكذلك زكريا، وإدريس خياطاً، وكذلك لقمان، وداؤد زراداً، وإبراهيم زراعاً، وكذلك لوط، وصالح تاجراً، وموسى وشعيب ومحمد صلى الله عليه وسلم رعاة، وهذه سيرة العلماء من بعدهم والصالحين، فكان أبو بكر الصديق وعثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف وطلحة وابن سيرين وميمون بن مهران بزازين، وكان الزبير وعمرو بن العاص وعامر بن كريز جزارين، وكان سعد بن أبي وقاص يبري النبل، وعثمان بن طلحة الحجبي خياطاً، وأيوب السختياني يبيع السختيان، ويونس بن عبيد جزاراً، ومالك بن دينار وراقاً يكتب المصاحف، وكان سعيد بن المسيب يحتكر الزيت، وسفيان الثوري يباضع.

واعلم أن الاشتغال بالكسب والتسبب إلى الغنى عن الناس يحفظ الدين، ويمنع من الرياء، ويكون أدعى إلى قبول القول. وقد سبق مدح الكسب والمال في مسند أبي سعيد، والله الموفق. (كشف المشكل من حديث الصحيحين: ۳/۵۷۸).

ترجمہ: ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب لوگوں کو اپنی طرف بلانے کے لیے مبعوث فرمایا، تو انہوں نے لوگوں سے اس کی کوئی اجرت نہیں لی؛ لیکن چونکہ زندگی

گزارنے کے لیے اسبابِ معیشت اختیار کرنے ضروری تھے؛ اسی لیے ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی پیشے، حرفت یا صنعت سے منسلک ہوگیا؛ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، حضرت نوح اور زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے، حضرت ادریس اور لقمان علیہما السلام درزی تھے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے، حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کاشتکار تھے، حضرت صالح علیہ السلام تاجر تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چراتے تھے۔

اِسی طریقہ کو بعد میں آنے والے علماء اور صلحاء نے بھی اختیار کیا؛ چنانچہ حضرت ابوبکر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، ابن سیرین اور میمون بن مہران رضی اللہ عنہم اجمعین کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، حضرت زبیر، عمرو بن العاص اور عامر بن کریز قصائی تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص تیر سازی کرتے تھے، حضرت عثمان بن طلحہ درزی تھے، حضرت ایوب سختیانی کھالیں بیچا کرتے تھے، حضرت یونس بن عبید قصاب تھے، حضرت مالک بن دینار کاتب تھے اور قرآن شریف لکھا کرتے تھے، حضرت سعید بن مسیّب زیتون کے تیل کو ذخیرہ کر کے فروخت کرتے تھے، حضرت سفیان ثوری مالِ تجارت پہنچایا کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

یہ بات خوب جان لینی چاہیے کہ مال کمانے کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرنے اور لوگوں سے بے نیاز ہونے کا سامان کرنے سے آدمی کے دین کی حفاظت ہوتی ہے، آدمی ریاکاری سے دور رہتا ہے اور اس کی بات زیادہ سنی اور قبول کی جاتی ہے۔ اب اگر کوئی ان سب اسبابِ ظاہریہ کو چھوڑ کر صرف عاشورا کے دن کھلانے کا اہتمام کرتا ہے تو وہ کافی نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں مطلوبہ برکت حاصل ہوگی، اور اس کی مثال بالکل اسی طرح ہوگی جیسے کوئی بیمار شخص دوا استعمال کرتا ہو؛ لیکن پرہیز نہ کرتا ہو۔

رزق میں وسعت اور فراخی کے روحانی اسباب

اب چند اسبابِ روحانیہ ملاحظہ فرمائیے:

رزق حاصل کرنے کے چند روحانی اسباب اور قرآن وحدیث سے ان کی مثالیں:

صلہ رحمی، استغفار، دعا، خیانت نہ کرنا، تقویٰ، توکل، اللہ کے ذکر سے اعراض نہ کرنا، معصیت نہ کرنا، اہل وعیال پر عاشورا کے دن وسعت کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ صلہ رحمی:

عن أبي هريرة رضي الله عنه: قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سره أن يبسط له في رزقه، وأن ينسأ له في أثره، فليصل رحمه. (صحيح البخاري: باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم،رقم:۵۹۵۸).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

۲۔ استغفار:

فقلت استغفروا ربكم، إنه كان غفاراً، يرسل السماء عليكم مدراراً، ويمددكم بأموال وبنين ويجعل لكم جنات ويجعل لكم أنهارا. (سورة نوح: آية: ۱۰، ۱۱، ۱۲).

ترجمہ: پس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش مانگو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر (موسلا دھار) مینہ برسائے گا۔ اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنادے گا۔

عن عبد الله بن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجاً، ومن كل ضيق مخرجاً، ورزقه من حيث لا يحتسب. (سنن ابن ماجة: باب الاستغفار،رقم: ۳۸۱۹).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو استغفار کو لازم پکڑ لے گا، اللہ تعالیٰ ہر پریشانی میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادیں گے اور ہر تنگی میں اس کے لیے راہ بنادیں گے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائیں گے، جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔

۳۔ الدعاء:

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أدلكم على ما ينجيكم من عدوكم ويدر لكم أرزاقكم، تدعون الله في ليلكم ونهاركم، فإن الدعاء سلاح المؤمن. (الترغيب والترهيب للمنذري، رقم: ۲۵۳۵).

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں جو تم کو تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تم پر رزق کی فراوانی کرے وہ یہ ہے کہ تم شب وروز دعا

میں لگے رہو، اس لیے کہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔

۴۔ ناپ تول میں کمی نہ کرنا:

عن مالک عن يحيى بن سعيد أنه بلغه عن عبد الله بن عباس رضي الله عنه، أنه قال: ما ظهر الغلول في قوم قط إلا ألقي في قلوبهم الرعب ولا فشا الزنا في قوم قط إلا كثر فيهم الموت ولا نقص قوم المكيال والميزان إلا قطع عنهم الرزق، ولا حكم قوم بغير الحق إلا فشا فيهم الدم، ولا ختر قوم بالعهد إلا سلط عليهم العدو. (المؤطأ للإمام مالک : باب ما جاء في الغلول، رقم: ۱٦٧٠).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس قوم میں خیانت عام ہوجاتی ہے، اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے، اور جس قوم میں زنا کی برائی پھیل جاتی ہے اس میں موت کی کثرت ہوتی ہے، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کا رزق کاٹ دیا جاتا ہے، اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے اس میں خون بہانا اور قتل کرنا عام ہوجاتا ہے، اور جو قوم نقضِ عہد میں مبتلا ہوتی ہے اس پر دشمن مسلط کردیا جاتا ہے۔

۵۔ تقویٰ:

﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً، ويرزقه من حيث لا يحتسب﴾ [الطلاق: ۲].

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے، اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کے ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس اتقوا الله وأجملوا في الطلب، فإن نفساً لن تموت حتى تستوفي رزقها وإن أبطأ عنها، فاتقوا الله وأجملوا في الطلب، خذوا ما حل، ودعوا ما حرم. (سنن ابن ماجة: باب الاقتصاد في طلب المعيشة، رقم: ۲۱۴۴).

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور (دنیا کی) تلاش میں اعتدال سے کام لو؛ اس لیے کہ کوئی جان ہرگز نہ مرے گی؛ یہاں تک کہ اپنی روزی لے لے؛ اگرچہ اس روزی کے ملنے میں کچھ تاخیر ہوجائے۔ اس لیے اللہ سے ڈرو اور طلب دنیا

میں اعتدال سے کام لو، حلال حاصل کرو اور حرام چھوڑ دو۔

عن معاذ بن جبل قال : سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: يا أيها الناس اتخذوا تقوى اللّٰه تجارة يأتيكم الرزق بلا بضاعة ولا تجارة، ثم قرأ: ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجاً ، ويرزقه من حيث لا يحتسب. (المعجم الكبير: ۲۰/۹۷/۱۹۰).

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! اللہ سے ڈرنے کو اپنی تجارت بنالو، تمہارے پاس رزق بغیر سامان اور بغیر تجارت کے آنے لگے گا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے، اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے جہاں سے اس کے ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

۶۔ توکل:

عن أبي تميم الجيشاني قال سمعت عمر رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لو أنكم توكلتم على اللّٰه حق توكله ، لرزقكم كما يرزق الطير، تغدو خماصاً ، وتروح بطاناً. (سنن ابن ماجة: باب التوكل واليقين، رقم: ۴۱۶۴).

ترجمہ: ابو تمیم جیشانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: اگر تم اللہ پر جیسا توکل کرنا چاہیے ویسا توکل کرو تو اللہ تم کو اس طرح سے روزی دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے، صبح کو وہ بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے آتے ہیں۔

۷۔ اللہ کے ذکر سے اعراض نہ کرنا:

﴿**ومن أعرض عن ذكري فإن له معيشة ضنكاً**﴾ [طه: ۱۲۴].

ترجمہ: اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

۸۔ معصیت نہ کرنا:

عن ثوبان قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يزيد في العمر إلا البر ، ولا يرد القدر إلا الدعاء، وإن الرجل ليحرم الرزق بخطيئة يعملها. (سنن ابن ماجة: باب في القدر، رقم: ۹۰).

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلائی عمر کو زیادہ کر دیتی ہے، اور تقدیر کو سوائے دعا کے کوئی چیز نہیں لوٹاتی، اور آدمی رزق سے اپنے اس گناہ کی وجہ سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کو وہ کر بیٹھتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الكذب ينقص الرزق.

(مساوي الأخلاق للخرائطي، ص: ۱۱۳/۶۳).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جھوٹ بولنا رزق کو گھٹا دیتا ہے۔

۹۔ عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنا:

من وسع على عياله يوم عاشوراء لم يزالوا من رزقهم سائر سنتهم. (شعب الإيمان: ۳۵۱۶/۳۳۴/۵).

اس پوری بحث سے یہ معلوم ہوا کہ رزق میں وسعت کے جہاں روحانی اسباب ہیں، وہیں ظاہری اسباب بھی ہیں۔ اور دونوں اسباب کو اپنانے سے آدمی کے رزق میں برکت ہوتی ہے؛ لہذا صرف کسی روحانی سبب کو پکڑ کر یہ کہنا کہ رزق میں برکت نہیں ہوئی صحیح نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿إن الذین یاکلون أموال الیتامیٰ ظلماً إنما یاکلون في بطونھم ناراً ، وسیصلون سعیراً﴾ [النساء:۱۰]

وقال تعالیٰ :

﴿فریضة من اللّٰہ ، إن اللّٰہ کان علیماً حکیماً﴾[النساء:۱۱]

وقال تعالیٰ : ﴿من بعد وصیة یوصیٰ بھا أودین غیر مضار وصیة من اللّٰہ، واللّٰہ علیم حلیم ،تلک حدود اللّٰہ﴾

[النساء۱۲،۱۳]

کتاب الفرائض

باب......﴿۱﴾

وصیت سے متعلق احکام کا بیان

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ”من فر من میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنة یوم القیامة“

(سنن ابن ماجہ).

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من أبطل میراثاً فرضہ اللّٰہ فی کتابہ أبطل اللّٰہ میراثہ من الجنة“

(مصنف ابن ابی شیبة)

بابِ اول
وصیت سے متعلق احکام کا بیان

غیر مسلم کا اپنے مسلمان بیٹے کے لیے وصیت کا حکم:

سوال: اگر کوئی غیر مسلم شخص اپنے مسلمان بیٹے کے لیے اپنے نصف مال کی وصیت کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ وصیت ثلث تک محدود ہوگی یا نصف میں جاری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ آج کل دارالاسلام نہیں ہے اور نہ اس کا نظام ہے بنابریں کافر باپ کی مسلمان بیٹے کے لیے نصف مال کی وصیت صحیح اور درست ہوگی۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وأما إسلام الموصى فليس بشرط لصحة وصيته فتصح وصية الذمي بالمال للمسلم والذمي فى الجملة لأن الكفر لا ينافي أهلية التمليك ، ألا ترى أنه يصح بيع الكافر وهبته فكذا وصيته وكذا الحربى المستامن إذا أوصى للمسلم أو الذمي يصح فى الجملة لما ذكرنا غير أنه إن كان دخل وارثه معه في دار الإسلام وأوصى بأكثر من الثلث وقف ما زاد على الثلث على إجازة وارثه لأنه بالدخول مستاماً التزم أحكام الإسلام أو ألزمه من غير التزامه لإمكان إجراء الأحكام عليه ما دام في دار الإسلام ، ومن أحكام الإسلام أن الوصية بما زاد على الثلث ممن له وارث تقف على إجازة وارثه وإن لم يكن له وارث أصلاً تصح من جميع المال كما فى المسلم والذمى، وكذلک إذا كان له وارث لكنه فى دارالحرب

لأن امتناع الزيادة على الثلث لحق الورثة و حقهم غير معصوم لأنه لا عصمة لأنفسهم و أموالهم فلأن لا يكون لحقهم الذي في مال مورثهم عصمة أولى . (بدائع الصنائع: ۷/۳۳۵، سعيد).

دارالاسلام نہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کو ہم احکامِ اسلام کا پابند نہیں بنا سکتے ہیں؛ اور ہمارے ملک ساؤتھ افریقہ میں اسلامی میراث کا قانون نافذ نہیں ہے، بلکہ اس کے بارے میں وہ آزاد ہیں، لہذا ان کے تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے، جیسا کہ دیگر معاملات میں وہ آزاد ہیں اسی طرح ثلث سے زیادہ کی وصیت میں بھی آزاد ہیں۔ علامہ کاسانی آگے فرماتے ہیں: **ألا ترى أنه من أهل سائر التمليكات كالبيع ونحوه فكانت وصيته جائزة في نفسها إلا أنه ليس لنا ولاية إجراء أحكام الإسلام و تنفيذها في دارهم .** (بدائع الصنائع : ۷/۳۳۵، سعيد).

علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ اگر غیر مسلم مستامن یعنی ویزالیکر دارالاسلام میں آنے والا کسی مسلمان کے لیے کل مال کی وصیت کرے تو ایسی وصیت نافذ ہوگی۔

ملاحظہ ہو: **قوله (لأن المستأمن كالذمي) فإذا أوصى لمسلم أو ذمي بجميع ماله جاز كما مر .** (فتاوى الشامي: ۶/۶۵۵،سعيد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کے وصیت نامے کی تنفیذ:

سوال: ایک غیر مسلم کا انتقال ہوا، اس کی ایک بیوی ہے اور ایک بہن اور بہن کا بیٹا، اس کی بہن اور بہن کا بیٹا یعنی بھانجا دونوں مسلمان ہیں، اس نے اپنی زندگی میں ایک وصیت نامہ تیار کیا کہ میرا کل مال میری بہن کو ملے گا سوائے ایک مخصوص رقم کے کہ وہ بھانجے کو ملے گی، اس نے کافرہ بیوی کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، اور اس کے مذہب (ٹیمل) کے مطابق بیوی کے لیے کچھ نہیں ہے، اور اپنا وصی بھی مسلمان بہن کو مقرر کیا ہے، اب مسلمان بہن جو فیصلہ کرے گی عدالت اس کو نافذ کردے گی، اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی وصیت نافذ کی جائے گی؟ اور کافرہ بیوی نے شادی کر لی ہے جبکہ ابھی شوہر کی وفات کو دو ہفتے ہی گزرے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ اِس ملک میں اسلامی احکام اور قانونِ وصیت نہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کو ہم اسلامی احکام کا پابند نہیں بنا سکتے ہیں، بنابریں غیر مسلم نے جس طرح وصیت نامہ لکھا ہے اسی طرح اس کو نافذ کر دیا جائے گا، یعنی بہن اور بھانجے کے درمیان اس کی تحریر کے مطابق مال تقسیم کیا جائے گا، اور اس وصیت کو ثلث کے ساتھ خاص نہیں کیا جائے گا۔

ہاں اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان ملک میں آباد ہو جس میں اسلام کے مطابق وصیت کا قانون موجود ہو تو چونکہ اس نے اسلامی احکام کا التزام کیا ہے اور وصیت اور قانونِ وصیت کو قبول کیا ہے لہذا اس کی وصیت فقط ثلث میں نافذ کی جائے گی۔ جبکہ صورتِ مسئولہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله (لأن المستأمن كالذمي) فإذا أوصى لمسلم أو ذمي بجميع ماله جاز كما مر.

(فتاوى الشامي: ۶/۶۵۵، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ۷/۳۳۵، سعید، وامداد الاحکام: ۴/۳۸۶-۳۹۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کا اپنے مسلمان دوست کے لیے نصف مال کی وصیت کا حکم:

سوال: ایک مسلمان کی ایک غیر مسلم سے دوستی تھی، کافر دوست نے مرنے سے پہلے مسلمان دوست کے لیے اپنے نصف مال کی وصیت لکھ دی، حکومت کے قانون کے مطابق مسلمان اس نصف مال کا مستحق ہے، لیکن بعض علماء نے اس کو بتایا کہ غیر مسلم کے لیے بھی وہی قانون ہے جو مسلمان کے لیے ہے؛ ہدایہ میں ہے:

ولو أوصى الذمي بأكثر من الثلث أو لبعض ورثته لا يجوز اعتباراً بالمسلمين لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات، الخ. (الهداية: ۴/۶۹۰) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسلمان دوست کے لیے کافر کا آدھا مال لینا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ قانوناً لے سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ ہمارے ملک میں اسلامی احکام نافذ نہیں ہیں اس لیے غیر مسلم حکومت کو ہدایہ کی عبارت سے کوئی سروکار نہیں ہے، ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دار الاسلام میں جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں وہاں غیر مسلموں نے اسلامی قانون کا التزام کیا ہے، بنابریں اسلامی قانون کے پابند ہوں گے،

اور مسلمان جج ثلث سے زائد وصیت کو نافذ نہیں کریگا، لیکن موجودہ صورتِ حال ایسی ہے کہ نہ دارالاسلام ہے نہ اسلامی احکام کا نفاذ ہے، لہذا غیر مسلم حکومت کے قانون کے مطابق مسلمان اپنے کافر دوست کا آدھا مال وصول کرسکتا ہے، گویا حکومت نے کافر کے مال کو اولاً اپنی تحویل میں لے لیا پھر اپنی طرف سے مسلمان کو وصیت کے مطابق مالک بنادیا تو قانون کی طاقت سے مسلمان غیر مسلم کے مال کا مالک بن گیا۔

فقہاء نے حربی مستامن اور ذمی دونوں کے جداگانہ احکام بیان فرمائے ہیں؛ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا دخل الحربي دارنا بأمان فأوصى لمسلم أو ذمي بماله كله جاز لأن امتناع الوصية بما زاد على الثلث لحق الورثة ولهذا ينفذ بإجازتهم وليس لورثته حق مرعى لكونهم في دار الحرب إذ هم أموات في حقنا...ولو أعتق عبده عند الموت أو دبر عبده في دار الإسلام فذلك صحيح منه من غير اعتبار الثلث لما بينا. (الهداية: ۴/۶۹۰، باب وصية الذمي، ط: شركت علمية). اس کے بعد صاحبِ ہدایہؒ نے ذمی کی وصیت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے جو سوال میں مذکور ہے، اور اس کی علت یہ لکھی ہے کہ: **لأنهم التزموا أحكام الإسلام**، غیر مسلم معاہد اور ذمی جو دارالاسلام میں قیام پذیر ہو اس نے معاملات میں اسلامی احکام کا التزام کیا ہے بایں وجہ اسلامی قانونِ میراث کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

لیکن فی زماننا اِس ملک میں نہ اسلامی قانون ہے اور نہ اسلامی احکام کا نفاذ ہے مذہب کے اعتبار سے ہر ایک آزاد ہے جس کو جدید اصطلاح میں دارالامن سے تعبیر کرتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصیت نامہ پر غیر مسلم کی گواہی کا حکم:

سوال: اگر وصیت نامہ لکھا جائے اور اس پر غیر مسلم گواہ ہو تو کیا یہ جائز اور معتبر ہے یا نہیں؟ اگر وصیت نامہ میں اختلاف ہو جائے اور میت کی صحت کے بارے میں دو خطوط ہیں ایک مسلمان ڈاکٹر کا اور دوسرا غیر مسلم ڈاکٹر کا ایسے ملک میں جہاں مسلمان ڈاکٹر بہت کم ہیں، کس کا خط معتبر ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عام فقہاء کے نزدیک مسلمان شخص کے وصیت نامہ پر غیر مسلم کی گواہی شرعاً جائز اور معتبر نہیں سمجھی جائے گی، اگر وصیت نامہ میں اختلاف ہو جائے تو جو اخیر میں لکھا گیا ہو وہ معتبر ہوگا، لیکن اگر

وصیت نامہ ایسی حالت میں لکھا گیا تھا جس وقت میت کی دماغی حالت صحیح نہیں تھی تو ایسے وصیت نامہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ سفر میں غیر مسلم ذمی کی گواہی مسلمان پر جائز ہے۔

علامہ سرخسیؒ مبسوط میں لکھتے ہیں:

قوله:﴿ أو آخران من غيركم﴾ ففيه تنصيص على جواز شهادتهم على وصية المسلم و من ضرورة جواز شهادتهم على وصية المسلم جوازها على وصية الكافر و ما يثبت بضرورة النص فهو كالمنصوص ثم انتسخ ذلك في حق المسلم بانتساخ حكم ولايتهم على المسلمين فبقي حكم الشهادة فيما بينهم على ما يثبت بضرورة النص ...الخ.

(المبسوط:۱۶/۱۳۴،دارالمعرفة ، بيروت). (وكذا فی تبيين الحقائق: ۲۲۴/۴،مکتبه امداديه ، ملتان).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى ... ومقتضاه أن تقليد الكافر لا يصح. (فتاوى الشامی:۳۵۴/۵، سعيد). (وكذا في البحرالرائق: ۲۶۰/۶، والدر المختار: ۳۵۷/۵، سعيد).

بداية المجتهد میں ابن رشد قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں:

وأما الإسلام فاتفقوا على أنه شرط فی القبول وأنه لا تجوز شهادة الكافر إلا ما اختلفوا فيه من جواز ذلك فی الوصية فی السفر...(بداية المجتهد:۳۴۷/۲،ط:دارنشرالكتب).

قال الإمام أبوبكر الجصاص الرازى: قال اللّٰه تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم قد اختلف في معنى الشهادة ههنا قال قائلون هي الشهادة على الوصية فی السفر وأجازوا بها شهادة أهل الذمة على وصية المسلم فی السفر. (احكام القرآن: ۴۸۹/۲،ط:سهيل اکیڈمی).

آگے مزید فرماتے ہیں: **والذي يقتضيه ظاهر الآية جواز شهادة أهل الذمة على وصية المسلم فی السفر سواء كان فی الوصية بيع أو إقرار بدين أو وصية بشيء أو هبة أو صدقة هذا كله يشتمل عليه اسم الوصية .** (احكام القرآن: ۴۹۱/۲،ط: سهيل اکیڈمی). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

”مجھے یہ بات پسند ہے“ اِن الفاظ سے وصیت کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے وصیت نامہ میں یہ الفاظ لکھے ”مجھے یہ بات پسند ہے کہ فلاں کو فلاں رقم مل جائے“ تو اِن الفاظ سے وصیت صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ بالا الفاظ وصیت کے لیے حتمی الفاظ نہ ہونے کی وجہ سے وصیت کا نافذ کرنا ضروری نہیں، ہاں اگر تمام ورثا اپنی رضامندی سے نافذ کردیں تو ٹھیک ہے۔

قال في الهندية : الإيصاء في الشرع تمليك مضاف إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع سواء كان عيناً أو منفعة كذا في التبيين ، أما ركنها فقوله أوصيت بكذا لفلان وأوصيت إلى فلان كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ٦/٩٠).

وفي البدائع : وأما بيان معنى الوصية فالوصية اسم لما أوجبه الموصى في ماله بعد موته ... (بدائع الصنائع:٧/٣٣٣،سعيد).

قال في الدرالمختار: وركنها قوله أوصيت بكذا لفلان وما يجرى مجراه من الألفاظ المستعملة فيها ، وفي البدائع : ركنها الإيجاب والقبول. (الدرالمختار:٦/٦٥٠،سعيد).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وما يجرى مجراه ، في الخانية قال: أوصيت لفلان بكذا ولفلان بكذا وجعلت ربع داري صدقة لفلان قال محمد: أجيز هذا على الوصية وقال ابويوسفؒ في سوال عرض عليه: وأما قوله جعلت هو وصية لايشترط فيها القبض والإفراز . وفي النهاية : وأما بيان الألفاظ المستعملة فيها ففي النوادر عن محمد إذا قال: أشهدوا أني أوصيت لفلان بألف درهم وأوصيت أن لفلان في مالي ألف درهم فالأولى وصية والأخرى إقرار ...الخ. (فتاوى الشامي: ٦/٦٥٠،سعيد). (وكذا في مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر: ٤/٤١٧، والفقه على المذاهب الأربعة:٣/١٣٨).

مجموعہ قوانین اسلامی میں مرقوم ہے:

موصی نے اپنی وصیت میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے ان کے معنی کی تعیین مقامی عرف کے ذریعہ ہوگی۔

(مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۶۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بیوی کے لیے تادمِ حیات گھر میں رہنے کی وصیت کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے لیے یہ وصیت کی کہ اس کو میرے گھر سے نہ نکالنا، جب تک وہ زندہ رہے، کیا یہ وصیت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر خدمت کی وصیت کی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بیوی شرعی ورثاء میں سے ہے لہذا اس کے لیے یہ وصیت جائز نہیں ہے، گھر میں رہنے کی وصیت مال کی وصیت کی طرح ہے اور وارث کے لیے نہ مال کی وصیت ہو سکتی ہے اور نہ سکنی کی وصیت۔ حدیث شریف میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق دیدیا، سنو! وارث کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی۔ نیز خدمت کی وصیت بھی وصیت میں شامل ہے جو وارث کے لیے درست نہیں ہے، ہاں بقیہ ورثاء اجازت دیدیں تو جائز ہے، جبکہ ورثاء میں کوئی نابالغ، مجنون وغیرہ نہ ہوں۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام ابن ماجه بسنده عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: إني لتحت ناقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسيل على لعابها فسمعته يقول: إن اللّٰه قد أعطى كل ذى حق حقه، ألا لا وصية لوارث. وفى الزوائد: إسناده صحيح، ومحمد بن شعيب وثقه رحيم وأبوداود و باقى رجال الإسناد على شرط البخارى. (سنن ابن ماجه، رقم: ۲۷۱۴).

وفي صحيح البخارى: باب لا وصية لوارث ...عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان المال للولد وكان الوصية للوالدين فنسخ اللّٰه من ذلک ما أحب فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين و جعل للأبوين لكل واحد منهما السدس وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع.
(صحيح البخارى، رقم: ۲۷۴۷).

وأخرج الدارقطني بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة . (سنن الدارقطنی،رقم: ۸۹،کتاب الفرائض).

وفى الهداية : ولا يجوز لوارثه لقوله عليه السلام : إن الله تعالىٰ أعطى كل ذى حق حقه ألا لا وصية لوارث ، ولأنه يتاذى البعض بإيثار البعض ففي تجويزه قطيعة الرحم إلا أن يجيزها الورثة . (الهداية : ۴/۶۵۷).

وفى البدائع : إنما كان كذلك لأن الوصية إنما تجوز فيما يجرى فيه الإرث أو فيما يدخل تحت عقد من العقود في حالة الحياة...وكذلك سكنى الدار وخدمة العبد يدخلان تحت عقد الإجارة والإعارة ، فكان لهما نظير فى العقود . (بدائع الصنائع:۷/۳۵۴،سعید).

وللمزيد راجع : (ردالمحتار: ۶/۶۹۱،سعید،و الفتاوى الهندية:۶/۱۲۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مکان کا نصف کرایہ ایصالِ ثواب کے لیے دینے کی وصیت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرے مکان کا آدھا کرایہ میرے ایصالِ ثواب کے لیے خرچ کرلیا کرو، کیا یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کو ثلث میں نافذ کیا جائیگا تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور کی وصیت فقط ثلث میں نافذ ہوگی یعنی اگر نصف کرایہ ایک تہائی بنتا ہے یا ایک تہائی سے کم بنتا ہے تو یہ وصیت نافذ ہوگی اور اگر ایک تہائی سے زیادہ بنتا ہو تو فقط ایک تہائی ہی میں نافذ ہوگی۔ پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ مکان کرایہ پر دیکر کرایہ کی نصف رقم یا ایک تہائی رقم مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی کارِ خیر میں صرف کی جائے۔

لیکن بہتر طریقہ یہ ہے تمام ورثاء کی اجازت سے پورے مکان کو وقف کردیا جائے پھر اس کا کرایہ کارِ خیر میں صرف کیا جائے اور سب کو فائدہ پہنچتا رہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں مرقوم ہے:

باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة (صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدة معلومة وأبداً) و يكون محبوساً على ملک الميت في حق المنفعة كما فى الوقف، كما

بسط فی الدرر (وبغلتهما فإن خرجت الرقبة من الثلث سلمت إليه) أى إلى الموصى له (لها) أى لأجل الوصية (وإلا) تخرج من الثلث. وفى الشامية : قوله صحت الوصية ... قال المقدسى : ولو أوصى بغلة داره أو عبده فى المساكين جاز...قوله فإن خرجت الرقبة من الثلث، أى رقبة العبد والدار فى الوصية بالخدمة والسكنى والغلة وقيد بالرقبة لما فى الكفاية : أنه ينظر إلى الأعيان التي أوصى فيها فإن كان رقبها مقدار الثلث جاز ولا تعتبر قيمة الخدمة والثمرة والغلة والسكنى لأن المقصود من الأعيان منافعها . (الدرالمختارمع رد المحتار: ٦/ ٦٩٢، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية: ٦/ ١٢١ و١٢٣ ،وتكملة البحر الرائق: ٨/ ٤٥٠). واللہ ﷻ اعلم۔

بلڈنگ کے کرایہ کی وصیت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی کے لیے کسی بلڈنگ کے کرایہ کی وصیت کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر یہ وصیت صحیح ہو تو اس کا نفاذ کب تک رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ وصیت صحیح اور درست ہے، پھر اگر وصیت مطلق ہو تو موصیٰ لہ کی موت تک وصیت نافذ کی جائے گی اور اگر مقید ہو مثلاً: ایک سال یا دو سال تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ نیز اگر بلڈنگ کا کرایہ کل مال کا ایک تہائی یا اس سے کم بنتا ہو تو ٹھیک ہے اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہو تو وصیت فقط ایک تہائی میں نافذ ہوگی مابقی ترکہ میں واپس کیا جائیگا۔ ملاحظہ ہو ملتقی الابحر میں مرقوم ہے:

تصح الوصية بخدمة عبده، وسكنى داره و بغلتها مدة معينة وأبداً ، فإن خرج ذلك من الثلث سلم إلى الموصى له ، وإلا قسمت الدار، وتهايئا فى العبد يومين لهم ويوماً له (لأن حقه الثلث فقط) . (ملتقى الابحر،ص ٦٨٢، باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة ،ط: دمشق).

عالمگیری میں مرقوم ہے:

يجب أن يعلم بأن الوصية بخدمة الرقيق وسكنى الدور وبغلة الرقيق والدور و

الأرضين والبساتين جائزة في قول علمائنارحمهم اللّٰه تعالىٰ . (الفتاوى الهندية: ۶/ ۱۲۱).

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدة معلومة وأبداً ، ويكون محبوساً على ملک الميت فى حق المنفعة...قوله مدة معلومة وأبداً ، وإن أطلق فعلى الأبد وإن أوصى بسنين فعلى ثلاث وكذا الوصية بغلة العبد والدار. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/ ۶۹۲،سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

مکان میں رہنے یا اس کی آمدنی کی وصیت کرنا صحیح ہے، خواہ ہمیشہ کے لیے ہو یا مدتِ معینہ کے لیے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص۲۶۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

وصیت نامہ لکھنے کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور اسلامی طریقہ پر وصیت نامہ لکھنا چاہتا ہے تو اس کو کس طرح لکھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ وصیت نامہ میں یہ تحریر کافی ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق ہر ایک وارث کو میری جائیداد و مال میں سے شرعی حصہ دیدیا جائے ، ہاں زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتد بي فقلت: إني قد بلغ بي من الوجع وأنا ذومال ولا يرثني إلا ابنة أفأتصدق بثلثي مالي قال: لا، فقلت: بالشطر فقال: لا، ثم قال: الثلث والثلث كبير أوكثير إنک أن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس وإنک لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه اللّٰه إلا أجرت بها حتى ما تجعل في فى امرأتک ...الخ. (صحيح البخارى ،رقم: ۱۲۹۵ ،باب رثى النبى صلى الله عليه وسلم سعد بن خولة).

مرنے والے پر موت سے پہلے ان فرائض وواجبات کے فدیہ، کفارہ اور حج بدل کی وصیت واجب ہے جنہیں وہ ادا نہیں کرسکا۔

مثلاً: چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کا فدیہ، جو نماز و روزہ کے لیے نصف صاع گیہوں (ایک کیلو چھ سوا کا نوے (۱،۶۹۱) گرام) یا اس کی قیمت ہے، اس کی وصیت کرنا واجب ہے، یا قسم کا کفارہ یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا، اس کی وصیت بھی واجب ہے، یا اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا اور ادا نہ کرسکا تو اس کے لیے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرنا جسے حج بدل کہتے ہیں، واجب ہے، اسی طرح اگر زکوۃ اس پر واجب الادا ہو تو اسے ادا کرنے کی وصیت کرنا بھی واجب ہے۔

اگر ورثاء نابالغ ہیں تو کسی کے لیے وصیت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ورثاء بالغ ہیں مگر نادار، جب بھی کسی کے لیے وصیت نہیں کرنی چاہیے۔ پوتا، نواسہ اور دوسرے نادار اقرباء جو کسی وجہ سے ترکہ نہیں پارہے ہیں، دوسروں کے مقابلہ میں ان کے لیے وصیت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۵۷)۔

(وکذا فی البحر الرائق: ۸/۴۶۰، ط: دار المعرفۃ، بیروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دینی کتاب قبر میں رکھنے کی وصیت کا حکم:

سوال: ایک طالبِ علم کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے ساتھ بہت محبت تھی، وہ کینسر کے مرض میں مبتلا تھا، اس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر میں حجۃ اللہ البالغہ رکھدی جائے، کیا یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے اس پر عمل کیا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسی وصیت پر عمل نہیں کیا جائیگا، اگر کسی نے عمل کیا تو بڑی بے ادبی کی، کیونکہ کتاب میت کے خون وغیرہ میں ملوث ہوجائے گی، اور اگر کسی طاقچہ میں رکھ لی تو بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ عقیدہ کارفرما ہے کہ مردہ قبر میں کتاب پڑھے گا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

أوصى بأن يدفن كتبه معه لا يجوز إلا أن يكون فيها شيء لا يفهمه أحد أو فيها فساد

فینبغي أن تدفن . (الفتاوی البزازیة بهامش الهندیة: ۶/ ۴۴۰،کتاب الوصایا).

قال فی البحر الرائق: وإذا أوصی أن تدفن کتبه لم یجز إلا أن یکون فیها شيء لایفهمه أحد ویکون فیه فساد فینبغي أن یدفن . (تکملة البحرالرائق: ۹/ ۴۵۴،کتاب الوصایا).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

قبر میں مردہ کے ساتھ قرآن مجید یااس کا کچھ حصہ دفن کرنا ناجائز ہے، کیونکہ مردہ قبر میں پھول، پھٹ جاتا ہے قرآنِ مجید ایسی جگہ رکھنا بے ادبی ہے، یہی حکم دیگر مقدس کلمات کا ہے،سلفِ صالحین کے یہاں اس کا تعامل نہیں تھا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/ ۲۳۶)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

لے پالک بیٹے کے لیے وصیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوااس نے اپنی ایک لے پالک بیٹی کے لیے کچھ زیورات کی وصیت کی تھی، کیا یہ وصیت نافذ ہوگی یانہیں؟ نیز لے پالک کو میراث میں سے حصہ ملے گا یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ متبنی کا حکم حقیقی بیٹی کا نہیں ہے اس وجہ سے میراث کی مستحق نہیں ہوگی، بنابریں اس کے لیے وصیت صحیح ہے پھر میت کا قرض ادا کرنے کے بعد اگر زیورات کل مال کا ایک تہائی بنتے ہوں تو صحیح ہے اور اگر ایک تہائی سے زائد ہوں تو صرف ایک تہائی تک وصیت نافذ ہوگی الا یہ کہ دیگر ورثاء اجازت دیدیں تو پھر درست ہے۔ملاحظہ ہواحکام القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

المتبنی لا یلحق بالأبناء فی الأحکام...الثاني: أن الدعي والمتبنی لا یلحق فی الأحکام بالابن، فلا یستحق المیراث ولا یرث عنه المدعی، ولا یحرم حلیلته بعد الطلاق والعدة علی ذلک المدعی ولا عکسه . (احکام القرآن:۳/ ۲۹۱،ادارة القرآن، کراتشی).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

...إن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال: إن اللّٰه تصدق علیکم بثلث أموالکم زیادة في حیاتکم ، یعنی : الوصیة . (مصنف ابن أبي شیبة :۱۶/ ۱۸۱).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر کوئی شخص کسی بچے کو لے پالک یعنی منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنالے تو حقیقت کے اعتبار سے وہ اس شخص کا بیٹا اور وہ شخص اس کا باپ نہیں بن جاتا، اس بچے کا حقیقی باپ وہی ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے، اور اس بچے کا نسب بھی اسی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا اور اسی کا وارث بنے گا، جس شخص نے منہ بولا بیٹا بنایا ہے اس کا وارث نہ ہوگا۔... اس بچے سے محبت ہو تو بخشش کے طور پر اپنے مال کے تیسرے حصہ میں سے دے سکتا ہے یا وصیت کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۵۲۳ و ۵۰۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بھائی بہن کی موجودگی میں بھانجی کے لیے وصیت کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے بیوی بچے وغیرہ میں سے کوئی نہیں ہے، ایک بھائی اور تین بہنیں ہیں، ایک بہن کا انتقال کافی عرصہ سے ہوگیا تھا اس کی ایک بیٹی تھی، یہ شخص اپنی بھانجی کو اپنے ساتھ رکھتا تھا، مرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے تمام متروکات میری بھانجی کو دیدیے جائیں۔ کیا یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بھائی، بہن کی موجودگی میں بھانجی شرعی وارث نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لیے وصیت صحیح ہے البتہ صرف ایک تہائی میں نافذ ہوگی باقی دو تہائی بھائی بہنوں کے درمیان شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیے جائیں گے۔ الا یہ کہ سب ورثاء راضی ہوں تو درست ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں مذکور ہے:

لا تصح بما زاد على الثلث ، ولا للقاتل، ولا للوارث في حال من الأحوال إلا فی حال التباسها بإجازة الورثة فتصح لأن عدم الجواز كان لحقهم فتجوز بإجازتهم ولما روى ابن عباس رضي الله عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال: لا تجوز وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة ، و تصح الوصية بالثلث للأجنبي وإن لم يجيزوا لقوله صلى الله عليه وسلم: إن الله تصدق عليكم بثلث أموالكم في آخر أعماركم زيادة لكم في أعمالكم فضعوها حيث شئتم أو قال:

حيث أحببتم وللإجماع على ذلک . (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ۴/ ۴۱۹، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیة ، بیروت).

درمختار میں ہے:

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلک لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته . (الدرالمختار: ۶/ ۶۵۱،سعید).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے: پوتا، نواسہ اور دوسرے نادار اقرباء جو کسی وجہ سے ترکہ نہیں پا رہے ہیں، دوسروں کے مقابلہ میں ان کے لیے وصیت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص۲۵۹)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

کینسر کے مریض بوڑھے شخص کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے:

سوال: ایک بہت بوڑھا شخص کینسر کا مریض ہے اور چلنے پھرنے سے معذور ہے، حالتِ مرض میں اگر وہ اپنی لڑکیوں کو کچھ رقم ہبہ کردے، تو یہ ہبہ درست ہے یا نہیں؟ لڑکیوں کے علاوہ ان کے چچازاد بھائی کا بیٹا موجود ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بڑھاپے میں کینسر کا مرض جو ڈاکٹروں کے نزدیک لاعلاج ہو وہ بظاہر مرض الموت کہلاتا ہے، اور مرض الموت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے، اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

وأخرج الدارقطني بسنده عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة . (سنن الدارقطنی،رقم: ۸۹، کتاب الفرائض).

شیخ الاسلام علی السغدیؒ فرماتے ہیں:

هبة المريض للصحيح ؛ وأما هبة المريض للصحيح فجائزة إذا كانت تخرج من الثلث وإن لم تخرج من الثلث فهي مما بقي، وإن كان الصحيح وارثاً للواهب فلا يصح لأنها تكون حينئذٍ من وصيته ولا وصية للوارث . (النتف فی الفتاویٰ،ص ۶۱۳، کتاب

الهبة،دارالكتب العلمية ،بيروت).

محیط برہانی میں مرقوم ہے:

إذا احتاج بعض قرابته فإن كان الوقف في حالة مرض الموصى لا يعطى لأن هذا في معنى الهبة للوارث في مرض الموت لا يجوز. (المحيط البرهاني: ۷/۹۰).

شرح مجلّہ میں مذکور ہے:

إذا وهب أحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته لم تجز الورثة الباقون لاتصح الهبة ...حاصل هذه المادة : أن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته لا تجوز إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت الواهب لأن هبته وإن كانت هبة حقيقة لكن لها حكم الوصية من حيث تعلق حق الوارث بها كما فى البزازية ، ومعلوم أنه لا وصية لوارث إلا بإجازة بقية الورثة . (شرح المجلة :۳/۴۰۳).

عزیز الفتاویٰ میں ہے: مرض الموت میں ہبہ کرنا بحکمِ وصیت ہے اور وصیت وارث کے لیے صحیح نہیں ہے۔ بحوالہ شامی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِاول،ص ۶۹۶، ط: دارالاشاعت،کراچی)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مجموعہ قوانین اسلامی،ص ۲۵۴، کتاب الوصیۃ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے وصیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے بیماری میں یہ وصیت کی کہ میرے پاس ۱۹ عدد کروگر رینڈ (سونے کا سکہ جو جنوبی افریقہ میں بنتا ہے اور بکتا ہے) پڑے ہیں، وہ حضرت مہدی کے لیے رکھے ہیں جب وہ آجائیں تو وہ ان کو کسی کارِ خیر میں خرچ کریں جو مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔ یہ ۱۹ عدد کروگر رینڈ مرحوم کے مال کے ایک تہائی سے کم ہیں، اب مرحوم کی وفات کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا جائے، کیونکہ حضرت مہدی کے ظہور تک رکھنا اور ان تک پہنچانا انتہائی مشکل امر ہے، پھر طویل مدت کے درمیان ممکن ہے کہ ضائع ہو جائیں اور حضرت مہدی تک نہ پہنچیں۔لہٰذا آپ اس مسئلہ کا حل بتائیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ بالا وصیت پر عمل پیرا ہونے کے دو طریقے ہیں:

ا۔ وصیت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موصیٰ لہ یقیناً زندہ ہو یا حمل کی شکل میں موجود ہو، اور یہ شرط مفقود ہے بایں وجہ اِس وصیت کو نافذ نہیں کیا جائے گا، اس لیے ۱۹ عدد سونے کے سکے میت کے ترکہ کے ساتھ ملا کر شرعی ورثاء کے درمیان حسبِ سہامِ شرعی تقسیم کر دیے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وشروطها: كون الموصي أهلاً للتمليك...وكون الموصى له حياً وقتها تحقيقاً أو تقديراً يشمل الحمل الموصى له . (الدرالمختار: ۶/۶۴۹، سعید).

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وأما شرائط الركن فبعضها يرجع إلى نفس الركن...فهو أن يكون القبول موافقاً للإيجاب ، فإن خالف الإيجاب لم يصح القبول لأنه إذا خالفه لم يرتبط فبقي الإيجاب بلا قبول فلا يتم الركن . (بدائع الصنائع:۷/۳۳۴، سعید).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے: وصیت کے شرائط:...(د) موصی لہ حقیقتاً یا حکماً موجود ہو اور موصی کی موت کے بعد بھی موجود رہے۔ (ھ) موصی لہ معلوم و متعین ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۵۰)۔ اور حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ موجود ہیں اور نہ معلوم ہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے مقصدِ اصلی کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ایک تہائی مال میں سے وصیت نافذ کر دی جائے، اس طور پر کہ اس مال کو کسی مدرسہ، مسجد یا کسی کارِ خیر میں لگا دیا جائے تا کہ صدقہ جاریہ کی شکل بن جائے، اور مرحوم کی روح کو مسلسل اس کا ثواب پہنچتا رہے۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علماً علمه ونشره و ولداً صالحاً تركه و مصحفاً ورثه أو مسجداً بناه أو بيتاً لابن السبيل بناه أو نهراً أجراه أو صدقة أخرجها من ماله في صحته و حياته يلحقه من بعد موته . (سنن ابن ماجه ، ص ۲۱، ۲۴۲). قال محمد فؤاد عبد الباقي: إسناده حسن.

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مرقوم ہے:

صدقہ کی ایک قسم صدقہ جاریہ ہے جو آدمی کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے مثلاً: کسی جگہ پانی کی قلت تھی وہاں کنواں کھدوا دیا مسافروں کے لیے مسافر خانہ بنوا دیا، کوئی مسجد بنوا دی، کسی مسجد میں حصہ ڈال دیا یا کوئی دینی مدرسہ بنوا دیا یا کسی دینی مدرسہ میں پڑھنے والوں کی خوراک پوشاک اور کتابوں وغیرہ کا انتظام کر دیا، یا کسی مدرسہ کے بچوں کو قرآن مجید کے نسخے خرید کر دے دیے یا اہل علم کو ان کی ضروریات کی دینی کتابیں لے کر دے دیں وغیرہ، جب تک ان چیزوں کا فیض جاری رہے گا اس شخص کو مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۱۴/۵)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں مذکور ہے:

مرحوم کی اس رقم سے ایسا کام کیا جائے کہ صدقہ جاریہ کی شکل میں بن جائے کہ میت کو ثواب ملتا رہے، میت ثواب سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۰۰/۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصیت کے ایک تہائی مال سے کم میں مکمل ہو جانے پر باقی مال کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا ایک تہائی حصہ میری قضا نمازوں کے فدیہ کے لیے استعمال کیا جائے۔ اور مرحوم کی قضا نمازوں کی مقدار ایک تہائی مال سے کم ہے، یعنی تمام قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کے بعد رقم بچ جاتی ہے، تو اس کا کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نمازوں کا فدیہ ایک تہائی سے کم میں مکمل ہو گیا تو باقی مال ترکہ میں شامل کر کے تمام ورثاء کے درمیان حسبِ سہامِ شرعی تقسیم کیا جائیگا۔ فقہاء نے حج بدل میں یہ جزئیہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر میت نے اپنے ایک تہائی مال میں سے حج بدل کی وصیت کی، ورثاء نے وصیت کو نافذ کیا اور ثلث مال میں سے حج بدل کرا دیا اور ثلث میں سے کچھ رقم بچ گئی تو وہ ترکہ میں شامل ہو گی۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

شهدوا أن فلاناً وصي فلان ثابت الوصاية من جهته وصاية صحيحة دفع إلى فلان كذا من ثلث مال هذا الموصي وكان أوصى إليه به أن يدفع إلى رجل أمين موثوق به قد حج عن نفسه حجة الإسلام ليحج عنه ما سمى ووصف فيه يختاره هذا الوصى ومات هذا

الموصي على هذه الوصية لم يرجع عنها ولم يغير وخرجت هذه الدراهم من ثلث ماله ... فدفع إليه هذه الدراهم ليحج بها عن هذا الموصي من بلد كذا وهو بلد هذا الموصى الذى مات فيه...إن فضل من هذه الدراهم فضل بعد فراغ هذا الحاج ورجوعه إلى بلد الموصى رده على هذا الوصى وكان ميراثاً عن الميت . (الفتاوى الهندية: ٦/٣٥٣).

فتاویٰ ولوالجیہ میں مرقوم ہے:

ولو أوصى بحجة وفضلت منه نفقة أو كسوة ردت على ورثته ؛ لأن هذا مال الميت خلا عن الدين والوصية فيكون للورثة . (الفتاوى الولوالجية :٥/٣٩٩،ط: دارالكتب العلمية).

علامہ سرخسیؒ مبسوط میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو أوصى أن يحج عنه حجة بمائة درهم وهي ثلثه فحج الوصى بها فبقي من نفقة الحاج وكسوته و إطعامه شيء كان ذلك لورثة الميت . (المبسوط :٢٧/١٧٢،ط: دارالمعرفة، بيروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تین افراد کے درمیان ثلث مال کی وصیت نافذ کرنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے یوں وصیت کی کہ میرے ایک تہائی مال میں سے بعد ادائے فدیہ وکفارہ بقیہ تین نواسوں کو دے دیا جائے، لیکن مرحوم نے اس بات کی وضاحت نہیں کی ہر ایک کو کتنا دیا جائے۔اب سوال یہ ہے کہ ان حصوں کی تقسیم ورثاء کی صوابدید پر موقوف ہوگی یا ان تینوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مرحوم کے ایک تہائی مال میں سے فدیہ وکفارہ ادا کرنے کے بعد بقیہ مال تینوں نواسوں کے درمیان یکساں طور پر تقسیم ہوگا، ورثہ کی صوابدید پر موقوف نہیں ہوگا۔

قال فی الفتاوی الهندية : ولو قال العبد : الذي أوصيت به لفلان وقد أوصيت به لفلان آخر يكون بينهما نصفين . (الفتاوى الهندية: ٦/٩٣).

وقال فی الفتاوی السراجية : لو أوصى لزيد و عمرو بثلث ماله فإذا عمرو ميت

فالثلث لزيد... إذا أوصى لرجل بثلث ماله ولآخر بجميع ماله ولم يجز الورثة فالثلث بينهما نصفين . (الفتاوى السراجية ،ص ۵۷۴). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مبہم یا مجہول مال کی وصیت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے کچھ یا بعض فلاں شخص کو دیدیا جائے تو اس کے انتقال کے بعد مال کا کتنا حصہ دیا جائے گا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: بصورتِ مسئولہ مرحوم نے چونکہ مبہم اور مجہول مال کی وصیت کی ہے لہٰذا یہ وصیت ورثہ کی صوابدید پر موقوف ہوگی، ورثہ اپنی رضامندی سے جو دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و من أوصى لآخر بحظ من ماله أو بشيء من ماله أو بنصيب من ماله أو ببعض من ماله فالبيان إلى الموصى ما دام حياً وإذا مات فالبيان إلى الورثة ، كذا فى شرح الطحاوى .

(الفتاوى الهندية: ۹۸/۶).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا أوصى بجزء من ماله فان الورثة يعطونه ما شاء وا. (الفتاوى السراجية،ص ۵۷۲).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

شرعاً تو ایسی وصیت صحیح ہے البتہ ابہام کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا تعین ورثاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ موصیٰ لہ کو جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، تاہم اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں ہی اس مال کو متعین کر دیا ہو تو بعد الموت وہی مال دینا پڑے گا بشرطیکہ وہ مال میت کے کل ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہ ہو۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۵۰۷/۶)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

وصیت پر گواہ بنانے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے وصیت کی، اس وصیت کا کوئی منکر نہیں ہے، تو کیا اس وصیت پر شہادت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وصیت کے لیے شہادت اور گواہی ضروری نہیں ہے، وصیت کے نافذ ہونے کے لیے فقط اتنا کافی ہے موصی کی طرف سے ایجاب ہو اور موصی لہ اس کو قبول کرلے، ہاں تہمت وشبہ سے دور رہنے کے لیے وصیت پر گواہ بنالینا مستحب اور اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مذکور ہے:

وأما ركن الوصية فقد اختلف فيه قال أصحابنا الثلاثة: هو الإيجاب، والقبول؛ الإيجاب من الموصى، والقبول من الموصى له فما لم يوجدا جميعاً لا يتم الركن، وإن شئت قلت: ركن الوصية؛ الإيجاب من الموصى، وعدم الرد من الموصى له وهو أن يقع اليأس عن رده. (بدائع الصنائع: ۷/۳۳۰، سعید).

وينظر: (الفتاوى الهندية: ۶/۹۰، والبناية شرح الهداية: ۱۲/۴۸۴).

بدائع میں لکھا ہے کہ وصیت پر شہادت مستحب ہے۔ **قال الله سبحانه وتعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم أو آخران من غيركم إن أنتم ضربتم في الأرض﴾ ندبنا سبحانه وتعالىٰ إلى الإشهاد على حال الوصية فدل أنها مشروعة.** (بدائع الصنائع: ۷/۳۳۰، سعید).

تفسیر السعدی میں ہے: **فينبغي له أن يكتب وصيته، ويشهد عليها اثنين ذوي عدل ممن تعتبر شهادتهما.** (تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، ص ۲۰۹، ط: مؤسسة الرسالة).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بابِ دوم
میراث سے متعلق احکام کا بیان

تقسیم سے پہلے کسی وارث کا اپنا حصہ ساقط کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے چار بیٹے ہیں، ان میں سے ایک نے اپنا حق معاف کر دیا تو اس کا حق ساقط ہوا یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حق میراث معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا؟ اسی طرح ایک شخص کے لیے وصیت کی گئی، موصی لہ نے تقسیمِ ترکہ سے پہلے اپنا حق ساقط کر دیا تو اب دوبارہ مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اکابرؒ کے فتاویٰ میں بظاہر تعارض ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر فقہاء نے قاعدہ لکھا ہے کہ " **الإرث جبری لایسقط بالإسقاط**" کہ میراث جبری ہے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، یعنی اگر کوئی وارث یہ کہے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا یا مجھے نہیں چاہیے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ ہاں بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ تقسیم سے پہلے حق میراث محتمل السقوط ہے ساقط کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، یعنی وارث یہ کہے کہ میں نے اپنا حق ساقط کر دیا یا یہ کہہ دے کہ میں نے اپنا حق معاف کر دیا، یا یہ کہے کہ میں نے آپ حضرات کو مطالبہ سے بری کر دیا تو اب مطالبہ کا حق نہیں رہے گا۔ ملاحظہ ہو فقہاء نے لکھا ہے:

ولو قال: تركت حقي من الميراث أو برئت منها ومن حصتي لا يصح وهو على حقه لأن الإرث جبري لا يصح تركه . (فتاوى الشامي: ۸/ ۸۹،سعيد).

(وکذا فی لسان الحکام ،ص ۲۳۶ ،ط:القاھرۃ، وتنقیح الفتاوی الحامدیة: ۴۳/۲، کتاب الدعوی).

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ حق میراث ساقط کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہوالاشباہ میں ہے:

وذکر الشیخ الإمام المعروف بـ خواھر زادہ ، أن حق الموصی له وحق الوارث قبل القسمة غیر متأکد یحتمل السقوط بالإسقاط ، انتھی...فقد علم أن حق الغانم قبل القسمة ... و حق الوارث قبل القسمة علی قول خواھر زادہ یسقط بالإسقاط . (الأشباہ والنظائر :۳/ ۵۴، ۵۵، الفن الثالث:الجمع والفرق، ما یقبل الإسقاط من الحقوق وما لا یقبل). (وکذا في فتاوی الشامی: ۶۴۴/۵ ، سعید، وفتاویٰ قاضیخان بھامش الھندیة:۲۱۴/۳ ، والبحرالرائق:۲۴۳/۵ ، دارالمعرفة).

وفي حاشیة الھدایة: والإبراء عن الدعوی صحیح فإن من قال لغیرہ : أبرأتک من دعوی ھذا العین صح ولو ادعی بعد ذلک لم یسمع . (حاشیة الھدایة :۲۴۷/۳ ،کتاب الصلح).

وفی الھدایة : وله أن القسمة قضاء علی المیت إذ الترکة مبقاۃ علی ملکه قبل القسمة حتی لو حدثت الزیادۃ تنفذ وصایاہ فیھا وتقضی دیونه عنھا بخلاف ما بعد القسمة. (الھدایة :۴۱۲/۴ ،کتاب القسمة).

وینظر: (فتح القدیر: ۴۳۰/۹، والبنایة:۲۱۸/۸ ،والکفایة علی ھامش فتح القدیر:۳۸۳/۷،رشیدیه).

جامع الفصولین میں مرقوم ہے:

قال أحد ورثته: برئت من ترکة أبي ، یبرأ الغرماء عن الدین بقدر حصته...لو قال وارث: ترکت حقي ، لا یبطل حقه إذ الملک لا یبطل بالترک ، والحق یبطل به، حتی أن أحد الغانمین لو قال قبل القسمة : ترکت حقی ، بطل حقه . (جامع الفصولین : ۳۹/۲).

جامع الفصولین کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جو چیز آدمی کی ملکیت میں ہو اس کو چھوڑنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی ،اور جس چیز پر آدمی کا حق ہے،اگر اپنے حق کو ساقط کردے تو ساقط ہوجاتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت فتاویٰ قاضی خان کی آنے والی عبارت سے ہوتی ہے کہ اگر کسی کی ملک میں پانی کی نالی ہے لیکن دوسرے کی زمین میں ہے،زمین والے نے زمین بیچ دی اور یہ نہر والا راضی ہوگیا،تب بھی اس کی

ملکیت ختم نہیں ہوئی، مشتری سے اس کی قیمت لے سکتا ہے، اور اگر یہ نہر اس کی ملکیت میں نہ ہو فقط پانی گزارنے کا حق ہو، تو ایک مرتبہ حق ختم کرنے سے وہ حق ختم ہو جائے گا پھر دوبارہ مطالبہ نہیں کر سکتا، دونوں میں فرق یہی ہے کہ پہلے مسئلہ میں اس کی ملکیت ہے اور دوسرے میں فقط حق ہے۔

قال: رجل له مسيل ماء في دار غيره فباع...وإن كان له حق إجراء الماء دون رقبة النهر، لا شيء له من الثمن، ولا سبيل له على المسيل بعد ذلك، كرجل أوصى لرجل بسكنى داره فمات الموصى، فباع الوارث الدار و رضى به الموصى له جاز البيع وبطل سكناه ... وذكر فى الكتاب: إذا أوصى لرجل بثلث ماله ومات الموصى، فصالح الوارث الموصى له من الثلث على السدس جاز الصلح. (فتاویٰ قاضيخان بهامش الفتاوى الهنديه: ۳/۴ ۲۱).

اکابر کے متعارض فتاویٰ ملاحظہ کیجئے:

درجِ ذیل فتاویٰ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ حق میراث ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا:

(۱) عزیز الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنے والد کی جائداد سے حق لینے سے انکار کر دیا تھا اب اس کی اولاد اپنے جد کی جائداد سے حصہ شرعی پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ الجواب: تارک حق کی اولاد اپنے جد کی جائداد سے حصہ لے سکتی ہیں، **كما فى الأشباه والنظائر** (۳/۵۳) **لو قال الوارث: تركت حقي لم يبطل حقه الخ وفى الشرع ضابطة؛ أنه إن كان ملكاً لأنه مالم يبطل بذلك كما لومات عن ابنين فقال أحدهما تركت نصيبي من الميراث لم يبطل لأنه لازم لا يترك بالترك.** (عزیز الفتاویٰ، جلدِ اول، ص ۷۴۰)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

زید کی ملک حصہ شرعی یعنی سدس پر باقی ہے حق اس کا فوت نہیں ہوا، پس وہ حصہ اس کے وارثوں کو ملے گا اور دست برداری معتبر نہ ہوگی۔ (عزیز الفتاویٰ: ۱/ ۷۳۹، ط: دارالاشاعت)۔

(۲) احسن الفتاویٰ میں ہے:

ترکِ حصہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر حق دین میں ہے جس میں مہر بھی داخل ہے تو ابراء صراحۃً یا

دلالۃً سے حق ساقط ہوجاتا ہے۔اور اگر حق عین میں ہے تو ابراء صحیح نہیں بلکہ ہبہ ضروری ہے۔(احسن الفتاویٰ:۹/ ۲۷۷)۔ دوسری جگہ مرقوم ہے: عفووابراء دین سے ہوتا ہے عین سے عفووابراء صحیح نہیں۔(احسن الفتاویٰ:۹/۲۷۹)۔

(۳) فتاویٰ حقانیہ میں مذکور ہے:

وراثت ایک اضطراری حق ہے کوئی شخص اپنی طرف سے اس کو زائل یا ختم نہیں کرسکتا ہے۔(فتاویٰ حقانیہ: ۶/۵۶۱)،بحوالہ تکملہ ردالمختار: **الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط** . (تكملة ردالمحتار : ۷/۵۰۳، مطلب في واقعة الفتوىٰ، سعيد).

(۴) اشرف الاحکام تتمہ امداد الفتاویٰ میں ہے:

عورتوں کا حق میراث معاف کردینا شرعاً معتبر نہیں ؛ فرمایا: باپ کے مرتے ہی جو لڑکیاں آمدنی اور زمین لینے سے انکار کردیتی ہیں وہ انکار معتبر نہیں۔اول تو اس وقت صدمہ تازہ ہوتا ہے صدمہ میں اس کو اپنے نفع نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔دوسرے جب رواج یہی پڑا ہوا ہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم سمجھا جاتا ہے۔تو وہ اپنا حق لیتے ہوئے بدنامی سے ڈرتی ہیں۔تیسرے ان کو اپنے حق کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کتنا ہے اور کس قدر ہے۔ جب صدمہ کا وقت گزر جائے اور تم ان سے کہہ دو کہ تمہارا حق شرعی ہے تم کو لینا پڑے گا۔ پھر وہ اپنی آمدنی کی مقدار بھی دیکھ لیں اس کا لطف بھی اٹھالیں اس کے بعد اگر کوئی دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔مگر ہم دکھادیں گے کہ اس کے بعد سو میں سے ایک یا دو ایسی نکلیں گی کہ وہ اپنا حق معاف کردیں گی۔پس جس طرح آج کل بہنیں اپنا حق بھائیوں کو معاف کرتی ہیں۔وہ شرعاً معتبر نہیں اور حدیث میں صاف موجود ہے کہ ”خبردار کسی مومن کا مال بغیر اس کے طیبِ خاطر کے لینا حلال نہیں ہے“۔بحوالہ رجاء اللقاء،ص۲۴۔ (اشرف الاحکام،ص:۲۴۲)۔

درجِ ذیل فتاویٰ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ حق میراث ساقط کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے:

(۱) کفایت المفتی میں ہے:

بہن کے معاف کردہ حصہ کو اس کے شوہر کا دوبارہ طلب کرنا: جب بہن نے اپنے حصہ کو آپ کے حق میں معاف کردیا تو اب ان کے کسی وارث کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں رہا۔(کفایت المفتی:۱۳/۴۳۹، جامعہ فاروقیہ)۔

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مرقوم ہے:

اگر کسی بہن نے اپنا حصہ واقعۃً خوشی سے چھوڑ دیا ہو تو اس کی اولاد کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں کیونکہ اولاد کا حق ماں کی وفات کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ ماں کی زندگی میں ان کا ماں کی جائیداد پر کوئی حق نہیں، اس لیے اگر وہ کسی کے حق میں دستبردار ہو جائے تو اولاد اس کو نہیں روک سکتی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/ ۴۰۰)۔

(۳) امداد المفتین میں مفصل فتویٰ مذکور ہے، اس میں سے ایک فارسی عبارت کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

... یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندوستان میں بھائیوں نے اپنی بہنوں کا حصہ ہندوؤں کی تقلید میں نہیں دیا... بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ جب مسلمان بہنوں نے ہندوؤں کے رسم ورواج کو دیکھا اور سنا تو محبت کے جوش میں جو بہنوں کو اپنے بھائیوں سے ہوتی ہے، میراث میں سے اپنا حصہ ترک کر دیا، اور اپنی رضامندی سے حصہ نہیں لیا، اور دعویٰ سے دستبرداری اور اپنا حق ساقط کر دینے کے الفاظ اپنی زنانوں پر ابتدا سے آج تک موجود ہیں۔ اور بالاتفاق کہتی ہیں کہ اس ہمشیرہ کی زبان کٹی ہوئی بہتر ہے کہ وہ اپنے حصہ کا دعویٰ زبان پر لائے۔ یہ بات ہندی زبان میں اس ملک کے تمام شرفاء کی بہنوں میں مشہور ومعروف ہے۔ اور یہ بات حد تواتر تک پہنچ چکی ہے، پس یہ معاف کرنا عرفِ عام اور ہمیشہ کا معمول بن گیا ہے جو خلافِ منصوص نہیں ہے۔ **في الأشباه والنظائر: وذكر الشيخ الإمام المعروف بخواهر زاده: أن حق الموصى له وحق الوارث قبل القسمة غير متأكد يحتمل السقوط بالإسقاط.** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ دوم، ص۴۸۰)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جواہر الفقہ: ۴/ ۴۰۴، **إقامة العرف مقام الثبوت في سقوط بعض الحق بالسكوت**، وفتاویٰ عزیزی، ص۶۲۰)۔

ہاں غیر اقوام کی تقلید میں بعض مسلمانوں نے اپنی بہنوں کے حقوق لے لیے اور ان سے جبراً معاف کرا لیا تو یہ جبری معاف کرنا ہے اس سے حق ساقط نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ہندوستان میں بعض جگہوں پر رائج ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ میں مرقوم ہے:

کسی سے کوئی چیز لینے یا اس کو استعمال کرنے کے لیے اس کا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرماشرمی میں دیدی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس

کا استعمال بھی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہوگا۔

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا اوران کو میراث سے جو حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا یہ بھی اسی حکم کے اندر داخل ہے اور سخت حرام ہے، اور بہنوں پر ظلم ہے، لڑکیوں (بہنوں) کا جو شرعی حق ہو (اوران کے علاوہ جو بھی وارث ہوں) ان کا حق ادا کرنا انتہائی ضروری اور لازم ہے، میراث کی تقسیم قانونِ الٰہی ہے، اس کے مطابق عمل کرنا بہت فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے، اوراس کی خلاف ورزی پر دوزخ کی سخت وعید ہے...الخ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۵۰۷، مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حکومت زمینیں ضبط کرنے کے بعد اس کا بدل دے تو اس میں میراث کا حکم:

سوال: پچھلی حکومت کے ایک قانون کے تحت لوگوں کی کچھ زمینیں اور کچھ عمارتیں ضبط کر لی گئی تھیں، اب نئی حکومت اس کی تلافی کر رہی ہے، لیکن اصل مالکین موجود نہیں ہیں، ان کے خاندان والوں کو یہ رقوم دی جا رہی ہیں تو شرعی نقطہ نظر سے یہ رقوم یا جائیداد کس طور پر تقسیم کی جائے گی؟ کیا وراثت کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ موجودہ حکومت یہ مال میت کا حق سمجھ کر دے رہی ہے، لہٰذا ان تمام وارثوں کو ملے گا جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے، موجودہ حکومت کے نزدیک سابقہ حکومت نے مرحوم پر ظلم کیا تھا جس کی تلافی کی جا رہی ہے، جیسے میت کا پینشن ۱۵/ ۲۰ سال کے بعد مل جائے تو اس کے وہ تمام ورثہ اس میں شریک ہوں گے جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں مرقوم ہے:

لأن أحد الورثة ينتصب خصماً عن الباقين فيما يستحق له وعليه " أى الميت وعلى الميت" ديناً كان أو عيناً لأن المقضى له و عليه هو الميت فى الحقيقة وواحد من الورثة يصلح خليفة عنه في ذلك. (الهداية: ۳/ ۱۵۰).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

و شروطه ثلاثة :... وجود وارثه عند موته حياً حقيقة أو تقديراً كالحمل والعلم

بجهة إرثه . (فتاوى الشامي: ۶/۷۵۸، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

ترکہ پانے کی تین شرطیں ہیں: (۱) مورث کی موت کا یقین یا ظن غالب ہونا، (۲) مورث کی موت کے وقت وارثوں کی زندگی کا یقین یا ظن غالب ہونا، (۳) ارث کی جہت کا علم، یعنی اس بات کا علم کہ کون کس بنیاد پر وارث ہو رہا ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۸۵)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

مال کے اندر عموم ہے کہ وہ خواہ جائیدادِ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، نقد ہو یا جنس، خواہ میت کی موت کے وقت اس کے قبضہ میں ہو یا دوسروں کے جیسے: قرض، پراویڈنٹ فنڈ، یہ سب ہی ترکہ قرار پائیں گے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۸۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گاڑی کے تصادم سے مرنے پر حرمانِ ارث کا حکم:

سوال: زید کی گاڑی کا تصادم عمر کی گاڑی سے ہوا جس سے عمر کا انتقال ہو گیا، اتفاقاً عمر زید کا مورث ہے تو کیا زید عمر کا وارث ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ گاڑی کے تصادم سے موت قتل خطا کے حکم میں ہے، اس میں ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، بنابریں زید عمر کی میراث سے محروم ہوگا۔

ملاحظہ ہو شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے:

وأما القتل الذى يتعلق به وجوب الكفارة فهو إما شبه عمد ... وإما خطأ كأن رمى إلى صيد فأصاب إنساناً وانقلب فى النوم عليه فقتله أو وطئته دابته و هو راكبها أو سقط من سطح عليه أو سقط حجر من يده فمات ، وموجبه الكفارة والدية على العاقلة ولا إثم فيه فعندنا يحرم القاتل عن الميراث فى هذه الصور كلها؛...لأن المخطئ مباشر للقتل بفعله فيلزمه الكفارة والحرمان. (الشريفية شرح السراجية، ص ۴۸، ط: الرياض).

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۶،سعید،والاختیارلتعلیل المختار:۵/۱۱۵).

الجنایات فی الفقہ الاسلامی میں مذکور ہے:

يشترط أن يقع من الجاني أو بسبب منه ، فعل على المجنى عليه ، سواء أكان الجاني أراد الفعل وقصده ،كما لو أراد أن يرمي صيداً ، فأصاب إنساناً ، أو وقع الفعل نتيجة إهماله وعدم احتياطه ،دون أن يقصِده، كمن ألقى ماء ساخناً من مكان عالٍ، ولم يرى المجنى عليه، فوقع عليه فمات. والعقوبة الأصلية الأولى: الدية ...واتفق الفقهاء على أن دية القتل الخطأ على العاقلة ، مؤجلة في ثلاث سنين...(الجنايات فی الفقه الاسلامی،ص۲۰۳).

والعاقلة اهل الديوان ان كان القاتل من اهل الديوان ...واهل الديوان اهل الرايات ... لأن العقل كان على أهل النصرة وقدكانت بأنواع بالقرابة والحلف والولاء والعد ... ولهذا قالوا لوكان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة . (الهداية:۴/۶۴۵،شركة علمية).

قال الإمام أبوحنيفةؒ : إن العاقلة هم الذين يتناصربهم القاتل...ولنا قضية عمر رضی اللہ عنہ ... فالحاصل أن قضاء عمر رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابة دل على أن الحكم كان مناطه النصرة فيتغير بتغيره ويمكن أن يقال في عصرنا: أن التناصر أصبح للعمال بوفاقهم الذى يسمى "تريد يونين"... فينبغي أن تكون عاقلة عامل وفاقه...(تكملة فتح الملهم :۲/۳۷۹،کراچی).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: بس اورگاڑیوں کے مصادمہ سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطأ شمار ہوگا یا قتل کی کوئی اور قسم ہوگی؟ ڈرائیور پر کفارہ اوراس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یا اس کا حکم کچھ اور ہوگا؟

الجواب: یہ قتل خطأ ہے، ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔(احسن الفتاویٰ:۸/۵۴۷،وفتاویٰ محمودیہ:۱۴/۱۵۲،جامعہ فاروقیہ)۔

ماقبل میں اس مسئلہ کی تفصیل گزرچکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

اگر پوری ذمہ داری کے ساتھ چلانے کی صورت میں ایکسیڈنٹ ہوا اور مخالف سمت سے آنے والے کی

کوتاہی تھی، اور ڈرائیور کا والد مر گیا تو ڈرائیور بیٹا میراث سے محروم نہ ہوگا، اس لیے کہ میراث سے محرومی کا سبب وہ قتل ہے جس میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو۔ ملاحظہ ہو: (السراجی ص۶، وفتاویٰ ہندیہ: ۶/۴۵۴، وفتاویٰ حقانیہ: ۶/۵۲۱)۔

بعض حالات میں ڈرائیور بالکل بے بس ہوجاتا ہے تو ایسی صورتوں میں تاوان نہیں آئے گا۔

وہ صورتیں درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ آدمی گاڑی چلا رہا تھا اور کوئی اچانک گاڑی کے سامنے دوڑ آیا اور ڈرائیور گاڑی روک نہ سکا تو اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

۲۔ گاڑی اشارہ پر کھڑی ہے اور سبز بتی کا انتظار ہے اور کوئی پیچھے سے آکر مار دے اور اس کی گاڑی آگے والی گاڑی سے ٹکرا جائے تو اس صورت میں درمیان والے کی طرف مباشرت کی نسبت مشکل ہے، لہذا تاوان نہیں آئے گا۔

۳۔ گاڑی صحیح سالم تھی، اور معروف طریقے پر چلا رہا تھا، اور اچانک کوئی خرابی واقع ہوئی اور گاڑی بے قابو ہوگئی تو بھی تاوان نہیں آئیگا۔

۴۔ آدمی گاڑی قانون کے موافق چلا رہا تھا کہ اچانک سامنے والے نے بریک لگا دی اور نقصان ہوا تو اس صورت میں بھی تاوان نہیں آئیگا۔ مستفاد از (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ: ۱/۳۱۱، ۳۱۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ایکسیڈنٹ میں مرنے کی وجہ سے ڈرائیور کے لیے حرمانِ ارث کا حکم:

سوال: ایک نوجوان اپنے والد کے ساتھ کار میں سفر کر رہا تھا، راستہ میں ایکسیڈنٹ ہوگیا، نوجوان ڈرائیور بچ گیا اور والد کا انتقال ہوگیا، اس بیٹے کو والد کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ یہ قتل خطأ کی تعریف میں آئے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر نوجوان کی طرف سے کوتائی یا غلطی ہوگئی، یا راستہ کے قوانین کی مخالفت کی جس کے نتیجہ میں ایکسیڈنٹ ہوا، تو یہ قتل خطا کے حکم میں ہے، ڈرائیور پر کفارہ واجب ہوگا اور عاقلہ پر دیت

آئے گی، اور مرحوم والد کی میراث سے محروم ہوگا۔

لیکن اگر ڈرائیور حکومت کے قوانین کی رعایت کرتے ہوئے چلا رہا تھا اور ناگہانی طور پر حادثہ پیش آیا جس میں ڈرائیور بے بس تھا، تو ایسی صورت قتل خطأ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ قتل بالسبب ہے اور اس میں بیٹا والد کی میراث سے محروم نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو شریفیہ شرح السراجیہ میں ہے:

وأما القتل الذی یتعلق به وجوب الکفارة فهو إما شبه عمد ... وإما خطأ کأن رمی إلی صید فأصاب إنساناً وانقلب فی النوم علیه فقتله أو وطئته دابته و هو راکبها أو سقط من سطح علیه أو سقط حجر من یده فمات، وموجبه الکفارة والدیة علی العاقلة ولا إثم فیه فعندنا یحرم القاتل عن المیراث فی هذه الصور کلها؛...لأن المخطئ مباشر للقتل بفعله فیلزمه الکفارة والحرمان. (الشریفیة شرح السراجیة،ص۴۸،ط: الریاض).

بعض حالات میں ڈرائیور بالکل بے بس ہوجاتا ہے تو ایسی صورتوں میں تاوان نہیں آئے گا۔

وہ صورتیں درجِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ آدمی گاڑی چلا رہا تھا اور کوئی اچانک گاڑی کے سامنے دوڑ آیا اور ڈرائیور گاڑی روک نہ سکا تو اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

۲۔ گاڑی اشارہ پر کھڑی ہے اور سبز بتی کا انتظار ہے اور کوئی پیچھے سے آکر مار دے اور اس کی گاڑی آگے والی گاڑی سے ٹکرا جائے تو اس صورت میں درمیان والے کی طرف مباشرت کی نسبت مشکل ہے، لہذا تاوان نہیں آئے گا۔

۳۔ گاڑی صحیح سالم تھی، اور معروف طریقے پر چلا رہا تھا، اور اچانک کوئی خرابی واقع ہوئی اور گاڑی بے قابو ہوگئی تو بھی تاوان نہیں آئیگا۔

۴۔ آدمی گاڑی قانون کے موافق چلا رہا تھا کہ اچانک سامنے والے نے بریک لگادی اور نقصان ہوا تو اس صورت میں بھی تاوان نہیں آئیگا۔ مستفاد از (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ:۱/۳۱۱،۳۱۵)۔

وللمزید ینظر: (بحوث فی قضایافقهیة معاصرة : ۱/ ۳۱۱.۳۱۵،مکتبه دارالعلوم

کراتشي، ومجمع الضمانات ۱/ ۴۰۲، ط: دار السلام، وبدائع الصنائع، کتاب الجنایات: ۱۰/ ۳۴۷، ط: دیوبند، واسلامی فقہ: ۲/ ۶۴۲، والجنایات فی الفقہ الاسلامی ص ۲۲۳، وتکملہ فتح الملہم: ۲/ ۵۲۳، فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۴/ ۶۰۹، و السراجی، ص ۶، وفتاویٰ ہندیہ: ۶/ ۴۵۴، وفتاویٰ حقانیہ: ۶/ ۵۲۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: ابن ماجہ شریف کی روایت میں صرف قتل عمد کو باعثِ محرومی بتایا گیا ہے نہ کہ قتل خطا کو اور فقہ کا مذکورہ مسئلہ اس کے خلاف ہے کہ قتل عمد وخطا دونوں باعثِ محرومی ہیں۔ ابن ماجہ کی حدیث ملاحظہ کیجیے:

حدثنا علی بن محمد ومحمد بن یحیی قالا: حدثنا عبید اللّٰہ بن موسی عن الحسن بن صالح عن محمد بن سعید وقال محمد بن یحیی عن عمر بن سعید عن عمرو بن شعیب حدثنی أبي عن جدي عبد اللّٰہ بن عمرو أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قام یوم فتح مکۃ فقال: المرأۃ ترث من دیۃ زوجھا ومالہ شیئاً، وإن قتل أحدھما صاحبہ خطأ ورث من مالہ ولم یرث من دیتہ. (سنن ابن ماجہ، ۱۹۶، باب میراث القاتل). اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ابن ماجہ شریف کی مذکورہ بالا روایت انتہائی ضعیف ہے، محمد بن سعید راوی پر محدثین نے بہت کلام کیا ہے، بعض نے متروک اور بعض نے واضع الحدیث کہا ہے، بنابریں یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔ مصباح الزجاجہ میں علامہ بوصیریؒ لکھتے ہیں:

ھذا إسناد ضعیف: محمد بن سعید ھو المصلوب؛ قال أحمد بن حنبلؒ: حدیثہ موضوع، وقال مرۃ: عمداً کان یضع الحدیث. وقال أبو أحمد الحاکم: کان یضع الحدیث صلب علی الزندقۃ. وقال الحاکم أبو عبد اللّٰہ: ھو ساقط لا خلاف بین أئمۃ النقل فیہ. وقال الفلاس: حدث بأحادیث موضوعۃ. (مصباح الزجاجۃ: ۲/ ۳۷۶).

پھر نام میں اختلاف واقع ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابن ماجہؒ نے یہ حدیث اپنے دو شیخ سے نقل کی ہے، ۱۔ علی بن محمد، ۲۔ محمد بن یحییٰ۔ ان دونوں نے ایک راوی کے نام کے بارے میں اختلاف کیا ہے ایک نے محمد

بن سعید اور دوسرے نے عمر بن سعید ذکر کیا ہے۔لیکن کتبِ اسمائے رجال کی مراجعت سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صحیح محمد بن سعید ہے۔

قال فی الکاشف: عمر بن سعید ، عن عمرو بن شعیب، وعنه الحسن بن صالح ، صوابه محمد . (الکاشف :۲/۷۱).

قال ابن حجر فی التهذیب: عمر بن سعید عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده بحدیث: ترث المرأة من دیة زوجها. وعنه الحسن بن صالح بن حی مضی، روی عنه کذا و في أخری محمد بن سعید ووقع فی بعض نسخ ابن ماجه :عمرو وهو خطأ. قلت: رجح الذهبي انه محمد بن سعید لجلالة الراوی محمد بن یحیی الذهلي. (تهذیب التهذیب:۷/۳۸۵).

و ینظر أیضاً: (تهذیب الکمال: ۱۲/۳۶۷،وتقریب التهذیب،ص ۴۸۱).

محمد بن سعید راوی بالاتفاق ضعیف ہے، بعض نے متروک اور بعض نے واضع الحدیث کہا ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تقریب التهذیب،ص۵۶۰، والجامع فی الجرح والتعدیل:۳/۱۴)۔

لہذا یہ روایت انتہائی ضعیف ہے، اگرچہ قتل عمد میں میراث سے محرومی بھی ضعیف روایت سے ثابت ہے لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے، مزید براں اس پر فقہاء کا اجماع اور اتفاق ہے۔ نیز قتل عمد کا مرتکب قتل خطأ کا اقرار کر کے اپنے آپ کو مستحق میراث بنانے کی کوشش کریگا اس لیے سدِ باب کے طور پر خطأ اور عمد کے فرق کو مٹانا ہی معقول ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طلاقِ مغلظہ میں شوہر کے انتقال کے بعد میراث کا حکم:

سوال: ۱۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دی پھر شوہر کا انتقال ہوا یا قتل کیا گیا، تو کیا بیوی عدت میں یا عدت کے بعد وراثت کی حقدار ہوگی یا نہیں؟ ۲۔ اگر شوہر نے لائف انشورنس کرایا ہو تو اس رقم کے ساتھ کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱۔ بصورتِ مسئولہ اگر شوہر نے حالتِ صحت میں بیوی کو طلاقِ بائن یا طلاقِ ثلاثہ دی تھی تو

چاہے شوہر کا انتقال عدت میں ہو جائے یا عدت کے بعد دونوں صورتوں میں بیوی میراث کی حقدار نہ ہوگی، اور اگر مرض وفات میں طلاقِ بائن یا طلاقِ ثلاثہ دی تھی اور حالتِ عدت میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو بیوی میراث کی حقدار ہوگی، اور اگر عدت کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تو وراثت کی حقدار نہیں، نیز اگر بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا تھا تب بھی وارث نہیں ہوگی۔

۲۔ انشورنس والی رقم میں سے اصل جمع کی ہوئی رقم حسبِ سہامِ شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم کی جائے گی، اور زائد رقم ثواب کی نیت کے بغیر فقراء پر صدقہ کر دی جائے گی۔

قال فی الهداية: وإذا طلقها ثلاثاً وهو مريض ثم صح ثم مات لم ترث ولكنا نقول: المرض إذا تعقبه برء فهو بمنزلة الصحة لأنه ينعدم به مرض الموت فيتبين أنه لا حق لها يتعلق بماله فلا يصير الزوج فاراً. ہدایہ کی عبارت کے ذیل میں محقق ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں: **قوله فلا يصير الزوج فاراً يعنى الفرار المستلزم للحكم الشرعى الخاص إنما يتحقق شرعاً بالإبانة في حال تعلق حقها ولا يتعلق إلا في مرض موته.** (الهداية مع فتح القدير: ۱۵۴/۴، ط: دار الفكر).

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وإن كانت" أى العدة "من طلاق بائن أو ثلاث فإن كان ذلك في حال الصحة فمات أحدهما لم يرثه صاحبه سواء كان الطلاق برضاها أو بغير رضاها، وإن كان في حال المرض فإن كان برضاها لا ترث بالإجماع وإن كان بغير رضاها فإنها ترث من زوجها عندنا وعند الشافعى لا ترث. (بدائع الصنائع: ۲۱۸/۳، سعيد).

وينظر: (البحر الرائق: ۴۳/۴).

مجموعہ قوانین اسلامی میں مرقوم ہے:

...لائف انشورنس، کوآپریٹو سوسائٹی جیسے معاملات میں ان کے ضوابط کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنی رقم کے لیے دوسرے کو نامزد کر دیا...نامزد کرنے والے شخص کی جمع کردہ اور وضع شدہ رقم اس کی موت کے بعد حسبِ

سہامِ شرعی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، اور سود کی رقم بلانیتِ ثواب فقراء کو دے دینا ضروری ہوگا۔ (ص ۲۵۶)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان بیٹے کا کافر باپ سے میراث حاصل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی کافر اس ملک میں مسلمان ہوگیا، اور اس کا باپ ابھی تک کافر ہے وہ کفر کی حالت میں مرگیا تو کیا یہ مسلمان بیٹا کافر باپ کے مال میں میراث کا حقدار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ اختلافِ دین مانع ارث ہے، یعنی کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا۔

كما فی السراجية : المانع من الإرث أربعة... واختلاف الدينين . قال المحشي: فلا يرث الكافر من المسلم إجماعاً ، ولا المسلم من الكافر على قول علي وزيد وعامة الصحابة ؛ لقوله صلى الله عليه وسلم : لا يتوارث أهل ملتين شتى . (السراجی مع الحواشی، ص ۱۲، ط: مکتبة البشریٰ).

لیکن غیر مسلم ممالک میں حکومت کے قانون کے مطابق مسلمان اور کافر کے درمیان میراث جاری ہوتی ہے، تو اگر حکومت مرحوم کے مال کو لیکر قانون کے مطابق تقسیم کردے تو مسلمان کے لیے لینے کی گنجائش ہے، اور یہ حکومت کی طرف سے عطیہ اور ہدیہ سمجھا جائے گا۔ نیز بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض علماء سے مروی ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں لیکن مسلمان اپنے کافر رشتہ دار سے مال حاصل کرسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وأما عدم توريث المسلم من الكافر فعلى قول علي رضی اللہ عنہ وزيد بن ثابت رضی اللہ عنہ وعامة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم لايرث وبه أخذ علماؤنا والشافعي، وعلى قول معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ومعاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ وأحد قولي أبي بن كعب رضی اللہ عنہ يرث وهو القياس وبه أخذ مسروق والحسن وجماعة واستدلوا على ذلک بقوله صلى الله عليه وسلم : الإسلام يعلو

ولایعلی و من العلو أن یرث المسلم من الکافر ولا یرث الکافر من المسلم وقوله صلى الله علیه وسلم: الإسلام یزید ولا ینقص أی یزید في حقوق من أسلم ولا ینقص شیئاً من حقه . (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۳۷۸/۴، کتاب الفرائض).

(وکذا فی الشریفیة شرح السراجیة ،ص ۱۵۱،ط: الریاض، وسبل السلام :۹۹/۳،باب الفرائض، وفتح الباری: ۵۰/۱۲، والمجموع شرح المهذب :۵۸/۱۶، والملخص الفقهي: ۳۱۳/۲، دارالعاصمة ، الریاض، و تفسیر المنار: ۹۹/۱۰،ط: الهیئة المصریة).

بعض کتابوں میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: المطالب العالیہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: قال مسدد: حدثنا عبد الوارث ، عن عمرو الواسطی ، ثنا عبد الله بن بریدة: أن أخوین اختصما إلی یحیی بن یعمر، یهودی ومسلم ، فورث المسلم منهما ، فقیل له : ورثت المسلم ؟ قال: حدثنی أبوالأسود ، أن رجلاً حدثه ، أن أخوین اختصما إلی معاذ یهودی ومسلم ، فقال المسلم : کان أبي یهودیاً ، وکان ذا مال وأرض، فلم یضرني إسلامي عنده دون أن فوض إلی ماله وأرضاً کنت أزرعها وأقوم فیها ، وکنت أتصدق ، وأقری الضیف ، وأصنع المعروف إلی ابن السبیل، وأعتق، فکان لا یعیب ذلک علي ، فمات فحالوا بیني وبین ماله ، وقالوا: لا حق لک فیه ، فورث معاذ المسلم . (المطالب العالية : ۵/ ۱۵۹۰/۲۰).

وأخرج الإمام أبوداود بسنده عن عبد الله بن بریدة أن أخوین اختصما إلی یحیی بن یعمر یهودی ومسلم فورث المسلم منهما وقال حدثنی أبوالأسود أن رجلاً حدثه أن معاذاً حدثه قال: سمعت رسول الله صلى الله علیه وسلم یقول: ” الإسلام یزید ولا ینقص“. فورث المسلم. (سنن ابی داود :۲۹۱۴/۸۵/۳،باب هل یرث المسلم الکافر).

وأیضاً أخرجه الحاکم فی المستدرک: ۳۴۵/۴، کتاب الفرائض، وقال: هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه ، وابن أبي شیبة فی المصنف: ۳۷۴/۱۱، کتاب الفرائض ، والبوصیري في اتحاف الخیرة المهرة: ۴۳۳/۳، والبیهقي في سننه الکبری: ۲۵۴/۶/

۱۲۸۴۴، وقال ابن حجرؒ عن الحديث السابق: قال الحاكم : صحيح الإسناد، وتعقب بالانقطاع بين أبى الأسود ومعاذ ، لكن سماعه منه ممكن . وأخرج أحمد بن منيع بسند قوى عن معاذ : أنه كان يورث المسلم من الكافر بغير عكس . (فتح البارى:۱۲/۵۰).

مزید آثار کے لیے ملاحظہ کیجئے: (الأوسط لابن المنذر:۳/۱۳۶، وفتح البارى:۱۲/۵۰، وشرح السنة للبغوى : ۸/۳۶۴، ومعالم السنن للخطابي:۴/۱۸۰، وأحكام أهل الذمة لابن القيم:۲/۶۴۲، والمغني :۶/۲۹۴، والمحلى: ۹/۳۰۴،والاستذكار: ۴/۸۰، والقول المسددفى الذب عن المسندللامام احمد،ص۵۷،ط: القاهرة).

یہ بات یادرہے کہ ان تمام کتب میں دوسرا قول منقول ہے لیکن تمام نے قولِ اول ہی کوترجیح دی ہے۔

امدادالاحکام میں مرقوم ہے:

یہ فتویٰ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ نے اول لکھا پھر حکیم الامت کو دکھایا،تو حضرت نے فرمایا کہ ہندوستان میں بحالتِ موجودہ مسلمان کو کافر کی میراث لینا جائز ہے،لہذا میں اپنے فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں کہ صورتِ مسئولہ میں زید کو اپنے ہندو باپ کی جائیداد سے حصہ میراث لینا جائز ہے۔اوراس میں کچھ شبہ بھی نہیں جس کی وجہ سے زید کے ذمہ رد یا تصدق واجب ہو بلکہ وہ اس حصہ میراث کو اپنے تصرف میں بلا تکلف لاسکتا ہے۔ والدليل ما فى الشريفية : والثالث اختلاف الدينين فلا يرث الكافر من المسلم إجماعاً ولا المسلم من الكافر على قول على وزيد بن ثابت وعامة الصحابة وإليه ذهب علماؤنا والشافعى لقوله صلى الله عليه وسلم: لا يتوارث أهل ملتين شتى . أخرجه الدارمى وأبوداود ،والشافعى ، و سنده صحيح ، والقياس أن يرث لقوله عليه السلام : الإسلام يعلو ولايعلى وإليه ذهب معاذ بن جبلؓ ومعاوية بن أبي سفيانؓ والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن على بن الحسين ومسروق رحمهم الله ،الخ. (الشريفية ،ص:۱۴)

قلت: روى الشافعيؒ ذلک عن أكثر هولاء المذكورين فى الأم تعليقاً ونقله حجة فإن قيل: هولاء كلهم مقدمون على الأئمة الأربعة المقتدى بأقوالهم والأربعة كلهم متفقون على عدم إرث المسلم من الكافر ولم نعلم أحداً خالفهم من معاصريهم ومن بعدهم

والإجماع اللاحق يرفع الخلاف السابق ، قلنا: كلام الإمام الشافعيؒ فی الأم مشعر بخلاف بعض أهل عصره فی المسألة ، وأخذه بقول معاوية ومعاذ بن جبل رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما وإن سلمنا عدم الخلاف فيما بعدهم فنقول ليس مدار الإفتاء على ذلک بل يجوز للمسلم أن يرث من الكافر بسبب استيلاء الحكومة الكافرة على مال الكافر أولاً ثم دفعها إلى المسلم بقانونها واستيلاء الكافر سبب للملک عندنا واللّٰه أعلم، أو يقال استولى المسلم على مال الكافرة بقوة سلطان أهل الحرب وصار تملكاً له بالاستيلاء ودليل التملک بقوة سلطان أهل الحرب ما ذكر في شرح السير. (امدادالاحکام:۴/ ۶۲۸)۔

وفی الفتاوی الهندية: الباب الخامس في استيلاء الكفار: إذا غلب كفار الترک على كفار الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها فإن غلبنا على الترک حل لنا ما نجده مما أخذوه ...الخ. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۲۴). وكذا فی الدرالمختار: ۴/ ۱۶۰ ،سعيد، والبحر الرائق: ۵/ ۱۰۲ ، ط: دارالمعرفة، وتبيين الحقائق: ۳/ ۲۶۰ ،وفتح القدير: ۶/ ۳).

قاموس الفقہ میں مرقوم ہے:

استیلاء کے معنی غالب آجانے کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں دارالحرب کے کافروں کے مسلمانوں یا کسی دوسری مملکت کے کافروں ہی پر غالب آجانے کو کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل کفر اگر کسی کے مال پر غلبہ حاصل کرلیں تو وہی اس کے مالک قرار پاتے ہیں، اس طرح اگر غیر مسلموں کی ایک مملکت کسی دوسری مملکت کے مال پر غاصبانہ قبضہ کرلے تو وہ اس کی مالک ہوجائے گی اور مسلمانوں کے لیے ان سے ایسی اشیاء کا خریدنا درست ہوگا، اور خریدنے کے بعد وہ اس کے جائز مالک قرار پائیں گے۔ (قاموس الفقہ :۲/ ۱۳۱،۱۳۲)۔

اشراف الاحکام جو امداد الفتاویٰ کا تتمہ ہے اس میں مرقوم ہے:

فرمایا: استیلاء کافر موجبِ ملک ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ بحوالہ ادب الاعلام، ص: ۲۲۰۔
(اشرف الاحکام، ص ۲۳۸، میراث کے احکام، ط: ادارہ اسلامیات، لاہور)۔

حاصل یہ ہے کہ عدمِ توریث کے قول کے مطابق مسلمان نے یہ مال بطورِ وراثت نہیں لیا بلکہ حکومت کے

قانون نے مسلمان کو یہ مال دیدیا۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی صاحب نے اس بارے میں ایک مقالہ لکھا ہے، اس کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے: (في فقه الأقليات المسلمة، مقالة: ميراث المسلم من غير المسلم، ۱۲۶-۱۳۲، دار الشروق). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بعض ورثاء کا بعض اموال پر صلح کرنے کا حکم:

سوال: زید کا انتقال ہوا اور اس کے دو بیٹے تھے، ایک بیٹے نے اس کا مکان، گاڑی اور سامان لے لیا۔ دوسرے بیٹے نے اس کا ایک چھوٹا مکان لے لیا اور مرحوم کا تین لاکھ قرض کسی کمپنی کے ذمہ تھا وہ بھی وصول کرلے گا، یعنی دوسرے بھائی کا جو حصہ قرضہ میں تھا وہ بھی اس کی طرف سے وصول کرلیگا، کیا اس طرح تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو کیوں؟ اور اس کے جواز کی آسان تدبیر کیا ہے؟ جبکہ عام لوگ اس طرح کے معاملات کرتے رہتے ہیں۔ ''ب'' پھر اگر مدیون حالتِ افلاس میں مرگیا تو اب دوسرے بھائی سے اپنا حصہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کوئی وارث تمام ورثاء کے اتفاق سے ترکہ میں سے کسی متعین رقم کے بدلہ میں اپنے حقِ ترکہ سے دست بردار ہوجائے، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں تخارج سے موسوم کیا جاتا ہے۔

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر ترکہ میں قرض اور دیون بھی شامل ہوں اور مصالح دیون اور قرضوں سے صلح کرنا چاہے اس طور پر کہ مصالح کا ان قرضوں اور دیون میں کوئی حصہ نہ ہوگا تو یہ صلح باطل ہے۔

وجہ بطلان یہ ہے کہ اس معاملہ میں تملیک الدین من غیر المدیون ہے جو ناجائز ہے۔ مثلاً زید کے دو بیٹے خالد اور بکر تھے زید کے انتقال کے بعد خالد نے والد کی وراثت میں سے مکان لیا اور بکر نے کار لی اور اس کے ساتھ زید کے کسی کے ذمہ ۵ لاکھ رینڈ تھے وہ بھی بکر کے حصے میں آگئے تو اس صورت میں خالد نے بکر کو ڈھائی لاکھ رینڈ کا مالک بنایا جبکہ بکر مدیون نہیں بلکہ دائن ہے اور چونکہ لوگ اس طرح کے معاملات بکثرت کرتے رہتے ہیں اس لیے فقہاء نے اس معاملہ کی تصحیح کے لیے مختلف حیلے اور تدبیریں کی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ خالد نے ڈھائی لاکھ رینڈ کی تملیک بکر کو کی ہے جس میں تملیک الدین من غیر المدیون

لازم آتا ہے تو صاحبِ فتح القدیر نے لکھا ہے کہ دین کی تملیک غیر مدیون کو دائن کی اجازت سے جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

أجيب بأن هبة الدين من غير من عليه الدين إنما لا يجوز إذا لم يأذن للغير في قبضه ، فأما إذا وهب الدين من آخر وأذن له في قبضه جاز استحساناً . (فتح القدير: ۱۹۰/۷، كتاب الكفالة، ط: دارالفكر). (وكذا فى العناية بهامش فتح القدير: ۱۹۰/۷، والفتاوى الهندية: ۳۸۴/۴، وفتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۶۰۰/۵، ط: بمبئی).

(ب) اگر مدیون حالتِ افلاس میں مر گیا اور ایک بھائی نے اپنا حصہ عین خرید کر دوسرے بھائی کو مدیون کے حوالہ کیا ہو یعنی مدیون نے اپنے دائن کو اپنے مدیون پر حوالہ کیا ہو اور مدیون المدیون کا حالتِ افلاس میں انتقال ہو چکا تو اب دائن اپنا حصہ دین اپنے مدیون یعنی بھائی سے وصول کر سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مرقوم ہے:

فلو سلم له ما قبض ثم توى ما على الغريم له أن يشارك القابض لأنه إنما رضي بالتسليم ليسلم له ما في ذمة الغريم ولم يسلم . (الهداية: ۲۵۴/۳، كتاب الصلح).

یعنی ایک مصالح فریق نے اپنی چیز پر قبضہ کیا اور دوسرے فریق مصالح کا حصہ جو مدیون پر تھا اس کو نہ مل سکا تو یہ پہلے فریق کے ساتھ اس کے وصول شدہ حصہ میں شرکت کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ دوسرا فریق پہلے فریق کو اس چیز کے دینے پر اس لیے راضی ہوا تھا کہ اس کو مدیون سے اپنا حصہ مل جائے اور وہ نہ مل سکا۔

وللاستزادة راجع : (الهداية: ۱۲۹/۳، والعناية ۳۵۰/۶، وبدائع الصنائع: ۱۸/۶، وتبيين الحقائق: ۱۷۲/۴، واحسن الفتاویٰ: ۱۹۴/۷، وجدید معاملات کے شرعی احکام: ۶۹/۲، والدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۳۴۵، سعيد).

نوٹ: یہ مسئلہ ایک طالبِ علم کے سوال کے جواب میں مختلف کتبِ فقہ سے مع اشکالات وجوابات مفصل لکھا گیا تھا، لیکن یہاں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اور تطویل اور قیل وقال سے بچتے ہوئے مختصر جواب پر اکتفا کیا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مکانِ موروث میں بعض ورثاء کے تصرف کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس نے ترکہ میں صرف ایک مکان چھوڑا، اس مکان کی قیمت مرمت سے پہلے تین لاکھ رینڈ تھی، ورثاء میں سے دولڑکوں نے اپنے پیسے کے ذریعہ اس مکان کی مرمت کرائی، اب اس مکان کی قیمت تقریباً ۹ لاکھ ہوگئی، جب یہ مکان فروخت ہوکر شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا تو دونوں بیٹے اپنی خرچ کی ہوئی رقم منہا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر دونوں بیٹوں نے دیگر ورثاء کی اجازت سے مرمت کی تھی تو اپنا تمام خرچہ منہا کر سکتے ہیں، پھر باقی رقم ورثاء میں تقسیم ہوگی، لیکن اگر انہوں نے بلا اجازت اپنی طرف سے خرچہ کیا تھا تو منہا نہیں کر سکتے، مکان کی کل قیمت ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے:

لو تصرف أحد الورثة فی الترکة المشترکة وربح فالربح للمتصرف وحده کذا فی الفتاوی الغیاثیة . (الفتاوی الهندیة: ۳۴۶/۲).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں مرقوم ہے:

إذا أخذ الورثة مقداراً من النقود من الترکة قبل القسمة بدون إذن الآخرین وعمل فیه فخساره یعود علیه ،کما أنه لو ربح لا یأخذ الورثة حصة فیه...أما إذا أعمل المال بإذن فإذا أعمل بشرط أن یکون الربح له خاصة فتکون حصة الورثة الآخرین قرضاً وإذا أعمل علی أن یکون الربح مشترکاً فتکون المعاملة شرکة مضاربة في حصة الورثة ...الخ.

(دررالحکام شرح مجلة الاحکام : ۵۰/۳،ط: دارالکتب العلمیة ،بیروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس نے وہ زمین خریدی ہے اگر اس نے اپنے ہی لیے خریدی ہے تو وہ اسی کی ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، قیمت اگر مشترک روپیہ سے ادا کی ہے تو شرکاء کا روپیہ حسبِ حصص دینا اس کے ذمہ واجب ہے۔

لو تصرف أحد الورثة فی الترکة المشترکة وربح ، فالربح للمتصرف وحده ، کذا فی

الفتاوی الهندية . اگر وہ شرکت کے لیے خریدی ہے تو مشترک ہے، شرکاء قیمت میں بھی شریک ہوں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۰/۲۰، جامعہ فاروقیہ)۔

کفایت المفتی میں مرقوم ہے:

عمرو نے مال مشترک میں تجارت کر کے جو نفع حاصل کیا ہے اور مال بڑھایا ہے وہ سب ورثہ زید پر تقسیم ہوگا، صرف عمرو کا ترکہ نہیں سمجھا جائیگا۔ (کفایت المفتی: ۴۵۰/۱۳، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۳۳۵/۳)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

بچے کے نسب کی نفی کرنے سے میراث کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے صریح الفاظ میں کہا اور لکھا کہ میری بیوی کا بچہ مجھ سے نہیں، زنا سے ہے، اس کے چند سال کے بعد اس آدمی کا انتقال ہوگیا، اب یہ بچہ بغیر لعان کیے ہوئے وارث ہوگا یا نہیں؟ قانون میں تو وارث ہے لیکن شرعاً وارث ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بچے کے نسب کی نفی شریعت میں لعان سے ہوتی ہے یعنی اسلامی حکومت میں لعان ہونے کے بعد قاضی اس بچے کے نسب کو باپ سے ختم کر کے ماں کے ساتھ ملا دیگا، اور باپ کا وارث نہیں ہوگا، لیکن فی زماننا ہمارے ملک میں نہ اسلامی احکام نافذ ہیں اور نہ قانونِ لعان ہے، اور نہ ہی شرعی قاضی ہے، بنابریں صرف باپ کے نفی کرنے سے بچے کا نسب ختم نہیں ہوگا، اور باپ کے انتقال کے بعد بچہ شرعاً اس کا وارث ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وعلى هذا قلنا إن القذف إذا لم ينعقد موجباً للعان أو سقط بعد الوجوب ووجب الحد أو لم يجب أو لم يسقط لكنهما لم يتلاعنا بعد لا ينقطع نسب الولد ، وكذا إذا نفى نسب ولد حرة فصدقته لا ينقطع نسبه لتعذر اللعان لما فيه من التناقض حيث تشهد بالله أنه لمن الكاذبين وقد قالت: إنه صادق وإذا تعذر اللعان تعذر قطع النسب لأنه حكمه ويكون ابنهما لا يصدقان على نفيه لأن النسب قد ثبت والنسب الثابت بالنكاح لاينقطع إلا باللعان

ولـم يـوجد ولا يعتبر تصادقهما على النفى لأن النسب يثبت حقاً للولد وفي تصادقهما على النفى إبطال حق الولد وهذا لا يجوز . (بدائع الصنائع: ۳: ۲۴۶،سعيد).

فتاوی الشامی میں مذکور ہے:

الـفـراش عـلـى أربـع مـراتـب: قوى ، وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعى فإنه فيه لاينتفى إلا باللعان . (فتاوى الشامى: ۳/ ۵۵۰،سعيد).

وفـى الـفتـاوى الهـنـدية: ولثبوت النسب مراتب ثلاث: أحدها بالنكاح الصحيح وما هـو فـي مـعـنـاه مـن الـنكاح الفاسد ، والحكم فيه أنه يثبت من غير دعوى ولا ينتفى بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان فى النكاح الصحيح دون الفاسد كذا فى الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱۱۳/۴).

خیر الفتاویٰ میں شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ قطع نسب کے لیے لعان کے بعد تفریق قاضی شرط ہے، پس صورتِ مسئولہ میں جبکہ لعان بین الزوجین ہوا ہی نہیں تو قاضی صاحب موصوف کا قطع نسب درست نہ ہوا، لہذا بچہ مذکورہ شرعاً اپنے والد کی میراث کا مستحق ہے اور نسب ثابت ہے۔ (خیر الفتاویٰ: ۵/ ۲۹۵، مکتبہ امدادیہ)۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے: عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أن الـنبي صلى الله عليه وسلم لاعـن بين رجل وامرأته فانتفى من ولدها ففرق بينهما وألحق الولد بالمرأة . (صحيح البخارى رقم: ۵۳۱۵، باب يلحق الولد بالملاعنة).

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ لعان کے بعد بھی جب تک قاضی باپ سے بچہ کی نفی کر کے ماں کے ساتھ لاحق نہ کردے وہاں تک بچہ کا نسب باپ سے ختم نہیں ہوسکتا۔ فراشِ صحیح ثبوتِ نسب کے لیے کافی ہے۔ اور جب ثابت النسب ہے تو یقیناً میراث کا مستحق ہے۔

لعان چونکہ مرد کے لیے حدِ قذف اور عورت کے لیے حدِ زنا کا قائم مقام ہے اور حدود وقصاص دار الاسلام میں اسلامی حکومت کا مقرر کردہ قاضی نافذ کرسکتا ہے جماعۃ المسلمین کی طرف سے مقرر شدہ والی اور قاضی یہ کام

نہیں کرسکتا، اس لیے لعان متحقق نہ ہوگا۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ دوم، ص ۵۷۵، ط: دارالاشاعت، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۳۳۸، جامعہ فاروقیہ، وکتاب الفتاویٰ: ۶/ ۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قاتل کو اجرت پر لیکر مورث کو قتل کروانے والے کے لیے میراث کا حکم:

سوال: ایک مسلمان مرد نے عدالت میں یہ اقرار کیا کہ اس نے خود اپنے باپ کے قتل کے لیے منصوبہ بندی کی تھی، اور گھر میں کام کرنے والی کو ایک رقم دیکر کہا کہ کسی کو تلاش کرے، اس عورت نے اپنے دوست کے ذریعہ یہ کام انجام دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لڑکا جس نے خود اپنے ہاتھوں قتل نہیں کیا دوسرے کے ذریعہ قتل کروایا باپ کا وارث بنے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے حرمانِ اِرث کا موجب ایسے قتل کو قرار دیا ہے جس کے سبب قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو، لیکن ایسا قتل جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب نہیں ہوتا وہ حرمانِ اِرث کا موجب نہیں، بنابریں صورتِ مسئولہ میں اجرتی قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے مستاجر پر نہیں تو مستاجر بیٹا میراث سے محروم نہیں ہوگا، ہاں مستاجر بیٹا گنہگار رہوا اور منصوبہ بندی کی وجہ سے مستحق تعزیر ہے، تعزیراً قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو شریفیہ شرح سراجیہ میں مرقوم ہے:

المانع من الإرث أربعة:...والثاني: القتل الذي يتعلق به وجوب القصاص أو الكفارة ... وأما القتل بالسبب دون المباشرة كحافر البئر أو واضع الحجر في غير ملكه ... فلا حرمان عندنا بالقتل في هذه الصور... (الشريفية شرح السراجية، ص۴۷).

قال فی الفتاوی الهندية: لو قال لرجل: اقتل أبي فقتله فعلى القاتل الدية لابنه. (الفتاوى الهندية: ۶/ ۳۰).

(وكذا فی فتاویٰ قاضیخان بهامش الهندية: ۳/ ۴۴۱، والمبسوط للإمام السرخسی: ۲۴/ ۱۶۷، و مجمع الضمانات: ۱/ ۳۹۶، القسم الثانی فی الاجير، ومعين الحكام: ۲/ ۳۷۳، القسم الأول فی القتل).

شرح القواعد الفقهيه میں شیخ احمد زرقا لکھتے ہیں:

إذا اجتمع المباشر للفعل أى الفاعل له بالذات و المتسبب له أى المفضى و الموصل إلى وقوعه يضاف الحكم إلى المباشر لما تقدم فى المادة السابقة من أن الفاعل هو العلة المؤثرة و الأصل فى الأحكام أن تضاف إلى عللها المؤثرة لا إلى أسبابها الموصلة لأن تلك أقوى و أقرب إذ المتسبب هو الذي تخلل بين فعله و الأثر المترتب عليه من تلف أو غيره فعل فاعل مختار و المباشر هو الذى يحصل الأثر بفعله من غير أن يتخلل بينهما فعل فاعل مختار فكان أقرب لإضافة الحكم إليه من المتسبب. (شرح القواعد الفقهية، ص۲۷۸، ط: دار القلم).

مستاجر بیٹے کو سزا دی جائے گی۔ قال فى الهندية: وفي جنايات المنتقى قال أبويوسفؒ قال أبوحنيفةؒ في رجل قمط رجلاً فطرحه قدام سبع فقتله السبع لم يكن على الذى فعل ذلك قود و لا دية لكنه يعزر و يضرب و يحبس حتى يتوب، قال أبويوسفؒ وأما أنافأرى أن يحبس أبداً حتى يموت كذا فى المحيط فى الفصل الثالث عشر. (الفتاوى الهندية: ٦/٦).

قال فى الدر: يكون التعزير بالقتل كمن وجد رجلاً مع امرأة لا تحل له ولو أكرهها فلها قتله ودمه هدر. وفي رد المحتار: رأيت فى الصارم المسلول للحافظ ابن تيمية أن من أصول الحنفية أن ما لا قتل فيه عندهم مثل القتل بالمثقل والجماع في غير القبل إذا تكرر فللإمام أن يقتل فاعله. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶۲/۴، سعيد).

وقال فى الموسوعة الفقهية: وأجاز أبوحنيفةؒ التعزير بالقتل فيما تكرر من الجرائم، إذا كان جنسه يوجب القتل. (الموسوعة الفقهية: ۲۶۳/۱۲، التعزير بالقتل). (وكذا فى البحر الرائق: ۴۵/۵، دار المعرفة، ومجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۳۷۲/۲، ط: بيروت).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

صورتِ مسئولہ میں ضابطہ کے مطابق قصاص اجیر پر آتا ہے، مستاجر پر نہیں آتا ہے، البتہ مستاجر کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۲۲۸/۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم حکومت کے کسی کو اپنے والدین کا قاتل قرار دینے سے میراث کا حکم:

سوال: ایک شخص کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ افواہیں چلائیں، وہ شخص کچھ مدت جیل میں رہا، اس نے حکومتِ وقت سے براءت کی درخواست کی لیکن مسترد کردی گئی، پھر حکومت نے محض قرائن کی وجہ سے والدین کے قاتل ہونے کا فیصلہ کردیا، اور ۲۲ سال کی جیل کی سزا نافذ کردی، اب چونکہ صحیح صورتِ حال معلوم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ تو کیا عدالتی فیصلہ کو بنیاد بناپر اس شخص کو اپنے والدین کی میراث سے محروم رکھا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ وہ شخص قتل سے انکاری ہے اور کہتا ہے کہ والدہ نے والد یعنی بیوی نے شوہر کو قتل کیا اور پھر بیوی نے خودکشی کرلی۔ بینواتوجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں قتل کے ثبوت کے لیے دو گواہ کا ہونا یا اس کا اقرار کرنا ضروری ہے حجتِ شرعیہ کے بغیر قتل ثابت نہیں ہوگا، بصورتِ مسئولہ شخص مذکور نے نہ تو اقرار کیا ہے اور نہ اس کے خلاف دو گواہ موجود ہیں، عدالت نے محض قرائن کی بنیاد پر بیٹے کو قاتل قرار دیدیا، شریعت کی نظر میں وہ قرائن بظاہر قتل کے ثبوت کے لیے ناکافی ہیں۔ پھر فقہاء نے میراث سے محرومی کا سبب ایسے قتل کو قرار دیا ہے جس کی وجہ سے قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو۔ اور صورتِ مسئولہ میں غیر مسلم حکومت نے قصاص کا حکم نافذ نہیں کیا لہذا شخص مذکور اپنے والدین کی میراث کا مستحق ہے۔

قال العلامة السرخسيؒ: ...وحاصل المسألة على أربعة أوجه: أحدها إذا عاين قتله والثاني: إذا أقر عنده أنه قتله فهذا ومعاينة القتل سواء لأن الإقرار موجب بنفسه حتى لا يملک المقر الرجوع عن إقراره فهذا ومعاينة السبب سواء والثالث: أن يقيم البينة بأنه قتل أباه فيقضي له القاضي بالقود فهو في سعة من قتله لأن قضاء القاضي ملزم فيثبت به السبب المطلق لاستيفاء القود له والرابع أن يشهد عنده شاهدا عدل أن هذا الرجل قتل أباه فليس له أن يقتله بشهادة لأن الشهادة لا توجب الحق مالم يتصل بها قضاء القاضي فلا يتقرر عنده السبب المطلق لاستيفاء القود بمجرد الشهادة مالم ينضم إليه القضاء ...الخ.

(المبسوط: ۱۰/ ۱۲/ ۳۱، ط: بیروت). و ینظر : (فتاوی الشامی: ۶/ ۷۶۷، سعید).

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ قتل ثابت کرنے کے لیے دو عادل عینی گواہ قاضی کے سامنے گواہی دے اور قاضی اس پر فیصلہ کردے، یا قاتل خود قتل کا اقرار کرے۔ اِن کے علاوہ قرائنِ محضہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا۔ اور جب بیٹا والدین کا قاتل ثابت نہیں ہوا تو میراث سے محروم بھی نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عصبات کے غیر متناہی ہونے کی تحقیق:

سوال: کیا عصبات کا سلسلہ اولاد عم الجد پر ختم ہوتا ہے یا آگے تک چلتا ہے؟ یعنی عم الجد اور ان کی اولاد پھر عم اب الجد اور عم جد الجد پھر ان کی اولاد تک یہ سلسلہ جاتا ہے؟ اگر یہ سلسلہ آگے تک جاتا ہے تو پھر سراجی وغیرہ میں صرف عم الجد تک کا سلسلہ کیوں رکھا گیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عصبات کا سلسلہ اولاد عم الجد پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ آگے تک سلسلہ چلتا ہے یعنی عم اب الجد اور ان کی اولاد پھر عم جد الجد تا آخر سلسلہ۔ فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

أقربهم الابن ثم ابن الابن وإن سفل... وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا وأولادهم الذكران وإن سفلوا . (الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ۶/ ۴۵۶).

(وكذا في لسان الحكام في معرفة الاحكام لابن الشحنة الحلبي ، ص ۴۲۶، ط: دار الفكر).

احسن الفتاویٰ میں تفصیلی فتویٰ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

سلسلہ عصبات عم الجد پر ختم نہیں ہوتا، بزازیہ میں ہے: **وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا وأولادهم الذكران وإن سفلوا** ، اور معین الحکام کے حاشیہ پر لسان الحکام میں بھی " **وإن علوا** " کی تصریح موجود ہے، عام کتب میں اس کی تصریح نہ کرنے وجہ یہ ہے کہ پہلے مراتب میں بار بار عموم کی تصریح کی جاچکی تو اب ہر مرتبہ میں اس کی ضرورت نہ رہی بلکہ علی سبیل المقایسہ فہمِ مخاطب پر چھوڑ دیا گیا اور بعض مصنفین نے احتیاطاً ذکر بھی کردیا۔ چونکہ وراثت کا مدار ثبوتِ نسب پر ہے اس لیے اگر کوئی شخص اپنا سلسلہ نسب اپنے اباء کے اسماء سے میت کے کسی جد تک ثابت کردے تو وارث ہوگا۔ والا فلا محض شرکت فی النسب مبہم طور پر کافی نہیں۔ کیونکہ ابہام

کی حالت میں عصبات کے قرب وبعد کا پتا چلنا محال ہے، اور بلالحاظ قرب وبعد ساری دنیا پر میراث تقسیم کرنا بھی محال، اور امر محال کو مستلزم قول باطل ہے، پس ذوی الارحام اور اصنافِ متأخرہ کی توریث پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ عمومة الاجداد میں وإن علــوا کا عموم کتب بالا میں مصرح ہے۔ حضراتِ فقہائے کرامؒ کے جزء الجد کے بعد عم الاب وعم الجد کو مستقل ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصبات کی توریث میں تین قسم کی ترتیب ملحوظ ہے، پہلے ترتیب فی الجہة، پھر ترتیب فی الدرجہ، پھر ترتیب فی القوۃ والضعف، جزء الجد کے مرتبہ میں یہ وہم ہوتا تھا کہ عم اور عم الاب و عم الجد وغیرہ ایک ہی صنف ہیں اور متساوی فی الجہة ہیں، اس وہم کے دفعیہ کے لیے ثم عم الاب ثم عم الجد کا اضافہ کیا گیا، تاکہ ان میں اختلافِ جہت اور ہر ایک کا علیحدہ صنف ہونا ظاہر ہو جائے، لہذا ابن ابن العم کی موجودگی میں عم الاب محروم ہوگا۔ کیونکہ جہت میں متأخر ہے، اگر ان سب کو ایک ہی جہت سمجھا جاتا تو معاملہ برعکس ہوتا، کیونکہ اتحادِ صنف کے بعد اقرب فی الدرجہ مقدم ہوتا ہے اور عم الاب اس لحاظ سے اقرب ہے۔

غرضیکہ اس اضافہ سے حضراتِ فقہائے کرامؒ کا مقصد سلسلہ عصبات کو ختم کرنا نہیں بلکہ میت کے ہر درجہ کے اب کی اولاد ذکور کو مستقل صنف اور مختلف الجہہ ظاہر کرنا مطلوب ہے، مراتبِ غیر محصورہ میں سے دو تین مراتب کو ذکر کر کے عموم وشمول مراد لینا اور بقیہ کو علی سبیل المقایسہ فہمِ مخاطب کے اعتماد پر چھوڑ دینا عام طور پر شائع و ذائع ہے، واللہ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/ ۴۴۵۔۴۴۷ ضمیمہ ثالث، ط: سعید)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی پہلی رائے یہ تھی کہ عصبات اولادِ عم الجد تا آخر سلسلہ پر ختم ہو جاتے ہیں، پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔ مرجوح قول امداد الفتاویٰ: ۴/ ۳۴۳، پر مذکور ہے، اور اس کے حاشیہ میں یہ عبارت مرقوم ہے: اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا ہے جس کی تفصیل کتاب میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ: ۴/ ۳۴۴)۔

نوٹ: اشرف الاحکام جو امداد الفتاویٰ کا تتمہ ہے اس میں بھی یہ مسئلہ نہیں مل سکا۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حضرت تھانویؒ نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا تھا۔ صحیح وہی ہے جس کو حضرت مولانا اصغر حسین صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ الجامع الوجیز میں اس کی تصریح ہے، جس وقت کسی عصبہ کی تحقیق نہ ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ

ملے گا...۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۰/۴۲۰، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحبؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

مفید الوارثین میں لکھتے ہیں: درجہ دوم عصبات کا بیان یہاں تک ختم کر دیا گیا، اسی طرح پانچویں چھٹی پشت تک لکڑ دادا اور پکڑ دادا تک اور پھر اس سے اوپر تک سلسلہ چل سکتا ہے جب تک ان میں سے کوئی بھی موجود ہوگا، خواہ کتنی ہی دور کی پشت کا ہو درجہ سوم کے عصبات ہرگز وارث نہ ہوں گے۔(مفید الوارثین، ص۱۴۱، پانچواں باب عصبات کا بیان، ط: ادارہ اسلامیات، لاہور)۔

سراجی میں ہے:

العصبات النسبية ثلاثة: عصبة بنفسه، وعصبة بغيره، وعصبة مع غيره، أما العصبة بنفسه: فكل ذكر لا تدخل في نسبته أنثى، وهم أربعة أصناف: جزء الميت، وأصله، وجزء أبيه، وجزء جده، الأقرب فالأقرب، يرجحون بقرب الدرجة...ثم جزء جده أى الأعمام ثم بنوهم وإن سفلوا ثم يرجحون بقوة القرابة، أعني به، أن ذا القرابتين أولى من ذى قرابة واحدة، ذكراً كان أو أنثى ...وكذلك الحكم في أعمام الميت، ثم في أعمام أبيه، ثم في أعمام جده. (السراجى فى الميراث، ص ۳۵. ۳۸، ط: مكتبة البشرى).

وقال العلامة نظام الدين الكيرانوى في حاشية السراجي: جزء جده: أى الأعمام، ثم عم الأب ثم عم الجد، ثم أبيه كذلك وإن سفل...فظهر أن جهات العصبة بنفسه أربعة ... والرابعة ـ العمومة له أو لأبيه أو لجده وإن علا، وكذا بنوهم. (حاشية السراجى المسمى بدليل الوراث، ص ۳۷). (وکذا فی امداد الاحکام:۴/۶۱۱)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مرتد کے مال کا حکم:

سوال: ایک آدمی نعوذ باللہ اسلام سے مرتد ہوگیا، مرتد ہونے کے بعد اس نے خوب مال کمایا، شادی نہیں کی تھی، ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا، اس کے تین بھائی مسلمان ہیں، کیا یہ بھائی شرعاً اس کے وارث ہوں

گے یا نہیں؟ جبکہ غیر مسلم ممالک میں قانوناً وارث ہیں؛ لیکن شرعاً وارث ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مرتد کے مال کے بارے میں فقہاء کے یہاں تھوڑا سا اختلاف ہے؛ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ ارتداد میں کمایا ہوا مال مسلمان کو نہیں ملے گا بلکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک مسلمان ورثاء کو ملے گا، اکثر حضرات نے امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، لیکن فی زمانا بیت المال کا نظام نہ ہونے کی بنا پر زمانہ حال کے علماء نے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ ایک جانب ہوں اور صاحبینؒ دوسری جانب، تو صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جبکہ مذکورہ بالا مسئلہ میں مصلحت اور ضرورت ہے ورنہ غیر مسلم حکومت مال کو ضبط کر لے گی۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

وإن مات أو قتل على ردته انتقل ما اكتسبه في إسلامه إلى ورثته المسلمين وكان ما اكتسبه في حال ردته فيئاً، وهذا عند أبي حنيفةؒ، وقال أبويوسفؒ ومحمدؒ: كلاهما لورثته.
(الهداية: ۲/ ۶۰۱، مكتبة شركة علمية).

وقال فى السراجية: إذا مات المرتد على ارتداده أوقتل أو لحق بدارالحرب وحكم القاضي بلحاقه فما اكتسبه في حال إسلامه فهو لورثته المسلمين، وما اكتسبه في حال ردته يوضع في بيت المال عند أبي حنيفةؒ، وعندهما الكسبان جميعاً لورثته المسلمين.
(السراجى، ص ۵۸، ط: قديمى كتب خانه).

درجِ ذیل کتب میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو: (القول الراجح: ۱/ ۴۹۸، وقاموس الفقہ: ۲/ ۵۷، وطرازی شرح سراجی ص ۲۸۹، ومجموعہ قوانین اسلامی ص ۲۹۲)۔

بعض کتبِ فقہ کی عبارات سے صاحبینؒ کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الشيخ الصابوني: وعند الأحناف: مال المرتد يكون ميراثاً لورثته المسلمين، وهذا الرأي مروي عن أبي بكر وعلي وابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم، ولعله الأرجح لعدم وجود بيت مال للمسلمين منتظم، في هذا الزمان. (المواريث فى الشريعة الاسلامية فى

ضوء الكتاب والسنة ،ص ۴۴).

قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: والمرتد لا يرث وترثه ورثته المسلمون. (الاشباه والنظائر: ۴۹۶/۲). **وفی البحرالرائق: والمسلم يرث المرتد.** (البحرالرائق: ۱۴۶/۵،دارالمعرفة).

قال الشيخ دعيج المطيرى: وقد أخذ القانون الكويتى بمذهب أبي يوسف ومحمد بن الحسن ، وذكر ذلک فی نص المادة (۲۹۴) فقرة (ب): مال المرتد قبل الردة أو بعدها يكون لورثته المسلمين عند موته ، فإن لم يكن له ورثة من المسلمين، يكون ماله للخزانة العامة. (أحكام الميراث،ص ۲۱).

قال عبد اللّٰه هجدونمز: ولا يرث المرتد من المسلم ولا من الكافر أصلاً، أما المسلم فيرث من المرتد عندنا. (تطبيق الفرائض على مذهب النعمان بن ثابت ،ص ۸).

مفتی صابرعلی امروہی لکھتے ہیں: صاحبینؒ کا یہ قول ہے کہ دونوں حالتوں کا مال اس کے مسلمان وارثوں پر تقسیم کیا جائے ،اوراس زمانہ میں بیت المال نہ ہونے پراسی قول پرفتویٰ ہے۔(مشکوٰۃ السراج،ص ۳۲۸)۔

امام صاحب ایک طرف اورصاحبین دوسری طرف ہوں تو مفتی کواختیار رہے۔

قال في رسم المفتي:

وقيل: بالتخيير في فتواه ۞ إن خالف الإمامَ صاحباه

وقيل: إذا كان أبوحنيفةؒ في جانب، وصاحباه في جانب، فالمفتي بالخيار . (شرح عقود رسم المفتی،ص ۳۷،۳۸،ط: مکتبة البشریٰ). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بیت المال منظّم نہ ہونے کی وجہ سے زوجین پر رد کا حکم:

سوال: الف؛اس زمانہ میں بیت المال کا نظام نہیں ہے تو زوجین پر رد ہوگا یانہیں؟ ب؛ نیزاگرکسی کا انتقال ہوجائے اوراس کی بیوی اور بھانجی موجود ہوں تو شرعاً اس کی بیوی کوایک چوتھائی ملے گا اور بقیہ تین حصے بیوی کوبطورِردملیں گے یابھانجی کوذوی الارحام کےطور پرملیں گے؟ بینواتوجروا۔

الجواب: الف؛ مذہبِ احناف میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ذوی الفروض نسبیہ پر رد ہوگا اور ذوی الفروض سببیہ یعنی زوجین پر رد نہیں ہوگا، لیکن موجودہ زمانہ میں بیت المال منظّم نہ ہونے کی بنا بر مفتیٰ بہ قول کے مطابق زوجین پر رد ہوگا۔ (ب) بصورتِ مسئولہ چونکہ بھانجی ذوی الارحام میں سے ہے اور ذوی الارحام بیت المال پر مقدم ہے لہذا مسئلہ بالا میں زوجہ کو ایک چوتھائی اور بقیہ تین حصے بھانجی کو دیے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی القنية: ويفتى بالرد على الزوجين في زماننا لفساد بيت المال و فی الزيلعی عن النهاية ما فضل عن فرض أحد الزوجين يرد عليه...وقال فی المستصفى: والفتوى اليوم بالرد على الزوجين وقال المحقق أحمد بن يحيى بن سعد التفتازاني: أفتى كثير من المشايخ بالرد عليهما إذا لم يكن من الأقارب سواهما لفساد الإمام وظلم الحكام في هذه الأيام بل يفتى بتوريث بنات المعتق وذوى أرحامه...أبو السعود عن شرح السراجية للكازروني، قلت: وفي معراج الدراية شرح الهداية:...الفاضل عن فرض أحد الزوجين يدفع إليه بالرد...وبه يفتى لعدم بيت المال...لكن لا يخفى أن المتون موضوعة لنقل ما هو المذهب وهذه المسألة مما أفتى به المتأخرون على خلاف أصل المذهب للعلة المذكورة ...الخ . (فتاوى الشامى: ٦/٧٨٨،سعيد).

توضيح الفرائض السراجيه میں مذکور ہے:

وما فضل عن فرض ذوى الأرحام ولا مستحق له يرد على ذوى الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين فإنه لارد عليهما نعم إذا لم يكن من ذوى الفروض النسبية ولا من ذوى الأرحام أحد فيرد عليهما وهو المفتى به لفساد بيت المال في زماننا. (توضيح الفرائض السراجية، ۴۵).

معین الفرائض میں ہے: اگر ذوی الفروض میں سے صرف سببی (زوجین) میں سے کوئی موجود ہو تو اس کے حصے سے جو مال باقی بچے اور کسی قسم کا عصبہ موجود نہ ہو تو اس باقی ماندہ حصے کے مستحق بھی یہی ذوی الارحام

ہوں گے۔ (معین الفرائض، ص ۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سراجی کے بعض حواشی کے اشعار کی تحقیق:

سوال: سراجی کے بعض حواشی پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں:

شخصے بسفر رفت ازو ماند بسے مال ۞ وارث دو نفر داشت یکے عم و دِگر خال
خالش پسرِ عم وعمش پسرِ خال ۞ اے مفتی آفاق چہ فتویٰ است دریں حال؟

یعنی ایک شخص سفر میں چلا گیا (انتقال ہو گیا) اپنے پیچھے بہت سارا مال چھوڑا، اس کے دو وارث ہیں، ایک چچا اور دوسرا ماموں، اس کا ماموں اس کا چچازاد بھائی ہے اور اس کا چچا اس کا ماموں زاد بھائی ہے، اے مفتی آفاق! اس صورت میں کیا فتویٰ ہے؟ یعنی شرعاً اس کے مال کا مستحق کون ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مثلاً: احمد بن عمرو نے اپنی چچی فاطمہ سے نکاح کیا، جس سے عبدالقیوم پیدا ہوا، اور کریم نے بھی اپنی چچی حبیبہ سے نکاح کیا جس سے قاسم پیدا ہوا۔ اور محمود نے اپنی چچازاد بہن سے نکاح کیا جس سے عبدالصبور پیدا ہوا، پھر عبدالصبور بن محمود کا انتقال ہوا تو عبدالقیوم اس کا خال اور پسر عم ہے، خال اس لیے کہ عبدالصبور کی ماں زینب ہے، اور عبدالقیوم اور زینب ماں شریک ہیں، دونوں کی ماں فاطمہ ہے، اور پسر عم ہونا تو ظاہر ہے۔ اور قاسم اس کا اخیافی عم اور پسرِ خال ہے، عمِ اخیافی اس لیے کہ عبدالصبور کا باپ محمود اور قاسم ماں شریک ہیں، دونوں کی ماں حبیبہ ہے، اور پسرِ خال اس لیے کہ عبدالصبور کی ماں زینب بنتِ فاطمہ اور قاسم کا باپ کریم بن فاطمہ ہے، تو قاسم کا باپ عبدالصبور کا خال اور قاسم پسرِ خال بن گیا۔

اب اس صورت میں عبدالقیوم وارث ہے، کیونکہ پسرِ عم عیانی ہے اگر چہ خال بھی ہے، اور قاسم محروم ہے، اس لیے کہ وہ عمِ اخیافی اور خال ہے، اور ذوی الارحام میں سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرابت ورشتہ داری کی وضاحت درجِ ذیل نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں:
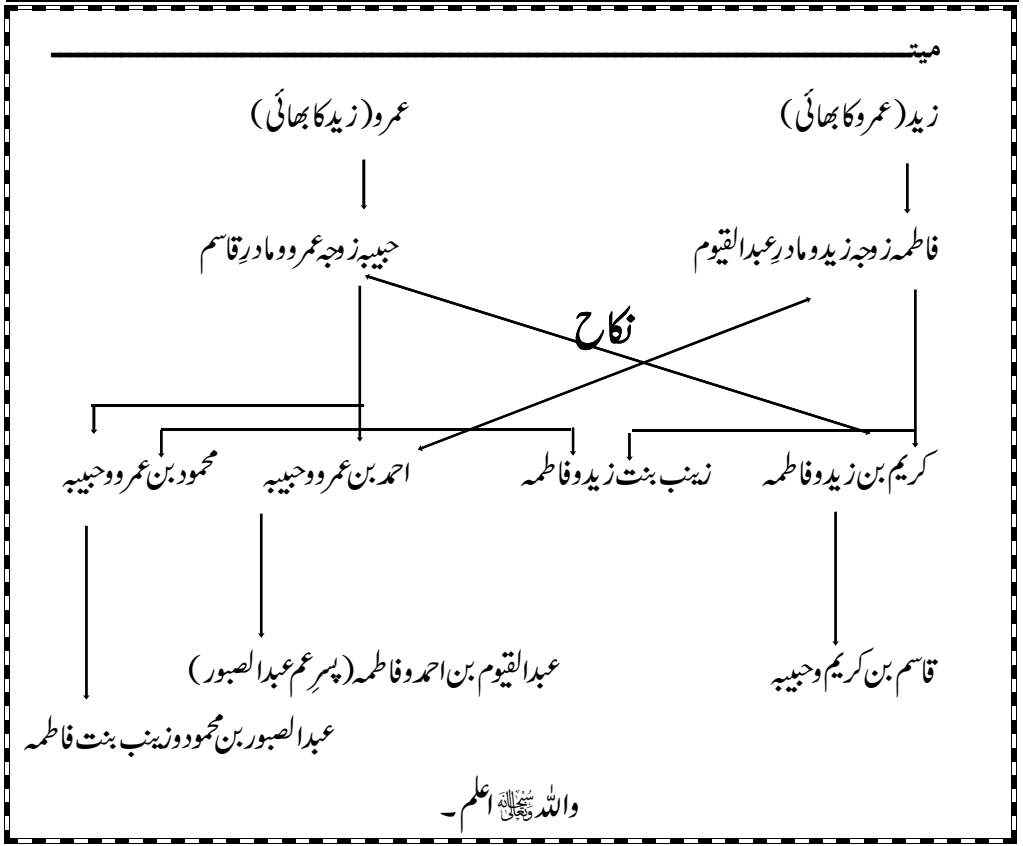
ورثاء کا آپس میں تراضی سے تقسیم کرنے کا حکم:

سوال: اگر ورثاء آپس میں رضا مندی سے میت کی جائیداد میں سے کچھ لینے پر اتفاق کریں، مثلاً: ایک وارث ایک چیز دوسرا دوسری چیز لے اور اس طرح تقسیم کرلیں تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ورثاء کا آپس کی رضا مندی سے اس طرح تقسیم کرنا کہ ایک وارث ایک چیز لے لے اور دوسرا دوسری شئی بالکل جائز اور درست ہے، جبکہ ان میں کوئی نابالغ اور مجنون وغیرہ نہ ہو۔

قال في خلاصة الفتاویٰ: ولو كان في الميراث رقيق وغنم وثياب فقسموا و أخذ بعضهم الرقيق وبعضهم الغنم جاز بالتراضي. (خلاصة الفتاویٰ: ۴/۲۱۰، ط: رشيديه).

وفي الفتاوى الهندية: ولو صالح عن نصيبه من العروض والعقار خاصة أو عن بعض الأعيان دون البعض جاز هكذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية: ۲۶۸/۴). واللہ ﷻ اعلم۔

پراویڈنٹ فنڈ میں میراث کا حکم:

سوال: اگر کسی کی تنخواہ سے رقم کٹتی ہے زبردستی یا اختیاری پھر حکومت یا کمپنی اس کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ رقم ملاتی ہے اور وہ شخص اس کو بیوی یا کسی اور کے نام کر لیتا ہے تو وہ اس نامزد آدمی کی ہوگی یا سب وارثوں میں تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم میت کا حق ہے لہذا یہ رقم تمام ورثاء میں حسبِ سہامِ شرعی تقسیم ہوگی۔ کسی کے نامزد کرنے سے وہ شخص اس کا مالک نہیں بنے گا۔

ملاحظہ ہو قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں:

پراویڈنٹ فنڈ، لائف انشورنس، کوآپریٹو سوسائٹی جیسے معاملات میں ان کے ضوابط کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنی رقم کے لیے دوسرے کو نامزد کر دیا تو نامزد شخص خواہ وارث ہو یا غیر وارث، اس کی حیثیت نہ موصی لہ کی ہوگی اور نہ موہوب لہ کی، بلکہ صرف امین کی ہوگی، لہذا نامزد کرنے والے شخص کی جمع کردہ اور وضع شدہ رقم اس کی موت کے بعد حسبِ سہامِ شرعی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۵۵، دفعہ ۱۰)۔

پراویڈنٹ فنڈ جبری اور اختیاری دونوں کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۴۶۴/۵ تا ۴۶۶، پر گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ نیز میت کے حقوق میں میراث کی وضاحت بھی پنشن فنڈ کے تحت گزر چکی ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

جبری پنشن فنڈ میں میراث کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا، وہ سرکاری اسکول میں معلّمہ تھی، اور اس کی تنخواہ میں سے بطورِ پنشن فنڈ کے ماہانہ کچھ کٹوتی ہوتی تھی، اب حکومت اس کے ورثاء کو پنشن فنڈ میں سے دینا چاہتی ہے اس طور پر کہ ایک

ثلث میں سے اولاد اور شوہر کو برابر کا حصہ ملے گا، نیز شوہر کو بقیہ دو ثلث میں سے ماہانہ کچھ رقم ملتی رہے گی جب تک وہ زندہ رہے، اب پنشن فنڈ کی یہ رقم ورثاء کے درمیان کیسے تقسیم کی جائے گی۔ جبکہ مرحومہ کے والدین، شوہر، چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پنشن فنڈ کی جو رقم حکومت ادا کرے گی وہ مرحومہ کے ترکہ میں شمار ہوگی اور دیگر اموال کے ساتھ حسبِ سہامِ شرعی تمام ورثاء میں تقسیم ہوگی، حکومت جس شخص کو نامزد کردے فقط وہ شخص اس رقم کا شرعی مالک نہیں کہلائے گا، کیونکہ یہ مرحومہ کا حق ہے اور میت کے حقوق بھی ترکہ میں شامل کیے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو نظام الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

سوال: زید اپنی کمپنی کے تنخواہ دار مینیجنگ ڈائرکٹر تھے جن کی تنخواہ میں سے باقاعدہ کمپنی کے قانون کے تحت ہر ماہ کچھ فنڈ کٹ کر جمع ہوتا تھا اس جمع شدہ رقم کا بھی نامزد وارث بڑے لڑکے کو کیا یہ از روئے شرع کیسا ہے؟ الجواب: فنڈ کی رقم کا بھی یہی حکم ہے کہ قانون کی رو سے مورث نے جس کو وارث نامزد کیا ہے صرف وہی مستحق نہ ہوگا، بلکہ تمام ورثاء شرعی حسبِ تخریج شرعی مستحق ہوں گے ...نیز فنڈ میں اپنی تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم سے زائد رقم جس کو محکمہ اپنی طرف سے ملاتا ہے یا اضافہ کر کے خود دیتا ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ یہ زائد رقم بھی ملازم کا ترکہ شمار ہو کر حسبِ تخریج شرعی مثل اصل رقم کے تمام ورثاء شرعی پر تقسیم ہوگی۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ، جلدِ دوم، ص ۲۷۰، ۲۷۱، ط: قاضی پبلشرز)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

پراویڈنٹ فنڈ، لائف انشورنس، کوآپریٹو سوسائٹی جیسے معاملات میں ان کے ضوابط کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنی رقم کے لیے دوسرے کو نامزد کردیا تو نامزد شخص خواہ وارث ہو یا غیر وارث، اس کی حیثیت نہ موصی لہ کی ہوگی اور نہ موہوب لہ کی، بلکہ صرف امین کی ہوگی، لہذا نامزد کرنے والے شخص کی جمع کردہ اور وضع شدہ رقم اس کی موت کے بعد حسبِ سہامِ شرعی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۵۵، دفعہ ۱۰)۔

پنشن فنڈ میت کا حق ہے اور حقوق میں وراثت کا جاری ہونا احادیث سے ثابت ہے؛ مثلاً: اگر کسی مسلمان کو کسی مسلمان نے غلطی سے قتل کردیا اور دیت لازم ہوئی تو یہ میت کا حق ہے اور اس میں وراثت جاری

ہوگی، اسی طرح اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دیا اور مقتول کے ورثاء سے صلح ہوگئی تو صلح میں لازم شدہ رقم میت کے حقوق میں سے ہے لہذا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی۔ دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الإمام مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: اقتتلت امرأتان من هذيل فرمت إحداهما الأخرى بحجر فقتلتها وما في بطنها فاختصموا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن دية جنينها غرة عبد أو وليدة وقضى بدية المرأة على عاقلتها وورثها ولدها ومن معهم...الخ. (صحيح مسلم ،رقم: ۱۶۸۱، باب دية الجنين).

فتاوى الشامی میں ہے:

أن الإرث يجري فی الأعيان المالية ، أما الحقوق فمنها ما يورث كحق حبس المبيع وحبس الرهن ، ومنها ما لا يورث كحق الشفعة وخيار الشرط. (فتاوى الشامی: ۶/۷۶۲، سعيد، وكذا ۴/۵۳۵،سعيد).

شریفیہ شرح السراجیہ میں ہے:

و اعلم أن دية المقتول خطأ كسائر أمواله حتى يقضى منها ديونه وتنفذ وصاياه و يرثها كل من يرث سائر أمواله ، وقال مالک: لا يرث الزوجان من الدية لانقطاع الزوجية بالموت ولا وجوب للدية إلا بعده ، ولنا أنه صلى الله عليه وسلم أمر بتوريث امرأة أشيم الضبابي من عقد زوجها، وقال الزهري: كان قتل أشيم خطأ ، وكذا يثبت عندنا حق الزوجين فی القصاص لقوله صلى الله عليه وسلم: من ترک مالاً أو حقاً فلورثته ، ولا ننكر أن القصاص حقه؛ لأنه بدل نفسه فيستحق جميع الورثة بحسب إرثهم كالدية...هكذا ذكره الإمام السرخسي في شرح كتاب الديات . (الشريفية شرح السراجية،ص ۴۹،ط: الرياض).

وللاستزادة انظر: (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۴/۳۶۵،ومجمع الانهر : ۲/ ۴۰۱، وفتاوى الشامی: ۴/۷۱۵،سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: مرحوم ریلوے کے کارخانہ کے ملازم تھے، پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے تنخواہ کا ایک جز ہر ماہ وضع ہوکر جمع ہوتا رہتا تھا...بصورتِ انتقال ملازم اس شخص کو ملتی ہے جسے وہ نامزد کردیا جائے؟

جواب: مرحوم کی تنخواہ سے وضع ہوکر جمع شدہ رقم بھی مرحوم کا ترکہ ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۰/۲۴۴، جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرحومہ کا کل ترکہ بشمولِ پنشن فنڈ میں سے اگر مرحومہ کا کوئی قرض ہوتو ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کے ثلث میں وصیت ہوتو اس کو نافذ کیا جائیگا، پھر مابقی کے ۲۴ حصے کیے جائیں گے، ان میں سے شوہر کو ۶، والد کو ۴، والدہ کو ۴، اور ہر بیٹے کو ۲، اور ہر بیٹی کو ا حصہ دیا جائیگا۔

بعض مفتی حضرات نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ حقانیہ میں مرقوم ہے: سوال: جناب مفتی صاحب! یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوگیا ہے جو کہ فوج میں ملازم تھا اس نے اپنی پنشن بیوی کے نام پر اس عنوان سے کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری پنشن میری بیوہ کو دی جائے، اب اس کی وفات کے بعد اس کے دوسرے ورثاء پنشن میں وراثت کا دعویٰ کرتے ہیں، تو کیا مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر ورثاء کا بھی پنشن میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب: پنشن کا وظیفہ مالِ مملوکہ نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے ایک عطیہ ہوتا ہے بنابریں یہ وظیفہ تقسیم میراث سے مستثنیٰ ہوگا، سرکار جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ مرحوم کے کاغذات اس کی بیوہ کے نام ہیں اور سرکار بھی اس پر راضی ہے اس لیے یہ پنشن صرف بیوہ کا حق ہے۔

لما قال الشيخ أشرف علي التهانويؒ: چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع و احسان سرکار کا ہے، بدونِ قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے تقسیم کردے۔الخ (امداد الفتاویٰ:۳۴۲، کتاب الفرائض)۔ (فتاویٰ حقانیہ:۶/۵۴۱، وامداد الفتاویٰ:۴/۳۴۲، واحسن الفتاویٰ:۹/۳۰۲)۔

لیکن پنشن کے بارے میں ہم نے دلائل کی روشنی میں لکھا ہے کہ یہ میت کا حق ہے اس لیے اس میں وراثت جاری ہوگی، ہمارے نزدیک وراثت جاری ہونے کا قول راجح ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زانی باپ سے میراث کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، اور تین بچے پیدا ہوئے، پھر اس نے اپنی چھوٹی سالی سے ناجائز تعلقات قائم کیے جس کے نتیجہ میں دو تین بچے پیدا ہوئے، پھر بیوی کو طلاق دیکر اس کے ساتھ نکاح کر لیا، اب اس کا انتقال ہو گیا تو ان اِولا دالزنا کو میراث ملے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اولا دالزنا کو اپنے باپ سے کچھ حصہ نہیں ملے گا، ہاں ماں سے میراث ملے گی۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں مرقوم ہے:

ويرث ولد الزنا واللعان بجهة الأم فقط ، لأن نسبه من جهة الأب منقطع فلا يرث به و من جهة الأم ثابت فيرث به أمه وأخته من الأم بالفرض لا غير وكذا ترثه أمه فرضاً لا غير.
(تكملة البحر الرائق: ۸/۵۰۲).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية: ۶/۴۵۲، والدر المختار مع فتاوى الشامي: ۷/۳۶۹، سعيد، ومجمع الانهر: ۲/۷۵۴، وفتاویٰ دار العلوم زکریا، جلد چہارم، ص ۳۳۱۔ ط: زمزم)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ایکسیڈنٹ کے حادثہ میں مرحوم کے ورثاء کو ملنے والی رقم کا حکم:

سوال: ایک شخص کو ایک گاڑی والے نے ٹکر ماری جس کی وجہ سے گر گیا اور دماغ میں چوٹ آئی، چند دن ہسپتال میں رہا پھر اس کا انتقال ہو گیا، اب روڈ فنڈ والے اس مرحوم کے ورثاء کو کچھ پیسہ دینا چاہتے ہیں تو کیا ورثاء کے لیے یہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو اس پیسہ کا حقدار کون ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ روڈ فنڈ کی طرف سے ملنے والی رقم کا لینا جائز اور درست ہے اور یہ رقم مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام شرعی ورثاء کے درمیان حسبِ سہام شرعی تقسیم ہوگی۔

ملاحظہ ہو شریفیہ شرح السراجیہ میں ہے:

واعلم أن دية المقتول خطأً كسائر أمواله حتى يقضى منها ديونه وتنفذ وصاياه و

یرثها كل من يرث سائر أمواله ، وقال مالک: لا يرث الزوجان من الدية لانقطاع الزوجية بالموت ولا وجوب للدية إلا بعده ، ولنا أنه صلى الله عليه وسلم أمر بتوريث امرأة أشيم الضبابي من عقد زوجها، وقال الزهري: كان قتل أشيم خطأ ، وكذا يثبت عندنا حق الزوجين في القصاص لقوله صلى الله عليه وسلم: من ترک مالاً أو حقاً فلورثته ، ولا ننكر أن القصاص حقه ؛ لأنه بدل نفسه فيستحق جميع الورثة بحسب إرثهم كالدية...هكذا ذكره الإمام السرخسي في شرح كتاب الديات . (الشريفية شرح السراجية،ص ۴۹،ط: الرياض).

فتاویٰ شامی میں ہے: لأن الإرث يجري فی الأعيان المالية . (فتاوى الشامي: ۶/۷۶۲،سعيد).

وللاستزادة انظر: (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۴/۳۶۵،ومجمع الانهر: ۲/۴۰۱، وفتاوى الشامي: ۴/۵۱۷،سعيد، والفتاوى التاتارخانية: ۲۰/۲۱۳، والفتاوى الهندية: ۶/۷).

فتاویٰ قاسمیہ میں مرقوم ہے:

ایکسیڈنٹ میں مرنے والے کے پسماندگان کوحکومت کی طرف سے جورقم ملنے والی ہے، وہ دیت کے حکم میں ہوکرتمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے طور پر تقسیم ہوگی ،لہٰذااس رقم کے حصول کی کوشش میں جورقم خرچ ہوئی ہے،اولاً خرچ کرنے والےکواسی میں سے وہ پیسہ ادا کردیا جائے...

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم دية الخطأ على أهل القرى...وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العقل ميراث بين ورثة القتيل على قرابتهم . (سنن أبي داود، باب ديات الأعضاء : ۲/۲۲۷/۴۵۶۴). (فتاویٰ قاسمیہ:۲۵/۲۳۲)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: ایکسیڈنٹ میں مرنے والوں کے پسماندگان کوحکومت کی طرف سے جورقم ملتی ہے، وہ ہندوستان جیسے ممالک میں اگرچہ باضابطہ دیت نہیں ہے،لیکن دیت کے مشابہ ہے،اس لیے شرعی ورثاء کے درمیان میراث کی طرح تقسیم کردی جائے گی۔(فتاویٰ قاسمیہ:۲۵/۲۳۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ا۔ مریض کے انتقال کے بعدعلاج کی باقی ماندہ رقوم کاحکم:

۲۔اور ہبہ میں مصرف کی تخصیص سے موہوب لہ پراس مصرف میں خرچ کرنالازم نہیں۔

۳۔اور ہبہ شرائطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

سوال: ایک آدمی کسی مہلک مرض میں مبتلا تھا علاج کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی ،اس کے لیے چندہ کیا گیا،دوست واحباب اوراقرباء وغیرہ نے کافی امداد کی ، یہ تمام پیسہ مریض کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوتا رہااور مریض کے علاج کے لیے بوقتِ ضرورت صرف ہوتا رہا کہ مریض کا انتقال ہوگیا،اب یہ باقی ماندہ رقوم کے ساتھ کیا کیا جائے؟ متبرعین کو واپس پہنچانی ضروری ہے یا مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ متبرعین نے بنیتِ تصدق مریض کے اکاؤنٹ میں رقوم جمع کردی تھی ،لہٰذا مریض ان تمام رقوم کا مالک بن گیا تھا،اب انتقال کے بعد مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوکر تمام شرعی ورثہ میں حسبِ سہامِ شرعی تقسیم ہوگی ،متبرعین کو واپس کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے ان کو اپنے صدقہ وہبہ کا ثواب مل چکا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: لما نزلت: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾[آل عمران:۹۲] جاء أبوطلحة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله ! يقول الله تبارک و تعالىٰ في كتابه:﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾ [آل عمران:۹۲] وإن أحب أموالي إلي بيرحاء ، قال: وكانت حديقة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلها ، ويستظل بها ويشرب من مائها فهي إلى الله عزوجل وإلى رسوله صلى الله عليه وسلم ، أرجو بره وذخره ، فضعها أى رسول الله حيث أراک الله ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بخ يا أبا طلحة ذلک مال رابح ، قبلناه منک ، ورددناه عليک ، فاجعله فى الأقربين ، فتصدق به أبوطلحة على ذوى رحمه قال: وكان منهم أبي ، وحسان ، قال: وباع حسان حصته من معاوية ، فقيل له : تبيع صدقة أبي طلحة ، فقال: ألا أبيع صاعاً من تمر بصاع من دراهم ، قال: وكانت تلک الحديقة فى موضع قصر بنى حديلة الذى بناه معاوية . (صحيح البخاری ،رقم: ۲۷۵۸).

حدیث بالا سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شئ موہوب واہب کی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے اور موہوب لہ شئ موہوب میں مالکانہ تصرف کرنے کا حقدار ہوجاتا ہے۔

شرح مجلّہ میں مذکور ہے:

لكن في رد المحتار (۶۸۹/۵،سعید) **أيضاً ، أول كتاب الهبة ، ما نصه: أعطى لزوجته دنانير لتتخذ بها ثياباً وتلبسها عنده فدفعتها معاملة فهي لها**(قنية)، **اتخذ لولده الصغير ثوباً يملكه وكذا الكبير بالتسليم** (بزازية)، **قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لايشترط ، بل تكفي القرائن الدالة على التمليك ، كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما بشيء ...ويظهر لي من مجموع هذا النقول أن الهبة كما تنعقد بالألفاظ الدالة على التمليك مجاناً لغة أو عرفاً ، تنعقد أيضاً بالفعل بطريق التعاطي...لكن مع قرينة لفظية أو حالية .** (شرح المجلة لمحد الاتاسی:۳۴۹/۳،المادة:۸۳۸، ط: مکتبه رشیدیه).

مذکورہ بالا عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوا کہ ہبہ منعقد ہونے کے لیے الفاظ ضروری نہیں بلکہ تعاطی سے بھی منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا جیسے ہی ہبہ اور صدقہ کی نیت سے مریض کے اکاؤنٹ میں پیسے منتقل ہوئے مریض ان پیسوں کا مالک بن گیا۔ پھر ہبہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو:

قال في الجامع الصغير: رجل وهب لرجل داراً ، أو تصدق عليه بدار على أن يرد عليه بشيء منها ، أو يعوضه شيئاً منها ، أووهب له جارية على أن يردها عليه ، أو على أن يعتقها ، أو على أن يتخذها أم ولد ، فالهبة جائزة ، والشرط باطل . وفي النافع الكبير: قوله والشرط باطل، لأنه يخالف موجب العقد ، والهبة لا تفسد بالشروط الفاسدة . (الجامع الصغير مع شرحه النافع الكبير،ص۴۳۵،ط: عالم الكتب). **وينظر أيضاً** : (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، سعيد، وشرح العينى على الكنز: ۲۶۶/۲، ادارة القرآن، والفتاوى الهندية :۳۹۶/۴،دارالفكر).

یہاں موقع کی مناسبت سے ہمارے بعض اکابرؒ کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ خلیلیہ میں مرقوم ہے: ایک سفر میں حضرت سہارنپوری اور حضرت (نام ظاہر نہیں کیا) دونوں

ساتھ ساتھ تھے، اثناء سفر میں کسی معتقد نے حضرت کو ایک بڑی قیمتی جیبی گھڑی ہدیۃً پیش کی، حضرت کے پاس گھڑی پہلے سے موجود تھی، لیکن آپ نے اپنے الطافِ کریمانہ کی بناپر قبول کرلی۔

کچھ دیر کے بعد حضرت سہارنپوری نے فرمایا کہ یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں آپ فروخت کردیں، اُن حضرت نے جواب دیا کہ فروخت کرنے کی کیا ضرورت ہے، میں بھی آپ کا اور گھڑی بھی آپ کی، یہ لیجیے ہدیۃً قبول فرمالیں، حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ پہلے پیش کردیتے تو میں قبول کر لیتا، اب تو خریدنے کی نیت کرچکا ہوں اس لیے ہدیہ کے کوئی معنی نہیں، کچھ ردوقدح کے بعد بیع کا معاملہ ہوگیا قیمت دے دی گئی اور گھڑی لے لی گئی۔

مگر خدا جانے کس طرح ان معطی صاحب کو خبر ہوگئی کہ میری گھڑی فروخت کردی گئی جس پر ان کو گرانی ہوئی کیونکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ گھڑی ان حضرت کے استعمال میں ہی آتی۔

اِس گرانی کی اطلاع جب اُن حضرت کو ہوئی تو اُنہوں نے حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ سے کہا کہ وہ گھڑی واپس کردیں، میں قیمت واپس کرتا ہوں، حضرت نے فرمایا: کیوں؟ کیا خیارِ شرط تھا؟ اُن حضرت نے فرمایا: نہیں، خیارِ شرط تو نہیں تھا، ان معطی کو گرانی ہورہی ہے، ان کی گرانی ختم ہوجائے گی، حضرت سہارنپوری نے فرمایا: کیا یہ شرط تھی کہ ان کو گرانی ہوئی تو واپس کردی جائے گی؟

ان حضرت نے فرمایا: یہ شرط بھی نہیں تھی، بیع بالکل صاف تھی اور بات ہوچکی تھی، اب اقالہ کرلیں، حضرت سہارنپوری نے فرمایا: اقالہ کے لیے تراضی طرفین شرط ہے، میں تو رضامند نہیں، ان حضرت نے فرمایا کہ آپ بڑے ہیں، میں چھوٹا ہوں، چھوٹوں کی خاطر بڑے رضامند ہوجایا کرتے ہیں، حضرت سہارنپوری نے فرمایا کہ آپ کی خاطر میں ضرور رضامند ہوجاتا، مگر یہ گھڑی میں نے اپنے لیے نہیں خریدی بلکہ ایک دوست نے مجھے گھڑی خریدنے کے لیے اپنا وکیل بنایا تھا، میں نے یہ گھڑی ان کی نیت سے خریدی ہے اس لیے اب یہ گھڑی ان کی ہوگئی، اب مجھے اس تصرف کا کوئی حق نہیں، اس لیے کہ وکیل کا تصرف اعطاء موکل کی حد تک رہتا ہے، مجھے صرف وکیل بالشراء بنایا گیا ہے، وکیل بالبیع نہیں بنایا گیا۔

اس پر حضرت نے اپنی گفتگو ختم فرمادی اور خاموش ہوگئے۔

اس کے بعد دوسری مجلس میں ان معطی کے سامنے حضرت سہارنپوری نے وہ گھڑی ان حضرت کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کر دی کہ لیجیے یہ گھڑی رکھ لیجیے اور میری قیمت واپس کر دیجیے۔

حضرت نے فرمایا کہ آپ تو یہ کہتے تھے کہ میں صرف وکیل بالشراء ہوں وکیل بالبیع نہیں ہوں پھر کیسے فروخت کر رہے ہیں؟

حضرت سہارنپوری نے فرمایا: بات بالکل اسی طرح ہے جس طرح میں نے کہی تھی مگر مجھے ان صاحب پر پورا اعتماد ہے، میں جب ان سے یہ کہوں گا کہ میں نے آپ کی توکیل کے تحت آپ کے لیے گھڑی خریدی تھی، لیکن پھر اپنی ایک مصلحت سے میں نے وہ واپس کر دی تو ان کو گرانی نہیں ہوگی۔ اس پر ان حضرت نور اللہ مرقدہ نے گھڑی واپس لے کر قیمت ادا کر دی۔ (فتاویٰ خلیلیہ، ص ۶۲-۶۴، مکتبۃ الشیخ، کراچی)۔

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ موہوب واہب کی ملکیت سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں آجاتی ہے اور موہوب لہ اس میں مکمل تصرف کا حقدار بن جاتا ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حکومت کے قتل کرنے پر حکومت سے خون بہا وصول کرنے کا حکم:

سوال: ۱۹۷۱ء میں ایک شخص کا ناحق قتل ہوا تھا، امسال کورٹ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جنوبی افریقہ کے پولیس والے (یعنی حکومت) نے اس کو قتل کیا تھا، تو اب اس کے ورثہ حکومت سے دیت طلب کر سکتے ہیں؟ اگر حکومت دیت کی رقم ادا کر دے تو ورثاء میں کیسے تقسیم کی جائیگی؟ اگر حکومت دیت کی رقم سے زیادہ پیسہ ادا کرے تو زیادہ رقم کا لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حکومت کا ناحق قتل، قتل عمد میں شامل ہے اور اس کا حکم یہ ہے قاتل پر قصاص واجب ہوگا، لیکن صورتِ مسئولہ میں حکومت سے قصاص کا مطالبہ مشکل ہے اور قاتل بھی بعینہ معلوم و متعین نہیں، اس لیے دیت کا مطالبہ درست ہے اور جب حکومت دیت کی رقم ادا کرے گی تو مقتول کے تمام شرعی ورثہ میں ''جو مقتول کے قتل کے وقت زندہ تھے'' حسبِ سہامِ شرعی تقسیم کی جائیگی۔ اگر حکومت کچھ زیادہ ادا کرے تو اس کا لینا بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم دية الخطأ على أهل القرى... وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العقل ميراث بين ورثة القتيل على قرابتهم. (سنن أبي داود، باب ديات الأعضاء: ۲/۲۲۷/۴۵۶۴).

شریفیہ شرح السراجیہ میں ہے:

واعلم أن دية المقتول خطأ كسائر أمواله حتى يقضى منها ديونه وتنفذ وصاياه و يرثها كل من يرث سائر أمواله... ولنا أنه صلى الله عليه وسلم أمر بتوريث امرأة أشيم الضبابي من عقد زوجها، وقال الزهري: كان قتل أشيم خطأ، وكذا يثبت عندنا حق الزوجين في القصاص لقوله صلى الله عليه وسلم: من ترك مالاً أو حقاً فلورثته، ولا ننكر أن القصاص حقه؛ لأنه بدل نفسه فيستحق جميع الورثة بحسب إرثهم كالدية... هكذا ذكره الإمام السرخسي في شرح كتاب الديات. (الشريفية شرح السراجية، ص ۴۹، ط: الرياض).

فتاویٰ شامی میں ہے: **لأن الإرث يجري في الأعيان المالية.** (فتاوى الشامي: ۶/۷۶۲، سعيد).

وللاستزادة انظر: (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۴/۳۶۵، ومجمع الانهر: ۲/۴۰۱، و فتاوى الشامي: ۴/۷۵۱۵، سعيد، والفتاوى التاتارخانية: ۲۰/۲۱۳، والفتاوى الهندية: ۶/۷).

قاموس الفقہ میں مرقوم ہے:

مکمل ہلاکت یا کسی ایسے نقصان کا تاوان دیت ہے جس کو شریعت نے قتل وہلاکت ہی کے حکم میں رکھا ہے،... اگر قتل عمد کا واقعہ ہو اور مقتول کے ورثہ دیت لینے اور قاتل دیت دینے پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں دیت واجب ہوتی ہے... حنفیہ کے نزدیک دیت واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ مقتول یا جس کو نقصان پہونچایا گیا ہے وہ معصوم ہو یعنی نقطہ نظر سے قتل کیے جانے کا مستحق نہ ہو۔... دوسرے مقتول یا نقصان زدہ شخص کا خون شریعت کی نگاہ میں قابل قیمت بھی ہو۔ (قاموس الفقہ: ۳/۴۳۷)۔

جدید معاملات کے شرعی احکام میں مذکور ہے:

قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ سے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ

سکے قتل کیا جائے ،قصاص یعنی جان کے بدلہ جان لینا ایسے قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔قتل موجب دیت میں دیت ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی ۔(جدید معاملات کے شرعی احکام:۱۹۲/۳)۔

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

اصل ہرجانہ ٹرک ڈرائیور کے ذمے لازم تھا،جس کے بقدرِ دیت مطالبے کا حق تھا،اس سے زائد مطالبے کا حق نہیں،لیکن قاتلِ خطا خود زائد دے تو لینا جائز ہے۔ (فتاویٰ عثمانی:۵۴۴/۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دوسری بیوی کا شادی سے قبل حق میراث معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی خفیہ طور پر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے کیونکہ پہلی بیوی دوسری شادی پر راضی نہیں، لیکن مرنے کے بعد چونکہ وراثت کی تقسیم کے وقت اس کا حصہ بھی نکالا جائیگا تو سب کو معلوم جائیگا کہ اس نے دوسری شادی کی تھی،اس لیے اس عورت نے کہا کہ مجھے میراث نہیں چاہیے اور یہ بھی کہا کہ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے مرنے کے بعد میں ترکہ میں سے اپنے حق کا بالکل مطالبہ نہیں کروں گی ۔تو کیا دوسری بیوی ابھی شادی سے پہلے ترکہ میں سے حق معاف کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں حق میراث مرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے تو جو حق ابھی ثابت نہیں ہوا وہ کیسے معاف ہوسکتا ہے؟ ہاں وفات کے بعد جب حق ثابت ہوگا اس وقت ساقط کرنے سے ساقط ہوجائے گا، البتہ ابھی صرف وعدہ ہوسکتا ہے کہ ایفائے عہد وفات کے بعد ہوگا۔ملاحظہ ہو البنایہ میں مرقوم ہے:

لأن حق الوارث إنما يثبت بعد الموت. (البناية شرح الهداية : ۹۰۲/۶،كتاب الوقف ط: كوئٹه).

قال في الهداية: ويعتبر كونه وارثاً أو غير وارث وقت الموت لا وقت الوصية لأنه تمليك مضاف إلى ما بعد الموت وحكمه يثبت بعد الموت . (الهداية :۵۱۴/۴).

قال في تبيين الحقائق : وأما الإرث فحكم يثبت بعد الموت . (تبيين الحقائق: ۲۸/۵، ط: امداديه ، ملتان).

قال في تكملة فتح القدير: الوصية أخت الميراث من حيث أن الملك فيهما يثبت

بعد الموت. (تکملة فتح القدير: ۱۰/ ۴۸۹، دار الفکر).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

وذكر الشيخ الإمام المعروف بـ خواهر زاده ، أن حق الموصى له وحق الوارث قبل القسمة غير متأكد يحتمل السقوط بالإسقاط ، انتهى... فقد علم أن حق الغانم قبل القسمة ... و حق الوارث قبل القسمة على قول خواهر زاده يسقط بالإسقاط . (الأشباه والنظائر: ۳/ ۵۴، ۵۵، الفن الثالث: الجمع والفرق، ما يقبل الإسقاط من الحقوق وما لا يقبل). (وكذا في فتاوى الشامي: ۵/ ۶۴۴، سعيد، وفتاوىٰ قاضيخان بهامش الهندية: ۳/ ۲۱۴، والبحر الرائق: ۵/ ۲۴۳، دار المعرفة).

قال العلماء : يستحب الوفاء بالوعد بالهبة وغيرها استحباباً مؤكداً ، ويكره إخلافه كراهة تنزيهة لا تحريم . (عمدة القارى : ۲/ ۲۲۱).

وفى البناية : وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه الميعاد جاز البيع ويلزم الوفاء بالميعاد ، لأن المواعيد قد تكون لازمة فيجعل هذا الميعاد لازماً لحاجة الناس . (البناية شرح الهداية: ۱۰/ ۵۲، كتاب الإكراه، مكتبه رشيديه، كوئٹه). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مالِ حرام میں وراثت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے والد کے پاس مالِ حرام تھا اس کے انتقال کے بعد اس کے وارث اس مال کو لے سکتے ہیں یا نہیں یعنی مالِ حرام میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر وارث کو کسی چیز کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ ناجائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہے تو وارث پر لازم ہے کہ وہ بعینہٖ چیز مالک کو پہنچادے، میراث میں اس کا لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر یقینی طور پر کسی چیز کے بارے میں معلوم نہیں کہ غلط طریقہ سے حاصل ہوئی فقط اتنا جانتا ہے مرحوم سود، رشوت ہر طریقہ سے پیسے حاصل کر لیتا تھا اور کمائی کے جائز طریقے بھی تھے اور جائز طریقے غالب تھے تو مخلوط اور

نامعلوم ہونے کی بنا پر کل مال میں وراثت جاری ہوگی ہاں اگر ورثہ آپس کی رضامندی سے مال کی کچھ مقدار صدقہ کردے تو بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

مطلب فيمن ورث مالاً حراماً ، قوله إلا في حق الوارث ، أى فإنه إذا علم إن كسب مورثه حرام يحل له لكن إذا علم المالک بعينه فلا شک في حرمته ووجوب رده عليه . وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الإرث والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه . وكذا لايحل إن علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه لما فى البزازية : أخذ مورثه رشوة أو ظلماً إذا علم ذلک بعينه لا يحل له أخذه وإلا فله أخذه حكماً أما فى الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء .

والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه وإن كان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه حل له حكماً والأحسن ديانة التنزه عنه . (فتاوى الشامي: ۵/۹۹،سعيد). وكذا فى الفتاوى الهندية : ۵/۳۴۹،كتاب الكراهية).

امداد الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

ہر چند بعض فقہاء نے مطلقاً مالِ حرام کو وارث کے لیے حلال کہا ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں، مفتیٰ بہ اور معتمد یہ ہے کہ اُن کے لیے بھی حرام ہے، پس اگر اربابِ حقوق ورثہ کو معلوم ہیں تو اگر بعینہٖ اُن کی چیز محفوظ ہو تو اس کو ورنہ اس کی قیمت واپس کردیں، اور اگر معلوم نہیں تو اگر مالِ حرام معین اور متمیز ہے تو اس کو مالک کی نیت سے تصدق کردیں، اور اگر مخلوط غیر متمیز ہے تو اگر اس کی مقدار قیمت معلوم ہے اس کو تصدق کردیں، ورنہ تخمینہ کرکے تصدق کردے ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ بحوالہ شامی۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۳۵۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں مذکور ہے:

اگر اس مال کا اصل مالک معلوم ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر معلوم نہیں، البتہ وہ مال بجنسہٖ جو

حرام ہے معلوم ہے تو کسی فقیر کو صدقہ کرنا اصل مالک کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ضروری ہے۔ اور اگر مال مخلوط ہے، یہ معلوم نہیں کہ کونسا حرام اور کونسا حلال ہے تو ورثاء کو استعمال کرنا درست ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اس سے احتیاط کریں، یعنی اگر مالک کا علم ہو تو اس کو دے دیں، ورنہ صدقہ کردیں۔

اگر تمام مال حرام ہے تو اس کا استعمال درست نہیں، مالک معلوم ہونے کی صورت میں واپسی ضروری ہے، نہ معلوم ہونے کی صورت میں صدقہ کردیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۳۴۰، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ترکہ تقسیم ہونے سے قبل وراثت کے مشترک مال میں زکوٰۃ کا حکم:

سوال: ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، پانچ سال ہوئے ابھی تک اس کی جائیداد تقسیم نہیں ہوئی، اس کا مزید پیسہ بینک اور کمپنی کے منافع کے ساتھ وقتاً فوقتاً آرہا ہے، وارثین اسی وقت میراث وصول کرسکتے ہیں جب وکلاء ہر چیز کو مکمل کرکے عدالت سے اس کو منظور کروالیں، میرا سوال یہ ہے کہ ان پیسوں کی زکوٰۃ کون ادا کریگا اور کتنی مدت کی ادا کی جائیگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر وارثین کے درمیان ترکہ تقسیم نہیں کیا گیا اور کسی نے اپنے حصے پر ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس سے کسی قسم کے منافع حاصل کررہا ہے، تو اس صورت میں میراث کے مشترک مال میں وارثین میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب اور لازم نہیں ہوگی۔ ہاں اگر مالِ وراثت میں سے کسی کو کسی بھی قسم کا نفع مل رہا ہو تو اس صورت میں اس کے حصہ میں زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ اس کا حصہ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے باقی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

قال: ولو أن رجلاً ورث عن أبيه ألف درهم فأخذها بعد سنين فلا زكاة عليه لما مضى في قول أبي حنيفةؒ الآخر، وفي قولهما عليه الزكاة لما مضى ففي هذه الرواية جعل الموروث بمنزلة الدين الضعيف مثل الصداق وبدل الخلع، وفي ذلك قولان لأبي حنيفةؒ فكذلك في هذا وفي كتاب الزكاة جعل الموروث كالدين المتوسط عند أبي حنيفةؒ، وهو ثمن مال البذلة والمهنة فقال: إذا قبض نصاباً كاملاً بعد كمال الحول تلزمه الزكاة لما

مضی، وجه تلک الرواية أن الوارث يخلف المورث في ملكه ، وذلک الدين كان مال الزكاة في ملک المورث فكذلک في ملک الوارث ، ووجه هذه الرواية أن الملک فی الميراث يثبت للوارث بغير عوض فيكون هذا بمنزلة ما يملک ديناً عوضاً عما ليس بمال، وهو الصداق فلا يكون نصاب الزكاة حتى يقبض يوضحه أن الميراث صلة شرعية .
(المبسوط للإمام السرخسی: ۳/ ۴۱).

بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وأما الدين الضعيف فهو الذي وجب له بدلاً عن شيء سواء وجب له بغير صنعه كالميراث ، أو بصنعه كالوصية ، أو وجب بدلاً عما ليس بمال كالمهر، وبدل الخلع ، والصلح عن القصاص، وبدل الكتابة ولا زكاة فيه ما لم يقبض كله ويحول عليه الحول بعد القبض . (بدائع الصنائع : ۲/ ۴۰۰،سعید). (وکذا فی النتف فی الفتاوی،ص ۱۱۱،ومجمع الانهر : ۲/ ۱۵۴، والفتاوی الهندية : ۱/ ۱۷۵، و رد المحتار علی الدرالمختار: ۲/ ۳۰۵،سعید).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں مذکور ہے:

في شرح الطحاوي: فإن كان نصيب كل واحد منهما على الانفراد يبلغ نصاباً كاملاً تجب الزكاة و إلا فلا ، سواء كانت شركتهما شركة عنان أو شركة مفاوضة أو شركة بالإرث وغيره من أسباب الملک . (الفتاوی التاتارخانية: ۲/ ۲۹۷).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

دین ضعیف: وہ قرض جو کسی مال کے عوض مدیون پر عائد نہ ہو خواہ وہ کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو جیسے حصہ میراث یا وصیت کا مال، جو کسی پر قرض ہو یا کسی چیز کا معاوضہ تو ہو؛ لیکن مال کا معاوضہ نہ ہو مثلاً مہر، یہ معاوضہ تو ہے لیکن مال کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ ملک بضعہ کا معاوضہ ہے جو مال کا معاوضہ نہیں ہے۔ اس کو دین ضعیف کہتے ہیں، دین ضعیف پر قبضہ سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہے، قبضہ کے بعد جب سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ دیون کی مذکورہ بالا تقسیم اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہونے اور دین متوسط اور دین ضعیف پر زکوٰۃ واجب نہ

ہونے کے سلسلے میں امام صاحبؒ کے دو نقطہ نظر ہیں: ۱) دین درحقیقت مال نہیں ہے...۲) اگر دین کو مالِ مملوک تسلیم کرلیا جائے تب بھی چونکہ یہ قبضہ وتصرف میں نہیں ہے اور نہ ہی اس پر قبضہ کا احتمال ہے؛ کیونکہ دین ذمہ میں واجب ہے حقیقۃً مال نہیں... دیون کی اس تقسیم اور عدمِ تقسیم کے سلسلے میں فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔ اسی قول کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے، البتہ صاحبینؒ کا قول اختیار کرنا احوط ہے۔ (۲۳۳/۶) دوسری جگہ لکھا ہے: دیون کے سلسلے میں آج تک فتویٰ امام صاحبؒ ہی کے قول پر دیا جاتا ہے کیوں کہ اسی میں لوگوں کی سہولت ہے۔ (۳۰۸/۶)، نیز مزید دیکھیے: (جدید فقہی مباحث: ۱۵۲/۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ترکہ کی مشترک جائیداد تقسیم کرنے کے اخراجات کا حکم:

سوال: کچھ مدت پہلے ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے ترکہ میں کافی سارا مال جائیداد، پراپرٹیاں اور مکانات ہیں، ورثاء کے درمیان تقسیم کا کام وکیلوں کے ذریعہ ہوا، اور اس عمل پر تین لاکھ رینڈ خرچہ ہوا، اب سوال یہ ہے کہ جو خرچہ ترکہ سے منہا کیا جائیگا وہ وارثین کے حصوں کے موافق ہوگا یا ورثہ کی تعداد پر تقسیم ہوگا، مثلاً: میت کے تین لڑکے دو لڑکیاں اور بیوی ہے تو خرچہ جو تین لاکھ رینڈ ہے ان چھ افراد پر برابر برابر تقسیم کیا جائیگا کہ ہر ایک پر ۵۰ ہزار ۵۰ ہزار آئیگا، یا بقدرِ حصص ہوگا کہ بیوی پر آٹھواں حصہ اور لڑکوں اور لڑکیوں پر للذکر مثل حظ الانثیین آئیگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مشترک جائیداد کی تقسیم کا خرچہ تین لاکھ رینڈ چھ افراد پر برابر برابر تقسیم ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مرقوم ہے:

فإن لم يفعل نصب قاسماً بالأجر معناه بأجر على المتقاسمين، لأن النفع لهم على الخصوص، و يقدر أجر مثله كي لا يتحكم بالزيادة ... وأجرة القسمة على عدد الرؤوس عند أبي حنيفةؒ قال أبو يوسفؒ ومحمدؒ: على قدر الأنصباء. (الهداية: ۴/۴۱۱، كتاب القسمة).

مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر میں مذکور ہے:

وهو أى أجر المثل على عدد الرؤوس أى رؤوس المتقاسمين عند الإمام لأن تمييز

الأقل من الأكثر كتمييز الأكثر من الأقل في المشقة وعندهما على قدر السهام لأنه مؤنة الملك فيقدر بقدره . و بهامشه قال: والأول الصحيح لأن المعقود عليه التمييز لا غير كما في المضمرات وغيرها . (مجمع الانهر مع الدرالمنتقى: ۲/ ۴۸۹، ط: داراحياء التراث).

القول الراجح میں لکھتے ہیں:

القول الراجح هو قول الإمام أبي حنيفة، قال العلامة الحصكفي وهو أی ما يقدر على عدد الرؤوس عنده وعندهما على قدر السهام والأول الصحيح . (القول الراجح: ۲/ ۲۷۷).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

أجرة القسام على عدد الرؤوس لا على عدد الأنصباء .(الفتاوى السراجية، ۴۶۱، زمزم).

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے:

زمین کی قیمت لگانے کی مونت میں سب شرکاء برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے ہر ایک کو زمین کی قیمت معلوم ہوگی، اور جس طرح قاسم کی اجرت سب شرکاء پر برابر لازم ہوتی ہے، اسی طرح قیمت لگانے کا خرچ بھی سب شرکاء پر برابر لازم ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۵/ ۸۱۰، ط: بمبئی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نوٹ: دس پندرہ سال سے ہندوستان کے بعض صوبوں خصوصاً گجرات کی زمینیں بیش بہا ہوچکی ہیں، گجرات کے جو خاندان بیرونی ممالک جاچکے ہیں وہ اپنی زمینیں فروخت کررہے ہیں، چونکہ یہ خاندان تقریباً سو، دوسو سال سے باہر ہیں تو جائیداد فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کی تقسیم بجائے دس پندرہ افراد کے سینکڑوں افراد میں ہوتی ہے، وراثت کے متعلق اس قسم کے بے شمار سوالات ہمارے دارالافتاء میں آئے اور دارالافتاء نے بحمد للہ حل کیے، ان سب سوالات وجوابات کو اگر شائع کیا جائے تو ایک جلد بن جائیگی، چونکہ علماء اور طلبہ کا ان نقشوں اور صورتوں میں کوئی خاص فائدہ نہیں اس لیے ان سوالات وجوابات کو آٹھویں جلد میں شامل نہیں کیا گیا، ہاں میراث سے متعلق چند اہم سوالات وجوابات کو شامل اشاعت کرلیا گیا۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين .

مصادر ومراجع

القرآن الکریم تنزیل من رب العٰلمین

الف

إکمال المعلم بفوائد مسلم ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الریاض

اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة العلامة احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری الریاض

اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور

آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شھادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدہیانوی

الاختیار لتعلیل المختار الفقیه عبد الله بن محمود الموصلی بیروت

الاستذکار الشیخ العلامة ابن عبد البر المالکی

إعانة الطالبین الشیخ ابوبکر عثمان بن محمد الدمیاطی التوفیقیةؒ

احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کمپنی

اوجز المسالک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنیؒ مکتبه امدادیه ملتان

الاصابة فی تمییز الصحابه الحافظ ابن حجر العسقلانی دار الکتب العلمیة بیروت

امدادالفتاویٰ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی

احیاء علوم الدین الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت۵۰۵ دار الفکر

امدادالاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ومفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مکتبۂ دارالعلوم کراچی

اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی ادارة القرآن کراچی

الأشباه و النظائر　الفقيه زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفى ت ۹۷۰هـ　ادارة القرآن كراچى

امدادالمفتین　حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۱۳۱۴ھ ت ۱۳۹۶　دارالاشاعت

انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجه　الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى ۱۲۹۵　قديمى كتب خانه

احکام القرآن　حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ایضاح المسائل　حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مرادآبادی

ایضاح النوادر　حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مرادآبادی　مکتبہ علمیہ سہارنپور

احكام القرآن　العلامة ابوبكر الجصاص الرازى　سهيل

احکام القرآن　علامہ ظفر احمد عثمانی　ادارۃ القرآن

اصول الشاسى　الشيخ نظام الدين الشاشى　بيروت

الأموال　الشيخ ابن زنجويه

اشرف الاحکام　حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ　ادارہ اسلامیات

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا

احكام القرآن　الشيخ محمد بن عبد الله الاندلسى ابن العربى　دار الكتب العلمية

الاشباه والنظائر　الامام جلال الدين السيوطى　بيروت

انکاٹا انسائیکلوپیڈیا

الاستيعاب　الشيخ ابن عبد البر　دارالجيل

اسنى المطالب　الشيخ زكريا الانصارى　دارالكتب العلمية بيروت

الاوسط فى السنن والاجماع والاختلاف　الشيخ ابوبكر محمد بن ابراهيم بن المنذر النيسابورى

الآداب الشرعية والمصالح المرعية الشيخ شمس الدين محمد بن مفلح الحنبلى الدمشقى م۷۶۳هـ

أخلاق النبى صلى الله عليه وسلم　الحافظ ابوالشيخ الاصبهانى　موقع جامع الحديث

الاحاديث المختارة　الضياء المقدسى　ملتقى اهل الحديث

الآداب　للامام البيهقى　موقع جامع الحديث

الاقناع فى حل الفاظ ابى الشجاع الشيخ محمد الشربينى الخطيب

الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل الشیخ شرف الدین موسی بن احمد الحجاوی دارالمعرفة بیروت

اسوۂ رسول اکرم ڈاکٹر عبدالحی صاحب دارالاشاعت

اسد الغابة فی معرفة الصحابة الشیخ عز الدین علی بن محمد ابن الاثیر الجزری م۶۳۰ھ

الاذکار الامام النووی بیروت

الاعتصام الامام ابو اسحاق الشاطبی

امداد الفتاح العلامة ابو الاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالی

الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان الحنبلی داراحیاء التراث العربی

ارشاد الساری العلامة القسطلانی

أصول السرخسی الامام السرخسی

اشعة اللمعات الشیخ عبدالحق الدهلوی کتب خانه مجیدیه ، و المکتبة الرشیدیة

الآحاد والمثانی الشیخ ابن ابی عاصم

اخبار مکة الامام الفاکهی

احکام الاحکام الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید دارالفکر

الاسرار المرفوعة الشیخ الملا علی القاری المکتب الاسلامی

الابواب والتراجم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا الکاندهلوی

اتحاف السادة المتقین فی شرح احیاء علوم الدین السید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی دارالفکر

اکمال اکمال المعلم الامام محمد بن خلیفة الابی دارالکتب العلمیة بیروت

الامالی لابن بشران

اسلام صحت اور جدید سائنسی تحقیقات ادارہ اشاعت اسلام

آلات جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

آداب المعاشرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

اوضح المسالک ابن هشام

امتاع الاسماع بماللنبی صلی الله علیه وسلم من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع لتقی الدین المقریزی بیروت

ازالة الخفاء الشاه ولی الله الدهلوی

الامالی الشجرية يحيى بن الحسين الشجری

الاتقان فی علوم القرآن العلامة جلال الدين السيوطی داراحياء العلوم

انوارالبروق فی انواع الفروق العلامة احمد بن ادريس شهاب الدين القرافی م ۶۸۴ھ

اطلس القرآن الدكتور شوقی ابوخليل دمشق

اشراط الساعة الشيخ يوسف بن عبد الله الوابل دار ابن الجوزی

ارشيف ملتقی اهل الحديث والتفسير ابو محمد المصری (المكتبة الشاملة

انوارِشمسیہ حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصور مكتبة الهادية

اعمالِ قرآنی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

الافادة لما جاء فی المرض والعيادة الشيخ ابن حجر الهيتمی المكی

ابجد العلوم الشيخ صديق حسن خان القنوجی دارالكتب العلمية بيروت

آكام المرجان فی غرائب الاخبار واحكام الجان الشيخ الشبلی النعمانی (مترجم)

اکابر علمائے دیوبند اتباعِ شریعت کی روشنی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

آكام المرجان فی احكام الجان (عربی) الشيخ الشبلی النعمانی

الاحكام السلطانية القاضی ابوالحسن علی بن محمد حبيب الماوردی م۳۶۴ـ ۴۵۰ھ

اسنی المطالب فی احاديث مختلفة المراتب الشيخ محمد بن درويش بن محمد العصرية

آداب المتعلمين حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندی

الإشاعة لأشراط الساعة الشيخ محمد بن عبد الرسول الحسينی البرزنجی م۱۰۱۳ھ

ادب الاختلاف الشيخ محمد عوامه دار البشائر الاسلامية

اوزانِ شرعیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ادارۃ المعارف کراچی

ارشاد القلوب الشيخ حسن بن ابی الحسين الديمی

ابن القيم الجوزية وجهوده فی خدمة السنة النبوية الشيخ جمال بن محمد السيد

اخبار ابی حنيفةؒ واصحابه القاضی ابوعبد الله حسين بن علی الصميری عالم الكتب ، بيروت

اعلام الموقعين العلامة الشيخ ابن القيم الجوزية

اغاثة اللهفان العلامة الشيخ ابن القيم الجوزية

اجتماع الجيوش الاسلامية العلامة الشيخ ابن القيم الجوزية

الاعلام الشيخ خير الدين بن محمود بن محمد بن علی،الزركلی الدمشقی م ۱۳۹۶ھ دار العلم للملايين

إنباء الغمر بأبناء العمر فی التاريخ الامام شهاب الدين ابی الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی بيروت

اكفار الملحدين فی ضروريات الدين (رسائل الكشميری) العلامة الشاه انور الكشميری المجلس العلمی

انوار الباری مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب

اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ندوة المصنفين

ارشاد المسلمين بطريقة شيخ المتقين الامام احمد بن ابراهيم بن عمر الواسطی الشافعی

استرونمی آف اسلامک کیلینڈر پروفیسر محمد الیاس صاحب ملیشیا

ابوبكر الصديق رضی الله تعالىٰ عنه شخصيته وعصره الدكتور علی محمد الصلابی

امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله تعالىٰ عنه الدكتور علی محمد الصلابی

الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدرية الاشرار الشيخ يحيى بن ابی الخير العمرانی اضواء السلف

اغلاط العوام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

ارشادِ مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

احكام جراحة التجميل فی الفقه الاسلامی الدكتور محمد عثمان شبير جامعة الكويت

اعراب القرآن الشيخ ابوجعفر احمد بن محمد النحاس عالم الكتب بيروت

آثارِ قیامت حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی

اصول الدين عند الامام ابی حنيفةؒ الشيخ محمد بن عبد الرحمن الخميس دار صميعی ، السعودية

آثار البلاد واخبار العباد الامام القزوينی

الاكمال فی اسماء الرجال الامام الشيخ محمد بن عبد الله الخطيب التبريزی قديمی كتب خانه

الاباضية الشيخ عبد العزيز بن محمد بن علی المكتبة الدقيقة

اسماء الكتب الشيخ عبد اللطيف بن محمد رياض زاده دار الفكر

ارشیف ملتقی اهل الحدیث (المکتبة الشاملة)

الافراد الامام الدارقطنی

ابوبکر الصدیق الشیخ علی الطنطاوی

آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مکتبہ شیخ زکریا

ابوبکر شبلی کی سوانح عبدالحلیم شرر لکھنؤ

الازمنة الشیخ ابوعلی قطرب محمد بن المستنیر

اساس مواسات اسلامیہ مفتی کفایت اللہ بنگلہ دیشی

اسلامی تصوف میں غیراسلامی نظریات کی آمیزش مولانا محمد حسین الحسینی خاتون آبادی

اعتقادنامہ منظوم مولانا جامی

ارشاد الشیعہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

الاحکام الوسطی الشیخ عبد الحق الاشبیلی

ایصالِ ثواب اورمروجہ قرآن خوانی کا حکم مفتی رشیداحمد فریدی مفتاح العلوم تراج سورت

الامالی الشیخ الحافظ ابن حجر العسقلانی

الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (مجموعة رسائل اللکنوی) العلامة عبدالحي اللکنوی ادارة القرآن

اطراف الغرائب والافراد الشیخ ابو الفضل محمد بن طاهر المقدسی دارالکتب العلمیة بیروت

الاقناع الشیخ الشربینی

اسلامی عدالت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی قاضی پبلشرز

الانسان الکامل الشیخ عبد الکریم

انفاسِ عیسیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

اتقان ما یحسن من الاخبار الواردة علی الالسن الشیخ نجم الدین الغزی دارالکتب العلمیة بیروت

احکام اهل الذمة الشیخ ابن القیم الجوزیة

احکام المیراث الشیخ دعیج المطیری

احادیث القصاص العلامة ابن تیمیة

باء

البناية شرح الهداية العلامة العینیؒ فیصل آباد و مکتبه رشیریه

البحرالمحیط ابوحیان الاندلسی دارالفکر

بذل المجهود المحدث خلیل احمد سهارنپوریؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لکهنؤ

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بیان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بداية المجتهد ابو الولید محمد بن احمد القرطبی دار نشر الکتب

البحر الرائق للشیخ زین الدین ابن نجیم المصری المکتبة الماجدية

بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ بیروت

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع علاء الدین أبوبکر بن مسعود الکاسانی ت۵۸۷ سعید کمپنی

بریقة محمودية فی شرح طریقة محمدية عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی

بوادرالنوادر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات

بحوث فی قضایا فقهية معاصرة للمفتی محمد تقی العثمانی

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

البحرالمحیط للامام الزرکشی

البداية والنهاية ابن کثیرؒ

البدرالمنیر الشیخ ابن الملقن الریاض

البلاغ (ماہنامہ دارالعلوم کراچی)

البرهان فی علوم القرآن الشیخ بدرالدین الزرکشی دارالمعرفة

براہین قاطعہ شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری

الباحث الحثیث الشیخ احمد محمد شاکر مکتبة المعارف الریاض

بدائع الفوائد العلامة الشیخ ابن القیم الجوزية

بغية الملتمس فی رجال اهل الاندلس الشیخ ابوجعفر احمد بن عبد الملک الضبی دارالکتاب العربی القاهرة

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع العلامة الشوكانى

تاء

تفسير القرطبى محمد بن احمد الانصارى القرطبیؒ دار الكتب العلمية

تهذيب التهذيب ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الكتب العلمية بيروت

تحفة الأحوذى ابو العلى محمد بن عبد الرحمن مباركپوریؒ و۱۲۸۳ ت۱۳۵۳ دار الفكر

التعليقات على الترمذى و ابى داؤد وابن ماجه و صحيح ابن خزيمه ناصر الدين الألبانى المكتب الاسلامى

التعليق الممجد للعلامه عبد الحى اللكهنوى بتحقيق الدكتور تقى الدين الندوى دمشق

تهذيب الكمال للحافظ جمال الدين ابى الحجاج يوسف المزّى و۶۵۴ ت۷۴۲ مؤسسة الرسالة

تقريب التهذيب للحافظ احمد بن على بن حجر العسقلانى و۷۷۳ت۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية

تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط موسسة الرسالة بيروت

التصحيح والترجيح العلامة قاسم بن قطلوبغا بيروت

تنوير الابصار للعلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ت۱۰۰۴ سعيد كمپنى

التفسير المظهرى قاضى محمد ثناء الله پانى پتیؒ ت۱۲۲۵ بلو چستان بک ڈپو

التمهيد ابو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمرى و۳۶۸ت۴۶۳ مكتبة المؤيد

تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مدینہ منورہ

تفسير السمرقندى الفقيه ابو الليث السمرقندى

الترغيب و الترهيب للحافظ ذكى الدين عبد العليم بن عبد القوى المنذرى ت۶۵۶ دار احياء التراث

تكملة فتح الملهم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مكتبة دار العلوم كراتشى

تعليق الشيخ محمد عوامة على نصب الراية للشيخ محمد عوامة المكتبة المكية

تعليق الدكتور بشار عواد على سنن ابن ماجه الدكتور بشار عواد معروف دار الجيل بيروت

تنقيح الفتاوى الحامدية للسيد محمد امين ابن عابدين الشامى دار الاشاعة العربية

تالیفاتِ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور

تذكرة الموضوعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن على المقدسى ت۵۰۷ مير محمد كتب خانه كراچى

کتاب	مصنف	ناشر
تذكرة الموضوعات	الشيخ محمد بن طاهر بن على الفتنى الهندى	
تبيين الحقائق	العلامة فخر الدين عثمان بن على الزيلعى	مكتبه امداديه ملتان
تعليقات الشيخ محمد عوامه على المُصَنَّف	الشيخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه	المجلس العلمى
تقريرات الرافعى (التحرير المختار)	العلامة عبد القادر الرافعى	سعيد كمپنى
تفسير ابن كثير	الحافظ اسماعيل ابن كثير القرشى الدمشقى ت ۷۷۴	دارالسلام
التحرير فى اصول الفقه	العلامة المحقق الشيخ ابن الهمام	دار الكتب العلمية بيروت
تحفة الفقهاء	الشيخ علاء الدين السمرقندى	
التقرير و التحبير	الشيخ ابن امير الحاج الحلبى	بيروت
التعليقات على المستدرک	صالح اللحام	
التعليقات على مسند احمد	الشيخ شعيب الارنؤوط	القاهرة
التعليقات على سنن ابن ماجه	الشيخ محمد فؤاد عبد الباقى	
التلخيص الحبير	الحافظ ابن حجر عسقلانى	
تلخيص المستدرک	الامام الحافظ شمس الدين الذهبى	
تقریر ترمذی	مولانا محمد تقی عثمانی	
التعريفات	للسيد شريف الجرجانى	
تكملة رد المحتار	الشيخ محمد علاء الدينؒ	سعيد
تعلیقاتِ فتاویٰ محمودیہ	زیرنگرانی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ	
التعليقات على بلوغ المرام	الشيخ صفى الرحمن المباركفورى	بيروت
تفسير الماوردى (النكت والعيون)	الشيخ ابوالحسن على بن محمد الماوردى البصرى	بيروت
التعريفات الفقهية	السيد المفتى عميم الاحسان المجددى	دارالكتب العلمية بيروت
تكملة عمدة الرعاية	حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ	
تكملة البحر الرائق	العلامة محمد بن حسين بن على الطورىؒ	
التعليقات على شرح تحفة الملوک	الشيخ سائد بكداش	دارالبشائر الاسلامية

تحفة الملوک　الامام زین الدین بن ابی بکر الرازی　دارالبشائر الاسلامیة

التعلیقات علی مراسیل ابی داود　الشیخ شعیب الارنؤوط

تحفة المودود باحکام المولود　العلامة ابن القیم　دمشق

تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة　الشیخ ابو الحسن ابن عراق الکنانی　بیروت

التعلیقات علی آداب البیهقی　موقع جامع الحدیث

تهذیب الآثار　الشیخ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری　القاهرة

التاج والاکلیل　الشیخ محمد بن یوسف العبدری　دارالفکر

تاج العروس من جواهر القاموس　السید محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی الزبیدی　دارالهدایة

تحفة المحتاج الی ادلة المنهاج للحافظ　سراج الدین عمر بن الملقن الشافعی م ۸۰۴ھ　دارحراء بمکة

التعلیقات علی الطبقات الکبری　الشیخ محمد بن صامل السلمی

التقریر لاصول فخر الاسلام البزدوی　الامام اکمل الدین البابرتی　وزارة الاوقاف

تحفة الاخیار باخبار سنة الابرار　العلامة عبد الحي اللکهنوی

تاریخ الرسل والامم　الامام الطبری

التعلیقات علی مسند الامام ابی حنیفة　الشیخ لطیف الرحمن القاسمی

تاریخ الاسلام　الحافظ شمس الدین الذهبی

التعلیقات علی صحیح ابن حبان　الشیخ شعیب الارنؤوط

التذییل علی کتاب تهذیب التهذیب　الشیخ محمد بن طلعت　اضواء السلف

التحقیق فی احادیث الخلاف　العلامة ابن الجوزیؒ

التاریخ الکبیر　الامام البخاریؒ

تاریخ بغداد　الحافظ الخطیب البغدادیؒ

تاریخ مدینة دمشق　الحافظ ابن عساکرؒ

التاریخ لابن خلدون

التعلیقات علی سنن ابی داود　الشیخ شعیب الارنووط

تحفة الاخيار الامام ابو جعفر الطحاوی

تدريب الراوی العلامة جلال الدين السيوطی

التعليقات علی فتاوی اللكهنوی الشيخ صالح محمد ابو الحاج دارابن حزم

تفسير المنار الشيخ محمد رشيد بن علی رضا الهيئة المصرية

تفسير البيضاوی القاضی البيضاوی

التيسير بشرح الجامع الصغير العلامة عبد الرؤوف المناوی

تفسير السراج المنير الشيخ محمد بن احمد الشربينی دارالكتب العلمية

تفسير ابی السعود القاضی ابوالسعود العمادی الحنفی دارالكتب العلمية

تهذيب لسان العرب الشيخ ابو الفضل جمال الدين ابن منظور المكتب الثقافی بيروت

تفسیرعزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سعید

التعليقات علی روح المعانی الشيخ ماهر جيوش مؤسسة الرسالة

تفسير الخازن علاء الدين علی بن محمد البغدادی الخازن دارالفكر

التفسير الكبير العلامة فخر الدين الرازی

تفسير ابن ابی حاتم الشيخ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی المكتبة العصرية

تفسير العز بن عبد السلام الامام عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام الشافعی دار ابن حزم بيروت

تفسير مقاتل بن سليمان الشيخ ابو الحسن مقاتل بن سليمان البلخی دار الكتب العلمية بيروت

التفسير المنير الشيخ الدكتور وهبة الزحيلی دارالفكر

تفسير الشيخ المراغی الشيخ احمد مصطفی المراغی مطبعة مصطفی البابی الحلبی

تفسير الطبری الشيخ ابوجعفر محمد بن جرير الطبری موسسة الرسالة

التحرير والتنوير الشيخ ابن عاشور تونس

تحفۃ العلماء حکیم الامت مولانا تھانوی

تفسير ماجدی مولانا عبد الماجد

تنقيح تحقيق احاديث التعليق الشيخ ابن عبد الهادی

التعليقات على القول البديع الشيخ محمد عوامة

تاريخ مكة الشيخ ابن الضياء الحنفى

التاريخ الاسلامى الدكتور محمد سهيل طقوش

التعليقات الحافلة على الاجوبة الفاضلة الشيخ عبد الفتاح ابوغدة دارالسلام حلب

التعليقات على سير اعلام النبلاء الشيخ شعيب الارنؤوط مؤسسة الرسالة

التعليقات على جامع الاصول فى احاديث الرسول الشيخ عبد القادر الارنؤوط مكتبة دارالبيان

تحفة الالمعى شرح سنن الترمذى مفتی سعید پالنپوری صاحب

تفضيل الكلاب على كثير ممن لبس الثياب الشيخ ابوبكر محمد بن خلف ابن مرزبان

تاريخ الخلفاء الشيخ الامام جلال الدين السيوطى قديمى كتب خانه

تهذيب الاسماء واللغات الامام النووى

تالیفاتِ عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ادارۂ اسلامیات لاہور

تنبيه الولاة والحكام على شاتم خير الانام (رسائل ابن عابدين)العلامة ابن عابدين الشامى قديمى كتب خانه

تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامى فى القرن الرابع الشيخ عبدالفتاح ابوغدة

التعليقات على القواعد فى علوم الحديث الشيخ عبدالفتاح ابوغدة

تاریخ دعوت وعزیمت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

التقييد والايضاح شرح مقدمة ابن الصلاح العلامة زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقى دارالحديث

تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی بلندشہری ادارۂ اسلامیات لاہور

التدوين فى اخبار قزوين الشيخ عبد الكريم بن محمد الرافعى القزوينى دار الكتب العلمية

تحقيق المقال فى تخريج احاديث فضائل الاعمال الشيخ لطيف الرحمن القاسمى مكتبة الحرمين

تاريخ الاسلام (اردو) مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی مکتبہ رحمت دیوبند

التنبيه والرد على الاهواء والبدع الشيخ ابوالحسين محمد بن احمد الشافعى القاهرة

التفهيمات الالٰهية الشاه ولى الله الدهلوى

تبصير المنتبه بتحرير المشتبه الحافظ ابن حجر العسقلانى المكتبة العلمية بيروت لبنان

تنقیح التحقیق الامام شمس الدین الذھبی

تأنیب الخطیب الشیخ العلامة زاھد الکوثری المکتبة الازھریة للتراث

تحفۂ قادیانیت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس الشیخ حسین بن محمد الحسن الدیار بکری م٩٦٦ھ القاھرة

تاریخِ ملت جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی وجناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی ادارۂ اسلامیات، انارکلی لاہور

الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک الامام ابو حفص عمر بن احمد ابن شاھین م ٣٨٥ھ

الترغیب الترھیب الشیخ الامام ابو القاسم اسماعیل بن محمد الاصبھانی

التعلیقات علی الترغیب فی فضائل الاعمال الشیخ محمد السعید بن بسیونی زغلول

تاریخ علماء الاندلس الشیخ ابن الفرضی القاھرة

التعلیقات علی الرفع والتکمیل الشیخ عبد الفتاح ابو غدة

التعریف بالاسلام مرکز قطر للتعریف بالاسلام وزارة الاوقاف الشؤون الدینیة بقطر

تقویة الایمان الشاہ اسماعیل الشھید

تفسیر جواھر القرآن لمولانا غلام الله خان فی ضوء احادیث مولانا حسین علی رحمه الله کتب خانہ رشیدیہ

تفسیر القرآن الشیخ ابو المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار السمعانی ٤٢٦ھ — ٤٨٩ھ دار الوطن

تفسیر القرآن الشیخ عبد الرزاق بن ھمام الصنعانی ١٢٦ھ — ٢١١ھ

التفسیر والمفسرون الدکتور محمد حسین الذھبی

التعلیقات علی الاحکام الوسطی الشیخ حمدی السلفی و الشیخ صبحی السامرای

تزیین الاسواق فی اخبار العشاق الشیخ داود بن عمر الانطاکی

التقریر الرفیع شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مکتبة الشیخ سھارنفور

التعلیقات علی التقریر الرفیع مولانا رضوان الله البنارشی مکتبة الشیخ سھارنفور

التوسعة علی العیال لابی زرعة العلامة زین الدین العراقی

تحفة التحصیل فی ذکر رواة المراسیل الشیخ احمد بن عبد الرحیم ابوزرعة ولی الدین ابن العراقی م٨٢٦ھ

تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنة الناس من الحدیث الشیخ ابن عمر الشیبانی الشافعی الاثری

التعليقات على بذل المجهود الشيخ الدكتور تقى الدين الندوى دارالبشائر الاسلامية

تمام المنة فى التعليق على فقه السنة الشيخ محمد ناصر الدين الالبانى المكتبة الاسلامية

توضيح الفرائض السراجية الشيخ محمد انور البدخشانى بيت العلم

التذكرة فى الاحاديث المشتهرة الشيخ بدرالدين عبد الله بن محمد الزركشى دارالكتب العلمية بيروت

تطبيق الفرائض على مذهب النعمان بن ثابت

تهذيب الاحكام الطوسى الشيعى

تقصیراتِ تفہیم مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

تاريخ ابن يونس المصرى

التراتيب الادارية العلامة عبد الحي الكتانى

ثاء

الثمر الدانى ابن ابى زيد القيروانى دارالفكر

الثقات الامام محمد بن حبان بن احمد ابوحاتم التميمى البستى دار الفكر

ثمرات الاوراق فيما طاب من نوادر الادب وراق الشيخ تقى الدين ابن الحجة الحموى م۸۳۷ھ دارالفكر

الثقات ممن لم يقع فى الكتب الستة الشيخ قاسم بن قطلوبغا

جيم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و۱۳۱۴، ت۱۳۹۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی

الجامع الصغير الامام جلال الدين بن أبى بكر السيوطى و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الكتب العلمية بيروت

الجوهر النقى على هامش السنن الكبرى علاء الدين بن على بن عثمان ابن التركمانى ت۷۴۵ دار المعرفة

جامع الأحاديث الامام جلال الدين عبد الرحمن السيوطى ت ۹۱۱ دار الفكر

جامع المسانيد محمد بن محمود الخوارزمى مكة المكرمة

الجوهرة النيرة الفقيه أبو بكر بن على بن محمد الحدادى ت ۸۰۰ مكتبة امدادية

جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جدید فقہی مباحث قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

جواہرالفتاویٰ　مفتی عبدالسلام چاٹگامی　اسلامی کتب خانہ کراچی،

جامع الرموز　الشیخ شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی　المطبعة الکریمة

جامع احکام الصغار علی ھامش الفصولین العلامہ الاستروشنی　اسلامی کتب خانہ

جامع الاصول فی احادیث الرسول مجد الدین ابوالسعادات ابن الاثیر ۶۰۶م　دارالبیان

جامع الفصولین　الشیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل ابن قاضی سماونہ ۸۲۳ م

جامع العلوم والحکم　الحافظ ابن رجب حنبلی ۷۹۵ م

جمھرۃ القواعد الفقھیة　الشیخ علی احمد الندوی

جدید معاملات کے شرعی احکام (فقہ المعاملات)　مفتی احسان اللہ شائق　دارالاشاعت

جمع الوسائل فی شرح الشمائل　الشیخ الملا علی القاریؒ　ادارہ تالیفات

الجامع الصغیر　الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

جدید فقہی تحقیقات　اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا　کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع الشیخ الخطیب البغدادی

الجرء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف فی ضوء افادات الشیخ المفتی رضاء الحق زمزم پبلشرز

الجامع فی الجرح والتعدیل جمع وترتیب السید ابوالمعاطی القدری واخوانه عالم الکتب

جمھرۃ اللغة　الشیخ ابن درید موقع الوراق

الجلالین　الشیخ جلال الدین محمد احمد المحلی و الشیخ جلال الدین السیوطی

جواھر القرآن　الشیخ الطنطاوی

جواھر الادب　الشیخ احمد الھاشمی

الجواھر الزواھر　حضرت مولانا محمد عبدالحی کفلیتوی صاحب　ادارہ تبلیغ الاسلام دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر، سورت

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا

الجواھر المضیة فی طبقات الحنفیة　العلامة عبد القادر ابن ابی الوفاء القرشی المصری میرمحمد کتب خانه

جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس　الشیخ محمد بن فتوح الازدی الحمیدی　الدار المصریة

جمھرۃ اللغة　الشیخ ابوبکر محمد بن الحسن الازدی

جامع بيان العلم وفضله الحافظ ابن عبد البر

جمال القراء وكمال القراء ات

جامع التحصيل فى احكام المراسيل الشيخ ابو سعيد بن خليل العلائى عالم الكتب

جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی

الجنايات فى الفقه الاسلامى الشيخ عزيز الرحمن النيبالى الجامعة الاسلامية لوساكا زامبيا

چ

چہل کاف مرتبہ؛ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی

حاء

حجة الله البالغة الشيخ الشاه ولى الله الدهلوىؒ

حاشية الدسوقى على الشرح الكبير الشيخ شمس الدين محمد عرفه الدسوقى دار الفكر

حاشية الشلبى على تبيين الحقائق الشيخ شهاب الدين الشلبى امداديه

حلية الأولياء الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ۴۳۰ دار الفكر

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح العلامه السيد أحمد الطحطاوى مير محمد كتب خانه كراچى

حاشية مشكوٰة المصابيح الشيخ احمد على السهارنفورىؒ قديمى كتب خانه

حاشية الشرنبلالى على درر الحكام العلامه الشرنبلالى الحنفى و۹۹۴،ت۱۰۶۹ھ

حاشية الهداية العلامه عبدالحى اللكهنوى و۱۲۶۴،ت۱۳۰۴ھ

حاشية صحيح البخارى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حاشية السندى على سنن ابن ماجه الشيخ محمد بن عبد الهادى السندى

حاشية الترمذى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حاشية الطحطاوى على الدر المختار العلامة السيد أحمد الطحطاوى و ۱۲۳۱ مكتبة العربية كوئٹه

حاشية سنن الدارمى الشيخ فواز احمد وخالد السبع العلمى قديمى كتب خانه

حاشية فتح القدير الشيخ سعد الله چلپى دارالفكر

حاشیة سنن ابن ماجه الشیخ عبد الغنی المجددیؒ

حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب

حاشیة العدوی علی شرح کفایة الطالب الربانی الشیخ علی الصعیدی العدوی المالکی دارالفکر

حاشیة الدرر علی الغرر الشیخ ابوسعید محمد بن مصطفیٰ الخادمی مطبعة عثمانیة

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح السید احمد الطحطاوی قدیمی

الحاوی للفتاوی الامام جلال الدین السیوطی فاروقی کتب خانه

حاشیة کنز الدقائق مولانا حبیب الرحمٰن صاحب امدادیہ ملتان

حاشیة السراجی الادیب محمد نظام الدین الکیرانوی قدیمی کتب خانه

حاشیة الجمل للشیخ زکریا الانصاری دارالفکر

الحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی القاضی الغزنوی دارالنوادر

حواشی الشروانی الشیخ عبد الحمید المکی الشروانی

حاشیة فیض الباری مولانا بدرعالم میرٹھی

حاشیة جمع الوسائل الشیخ عبدالرؤوف المناوی ادارة تالیفات اشرفیه

حاشیة البحرالرائق [منحة الخالق] العلامة ابن عابدین الشامیؒ کوئٹه ،

حاشیتان القلیوبی والعمیرة ۱۔ الشیخ شهاب الدین القلیوبی المصری ۲۔ الشیخ شهاب الدین احمد عمیرة

حیاة الصحابة الشیخ محمد یوسف الکاندهلوی

الحاوی الکبیر الامام الماوردی الشافعی دارالکتب العلمیة

حاشیة تهذیب الکمال الدکتور بشار عواد

حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی

حاشیة اعانة الطالبین الشیخ الدمیاطی

حاشیة بذل المجهود الدکتور تقی الدین الندوی دار البشائر الاسلامیة

حاشیة سبل السلام الشیخ بزاز احمد ، ابراهیم محمد الجمل دارالکتاب العربی

الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الشیخ عبد الغنی النابلسی در سعادت

حادی الارواح الی بلاد الافراح العلامة ابن القیم الجوزیة دارالفکر

حاشیة علی الجلالین قدیمی کتب خانه

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی حیات وافکاروآثار مولانا خالدسیف اللہ

حل القرآن حضرت مولانا حبیب اللہ احمد کیرانوی

حلیة الابرار السید ہاشم البحرانی

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تاریخی حقائق حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ادارة المعارف

الحسن بن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه الشیخ علی محمد محمد الصلابی

حسن التقاضی العلامة زاهد الکوثری

حاشیة الصاوی علی الجلالین الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی

حیاة الحیوان العلامة الشیخ کمال الدین الدمیری

حاشیہ کنز مولانا احسن نانوتوی

حاشیة المنار المنیف الشیخ عبد الفتاح ابوغدة مکتب المطبوعات الاسلامیة

حاشیہ امدادالفتاویٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

الحیلة الناجزة حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

خاء

خلاصة الفتاوی للشیخ طاہربن عبد الرشید البخاری مکتبه رشیدیه کوئٹه

خزانة المفتین للشیخ حسین بن محمد کراچی

خزانة الفقه للفقیه ابو اللیث السمرقندیؒ

خلاصة البدرالمنیر سراج الدین ابن الملقن الشافعیؒ ۸۰۴م

خصائل نبوی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

خواتین کی صحت ڈاکٹر ثمرین فرید دارالشعور، لاہور

الخصائص الکبری العلامة جلال الدین السیوطی

الخلاصة فی احکام اهل الذمة علی بن نایف الشحود

خیرالفتاویٰ　مولانا مفتی خیر محمد جالندھریؒ

خلاصة المددالنبوی من الاذکار والادعیة الماثورة　العلامة الحبیب عمربن محمد بن سالم

خردنامہ اسکندری　مولانا جامی

خلافت وملوکیت　مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

الخیر الکثیر　الشاہ ولی اللہ الدھلوی

دال

الدر المنثور　عبد الرحمن جلال الدّین السیوطیؒ و ۸۴۹ت ۹۱۱　دار الفکر

الدر المختار　علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفیؒ و ۱۰۲۵ ت ۱۰۸۸　ایچ ایم سعید کمپنی

درر الحکام فی شرح غرر الأحکام　قاضی ملا خسرو　معارف نظارت جلیلة

الدرایة فی تخریج احادیث الھدایة　الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

الدرالمنتقی فی شرح الملتقی علی ھامش مجمع الانھر　علاء الدین الحصکفی الدمشقی

درس ترمذی　مفتی محمد تقی عثمانی صاحب　دارالعلوم کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور)　مولانا اشرف علی تھانوی

دررالحکام شرح مجلة الاحکام　الشیخ علی حیدر　بیروت

الدراری المضیة　العلامة الشوکانی　بیروت

دلائل النبوة　الشیخ ابو نعیم الاصبھانی

دستورالعلماء　القاضی عبد رب النبی الاحمد نگری　دارالکتب العلمیة بیروت

الدیباج علی صحیح مسلم　الامام السیوطی

دلیل الفالحین　الشیخ ابن علان الشافعی

دلائل النبوة　الامام البیھقی

دلائل الخیرات　الامام محمد بن سلیمان بن داود الجزولی السملالی الشاذلی　زمزم پبلشرز

الدرة الفردة شرح قصیدة البردة　حضرت مفتی رضاء الحق صاحب　زمزم پبلشرز

دیوان حسان بن ثابت　دار صادر بیروت

الدر المنضود　حضرت مولانا محمد عاقل صاحب　مکتبہ خلیلیہ محلّہ مفتی سہارنپور یوپی

دجال　مفتی ابولبابہ شاہ منصور

الدرالمنثور فی طبقات ربات الخدور　زینب بنت علی فواز العاملی

الديباج المذهب فی معرفة اعيان علماء المذهب　الشيخ ابراهيم بن علی اليعمری　دار التراث القاهرة

دراسات الكاشف　الشيخ محمد عوامة

الدولة العثمانية عوامل النهوض واسباب السقوط　الشيخ علی محمد محمد الصلابی

ديوان مجنون ليلىٰ　المنسوب الى الشاعر قيس بن الملوح بن مزاحم العامری

ديوان ذوالرمة　الشاعر ابو الحارث غيلان بن عقبة العدوی ذو الرمة و۷۷ـ۱۱۷ھ

ذال

الذخيرة　شهاب الدين احمد بن ادريس القرافی　بيروت

ذخيرة الحفاظ　الامام محمد بن طاهر المقدسی

ذکر جہری واجتماعی　حضرت مفتی رضاء الحق صاحب

ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی　الشيخ محب الدين احمد بن عبد الله الطبری م ۶۹۴ھ

راء

روح المعانی　الشيخ شهاب الدين السيد محمود الآلوسی البغدادیؒ ت۱۲۷۰ھ　التراث القاهرة

رد المحتار المعروف بفتاوی الشامی　خاتمة المحققين محمد امين (ابن عابدين) ۱۲۵۲　ايچ ايم سعيد کمپنی

رسائل ابن عابدين　العلامة الشامیؒ　سهيل اکيڈمی

رسم المفتی　العلامة الشامیؒ

رمز الحقائق شرح كنزالدقائق　العلامة بدرالدين العينیؒ　بيروت

روضة الطالبين　الامام النوویؒ　المكتب الاسلامی

الروضة الندية　الشيخ محمد صديق حسن خان　دارالمعرفة

الروض الانف　الشيخ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن احمد السهيلی م ۵۸۱ھ

رابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ　مکۃ المکرّمہ

راہِ سنت　حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

روح البیان　الشیخ اسماعیل الحقی

روضة المحدثین [وهو یشبه ان یکون تفریعاً لاحکام الحافظ ابن حجر علی الاحادیث فی بعض کتبه]

الروض المعطار فی خبر الاقطار　الشیخ محمد بن عبد المنعم الحمیری　مؤسسة ناصر للثقافة

روائع التفسیر　الشیخ زین الدین ابن رجب الحنبلی

روایة الصحیحین لعمر السیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عند زواجها بالنبی صلی الله علیه وسلم بین صدق الحقیقة وافتراء المسککین　الدکتور محمد رمضان ابوبکر محمد استاذ مساعد بجامع الازهر بمصر

الرد الوافر　الشیخ محمد بن ابی بکر بن ناصر الدین الدمشقی　المکتب الاسلامی

الروض المربع شرح زاد المستنقع فی اختصار المقنع　الشیخ منصور بن یونس بن ادریس البهوتی　دارالفکر

ریاض الصالحین　الامام النووی

زاء

زاد المعاد فی هدی خیر العباد　شمس الدین أبو عبد الله الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱　مؤسسه الرسالة

الزیادات　للامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ　المجلس العلمی

الزهد　الحافظ هناد بن السری الکوفی　دارالخلفاء للکتاب الاسلامی ، الکویت

زاد المسیر　للعلامة ابن الجوزیؒ

زهر الفردوس　الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

الزهرة　الشیخ ابن داؤد الاصبهانی

سین

السنن الکبری　ابو عبد الرحمن أحمد بن شعیب النسائی

سیر اعلام النبلاء　الحافظ شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی　مؤسسة الرسالة

سنن ابی داود　الامام سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانیؒ و ۲۰۲ ت ۲۷۵ھ　کتب خانه مرکز علم کراچی

سنن الترمذی　الامام ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۹　فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

سنن النسائی　الامام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ و ۲۱۵ ت ۳۰۳　قدیمی کتب خانه

سنن ابن ماجه الامام ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ قديمی كتب خانه

سنن الدارمی الحافظ عبدالله بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ ت ۲۵۵ قديمی كتب خانه

سنن الدارقطنی الحافظ علی بن أبی بكر الدارقطنی و ۳۰۶ ت ۳۸۵ مكتبة المتبنی القاهرة

السنن الصغرى الحافظ ابو بكر احمد بن الحسين بن علی البيهقی

سنن سعيد بن منصور الحافظ سعيد بن منصور الخراسانی ت ۲۲۷ الدار السلفية الهند

السنن الكبرى الحافظ ابو بكر احمد بن الحسين بن علی البيهقی دار المعرفة

السعاية العلامه اللكهنوی سهيل اكيڈمی

سبل السلام الشيخ محمد بن اسماعيل الصنعانی

السراج الوهاج العلامه محمد زهری الغمراوی المكتبة التجارية

سلسلة الاحاديث الضعيفة الشيخ محمد ناصر الدين الالبانیؒ المكتب الاسلامی

السراجی الشيخ سراج الدين السجاوندی قديمی كتب خانه

سنتِ نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق چغتائی ادارہ اسلامیات

سبل الهدى والرشاد محمد بن يوسف الشامی بيروت

سلسلة الآداب الاسلامية محمد بن صالح

السيرة النبوية ابن هشام دارالجيل

السيرة الحلبية علی بن برهان الدين الحلبی

سيرة النعمان *مولانا شبلی نعمانی* دارالاشاعت

سيرة النبی *مولانا شبلی نعمانی*

سيرة المصطفى *مولانا ادریس کاندھلوی* مكتبه عثمانيه

السير الكبير الامام محمد بن الحسن الشيبانیؒ

سل الحسام الهندی (رسائل ابن عابدين) العلامة محمد امين ابن عابدين الشامی قديمی كتب خانه

السيرة النبوية العلامة ابن كثير

سمط نجوم العوالی فی أنباء الاوائل والتوالی عبد الملك بن حسين المكی الشافعی العصامی

سراج الملوک　الامام ابو بکر بن الولید بن محمد القرشی الفهدی الاندلسی الطرطوسی

سیرتِ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ　مولانا محمد نافع صاحب

سیرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا　حضرت مولانا سید سلیمان ندوی

السیرة النبویة　ابوشهبه　دارالقلم دمشق

سیدنا محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم الاسوة الحسنة　الشیخ الصاغرجی　دارالکلم الطیب دمشق

سیرة الصحابة　مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی　ادارۂ اسلامیات

سلسلة الذهب فی ذم الروافض (مخطوطة)

سبق آموز واقعات　مفتی احسان اللہ شائق

شین

شرح صحیح البخاری　الشیخ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال القرطبی　مکتبة الرشد

شرح السنة　الامام البغوی

شرح النقایة　الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴　سعید کمپنی

شرح المجلة　الشیخ محمد خالد الاتالسی　رشیدیه

شرح المجلة　الشیخ سلیم رستم باز اللبنانی

شرح الوقایة　الشیخ عبید الله بن مسعود بن تاج الشریعة　مطبع مجیدی

شرح عقود رسم المفتی　فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی　مکتبه اسعدی

شعب الایمان　الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸　الدار السلفیة الهند

شرح معانی الآثار　الامام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ　ایچ ایم سعید کمپنی

شرح مشکل الآثار　الامام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ بتعلیق شعیب الارنؤوط

شرح المسلم للنووی　ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲　دار احیاء التراث

الشرح الکبیر　الشیخ ابن قدامه المقدسی　بیروت

شرح ریاض الصالحین　الشیخ محمدبن صالح العثیمین

شرح الهدایة　الشیخ سعد الله سعدی چلپی　دارالفکر

الشرح الکبیر علی ھامش الدسوقی الشیخ ابو البرکات سید احمد الدردیر المالکی

شرح منظومة ابن وھبان العلامہ ابن الشحنة الحلبی

شرح المنار العلامة عز الدین عبد اللطیف ابن عبد العزیز بن ملکؒ در سعادت

شرح المھذب الامام النووی دار الفکر

شرح القواعد الفقھیة الشیخ احمد بن محمد الزرقا بیروت

شرح تحفة الملوک محمد بن عبد اللطیف ابن ملک دارالبشائر

شمائل کبریٰ مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی زمزم

شرح الصدور الامام السیوطی

شرح منتھی الارادات الشیخ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی عالم الکتب

شرح سنن ابی داود العلامة بدرالدین العینیؒ

الشمائل الامام الترمذی

الشمائل الشریفة الامام جلال الدین السیوطیؒ

شرح شرح النخبة الشیخ الملا علی القاریؒ

شرح سنن ابی داود الشیخ عبد المحسن العباد

شرح سفر السعادة الشیخ عبد الحق الدھلوی

شرح سنن النسائی الامام جلال الدین السیوطی مکتب المطبوعات الاسلامیة

شرح شرعة الاسلام الشیخ یعقوب بن سیدی علی

الشرح الممتع علی زاد المستقنع الشیخ محمد بن صالح العثیمین دارابن الجوزی

شرح اختصار علوم الحدیث الشیخ ابراھیم بن عبداللہ

شرح الزرقانی الشیخ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی داراحیاء التراث بیروت

شرح شافیة ابن حاجب الشیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابازی النحوی بیروت

شرح الفقه الاکبر الشیخ الملا علی القاری

الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القاضی عیاض

الشذرة فی الاحادیث المشتهرة العلامة محمد بن طولون الصالحی دارالکتب العلمية

شرح النقاية لمولانا الياس ایچ ایم سعید

شرح العقائد النسفية العلامة سعد الدين التفتازانی مکتبه خير کثير

شرح السير الكبير العلامة السرخسی

شرح المقاصد فی علم الكلام العلامة سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازانی م ۷۹۱ھ دارالمعارف

شمس المعارف الشيخ احمد بن علی

شرح اللباب الشيخ الملا علی القاری المکی دارالکتب العلمية

شرح عمدة الاحکام الشيخ عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن جبرين

شرح المحرر فی الحديث الشيخ عبد الكريم بن عبد الله

الشريعة الشيخ ابوبكر محمد بن الحسين بن عبد الله البغدادی الآجری

شرح عقيدة الطحاوية اوقاف السعودية

شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی مکتبہ رحمانیہ، لاہور

شواهد النبوة الشيخ عبد الرحمن الجامی

شرح لمعة الاعتقاد الشيخ محمد بن صالح العثيمين

شرح بلوغ المرام الشيخ عطية بن محمد سالم

الشريفية شرح السراجية السيد شريف الجرجانی الرياض

شذرات الذهب فی اخبار من ذهب الشيخ عبدالحي ابن العماد العكری الحنبلی دارابن کثير

صاد

صحيح البخاری الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعيل البخاریؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فيصل پبليکيشنز، ديوبند

صحيح مسلم الامام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشيریؒ و۲۰۶ ت۲۶۱، مکتبة الاشرفية ديوبند

صحيح ابن حبان الامام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التميمی موسسة الرسالة بيروت

صحيح ابن خزيمه الامام ابوبكر محمدبن اسحاق ابن خزيمه

الصحاح الشيخ ابونصر اسماعيل بن حماد الجوهری

الصلاة الناجية　الشيخ ابوبكر بن سالم

صور من حياة الصحابة　الدكتور عبد الرحمن رأفت الباشا　دار الادب الاسلامی

الصواعق المرسلة　العلامة ابن القيم الجوزية

الصواعق المحرقة　الشيخ ابن حجر الهيتمی　مؤسسة الرسالة

الصوارم المهرقة　شهيد نور الله التستری (شيعی)

صفة الجنة　الشيخ ابونعيم الاصبهانی

الصلة فی تاريخ ائمة الاندلس　العلامة ابن بشكوال ابوالقاسم خلف بن عبد الملک

ضاد

الضعفاء للعقيلی　دارالكتب العلمية بيروت

ضوء المعالی علی منظومة بدء الامالی　الشيخ الملا علی القاری

ضياء القلوب　*حاجی امداداللہ مہاجر مکی*

الضوء اللامع فی اعيان القرن التاسع　العلامة شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوی م ۹۰۲ھ

طاء

الطب النبوی　العلامه ابن القيم الجوزية　دارالفكر

طبقات المحدثين　الحافظ　ابو الشيخ الاصبهانی

الطبقات الكبری　ابو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمی م ۲۳۰ھ　دار صادر

طرح التثريب فی شرح التقريب　الحافظ ولی الدين ابو زرعة العراقی م ۸۲۶ھ

طبقات الحنابلة　الشيخ القاضی ابويعلی

الطرق الحكمية　العلامة ابن القيم الجوزية

طبقات الشافعية الكبری　الشيخ تاج الدين السبكی

الطيوريات　الشيخ ابوطاهر السلفی

طبقات علماء افريقية

طرازی شرحِ سراجی　مولانا اشتیاق احمد صاحب　قدیمی کتب خانہ

ظاء

ظفر الامانی العلامة عبد الحي اللكهنوی

عين

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی العلامة المحدث الكبير انور شاه الكشميری فيصل ديوبند دهلی

عصرحاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہدالاسلام قاسمی

عصرحاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد

عصرحاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل مرتب مولانا موسیٰ کرماڈی

عون المعبود محمد شمس الحق العظيم آبادی دار الكتب العلمية

العناية شرح الهداية أكمل الدّين محمد بن محمود البابرتیؒ ت ٧٨٦

عمدة القاری فی شرح صحيح البخاری بدر الدين محمد محمود بن احمد العينیؒ دار الحديث ملتان

عزیزالفتاویٰ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ

عمدۃالفقہ مولانا سیدزوارحسین صاحب

عمل اليوم والليلة العلامة ابن السنی

عمل اليوم والليلة الامام احمد بن شعيب النسائی

عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية العلامة عبدالحي اللكهنویؒ

علل الحديث الشيخ ابن ابی حاتم

عيون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسير ابو الفتح ابن سيد الناس الاندلسی

عمدة السلوک حضرت مولانا سیدزوارحسین صاحب

العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية العلامه عبد الرحمن بن علی بن الجوزی دارالكتب العلمية

علوم الحديث الشيخ ابوعمرو بن الصلاح

عملیات وتعویذات کے شرعی احکام مولانا اشرف علی تھانوی ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

علم اصول الفقه الشيخ عبد الوهاب خلاف مكتبة الدعوة

عالمی انسائيكلوپيڈيا الشيخ ياسر جواد اضافه شده ايڈيشن الفيصل

العبر فی خبر من غبر الحافظ ابوعبد الله الذهبی دار الکتب العلمیة بیروت

العظمة الحافظ ابو الشیخ عبد الله بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبهانی الریاض

عرفانِ محبت شرحِ فیضانِ محبت مولانا مفتی محمد امجد صاحب خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ

عوارف المعارف الشیخ شهاب الدین عمر بن محمد بن عبد الله السهروردی م ۶۳۲ھ

عالم الجن والشیاطین الشیخ عمر بن سلیمان الاشقر

غین

غمز عیون البصائر الشیخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن

غنیة ذوی الاحکام العلامه الشرنبلالی

الغرر البهیة الشیخ زکریا الانصاری الشافعی دارالکتب العلمیة

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب محمد بن احمد السفارینی الحنبلی

غنیة المتملی فی شرح منیة المصلی الشیخ ابراهیم الحلبی سهیل اکیڈمی

غریب الحدیث ابوعبید القاسم بن سلام الهروی دارالکتاب العربی بیروت

غریب الحدیث ابراهیم ابن إسحاق الحربی ام القری

غریب الحدیث الامام الخطابی

غیاث اللغات (فارسی) غیاث الدین الرامپوری الهندی

غریب الحدیث العلامة ابن الجوزی

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ایفا پبلیکیشر ز

غایة النهایة فی طبقات القراء الشیخ محمد بن محمد ابن الجزری م ۸۳۳ھ مکتبة ابن تیمیة

الغماز علی اللماز فی الاحادیث المشتهرة الشیخ ابو الحسن نور الدین السمهودی

فاء

فتح القدیر فی التفسیر العلامه الشوکانی

فتاوی حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی

الفتاوی السراجیة ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان زمزم پبلشرز
فتاوی خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
فتاوی عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی
فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ فاروقیہ کراچی
فتاوی دارالعلوم دیوبند (کبیر) حضرت مولٰنا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند
فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی
فیض القدیر الحافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المناویؒ دار الفکر
الفتاوی الهندية الشيخ نظام الدين و جماعة من علماء الهند الاعلام بلوچستان بک ڈپو
فتاوی ابن تیمیه الشيخ احمد بن تيميه دار العربية بيروت
فتاوی رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ
فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسى ت ٦٨١ دار الفكر
فيض البارى حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاہرۃ
فتاوی رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور
فتاوى قاضى خان فخر الدين حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت ۵۹۲ بلوچستان بک ڈپو
الفقه الاسلامى و أدلته الدكتور وهبة الزحيلى دار الفكر
فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، ومفتی محمد شفیع صاحب دارالاشاعت
الفتاوى التاتارخانية عالم بن علاء الانصاری الاندرپتی الدهلوى ت ٨٧٦ ادارۃ القرآن
فتاوى اللكهنوى أبو الحسنات عبد الحى اللكهنوى و ١٢٦٤ ت ١٣٠٤ دار ابن حزم كراچی
الفتاوى البزازية الحافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب البزاز الكردى ٨٢٧ بوچستان بک ڈپو
الفقه على المذاهب الأربعة للشيخ عبد الرحمن الجزائرى دار الفكر
فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحبؒ اکوڑہ خٹک
الفتاوى الولوالجية ظهير الدين عبد الرشيد بن ابى حنيفة الولوالجى دار الكتب العلمية
الفقه الحنفى و ادلته الشيخ اسعد محمد سعيد الصاغرجى دار الكلم الطيب دمشق

الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید　عبد الحمید محمود طهماز　دار القلم دمشق

فتح المعین　محمد ابوالسعود المصری　ایچ ایم سعید

فتاویٰ دارالعلوم زکریا　حضرت مفتی رضاء الحق صاحب　زمزم پبلشرز کراچی و المجلس العلمی بمبئی

فتاوی علماء البلد الحرام　مرتب خالد بن عبدالرحمن

فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء　مرتب شیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش

فتاویٰ بینات　مجلس دعوت وتحقیق اسلامی　مکتبہ بینات کراچی

فتح المنان (المسند الجامع)　ابوعاصم نبیل بن هاشم الغمری

فقہ حنفی کے اصول وضوابط　افادات حکیم الامت　مرتب مولانا محمد زید ندوی

فقہی مقالات　حضرت مفتی محمد تقی عثمانی

فقه المعاملات　الشیخ محمد علی الصابونی

فیروز اللغات　شیخ فیروز الدین

فتاوی الشیخ عبد العزیز بن باز

الفقه المنهجی　الدکتور مصطفی الخن و الدکتور مصطفی البغا　دارالقلم دمشق

الفقه المیسر　الشیخ احمد عیسی عاشور　مکتبة القرآن القاهرة

الفتح الربانی　الامام الساعاتی

فتح الغفار　العلامة ابن نجیم المصری

الفوائد المجموعة للعلامة الشوکانی

فتح الباب فی الکنی والالقاب　ابن مندة

فقه اللغة　الامام الثعالبی

فقه المشکلات　القاضی مجاهد الاسلام　ادارة القرآن

فضائل القرآن　الامام القاسم بن سلام

الفواکه الدوانی　الشیخ احمد بن غنیم بن سالم النفراوی　دارالفکر

الفتاوی　للإمام العلامة محمد بن بخیت المطیعی مفتی الدیار المصریة　دارالصدیق للعلوم

فص الخواتم فی ما قیل فی الولائم الشیخ ابن طولون موقع الوراق

فقه السنة للسید سابق

فتاویٰ شیخ الاسلام شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرتب مفتی سلمان منصور پوری

الفتاوی الحدیثیة الشیخ ابن حجر الهیتمی

الفوائد الشیخ تمام الرازی ابو القاسم مکتبة الرشد

فتاویٰ اسلامیة الشیخ عبدالعزیز والشیخ صالح بن عثیمین

الفردوس بماثور الخطاب الامام ابوشجاع شیرویه بن شهردار الدیلمی دارالباز مکة المکرمة

الفقیه والمتفقه الخطیب البغدادی

فتاویٰ عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

فتاوی الازهر دار الافتاء المصریة

فتاوی السبکی الامام ابو الحسن تقی الدین السبکی بیروت

فتح الکریم المنان الشیخ ضباع المصری

فی ظلال القرآن الشیخ السید قطب

فتاوی دارالافتاء المصریة المفتی عطیة صقر وزارة الاوقاف المصریة

فلکیاتِ جدیدہ حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

الفتاوی المهمة الشیخ عبدالعزیز بن عبدالله بن بازؒ دارالغد الجدید

فضائل درود شریف حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

فتاوی الاسلام سوال وجواب باشراف الشیخ محمد صالح المنجد

فتاویٰ قارئ الهدایة الشیخ سراج الدین عمر بن علی دارالفرقان

فتاوی الشبکة الاسلامیة باشراف عبد الله الفقیه

فتح الله بخصائص الاسم الله حضرت مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی

فتاوی العامة الشیخ عبد الرحمن

فقه الزكوٰة الشيخ يوسف القرضاوى

فتح العزيز بشرح الوجيز الشيخ ابو القاسم عبد الكريم بن محمدالرافعى القزوينى الشافعى م۶۲۳هـ دارالفكر

فتح المغيث العلامة شمس الدين محمد بن عبدالرحمن السخاوى دارالامام الطبرى

فتاوى الخليلى على مذهب الشافعى الشيخ عبد المعطى بن محي الدين الشافعى م۱۱۴۵هـ

فضائل القرآن الشيخ محمد بن ضريس

فضائل القرآن العلامة اسماعيل بن عمر بن كثير القرشى البصرى ثم الدمشقى م ۷۷۴هـ مكتبة ابن تيمية

فرائد فوائدالفكر فى الامام المهدى المنتظر الشيخ مرعى بن يوسف المقدسى الحنبلى

الفهرست محمد بن اسحاق ابو الفرج النديم دارالمعرفة بيروت

فتوح الشام الامام محمد بن عمر الواقدى

الفروق اللغوية الشيخ ابوالهلال العسكرى

فقه شاهنشاه وان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله مولوى احمد رضاخان بريلوى

الفوائد الضيائية الشيخ عبد الرحمن بن احمد نور الدين الجامى م۸۹۸هـ

فضائل القران المستغفرى

في فقه الأقليات المسلمة (حياة المسلمين وسط المجتمعات الأخرى)الدكتور يوسف القرضاوى،دارالشروق

الفصل فى الملل والاهواء والنحل الشيخ على بن احمد بن سعيد بن حزم الظاهرى القاهرة

فتاویٰ قاسمیہ حضرت مفتی شبیر احمد قاسمی مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

فتاویٰ بسم اللہ حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب

قاف

القاموس الوحيد مولانا وحيد الزمان الكيرانوى حسينيه ديوبند

قواعد الفقه مولانا عميم الاحسان المجددى دار الكتاب ديوبند

القاموس الفقهى الشيخ سعدى ابوجيب دارالفكر دمشق

قاموس الفقه مولانا خالد سیف اللہ

القول الراجح افاداتِ مفتی غلام قادر نعمانی

القاموس الجدید (اردو عربی) مولانا وحید الزمان صاحب دیوبند

قواعد فی علوم الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی

قفو الاثر الشیخ رضی الدین محمد بن ابراھیم الحلبی الحنفی حلب

قرة العینین علی تفسیر الجلالین الشیخ محمد احمد کنعان دارالبشائر الاسلامیة

قیام اللیل الشیخ محمد بن النصر المروزی

القول البدیع العلامة شمس الدین السخاوی رح

قصص القرآن حضرت مولانا حفظ الرحمٰن

قصص الانبیاء العلامة ابن کثیر

قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث العلامة جمال الدین القاسمی الدمشقی

القربة الی رب العالمین بالصلاة علی محمد سید المرسلین العلامة ابن بشکوال ابو القاسم خلف بن عبد الملک دار الکتب العلمیة

القانون فی الطب الشیخ ابو علی الحسین بن علی سینا

القراء ة عند القبور الشیخ ابو بکر بن الخلال

القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد الشیخ الحافظ ابن حجر العسقلانی القاهرة

القیامة الصغری الشیخ عمر الاشقر

قواعد البلاغة الشیخ فهد بن عبد الله الحزمی

کاف

کنز العمّال الشیخ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة

کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ دارالاشاعت کراچی

کشف الخفاء للشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احیاء التراث بیروت

کشاف القناع عن متن الاقناع الشیخ منصور بن یونس بن ادریس البهوتی دار الفکر

کتاب الفتاوی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زمزم

کنز الدقائق الشیخ ابو البرکات النسفی امدادیة ملتان

کشف الاسرار الشیخ عبد العزیز البخاری

الکفایة فی شرح الهدایة العلامة جلال الدین الخوارزمیؒ

کتاب الام للامام الشافعی

الکافی فی الفقه الحنفی الشیخ وهبی سلیمان غاؤجی

کتاب الآثار للامام ابی یوسف دارالکتب العلمیة بیروت

کتاب الآثار للامام ابی حنیفةؒ کتب خانه مجیدیه ملتان

کتاب التجنیس والمزید برهان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی م ۵۹۳ هـ

الکامل فی ضعفاء الرجال الشیخ عبید الله بن عدی ابو احمد الجرجانی و۲۷۷هـ ـ م۳۶۵هـ بیروت

کفایت الطالب الربانی الشیخ علی ابوالحسن المالکی

کشف المشکل من حدیث الصحیحین الامام ابن الجوزیؒ

الکنی والاسماء الشیخ ابو بشر الدولابی دارابن حزم

کتاب الفروع شمس الدین الشیخ ابوعبدالله محمد بن مفلح موسسة الرسالة

الکاشف الامام الذهبیؒ

کتاب الضعفاء الشیخ ابن الجوزی

کتاب الضعفاء الامام النسائی

کتاب الضعفاء الامام البخاری

الکفایة فی علم الروایة الشیخ الخطیب البغدادی

کتاب الاذکار الامام النووی مکتبة دارالبیان

کشف الظنون الشیخ حاجی خلیفه

کتاب المصاحف الامام ابوبکر بن ابی داود

الکوکب الدری حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ادارة القرآن

کمالین شرح اردو جلالین مولانا محمد نعیم صاحب مکتبه شرکت علمیه

کتاب الدعاء الامام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی

كتاب الاسماء والصفات الامام ابوبكر احمدبن الحسين البيهقى

الكامل فى التاريخ الامام ابوالحسن عز الدين ابن الاثير دارالكتب العلمية بيروت

كتاب المحبر الشيخ محمد بن حبيب البغدادى بيروت

كتاب الروح العلامة ابو عبدالله محمد بن ابى بكر ايوب الزرعى ابن القيم الجوزية دارالكتب العلمية بيروت

كشف الاستار عن زوائد البزار مؤسسة الرسالة

الكنى والاسماء الامام مسلم

كتاب الكنى والالقاب الشيخ عباس قمى الشيعى

الكشف والبيان عن تفسير القرآن الشيخ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراهيم الثعلبى النيسابورى

الكلام على وصول القراءة للميت الشيخ شمس الدين المقدسى الحنبلى

کشف مغالطات درمسئلہ سماع اموات مولانا ابراہیم واعظ دہلوی

گاف

گجرات کی علمی وادبی شخصیات ناشر: علامہ محمد بن طاہر پٹنی اکیڈمی باہتمام جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ، گجرات

لام

لسان العرب العلامة ابن منظورؒ و۶۳۰ت ۷۱۱ مكتبة دار الباز مكة المكرمة

لامع الدرارى افاداتِ حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی سعید کمپنی

لسان الميزان ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانى ت ۸۵۲، اداره تاليفات اشرفيه ملتان

لغات الحديث حضرت علامہ وحید الزمان

لغاتِ کشوری سید تصدق حسین صاحب رضوی منشی نول کشور

اللؤلؤ والمرجان الشيخ محمد فواد عبدالباقى دارالفكر

اللآلى المصنوعة فى الاحاديث الموضوعة امام سيوطى بيروت

لسان الحكام فى معرفة الاحكام الشيخ ابوالوليد ابراهيم ابن الشحنة الحنفى دارالفكر

اللطائف فى اللغة الشيخ احمد بن مصطفى الدمشقى دارالفضيلة

لغاتِ سعیدی مولانا عبدالعزیز صاحب ومولانا محمد سعید صاحب ومولانا محمد منیر صاحب

لسان اللسان لابن منظور المکتب الثقافی

لباب الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودروی

لوامع الانوار البهية الشیخ شمس الدین السفارینی الحنبلی

لطائف البال حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی ادارۃ التصنیف والادب، لاہور

لیلیٰ مجنون مولانا عبدالرحمٰن جامی

میم

مشکوٰۃ المصابیح الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب طبریزیؒ قدیمی کتب خانہ کراچی

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للشیخ الملا علی القاریؒ مکتبہ امدادیہ ملتان

مختصر القدوری الفقیہ ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوری سعید

المحیط البرهاني الشیخ محمود بن احمد بن الصدر الشہید البخاری الریاض

منظومة ابن وهبان الشیخ عبدالوهاب بن احمد ابن وهبان الدمشقی الوقف المدنی دیوبند

منتخباتِ نظام الفتاوی حضرت مفتی نظام الدین اعظمی

مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة

معرفة السنن والآثار الإمام البیهقی جامع الحدیث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی الشیخ مصطفی السیوطی الرحیبانی موقع الإسلام

المستدرک علی الصحیحین الشیخ محمد بن عبد اللّٰہ الحاکم م۴۰۵ هـ مکة المکرمة

مجمع الزوائد الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ م۸۰۷ هـ دار الفکر

مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی م۱۰۳۰ هـ دار السلام بیروت لبنان

مسند الامام احمد بن حنبل الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱٦۴ ت ۲۴۱هـ دار الفکر

معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ م۱۳۹٦ھ ادارۃ المعارف کراچی

مصنف ابن ابی شیبة الحافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبة العبسی م۲۳۵هـ ادارة القرآن کراچی

المجموع شرح المهذب الشیخ ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ٦۳۱ت ٦۷۲ دار الفکر

میزان الاعتدال الحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی

المعجم الكبير الحافظ ابو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى و۲۶۰ت۳۶۰ مكتبه ابن تيميه

مجموعة الفتاویٰ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ

المحلىٰ الشيخ ابو محمد على بن احمد سعيد بن حزم الاندلسى دار الباز مكة المكرمه

مسند ابى عوانه الشيخ ابو عوانه يعقوب بن اسحاق الاسفرائنى دار المعرفة

المغنى عن حمل الأسفار علىٰ هامش احياء العلوم العلامة زين الدين عبد الرحيم العراقى ت۸۰۶ دار الفكر

مسند أبى داؤد الطيالسى الشيخ أبوداود سليمان بن داود الفارسى الطيالسى ت۲۰۴ دار المعرفة

المعجم الأوسط الشيخ أبو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى م۳۶۰هـ مكتبة المعارف

مسند أبى يعلى شيخ الاسلام أبو يعلى أحمد بن على الموصلى و۲۱۰ ت۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن

المعجم الصغير الشيخ ابو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانى و۲۶۰ت۳۶۰ المكتب الاسلامى

المبسوط شمس الائمة ابو بكر محمد احمد السرخسى دار المعرفة بيروت

مصنف عبد الرزاق الحافظ أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانى و۱۲۶ ت۲۱۱ ادارة القرآن كراچى

مؤطا الامام مالك الامام مالك بن انسؒ

المغنى الشيخ ابن قدامة الحنبلى دار الكتب العلمية

معارف السنن العلامه السيد محمد يوسف البنوریؒ سعيد

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر الشيخ عبد الله بن الشيخ محمد داماد افندى دار إحياء التراث

مسند الحميدى الشيخ ابوبكر عبد الله بن الزبير الحميدى سملک ڈابھیل الهند

المقالات الفقهية حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی

مجلة المجمع الفقهى الاسلامى رابطة العلم الاسلامى مكة المكرمة

معلم الفقه ترجمه مجموعة الفتاوى حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی

المعجم الوسيط الشيخ ابراهيم مصطفى مع اخوانه

الموضوعات العلامه ابن الجوزى

مسند عبد ابن حميد الشيخ عبد بن حميد بن نصر

مجموعہ قوانین اسلامی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم　الامام القرطبى　بيروت
مجلة البحوث الاسلامية　مكة المكرمة
الموسوعة الفقهيه الكويتية　وزارة الاوقاف بالكويت
الموافقات　الامام الشاطبى
مدارک التنزيل　الشيخ ابوالبركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفى
المدونة الكبرى　الامام مالکؒ
المغرب　الشيخ ناصر الدين المطرزى
معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الاحكام　العلامة على بن خليل الطرابلسى م۸۴۴ھ　دارالفكر
مشكل الآثار　الامام الطحاویؒ
مجلّہ فقہ اسلامی　حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام　اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
مطالب اولى النهى　الشيخ مصطفى السيوطى الحنبلى　دمشق
مجلة الاحكام العدلية　جماعة من علماء الدولة العثمانية
المقاصد الحسنة　العلامه شمس الدين السخاویؒ
متن المنار فى اصول الفقه　الشيخ ابوالبركات النسفیؒ ۷۱۰م
معجم المصطلحات والالفاظ الفقهية　الشيخ محمد عبدالرحمن عبدالمنعم　بيروت
معجم لغة الفقهاء　الشيخ محمد رواس وشيخ حامد صادق　ادارة القرآن كراچى
الملخص الفقهى　الشيخ صالح بن فوزان　دارالعاصمة الرياض
المورد قاموس انگريزى عربى　الشيخ منير البعلبكى　دارالعلم للملايين
المورد قاموس عربى انگريزى　الشيخ منير البعلبكى　دارالعلم للملايين
المنجد فى اللغة　دارالمشرق بيروت
ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
مالابدمنہ　قاضی ثناءاللہ پانی پتی
مجموع فتاوى ورسائل العثيمين

معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی صاحب دارالاشاعت

مسند اسحاق بن راهویه

المطالب العالية الحافظ ابن حجر العسقلانی

معجم الصحابه ابن الاعرابی

مختصر تاريخ مدينة دمشق ابن عساكر

المبسوط الامام محمد بن الحسن الشيبانی ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی

مصباح الزجاجة العلامه احمد بن ابی بكر البوصيری

مسند الشاميين الامام الطبرانی

معرفة الصحابة الشيخ ابو نعيم الاصبهانی

مسند الحارث الشيخ الحارث بن ابی اسامة

معجم الصحابة الشيخ ابن قانع

مقالات الكوثری الشيخ محمد زاهد الكوثری

مسئولية المرأة المسلمة الشيخ عبد الله بن جارة ابراهيم جارالله

المغير مع التعليقات الحافظ احمد الغماری

المغنی فی الضعفاء الامام شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبیؒ

مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل الشيخ شمس الدين ابوعبد الله الطرابلسی المغربی دارعالم الكتب

الموضوعات الكبری الشيخ الملا علی القاری

مختار الصحاح الشيخ محمد بن ابی بكر بن عبدالقادر الرازی بيروت

مسند الامام ابی حنيفة

مسند ابن الجعد الحافظ ابو الحسن علی بن الجعد بن عبيد الجوهری البغدادی مؤسسة نادر ، بيروت

مسند الربيع الشيخ ربيع بن حبيب الازدی البصری بيروت

مریض اور معالج کے اسلامی احکام ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم، بی، ایس)

مجموع الفتاوی شيخ الاسلام ابن تيمية دارالوفاء

المورد القريب (cassells french dictionary)

الملتقط الشيخ ابو القاسم السمرقندى بيروت

المدخل الى مذهب الامام احمد بن حنبل الشيخ ابن بدران الحنبلى دارالكتب العلمية بيروت

المدخل الشيخ ابوعبدالله ابن الحاج العبدرى الفاسى المالكى دارالفكر

مظاہرحق جدید شیخ نواب محمد قطب الدین دہلوی

المبدع شرح المقنع الشيخ ابن مفلح الحنبلى دار عالم الكتب الرياض

المعجم المفصل فى النحو العربى الدكتورة عزيزه فوال

المنار المنيف الحافظ ابن القيم الجوزية

مصباح اللغات العلامة الشيخ عبدالحفيظ ابوالفضل البلياوى

مجمع بحار الانوار الشيخ محمد طاهر الفتنى الهندى

معجم مقاييس اللغة الشيخ ابوالحسين احمد بن فارس بن زكريا دارالفكر

المنتقى شرح الموطا الشيخ ابوالوليد سليمان بن خلف الباجى الاندلسى المتوفى ۴۷۴

مسند الرويانى الشيخ ابوبكر محمد بن هارون الرويانى

مسائل فقهية معاصرة الشيخ عبد الملک بن عبد الرحمن السعدى دارالنور عمان

مجموع فتاوى ابن باز الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز

مناهل العرفان فى علوم القرآن الشيخ محمد عبدالعظيم الزرقانى

مقدمة ابن خلدون

مسند الشهاب الحافظ محمد بن سلامة بن جعفر ابو عبد الله القضاعى مؤسسة الرسالة بيروت

المغازى الشيخ محمد بن عمر الواقدى بيروت

المواهب اللدنية العلامة احمد بن محمد القسطلانى المكتب الاسلامى

مفهوم البدعة الشيخ الدكتور عبد الاله

مدارج السالكين العلامة ابن القيم الجوزية

المفصل فى شرح حديث من بدل دينه فاقتلوه الشيخ على بن نايف الشحود

موضوعات الصغانی الشیخ الرضی الصغانی

مختصر المعانی العلامة سعد الدین التفتازانی دارالفکر

معجم المؤلفین الشیخ عمر رضا کحالة مکتبة المثنی بیروت

معالم السنن العلامة ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراهیم البستی الخطابی م ۳۳۸ھ

المهند علی المفند حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری

الموت الامام ابن ابی الدنیا

مسلم پرسنل لا اوراسلام کا عائلی نظام مولانا شمس تبریز خان مجلس نشریاتِ اسلام

مصادر شریعتِ اسلامیہ اور عورت کی حکمرانی

المعارف اللدنیة مجددِ الفِ ثانی

ماثبت بالسنة الشیخ عبد الحق الدهلوی

مرآت الجنان وعبرة الیقظان فی معرفة حوادث الزمان الشیخ ابو محمد عبد الله الیافعی دارالکتاب الاسلامی

معجم البلدان الشیخ یاقوت بن عبد الله الحموی ابو عبد الله دار الفکر

مقدمة مجمع البحرین الشیخ الیاس قبلان بیروت

منهاج السنة العلامة ابن تیمیة المکتبة السلفیة

معالم التنزیل الامام محي السنة ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی دارطیبة للنشر والتوزیع

محمود الفتاویٰ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب

ماہنامہ الفاروق جامعہ فاروقیہ

المغنی فی ضبط الاسماء الشیخ محمد طاهر بن علی الفتنی

مصباح العقائد شرح شرح العقائد

مکتوباتِ امام ربانی شیخ سید احمد سرہندی مجددِ الفِ ثانی

مجالس ابرار شیخ احمد رومی

من لا یحضره الفقیه الشیخ عباس القمی الشیعی دارالکتب الاسلامیة ، طهران

المؤتلف والمختلف الامام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی البغدادی

مقاصد الرعاية لحقوق الله عزوجل سلطان العلماء عز الدين بن عبد السلام السلمى دار الفكر

المقالات الشيخ ابوالحسن الاشعرى

المعتمد فى اصول الدين القاضى ابويعلى

معالم الطريق الى الله الشيخ ابو فيصل البدرانى

المقتنى فى سرد الكنى الحافظ الشيخ شمس الدين الذهبى

مباحث فى علوم القرآن الشيخ مناع القطان مكتبة المعارف

مصاعد النظر الشيخ البقاعى الرياض

المحكم والمحيط الاعظم الشيخ ابوالحسن على بن اسماعيل بن سيده المرسى دارالكتب العلمية

مكة والمدينة فى الجاهلية وعهد الرسول الشيخ احمد ابراهيم الشريف دارالفكر

معجم تصحيح لغة الاعلام العربى الاستاذ الدكتور عبد الهادى

الموسوعة العربية العالمية

مناقب ابى حنيفة وصاحبيه لجنة احياء المعارف النعمانية

مقدمة ديوان الامام الشافعى الدكتور احسان عباس مكتبة دار الصادر بيروت

المقالات السنية فى كشف ضلالات ابن تيمية الشيخ عبد الله الهررى

الموسوعة الميسرة فى الاديان والمذاهب والاحزاب المعاصرة [المكتبة الشاملة]

مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين الامام ابو الحسن الاشعرى دار احياء التراث العربى

معجم المطبوعات موقع يعسوب [المكتبة الشاملة]

ملاحق تراجم الفقهاء الموسوعة وزارة الاوقاف

معجم فى المصطلحات والفروق اللغوية الشيخ ابو البقاء الكفوى مؤسسة الرسالة

المستطرف فى كل فن مستظرف الشيخ شهاب الدين محمد بن احمد ابو الفتح الابشيهى دارالكتب العلمية

معجم الشعراء الشيخ المرزبانى

المزهر فى علوم اللغة وانواعها العلامة جلال الدين عبد الرحمن بن ابى بكر السيوطى دارالكتب العلمية

المخصص الشيخ ابو السحن المرسى

مروج الذهب الشيخ المسعودى

معجم اللغة العربية المعاصرة

معجم محدثي الذهبى الامام شمس الدين الذهبى دارالكتب العلمية

معجم الصواب اللغوى

معجم ديوان العرب

مثير الغرام الساكن الى اشرف الاماكن العلامة ابن الجوزى

المختصر الكبير فى سيرة الرسول الشيخ عز الدين بن جماعة الكتانى

مختصر التحفة الاثنى عشرية المكتبة السلفية القاهرة

مروان الحکم، شخصیت وکردار قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

الموجز عن الائمة الاعلام الملحقة مع بلوغ المرام الشيخ صفى الرحمن المباركفورى

من فضائل سورة الاخلاص وما لقارئها الشيخ ابومحمد الحسن بن ابى طالب الخلال مكتبة لينة

ماہِ محرم کے فضائل واحکام مفتی رضوان راولپنڈی

المبدع شرح المقنع الشيخ ابراهيم بن محمد ابن مفلح الحنبلى عالم الكتب الرياض

مسائل الامام احمد الشيخ ابو الفضل صالح بن الامام احمد الدار العلمية دهلى

مفید الوارثین حضرت مولانا اصغر حسین صاحب ادارہ اسلامیات لاہور

مالی معاملات پر غرر کے اثرات ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی ادارۃ المعارف

المواريث فى الشريعة الاسلامية الشيخ الصابونى

مشکوٰۃ السراج مفتی صابر علی امروہی

معین الفرائض مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری شعبہ نشر واشاعت جامعہ حسینیہ، راندیر، سورت

معجم مقاييس اللغة ابو الحسين احمد بن فارس بن زكريا اتحاد الكتاب العرب

مختار الصحاح الشيخ محمد بن ابى بكر بن عبد القادر الرازى مكتبة لبنان ناشرون ، بيروت

المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير الشيخ احمد بن محمد بن على المقرى الفيومى المكتبة العلمية

موسوعة الاسماء ومعانيها

مجموع رسائل العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ دار اللباب

نون

نصب الراية الشيخ جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعی الحنفی المكتبه المكية ۱۵۶

نيل الاوطار للشيخ محمد بن علی بن محمد الشوكانیؒ ادارة القرآن كراچی

نهاية المحتاج الی شرح المنهاج الشيخ شمس الدين محمد بن أبی العباس دار الفكر

نظام الفتاویٰ حضرت مفتی نظام الدین اعظمی

النهر الفائق سراج الدين المصری قديمی

نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

نتائج الافكار الشيخ شمس الدين قاضی زاده آفندی دار الفكر

النتف فی الفتاویٰ شيخ الاسلام قاضی القضاة ابوالحسن السغدی ۴۶۱م دارالكتب العلمية بيروت

النافع الكبير العلامه اللكهنویؒ

نصاب الاحتساب الشيخ عمر السنامی

نفع قوت المغتذی علی حاشية سنن الترمذی العلامة السيد علی بن السيد سليمان المغربی الشاذلی فيصل

نورالانوار للشيخ ملا جيون ايچ ايم سعيد كمپنی

النهاية فی غريب الاثر الشيخ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثير الجزری المكتبة العلمية بيروت

نوادر الفقه حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب

نوادر الاصول الحكيم الترمذی

النكت علی مقدمة ابن الصلاح العلامة بدرالدين ابوعبدالله الزركشی الشافعی اضواء السلف

نهاية العالم الشيخ محمد بن عبد الرحمن العريفی

نزهة المجالس الشيخ عبد الرحمن بن عبد السلام الصفوری الشافعی

نخب الافكار شرح معانی الآثار العلامة بدر الدين العينی

نثر المرجان من مشكلات القرآن مولانا افضل خان صاحب

نواقض الايمان القولية والعملية الشيخ عبد العزيز بن محمد بن علی العبد اللطيف

النبوة والانبياء　الشيخ محمد على الصابونى

النجوم النشطى　حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

نزهة الخواطر　العلامة الشريف عبد الحى بن فخر الدين الحسنى　اداره تاليفات اشرفيه

نتيجة النظر فى شرح نخبة الفكر　الشيخ الحافظ محمد بن احمد ابن حجر العسقلانى　دار المنهاج

نوراليقين فى سيرة سيد المرسلين　الشيخ محمد بن عفيفى الخضرمى　دارالمعرفة بيروت

النهاية فى الفتن والملاحم　العلامة ابن كثير الدمشقى

النجوم الزاهرة فى ملوک مصر والقاهرة　المؤرخ ابن تغرى بردى

نهاية الايجاز فى سيرة ساكن الحجاز　الشيخ ابو اسحاق الثعلبى

نشر الطيب بذكر الحبيب　حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

النفقة على العيال　لابن ابى الدنيا

واو

ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا

ویکی پیڈیا

وفيات الاعيان　الشيخ ابوالعباس شمس الدين احمد بن محمد بن ابى بكر بن خلكان　دارصادر بيروت

الوابل الصيب　العلامة ابو عبد الله محمد بن ابى بكر ايوب الزرعى ابن القيم الجوزية　دارالكتاب العربى

ورلڈ بک انٹرنیشنل

الوافى بالوفيات　الشيخ صلاح الدين خليل بن ايبک الصفدى　داراحياء التراث بيروت

هاء

الهداية　الشيخ ابو الحسن على بن ابى بكر المرغينانىؒ و ۵۱۱ت ۵۹۳ھـ　مكتبة شركة علمية

هدية العارفين　الشيخ اسماعيل باشا البغدادى

الهدية العلائية لتلاميذ المكاتب الابتدائية　الشيخ علاء الدين بن محمد امين عابدين الدمشقى　دار ابن حزم

الهيئة الوسطى　حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

الهيئة الصغرى　حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

هدية الاحياء للاموات ومايصل اليهم من النفع والثواب على ممر الاوقات الشيخ على بن احمد القرشى

ياء

اليواقيت　الشيخ عبد الوهاب الشعرابى

اليواقيت الغالية فى تحقيق الاحاديث العالية　الشيخ محمد يونس السهارنفورى

يقظة اولى الاعتبار　الشيخ صديق حسن خان

يوسف زليخا　مولانا عبدالرحمٰن جامی　لکھنؤ